

العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ

فتاویٰ نعیمیہ

صاحبزادہ اقتدار احمد خان بدایونی نعیمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

العطایا الاحمدیہ

طلاق بالعجا کا بیان

پہلا فتوای ۔ نیز فاسق شخص نیک لوگوں کا کفو نہیں بن سکتا ۔ نیز متعنت فی النفقہ کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے

. . . . کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں: کہ میں مسمات زینب بی بی کا نکاح آج سے پانچ سال پیشتر ایک شخص زید سے ہوا ۔ اس شخص کو ہم نے اسی ازدواجی سلسلے کے لیے ہندوستان سے سنگیتر بنا کر بلایا تھا یہ ہمارے دور کے رشتے داروں میں سے ہے ۔ یہاں برطانیہ میں آ کر ظاہر ہوا کہ یہ شخص شراب بھی پیتا ہے ۔ نہ معلوم یہ شراب نوشی کی عادت پرانی ہے یا یہیں برطانیہ میں آ کر غلط لوگوں میں برے دوستوں میں بیٹھ کر پیدا ہوئی ۔ یہ شراب نوشی مجھکو اس طرح معلوم ہوئی کہ ایک دفعہ شراب کی نیم نشہ کی حالت میں گھر آیا جس کی منہ کی بدبو سے اور کچھ بہکی بہکی باتیں ہوئیں ۔ یہ خود میں نے بھی اور میری دو بہنوں نے بھی محسوس کیا ۔ چونکہ مجھ کو معلوم تھا کہ اس سے میری شادی نکاح ہونا ہے اس لیے میں نے اپنے والدین سے کہا کہ یہ شخص شراب پیتا ہے ۔ لہٰذا اس کے ساتھ میرا نکاح نہ کرو ۔ مگر والدین نے افسوس کرنے کے باوجود مجھ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ امید ہے کہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے اور ہمارے گھر کے اچھے ماحول کا اثر پڑے گا ۔ اس کے بعد والدین نے میری شادی اسی شخص سے کر دی اور یہاں کے قانون کے مطابق رجسٹرڈ بھی ہو گئی اور شرعی طور پر امام مسجد صاحب نے اپنے فارم پر بھی نکاح خوانی درج کر لی اور میری رخصتی بھی اپنے ہی گھر کے ایک کمرے میں ہو گئی ۔ تقریباً ایک ہفتہ میرا یہ خاوند زید مذکور میرے ساتھ بالکل اچھے طریقے سے خانہ آبادی کا سلوک کرتا رہا ۔ پھر ایک رات محسوس ہوا کہ شراب پیئے ہوئے گھر میں آیا میں نے پوچھا تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ۔ اس طرح چند دن بعد پھر شراب پی کر آیا اور میں نے اس کی منہ کی بدبو سے اندازہ لگا لیا کہ شراب پیئے ہوئے ہے جب میں نے پوچھا تو مجھ کو مارنے پیٹنے لگا ۔ یہاں تک کہ میرے کپڑے بھی پھاڑ دیئے یہ سب کچھ میری بہن کو بھی چشم دید پتہ ہے ۔ پھر یہ معمول بن گیا کہ ہر دوسرے تیسرے دن یا کبھی ہر دوسرے تیسرے ہفتے وہ اس طرح کے کام کرتا ۔ ہم دونوں کی لڑائی تلخ کلامی ہوتی اور وہ مجھ کو مارتا توڑتا ۔ ایک دفعہ اس نے لڑائی کے دوران یہ بھی کہا کہ میں نے تجھ کو رکھنا نہیں ہے میں نے تو صرف اس ملک کا مستقل رہائشی ویزہ (نیشنلٹی) لینے کے لیے تجھ کو بیوی بنایا ہے ۔ میں نے ایک دفعہ اس سے کہا کہ تو کچھ ملازمت کرتا کہ اس کی تنخواہ سے مجھ کو رہائش خوراک کا خرچہ ملے ، مجھ کو اپنے والدین پر اب بوجھ بنتے شرم آتی ہے ۔ مگر اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کبھی مجھکو خرچہ کبھی میرے کچھ بھی حقوق ادا نہ کیے ۔ یہ لڑائی مار پٹائی اور روز روز کی جھک جھک میرے والدین سنتے محسوس کرتے تھے آخر ایک دن تنگ آ کر میں نے اپنے والدین سے کہا کہ میری جان تم


NABWI LIBRARY
اسلامي كتب
قرآن و تفاسير
شروحات درس نظامي
فقه و أصول فقه
حديث و أصول حديث
تاريخ و سيرت
عصر حاضر و سياسيات
مختلف موضوعات
24/7 SUPPORT
Quraan / Tafseer
Hadees / Usool-e-Hadees
Fiqh / Usool-e-Fiqh
Seerat / Tareekh
Morden Education
Engilsh / Hindi &
Other Languguges Book
NABWI LIBRARY
TO GET ISLAMIC BOOKS JOIN US ON TELEGRAM @NABWILIBRARY
المكتبة النبوية
المكتبة النبوية
NABWI LIBRARY
Authentic collection of Islamic literature's E-Books in multiple languages
المکتبۃ النبویۃ میں آپ کا خیر مقدم ہے
Welcome to Nabwi Library
آپ کی دعاؤں کا طلبگار احقر العباد مشکور نعیمی
مفت کتابیں حاصل کرنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں
+91-9761897028-+966-537628162
https://t.me/nabwilibrary
SCAN ME

لوگوں نے خواہ مخواہ مصیبت میں ڈال دی ہے نہ مجھ کو چین ہے تم کو مجھ کو یا طلاق دے دو یا یہ مصیبت ختم کرو۔ تب میری والدہ نے ایک دن اس کو سب گھروالوں کے سامنے بٹھا کر کہا کہ تونے کیوں ہماری بیٹی کو مصیبت ڈال ہوئی ہے اگر تو نہیں رکھتا تو اپنی اس بیوی زینب کو شرعی طلاق دے دے۔ اس پر میرے خاوند زید نے کہا کہ طلاق دینا کیا مشکل ہے وہ تو چار لفظ طلاق ہے وہ میں دیتا ہوں۔ پھر میرا خاوند کھڑا ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ زینب میری دشمن نہیں ہے یہ میری بہن ہے میری بہن ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اچھا خاوند دے اس کے بعد وہ گھر سے باہر نکل گیا اور آج تک وہ ہم سے بے تعلق ہے ہم میں سے کسی شخص نے پھر اس کی کبھی شکل نہ دیکھی نہ کوئی خط و کتابت یا ٹیلیفون سے کبھی رابطہ ہوا۔ اس وقت جب خاوند نے یہ الفاظ کہے ہم سب گھر والے یعنی میں اور میری والدہ میرے والد میری سب بہنیں اسی ایک کمرے میں موجود تھے ہم سب ہی اس بات کے گواہ ہیں۔ اس واقعے کے دو سال بعد میں نے برطانوی کورٹ میں ڈگری دائر کیا۔ کورٹ نے میرے بتائے ہوئے اس کے دوستوں کے پتوں پر اور انڈیا کے پتے پر میرے اسی خاوند زید سے رابطہ قائم کرنے کی بہت کوشش کی ملکی اخباروں میں خبر شائع ہوئی مجھ سے بھی کورٹ جج نے اپنی قانونی رسم کے مطابق زبانی و تحریری قسم لی اور پانچ ماہ کے بعد تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلہ عدالت کا تحریری ثبوت اور تمام لوازمات تقریبًا اسی صفحات پر حاضر ہے۔ عدالتی مقدمے اور تفتیشی کاروائی کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کو مقدمے کی اطلاع اس کے ان دوستوں نے دے دی تھی جن کے پتوں پر کورٹ نے سمن بھیجے تھے اور ان دوستوں نے سمن وصول کر کے واپسی اطلاع کورٹ کو دی کہ سمن وصول ہوا۔ اس فیصلے کے ایک سال بعد میرے والدین نے کسی جگہ سے ایک شرعی فیصلہ بھی منگایا جس نے میری طلاق کو درست قرار دیا۔ اس شرعی فیصلے کے تقریبًا دس ماہ بعد میں نے اپنا نکاح دوسری جگہ کر لیا فرمایا جائے کہ کیا یہ دوسری جگہ میرا نکاح شرعًا درست ہے یا غلط اب وہ خاوند زید مذکوران واقعات طلاق وغیرہ کا انکار کرتا ہے اور اس کا ایک خود ساختہ وکیل مولوی امام شور مچاتا ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائلہ و دستخط گواہان ۱۹۸۹-۱۱-۹

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورت مسئولہ میں بحیثیت مفتی اسلام اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے تقریبًا تین ماہ تک تمام حالات کی تحقیق و تفتیش مکمل طریقے سے کی۔ ہر دو فریق سے رابطہ رکھ کر چھان بین ثبوت و گواہیں اور حلفیہ بیانات لینے اور تحریری بیانات وغیرہ وصول پانے نیز اب تک کی پوری کاروائی کا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد یہ شرعی فیصلہ جاری کیا جا رہا ہے۔ اس تمام تحقیق و تفتیش سے مندرجہ ذیل تیرہ ۱۳ باتیں ثابت ہوئیں۔ نمبر۱۔ بیوی کو اپنے اس خاوند کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ حالانکہ یہ کام شریعت اسلامیہ میں ہر مسلمان پر حرام ہے نمبر۲۔ بیوی مذکورہ نے اسی شراب نوشی کی عادت کی بنا پر اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے والدین کو شادی سے منع کیا تھا۔ مگر ایک موہوم خیال کی بنا پر لڑکی کے والدین نے اپنی بیٹی کو اس

بات کی تسلی دے کر کہ بعد میں یہ خاوند مذکور ماحول کا اثر پکڑ کر خود بخود درست ہو جائے گا۔ اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کردیا۔ نمبر ۳۔ بیوی مذکورہ اور اس کی ہمشیرگان نے نکاح سے پہلے بھی اور بعد میں بھی کئی مرتبہ اس شخص مذکور کو شراب پیتے اور پھر بحالت نشہ گھر آتے دیکھا اور منہ کی بدبو وغیرہ سے ثبوت مہیا کیا نمبر ۴۔ اسی شراب نوشی کی وجہ سے بیوی مذکورہ مدعیہ اور اس خاوند سے کئی دفعہ لڑائی جھگڑا مارکٹائی ہوئی۔ نمبر ۵۔ بیوی مدعیہ اور اس کے تمام لواحقین ذاتی اور خاندانی طور پر شریف اور نیک پرہیزگار ہیں کسی خاندانی شخص نے کبھی شراب نوشی نہیں کی۔ نمبر ۶۔ خاوند مذکور نے اپنی اسی بیوی کو اس کی والدہ کی مرضی اور مطالبہ پر اس طرح ان الفاظ سے طلاق دی کہ شریعت کی طلاق کیا ہوتی ہے وہ تو چار لفظ۔ ط ل ا ق ہوتی ہے وہ میں دیتا ہوں۔ یہ طلاق چار گواہوں کی موجودگی میں دی گئی نمبر ۱ مدعیہ کی والدہ نمبر ۲ مدعیہ کا والد نمبر ۳ مدعیہ کی دو بہنیں۔ ایک چھوٹی نمبر ۴ ایک بڑی مگر ہمارا یہ فتویٰ اور شرعی فیصلہ اس گواہی کی بنیاد پر نہیں ہے نہ ہم نے ان کی گواہی شرعی طریقے پر لی ہے نہ انھوں نے گواہی دی کیونکہ قانون قرآن و حدیث اور شریعت اسلامیہ میں یہ گواہی قبول نہیں ہوتی چنانچہ ہدایہ شریف جلد سوم صفحہ ۱۲۹ پر ہے۔

وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِاَبَوَيْهِ وَلِاَجْدَادِهٖ وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا يُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِوَالِدِهٖ وَلَا الْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا وَلَا الزَّوْجِ لِامْرَأَتِهٖ وَلَا الْعَبْدِ لِسَيِّدِهٖ وَلَا الْمَوْلٰى لِعَبْدِهٖ۔ ترجمہ۔ اور نہیں قبول کی جاسکتی کسی بھی دعوے میں والد کی یعنی ماں اور باپ کی گواہی اپنی اولاد کے حق میں اور نہ اولاد کی گواہی اپنے والدین یا دادا نانا کے حق میں نہ پوتوں نواسوں کے حق میں اور نہ بیوی کی گواہی اپنے شرعی مو بیرہ خاوند کے حق میں نہ خاوند کی بیوی کے حق میں نہ غلام کی اپنے مولیٰ کے حق میں نہ مولیٰ کی اپنے غلام کے حق میں۔ ان باتوں سے اور تمام شرعی ضابطوں و اسلامی احکام سے مدعیہ اور اس کے تمام لواحقین کو تحریری طور پر آگاہ کردیا گیا ہے۔ انھوں نے اس پر تحریری رضامندی دیتے ہوئے شرعی فیصلے کا مطالبہ کیا تب ہم نے مدعیٰ علیہ خاوند زید مذکور سے شرعی حلف اور اسلامی طریقوں پر قسم لینے کے لیے مدعیٰ علیہ اور اس کے جملہ لواحقین اور اس کے وکیل سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے بھی میرے فتویٰ اور فیصلے کو مکمل طریقے و تحریر کو تسلیم کرتے ہوئے مدعیٰ علیہ کی طرف سے تمام کاغذات جو بھی اس وقت ان کے پاس موجود تھے بذریعہ ڈاک میرے پاس بھیج دیئے جو میرے ریکارڈ میں موجود ہیں ان کا کئی دفعہ میں نے مطالعہ کیا مگر وہ شرعی ضابطوں کے مطابق درست نہ تھے نہ اس طرح شرعی قسم ثابت ہوتی ہے۔ میں نے پھر کئی مرتبہ مدعیٰ علیہ اور لواحقین کو ٹیلی فون کیا کہ اگر کچھ تحریری بیانات ہوں تو وہ بھی بھیجدو تاکہ مدعیٰ علیہ کے حق میں مزید تسلی ہوسکے مگر تقریباً پانچ دفعہ ٹیلی فون کرنے پر ہر دفعہ مدعیٰ علیہ کی رابطہ کمیٹی اور وکیل نے یہی جواب دیا کہ جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ سب ہم نے آپ کو بھیجدیا۔ میں نے واضح الفاظ میں مدعیٰ علیہ کے وکیل کو آگاہ کردیا کہ اس طرح شرعی فتویٰ مدعیٰ علیہ خاوند زید مذکور کے خلاف ہوسکتا ہے مگر لواحقین نے فون پر کہا کہ آپ فتویٰ دے دیں جو بنتا ہے جاری کریں۔ ان تمام باتوں سے مجھے ثابت ہوگیا کہ مدعیٰ علیہ نہ خود آکر قسم دے سکتا ہے نہ تحریری شرعی قسم دے سکتا ہے اور قانون جو

شریعت یہ ہے کہ جب مدعیٰ علیہ کی طرف سے قسم سے انکار ثابت ہو جائے۔ حقیقی انکار یا حکمی۔ تو مفتیِ وقت اور قاضیِ شریعت پر واجب ہے کہ وہ شرعی فیصلہ مدعی کے حق میں اور مدعیٰ علیہ کے خلاف جاری کر دے۔ چنانچہ ھدایہ شریف جلد سوم ص۱۹۲ باب الیمین میں ہے۔ وَاِذَا نَکَلَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ عَنِ الْیَمِیْنِ قَضٰی عَلَیْهِ بِالنُّکُوْلِ وَاَلْزَمَهٗ مَا ادُّعِیَ عَلَیْهِ قَالَ وَیَنْبَغِیْ لِلْقَاضِیْ اَنْ یَقُوْلَ لَهٗ اِنِّیْ اَعْرِضُ عَلَیْكَ الْیَمِیْنَ ثَلٰثًا۔ فَاِنْ حَلَفْتَ وَاِلَّا قَضَیْتُ عَلَیْكَ بِمَا ادَّعَاهُ ... قَالَ فَاِذَا کَرَّرَ الْعَرْضَ عَلَیْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَضٰی عَلَیْهِ بِالنُّکُوْلِ ثُمَّ النُّکُوْلُ قَدْ یَکُوْنُ حَقِیْقِیًّا کَقَوْلِهٖ لَا اَحْلِفُ وَقَدْ یَکُوْنُ حُکْمِیًّا بِاَنْ یَّسْکُتَ وَحُکْمُهٗ حُکْمُ الْاَوَّلِ ترجمہ۔ اور جب مدعیٰ علیہ قسم دینے سے انکار کر دے یعنی کسی طرح سے بھی شریعت کے تمام ضوابط و شرائط کے مطابق قسم نہ دے سکے تو قاضیِ اسلام مدعی کے حق میں اور مدعیٰ علیہ کے خلاف دعوے کو صحیح اور سچا تسلیم کرتے ہوئے اپنا فیصلہ شرعیہ جاری کر دے اور جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ چیز مدعیٰ علیہ پر لازم جاری اور واجب کر دے۔ مصنف امام علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ مدعیٰ علیہ کو کم از کم تین مرتبہ کہے کہ میں تجھ کو آگاہ کرتا ہوں کہ تو اپنی قسم دے اور دعوے کو غلط ثابت کر۔ اگر تو نے سچی اور مکمل طور پر شریعت کے مطابق صحیح صحیح قسم دے دی تو فبہا۔ تیرے حق میں فیصلہ ہوگا۔ ورنہ یعنی اگر تو صحیح قسم نہ دے سکا تو تیرے خلاف دعویدار کے حق میں فیصلہ دے دوں گا۔ پھر قاضیِ اسلام رابطہ قائم کر کے یا موجودگی العدالت مدعیٰ علیہ کو تین دفعہ کہے کہ قسم دے (شریعت کے مطابق) اگر اس کی طرف سے سچی اور صحیح قسم نہ ہو سکے تو نتیجۃً انکار ثابت ہو جانے کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ جاری کر دے پھر انکار شریعت میں ہوتا ہے۔ مثلاً مدعیٰ علیہ کی طرف سے قسم دینے میں خاموشی پائی جائے اور مدعیٰ زبانی یا تحریری شرعی قسم نہ دے سکے۔ صورتِ مذکورہ مسئولہ میں ہمارے سامنے انکارِ قسم کی یہی دوسری انکارِ حکمی کی کیفیت ثابت ہے۔ عبارتِ فقہ کے مطابق دونوں قسموں کا حکم ایک ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اس لیے یہ فیصلہ شرعیہ اسلامیہ ہر لحاظ و اعتبار سے مدلّل و مکمّل جاری کیا جاتا ہے۔ ایک پڑوسی امام مسجد نے اس مقدمے میں مدعیٰ علیہ کی طرف سے وکالت کی۔ میرا مکمل رابطہ اسی سے قائم رہا جس کا امام کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ نیز ہر چیز کا ثبوت ہمارے کرنے اور بیانِ دعویٰ کو صحیح حاصل کرنے کے لیے ان سے باوضو کلمہ پڑھوایا۔ پھر ان سے شرعی گواہوں کا مطالبہ کیا۔ مگر پیش نہ کر سکے ان کے ساتھ آئے ہوئے چند احباب دوست پڑوسی وغیرہ۔ ان سے میں نے کہا کہ آپ لوگ بچے گواہ اور ان سب واقعات کو جانتے ہیں۔ انہوں نے گواہ بننے سے انکار کیا تب میں نے مدعیہ کو آگاہ کیا کہ چونکہ آپ کے پاس شرعی گواہی نہیں ہے۔ اس لیے مجھ کو مدعیٰ علیہ سے رابطہ قائم کر کے قسم لینے کی ضرورت ہے اور یہ ضروری نہیں کہ میرا فیصلہ آپ کے حق میں ہو۔ انہوں نے تسلیم کیا تو ہم نے مدعیٰ علیہ اور اس کے لواحقین سے رابطہ کیا۔ یہی اسلام کا حکم ہے چنانچہ قدوری ص۲۴۰ پر ہے وَاِذَا صَحَّتِ الدَّعْوٰی سَئَلَ الْقَاضِیْ مُدَّعٰی عَلَیْهِ عَنْهَا لِیَنْکَشِفَ وَجْهُ الْحُکْمِ فَاِنِ اعْتَرَفَ قَضٰی عَلَیْهِ وَاِنْ اَنْکَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِیَ الْبَیِّنَةَ فَاِنْ اَحْضَرَهَا قَضٰی بِهَا وَاِنْ عَجَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَطَلَبَ یَمِیْنَ خَصْمِهٖ اِسْتَحْلَفَهٗ عَلَیْهَا۔ اَیْ عَلَی الدَّعْوٰی۔ (الخ)

ترجمہ جب دعویٰ تمام شرعی ضابطوں شرطوں بیانوں اور تسلیوں کے ساتھ مکمل اور صحیح ہو جائے تو حاکمِ اسلام مدعیٰ علیہ کو عدالت میں بلائے۔ اس کو دعوےٰ کے متعلق آگاہ کرے اگر وہ مدعیٰ علیہ دعوے کو مان لے تو قاضیٔ اسلام مدعیٰ علیہ کے خلاف اور مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے اور اگر مدعیٰ علیہ دعوے کا انکار کرے تو حاکمِ شریعت مدعی سے شرعی گواہی طلب کرے اگر مدعی صحیح اور شرعی گواہی پیش کر دے تو گواہی لیتے ہی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن اگر مدعی شریعت میں مقبول گواہی دینے سے عاجز ہو جائے تو اس کے مطالبہ پر مدعیٰ علیہ سے قسم لے تاکہ وہ دعوے کے خلاف قسم دے کر دعوے کو توڑے غلط بتائے۔ یہاں بالکل یہی صورت پائی گئی اور ہم بالکل شریعت کے ان ہی قوانین کے ماتحت کاروائی کی نمبر۷ خاوند مذکور فی السوال نے اپنی اس بیوی کو کہا یہ میری بہن ہے نمبر۸۔ خاوند مذکور نے اپنی اسی بیوی کے لیے کہا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالٰی اسے اچھا خاوند دے۔ نمبر۹ خاوند زید مذکورہ نے آج تک اپنی اس بیوی کو کبھی کوئی خرچہ نان نفقہ رہائش وغیرہ جیسے کسی حقوقِ زوجیت کو ادا نہ کیا۔ بلکہ اب کئی سال سے روپوش ہے نمبر۱۰ اس طلاق کے بعد خاوند مذکور نے کبھی کسی طریقے سے اپنی اس بیوی سے میل ملاقات خط و کتابت یا کوئی رابطہ نہ کیا نہ خانہ آبادی کی خواہش ظاہر کی۔ نہ ہی اس دوران کورٹ میں حاضری دی۔ نمبر۱۱ اسی خانہ بربادی کے پیشِ نظر بیوی مذکورہ نے برطانوی کورٹ کچہری میں مقدمہ تنسیخ نکاح دائر کیا اور برطانوی قانون نے اپنے طریقۂ کار کے ماتحت اپنے لاء وقانون کے مطابق تحقیق و تفتیش کے بعد تقریباً پانچ ماہ گزار کر بیوی مذکورہ کے حق میں تنسیخ نکاح کا فیصلہ نافذ کر دیا اور یہ فیصلہ انگریزی اخبارات روزناموں و ہفتہ وار میں شائع ہوا لیکن خاوند مذکور نے اس فیصلے کے خلاف کسی قانونی کورٹ میں اپیل نہیں کی نمبر۱۲ مدعیہ مذکورہ کی والدہ اور والد نے اپنی اس مدعیہ مذکورہ زینب بیٹی کی اس طلاق کے بارے میں ایک جگہ سے شرعی فیصلہ بھی حاصل کیا نمبر۱۳ بیوی مذکورہ نے ان تمام فیصلوں کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنی دانست اور سمجھ میں اپنی شرعیہ عدت گزار کر مزید دس ماہ انتظار کر کے دوسری جگہ اپنا شرعی نکاح کر لیا یہ تھیں وہ تیرہ باتیں جو بیان ثابت ہوئی ہیں ان تمام مندرجہ بالا تحریری بیانات کو سچا ثابت قرار دینے اور سمجھنے کیلئے میں نے بذاتِ خود اپنے سامنے باوضو قرآنِ کریم پر ہاتھ لگوا کر قبر قیامت کا خوف اور یاد دلا کر سب کا حلفیہ بیان لیا۔ غرض کہ جس طرح بھی ہو سکی میں نے نہایت امانت و دیانتداری سے مکمل غیر جانبدار ہو کر تفتیش کی فریق ثانی کو بھی پوری طرح ہر بات سے آگاہ کیا ان سے بھی تحریری بیان لیے۔ فریق ثانی اپنے تحریری بیانات میں مدعیہ کی بات کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ خاوند مذکور کی طرف سے اب کچھ انکار محض الزام تراشی اور بناوٹی بیان ہے۔ اس ایک کذب بیانی سے خاوند کی باقی باتیں بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ اس میں تفتیش غور و فکر میں ڈھائی تین ماہ کا عرصہ گزرا اور یہ تحقیق اور دو طرفہ رابطہ کرنا مفتیٔ اسلام پر فرض ہے۔ چنانچہ فتاوٰی رد المحتار شامی جلد دوم ص۶۱۹ پر ہے: "لَا یُفْتِیْ اَحَدَ الْخَصْمَیْنِ دُوْنَ خَصْمِہٖ اَلْبَتَّہ" ترجمہ۔ جس دعوے کا تعلق دو فریق یعنی مدعی اور مدعیٰ علیہ سے ہو اگر ایسا مقدمہ کسی مفتی وغیرہ کے پاس فیصلۂ شرعیہ کے لیے آئے تو مفتیٔ اسلام ایک فریق کو اپنا فتوٰی یا فیصلہ نہ دے بلکہ دونوں طرف کا بیان سن کر فتوٰی دے

یہی وجہ ہے کہ قانونِ شریعتِ اسلامیہ میں غیر حاضر مدعیٰ علیہ کے خلاف فیصلہ کر دینا غلط ہے۔ چنانچہ فتاوٰی تنویر الابصار جلد چہارم ص۴۶۵ پر ہے۔ وَلَا یُقْضٰی عَلٰی غَائِبٍ وَلَا لَہٗ اَیْ لَا یَصِحُّ بَلْ وَلَا یَنْفُذُ (الخ) ترجمہ۔ کسی بھی مقدمے میں کسی فریق سے غائب یعنی لاعلم ہونے کی صورت میں فیصلہ جاری نہ کیا جائے اگر کسی مفتی یا قاضی وغیرہ نے اس قسم کا فیصلہ یک طرفہ بلا تحقیق جاری کر دیا۔ تو وہ فیصلہ صحیح بھی نہ ہوگا اور جاری بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فتاوٰی عالمگیری جلد سوم ص۳۱۲ پر ہے۔ وَفِیْ نَوَادِرِ بْنِ سَمَاعَۃَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ حَاکِمٍ اُخْبِرَ بِاِعْتَاقِ رَجُلٍ عَبْدَہٗ اَوْ بِطَلَاقِ رَجُلٍ اِمْرَئَتَہٗ ثَلَاثًا قَالَ اِنْ اَخْبَرَہٗ بِذٰلِکَ عَدْلَانِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یَجْتَہِدَ فِیْ طَلَبِ ذٰلِکَ اَشَدَّ التَّطَلُّبِ حَتّٰی یَظْفُرَ بِہٖ وَیَنْظُرَ فِیْ اَمْرِہٖ (الخ) ترجمہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ قانون فرمان مروی ہے اس قاضی یا مفتی حاکم کے بارے میں کہ جس کو دو عادل نیک متقی گواہوں نے بتایا کہ فلاں شخص نے اپنا غلام آزاد کر دیا۔ یا فلاں خاوند نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو حاکم اور مفتی اسلام پر واجب ہے کہ اس خبر اور معاملے کی انتہائی سخت طریقے سے تفتیش کرے یہاں تک کہ تمام حالات اس پر کھل جائیں اور اس خبر پر خوب غور و فکر کرے۔ اصطلاحِ فقہا میں یَنْبَغِیْ کا معنیٰ ہے واجب ہونا۔ چنانچہ فتاوٰی بحر الرائق جلد چہارم ص۲۹۱ پر ہے۔ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰی مَعْصِیَۃٍ یَنْبَغِیْ اَنْ یَحْنَثَ (الخ) وَھُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ یَنْبَغِیْ اَنْ یَحْنَثَ اَیْ یَجِبُ عَلَیْہِ الْحِنْثُ۔ ترجمہ جو شخص کسی گناہ کرنے پر قسم کھائے تو اس کو لائق ہے یعنی واجب ہے کہ قسم توڑ دے گناہ نہ کرے اور یَنْبَغِیْ کا معنیٰ ہے واجب ہونا یعنی اس پر واجب ہے کہ حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے ثابت ہوا کہ مفتی اسلام اور ہر فتوٰی دینے والے پر شریعتِ مطہرہ کی طرف سے واجب ہے کہ دونوں طرف کے حالات سن کر مکمل تحقیق کر کے فتوٰی دے۔ فتاوٰی بہارِ شریعت حصہ بارھواں ص۲۶ پر فتاوٰی شامی کے حوالے سے ہے۔ **مسئلہ**۔ مفتی کو بیدار مغز ہونا اور ہوشیار ہونا چاہیے۔ غفلت برتنا اس کے لیے درست نہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر فتوٰی دے دیتے ہیں۔ محض فتوٰی ہاتھ میں ہونا ہی اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں بلکہ مخالف پر اس کی وجہ سے غالب آجاتے ہیں اس کو کون دیکھے کہ واقعہ کیا تھا اور اس نے سوال میں کیا ظاہر کیا (ردالمحتار)۔ اس طرح فتاوٰی بحر الرائق جلد ششم ص۲۶۶ پر ہے۔ فَصْلٌ فِی الْمُفْتِیْ فَھُوَ فَرْضُ کِفَایَۃٍ وَمَعَ ھٰذَا لَا یَحِلُّ التَّسَارُعُ اِلٰی مَا لَا یَتَحَقَّقُ تَرجمہ۔ فتوٰی لکھنا فرضِ کفایہ ہے لیکن اس کے باوجود مفتی کو جلد بازی کرنا حلال نہیں اس واقع اور مقدمے کے فیصلے میں جس میں اس کو پوری تحقیق نہ ہو گئی ہو۔ ان تمام مندرجہ بالا دلائل و عبارات سے ثابت ہوا کہ یکطرفہ اور بلا تحقیق فتوٰی دینا حرام و ناجائز ہے اور زبردست گناہ کبیرہ ہے۔ آج کل بعض لونڈوں نے فتوٰی نویسی کو کھیل سمجھ لیا۔ ہر جاہل آدمی کو مفتی اور ہر لایعنی بیہودہ فضول تحریر کو فتوٰی قرار دے دیا جاتا ہے۔ خاص کر برطانیہ میں اکثر تو زیادہ ہی بے باکی شروع کر دی گئی ہے۔ ہر چھوٹے بچے معاملے میں قلم پکڑ کر مفتی ہو وقت بن بیٹھتے ہیں۔ یہ بدنصیب کم عقل لوگ یہ نہیں سمجھتے

کہ یہ جاہلانہ حرکتیں کھلم کھلا جہنم کا راستہ ہیں۔ فتاویٰ رد المحتار شامی جلد سوم نے صـ۴۱ پر فرمایا۔ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عَارِفًا بِعُرْفِ اَهْلِ زَمَانِهٖ فَهُوَ جَاهِلٌ۔ ترجمہ۔ جو شخص اپنے زمانے کے حالات اور مشہور عادتیں یا باتیں نہ جانے وہ بالکل جاہل ہے۔ قیامت ہی کی نشانی ہے کہ اس قسم کے جُہلاء زمانہ اب مفتی زمانہ بننا چاہتے ہیں ایسے جھوٹے اور جاہلانہ فتوے اکثر جاری ہوتے اور بکھرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی چند لڑکوں نے مل کر ایک کونسل بنالی ہے جسکے تقریبًا چار فتووں کی مکمل تردید مجھ کو بھی کرنی پڑی اللہ تعالیٰ ہم سب کو کچی سمجھ عطا فرمائے اور ہدایت بخشے۔ فقہاء ملت کے ان ہی فرمودات اور ضوابطِ کلیہ کے پیش نظر ہی دو طرفہ رابطے کے ذریعے اچھی طرح چھان بین کر کے یہ مضبوط اور حتمی شرعی فیصلہ جاری کیا جا رہا ہے اب کسی تخریب کار کو کسی طریقے سے انکار و اعتراض کی ظاہرًا کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی صورت مسئولہ میں مندرجہ بالا تیرہ چیزوں میں چار چیزوں سے ان دونوں خاوند بیوی کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ پہلی چیز وہ کہ خاوند مذکور کے متعلق متعدد طریقوں سے ثابت و ظاہر ہوا کہ یہ شراب پیتا ہے اور قانونِ شریعت کے مطابق شراب پینے والا آدمی نیک لوگوں کا کفو ہرگز نہیں ہو سکتا اور غیر کفو میں کسی بھی شریف دختر کا نکاح کرنا باطل و فاسد اور قابلِ فسخ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد دوم صـ۳۱۸ پر ہے اور فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صـ۱۲۵ پر ہے۔ وَذَكَرُوْا اَصْحَابُ الْفَتَاوٰى اِنَّ الْاَبَ اِذَا زَوَّجَ بِنْتَهُ الصَّغِيْرَةَ مِمَّنْ يُّنْكِرُ اَنَّهٗ يَشْرِبُ الْمُنْكَرَ فَاِذًا هُوَ مُدْمِنٌ لَّهٗ وَقَالَتْ بَعْدَ مَا كَبُرَتْ لَا اَرْضٰى بِالنِّكَاحِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ يَعْرِفُهُ الْاَبُ بِشُرْبِهٖ وَكَانَ غَلَبَةُ اَهْلِ بَيْتِهٖ صَالِحِيْنَ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ اِتِّفَاقًا لِاَنَّهٗ اِنَّمَا زَوَّجَ عَلٰى ظَنِّ اَنَّهٗ كُفْءٌ۔ الخ) وَفِي الظَّهِيْرِيَّةِ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهٗ بَاطِلٌ وَهُوَ الْحَقُّ۔ اسی طرح فتاویٰ ہندیہ جلد اول صـ۲۹۱ پر ہے۔ فَلَا يَكُوْنُ الْفَاسِقُ كُفْوًا لِلصَّالِحَةِ۔ (الخ) رَجُلٌ زَوَّجَ بِنْتَهُ الصَّغِيْرَةَ مِنْ رَجُلٍ عَلٰى ظَنِّ اَنَّهٗ صَالِحٌ لَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ فَوَجَدَهُ الْاَبُ شَرِيْبًا مُّدْمِنًا۔ (الخ) وَغَلَبَةُ اَهْلِ بَيْتِهِ الصَّالِحُوْنَ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ اَيْ يُبْطَلُ وَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ بِالْاِتِّفَاقِ۔

ترجمہ (سب عبارتوں کا ترجمہ)۔ اگر کسی شخص نے اپنی چھوٹی بچی کا نکاح کسی شرابی آدمی سے کر دیا یہ خیال کر کے کہ چونکہ یہ رشتے برادری کا ہے لہٰذا یہ لڑکی کا کفو بھی ہے۔ پھر ثابت ہوا کہ یہ شخص تو بست عادی شرابی ہے تو تمام فقہا کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے یعنی نکاح فسخ اور باطل کرنا پڑے گا اور خاوند بیوی میں تفریق کرنی لازم ہے۔ کیونکہ شرابی انسان فاسق ہے اور فاسق بدکار انسان کسی نیک لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ ان فقہیہ شرعیہ عبارات سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ شراب پینے والا شخص نیک عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اور حدیث اور فقہ کی رو سے غیر کفو میں نکاح کر دینا غلط ہوتا ہے۔ اگر ایسے بدکردار انسان سے نیک عورت کا نکاح کسی طرح کی تسلی تشفی دے کر کر دیا گیا تو وہ بیوی کی درخواست و مطالبے پر مفتی ہر اسلام فسخ کر سکتا ہے۔ لیکن ہمارا یہ فتوی سوال کی بات نمبر ۲ اور نمبر ۷ کی بنیاد پہ ہے ان دونوں تحریری باثبوت باتوں نے ثابت کر دیا ہے کہ خاوند مذکورہ نے پہلے اپنی اس بیوی کو شرعی اسلامی طلاق دی اور پھر اپنی بیوی

کو شرعی اسلامی طلاق دی اور پھر اپنی بیوی کو اپنی بہن کہا۔ حالانکہ اپنی بیوی کو بہن یا ماں بہن کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ بہن کہنا الفاظِ کنایہ میں سے ہے اور ہمارے عرف میں بیوی کو ماں بہن کہنا طلاق ہی ہے اور شرعی فتوٰی عرفِ عام پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاوی شامی جلد دوم صلاف پر ہے۔ وَالْفَتْوٰی عَلَی الْعُرْفِ الْحَادِثُ ۔ ترجمہ اور فتوٰی ہمیشہ مشہور اصطلاح اور رواج پر ہوتا ہے۔ آگے ارشاد ہے ۔ بَلِ الصَّوَابُ حَمْلُہٗ عَلَی الطَّلَاقِ لِاَنَّہٗ الْعُرْفُ الْحَادِثُ ۔ ترجمہ۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خاوند کے ایسے الفاظ بولنے کو طلاق پر ہی محمول کیا جائے کیونکہ یہی اصطلاح و عادات میں مروج ہو چکا ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۴۲۱ پر ہے۔ لِاَنَّہٗ لَا فَرْقَ عَلَی الصَّحِیْحِ بَیْنَ الْاُمِّ وَبَیْنَ غَیْرِھَا مِنْ سَائِرِ الْمَحَارِمِ مِنْ اُخْتٍ وَعَمَّۃٍ وَخَالَۃٍ وَمَا اَشْبَہَ ذٰلِکَ ۔ ترجمہ۔ بیوی کو بہن کہنے سے بھی طلاق پڑ جائیگی اسلیئے کہ نہیں ہے فرق صحیح مذہب کی بنا پر ماں کہنے اور اسکے علاوہ کسی اور ذی رحم محرم کا نام اپنی بیوی کے لیے کہنے میں جیسے کہ بہن کہنا پھوپھی کہنا اور خالہ کہنا۔ یعنی اگر خاوند نے اپنی بیوی کو ماں کہا یا بہن کہا یا پھوپھی اور خالہ کہا تو ان سب لفظوں سے ایک طلاق پڑ جائے گی اور یہ طلاق کنایہ ہو گی۔ بصورت مسئولہ میں ہم نے اس طلاق کو پانچ دلائل سے حتمی و یقینی ثابت و تسلیم کیا ہے نہ کہ کسی گواہی سے کیونکہ مدعیہ کے پاس شرعی گواہی نہیں ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ خاوند نے اس طلاق اور ان لفظوں کے بولنے کا کسی صراحت کے ساتھ انکار نہیں کیا اگرچہ خاوند کے پیش کردہ تحریری بیان میں طلاق کا مطلقاً انکار لکھا ہے۔ لیکن یہ بیان شرعی ثبوت کے لیے ناکافی ہے تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ یہ بیان حلفیہ نہیں۔ صرف حلفیہ لکھ دینے سے کوئی بات حلفیہ نہیں ہو جاتی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ بیان کسی عالم دین یا عدالتی قاضی یا جج مجسٹریٹ وغیرہ کا مصدقہ (تصدیق شدہ) نہیں۔ سوم یہ کہ اس بیان میں طلاق کے ان لفظوں اور طرزِ ادا کی تردید نہیں ہے جن کا صاف صاف ذکر مدعیہ بیوی نے اپنے حلفیہ بیان میں کیا ہے۔ ان تین وجوہ سے خاوند کا سرسری طور پر طلاق کا انکار کچھ معتبر نہیں ہے۔ دوسری دلیل۔ مذکورہ بیوی کے والدین بالکل یہی بیان تحریری دے کر ایک شرعی فیصلہ حاصل کر چکے ہیں اور اس قاضی یا مفتی نے اگر مگر کرکے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے اسی بیان پر اپنا فیصلہ جاری کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ فیصلہ شرعی معیار سے غلط ہے مگر خاوند مذکور اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا نہ زبانی نہ تحریری نہ عدالتی۔ نہ اصالۃً نہ کفالۃً نہ اپیل کی شکل میں۔ تیسری دلیل۔ خاوند مذکور اسی مجلسِ طلاق میں اپنی اس بیوی کو طلاق دینے کے بعد بہن بھی کہتا ہے اور اس کے لیے اچھا خاوند ملنے کی دعا بھی کرتا ہے چوتھی دلیل۔ یہ طلاق ایسے انوکھے اجنبی اور نرالے شاذ و نادر الفاظ سے دی گئی جو عام لوگوں کے لیے تعجب خیز ہیں عوام میں اس طرح طلاق دینے کا نہ رواج ہے نہ یہ طریقہ مشہور بیوی مذکور اس کی والدہ وغیرہ نے یقیناً اس طرح طلاق دینے کے الفاظ پہلی دفعہ سنے ہوں گے۔ بلکہ میں نے خود اپنی زندگی میں سینکڑوں فتوے دیئے۔ مختلف خاوندوں بیویوں مدعیوں گواہوں، مدعٰی علیہان کے بیانات مختلف سننے کے باوجود اس طرح طلاق دینے کی طرزِ بیانی پہلی دفعہ سنی ہے کبھی کسی خاوند نے اس طرح طلاق نہ دی لہٰذا یہ انوکھا طریقہ جھوٹ نہیں بنایا جا سکتا اگر بیوی مذکورہ یا اس کی والدہ

یا گھر کے افراد کسی ملی بھگت سے جھوٹی طلاق بناتے تب وہ عام مشہور لفظوں والی طلاق بناتے۔ پانچویں دلیل میں نے اپنے پاس سب کو بلا کر اپنی تسلی اور دعوے کے بیان کو صحیح کرنے کے لیے باوضو قرآن مجید پکڑا کر نفل پڑھوا کر قبر و قیامت اور موت کا خوف دلا کر حلف لیا اور ان سب گواہان و مدعیہ نے قوانینِ شرعیہ کے مطابق حلف دیا۔ فریق ثانی کا فرض تھا کہ اس بیان، درخواست اور حلف کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کو غلط ثابت کرتے مگر وہ ایسا نہ کرسکے لہٰذا بحیثیتِ مفتی و اسلام میرا اتنا ہی فرض و ذمہ داری تھی۔ دو فریق کو ہر طرح ہر قسم کے بیان و درخواست سے آگاہ کرکے دونوں کے بیان حاصل کروں اور خوب تفتیش کروں۔ مدعیٰ علیہ کی قسم نہ ملنے کے بعد میں نے باحسن طریقے سے یہ ذمہ داری نبھائی اور فیصلہ شرعیہ جاری کیا کہ مسمات زینب بی بی کا سابقہ نکاح جو زید کے ساتھ تھا وہ زید مذکور کی طلاق ایک طلاق صریحی رجعی اور پھر دوسری طلاق کنایہ بائنہ بالکل شرعًا مؤثر ہونے کی وجہ سے تقریبًا سات سال پہلے ہی ختم ہوچکا ہے۔ جبکہ اس نے طلاق بالھجا، دی تھی اور پھر ہن کہہ کر دوسری طلاق بھی فورًا دے دی تھی اور چونکہ زید کی طلاق شریعت کے قانون میں درست مانی گئی ہے اس لیے زینب کا عدت کے بعد دوسرا نکاح بھی درست ہے اس لیے کہ قانون اسلامیہ کی رو سے مندرجہ بالا طرز پر اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے اس کو فقہی اصطلاح میں طلاق بالھجا کہتے ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول ص۳۵۷ پر ہے فَاِنْ قَالَ لَھَا اَنْتِ اِذَا اَنْتِ طا ال ق یَعْنِیْ طَالِقٌ یَقَع۔ کَذَا فِی الْخُلَاصَۃِ ترجمہ۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تو طا ال ق ہے۔ یا تجھ کو طا ال ق کہتا ہوں یا دیتا ہوں۔ تو شریعت میں طلاق درست ہوگی۔ ان تمام مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ زید کی یہ طلاق زینب کو درست پڑ گئی اور نکاح ختم ہوگیا اور دوسرا نکاح درست ہوا۔ لہٰذا یہ فتوای قانونِ شریعت کا حتمی فیصلہ ہے لیکن اگر خدانخواستہ اتنی حلف برداری کے باوجود مدعیہ اور اس کے لواحقین کے تمام بیانات و گواہیات و حلفیات کذب پر مبنی ہوں اور واہیات ہوں جس کا اگرچہ امکان نہیں ہے تب بھی قرآن و حدیث کے فرمودات اور ضابطوں سے یہ فیصلہ اپنی جگہ حتمی ہے اور زینب کا موجودہ دوسرا خاوند بالکل شرعی حیثیت کا خاوند ہے اور سابقہ خاوند زید کے لیے کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں نہ اب اس کا کوئی حق باقی رہا۔ چنانچہ فتاوٰی درمختار اور اس کی شرح فتاوٰی شامی جلد چہارم ص۴۶۲ پر ہے۔ وَیَنْفُذُ الْقَضَاءُ بِشَہَادَۃِ الزُّوْرِ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا حَیْثُ کَانَ الْمَحَلُّ قَابِلًا وَّالْقَاضِیْ غَیْرُ عَالِمٍ بِزُوْرِھِمْ وَمِنْ فُرُوْعِھَا۔ اِدَّعَتْ اَنَّہٗ طَلَّقَھَا ثَلَاثًا وَّھُوَ یُنْکِرُ وَاَقَامَتْ بَیِّنَۃً زُوْرٍ فَقَضٰی بِالْفُرْقَۃِ فَتَزَوَّجَتْ بِاٰخَرَ بَعْدَ الْعِدَّۃِ حَلَّ لَہٗ وَطْؤُھَا عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ ترجمہ۔ اور نافذ ہوجاتا ہے وہ فیصلہ بھی جو فریب کاری دھوکہ دہی کرکے جھوٹی گواہی دے کر حاکم (جج یا قاضی، مفتی) سے کروالیا گیا ہو۔ ظاہر و باطن میں صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔ جبکہ فیصلہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے قابلِ جواز ہو اور فیصلہ کرنے والا ان گواہوں کے جھوٹا ہونے کو نہ جاننے والا ہو اس کو سچا ہونے کا ہی یقین دلایا گیا ہو۔ اس فقہی شرعی ضابطے کی فروعات و جزئیات

میں سے یہ صورت بھی ہے کہ ایک عورت نے قاضی یا مفتی یا جج کی عدالت کورٹ کچہری میں دعوی کیا کہ بے شک اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند نے طلاق دینے سے انکار کیا۔ بیوی نے گواہی پیش کر دی۔ جو حقیقتاً واقعی واقعۃً جھوٹی گواہی تھی مگر فیصلہ کرنے والے نے اس کو ظاہری شرعی اعتبار سے سچا سمجھ کر عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا اور طلاق کو درست قرار دیکر دونوں خاوند بیوی میں تفریق کر دی پھر اس بیوی مدعیہ نے اپنی عدتِ شرعیہ گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعاً مانا جائے گا اور اس دوسرے خاوند کے لیے اس مدعیہ مذکورہ منکوحہ کے ساتھ صحبت وطی خانہ آبادی کرنا عند اللہ تعالیٰ بالکل حلال وجائز ہے۔ فیصلے کے بعد اب پہلا خاوند یا اس کے متعلقین کچھ نہیں کر سکتے۔ خاوند کا کام یہ تھا کہ فیصلے سے پہلے پہلے کسی بھی جائز طریقے سے اس مدعیہ بیوی کی پیش کردہ گواہی کو سرعام جھوٹا ثابت کر دیتا۔ صرف انکار کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں نہ ایسے انکار کا شرعاً کچھ اعتبار ان دلائل کی روشنی میں یہ شرعی فیصلہ وفتوی جاری کیا جا رہا ہے۔ قاعدہ کلیہ شرعیہ کے مطابق خاوند مذکور مدعیٰ علیہ کی طرف سے درست طلاق کی بنیاد اور وجہ سے دوسرا نکاح صحیح وشرعی تسلیم کیا جاتا ہے۔ مدعیہ مذکورہ نے اپنی درخواست میں یہ بھی کہا ہے کہ اس نے سابقہ خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے برطانوی کورٹ کچہری میں بھی درخواست دی تھی کورٹ کے جج نے خاوند مذکور کو متعدد بار بیوی مدعیہ کی طرف سے حاصل کردہ پتوں کے ذریعے سمن جاری کیے اور خاوند سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی برطانوی انگلش اخبار میں بھی یہ خبر شائع اور باوثوق ذریعے سے خاوند کو اس سب کاروائی کی اطلاع بھی ہوئی مگر وہ خاوند نہ اصالۃً یا وکالۃً کبھی بھی کورٹ میں حاضر نہ ہوا نہ ہی اس نے خود کسی قانونی یا شرعی عدالت میں مدعی بن کر بیوی کو آباد کرنے۔ رہائش، خوراک، نان نفقہ دینے حقوقِ زوجیت ادا کرنے خانہ آبادی کرنے کا وعدہ کر کے اپنے حق میں کہیں سے فیصلہ لینے کی کوشش کی بلکہ وہ خاوند اس تمام عرصے میں خاموش اور پوشیدہ و روپوش رہا اور آج تک کسی عدالت کے روبرو کسی حیثیت میں بھی حاضر نہ ہوا نہ اس نے کبھی اپنی اس بیوی کو اچھے نیک خاوندوں کی طرح آباد کرنے کی آرزو کی۔ کورٹ برطانوی نے کافی تفتیش کر کے اور تقریباً پانچ ماہ انتظار کر کے بیوی مدعیہ کے حق میں تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا اس فیصلے سے مدعیہ کو دنیوی مفاد اور قانونی تحفظ تو حاصل ہو گیا مگر اس برطانوی فیصلے کا شرعی فیصلے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ ہمارا یہ فیصلہ شرعیہ طلاق کی بناء پر ہے جبکہ قانونی کچہری فیصلہ تنسیخ نکاح کی بنیاد پر ہے۔ شرعی طور پر تو خاوند بیوی کی علیحدگی تو طلاق سے ہی واجب ولازم ہو گئی تھی اس کے بعد تنسیخ نکاح کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں البتہ اگر صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہ ہوتی یا کسی طرح طلاق کا واقعہ نہ ہوتا تب ان حالات کے پیشِ نظر جو خاوند مذکور کی طرف سے اس بیوی پر ہوتے رہے جن کو مدعیہ نے حلفاً وشہادۃً اپنی درخواست اور ہماری تفتیش کے دوران ثابت کیا ہے شریعت بھی اس نکاح کو فسخ کرنے کا حق رکھتی تھی اور مفتی دار اسلام بھی ایسے خاوند سے بیوی کو چھڑانے جدا وعلیحدہ کرنے کے لیے تنسیخ نکاح کا شرعی فیصلہ ہی کرتا کیونکہ قانونِ شریعت

اسلامیہ کے مطابق جو خاوند اپنی بیوی کو نہ آباد کرے نہ خرچہ دے نہ رہائش و نان نفقہ ادا کرے نہ حقوقِ زوجیت پورے کرے نہ طلاق دے نہ خلع کرے نہ کسی طرح بیوی کا چھٹکارا کرے اور اس طرح روپوش ہو جائے کہ نہ اس سے کوئی میل ملاقات کر کے صلح صفائی کرا سکے نہ خاوند کے ارادے اور خواہش سن سکے نہ خاوند کی جائے شکایت کا پتہ لگ سکے نہ خود خاوند کسی شخص یا کسی عدالت سے ملے نہ کسی عدالتی پیشی پر حاضر ہو تو ایسے ظالم خاوند کو اصطلاحِ شریعت میں مُتعنّتُ النفقہ اور جابر جور و ستم والا خاوند کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ جلد سوم صفحہ ۱۰۸ پر ہے کتاب ادب القاضی میں۔ قَالَ وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ لِاَنَّهٗ ظَالِمٌ بِالْاِمْتِنَاعِ عَنْهَا۔ ترجمہ۔ فرمایا کہ قید کیا جائے گا خاوند اپنی بیوی کو خرچہ یعنی نان نفقہ اور لباس رہائش نہ دینے کی صورت میں اس لیے کہ وہ خاوند شریعت اور قانونِ شریعت اور قانونِ اسلامیہ میں ظالم مانا جاتا ہے جو اپنی بیوی کو خرچہ نہ دیتے اور اپنے نکاح میں باندھا رکھے۔ حدیث پاک میں تو بنی اسرائیل کی اس عورت کے سخت عذاب کا بھی ذکر آتا ہے۔ جس نے بلی کو باندھا اور خوراک نہ دی تو جو ظالم خاوند اپنی بیوی کو نکاح میں باندھے رکھے اور نان نفقہ خوراک وغیرہ نہ دے اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی پر باسہولت زندگی گزارنے کے چاروں دروازے بند کر دے اس طرح کہ نہ اسے آباد کرے نہ خرچہ دے نہ طلاق دے نہ خلع کرے نہ ہی بیوی والوں کو جبری طلاق لینے کی ہمت ہو نہ چھٹکارے کی کوئی صورت بنے اس طرح کہ ظالم خاوند لاپتہ ہو تو ان حالات میں مفتی اسلام خود اچھی طرح تحقیق کر کے نکاح فسخ کر سکتا ہے ایسے ظالم خاوند کو متعنت کہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں وَ اَمَّا الْمُتَعَنِّتُ الْمُمْتَنِعُ عَنِ الْاِنْفَاقِ فَاِنْ لَّمْ يَثْبُتْ عُسْرُهٗ اَنْفَقَ اَوْ طَلَّقَ عَلَيْهِ اَيْ طَلَّقَ عَلَيْهِ الْحَاكِمُ۔ ترجمہ۔ لیکن متعنت خاوند جب اپنی بیوی کو خرچہ نہ دے اور غریب بھی نہ ہو یعنی خود ہر طرح کے آرام اور نخرے سے رہتا ہو تو اس کو مفتی اسلام حکم دے گا کہ خرچہ دے یا طلاق دے اگر وہ خاوند نہ خرچہ دے نہ طلاق دے تو حاکم شریعت مفتی اسلام خود یہ نکاح فسخ کر دے گا اور یہ فسخ نکاح طلاق کے درجہ میں ہو گا موطا امام مالک جلد دوم صفحہ ۳۵ پر ہے وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ يَجِدِ الرَّجُلُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَاَتِهٖ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ مَالِكٌ وَعَلٰى ذٰلِكَ اَدْرَكْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

ترجمہ۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خبر پہنچی کہ بے شک آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو خرچہ نان نفقہ رہائش وغیرہ نہ دے سکے تو دونوں کے درمیان فسخ نکاح سے تفریق کر دی جائے گی۔ فرمایا امام مالک نے کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے علاقے کے فقہاء علماء کو دیکھا کہ وہ اسی حدیث مبارکہ و روایت طاہرہ کے مطابق فیصلہ اور فتوٰی جاری فرماتے تھے لیکن صورتِ مسئولہ مذکورہ میں چونکہ خاوند مذکور کی طرف سے اس کی اس مدعیہ بیوی کو طلاق دینا ثابت ہو چکا ہے اس لیے طلاق اور عدت گزرنے کے تقریبًا چار سال بعد جو نکاح زینب بی بی مطلقہ مدعیہ نے دوسرے کسی مسلمان مرد سے کیا وہ قانونِ شریعت اسلامیہ کے مطابق بالکل درست اور جائز ہے اور شریعت

کے قانون میں اس نکاح ثانی کو کرنے کرانے پڑھنے۔ پڑھانے اور گواہ بننے بنانے اور سب حاضرین۔ محفل نکاح میں آنے شامل ہونے والے میں سے نہ کوئی گناہ گار ہوا نہ معیوب نہ معتوب نہ مجرم ہوا نہ سفیہ نہ فاسق بلکہ بیوی خاوند اور نکاح خواں امام وخطیب مسجد اور گواہ سب پاک دامن بری ذمہ قرار دیئے جاتے ہیں ان کا یہ نکاح عین شریعت کے مطابق ہے۔ متعنت النفقہ خاوند کے تنسیخ نکاح کے ثبوت یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ جس طرح ظالم خاوند سے بیوی کو چھڑانے آزاد کرانے کے لیے شرعاً تنسیخ نکاح کرکے حاکم یا مفتی دونوں خاوند بیوی کو ایک دوسرے پر حرام کرنے کا فیصلہ طلاق نافذ کر دے تو جائز ہے اسی طرح مجبور بے سہارا۔ بے اولاد اور بے بس محتاج معذور خاوند کے نکاح کو فسخ کر کے بھی اس کی بیوی کو جدا کرنا جائز ہے جبکہ وہ خود طلاق نہ دیتا ہو اور نہ بیوی کا خرچہ ہی دے سکتا ہو۔ گویا کہ متعنت النفقہ خاوند دو قسم کے ہیں نمبر۱ ظالم خاوند نمبر۲ مجبور اور غریب مسکین خاوند۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کتبہ

عید میلاد النبی کا ثبوت

دوسرا فتوای

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال بارہ ربیع الاول کو منانا۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے یا نہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی حیثیت کیا ہے اسی طرح بازاروں گلیوں سڑکوں پر جلوس نکالنا متعین دن تاریخ میں۔ یہ سب کام جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔ بعد جلوس مساجد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا با آواز بلند اس کا بھی حکم بیان فرمایا جائے۔ ابھی حال ہی میں ایک بہت ہی چھوٹا رسالہ ہم نے دیکھا ہے جس کا عنوان ہے۔ جشن عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت۔ یہ بشکل فتوای سعودیہ کے مفتی اعظم کی طرف سے تحریر شدہ ہے اور اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ محفل میلاد منعقد کرنا غلط اور شریعت میں ناجائز ہے۔ بیان فرمایا جائے کہ کیا یہ فتوای صحیح ہے یا نہیں۔ دلائل سے بیان فرمایا جائے۔ اللہ کی طرف سے آپ کو اجر ملے گا فضیلتوں والا۔ سائل حضرت قبلہ محترم (سید معروف حسین شاہ نوشاہی) قادری مدظلہ ناظم اعلیٰ جمعیت تبلیغ الاسلام برطانیہ نمبر۲ طارق مجاہد صاحب جہلمی۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُہٗ تَعَالٰی۔ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ سائل محترم کا سوال اور مذکورہ فی السوال رسالہ آٹھ ورقی۔ بغور دیکھا

جس میں دعوٰی تو بڑے شد و مد سے کیا گیا ہے مگر دلیل ایک بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ سعودی فتوٰی بالکل غلط اور لغو ہے اور لکھنے والا حدیث و قرآن کے علم سے بالکل بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اس تحریر میں فکر و تدبر کی بہت کمی کے علاوہ تنقیدی غلطیاں بھی ہیں۔ تاریخ و تفسیر سے یکسر ناواقفی ثابت ہوتی ہے۔ ایسے فتووں کو پڑھنا بھی مسلمانوں کو گناہ ہے۔ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم منانا۔ اس میں جلوس نکالنا۔ سڑکوں پر نعرے لگانا۔ کلمہ طیبہ کا ورد کرنا۔ بالکل جائز ہے۔ قرآنِ مجید، حدیثِ پاک اور سنتِ صحابہ، تابعین تبع تابعین بلکہ آج تک کہ سلاطین و اُمرا بڑے تزک و احتشام سے یہ عید میلاد مناتے رہے اور محافلِ جشن منعقد فرماتے رہے۔ یہ وہ عید ہے جس کا حکم رب تعالٰی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا اور جس کے منانے کا طریقہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احادیث میں فرمایا بجز وہابی نجدی دیوبندی۔ کوئی مسلمان عید میلاد النبی کے جشن کو بُرا نہیں کہتا۔ یہی وہ گروہ ہے جو عید میلاد جیسی برکتوں والی خوشی کو، ناجائز۔ اختراع۔ بے دینی اور بدعت کہہ کر سخت ترین گستاخی کرتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ علم و دانش کو ایسی سخت کلامی کسی صورت مناسب نہیں جبکہ ان کا ہر کام بدعت ہے۔ ان کو اس خداداد ابدی عید مبارک سے اتنا دکھ اتنی دشمنی، اتنا تعصب۔ اتنی نفرت ہے کہ اس کی مخالفت میں۔ علم و عقل۔ فکر و شعور، حقیقت و اصلیت۔ تاریخ و شواہد سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات مورخین کے نزدیک عین حقیقت ہے اور سب معتبر کتب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے اور سب محققین مفکرین مدبرین دانش ور علماء فضلاء اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں آقائے دو عالم حضور اقدس محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی نبی الانبیاء، صاحبِ ارض و سماء صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاول شریف بوقتِ طلوع فجر دنیاء کائنات میں تشریف لائے۔ مگر صرف یہی گروہ اور وہ بھی فقط تعصب قلبی اور محض عید میلاد النبی کا انکار کرنے کی غرض سے۔ اس مسلّمہ حقیقت اور تاریخ کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ربیع الاول کو ولادت پاک ہوئی۔ حالانکہ ان کے پاس اپنی تمام باتوں کی طرح اس پر بھی کوئی مستند حوالا نہیں جبکہ بارہ ربیع الاول شریف کا ثبوت کثیر معتبر اور مستند کتابوں سے ہے۔ چنانچہ حوالہ نمبرا۔ امام اسماعیل بن کثیر علیہ الرحمۃ اپنی کتاب السیرت النبویہ صہ۱۹۹ پر لکھتے ہیں۔ رَوَاہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِیْ مُصَنَّفِہٖ عَنْ عَفَّانَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ مِیْنَاءَ عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّھُمَا قَالَ۔ وُلِدَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِیْلِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ الثَّانِیْ عَشَرَ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ وَفِیْہِ بُعِثَ وَفِیْہِ عُرِجَ بِہٖ اِلَی السَّمَاءِ وَفِیْہِ ھَاجَرَ وَفِیْہِ مَاتَ وَھٰذَا ھُوَ الْمَشْھُوْرُ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ۔ وَاللہُ اَعْلَمُ

ترجمہ۔ روایت کیا اس تاریخ کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب حضرت عفان سے وہ روایت کرتے ہیں سعید بن میناء سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت جابرؓ سے اور ابن عباسؓ سے بے شک ان دونوں نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا میلاد پاک فیل کے حملے والے سال ہوا (دو ہی ماہ بعد) پیر کے دن بارہ ربیع الاول شریف اسی پیر کے دن ہی آپ کی وفات شریف ہوئی۔ تمام علماء اسلام کے نزدیک (جمہور کے نزدیک) یہی مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا حوالہ: امام عبدالرحمٰن ابن جوزی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب الوفا مترجم اردو ص۱۱۷ مطبوعہ فرید بکسٹال میں فرماتے ہیں آپ کی ولادت سوموار کے دن عام الفیل میں ہوئی دس ربیع الاوّل کے بعد۔ ایک روایت ہے کہ ربیع الاول کی دو ابتدائی راتیں گزرنے کے بعد یعنی تیسری تاریخ کو اور دوسری روایت میں ہے کہ بارھویں رات کو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عام الفیل میں ولادت شریف ہوئی۔ (ابرھہ کی اپنے ساتھیوں ہاتھیوں کے ساتھ تباہی سترہ محرم الحرام کو ہوئی) **تیسرا حوالہ:** سیرت ابن ہشام جلد اول ص۱۵۲ مترجم اردو مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور میں لکھا ہے۔ محمد ابن اسحٰق المطلبی نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کو ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد سنہ فیل میں ہوئی۔ (الخ) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بوقت طلوع فجر (صبح صادق)۔ **چوتھا حوالہ:** علامہ محدث ابن جوزی اپنی کتاب المیلاد النبوی مطبوعہ ادارہ نعیمیہ سواد اعظم موچی گیٹ لاہور پاکستان ص۵ پر فرماتے ہیں۔ اِخْتَلَفُوْا فِیْ زَمَانِ وِلَادَتِہٖ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَقْوَالٍ اَحَدُھَا اَنَّہٗ وُلِدَ لِاِثْنَیْ عَشَرَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ قَالَہٗ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَالثَّانِیْ لِثَمَانٍ خَلَوْنَ مِنْہُ قَالَہٗ عِکْرَمَۃُ وَالثَّالِثُ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْہُ قَالَہٗ عَطَاءٌ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ .... ترجمہ۔ کچھ مصنفین نے اختلاف کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے بارے میں۔ تین اقوال سے۔ ایک یہ کہ آپ کی ولادت پاک ربیع الاول شریف بارہ راتیں گزار کر ہوئی یہ فرمان حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ میلاد پاک آٹھ راتیں اسی ماہ کی گزار کر ہوا۔ یہ فرمان حضرت عکرمہ کا ہے۔ تیسرا قول یہ کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزری تھیں اس کے بعد میلاد النبی ہوا۔ یہ قول حضرت عطا کا ہے اور پہلا قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ **پانچواں حوالہ۔** علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب انوار محمدیہ مِنَ الْمَوَاھِبِ اللَّدُنِّیَّۃ ص۲۷ پر فرماتے ہیں۔ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِیْ عَامِ وِلَادَتِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاَکْثَرُوْنَ اَنَّہٗ وُلِدَ عَامَ الْفِیْلِ وَاَنَّہٗ بَعْدَ الْفِیْلِ بِخَمْسِیْنَ یَوْمًا وَاَنَّہٗ فِیْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِثِنْتَیْ عَشَرَۃَ خَلَتْ مِنْہُ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔ ترجمہ۔ اور بے شک اختلاف کیا گیا ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے سال میں اور اکثر محققین اس پر متفق ہیں کہ بے شک آپ کی ولادت باسعادت کی گئی۔ ابرھہ کے ہاتھیوں والے سال میں واقعہ کے پچاس دن بعد اور بے شک وہ پیر کے دن ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کی رات گزر کر طلوع فجر صادق کے وقت میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ **چھٹا حوالہ۔** دسویں صدی کے مفتی اعظم مکہ مکرمہ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو چونتیس سال حرم شریف کے مفتی اعظم رہے۔ وہ اپنی کتاب نعمت کبریٰ (میلاد شریف کے بیان میں) ص۲۹ پر فرماتے ہیں۔ وَکَانَ مَوْلِدُہٗ لَیْلَۃَ الْاِثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ

یہ حوالہ باقی بہت حوالوں سے اس لیے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا ہے کہ اس فرمان کو ان سعودی وہابیوں کے پیشوا ابن تیمیہ صاحب نے اپنے فتاویٰ کی اکیسویں جلد میں بہت اہتمام سے ذکر کیا ہے سعودی وہابیوں کے علاوہ دیگر ہند و پاکستان کے تمام تیمیائی لوگ بھی ان صاحب کو اپنا امام مانتے ہیں اور یہ غیر مقلد ہر بات میں ان کی کامل تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہابی لوگ تقلید ائمہ کو شرک فی الرسالت کا خود ساختہ لقب بھی دیتے ہیں اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک پیر کی رات ماہ مبارک ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزار کر ہوا۔ ساتواں حوالہ۔ بارہ ربیع الاول شریف اتنی مشہور تاریخ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں میں بارھویں شریف اس کا لقب مشہور ہو گیا ہے اور ہر صدی کے بڑے بڑے مشہور اکابر بزرگ یہاں تک کہ بعض موقعوں پر خود دیوبندی وہابی بزرگ بھی کسی بھی غرض سے بارہ ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی مناتے رہے۔ چنانچہ ماہنامہ نقوش لاہور ستمبر ۱۹۷۷ء کا اقبال نمبر کے صفحہ ۴۹۳ پر لکھا ہے۔ بعنوان (عید میلاد النبی منانے کا اعلان ۱۹۳۵ء ۲۲ مئی کو اکابر اسلام نے نوع انسانی کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے تمام کائنات میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو یوم النبی منانے کی اپیل کی اس اپیل پر علامہ اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل اکابرین کے دستخط تھے۔ مولانا عبد الظاہر (امام و خطیب مسجد حرم مکہ معظمہ) امام مولانا عبد الرزاق (امام مسجد حرم مکہ معظمہ)۔ مولانا عبید اللہ سندھی (مکہ معظمہ) یہ حضرت مشہور وہابی تھے۔ امیر سعید الجزائری۔ (رئیس جمعیۃ الخلافہ شام) علامہ سید سلیمان ندوی لکھنؤ (یہ بھی سخت کٹر دیوبندی تھے) ان بزرگوں کے علاوہ اس عید میلاد النبی میں۔ مصر، قاہرہ، شام، جینوا، علی گڑھ لاہور مدراس۔ لندن، افغانستان کابل، بیروت، بیت المقدس، ایران، پشاور، ملتان، وغیرہ سے کثیر تعداد میں علما اور دانشوروں کا اجتماع ہوا اس محفل میلاد کی تقریروں۔ اپیلوں کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ ہم نہایت ہی خلوص واحترام سے تمام بنی نوع انسان کو اس عید اتحاد میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اپیل کرتے ہیں کہ بارہ ربیع کو تمام کائنات کی آبادیوں میں سیرت النبی کے عنوان پر متحدہ جلسے کیے جائیں۔ (الخ) ہماری دعا ہے کہ خداوند پاک اس بین الاقوامی عید کو نسل انسانی کے لیے باعث برکت بنائے۔ ان مندرجہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل چار باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی یہ کہ بارہ ربیع الاول شریف ہی یوم النبی اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہابیانِ زمانہ کا یہ کہنا کہ نو ربیع الاول یوم ولادت ہے محض تعصب مخالفت کی وجہ سے ذاتی اختراع ہے۔ دوم یہ کہ محافل میلاد کا انعقاد طریقہ مروجہ کے مطابق آج کی ایجاد نہیں بلکہ جن کتب کے ہم نے حوالے پیش کیے ہیں وہ سب ہی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مروجہ کے ثبوت اور ذکر میں تصنیف کی گئی ہیں اور ان کے مصنفین ۵۰۰ھ ہجری پانچ سو سے شروع ہوتے ہیں سوم یہ کہ آج مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبد العزیز عبد اللہ بن باز۔ تو اس عید میلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

سراسر بدعت۔ دین میں نئی اختراع اور شرعاً ناجائز جیسے شرعاً نامناسب لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ مگر ۱۹۳۵ء میں اسی
سعودی حکومت کے مفتی اعظم امام و خطیب حرم پاک شیخ عبدالظاہر اور امام حرم امام کعبہ۔ دیوبندیوں کے بڑے لیڈر
سلیمان ندوی اور وہابیت کے پیشوا حضرت عبیداللہ سندھی۔ اسی تاریخ معینہ بارہ ربیع الاول شریف کو عید اتحاد اور
بین الاقوامی عید کر رہے ہیں اور نہایت خوشی سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آج
بھی حکومت پاکستان کے زیر اہتمام منعقد ہوتی ہیں تو بڑے بڑے دیوبندی علماء بھی اس میں شریک ہو کر تقریریں
کرتے اور انتظامیہ سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ راولپنڈی میں اور اسلام آباد کی محافلِ میلاد میں شیخ القرآن غلام
اللہ خان وغیرہ دیوبندی علماء کو ان اسٹیجوں پر دیکھا گیا جن کی پچھلی دیوار پر سنہری کپڑے کے بینر پر جلی حروف سے لکھا
ہوا تھا۔ جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آج بھی بہت سے مسلمانوں کے پاس ان اسٹیجوں کی مکمل تصویریں محفوظ
ہیں۔ اسی طرح جب کبھی حکومت پاکستان کی طرف سے جشنِ میلاد پر چراغاں کرنے کا انعام مقرر ہوتا ہے تو بڑے
بڑے اکابر دیوبند انعام پا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب کبھی ان میں سے حکومتی سطح پر کوئی بات نہ ہو تو اسی
عید میلاد پر بدعت اور بے دینی کے فتوے شائع ہوتے ہیں اور پھر ان فتووں میں علمی فکری اتنی غلطیاں ہوتی ہیں
کہ عقل حیران ہوتی ہے چہارم یہ کہ اس تمہیدی گفتگو سے بتانا یہ مقصود ہے کہ منکرینِ میلاد کے پاس انکار کی کوئی دلیل
نہیں۔ صرف توڑ پھوڑ اور تعصب کے تحت مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ جیسا کہ اس سعودی غلط فتویٰ سے ظاہر
ہے۔ رہا یہ کہ اس کے جواز پر کتنے اور کیسے اور کیا دلائل ہیں تو بحمدہ تعالیٰ جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز
اور مستحب ہونے پر قرآن مجید۔ احادیث مبارکہ اور اقوال و افعالِ صحابہ کرام۔ فقہا۔ علماء صوفیا زہاد کے طریقے کثیر تعداد میں
ہر طرح سے مضبوط دلائل کی صورت میں موجود ہیں جو ہم مندرجہ ذیل سطور میں علی الترتیب پیش کر رہے ہیں۔ مگر قبل
ازیں یہ سمجھنا اشد ضروری ہے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت و اصلیت کیا ہے!
اس کے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد۔ جواز اور دلائل پر غور بہت ہی آسان ہو جائے گا اور جو اندھا دھند اس کو بدعت
اور حرام حرام کہہ کر بھولے بھالے عوام اور مسلمانوں کو بیوقوف بناتے پریشان کرنے کے لیے اخباروں اور رسالوں میں
غلط فتووں کے ذریعے خاص طور پر جشن میلاد کی ان ہی متبرک تاریخوں میں۔ لنگر لنگوٹ کس کر میدان سفاہت میں کود
پڑتے ہیں ان کے منہ بند ہو جائیں گے۔

چنانچہ واضح رہے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موجودہ مروجہ طریقہ جو تقریباً پانچویں صدی ہجری سے
شروع ہو کر آج تک دس سو سال سے تمام عالم اسلام میں بہت ہی زیب و زینت اور شان و شوکت سے جاری ہے۔
اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ مزید ترقیوں کے ساتھ جاری رہے گا۔ یہ آٹھ چیزوں
کا مجموعہ ہے۔ نمبر ا آقا و دو عالم حضور اقدس مومن کے قلب و جگر کی ٹھنڈک صلی اللہ علیہ وسلم کا دن منانا۔ نمبر ۲ پیارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں گلیوں بازاروں میں جلوس نکالنا اور نام پاک کے نعرے لگانا۔ نمبر۳۔ محفل میں بیٹھ کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا۔ شان بیان کرنا اور ولادت کا ذکر کرنا۔ نمبر۴۔ محفل پر اہتمام کرنا اور روشنی کرنا۔ خرچ کرنا نمبر۵۔ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔ نمبر۶۔ لوگوں کو جمع کرنا اور ان کے سامنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر کرنا۔ نمبر۷۔ ذکر خیر کے بعد دعا مانگنا۔ نمبر۸۔ خوشی میں غریبوں، امیروں دوستوں اپنوں پرایوں کو کھانا کھلانا۔ ان آٹھ چیزوں کے مجموعے کا سالانہ اہتمام کرنا۔ اس کا نام جشن عید میلاد النبی ہے۔ ہم نے ان شاء اللہ تعالیٰ ان آٹھ جزئیات کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنا ہے۔ جب جزئیات علیحدہ علیحدہ جائز ثابت ہو جائیں تو مجموعہ کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے اور پھر جس طرح ہم بہت صاف صاف واضح آیات سے ان جزئیات کو ثابت کریں گے مخالف کو انکار پر بھی اسی طرح کے دلائل سے مخالفت اور ناجائز ہونا ثابت کرنا چاہیے۔ صرف بناوٹی باتوں سے تو کسی دینی شرعی اور مفید چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہابیوں کے پاس سوائے لغویات کے کچھ نہیں یہ اہل سنت ہی کی شان ہے کہ ان کے ہر عمل، عقیدے اور مسلک پر بے شمار دلائل ہیں الحمد للہ علیٰ ذالک ۔ چنانچہ جشن میلاد پاک کی پہلی بنیادی جزء دن منانا خواہ وہ یوم ولادت ہو یا یوم آمد ہو۔ یا کسی چیز کے ملنے حاصل ہونے کا دن ہو۔ اس کی یاد تازہ رکھنا اس میں خوشیاں کرنا قرآن مجید کی صریح آیت سے صاف صاف ثابت بھی ہے اور اس دن کی خوشی منانے کا حکم ربانی بھی ہے۔ اس پر بائیس دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید پارہ نمبر۷ آیت نمبر۱۱۴ سورہ مائدہ۔ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا (الخ) اس آیت کریمہ کا معنی تفسیر جلالین صاوی جلد اول ص۳۲۳ پر اس طرح ہے۔ تَكُونُ لَنَا أَيْ يَوْمَ نُزُولِهَا (الخ) قولہ أَيْ يَوْمَ نُزُولِهَا أَيْ وَقَدْ نَزَلَتْ يَوْمَ الْأَحَدِ فَاتَّخَذَهُ النَّصَارَى عِيدًا

ترجمہ عرض کیا حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے۔ اے اللہ ہمارے رب نازل فرما ہم پر دسترخوان آسمان سے ہوگا۔ وہ دن ہمارے لیے ہمارے پہلوں کے لیے ہمارے آخروں کے لیے (سالانہ یا ہفتہ وار) عید۔ اس دسترخوان کے نزول کا دن اتوار تھا۔ لہٰذا امت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنالیا۔ کسی کا دن منانے اور یادگار قائم کرنے کے ثبوت کے لیے یہ آیت پاک ایسی مضبوط دلیل ہے کہ کوئی مخالف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ نہ کسی کی جرأت ہے۔ کیونکہ یہاں دن منانے کا صاف ذکر ہے اور صاحب کتاب اولو العزم نبی مرسل کا عمل شریف اور رب تعالیٰ کی تائید وحمایت اور خوشنودی کا صاف ذکر ہے۔ اس لیے کہ نزول مائدہ اس وعدے کے بعد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے عید منانے کا کیا اور پھر بعد والی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۔ ترجمہ۔ بے شک میں اس کو تم پر اتار رہا ہوں لیکن پھر تم میں سے جس نے اس کے نزول کے بعد کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو کبھی جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اور قائم کرنا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور نہ منانا کفر میں شامل ہے۔ اگر یہ عید منانا برا ہوتا تو اولاً نبی ہی ایسا وعدہ

نہ فرماتے کیونکہ نبی معصوم ہوتے ہیں گناہ یا بُرا کام وعمل کر سکتے ہی نہیں۔ ثانیاً رب تعالیٰ دسترخوان نہ بھیجتا کہیں لوگ اس دن کو عید نہ منا لیں۔ مگر نہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ نے وعدے کی ہی وجہ سے نازل فرمایا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو بتایا گیا کہ انہوں نے چھوٹی نعمت کے نزول کو یوم عید منایا۔ اے ایمان والو! تم پر وہ نعمت نازل فرمائی ہے جس کا آنا رب کا احسانِ عظیم ہے۔ وہ ذات پاک مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ لہٰذا اس دن عید میلاد النبی منانا زیادہ ہی ضروری ہے۔ دوم دلیل۔ دوسری آیت پاک میں ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس ۱۱ آیت ۵۸) اس کی تفسیر میں صاوی جلد اوّل نے ص۱۴۳ پر فرمایا۔ (قَوْلُهٗ بِفَضْلِ اللّٰهِ) متعلق بمحذوف دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ الخ ترجمہ۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل آنے پر اور اس کی رحمت کے تشریف لانے پر۔ پس اس کے آنے پر پھر خوب خوشیاں منائیں۔ وہ خوشی منانا اچھا ہے اس تمام مال و اعمال سے جو یہ منکرین جمع کرتے ہیں تفسیر صاوی نے فرمایا ب جارّہ کی وجہ یہاں فعل پوشیدہ ہے یا کوئی عامل مصدر اور یہ مابعد عبارت اقوال ہیں خود صاوی نے کہا کہ یہاں لِيَفْرَحُوْا فعل امر غائب پوشیدہ ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ تو آگے موجود ہے۔ دوبارہ ضرورت نہیں۔ بلکہ بہت غور و فکر کے بعد مناسب یہ ہے کہ یہاں اِذَا جَآءَ پوشیدہ ہے اور اصلاً اس طرح ہے۔ قُلْ اِذَا جَآءَ بِفَضْلِ اللّٰهِ (الخ) ترجمہ فرما دو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آجائے اللہ کا فضل اور آجائے اللہ کی رحمت تو اس کے آنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ یا یہاں مَجِيْءُ مصدر پوشیدہ ہے اور اصل اس طرح ہے۔ قُلْ بِمَجِيْءِ فَضْلِ اللّٰهِ (الخ) یعنی اللہ کے فضل آنے پر اور اللہ کی رحمت آنے پر خوشیاں مناؤ۔ مقصود باری تعالیٰ یہ ہے کہ اس آنے کے دن کی یاد تازہ رکھو ب جارّہ یہاں تین جگہ ارشاد ہوئی۔ لہٰذا یہاں فعل عامل پوشیدہ ماننا لازم ہے ورنہ نحو، صرف اور بلاغتِ قرآنی وفصاحت لسانی کے خلاف ہو جائے گا۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ یہاں رحمت سے کیا مراد ہے اور فضل سے کیا مراد ہے۔ اس میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ لہٰذا اس اختلاف سے بچ کر ہم خود قرآن مجید سے ہی پوچھتے ہیں کہ رحمۃ کون ہے۔ قرآن مجید میں لفظ رحمت تقریباً ایک سو تیرہ ۱۱۳ جگہ ارشاد ہوا ہے مگر کسی بھی آیت میں قرآن مجید یا اسلام کو اتنے وسیع اور صاف لفظوں سے رحمت قطعاً نہیں فرمایا گیا جتنا صاف۔ وسیع اور ذاتی خطاب کی ضمیر سے آقائے کائنات نبی کریم رؤف کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ آیت ۱۰۷ سورۃ نمبر ۲۱ الانبیاء۔ پ۱۷۔ ترجمہ تفسیر۔ ہم نے صرف آپ ہی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس آیت پاک میں کوئی تاویل یا تغیر تبدل یا اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ہر طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہی رحمت ہے۔ لہٰذا ہر طرح ثابت ہوا کہ نبی کریم کے تشریف لانے پر ہی خوشی مناؤ اور خوشی منانے کا نام ہی عید ہے اور چونکہ فَلْيَفْرَحُوْا امر ہے اس لیے یہ خوشی اور عید بھی دیگر دو عیدوں کی طرح واجب ہوئی اور چونکہ امر جمع غائب ہے اس لیے قیامت تک کے لیے ہر مسلمان پر یہ عید میلاد منانا واجب ہے۔ یہ میرا مطلب یا معانی یا حکم نہیں بلکہ آپ خود بلا تاویل آیتوں کے ترجمے سے یہ بات

ثابت ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ ثابت کرنے کے لیے کافی توڑ موڑ کرنا پڑے گا۔ یہ آیتیں گویا عید میلاد کے لیے عبارت النص ہیں۔ دلیل سوم۔ تیسری آیت ان سے زیادہ واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ ترجمہ اور یادگار منواؤ ان امت والوں سے اللہ کے دنوں کی۔ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر۵۔ یہاں ارشاد ہے ذَكِّرْ۔ باب تفعیل کا امر حاضر۔ نحوی قانون کے مطابق باب تفعیل کے پانچ وزن پر مصدر ہوتے ہیں جن میں سے ایک ہے تذکرۃ اس کا معنیٰ ہے کسی کی یادگار قائم کرنا۔ یادگار رمنانا اور جب اس کا مفعول بہ بھی موجود ہو تو معنیٰ ہوگا یادگار منوانا۔ اس آیت میں دونوں باتیں ہیں نمبر۱ باب تفعیل بھی نمبر۲ ھم ضمیر مفعول بہ بھی۔ لہٰذا ترجمہ صاف ہے کہ یادگار منواؤ۔ بقاعدۂ اصولِ فقہ امر اصلاً وجوب کے لیے ہوتا۔ گویا کہ یادگار منوانا یاد تازہ رکھنا حکم واجبی ہے۔ نہ منانے والا گناہ گار ہے آگے ارشاد ہے بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ اللہ کے دنوں کی یاد مناؤ۔ باعتبار ملکیت تو سب دن ہی اللہ جل شانہٗ کے ہیں مگر یادگار منانے والے کچھ خصوصی دن ہیں۔ جنھیں اللہ کے پیارے تشریف لائیں۔ اس سے واضح اور کیا دلائل ہو سکتے ہیں جن سے عید منانے کا قرآنی فرمانی حکم ظاہر ہو رہا ہے اب بھی جو یوم عید میلاد منانے کا منکر ہو وہ صاف حکم خدا کا منکر ہے۔

اس آیت میں بظاہر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم الٰہیہ ہے مگر حقیقتاً تاقیامت امت مسلمہ کو اگر غور کیا جائے تو عید الفطر یومِ قرآن منانا ہے اور عید الاضحیٰ یوم ابراہیم واسماعیل منانا ہے علیہما السلام اور ان دو عیدوں سے زیادہ اہم عید میلاد میں یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا سب سے بڑا دن ہے۔ چوتھی دلیل۔ یہ تو آیتِ قرآنیہ سے ثابت ہو گیا کہ دن منانا بالکل جائز بلکہ اللہ کے دن منانا بہت ضروری اور واجب ہیں۔ اسی کے تحت آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا دن منانا اس دن خوشیاں کرنا اشد ضروری ہے مگر اس عید میلاد کے منانے کا طریقہ ہم کو صحابہ کرام کے اس عمل سے ملا جو مدینہ منورہ کے انصار صحابہؓ نے نبی پاک کی آمد پر اختیار فرمایا اور نبی پاک کی موجودگی میں وہ عمل کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے پر خوشی کا اظہار فرمایا چنانچہ مسلم شریف جلد دوم کی آخری حدیث ہجرت کا بیان ص ۱۹۴ پر ہے (درازحدیث پاک کے آخری الفاظ) فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ترجمہ جب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے خوب جشن اور خوشی منائی اس طرح گھر والے لوگ اپنی چھتوں پر چڑھ کر بازار والوں کا نظارہ کرتے اور گلیوں بازاروں راستوں والے نوجوان اور لڑکے نوکر چاکر غلام و خدام وغیرہ راستوں میں پھرتے تھے اور نعرے رسالت لگاتے تھے اور کہتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔ مسلم شریف کی اس حدیث پاک سے موجودہ جشن عید میلاد منانے کا مروجہ طریقہ بڑے صاف طرح سے ثابت ہوا نہ ہی کسی توڑ موڑ کی ضرورت ہے نہ اگر مگر کی گنجائش۔ اسی عمل شریف کو عید میلاد کا جلوس کہا جاتا ہے اور اسی سنتِ صحابہؓ کے مطابق آج جلوس میں نعرۂ رسالت لگائے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آج سے چودہ سو سال

پہلے صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس آمد کی خوشی میں یہ جلوس نکالا وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک تھی اور پانچ سو سال بعد سے آج تک جس آمد کی خوشی میں جلوس سجائے بنائے جا رہے ہیں وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش سے فرش تک آمد کی خوشی ہیں۔ وہ بھی تمام صحابہ بلکہ خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میلاد کی خوشی فرمائی۔ کسی نے بازاروں میں جلوس نکال کر کسی نے چھتوں پر چڑھ کر اس جلوس کا دیدار کر کے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما کر اس جلوس کی خبریں سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگر یہ جلوس نکالنا غلط ہوتا تو اسی وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے یا کوئی آیت نازل ہو جاتی اور یہ آج بھی مسلمانوں کا جلوس جشن عید میلاد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے عین مطابق ہے۔ وہ ہجرت والا جلوس حضرت ایوب انصاری کے گھر میں بیٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ و مشاہدہ فرمایا اور آج ہمارے جلوس سبز گنبد کے روضۂ انور میں بیٹھ کر مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ کیسی حیرانی ہے کہ جلوس کا میلاد نکلتا ہے گجرات پاکستان میں اور میں ریڈیو نمبر ۲ ساؤتھ فیلڈ سکوریا اپنے گھر سے ٹیلیفون کرتا ہوں بازار چوک پاکستان صمد عینک ساز کی دکان پر اور مجھ کو سب نعرے اور صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب کی سب تقریر حرف بحرف سنائی دے رہی ہے جلوس کا سارا نقشہ میرے تصور میں پھر جاتا ہے حالانکہ میں نہ حاضر ہوں نہ ناظر ہوں۔ تو جو نبی حاضر بھی ہو اور ناظر بھی اس کے مشاہدے کی کیا شان ہوگی۔ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَآلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دلیل نمبر ۵۔ جلوس نکالنا تو ثابت ہو گیا اور ایسا ثابت ہوا کہ کسی انکار کی جرأت نہ رہی کیونکہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ کون پیپ و پیش کر سکتا ہے رہا یہ کہ جلوس کے بعد یا پہلے مروجہ طریقے پر محفل لگانا اور اس میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر کرنا۔ فضائل بیان کرنا اور ذکر آمدِ مصطفیٰ ہی کے لیے محفل لگانا۔ اس کا ثبوت بھی قرآن مجید اور احادیث مطہرات میں موجود ہے اور میلاد شریف کی بہت سی محفلوں کا ذکر ملتا ہے۔ چھٹی دلیل۔ میلاد شریف کی پہلی محفل۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (الخ) سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱ پ ۳۔ ترجمہ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے لیا تمام انبیاء کرام سے ایک زبردست وعدہ کہ جب میں تم کو عطا کروں گا (کسی کو) کتاب اور (کسی کو) حکمت۔ پھر تمہارے لیے بھیجا ایک رسول آئے گا جو تصدیق فرمانے والا ہوگا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو (اے انبیاء کرام) تم سب اس پر ایمان لانا اور اس کے معاون بن جانا۔ (الخ) یہ وہ پہلی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے جو عالم ارواح میں منعقد ہوئی۔ اس میں وعظ ارشاد فرمانے والا خود رب العالمین اور سامعین ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام۔ کتنا بڑا اجتماع تھا اور کتنے مقدس سامعین تھے اور ذکر تھا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا اسی کو یوم میلاد کہا جاتا ہے۔ مسلمان بھی آج اس دن کی یاد مناتے ہوئے اسی آنے کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کا یہ وعظ مبارک سن کر غم یا دکھ نہ ہوا ہوگا بلکہ انتہائی

فرحت خوشی و سرور ہوا ہوگا اور اسی خوشی کا نام عید ہے۔ لہٰذا عالم ارواح کی اس پہلی محفل کا نام عید میلاد النبی ہی رکھا جا سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام مناسب حال نہ ہوگا۔ میری ایک دفعہ ایک بہت بڑے گجرات کے دیوبندی وہابی مقرر خطیب پاکستان شاہ صاحب سے اسی نام کے بارے میں گفتگو ہوئی کہنے لگے اس کا نام محفل میثاق ہونا چاہیے نہ کہ محفل میلاد۔ میں نے کہا کہ یہ نام ہے تو ٹھیک مگر مکمل نہیں۔ کیونکہ اس محفل میں صرف میثاق ہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تین چیزیں واضح ہیں نمبر۱۔ میثاق نمبر۲۔ ثُمَّ جَآءَ نمبر۳ وہ قلبی خوشی جو انبیاء کو ہوئی۔ اس لیے مکمل نام یوم عید میلاد النبی نہایت درست ہے کیونکہ۔ وہ وقت یوم تھا۔ وہ خوشی عید تھی اور وہ آنا میلاد تھا۔ وہ رسول یہی ہمارے آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لہٰذا وہ بھی محفل میلاد اور آج یہ بھی محفل میلاد۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ذکر تھا آئیں گے (کیونکہ جاءَ فعل ماضی ثُمَّ حرف تراخی کی وجہ سے بمعنیٰ مستقبل ہوگیا) اور اب وعظ ہوتا ہے کہ وہ آگئے۔ ساتویں دلیل۔ دوسری محفل میلاد شریف۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قرآن مجید سورت الصف ۶۲ آیت نمبر ۶ پ ۲۸ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الخ)

ترجمہ۔ اور یاد کیجیے جب فرمایا تھا حضرت عیسیٰ ابن مریم نے۔ اے بنی اسرائیل بے شک میں رسول ہوں تمہاری طرف تصدیق کرنے والا اس کی جو میرے سامنے ہے توریت کی اور بشارت کرنے والا ہوں ایک معظم رسول کی تشریف آوری کی۔ تفاسیر میں ہے بروایت کعب احبار، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آپ کے بہت حواری حاضر بارگاہ تھے کسی نے عرض کیا سرکار کیا ہمارے بعد بھی کوئی امت ہے۔ تب ان کے جواب میں کثیر مجمع میں جہاں بنی اسرائیل کا جم غفیر تھا آپ نے بہت فصیحانہ وعظ فرمایا جس میں آقاءِ کائنات کی شان۔ صفات۔ آنے کا زمانہ مقام علاقہ اور جائے ولادت کا ذکر فرمایا اور آپ کا یہ نام بھی بتایا اور اس وعظ کی اہمیت بتانے کے لیے پہلے اپنی شان کا اپنا تعارف کرایا۔ قرآن پاک میں یہاں اس کا اجمالی ذکر ہے۔ انجیل برنباس میں اس وعظ کی کچھ تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح کے وعظ اور اجتماع کا نام محفل میلاد ہے۔ یہ ایسی معظم محفل ہے کہ میلاد النبی کا بیان فرمانے والے ایک عظیم صاحب کتاب نبی مرسل جناب مسیح ہیں اور سننے والے اس وقت کے ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل ہیں۔ آٹھویں دلیل۔ عید میلاد النبی کی تیسری محفل۔ ابھی تک قرآن مجید سے ان محافل میلاد کو ثابت کیا گیا جو عالم ارواح میں انبیاء کے لیے اور زمانہ عیسوی میں پچھلی امتوں اور بنی اسرائیل کے لیے منعقد ہوئیں قرآن پاک نے صرف حضرت یسوع مسیح کی محفل میلاد کا ذکر فرمایا۔ در نہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے کہ ہر نبی نے اپنی اپنی امتوں کے لیے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کی۔ نیز رب تعالیٰ نے امت مسلم کے لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ قَدْ جَآءَكُمْ اور اِنَّآ اَرْسَلْنَا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ۔ بَعَثَ۔ اِذْ بَعَثَ۔ وَیَبْعَثُ فِیْهِمْ وغیرہ کلمات ارشاد فرما کر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ولادت کا ذکر فرمایا۔ اسی آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا محفل میلاد ہے۔ ہمارے پیش کردہ یہ قرآنی دلائل اتنے مضبوط اور صاف واضح ہیں کہ نہ کسی تاویل کی گنجائش نہ تفسیری نکات کی باریکیاں۔ نہ کسی انکار کی جرأت۔ نویں دلیل۔ میلاد شریف کی چوتھی محفل۔

یہاں تک تو قرآن مجید سے عید میلاد کے ثبوت اور جواز میں دلائل پیش کیے گئے۔ اب احادیثِ مطہرات سے دلائل ملاحظہ ہوں۔ نعرۂ رسالت کا ثبوت۔ مشکوٰۃ شریف۔ ص۵۱۳ پر ہے وَعَنِ الْعَبَّاسِ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَاَنَّهٗ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ۔ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ ترجمہ۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ خود حاضر ہوئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کہ گویا انہوں نے کوئی اعلان یا کوئی چرچہ سنا تھا۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات سنی تھی غالباً صحابہ نے یہی سنا ہوگا کہ آج نبی پاک کچھ اپنے متعلق بیان فرمائیں گے وہ یہ چرچہ سن کر دوڑے چلے آئے یا خود نبی پاک نے یہ سنا ہوگا کہ اے آقا آپ (یہ مختلف اقوال سمع کے معنیٰ میں ہیں کہ سَمِعَ ہے۔ کس کا سننا مراد ہے۔ مَنْ اَنَا۔ میں کون ہوں۔ تو فوراً۔ سب نے جواباً (بآواز بلند نعرۂ رسالت لگایا) اور کہا۔ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (تب اگلی تقریر شروع فرماتے ہوئے) فرمایا میں محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ کا بیٹا وہ عبد المطلب کے بیٹے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى آدم علیہ السلام بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھ کو ان میں سے اچھی مخلوق میں بنایا پھر اس بہتر مخلوق کے دو حصے کیے تو مجھ کو اچھے حصے میں بنایا پھر اس اچھے حصے میں قبیلے بنائے تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلے بنائے تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلے میں بنایا پھر اس قبیلے کے شہر و گھر بنائے تو مجھ کو ساری زمین کے اچھے شہر میں بنایا اور شہر و گھر میں بھی افضل روایت کیا اس حدیث پاک کو ترمذی نے۔ اس حدیثِ پاک نے بالکل آج کی مروجہ محفل میلاد کا نقشہ کھینچ دیا کہ جس طرح ہم اپنی محافل میں کسی عالم کی تقریر وعظ ذکر میلاد شریف سے پہلے نعرۂ رسالت لگاتے ہیں۔ حضور اقدس نے بھی ابتداءً نعرہ فرمایا کہ خود فرمایا۔ مَنْ اَنَا۔ سب نے زور سے کہا۔ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ آج مسلمانوں نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے صرف اتنا فرق کرلیا کہ ایک شخص کہتا ہے نعرۂ رسالت تو سب کہتے ہیں۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ فرق بھی صرف ابتدائی لفظ میں ہے کیونکہ وہاں فرق ضروری تھا۔ ورنہ جواب میں حقیقی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ دونوں ہی حاضر کے جملے ہیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا وعظ بالکل میلاد شریف ہے۔ آج مسلمان بھی اپنی محفلِ میلادِ پاک میں ایسی ہی تقریریں اور نعتیں پڑھتے ہیں کہ وہ عبد اللہ کا پیارا وہی آمنہ کا جایا۔ وہی سب سے افضل آیا وہی سب سے بہتر آیا۔ اگرچہ میں نے یہ تحقیق کسی کتاب میں تو نہیں پڑھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محفلِ میلاد کس دن کس ماہ اور کس کے عرض و معروض پر قائم فرمائی البتہ مجھے صوفی غلام قادر صاحب گلزار مدینہ والی مرکز

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پیر مرشد بابا جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ محفلِ میلاد شریف حجۃ الوداع کے سال بارہ ربیع الاول شریف کو مسجد نبوی پاک میں منعقد ہوئی تھی اس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی۔ (یہ وہی بابا جی علیہ الرحمۃ ہیں جن کی فرمائش پر والد صاحب قبلہ حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شانِ حبیب الرحمٰن کتاب لکھی) اور حدیث کے الفاظ کَاَنَّہٗ یَسْمَعُ شَیْئًا سے اشارۃً ثابت ہو رہا ہے کہ یہ محفلِ میلاد صحابہ کے عرض کرنے پر منعقد ہوئی۔ دسویں دلیل۔ چوتھی چیز یہ کہ اہتمام کرنا چراغاں پر خرچ کرنا۔ اس دلیل میں صرف یہ ثابت کرنا بھی کافی ہے کہ بلا ضرورت فقط خوب صورتی اور زینت کے لیے روشنی کرنا یا ضرورت سے زائد چراغاں کرنا شریعتِ اسلامیہ میں جائز ہے یا نہیں اور کیا کسی نبی علیہ السلام یا صحابہ کبار یا بزرگانِ دینؒ نے بھی کبھی سجاوٹ کے لیے بہت زیادہ روشنی کی ہے یا نہیں یا کبھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں تشریف لے جانے پر فقط اظہارِ خوشی کے لیے روشنی سے زینت کی گئی ہے یا نہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے پاس اس کے بہت ثبوت ہیں۔ منکرین لوگ اس چراغاں کو شرک بدعت فضول خرچی اور اس کے علاوہ بہت بُرے بُرے لفظ کہتے ہیں مگر دلیل کوئی نہیں۔ ہمارے ثبوت بہت ہیں پہلا ثبوت گیارہویں دلیل ہے جب آقائے کل معراج میں تشریف لے گئے تو وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں رب تعالیٰ نے سدرہ بیری کے درخت کو سجایا۔ نور سے اور سبز پرندوں سے اور سدرہ بیری چھٹے آسمان سے ساتویں آسمان تک ہے آسمانوں کا فاصلہ تو احادیث میں مذکور ہی ہے گویا اتنا لمبا راستہ رب تعالیٰ نے پیارے حبیب کی آمد پر سجایا اور بہت ہی شان سے قرآن مجید میں سورت نجم کے اندر اس کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ ترجمہ جس وقت چھا گئے تھے۔ سدرہ پر وہ (انوار) جو چھا گئے۔ یہاں لفظِ اِذْ۔ ظرفِ زمان بتا رہا ہے کہ بیری کا درخت تو پہلے سے تھا مگر یہ انوار کا چراغاں آج معراج کے لیے خصوصی طور پر ہوا۔ مقامِ غور تو یہ ہے کہ وہاں بیری اگائی کیوں گئی۔ ہزاروں حکمتوں کے علاوہ یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ کسی کی آمد کی خوشی منانے کے لیے درختوں کو سجانا اور چراغاں کرنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال حسب ذیل ہیں نمبر۱ تفسیر جلالین مع الجمل جلد چہارم ص۲۲۴ (مَا یَغْشٰی) مِنْ طَیْرٍ وَّغَیْرِہٖ۔ ترجمہ نورانی پرندوں نے اور ان کے علاوہ (انوار) نے اور بیری کو (سجاوٹ کے لیے) گھیر لیا۔ نمبر۲ تفسیر جمل جلد چہارم ص۲۲۸ وَقِیْلَ مَلٰٓئِکَۃٌ تَغْشَاھَا کَاَنَّھُمْ طُیُوْرٌ۔ ترجمہ ایک قول ہے کہ وہ نورانی مخلوق فرشتے تھے جنہوں نے پرندوں کی شکل میں آکر اس بیری کو گھیر لیا پرندوں کی طرح اس کے آس پاس اندر باہر اڑتے پھرتے تھے۔ اس چراغاں کا پورا نقشہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ہم ذرا یہ سوچیں کہ اگر کسی باغ کے کسی درخت پر لاکھوں کی تعداد میں جگنو بیٹھ جائیں تو کیسی پیاری زینت اور کیسا خوب صورت نظارہ ہو۔ نمبر۳ تفسیر خازن جلد ششم ص۲۵۹ پر ہے قِیْلَ یَغْشَاھَا مَلٰٓئِکَۃٌ اَمْثَالَ الْغِرْبَانِ وَقِیْلَ اَمْثَالَ الطُّیُوْرِ وَقِیْلَ یَغْشَاھَا اَنْوَارُ الْخَلَّاقِ۔ ترجمہ۔ ایک قول ہے کہ چھا گئے تھے اس درخت پر فرشتے کوؤں کی ہم شکل یا جسم کے برابر۔ اور ایک قول ہے کہ دوسرے کسی خاص پرندوں کی

ہم شکل پرندے تھے اور ایک قول ہے کہ چھا گئے تھے اس درخت پر انوارِ الٰہی نمبر۳ تفسیر روح المعانی جلد نمبر۷ پ۲۷ سورۃ نجم ص۴۴ پر ہے۔ فَعَنِ الْحَسَنِ غَشَاهَا نُوْرُ رَبِّ الْعِزَّةِ عَزَّوَجَلَّ وَقِيْلَ يَغْشَاهَا رَفْرَفٌ مِّنْ طَيْرٍ خُضْرٍ ترجمہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ڈھک لیا تھا اس کو رب تعالیٰ کے نور نے اور ایک قول ہے کہ ڈھک لیا تھا اس درخت کو سبز رنگ کے پرندوں نے جن کا نام رفرف ہے۔ یہ مختلف اقوال مفسرین اور احادیث کے ہیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ آسمانوں پر یوم النبی کس شان سے منایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ رب تعالیٰ نے بڑی اہمیت سے اس چراغاں کا ذکر فرمایا مگر اللہ کریم جل وعلا نے وضاحت نہ فرمائی کہ کس طرح چراغاں فرمایا مَا يَغْشٰى کہکر صرف اشارہ فرما دیا۔ یعنی سجاوٹ اور روشنی ہوئی جو بھی ہوئی۔ تاکہ فرش پر یوم النبی منانے والوں کے لیے بھی عام اجازت ثابت ہو جائے کہ آمد مصطفیٰ میں خوشی مناتے ہوئے چراغاں ضرور کرو خواہ کس طرح کرو اس آیت سے آمد مصطفیٰ کی خوشی میں شاندار مضبوط دلیل ہے۔ دوسرا ثبوت بارہویں دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ توبہ آیت نمبر۱۸ پارہ دہم۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (الخ) ترجمہ۔ فقط وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے مسجد کی تعمیر مسجد کی آبادی کا نام ہے اور مسجد کی آبادی کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں بے انتہا روشنی چراغاں اور زینت کرنی بھی مسجد کی آبادی ہے۔ چنانچہ تفسیر جمل جلد دوم ص۲۷۱ پر ہے۔ وَفِي الْكَرْخِيِّ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَيْ بِنَحْوِ الْبِنَاءِ وَالتَّزْيِيْنِ بِالْفُرُشِ وَالتَّنْوِيْرِ (الخ) ترجمہ اور تفسیر کرخی میں ہے کہ يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کا معنیٰ مسجد بنانا بھی ہے اور خوب صورت فرش بچھانا اور زینت کے لیے چراغاں (بہت زیادہ روشنی) کرنا بھی مسجد کی آبادی بھی ہے تفسیر نسفی جلد دوم ص۱۳۰ پر ہے۔ وَتَنْوِيْرُهَا بِالْمَصَابِيْحِ۔ ترجمہ۔ مسجدوں میں چراغوں سے زینت کرنا مسجد کی آبادی ہے۔ ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی نشانی یہ بھی بتائی کہ وہ موقعہ بموقعہ اللہ کی مسجدوں میں چراغاں اور زیب وزینت کرتے ہیں۔ اگر قلب مومن سے پوچھا جائے تو جشن میلاد سے بہتر چراغاں کا کون سا موقعہ ہوگا۔ تیرھویں دلیل وثبوت تفسیر روح البیان جلد سوم ص۳۹۹ پر ہے۔ رُوِيَ اَنَّ سُلَيْمَانَ ابْنَ دَاوٗدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بَنٰى مَسْجِدَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَبَالَغَ فِيْ تَزْيِيْنِهٖ حَتّٰى نَصَبَ الْكِبْرِيْتَ الْاَحْمَرَ عَلٰى رَاْسِ الْقُبَّةِ وَكَانَ ذٰلِكَ اَعَزَّ مَا يُوْجَدُ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَكَانَ يُضِيْئُ مِنْ مِيْلٍ وَكَانَتِ الْغَزَّالَاتُ يَغْزِلْنَ فِيْ ضَوْئِهٖ مِنْ مَسَافَةِ اِثْنَيْ عَشَرَ مِيْلًا۔ (الخ) اور ص۳۵۰ پر ہے وَكَانَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَرَ بِاتِّخَاذِ اَلْفٍ وَسَبْعِمِائَةِ قِنْدِيْلٍ مِنَ الذَّهَبِ فِيْ سَلَاسِلِ الْفِضَّةِ۔ ترجمہ۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس بنوائی تو انتہا سے زیادہ اس میں زینت وخوب صورتی کی یہاں تک کہ قبہ شریف کے اوپر کبریت احمر کا چراغ بنوایا۔ یہ اس زمانے میں بہت ہی قیمتی چیز تھی (آج تو نایاب ہے) اور کئی میل روشنی جاتی تھی اور بارہ میل تک اس کی روشنی میں عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ (الخ) اور حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا کہ سونے کے ایک ہزار سات سو چراغ بنائے جائیں اور ان کی زنجیریں چاندی کی ہوں۔ ان چراغوں

سے مسجد شریف میں چراغاں کیا جاتا تھا۔

دیکھیے حضرت سلیمان اللہ کے رسول علیہ السلام ہیں اور ضرورت سے کہیں زیادہ صرف زینت اور خوشی کے لیے چراغاں فرما رہے ہیں چودھویں دلیل۔ ثبوت چہارم تفسیر روح المعانی جلد چہارم صفحہ پر ہے اور اسی تفسیر روح البیان جلد سوم صفحہ پر ہے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شریف میں بہت شاندار چراغاں کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں دیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا قَدِمَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ الْمَدِيْنَةَ صَحِبَ مَعَهُ قَنَادِيْلَ وَحِبَالًا وَّزَيْتًا وَعَلَّقَ تِلْكَ الْقَنَادِيْلَ بِسَوَارِي الْمَسْجِدِ وَأُوْقِدَتْ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوَّرَ اللهُ عَلَيْكَ ۔ (الخ)

ترجمہ جب حضرت تمیم داری بیت المقدس میں چراغاں دیکھ کر مدینہ منورہ آئے تو ان کے ساتھ بہت زیادہ چراغ اور بتیاں اور تیل تھا انھوں نے ان چراغوں کو مسجد کے ستونوں سے لٹکا دیا اور سب روشن کیے گئے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے ہماری مسجد کو منور کیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر نور ڈالے یا تم کو منور فرمائے۔ کیسی قسمت ہے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ چراغاں کرنے کے صلے میں کیسی ابدی دعائیں مل گئیں بس یوں سمجھ لو کہ آج سنی مسلمان بھی اپنے آقا کی دعائیں لینے کے لیے جشن میلاد پر مسجدوں اور گھروں کو چراغاں سے سجاتے ہیں۔ پندرہویں دلیل۔ ثبوت پنجم روح المعانی جلد چہارم صفحہ اور روح البیان جلد سوم صفحہ پر ہے۔ عبارت روح المعانی کی ہے۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْرَجَ فِيْ مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَزَلْ مَلَائِكَةٌ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَا دَامَ فِيْ ذَالِكَ الْمَسْجِدِ ضَوْءُهٗ ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انھوں کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے ہماری کسی بھی مسجد میں چراغاں کیا تو فرشتے اور حاملین عرش اعظم اس کے لیے بخششیں مانگتے رہتے ہیں جب تک اس مسجد میں اس کی روشنی رہے۔ لفظ سراجًا میں دو احتمال ہیں نمبر ۱ یہ کہ یہ ثلاثی مصدر ہے بروزن قِتَالًا فِتَالًا ۔ تب یہ مفعول مطلق ہے اور مبالغ تاکیدی کے لیے ہے معنیٰ ہے جس نے کسی مسجد میں خوب زیادہ چراغاں کیا۔ ترجمہ ہوگا چراغاں کیا بہت چراغاں کرنا۔ بقاعدۂ نحو مفعول مطلق ہمیشہ تاکیدی مبالغ کیلئے آتا ہے۔ نمبر ۲ یہ کہ سراجًا اسم جامد ہے بمعنیٰ ایک چراغ اور معنیٰ ہے کہ جس نے مسجد میں ایک چراغ بھی جلایا تو اس کے لیے دعائیں ہیں۔ اس معنیٰ میں یہ حکم عام ہے اور ہر مسلمان کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اب اگر ہر شخص ایک ایک چراغ لے آئے تو ضرورت سے کہیں زیادہ چراغ آجائیں گے جس سے زینت ہوگی اور اس زینت پر دعاء ملائکہ حاصل ہوگی تب بھی چراغاں کرنے پر ثواب مل گیا۔ بہر حال خوشی کے لیے کثرت سے روشنی کرنا گناہ یا فضول خرچی نہیں بلکہ اللہ رسول کی خوشنودی اور حکم ہے۔ اس کو برا کہنے اور منع کرنے والے شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ سولھویں دلیل۔ محفل میلاد کے لیے مال و دولت خرچ کرنا۔ بالکل جائز۔ کار خیر اور بہت

باعث برکت ہے۔ چنانچہ سورت یونس نمبر۱ آیت نمبر۵۸ پارہ نمبر۱۱ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ترجمہ۔ وہ یعنی رحمۃ للعالمین کے آنے کی خوشی منانا۔ اچھا ہے اس مال و دولت وغیرہ سے جو وہ منکرین جمع رکھتے ہیں بلکہ اعمال و عبادات سے بھی اس آیت میں اقتضاء النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ اظہار خوشی ہوتا ہی دولت خرچ کرنے سے ہے ورنہ فَلْيَفْرَحُوْا اور مِمَّا يَجْمَعُوْنَ کو صاف صاف ذکر نہ کیا جاتا۔ ستارھویں دلیل۔ شیخ الاسلام امام شہاب الدین احمد بن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ جو ۳۳ سال ۹۴۰ھ سے ۹۷۳ھ ۲۲ رجب بمطابق ۲۴ فروری ۱۵۶۶ء تک حرم شریف مکہ معظمہ کے مفتی اعظم مقرر رہے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر ہی میلاد پاک کے ثبوت میں ایک کتاب نعمت کبریٰ تصنیف فرمائی۔ یہ دسویں صدی ہجری کے امام اہل سنت تمام عرب کے مفتی اعظم۔ ان کا تذکرہ۔ مطبوعات مصر قاہرہ اور بغداد شریف کی فہرست تاریخات ادب اور کشف الظنون جیسی معتبر کتاب مفہرس مورخین و مصنفین میں بہت شاندار طریقہ سے ملتا ہے اور امام ابن حجر کی ذات گرامی بین الاقوامی طور پر مقبول شخصیت ہیں۔ وہ اپنی تصنیف نِعْمَةُ الْكُبْرٰى عَلَى الْعَالَمِ فِيْ مَوْلِدِ سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ (یہ کتاب کعبہ مکرمہ کی لائبریری میں موجود ہے) کے صفحہ پر فرماتے ہیں۔ قَالَ اَبُوْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ اَنْفَقَ دِرْهَمًا عَلٰى قِرَاءَةِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ۔ وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ اَحْيَا الْاِسْلَامَ۔ وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَنْفَقَ دِرْهَمًا عَلٰى قِرَاءَةِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا شَهِدَ غَزْوَةَ بَدْرٍ وَّحُنَيْنٍ۔ وَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ وَكَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ سَبَبًا لِقِرَاءَتِهٖ لَا يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا بِالْاِيْمَانِ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ ترجمہ۔ صدیق اکبر نے فرمایا جس نے ایک درہم میلاد پاک کے لیے خرچ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا جس نے یوم میلاد کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا۔ عثمان غنیؓ نے فرمایا جس نے میلاد شریف پڑھنے کے لیے ایک درہم خرچ کیا اس کو اتنا ثواب ملے گا گویا وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا۔ علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ جس نے یوم میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی اور محفل میلاد سجانے منعقد کرنے کا سبب بنا وہ دنیا سے ضرور ایمان لے کر جائے گا اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگا۔ اسی کتاب کی اگلی سطور میں نمبر۱ خواجہ حسن بصریؓ نمبر۲ جنیدؒ بغدادی نمبر۳ معروف کرخی نمبر۴ امام فخر الدین رازی نمبر۵ امام شافعیؒ۔ نمبر۶ خواجہ سری سقطی ؒ ۷ امام جلال الدین سیوطیؒ وَغَيْرُهُمْ کے اقوال و فرمودات و عملیات درج فرمائے ہیں۔ خواجہ حسن فرماتے ہیں اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو وہ سب محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد پر خرچ کر دوں۔ معروف کرخی سید الاولیاء نے فرمایا کہ عید میلاد کی خوشی میں کھانا پکانا۔ مسلمانوں کو جمع کرنا چراغاں کرنا۔ نئے کپڑے پہننا کپڑے خوشبو دار کرنا۔ خوشبو (اگربتی) جلانا اچھے انجام کی دلیل ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا۔ محفل میلاد کا ختم شریف نمک گندم یا کسی بھی کھانے پر پڑھے تو اس قسم کے کھانے میں برکت ہو گی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس نے محفل میلاد کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا اور کھانا تیار کیا اور مکان صاف کیا اور اچھے کام کیے

وغیرہ۔ تو قیامت میں صدیقین شہدا اور صالحین کے ساتھ حشر ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْقَوِیِّ بِزٗہ۔ کہ دلائل کثیرہ سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت مل گیا اور امام حجر مذکور رحمۃ اللہ علیہ جو ۴۲ سال مکہ مکرمہ میں عید المیلاد کا جشن مناتے رہے انہوں نے اپنی کتاب اسی نعمۃ الکبریٰ میں صحابہ کرام کے زمانے سے عید میلاد النبی کو ثابت کر دیا۔ ان حوالوں کی صحت کی ذمہ داری امام ابن حجر پر ہے۔ میرے نزدیک یہ یقیناً صحیح ہیں اس لیے کہ محفل میلاد کو پہلے قرآن کریم سے ثابت کر دیا گیا اور صحابہ کرام ہم سے زیادہ عامل بالقرآن تھے۔ یہ کتاب دنیا کے تمام اسلامی حصوں میں پھیلی ہوئی آج تک کسی منکر کو اس کتاب کے خلاف کچھ دلیل ہاتھ نہ آئی صرف انکار کی ضد۔ یا تو طرز ورز تو کام نہیں آسکتی۔ اب تک کے دلائل سے ہم نے محفلِ میلاد کے مروجہ طریقے کی چار چیزوں کو ثابت کر دیا۔ اٹھارہویں دلیل۔ پانچویں چیز ہے کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔ اس میں دو عمل ہیں ایک کھڑا ہونا نمبر ۲ سلام پڑھنا۔ یہ دونوں کام بھی قرآن و حدیث اور عمل صحابہ و تابعین اور بزرگان دین سے ثابت ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ عزوجل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان والوں تم بھی درود بھیجو ان پر اور سلام بھیجو بہت زیادہ سلام بھیجنا۔ یہ قانون نحو میں موجود ہے کہ مفعول مطلق تاکید اور مبالغہ زیادتی کثرت کے لیے آتا ہے آیت میں درود شریف کے ساتھ مفعول مطلق نہیں مگر سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا مفعول مطلق موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ ذکر میں صیغۂ صلوٰۃ کا حکم پہلے ہے سلام کا بعد میں مگر اہمیت سلام کی زیادہ معلوم ہوتی ہے چھ طرح سے ایک یہ کہ پڑھنے میں سلام نماز میں پہلے ہے۔ صلوٰۃ بعد میں دوم یہ کہ نماز میں سلام واجب ہے درود سنت۔ سوم یہ کہ سلام دو مرتبہ درود شریف ایک مرتبہ۔ چہارم یہ کہ سلام حاضر و ناظر کے صیغے سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ مگر درود غائب کے صیغے سے یہ سلام بغیر درود شریف پڑھنا اور کرنا جائز ہے کہ سلام پڑھتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بنانا واجب ہے اور رب کا وجوبی حکم ہے درود شریف ابراہیمی میں یہ اظہار نہیں۔ یہ تو نماز کے اندر سلام پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بیٹھ کر سلام پڑھا گیا۔ لیکن زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں ہر نماز کے بعد روضۂ اطہر اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر بالکل اسی طرح ہاتھ باندھ کر حاضر و ناظر سمجھ کر مخاطب کے صیغے سے سلام پڑھا جاتا ہے۔ جس طرح آج کل عید میلاد النبی میں کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ صرف زبان اور طرزِ تکلم میں کچھ فرق ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قیام چار قسم کا ہے قیامِ ضرورت۔ جیسے دن رات آنے جانے اور بیٹھے اٹھنے میں کھڑا ہونا پڑتا ہے دوم قیامِ عبادت جیسے نماز میں اٹھنا رکعت پڑھنا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۔ سورت نمبر ۲ بقرہ آیت نمبر ۲۳۹ پارہ نمبر ۲۔ سوم قیامِ تعظیم۔ کسی کے احترام کے لیے کھڑا ہونا۔ خواہ کسی شخص کا احترام یا کلام کا یا چیز کا تینوں قسم کی تعظیم کا جائز ہونا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چہارم قیامِ خوشی۔ خوشی ہونے یا پلنے یا ملنے کے وقت اظہارِ خوشی کے لیے کھڑا ہو جانا۔ چونکہ عید میلاد النبی کے موقع پر سب سے انتہا خوشی بھی ہے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا ہے اس سلام کی تعظیم بھی ہے لہٰذا کھڑا ہونا عین ضروری۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲ پر ہے

اور ص۴۰۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے انصار (صحابہ) کھڑے ہو جاؤ تم اپنے سردار کے لیے۔ یہ تعظیم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرائی گئی۔ دوسری حدیث شریف مشکوٰۃ شریف ص۴۰۳ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھا کرتے تھے اور گفتگو ارشاد فرمایا کرتے تھے ہمارے ساتھ تو جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی ایک دم کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک ہم دیکھ لیتے کہ آپ کسی بیوی صاحبہ کے گھر اندر تشریف لے گئے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں پاکوں سے بزرگوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا اور کھڑا بہت ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ پہلی روایت میں نبوی حکم سے قیام ثابت ہوا اور دوسری میں ماضی استمراری اور مفعول مطلق سے قیام ثابت ہوا یعنی فوراً کھڑا ہونا اور اکثر ایسا ہوتا تھا۔ تیسری حدیث شریف مشکوٰۃ شریف ص۱۶ پر دراز حدیث پاک کے آخری الفاظ اس طرح ہیں عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قَدْ سَاَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقُمْتُ اِلَیْہِ وَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِھَا۔ ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔ (الخ) ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی ہے۔ تو میں اس بات کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا خوشی میں اور میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ یہ بات پوچھنے کے زیادہ حقدار تھے۔ اس حدیث سے کلام کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہوا فقہا فرماتے ہیں کہ نماز کا قیام تلاوت قرآن مجید کی تعظیم کے لیے فرض ہوا۔ اس طرح دیگر تبرکات کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا بھی لازم ہے جیسے آبِ زم زم سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھڑے ہو کر پیا۔ آج بھی یہ حکم ہے کہ آبِ زم زم کی تعظیم کے لیے اس کو کھڑے ہو کر پینا چاہیے۔ اسی طرح وضو کے پانی کا حکم ہے۔ خوشی میں کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔ چنانچہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے وقت خوشی اور تعظیم سے کھڑا ہونا بہت ضروری ہے۔ خود دیوبندی لوگ اپنے بڑوں اور معزز مہمانوں کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر وہ نہ شرک ہے نہ بدعت۔ عداوت صرف نبی اکرم سے ہے۔ اٹھیسویں دلیل چھٹی چیز جس کا جشن میلاد میں رواج ہے۔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سننے کے لیے لوگوں کا کسی عالم کے پاس آنا محفل لگانا چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲ پر ہے۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ لَقِیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صِفَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی التَّوْرَاۃِ قَالَ اَجَلْ (الخ) ترجمہ: روایت ہے حضرت عطا ابن یسار رضی اللہ تعالی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے صرف اس لیے ملاقات کی کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ و سلم کی شانیں بیان کرو اور خبر دو مجھ کو حالاتِ مبارکہ کی۔ دوسری حدیث پاک۔ عَنْ خَارِجَۃَ بْنِ زَیْدِ بْنِ

ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ)
ترجمہ۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کر داخل ہوئے بہت سے لوگ حضرت زید بن ثابت کے گھر ان کے پاس تو عرض کیا سب نے ان کی خدمت میں کہ ہم کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور باتیں سنایئے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی محفل منعقد کرنا سنت صحابہ ہے اور یہ تو پہلے بتا دیا گیا کہ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے وقتوں میں آمد مصطفیٰ علیہ وسلم کی محفل منعقد کرتے رہے جن میں سے ایک کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے جو یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی (الخ) والی آیت میں مذکور ہے اور اسی طرح اقوالِ بزرگان بھی نعمۃُ الکُبْرٰی کے حوالے سے درج کیے گئے۔ بیسویں دلیل۔ آخر میں دعا مانگنا۔ یہ ساتویں چیز ہے جو مسلمان عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں بڑے اہتمام سے رب کے حضور حاضری دیتے ہوئے کرتے ہیں یہ بھی قرآن پاک اور احادیث مطہرات سے جائز ثابت ہے۔ اگرچہ رب تعالیٰ سے ہر وقت ہی دعا مانگنا جائز اور بہتر ہے مگر مقدس مقامات اور پاکیزہ ذکر اور بہترین محفلوں میں دعا مانگنا بہت ہی فائدہ مند ہے اور باعث قبولیت ہے۔ قرآن مجید میں ایسی دعا کی بھی شان کا اظہار اور جواز مذکور ہے۔ چنانچہ پ ۳ سورت آل عمران نمبر ۳ آیت نمبر ۳۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۔ (الخ) ترجمہ۔ حضرت زکریا اللہ کے نبی رسول علیہ السلام نے (حضرت مریم کے قرب کو باعث برکت اور وقت قبولیت سمجھتے ہوئے) وہیں پر کھڑے (فوراً) اپنے رب تعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ اس آیت میں ثابت ہوا کہ اچھی محفلوں میں دعا مانگنا سنتِ انبیاء ہے۔ آج دنیا کائنات میں مسلمانوں کے لیے محفل میلاد اور ذکرِ مصطفیٰ کی محفل سے زیادہ کون سی محفل مقدس و معطر و منور ہو سکتی ہے۔ اس لیے تمام مسلمان عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن تمام ذکر اذکار سے اپنے قلب و زبان کو مزین کرنے کے بعد اللہ رسول کی بارگاہ میں اپنی دعائیں عرض کرتے ہیں اور تجربہ ہے کہ اس محفل کی دعا ضائع نہیں جاتی۔ اکیسویں دلیل۔ محفلِ عیدِ میلاد میں اختتام محفل پر مسلمان اپنے آقا و مولیٰ کی خوشی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر ایصالِ ثواب اور شرفِ قبولیت کے لیے بہت کھانے پکا کر ہر امیر غریب کو کھلاتے ہیں جس سے ثواب کے علاوہ اُمراء سے حصہ شامل ہو جاتا ہے اور غربا کی پرورش ہو جاتی ہے۔ منکرین اس کے بھی مخالف ہیں۔ لیکن شریعت میں یہ کام بالکل جائز اور باعث برکت ہے۔ اس کے بھی ثبوت بہت زیادہ ہیں۔ چار ثبوت تو ابھی بحوالہ نعتِ کبریٰ اقوالِ خلفاء راشدین سے پیش کیئے گیے قرآن مجید کی پانچ آیتوں میں کھانا کھلانے والوں کی تعریف اور نہ کھلانے والوں کی برائی کی گئی ہے۔ پہلی آیت سورۃ حج نمبر ۲۲ آیت ۲۸ پ ۱۷ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۔ ترجمہ۔ اللہ کے اس دیئے ہوئے رزق سے خود بھی کھاؤ اور ضرورت مند (مصیبت زدہ) کو محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔ یہ آیت اگرچہ حاجیوں کو اور قربانی کرنے والوں کو گوشت کھلانے کا حکم دے رہی ہے مگر مقصد ہر وقت عام ہے۔ دوسری آیت۔ سورۃ الحَاقَّۃ ۶۹ آیت ۳۴ پ ۲۹ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ

ترجمہ۔ یہ کافر لوگ مسکین کو کھانا کھلانا پسند نہ کرتے تھے نہ کھلانے دیتے تھے۔ تیسری آیت سورۃ دھر الانسان ۲۹ آیت ۹ پ ۲۹ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ ترجمہ۔ دونوں آیتوں کا اور (رب کے عاشق بندے) کھانا کھلاتے ہیں فقط اس کی محبت میں مسکینوں کو یتیموں کو مکھڑے ہوؤں کو (اور یہ کہتے ہیں کہ) ہم تو فقط اللہ کی خوشنودی کے لیے تم کو کھانے پکا کر کھلا رہے ہیں۔ تم سے کسی جزا یا شکرے کے طالب نہیں ہیں۔ یہ تو رب تعالیٰ نے قیامت تک مومنوں کی نشانیاں بتائیں کہ ہر طریقے سے میلاد وغیرہ کے ذریعے مسلمان بندے عاشق رسول اہلسنت اپنے غریب دوستوں ساتھیوں پڑوسیوں وغیرہ کو کھانا کھلاتے رہیں گے اور قیامت تک وعظ نصیحت کے ذریعے امرا وزرا وغیرہ کو گیارہویں بارہویں اور ہر خوشی کے موقع پر کھلانے کی رغبت دیتے رہیں گے۔ بلکہ حقیقت ہے کہ اسلام نے جتنا کھلانے کا حکم دیا ہے اتنا تو کسی نے نہیں دیا۔ یہ عقیقہ یوم ولادت کی یادگار ہے۔ ولیمہ، شادی نکاح کی یادگار ہے تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں۔ قربانی۔ وغیرہ سب غریب پروری کے ذرائع ہیں۔ مگر رب تعالیٰ نے بے دینوں کی یہ نشانی بتائی ہے نہ خود کھلاتے ہیں نہ کھلانے دیتے ہیں چنانچہ پانچویں آیت سورت فجر نمبر ۸۹ آیت نمبر ۱۸ پ ۳۰ ۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ ترجمہ اور وہ (گمراہ۔ بے دین۔ کفار) قدا رغبت نہیں دلاتے مسکین کو کھانا کھلانے پر۔ جشن عید میلاد النبی ۔ میں یہ آٹھ چیزیں ہوتی ہیں۔ جو سب کی سب قرآن مجید اور احادیث طیبہ سے ثابت ہو رہی ہیں۔ جب جزوی طور پر علیحدہ علیحدہ میلاد شریف کی ہر چیز جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اور پسند ہے تو ان نیک کاموں کا مجموعہ کیوں منع ہوگا۔ دن متعین کرنا بھی رب کا حکم ہے۔ عید۔ بقر عید۔ حج۔ روزے سب کو ہی رب نے دنوں وقتوں سے معین کیا۔ آگے پیچھے کرنے والا غلط ہے۔ اسی طرح دنیوی کام بغیر تعیین ناممکن ہیں۔ یہ منکرین بھی اپنا ہر کام ماہانہ۔ سالانہ۔ معین کرتے ہیں۔ وہ تقرر نہ شرک ہے نہ کفر نہ بدعت نہ گناہ۔ دکھ تو صرف پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک سے ہے اور دشمنی عداوت صرف ذکرِ مصطفیٰ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَا سے ہے۔ ہم نے جن کثیر دلائل واضح سے عید میلاد النبی کو ثابت کیا ہے۔ مخالفت میں ایک بھی کام کی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی آج تک کسی کو جرأت ہوئی صرف اہل سنت ہی وہ پاکیزہ جماعت ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مطہرات اس کی ہر جگہ تائید فرماتی ہیں۔ ورنہ کسی فرقہ کے کسی بھی عقیدے کا ساتھ قرآن وحدیث نہیں دیتے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ

...... عید میلاد کے منکروں کے پاس یا صرف بدعت بدعت کا پرانا رٹا ہوا سبق ہے یا لغو سوالات اور لایعنی اعتراضات مثلاً ہم نے اتنے مضبوط دلائل سے مروجہ طریقہ عید میلاد کو جزئیاتی اور انفرادی طور پر قرآن مجید حدیث پاک سے کلی طور سے عید میلاد کو ثابت کیا اور کلی طور پر عمل فقہا سے۔ جس کا جواب تاقیامت منکرین کے پاس نہیں ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عین بارہ ربیع الاول پیر کے دن عید میلاد اس طرح بعینہٖ نہیں منایا جس طرح آج سنی مسلمان مناتے ہیں۔ مگر ہم اس فضول اعتراض کا الزامی جواب تو اس طرح دے سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے تو اس دور کے لاکھوں کام نہیں کیے مگر ان کو دینی کام سمجھا جا رہا ہے۔ صحابہ نے مسجدوں کے مینارے۔ محراب۔ مساجد میں وضوخانے نیز مدرسے

اور سالانہ جشن دیوبند۔ دستار بندی۔ درسِ نظامی کے اسباق۔ بستر ے اٹھا کر تبلیغیں کرتے پھرنا۔ مسجدوں میں سونا بدبو پھیلانا تلاوت کے بعد صَدَقَ اللہ پڑھنا۔ یوم اسماعیل شہید منانا۔ مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنا۔ قوم کا لاکھوں روپیہ مدرسے کی زیب و زینت پر خرچ کر ڈالنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا کہاں ثبوت ہے اور یہ بغیر ثبوت کیوں کیے جارہے ہیں اس کے خلاف کوئی سعودی فتویٰ کیونکر نہیں آتا۔ بائیسویں دلیل۔ اور جواب تحقیقی یہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عید میلاد ہی کی صورت میں یوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا اور ہم سے زیادہ منایا۔ آج مسلمان سالانہ مناتے ہیں مگر صحابہ کرام نے ہفتہ وار منایا۔ صرف فرق اتنا ہوا کہ آج مسلمان غریبوں کو کھانا کھلا کر اور کھا کر عید مناتے ہیں مگر صحابہ نے روزہ رکھ کر۔ سحری و افطار کر کے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۹ پر ہے۔ بَابُ صِیَامِ التَّطَوُّعِ۔ وَعَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ اور انہی (پہلی حدیث کے راوی ابوقتادہ) سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پوچھا گیا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پیر کے دن روزہ رکھنے کی اجازت میں تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں ہم بھیجے گئے ہیں اور اسی دن میں ہم پر پہلی وحی نازل فرمائی گئی ہے۔ مسلم شریف نے بھی اس حدیث پاک کو لکھا ہے۔ بغیر کسی الجھن کے اس حدیثِ مقدسہ سے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا صاف ثبوت مل رہا ہے۔ تین وجہ سے۔ پہلی یہ کہ صحابہ کرام صرف پیر کے دن روزہ رکھنے کی خصوصیت سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور دن کی اجازت یا سوال کا ذکر کسی اور حدیث شریف میں نہیں ہے غیب جاننے والے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کی قلبی کیفیت اور دلی چاہت جان کر اسی کے مطابق روزے کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس روزے کی شان بھی بیان فرما رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ۔ ولادت پاک تو مشہور زمانہ ہے۔ دنیا میں اپنے پرائے بلکہ کاہنوں نجومیوں کے علاوہ فارس کے محلات تک سب کو معلوم ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت کا دن تاریخ اور مہینہ سال کیا ہے۔ صحابہ بھی جانتے ہیں اس لیے صحابہ کبار صرف عید میلاد منانے کے لیے اس روزے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ لیکن نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں دو چیزیں بیان فرماتے ہیں۔ ولادت اور نزولِ وحی صحابہ کرام کو دوسری چیز کا ابھی اس سے پہلے کچھ پتہ نہ تھا۔ آج پتہ لگ رہا ہے کہ غارِ حرا میں پہلی وحی پیر کے دن نازل ہوئی۔ جواب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اے تاقیامت مسلمانو! تم پیر کو روزہ رکھو۔ اس دن روزہ رکھتے ہیں یوم تشکر منانے کے لیے تیسری وجہ یہ کہ کسی خاص دن نفلی روزہ معین کرنا اس دن کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ یوم عاشورہ کی تعظیم کے لیے اس دن روزہ اولاً فرض ہوا بعد میں نفلی رہا اور یہودیوں کا اس دن روزہ رکھنا تعظیم کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم اس خوشی کو منانے اور تعظیم کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (از مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۰ بحوالہ مسلم بخاری) صحابہ کرام نے اس عید کو روزے سے منانے کی اجازت اس لیے طلب کی کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ جسمانی اور شرعی عیدیں ہیں ان کو کھانے پینے سے مناؤ کہ یہ جسم کی تازگی بنتی ہے۔ مگر عید میلاد معرفت،

حقیقت۔ طریقت اور روحانیت کی عید ہے اس میں روزہ رکھ کر مناؤ کہ یہ روزہ روح کی تازگی اور ترقی ہے اور نیز اس میں یہ اشارہ بھی ملا کہ جس طرح روزہ پہلے ہوتا ہے عید الفطر بعد اس طرح عید میلاد کی اہمیت۔ شان پہلے ہے۔ عید الفطر وغیرہ کا بعد میں۔ جو روزہ رکھے سچی عید الفطر اسی کی ہے اس طرح جو مسلمان عید میلاد مناتے ہیں عید الفطر وغیرہ کا فائدہ اور خوشی بھی انہی لوگوں کو قیامت میں ملے گا اور اس لیے بھی روزے کی اجازت طلب کی گئی کہ عباداتِ جسمانیہ میں روزمرہ کی عبادت صرف روزہ اور نماز ہی ہے تو دو عیدیں نماز سے پوری کی گئیں اور یہ تیسری عید روزے سے پوری کی جائے۔ بہرکیف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یوم النبی منانے کی اجازت دی اور صحابہ کرام نے سحری افطاری اور روزے کے ذریعے اس کو خوب منایا اور یوم میلاد سمجھ کر منایا۔ آج مسلمان بھی اسی یوم میلاد کو سنّتِ صحابہ سمجھ کر مناتے ہیں اور سنّتِ الٰہیہ۔ سنّتِ انبیاء اور حکم قرآن وحدیث وغیرہ کو پورے مجموعے کے ساتھ سالانہ طریقے سے منا لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا بائیس دلائل سے ثابت کر دیا۔ صحابہ کرام نے اس طرح مجموعی طور پر اگر نہیں منائی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابھی اسلام کا ابتدائی دور ہے ابھی اسلام کو کئی مسائل کا سامنا ہے ابھی شجرِ اسلام کی آبیاری کی ضرورت ہے۔ ابھی جہادات کی مصروفیات ہیں۔ ابھی تو پکی مسجد پکے گھر پختہ قبور بنانے کی بھی اجازت نہیں نہ ہی فرصت ہے۔ ابھی تو مسلم بخاری اور کتب احادیث کی چھان بین و ترتیب کی بھی فرصت نہیں۔ ابھی تو فقہ اسلامی جیسی اہم چیز کی تدوین کا بھی وقت نہیں ملا۔ ابھی تو قرآنِ مجید کو اعراب لگانے آیتوں سورتوں اور سپاروں کی شکل میں مرتب و مرتب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دور تو مدارس وخانقاہ کی تاسیس بھی نہیں کرنے دیتا۔ نہ چلوں وظیفوں کا وقت ملتا ہے یہ تمام کام تو دورِ صحابہ کے بعد شروع ہوئے اور آج تک ہوتے چلے آ رہے ہیں نہ کوئی ان کو بدعت کہتا ہے نہ شرک نہ ناجائز حالانکہ ان کاموں کے جواز کا اشارہ بھی احادیث میں نہیں ملتا۔ کیا جشن عید میلاد سے ہی اتنا دکھ ہے کہ باوجود اتنے دلائل کے بھی اسی کے خلاف فتوے دئے جاتے ہیں اور حکومتِ سعودیہ کی ساری قوت انہیں متبرکات کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام دورِ نبوت میں نہ ہوا وہ دورِ صحابہ میں ہوا اور جس اسلامی کام کا وقت صحابہ کو نہ ملا وہ مجتہدین نے کیا۔ جو کام دورِ مجتہدین امام اعظم وغیرہ کے زمانے میں نہ ہوا۔ وہ محدثین نے انجام دیا۔ اس طرح تا قیامت اسلام کی شان ترقی میں ہے اسلام تو شجرۂ طیبہ ہے۔ درخت ایک دور میں ہی مکمل نہیں ہو جاتا۔ آج جو لوگ ہر بات میں دورِ صحابہ سے ثبوت ثبوت کی رٹ لگا رہے ہیں۔ وہ تو ایک کام بھی صحابہ کے مطابق نہیں کرتے۔

جشنِ عید میلاد کے دینی۔ دنیوی۔ اخروی فائدے

جس طرح اسلام کے ہر قانون میں مسلمانوں کے لیے بے حد فائدے ہیں۔ مثلاً حج۔ عیدین۔ جمعہ۔ نماز روزہ وغیرہ اسی طرح عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے سے بھی مسلمانوں کو بہت فائدے۔ بلکہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غیر مسلم کو بھی

ہمارے نبی آقا و مولیٰ کائنات کی ولادت کی خوشی منانے کا فائدہ پہنچ گیا۔ عید میلاد سے دینی فائدہ نمبر۱ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت طیبہ کے بیان سے مسلمانوں کے اخلاق و اطوار درست ہوں گے۔ نمبر۲۔ حلیہ مبارک بیان کیا جائے گا تو قلب و نظر میں انوار پیدا ہوں گے اور تصور شکل پاک سے ولایت الٰہیہ حاصل ہونے کا بھی امکان ہے۔ نمبر۳ محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگی۔ جس کا حکم قرآن و حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب محبتوں کی کنجی ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ جس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں اس کے دل میں کعبہ قرآن۔ اسلام اور اللہ کی محبت بھی نہیں اگرچہ منہ سے توحید توحید کرتا رہے۔ نمبر۴۔ مسلمان جمع ہوں گے آپس کی محبت اتحاد اور اتفاق پیدا ہوگا۔ کفر پر ہیبت طاری ہوگی نمبر۵۔ در و دیوار اور سڑکوں گلیوں میں ذکر الٰہی اور نعت مصطفائی کی دھوم مچے گی۔ قیامت میں وہ پتھر کنکر شجر و حجر مومن کے گواہ بن جائیں گے نمبر۶۔ غیر مسلموں کو تاریخ اسلامی اور طرز ایمانی کا پتہ چلے گا۔ نوجوان مسلم کو جذبۂ و ایثار اور عشق رسول اللہ پیدا ہوگا دنیوی فائدے نمبر۷ سال بھر تک کھانے میں برکت جیسا کہ نعمت کبریٰ کے حوالے سے اقوال صحابہ و اولیا مذکور ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمبر۸ عزت و وقار میں اضافہ ہوگا۔ منکرین تو عید میلاد کے جلوس کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر سال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر بھی نمازی گھر سے عیدگاہ سے آتے جاتے گلیوں بازاروں میں جلوس اور ذکر تکبیر کے ساتھ چلتے ہیں اور اسی جلوس کو دراز کرنے کے لیے حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جنگل میں جاکر نماز عید ادا کرو اور راستے میں باآواز بلند تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے جاؤ۔ بالکل یہی کچھ عید میلاد کے جلوس میں ہوتا ہے۔ صرف اتنی تبدیلی ہوتی ہے کہ بجائے تکبیر تشریق کے نعرۂ تکبیر و رسالت ہوتے ہیں۔ نمبر۹۔ غرباء کا پیٹ بھر جاتا ہے اور وہ کھانے اپنی غریبی کی وجہ سے نہیں کھا سکتے میسر ہو جاتے ہیں نمبر۱۰۔ گھروں دکانوں۔ بازاروں سڑکوں کی سالانہ طریقے سے صفائی اور زیب و زینت ہو جاتی ہے اور ثواب بھی مل جاتا ہے۔ عید میلاد منانے کے اُخروی فائدے۔ نمبر۱۱ گناہ کی معافی۔ نمبر۱۲۔ عذاب کی تخفیف۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم کتاب النکاح باب وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ۔ ص۷۶۴ پر ہے کہ ابولہب نے ولادت پاک کی خوشی میں ثوبیہ لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی۔ الفاظ حدیث اس طرح ہیں۔ قَالَ عُرْوَةُ۔ وَثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِاَبِيْ لَهَبٍ كَانَ اَبُوْ لَهَبٍ اَعْتَقَهَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ لَهَبٍ اُرِيَهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ فَقَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ اَنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ۔

ترجمہ۔ فرمایا عروہ بن زبیر تابعی نے۔ اور ثویبہ جو ابولہب کی مولات تھی یعنی آزاد کردہ۔ اس کو ابولہب نے آزاد کیا تھا تو اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بزمانۂ شیر خوارگی دودھ پلایا تھا۔ پھر جب ابولہب مر گیا تو خواب دکھلایا گیا اس کے بارے میں اس کا کوئی رشتہ دار۔ بہت ہیبت ناک عذاب میں اس رشتے دار نے اس کو کہا کہ کس عذاب سے ملا تو ابولہب بولا کہ تم سے جدا ہو کر بجز تکلیفوں مصیبتوں کے کوئی آرام نہ ملا۔ سوائے اس کے کہ مجھے شک میں پانی پلایا گیا ہو۔ اس انگلی میں

میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث پاک محدثین کے نزدیک سنداً۔ روایۃً اور متن کے اعتبار سے نہایت ہی قابل اعتماد اور قوی ہے۔ سنداً اس لیے کہ یہ مرفوع ہے اس کی سند اس طرح ہے۔ عَنْ حَکَمْ بِنْ نَافِعٍ عَنْ شُعَیْبٍ عَنْ زُھْرِیْ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ زُبَیْرٍ عَنْ زَیْنَبَ اِبْنَۃِ اَبِیْ سَلْمَۃَ عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ۔ اَنَّھَا قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ بخاری شریف نے یہ سند دراز متن کے لیے روایت فرمائی پھر آگے اسی حدیث میں ہے قَالَ عُرْوَۃُ اور بین السطور لکھا ہے۔ بِاِسْنَادِ الْمَذْکُوْرِ۔ اور وہ اسناد تو مرفوع ہے لہٰذا یہ اتنا متن بھی مرفوع ہوا۔ روایۃً اس لیے کہ عروۃ بڑے ثقہ راوی ہیں اور امام بخاری تک اتصال ہے بیچ میں انقطاع کہیں نہیں ہے۔ متن اس لیے کہ یہ خواب کس کا ہے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ خواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا چنانچہ۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم مصنف احمد بن ابی یعقوب المعروف یعقوبی۔ ص۹ مطبوعہ بیروت میں ہے وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَابَعَثَہُ اللّٰہُ رَاَیْتُ اَبَالَھَبٍ فِی النَّارِ یَصِیْحُ اَلْعَطْشُ اَلْعَطْشُ فَیُسْقٰی فِیْ نَقْرِ اِبْھَامِہٖ فَقُلْتُ بِمَ ھٰذَا فَقَالَ بِعِتْقِیْ ثُوَیْبَۃَ لِاَنَّھَا اَرْضَعَتْکَ۔ ترجمہ۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اپنی بعثت کے بعد کہ میں نے ابولہب کو جہنم میں دیکھا کہ چیختا ہے۔ پیاس۔ پیاس تو پلایا جاتا ہے اپنے انگوٹھے کے چوسنے میں۔ تو میں نے کہا کہ یہ پینا کس وجہ سے ہے۔ تو بولا میرے آزاد کرنے کی وجہ سے ثویبہ کو اس لیے کہ اس نے دودھ پلایا تھا آپ کو۔

اس حدیث کی تائید کی بنا پر وہ حدیث مرفوع ہوئی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بتائی انھوں نے زینب بنت ابوسلمہ کو پھر چار محدثین کے واسطے سے امام بخاری کو۔ کہیں بھی انقطاع نہ ہوا اور پھر کسی نے اس خواب والی حدیث پاک کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ انوار محمدیہ من مواھب لدنیہ لامام یوسف نبہانی مطبوعہ بیروت ص۲۸ پر ہے وَقَدْ رُئِیَ اَبُوْ لَھَبٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ فِی النَّوْمِ فَقِیْلَ لَہٗ مَاحَالُکَ فَقَالَ فِی النَّارِ اِلَّا اَنَّہٗ خُفِّفَ مِنِّیْ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃِ الْاِثْنَیْنِ وَاَمُصُّ مِنْ بَیْنِ اُصْبَعَیَّ ھَا تَیْنِ مَاءً وَاَشَارَ بِرَاْسِ اُصْبَعَیْہِ وَاِنَّ ذَالِکَ بِاِعْتَاقِیْ لِثُوَیْبَۃَ عِنْدَ مَابَشَّرَتْنِیْ بِوِلَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِاِرْضَاعِھَا لَہٗ۔ ترجمہ۔ بے شک دیکھا گیا ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے بولا جہنم میں ہوں مگر تحقیق تخفیف کر دی گئی مجھے ہر پیر کی رات میں اور چوستا ہوں میں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے اور اشارہ کیا اپنی انگلیوں کے پوروں کا اور یقیناً یہ میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہے جبکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تھی مجھ کو اور اس کے دودھ پلانے کی وجہ سے ہے۔ ان کو تخفیفِ عذاب یہی پیاس کا کم ہو جانا ہے۔ یہی بخاری جیسی معتمد کتاب سے بھی ثابت ہے کچھ کتابوں میں یہ خواب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے بہر حال کچھ بھی ہو خواب کا درجہ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے اگرچہ عوام کے خواب ظاہری فقہ کے قانون میں معتبر نہیں مانے گئے مثلاً اگر کوئی خاوند خواب میں طلاق دے دے تو واقع نہ ہوگی۔ مگر عالم روحانیت۔ کشف مراقبہ

اور اُخروی حالات کی خبر میں خواب کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ انبیاء کرام کی خواب وحی الٰہی اور قانون شریعت ہوتا ہے اور صحابہ کرام کی خوابیں ذریعۂ قانون سازی بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ الفاظِ اذان کسی بھی وحی سے ثابت نہیں مراسیل ابوداؤد کی وہ روایت کہ قَدْ سَبَقَكَ بِذَالِكَ الْوَحْيُ مجمل اور مرسل ہے۔ ان صحیح احادیث کے مقابل معتبر نہیں۔ جو اذان کے بارے میں وارد ہوئیں۔ مرسل روایت کئی موقعوں پر تمام اماموں کے نزدیک چھوڑ دینے کے قابل اور اس کا درجہ منقطع روایت کی شل ہے اس مرسل کا راوی عطا مجہول شخص ثقہ نہیں ہے اور مجمل اس لیے کہ وحی کی تفصیل نہیں ہے وہ وحی کیا ہے کہاں ہے قرآن وحدیث میں تو نظر نہیں آتی۔ صحابہ کرام کے بعد غوث قطب ولیوں کی خواب کا درجہ ہے پھر عام مومنین کی خواب کا درجہ ہے عام مومن کی خواب کی شان حدیث پاک میں اس طرح آئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۹۴ پر ہے (مسلم بخاری کے حوالے سے)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ مِنَ النُّبُوَّةِ ترجمہ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہو گیا زمانہ جب کہ مومن کی خواب جھوٹی نہ ہو گی اور مومن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی خواب کی بہت اہمیت اور شان بتائی ہے بلکہ رب تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم خود اپنے نبیوں کو سکھایا حضرت یوسف علیہ السلام نے دو قیدی ساتھیوں کو ان کی خواب کی تعبیر ہی بتائی تھی۔ رب تعالیٰ نے قحط سالی خواب ہی میں کافر بادشاہ کو دکھائی تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ کافر کی خواب بھی معتبر ہوتی ہے۔ اور کئی دفعہ خواب عین حقیقت ہوتی ہے۔ حضرت امام بوصیری صاحب قصیدہ بُردہ شریف کو چادر منورہ خواب میں ہی ملی تھی جو عین حقیقت تھی۔ ابولہب والی خواب چار وجہ سے بالکل حقیقت ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے جیسا دیکھا گیا پہلی وجہ یہ خواب کیفیتِ اُخروی کی ایک خبر ہے نہ کہ فقہ اور شریعت کا کوئی مسئلہ اور قانون۔ شریعت اسلامیہ کے قانون صرف دنیا پر جاری ہوتے ہیں زندگی میں۔ بعد موت شریعت جاری نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ خواب نبی کریم آقا کائنات نے خود دیکھی یا صحابی رسول حضرت عباس نے یا دونوں ہستیوں کو خواب نظر آیا۔ اس لیے عین حقیقت ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یا خوشی کی وجہ سے کافر سے عذاب ہلکا ہونا ہی قانونِ الٰہی ہے نہ حضرت ابوطالب کی خصوصیت ہے نہ ابولہب کی اگر ابوطالب کی طرح اور بھی کوئی خدمت کرتا اور کفر پر ہی مرتا تو اس کو بھی عذاب ہلکا ہوتا۔ اسی طرح ولادت پاک کی کوئی بھی کافر خوشی منائے تو اس کا بھی صلہ حیثیت کے ضرور مطابق ملے گا۔ کسی اور نیکی سے کافر کا عذاب ہلکا نہیں ہوتا۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس حدیث پاک کو بخاری شریف جیسی صحیح کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ منکرین عید میلاد پاک اس خواب والی حدیث پاک کو سن کر بھی بہت دھاڑیں مار کر روتے ہیں اور طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نمبر ۱ یہ خواب۔ شریعت کے خلاف ہے نمبر ۲ مردود اور شیطانی ہے نمبر ۳ یہ حدیث منقطع اور غیر معتبر ہے نمبر ۴ سورۃ تَبَّتْ يَدَا کے خلاف ہے نمبر ۵۔ جب رو رو کر تھک جاتے ہیں۔

تو کہتے ہیں کہ ابولہب کو پانی ملا تو تھا مگر صرف ایک دفعہ کیونکہ فعل ماضی میں تکرار کا معنٰی نہیں ہو سکتا۔ نمبر۷ کبھی کہتے ہیں حضرت عباس بھی اگر خواب دیکھیں تو خواب کا کوئی اعتبار نہیں نمبر۸ کافر سے عذاب ہلکا نہیں ہو سکتا۔ نمبر۹ حدیث میں عروہ بن زبیر نے نہیں بتایا کہ ان کو کس نے خواب سنائی۔ اس لیے نامقبول ہے۔ غرضیکہ دشمنِ عید میلاد میں کیا کچھ کہا جاتا ہے۔ ہم علی الترتیب ان باتوں کا مختصر جواب عرض کرتے ہیں۔ نمبر۱ بالکل غلط ہے شریعت کے خلاف نہیں ہے شریعت کے خلاف صرف وہ خواب ہوتا ہے۔ جو حق العبد یا حق اللہ کے خلاف ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ خواب دیکھے کہ کسی صحابی یا نبی کریم کی داڑھی مبارک حدِ شرع سے چھوٹی ہے تو ایسی خوابیں غیر معتبر اور بناوٹی ہوتی ہیں۔ یہی حال مراقبہ مکاشفہ کا ہے۔ مثلاً کوئی مراقبہ کا دعویدار یہ کہے کہ میں نے بارگاہ نبوت میں حاضری دی اور نبی کریم و صحابہ کرام کی داڑھی مبارک بہت چھوٹی دیکھی یا نبی کریم نے مجھے نمازیں معاف فرما دیں تو ان خوابوں مراقبوں مکاشفوں کو جھوٹا کہا جائے گا کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں۔ غوث اعظم نے اپنے اسی قسم کے مکاشفے یا مشاہدے کو فوراً شیطانی سمجھ لیا جیسے کہ تھانوی صاحب اور حسین علی واں بھچراں کی ابلیسی کفریہ خوابیں لیکن ابولہب والی خواب کسی آیت یا حدیث سے نہیں ٹکراتی نیز قانون الٰہی کفار کے لیے صرف خلودِ جہنم کا ہے اور جنت ان پر حرام ہونے کا ہے۔ جہنم میں رہتے ہوئے تخفیف عذاب ممکن ہے۔ قانون کے خلاف نہیں۔ اسی طرح جہنم کے طبقے کی تبدیلی بھی ممکن جیسا کہ ابوطالب کے لیے ہوا۔ نمبر۲۔ یہ گستاخی اور حماقت ہے کوئی پڑھا لکھا ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ گستاخ لوگ اپنی عادت سے مجبور ہیں ان کی یہ گستاخی شیطانی ہے۔ نمبر۳۔ غلط ہے ہم نے ثابت کر دیا کہ مرفوع ہے اور پھر منقطع و مرسل حدیث بھی جبکہ تابعی راوی ثقہ ہو تو امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک معتبر ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر تابعی بہت ہی ثقہ ہیں۔ دیکھیے صاحب مشکوٰۃ کی کتاب اکمال صفحہ ۶۰۲ پر۔ نمبر۴ سورۃ تبت بد دعائیہ کلام ہے نہ کہ اخروی عذاب کی خبر۔ اس لیے مفسرین نے تبت فعل ماضی کو بمعنی مضارع حال کیا ہے۔ اگر جہالت سے اس کو خبر مانی جائے جیسا کہ منکرین میلاد کہتے ہیں تو پھر معاذ اللہ کلام پر اعتراض آتا ہے کہ یہ خبر نہ دنیا میں ظاہر ہوئی نہ آخرت میں۔ آخرت میں کفار کا جسم مکمل ہوگا ابولہب کے ہاتھ بھی ہیں۔ تباہ نہ ہوئے نمبر۵ ابولہب کو پانی ملتا ہے اور اللہ جانے کب تک ملتا رہے گا۔ یہ قانون کلی نہیں ہے کہ ماضی میں استمرار نہیں بلکہ اکابر نحات کے نزدیک تین موقعوں پر ماضی میں استمرار یعنی بار بار ہونے کا ذکر ملتا ہے نمبر۱ جب ماضی استمراری ہو۲ جب ماضی مطلق مجہول بمعنی حال ہو۳ جب ماضی مطلق سے پہلے اذا یا اذ یا ما ظاہر یا پوشیدہ موجود ہو۔ ابولہب نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ایک دفعہ ہی کا پینا کافی ہو گیا ہو کیونکہ قدرتی اور عطائی پانی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ لَا یَظْمَئُ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ ایک دفعہ پیکر کبھی پیاسے نہ ہوں گے۔ یہ یادداشت ان باتوں کو ثابت کر رہی ہے ورنہ عذاب جہنم کی کیفیت تو یہ ہے ایک لہر عذاب کی آتی ہے تو پچھلے سارے آرام بھول جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (مشکوٰۃ شریف) نمبر۶ یہ بات بھی حد کی گستاخی ہے۔ منکرین کی بھی عجیب متعصبانہ کیفیت ہے کہ اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے

سر پہ بن خواب دیکھ کر کلمہ طیبہ بگاڑ دیں۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخت ترین گستاخی کریں تو وہ خواب عین شریعت کے مطابق ہو۔ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب براہین قاطعہ میں خواب ہی کے ذریعے دیوبند کی شان بڑھا دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹائیں تو وہ خوابیں معتبر اور سچی ہوں اور اگر صحابی رسول کریم۔ حضرت عباس جن کے آستانے پر غوث و قطب وسیلے کی بھیک مانگیں ان کی خواب جو شانِ عید میلاد کو ثابت کرے وہ سچی اور حقیقی خواب اِن ظالموں کو غلط نظر آئے۔ حالانکہ صحیح شیطانیت اور کذب بیانی۔ بناوٹ تو ان کی اپنی اپنی خوابوں میں ہے۔ نمبر۷۔ یہ قاعدہ بہت ہی جاہلانہ ہے۔ کسی حدیث و قرآن یا فقہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ تخفیف عذاب کا ثبوت موجود ہے۔ ہاں البتہ جہنم کی ہمیشگی اور جنت کی نعمتوں کا ہر کافر پر حرام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لیکن ابولہب کو پانی ملنا قدرتی ہے نہ کہ جنتی اور اگر بقول بعض منکرین ایک دفعہ بھی ملا ہو تب بھی مدعا حاصل ہو گیا۔ میلاد پاک کی خوشی منانے کا فائدہ کافر کو بھی پہنچ گیا۔ ہم کو یا ہمارے رب کو ابولہب سے کوئی محبت نہیں ہے کہ ہم اس کے تخفیفِ عذاب کے درپے رہیں۔ محبت تو ہمارے اللہ کو اپنے محبوب کے یوم میلاد سے ہے جس کی خاطر اپنی قدرتِ کاملہ سے ابولہب کی انگلیوں میں پانی پیدا کر دیا جس سے پیاس بجھی اور اس طرح تخفیفِ عذاب ہوئی۔ نمبر۸ ہم نے ثابت کر دیا کہ عروہ بن زبیرؓ کو زینب بنت سلمہ نے خبر دی اور ان کو ام حبیبہؓ نے اور ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے۔ کیونکہ بخاری شریف میں یہ دراز حدیث ایک سند سے دو طرح سے مروی ہے جس کی شرح شارحین فرماتے ہیں۔ بہر کیف یہاں تک کی سطور میں ہم نے قرآن مجید احادیث پاک کی صریح صاف عبارات سے عید میلاد النبی کا ثبوت پیش کر دیا۔ ہم نے تو مفسرین اور شارحین کا سہارا بھی نہ پکڑا بخلاف منکرین کے بجز توڑ پھوڑ خود ساختہ مطالبے کے کچھ نہیں۔

اس سعودی فتوے کی فکری نظری غلطیاں اور غلط بیانیاں

یہ آٹھ ورقی (صفحاتی) فتوای علمی اعتبار سے تو سارا ہی غلط ہے۔ کیونکہ آیتوں۔ حدیثوں کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور اپنی مطلب برآری کے لیے ہر جگہ توڑ مروڑ کی گئی ہے مگر چند بہت سخت غلطیاں ہیں جو ایک عالم دین کے لائق نہیں۔ ان کی نشاندہی ضروری ہے۔ مجھ کو حیرانگی بھی ہوتی ہے کہ ایسی لایعنی باتوں پر ان لوگوں کا دین بنا ہوا ہے۔ پہلی غلطی۔ ص۳ پر لکھا ہے کہ عید میلاد النبی کے نام پر محفلیں منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے ان کا اہتمام سراسر بدعت اور دین میں نئی اختراع ہے اس لیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفاءِ راشدین تابعین تبع تابعین سے ایسا کوئی واقعہ ثابت نہیں۔ جواب۔ یہ آپ کی نادانی اور تدبّر کی کمی ہے ورنہ قرآن حدیث میں محفلِ میلاد کا بکثرت ثبوت ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں بوجہ جبریل علیہ

علیحدہ ہوتی رہیں آج وہ ملا کے کی جا رہی ہیں۔ دوسری غلطی۔ ص۲ پر ایک حدیث شریف نقل ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ ترجمہ جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ رد ہے۔ جواب۔ یہ حدیث شریف حقیقتاً منکرین کے مخالف ہے مگر الٹا مطلب نکال کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا صحیح مطلب بالکل اس کے لفظوں کے مطابق یہ ہے کہ امر سے مراد دنیوی اور دینی ہر معاملہ ہر چیز ہے اور اَحْدَثَ میں مَا لَیْسَ کی قید ہے۔ جس نے اُحْدِثَ کی دو قسمیں کر دیں اور مقصدِ کلام یہ ہوا کہ ایجادات گناہ نہیں صرف دین کے مخالف ایجادات جس سے دین کی کوئی چیز بگڑتی ہو وہ یا ختم ہوتی ہو یا رکاوٹ بنتی ہو وہ رد ہے۔ اس اعتبار سے منکرین کی پیش کردہ یہ روایت خود ان کے ہی مخالف ہے۔ کیونکہ ان کی ایجادات مثلاً شرک بدعت کے فتوے۔ توڑ اموڑ والی کتابیں، ہندو نوازی مسلم دشمنی۔ اہل سنت کی مساجد کی اور مدارس کی مخالفت خاص کر چندہ گیری کی مہم نے تو مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ جلسوں پر قوم کا ہزار ہا روپیہ برباد کر دینا۔ یہ سب کچھ دین میں رکاوٹ ہے۔ لیکن وہ ایجادات جو دین میں رکاوٹ نہیں بنتیں وہ منع نہیں۔ محفلِ عید میلاد کسی طرح بھی اسلام کی کسی عبادت ریاضت ذکرِ الٰہی وغیرہ کو منع نہیں کرتا بلکہ اس سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جذبۂ ایثار خدمتِ دین کا اور زیادہ شوق پیدا ہوتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ محفلِ میلاد وغیرہ نے تو کئی غیر مسلموں کو متاثر کر کے مسلمان بنا دیا۔ جبکہ ان منکرین کے مدارس و مجالس نے مسلمانوں کو ہی مشرک بنایا اور اللہ رسول سے دور کیا جذبۂ ایثار سے کورا خدمتِ اسلام سے بیگانہ کیا۔ مجاہدِ اسلام اللہ دتا شہید، شہیدِ اسلام علم دین مرحوم۔ وغیرہ عید میلاد النبی نے ہی پیدا کیے۔ ان منکرین کے پاس سوا بدعت شرکت۔ بدعت شرک کے کیا ہے۔

تیسری غلطی۔ ص۳ پر ہی ہے ایک حدیث پاک میں ترجمہ کی ملاوٹ کر کے کم ایمانی کا ثبوت دیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ۔ جس سے مطلق طور پر۔ ہر دینی دنیوی ایجاد مراد ہے انہوں نے (دین میں کی) قید لگا کر اپنا مطلب بنانے کی کوشش کی۔ یہ سراسر دینی خیانت ہے۔ تمام شارحین علما فقہا محدثات سے مراد گناہ اور فحاشی اور دینی رکاوٹ والی چیزیں مراد لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص یا کوئی حکومت نماز یا اذانِ نماز میں باجے کی تاریخوں میں یا چاند آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے مشینوں سے دیکھے اور مسلمانوں کے روزے سے عیدیں حج غلط کرائے۔ جیسے کہ سعودی حکومت ہر سال مسلمانوں کے روزے سے عیدین اور حج غلط کراتی ہے یہ محدثات۔ چوتھی غلطی۔ ص۴ پر ہی۔ منکرین عید میلاد کی ہی مخالفت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ ترجمہ۔ جو چیز تم کو رسول اللہ دیں تو اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے منع رہو (باز رہو) جواب۔ ہاں ٹھیک ہے اب ہمارا یہی مطالبہ ہے کہ کوئی حدیث صاف دکھا دو جس میں عید میلاد یا یوم النبی منانے سے منع کیا ہو اور ہمارا تجربہ اور یقین ہے کہ قیامت تک نہیں دکھا سکو گے۔ تم لوگ آرام طلب اور بستروں میں گھس کر فتوے لگانے والے ہو تم کو قرآن مجید کی سمجھ کہاں سے آسکتی ہے۔ پانچویں غلطی۔ ص۶ پر لکھا ہے کہ کہیں بھی عید میلاد النبی کا ثبوت نہیں ملتا یا محفلِ میلاد منعقد کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ جواب۔ ثبوت تو ملتے ہیں مگر کور

چسپی کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ ہم نے تمام ثبوت پیش کر دیئے ہیں جبکہ ممانعت پر آدھی آیت بھی نہیں مل سکتی۔ نیز ثبوت نہ ملنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ صاف ممانعت دکھاؤ۔ مسلمانوں کو دھوکہ مت دو۔ ثبوت تو لاکھوں چیزوں کا نہیں ملتا مگر تم سب کرتے چلے جا رہے ہو۔ ہزاروں چیزیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے استعمال نہ کیں اور سینکڑوں کام صحابہ نے نہ کیے اور تم نے ان کو دین بنایا ہوا ہے۔ جس کی مثال پیچھے دے گئی ہے۔ **چھٹی غلطی**۔ ص۶ پر ہی لکھا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اس امت کے لیے مکمل نہیں کر دیا۔؟ جواب ہاں مکمل کر دیا مگر عقائد اصول اور بناؤں میں لیکن فروعات اور اس شجرِ اسلام کی شاخیں کونپلیں پھول پھل قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔ ترجمہ۔ اے حبیب کریم اسلام کا آخری دور آپ کی شان میں پہلے دور سے زیادہ خوب صورت ہے۔ (پھیلاؤ ترو تازگی میں نئے پھولوں پھلوں سے لدا ہوا) یہ جشنِ عید میلاد النبی آج کے دور میں اسی چمنِ پُربہار کا پھول ہے اور شجرِ اسلام کی ایک فرع ہے اور پھر یہ سوال تو تم پر پڑتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سب باتیں بتا دیں تو تم لوگوں کے چندے چھین چھین کر مدرسے کیوں بنا رہے ہو کیا بتا رہے ہو۔

ساتویں غلطی۔ ص۸ پر لکھا ہے۔ اگر محفلِ میلاد منعقد کرنا دینِ الٰہی کا حصہ ہوتا تو یقیناً نبی کریم اس کے انعقاد کا امت کو حکم دیتے یا اپنی حیات میں خود ایسی محفلیں منعقد کرتے یا صحابہ کرام محفلِ میلاد کا اہتمام کرتے۔ جواب الزامی۔ کیا مدرسہ دیوبند اور دورۂ حدیث اور مدرسے کا نظامِ تعلیم۔ تنخواہ لے کر پڑھانا۔ سالانہ چھٹیاں اور جشن دیوبند منانا دینِ الٰہی کا حصہ ہے۔ اگر ہے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا یا خود تنخواہ لے کر پورا نصاب پڑھایا یا صحابہ کرام نے ایسا کیا۔ اگر نہیں تو تم کیوں کرتے ہو؟ جواب تحقیقی۔ ہاں۔ عید میلاد دینِ الٰہی کا استحبابی حصہ ہے اور فائدہ مند ہے اس کا حکم قرآن مجید نے دیا۔ اور صحابہ کرام نے بلکہ خود آقائے کائنات نے اپنے یوم میلاد کا محفل میں تذکرہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ **آٹھویں غلطی**۔ اسی ص۸ پر ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ لکھ کر ترجمہ غلط کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم) غلط ترجمہ یہ ہے اور دین میں ہر نئی اختراع بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ لفظِ دین میں۔ اپنی طرف سے زیادتی کی گئی ہے۔ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہر محدثہ خواہ دینی ہو خواہ دنیوی بدعت ہے اور ہر بدعت علیحدہ راہ ہے (غلط لادیا) شارحین کے نزدیک۔ محدثہ سے مراد بُرے عقیدے ہیں۔ جو آج کل فرقوں نے بنا لیے۔ مثلاً نبی پاک کو بھائی یا چوہدری سمجھنا ختمِ نبوت کا انکار۔ صدیق اکبر کی خلافت کا انکار۔ یا اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ ماننا وغیرہ وغیرہ عید میلاد النبی عقیدے کا نام نہیں یہ عملِ صالح ہے۔ **نویں غلطی**۔ ص۱۲ پر ہے۔ یہ عید میلاد بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ منکرات کو بھی اپنے اندر سمیٹ لیے ہوئے ہے۔ مثلاً۔ مرد و زن کا اختلاط۔ آلاتِ موسیقی کا استعمال طبلے اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص وغیرہ۔

جواب۔ منکرین کا سارا مذہب ہی جھوٹ اور کذب بیانی کی بنیاد پر ہے۔ ان ہی جھوٹوں میں سے ایک یہ بھی جھوٹا الزام ہے کہیں بھی کبھی بھی جشن عید میلاد کی کسی بھی محفل یا جلوس میں یہ چیزیں نہیں دیکھی گئیں۔ بلکہ ساری تقریبات میں ذکرِ الٰہی اور معطر نعرے

اور درود و سلام ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اگلی سطور میں بیان کرتے ہوئے عید میلاد کا پورا نقشہ ظاہر کریں گے۔ دسویں غلطی بعد ۱۲ پہر ہی ہے اور پھر ان محفلوں میں سب سے بڑے گناہ و شرک کا ارتکاب ہوتا ہے یعنی مدح رسول میں غلو سے کام لیا جاتا ہے غیر اللہ سے فریاد رسی اور مدد طلب کی جاتی ہے اور یہ کہ نبی غیب بھی جانتے ہیں اور اسی قسم کے کفریات کا ارتکاب محفل میلاد میں ہوتا ہے۔ جواب۔ قرآن و حدیث کی رو سے یہ باتیں شرک نہیں نہ غلو ہیں۔ غیر اللہ سے مدد منکرین بھی مانگتے ہیں۔ ڈاکٹر، حکیم پولیس، حکام سے یہ منکرین زیادہ مدد مانگتے ہیں۔ اس وقت خدا اور توحید کو بھول جاتے ہیں۔ غیب کا عطائی علم انبیاء کرام کو ہے قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جو اس کا منکر ہے وہ قرآن پاک کا منکر ہے۔ ان ثبوتوں کے لیے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کیا جائے۔ اس سعودی فتویٰ کی باقی باتیں سب لغو اور بیہودہ ہیں۔ ان کا ذکر فضول ہے۔ بہر کیف یہ سارا کتابچہ جہالت پر مبنی ہے۔ بلکہ جہالت کی بھی قبیح شکل ہے۔ دیوبندیت و وہابیت بھی کیسا شیطانی خبیثانہ مذہب ہے کہ خبیثوں کے نزدیک مدح رسول طبلے اور ڈھول سے بھی زیادہ برا ہے۔

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منانے کا مروجہ پاکیزہ طریقہ

پہلی محفل ہزار سالہ مروجہ طریقۂ عید میلاد شریف جو آج کل ذرا زیادہ خوب صورتی سے جاری و ساری ہے (اللہ اس کو ہمیشہ جاری رکھے)۔ جیسا کہ ہم نے آج کل دیکھا اور اپنے بزرگوں سے سنا۔ وہ اس طرح ہے کہ ہر سال بارہ ربیع الاول شریف کی تاریخ مبارک کی رات اور دن سب بستی والے مسلمان ملک تین محفل منعقد کرتے ہیں پہلی محفلِ شب و دوسری محفلِ سحر۔ تیسری محفلِ یوم۔ یہ دن رات عجیب شادمانی اور خوشیوں کے وقت ہوتے ہیں۔ ہزار ول عیدوں سے زیادہ چہل پہل ہوتی ہے۔ ہر گھر میں صفائی زیب و زینت کی جاتی ہے اور ساری رات بہو بیٹیاں بچیاں کھانے مٹھائیاں بناتی ہیں اور مرد، بزرگ اور نوجوان اور بچے۔ بعد نماز عشاء اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھ کر جامع مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تلاوتِ کلام پاک سے محفلِ میلاد شریف کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر نعت خوان، شعراء اور مولود خوان حضرات نعتیں اور گجرے پیش کرتے ہیں۔ (گجرے یعنی وہ اشعار جن میں پھولوں ہاروں اور سہروں اور باغوں چمنوں کا ذکر ہوتا ہے) یہ سب کچھ بارگاہِ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہر نعت اور کلام شاعر کے بعد عالمِ دین اسوۂ حسنہ۔ مواعظِ حسنہ صورت النبی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریریں کرتے ہیں۔ میلاد خوان علماء اپنی مولود کی کتابیں پڑھ کر سناتے ہیں جس میں یوم ولادت تاریخ ولادت اور احادیث کی روشنی میں اس وقت کے معجزات (ارہاصات) کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ محفل میں بار بار الائچی شکر اور بتاشے کھلائے جاتے ہیں اور عطر آمیز گلاب تقسیم اور چھڑکا جاتا ہے۔ حسبِ توفیق ہزاروں قسم کا عطر اس رات میں عشاق میلاد ذکرِ پاک کی محفلوں میں بکھیر دیتے ہیں۔ حدِ ضرورت سے کہیں زیادہ روشنی اور چراغاں کر کے مساجد و محافل کو

بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔ اس نعت خوانی وعظ و تقریر اور میلاد خوانی کا عجب سماں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے علماءِ عرب و عجم نے میلاد خوانی کی کتابیں تصنیف فرمائی جو اس رات پڑھی جاتی ہیں جس میں آج کل مشہور۔ میلادِ شہیدی۔ میلادِ اکبر میلادِ حافظ۔ مولودِ شید۔ میلادِ سعدی۔ اُردو میں۔ نعمۃِ کبریٰ بعلا آدمۃ امام ابن حجر انوار محمدی امام نبہانی عربی میں۔ اسی طرح انوارِ ساطعہ اور حفیظ جالندھری مرحوم کا ذکر میلاد والا کلام اور سلام آمنہ بھی سنایا جاتا ہے۔ بہت سے اکابر شمائل ترمذی بھی سنانے کا بہت ہی اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت قبلۂ عالم مفتی احمد یار خان بدایونی نعیمی قادری اشرفی نے ایک غیر مطبوعہ کتاب محفلِ میلاد پر تصنیف فرمائی تھی جس میں صرف قرآن مجید کی بارہ آیت سے بارہ محفلیں لکھی ہیں۔ جس کی کچھ جھلک اور طرزِ بیانی میں نے خطباتِ نعیمی میں دکھائی ہے۔ اس کا مجوزہ نام میلادِ نعیمی اور میلادِ اشرفی ہے۔ ہمارے سامنے حضرت حکیم الامت کی محفلیں ہیں یہ اُن کا ہی نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس محفل کی پُرمسرت فضاؤں کا یہ اثر ہوتا تھا کہ کئی ہندو ان کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور ہندو شعراء نے ان ہی معطر و پاکیزہ محفلوں کی ٹھنڈک قلب و دماغ تک محسوس کر کے بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ منکرین کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو کام نہ کر سکیں عشاقِ اہلِ سنت کی عید میلاد نے وہ کام کر دکھایا۔ غرض کہ یہ محفل اپنی ہزار رونقوں برکتوں رحمتوں اور روحانی ٹھنڈک قلبی سکون کے ساتھ آدھی رات تک جاری رہتی ہے۔ مختصر دعا کے بعد لوگ اپنے گھروں کو جا کر دوسری محفل سحر کی تیاری میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

جشنِ عید میلاد کی دوسری محفلِ سحر

یومُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پہلی مقدس محفل کے بعد صرف ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد اٹھ کر لوگ بہترین غسل کرتے ہیں حسبِ استطاعت بہترین پاکیزہ لباس پہن کر خوشبو لگا کر ہار پھول مٹھائی جو بھی گھر میں تیار کیا ہوتا ہے وہ لے کر دوسری محفل سجاتے ہیں۔ ادھر عورتیں نہا دھو کر عمدہ لباس پہن کر گھروں میں اپنی محفل لگاتی ہیں قرآن خوانی سے ابتدا کر کے بچیاں طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ۔ اور اس کے علاوہ نعتیں پڑھتی ہیں۔ مردانہ محفل میں پہلے نماز تہجد اور بارہ نفل عید میلاد کے شکرانے میں پڑھے جاتے ہیں پھر محفل پاک کا آغاز ہوتا ہے ایک صاحب لکھنے بیٹھے ہیں اور لوگ نہایت دھیمی آوازیں اپنے اپنے پڑھے ہوئے قرآن مجید جو خود پڑھے ہیں۔ بچوں بچیوں ماؤں بہنوؤں سے پڑھے یا کلمہ شریف یا سورتیں کسی نے یہ پڑھائی پچھلے سال سے شروع کر رکھی ہے کسی نے چھ ماہ کی پڑھائی کسی نے ایک ماہ کی پیش کی ہے لکھائی نام بنام ہو رہی ہے۔ جنہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کے سجدوں کو ادا نہیں کیے ہیں ان سے سجدے کروائے جا رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تلاوت کے ادا کیے بغیر ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے۔ سب قرآن مجید سورۃ اخلاص۔ کلمہ شریف جمع کیا گیا۔ بارہ سو قرآن مجید۔ بارہ ہزار سورۃ اخلاص۔ بارہ لاکھ کلمہ شریف جمع ہو گیا ہے اس

کے بعد قاری صاحب نے نہایت پُر درد اور خوش الحانی کے ساتھ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی۔ پورے رکوع پاک کی تلاوت فرمائی۔ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دل معطر ہو رہے ہیں پھر مخصوص نعتیں۔ حمدیں۔ قصیدے گجرے۔ جو اسی رات کے لیے لکھے گئے ترنم سے پڑھے گئے۔ حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اس محفل سحری کے لیے قصائدِ میلاد نظم فرمائے ہیں جو ہمیشہ اس محفل میں پڑھے جاتے ہیں۔ آج کی رات گلیوں بازاروں میں بھی اتنی چہل پہل ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ در و دیوار نے بھی نور کا لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ ہر چیز مسکراتی نظر آ رہی ہے۔ لوگوں کی آمد و رفت اور خریداری کے لیے کچھ ہاروں پھولوں کی اور مٹھائیوں کی دکانیں بھی کھل گئی ہیں۔ لوگ حیثیت کے مطابق شانِ گدایانہ و عقیدتِ غلامانہ سے دربارِ خسروانہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ ایسا پُرسکون ماحول ہے یوں لگ رہا ہے کہ کہیں شہنشاہ کی آمد آمد کا شور ہے اور گداگر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس رت جگے اور کیف و سرور اور رو دھو بھاگ کی لذتِ سروری کو کچھ وہی جانتا ہے۔ جس کو کچھ مل گیا ہے۔ آج ہر شخص مسکرا رہا ہے کیونکہ داتا بندہ نواز کی آمد کا انتظار ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتنے خوش بخت ہیں وہ خوشی میں جاگنے والے گھروں بازاروں کو چراغاں کرنے سجانے والے۔ سارے شہر کو دلہن بنانے والے اور ان کی بدنصیبی کا شمار نہیں جو اس جیسی سہانی رات (جس پر لاکھوں دن قربان ہو جائیں) میں بھی گھروں مسجدوں اور مدرسوں میں گھٹا ٹوپ اندھیرا کر کے پڑے سو رہے ہیں یا چراغاں دیکھ دیکھ کر جلاپے میں رو رہے ہیں کڑھ رہے ہیں۔ بہرحال ادھر محفل بھر گئی۔ گلی بازار میں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ محفل معطر ہو گئی۔ اب پھر گلاب اور عطر چھڑکا جا رہا ہے۔ الائچی سبز تقسیم کی جا رہی ہے۔ نعت خوانی شروع ہو گئی۔ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر۔ نعرہ رسالت۔ یا رسول اللہ۔ جشن عید میلاد النبی۔ زندہ باد کے مقدس نعرے بلند ہو رہے ہیں نعتوں کے دوران وقفے وقفے سے۔ ذکرِ پاک مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی رحمۃ عالمینی۔ فریاد رسی حاجت روائی مشکل کشائی قرآن و حدیث کی روشنی میں اس انداز سے بیان ہو رہے ہیں کہ لذتِ شوق سے سامعین کے دل مچلے جا رہے ہیں احسان مندی سے دیدۂ ذوق وا ہیں اور والہانہ انداز میں عقل و دماغ۔ شعور و مزاج پکار رہا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔ انہی محفلوں میں آ کر بے سہاروں کو سہارا۔ یتیموں کو ملجا۔ غریبوں کو ماویٰ۔ دنیا کے پریشانیوں کو اطمینان و سکون۔ چین اور ڈھارس ملتی ہے بخدا اگر یہ محفلیں نہ ہوں تو غم کے پیاسوں۔ تفکرات کے جھلسے ہوؤں کو ذکرِ محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی کا میٹھا ٹھنڈا پانی کہاں سے ملے۔ محفلِ میلاد مومن کی جان۔ مسلمان کی آن اور اسلام کی شان ہے منکرین ان بہاروں کے مخالف ان ٹھنڈی لہروں کے یہ محفلیں مدینہ کی فضائیں ہیں طیبہ کی بدلیاں ہیں اور جنت کی ہوائیں ہیں۔ قرآن کی صدائیں ہیں۔ حدیث کی دعائیں ہیں۔ ان محفلوں نے اپنی لذتوں سے غیر مسلموں کو مسلمان، مسلمانوں کو ولی۔ ولی کو غوث۔ غوث کو قطب۔ قطب کو قطب الاقطاب۔ بے پڑھوں کو معرفت و شریعت کا عالم بنا دیا۔ روتوں کو ہنسا دیا۔ ہاں البتہ شیطان کو رلا دیا۔ دشمن کو بھگا دیا۔ محفل سجی ہے۔ قصیدے گائے جا رہے ہیں توحید کی

آج ہی لذت آئی ہے تشکر کے آنسو بھی رواں ہیں اور خوشیوں کی مسکراہٹیں بھی۔ اسی دربار میں آکر توحید باری تعالیٰ کی شناسائی ہوئی۔ ذکر میلاد کو چھوڑ کر بے مثل وَحْدَہٗ لاشریک کی توحید کا ثبوت کیسے مل سکتا ہے۔ اس محفل پاک میں توحید کے مستانے لذتِ احسان رب کریم سے سرشار ہو کر جھوم رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علین صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ وقتِ عظیم ہے جس کا ادب احترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس لیے سب حاضرین۔ احترام۔ ادب۔ تعظیم اور اظہارِ خوشی کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سارے وقتوں کو فنا ہے اس وقت کو بقا ہے۔ جنت کا یہ ہی وقت ہے۔ جو اپنی انتہا پر پہنچ کر ہمیشہ۔ ہمیشہ کے لیے ٹھہر گیا۔ فجر کی نماز اسی وقت کی خوشی منانے کے لیے فرض ہوئی۔ اس وقت کی سنتِ فجر بھی مثلِ واجب ہیں۔ یہ وقت کا احترام ہے۔ اس لیے کہ یہ وقت یوم النبی کی ابتدائی ساعت ہے۔ یہ لمحات آمدِ مصطفیٰ کی یادگار ہیں۔ اور مومن کے دلفگار ہیں۔ بہت ہی التجاؤں تمناؤں سے سلام و درود پڑھا جاتا ہے۔ پھر تلاوتِ قرآن مجید کے ساتھ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ہار پھول تبرک لانے والوں، گھروں سے خواتین کی بھیجی ہوئی مٹھائیوں کھانوں اور تلاوتیں پیش کرنے والوں کا نام لے کر قبولیت کی عرض سے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے اور پھر سرورِ انبیاء کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر۔ نذرانۂ عقیدت کا ثواب ایصال کیا جاتا ہے۔ ان کے طفیل سب انبیاء مرسلین کی بارگاہوں میں۔ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پھر صحابہ تابعین تبع تابعین کے درباروں میں پھر علماء اولیاء کی ارواح مقدسہ کو ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ پھر جمیع مسلمانوں کو جو فوت شدہ ہیں اور سالقہ امم مرحومین کو پھر رب تعالیٰ جَلَّ وَعَلٰی کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ پھر رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد وہ تمام تبرکات تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس محفل میں سلام ببارگاہِ خیر الانام۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ مبارکہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر پیار سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی امید و التجا کے لیے حاضر کے صیغے سے پیش کیا جاتا ہے۔ تشریف آوری کے لیے حسّاً آنا کوئی ضروری نہیں۔ متوجہ ہو جانا بھی تشریف آوری ہے۔ تقسیم لنگر کے بعد اذانِ فجر ہوتی ہے۔ آج اذان کی بھی عجیب لذت آ رہی ہے۔ دل میں دردِ عشق آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو خود بخود آتے چلے جا رہے ہیں۔ نہ غموں کا تفکر نہ گناہوں کا بوجھ خود بخود اترتا چلا جا رہا ہے نماز ہوتی ہے۔ آج مسجد بھری ہوئی ہے۔ عیدین سے بھی زیادہ سرور ہے۔ اس نماز کی بھی کیا شان ہے کہ سر بارگاہِ ذوالجلال میں ہے اور دل عشقِ مصطفیٰ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جشنِ میلاد کی محفلوں نے تو مسلمانوں کو نمازی روزے دار۔ قرآن مجید کا قاری بنا دیا ہے۔ اسی عید میلاد کی لذت شوق میں بڑے بوڑھے بچے بچیاں۔ مائیں بہنیں۔ سال بھر تک تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ نمازیں۔ نوافل پڑھ پڑھ کر عشق و محبت اور شوق و ذوق کے نمازی بن گئے گھر پاکیزہ ہو گئے اور دکانوں میں مصلے بچھ گئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جشن عید میلاد منانے والے اہل سنت مسلمان جس تمیز۔ تہذیب اور ادب و احترام سے مساجد میں نمازیں۔ جمعہ و عیدین ادا کرتے ہیں۔ اس کی مثل

نہیں ورنہ ان منکرین توحیدیوں کی نمازوں کا حال ہم جانتے ہیں۔ بھاگے بھاگے آئے الٹا سیدھا وضو کیا۔ لاتیں چوڑی گردن اکڑی ہاتھوں سے خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔ تیز رفتاری سے فرض ادا کیے مختصر دعا مانگی اور بھاگے بھاگے آئے اپنی یا کسی کی جوتی پہنی اور چلے گئے نہ نفل نہ سنت غیر مؤکدہ۔ نہ صحیح طرح دعا۔ گویا نماز پڑھنے نہیں آ چکنے آئے تھے۔ بادل چمکے تو مسجد بند۔ کیچڑ ہو اندھیرا ہو جماعت معاف۔ سفر میں ہو تو وقت کی پابندی سے صفا پٹ گئے۔ کیا آرام دہ مذہب بنایا ہے اور ظرفہ یہ کہ اتہام سنیوں، عید میلاد منانے والوں پر کہ وہ نماز و جمعہ کی حاضری نہیں دیتے حاضری نہیں دیتے۔ حالانکہ جشن میلاد ہی سے تو مسجدوں کی آبادی ہے۔ سنی ہی تو مساجد کی آبادی کر رہے ہیں انہی کے دم سے مساجد معمور و مزین ہیں۔ ہم نے عید میلاد کی دو محفلوں کا نقشہ مروجہ پیش کیا۔ بتائیے ان میں کون سی خرافات ہے۔ کہاں ڈھول باجے نظر آئے۔

کہاں مرد و زن مخلوط دکھائی دیئے۔ کون سی بات قرآن و حدیث یا توحید کے خلاف ہوئی۔ حقیقت پسندوں کو ان ہی محافل میں توحید کے چشمے۔ رسالت کی آبشاریں معرفت کی لذتیں اور طریقت کی بہاریں ملتی ہیں۔

جشن عید میلاد النبی کی تیسری محفل یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رات بھر کا سہانا سماں چشم تصور میں دیکھ لیا۔ کچھ لوگ تو وہ تھے جو دونوں محفلوں میں حاضر رہے وہ اشراق کے نفل پڑھ کر تین گھنٹے آرام کریں گے اور کچھ لوگ رات بھر اپنے بازاروں اپنی دکانوں کو سجاتے ہیں جن میں نوجوان زیادہ حصہ لے رہے ہیں درود شریف پڑھتے جا رہے ہیں اور سجاوٹ کا کام کرتے جا رہے ہیں ان پاکیزہ چہرے والے نوجوانوں کو نہ بستر یاد آ رہا ہے نہ نیند کا خیال ہے نہ تھکاوٹ نہ گراوٹ۔ خوشیوں سے چہرے کھلے پڑ رہے ہیں۔ کروڑوں ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے سرشار۔ اپنے کاموں میں مگن ہیں۔ کبھی بھی اتنا درود شریف کلمہ شریف نہ پڑھا گیا جتنا آج پڑھا جا رہا ہے۔ کتنا عظیم فائدہ ہے اس عید میلاد النبی کا نسلِ اسلامی کو سنبھالنے گلدستۂ شریعت بنانے کے لیے ان محفلوں سے زیادہ کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہو سکتا۔ ذکرِ مصطفیٰ ہی ہماری اگلی پچھلی نسلوں کو تقوے کی دولت عطا فرما سکتا ہے۔ جو ان محفلوں کو بدعت شرک کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل نسلِ اسلامی کے دشمن ہیں۔ جشنِ عید میلاد میں مسلمانوں کی ترقی اتحاد عزت دولت شہرت۔ اللہ رسول کی محبت دل میں قرآن و حدیث کی عظمت و ہیبت کا آنا۔ وطن کی الفت وغیرہ ہزاروں فائدے ہیں۔ ان منکرین کے وعظوں تبلیغوں مدرسوں۔ کتابوں رسالوں اور صد سالہ جشنِ دیوبند۔ اور تعلیمات مجددیہ نے قوم کو کیا دیا تہذیب اسلام کا کونسا نقشہ کھینچا ہم بس یہی تو کہ نہرو ہندو کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھایا۔ گاندھی کو سعودی حکومت نے رسولِ امن کا لقب دیا۔ اس کا جلوس نکالا اس کے زندہ باد (حَیَّاکَ اللہ) کے نعرے لگائے اور

گلیوں بازاروں میں یارسول اللہ کے نعرے بلند کیے۔ جشن صد سالہ میں اندرا گاندھی اور اس کی ساڑھی کو اسٹیج پر کرسی صدارت دے کر بٹھایا اور لمبی داڑھی والوں کو زمین پر بٹھایا۔ اگر مسلمانوں کے سامنے اہل سنت مسلمانوں کے اسٹیج میلاد کی محفلیں۔ عیدِ میلاد کے جلوس نہ ہوں اور محافل گیارہویں میں سیرتِ اولیاء اللہ بیان نہ کی جائے اور ان منکروں کی ہی چال چلی جائے۔ تو نئی نسل اور اغیار کو اسلام کی سمجھ ہی نہ آئے۔

جب رات کے جشن دیکھ کر۔ اپنے پرائے دن کی تیاریاں بازاروں کی سجاوٹ دیکھتے ہیں۔ تو تاریخی معلومات کا ایک نیا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اب دن کی محفل سجائی جا رہی ہے دوپہر کے قریب نماز ظہر سے پہلے۔ نئی اداؤں۔ خوشیوں کے ساتھ ہار پھول اور گلدستوں کے ساتھ شہر کی ایک ہی جامع مسجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ اتنا بڑا اجتماع نہ کبھی عید الفطر کو دیکھا نہ عید الاضحیٰ کو۔ یہ سب کچھ کیوں اور کیا ہے؟ آج عشاق و محبین اپنے آقا کے نعرے گلیوں اور بازاروں کو سنانا چاہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ہجرت والی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں۔ آج عید میلاد کا جلوس مبارک نکلنا ہے۔ جلوس کا سارا راستہ دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ جھنڈیاں محرابیں اور مصنوعی دروازے بنا کر سجائے گئے ہیں۔ پہلا دروازہ بابِ رحمت۔ دوسرا دروازہ بابِ شفاعت۔ تیسرا دروازہ۔ بابِ بخشش وعطا چوتھا دروازہ بابِ صدیق اکبر۔ پانچواں دروازہ۔ بابِ فاروق اعظم۔ چھٹا دروازہ بابِ عثمان غنی۔ ساتواں دروازہ بابِ علی شیرِ خدا۔ آٹھواں دروازہ۔ بابِ سیف اللہ۔ نواں دروازہ۔ بابِ کرم۔ دسواں دروازہ۔ بابِ شریعت گیارہواں دروازہ۔ بابِ ولایت وطریقت۔ بارہواں دروازہ۔ بابُ السلام۔ بارہویں شریف کے یہ بارہ دروازے ہر گروہ اپنے اپنے خرچ پر اپنا دروازہ سجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش بھی سنتِ صحابہ ہے۔

جلوس نکلنے سے پہلے مسجد میں ہی علماء کرام اور قائدین جلوس شرکاء کرام کو جلوس مبارک کے آداب اور ترتیب سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب حضرات باوضو ہو کر چلیں۔ ننگے سر کوئی نہ ہو۔ کوئی بری چیز اور بدبو والی چیز نہ ہو مثلاً سگریٹ وغیرہ۔ آہستہ یا باآواز بلند کلمہ طیبہ۔ درود شریف یا نعت خوانوں کے ساتھ آواز ملا کر نعت شریف کا ورد کریں لاؤڈ سپیکر ہی سے نعرے لگیں گے۔ اسلام کے دو نعرے تو حدیث پاک سے ثابت ہیں۔ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت لیکن تیسرا نعرہ۔ جشنِ عیدِ میلاد زندہ باد۔ یہ ان محفلوں کی مناسبت سے صرف اس ہی موقع پر لگائے جاتے ہیں یہ نعرہ دعائیہ ہے جبکہ نعرۂ تکبیر حمد باری تعالیٰ اور نعرۂ رسالت فریاد والتجا ہے۔ یا صرف نعتِ پاک ہے۔ اتنے آداب سکھانے کے بعد جلوس کو ترتیب دینے اور روانہ کرنے کے لیے باہر نکلتے ہیں ترتیب جلوس اس طرح ہوتی ہے۔

سب سے آگے سجے ہوئے بارہ اونٹ ان پر عربی لباس میں ایک ایک سوار ان سے پیچھے خوب صورت سجے ہوئے بارہ گھوڑے (آج کل بعض علاقوں میں ان کی جگہ کا رول سکوٹروں نے لے لی ہے) ان کے پیچھے پیدل لوگ۔ باقوں یا

میں لمبے لمبے جھنڈے خوب صورت اٹھائے ہوئے۔ درمیان میں ایک بیل گاڑی (جو خوب سجی ہوئی ہے) اس پر لاوڈ سپیکر اور نعت خوان پارٹی۔ جن کا کام نعت خوانی کرنا۔ کلمہ شریف پڑھوانا۔ نعرے لگوانا ہے۔ عجیب شان و شوکت سے جلوسِ میلاد رواں ہے۔ ہر دروازے پر پہنچ کر تقریباً پندرہ منٹ جلوس ٹھہرتا ہے اور مختصر محفل میلاد منعقد ہوتی ہے۔ صاحبِ باب نے دروازے کے پاس اسٹیج لگایا ہوا ہے۔ تلاوت اور ایک نعت اور دروازے کی مناسبت سے مختصر تقریر۔ راستے میں جگہ جگہ شربت چائے۔ دودھ یا ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگی ہیں۔ کہیں کہیں مٹھائی کے لفافے بھی تقسیم ہو رہے ہیں۔ سب کام نہایت ہی سلیقے سے انجام دیا جا رہا ہے۔ آس پاس کی چھتوں پر بچے بچیاں نظارہ کرنے کے ساتھ ساتھ جلوس پر پھول اور پتیاں نثار کر رہے ہیں۔ یہ چھتوں کا نظارہ بھی سنت صحابہ ہے (دیکھو حدیثِ ہجرت مسلم دوم آخری بابِ ہجرت) آخری دروازہ بابُ السلام پر پہنچ کر تلاوت نعت شریف صلوٰۃ وسلام ختم شریف اور انتہائی عجز و انکسار سے بارگاہِ رب العزت میں دعا۔ بعض مقامات پر بہت اقسام کا کھانا پکایا ہوتا ہے وہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غریبوں امیروں میں تبرکاً تقسیم کیا جاتا ہے۔ ڈبوں یا لفافوں میں بند کر کے ہزاروں کی تعداد میں بانٹے جاتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں۔ اور اس طرح جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تینوں محفلیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں اور سنا گیا ہے کہ ترکستان اور افغانستان میں بھی یہ رواج ہے۔ بابِ علی مرتضیٰ۔ یا بابِ سیف اللہ (بابِ خالد بن ولید) پر۔ گتکے اور بنوٹ اور شمشیر زنی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ اسلامی مدارس کے طلبا اور نوجوان مسلمان دکھاتے ہیں اور یہ کھیل قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق جائز بلکہ ہر مسلمان کو سیکھنا کفر کے مقابلے کے لیئے بہت ضروری ہے۔ اس طرح آج کل کراٹے سیکھنا نہایت ضروری۔ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان اور میرے سسر حضرت قبلہ مولانا امین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہما ان فنون کے استاد تھے اور پہلے زمانوں میں دینی مدارس میں یہ فنون لازمی کورس تھا۔ ہمارے استاد محترم حضرت قبلہ عالم حکیم الامت علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ بنوٹ اور گتکہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ اَنفال نمبر آیت نمبر ۱۲ پ ۹۔ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ ترجمہ اور (دوران جنگ) کافروں کے جوڑوں پر مارو۔ علم بنوٹ جوڑ جوڑ پر مارنے کا فن اور مہارت سکھاتا ہے اور یہ جہاد میں کام آتا ہے۔ حدیث پاک میں صرف تین کھیل جائز رکھے گئے جن میں ایک تیر اندازی اور تلوار کشی ہے۔ اسی کو فارسی اور اردو میں گتکہ کہتے ہیں۔ یہ فنون صحت مندی کی ورزش کے ساتھ ساتھ نہایت مہذب اور کفر سے لڑنے مقابلہ کرنے میں بہت مفید ہیں۔ یہ کھیل عرب میں بھی رائج تھے۔ اس فن کے ماہرین اس کی تاریخ بتاتے ہوئے یوسف علیہ السلام تک لے جاتے ہیں کہ ان کے بھائیوں کو بنوٹ کا فن آتا تھا تفسیر عزیزی میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کراٹے سیکھنا بھی جائز ہے۔ مگر کرکٹ۔ ہاکی۔ فٹ بال۔ موجودہ فنِ کشتی جو ننگے ہو کر لڑی جاتی ہے۔ سب ناجائز ہے کہ اس میں ورزش تو ہوتی ہے مگر دین قوم ملک کو اس

سے کیا فائدہ کیا ترقی اور کفر کے جنگی مقابلے میں یہ کب مفید ہے۔ اسی طرح باکسنگ بھی جائز ہے جبکہ مسلمان سے مقابلہ نہ ہو۔ لہٰذا جو کھیل شرعاً جائز ہیں ان کا مظاہرہ جلوس عید میلاد میں جائز ہے۔ ہم نے عید میلاد منانے کے موجودہ طریقے کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس میں کوئی غیر شرعی چیز نہیں ہوتی۔ اس لیے سعودی فتویٰ کا یہ اتہام جھوٹ ہے جو اس نے صفحہ ۱۲ پر لگایا کہ محفلِ میلاد میں۔ مرد و زن کا اختلاط۔ آلاتِ موسیقی۔ طبلے۔ اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص ہوتا ہے۔ یہ اس فتویٰ اور اس کے مفتی کی کذب بیانی۔ الزام تراشی ہے۔ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بازاروں میں مرد عورتیں مخلوط ہو کر خریداری کرتی ہیں۔ جس ملک (برطانیہ) میں ان منکرین نے یہ فتویٰ شائع کیا ہے۔ وہاں تو بعض مسلمان عورتیں ننگے سر پھر رہی ہیں دکانیں چلا رہی ہیں غیر مردوں سے باتیں ہو رہی ہیں۔ ان کو بند کرانے پر فتویٰ نہیں ہے۔ وہاں دینی ہمت بیدار نہیں ہوتی اور جن مبارک محافل میں ان خرافات سیئات کا شائبہ تک نہیں ہے وہاں جھوٹی تہمتیں لگا کر فتوی دیئے جاتے ہیں۔ بعض منکرین جب ان محافل اور جلوس میلاد کا کبھی خود مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو غیر شرعی کوئی چیز نظر نہیں آتی تو محض ضد بازی سے کہہ دیتے ہیں کہ جلوس ہر طرح ناجائز ہے اگرچہ ممنوعہ چیزیں نہ ہوں اور پھر اپنی اس اختراعی (خود ساختہ) بات پر دلیل کوئی نہیں۔ میں کہتا ہوں بحمدہٖ تعالیٰ جلوس نکلنے کے بہت ثبوت ہیں اللہ رسول نے تاقیامت بہت مرتبہ مسلمانوں کو جلوس نکالنے کا حکم دیا چنانچہ وہ جلوس اور ان کا طریقہ احادیثِ مطہرات سے ثابت ہیں۔ پہلا جلوس۔ عید الفطر کا۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ جنگل میں عیدگاہ جاؤ۔ ایک راستے سے آؤ دوسرے راستے سے اور راستے میں ذکرِ الٰہی بھی جاری رکھو یعنی تکبیرِ تشریق۔ محلے کی مسجد میں یا جامع مسجد میں نمازِ عید سنت سے ثابت نہیں۔ مقامِ غور ہے کہ آخر نمازِ عید کے لیے ساری مساجد نبوی جیسی بابرکت و فیوض والی جگہ چھوڑ کر جنگل پہنچایا گیا یقیناً جلوسِ مسلمین کی سنت قائم فرمائی تھی اور کفار و اغیار کو شانِ اسلام اور ہیبتِ مسلمین دکھائی تھی اور جلوس میلاد کا یہ بھی ایک عظیم ملکی و قائی فائدہ ہے کہ کفار اور غیر مسلموں کو مسلمانوں کی تعداد اور جوشِ اسلامی اور محبت نبی کا پتہ لگے اور ان کے دلوں پر رعب طاری ہو۔ برے ارادے کی جرأت نہ کر سکیں۔ یہ صرف میرا ہی قول نہیں بلکہ تمام فقہا مفسرین کتب فتاویٰ میں یہی توجیہ بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۵۹ پر ہے۔ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ خُرُوْجُهُمْ لِاِظْهَارِ سَوَادِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِرْهَابًا لِعَدُوِّهِمْ ترجمہ یہ دور جنگل میں جا کر عید پڑھنا۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مسلمانوں کا نکلنا مسلمانوں کے جلوس کو ظاہر کرنے اور ان کے دشمن (کفار) پر ہیبت ڈالنے کے لیے ہو۔ نیز۔ کفارِ مکہ کا وفد جب پہلی بار مدینہ منورہ میں کسی بات یا معاہدہ کے لیے آیا تو یہ دیکھ کر ہی مرعوب ہوا تھا کہ صحابہ کرام اپنے نبی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بہت پُرجوش ہیں اور واپس مکہ جا کر اس وفد نے یہی بات کی تھی کہ تم اس قوم سے نہیں جیت سکتا وہ۔ صحابہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کا دھوون بھی نیچے نہیں گرنے دیتے ہاتھوں چہروں اور سونہوں پر ملنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہی بات سن کر سارے کافر خوف زدہ ہو گئے تھے اس وفد نے صحابہ کی سپاہ گری

شمشیر زنی ۔ تیر اندازی یا جسمانی قوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا نہ اس کا جا کر ذکر کیا۔ آج جلوس عید میلاد میں بھی محبت نبی عشق رسول کا ہی مظاہرہ ہوتا ہے اور منکروں کی چھانٹ بھی آج ہی ہوتی ہے۔ جو آٹے میں نمک کی برابر بھی نہیں۔ دوسرا جلوس ۔ عید الاضحیٰ ، وہ بھی عید الفطر کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اس جلوس پاک میں تکبیر تشریق بلند آواز سے پڑھنی ہے ۔ یہ جلوس عید میلاد النبی کے جلوس سے کچھ مشابہ ہے کہ وہاں بھی حمد و نعت اور نعرے بلند آواز سے اور یہاں بھی تکبیر تشریق بلند آواز سے ۔ جو مقصد رب تعالیٰ اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں بلند آوازی سے ہے وہی مقصد جلوس میلاد میں ہے۔ تیسرا جلوس ۔ جلوس طواف ہے۔ یہ جلوس عین خانہ کعبہ کے سامنے نکالا جاتا ہے اس کے ارد گرد پھر کر یہاں بھی ذکر الٰہی باآواز بلند پڑھنے کا حکم ہے۔ چوتھا جلوس ۔ جلوس منیٰ ۔ یہ جلوس بین الاقوامی جلوس ہے۔ یہاں بھی تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس جلوس کا راستہ بہت دراز ہے۔ مکہ مکرمہ سے منیٰ تک تقریباً آٹھ میل۔ اس جلوس کے راستے میں بھی ایک دفعہ جلوس روکنے کے لیے سب سے بڑا منکر بجائے اپنے فتوے کے خود آ گیا تھا۔ آج تک بیچارے کو اللہ رسول کے حکم سے انہی عشاق کے ہاتھوں پتھر پڑ رہے ہیں ۔ پانچواں جلوس ۔ جلوس عرفات ۔ یہاں بھی ذکر الٰہی بلند آواز سے کرنے کا حکم ہے۔ چھٹا جلوس ۔ جلوس مزدلفہ ۔ یہ واپسی کا جلوس ہے۔ ذکر بالجہر کا یہاں بھی حکم ہے۔ ساتواں جلوس ۔ جلوس قربانی ۔ یہ اختتامی جلوس ہے۔ منیٰ واپس پہنچ کر ۔ رب تعالیٰ نے قربانی کی صورت تبرک تقسیم کرنے کا حکم دے دیا کہ آج گوشت خوب کھاؤ۔ یہ سب جلوس ہی تو ہیں اصطلاح اردو میں اسی چیز کا نام جلوس ہے کہ مسلمان ذکر الٰہی کرتے ہوئے گلیوں بازاروں کعبہ و منیٰ ، عیدگاہوں کے راستوں میں چلیں شانِ اسلام دکھائیں ۔ مسلمانوں کی آن بڑھائیں ۔ کفار و اغیار کی جان دُکھائیں ۔ شیطان کو رُلائیں ۔ منکرین تو خواہ مخواہ بیچ میں آ کر اغیار کی طرف داری میں لگ گئے اور جو مخالفانہ کام کفار کا تھا وہ انہوں نے سنبھال لیا ۔ ورنہ ان کو تو اپنوں کے ساتھ مل کر ان اعمال صالحہ میں شامل ہونا چاہیے تھا۔ یہ جلوس اور جشن عید میلاد ان بیماروں کو جلانے رلانے دکھانے کے لیے تو نہیں ہوتے ۔ خود ہی مرجھا جائیں تو کیا علاج ۔ عربی میں جلوس نکالنے کو سَوَادُ الرِّجَال ۔ سواد المسلمین کہتے ہیں جیسا کہ بحر الرائق نے لکھا اور مظاهرة الرّجال یا قیامُ المظاهرہ بھی کہہ دیا جاتا ہے (بحوالہ المعجمہ اردو ص ۲۵۹) اَللّٰہُ الْھَادِیْ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابْ ۔

قصائدِ مَنْظُومِیَہ لِمِیْلَادِ نَبْوِیَّہ

سینکڑوں سال سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی محفل پاک میں پڑھنے کے لیے عربی فارسی اردو پنجابی شعراء نے اپنی اپنی زبان میں قصائد میلاد نظم فرمائے جو ان کے وقتوں میں میلاد کی محفلوں میں پڑھے جاتے رہے ۔ جن میں حضرت امام مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابن حجر مکی اپنی نعمۃ کبریٰ میں پورا میلاد نظم

فرماتے ہیں جو عربی میں ہے دنیاو کائنات کی کون سی قوم ہے جس نے ہماری سرکار کی نعتیں نہیں کہیں یہاں تک کہ یہ منکرین جو نعتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ نے ان کے ہی قلم سے اپنے محبوب کی نعتیں لکھوا لیں اور ایسی نعتیں جو ان کے اکابر لکھ گئے ان کے ہی باطل عقائد کو مٹانے والی اہل سنت کے عقائد کی) تائید کرنے والی گویا قلم ان کا تائید سنیوں کی تردید ان کی اپنی یہ سب کچھ ان کے منع کرتے کرتے ہوگیا۔ جواب بھی چھپی مل جاتی ہیں مگر ہم یہاں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے اردو زبان کے وہ قصائد پاک درج کریں گے جو آپ نے صرف میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول شریف میں پڑھنے کے لیے بنائے تھے۔

پہلا قصیدہ ہدیہ تشکر

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آرہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لا رہے ہیں
زمانہ پلٹا۔ ہے رُت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں
ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی یہ مژدہ لائی کہ حق کے محبوب آرہے ہیں
خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھومیں
چرند اِدھر کھلکھلا رہے ہیں پرند اُدھر چہچہا رہے ہیں
نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ..... ربیع الاول
سوائے ابلیس کے۔ جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں
شبِ ولادت میں سب مسلماں نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابولہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں
زمانے بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انہیں کے ہم گیت گا رہے ہیں
حبیبِ حق ہیں خدا کی نعمت بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ
خدا کے فرمان پر عمل ہے جو بزمِ مولد سجا رہے ہیں
کیا اشارے سے چاند ٹکڑے چھپا ہوا خور بلا رہے ہیں
ملی تیرے صدقے زمینِ طیبہ فخر کیوں تجھ پہ ہو زمانہ

دوسرا قصیدہ ترانہ ولادت

ماہ ربیع الاول آیا۔ رب کی رحمت ساتھ میں لایا
وقت مبارک رات سہانی صبح کا تڑکا ہے نورانی
پیر کا دن تاریخ ہے بارہ فرش پہ چمکا عرشی تارا
آج کی رات برات رچی ہے آمنہ کے گھر دھوم مچی ہے
گھر میں حوریں در پہ ملک ہیں جگی قطاریں تا بہ فلک ہیں
ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا شور مچا اک صل علیٰ کا
لرزہ اٹھی اب گرد سواری پیدا ہوئے محبوب باری
باغ خلیل کا وہ گل زیبا کشت صفی کا نخل تمنا
رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
تخت ہے ان کا تاج ہے ان کا دو جہاں میں راج ہے انکا
جن و ملک ہیں انکے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی
اونچے اور نیچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہی کا منہ تکتے ہیں
شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی فخر ہے سب کو انکی غلامی
کعبہ کی زینت انہی کے دم سے طیبہ کی رونق انکے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے انکی کون و مکاں میں
آمنہ بی کو لعل مبارک دائی حلیمہ کو بال مبارک
تمکو خلیل اللہ مبارک تمکو ذبیح اللہ مبارک
بدان کرو کچھ جشن ہے بھاری در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری

کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں
ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے جو آنکھیں تم چھوٹے
کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منہ چھپا رہے ہیں
جو قبر میں اپنی آنکھو پاؤں پکڑ کے دامن مچل ہی جاؤں
جو دل میں رہ کر چھپے تھے مجھ سے وہ آج جلوہ دکھا رہے ہیں
نکیرو پہنچا تا ہوں ان کو یہ میرے آقا یہ میرے داتا
مگر تم ان سے تو اتنا پوچھو یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں
پھنسا ہے بحر الم میں بیڑا اپنے خدا ناخدا سہارا

در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے آپکے دم سے آس لگائے
ہم تو پرانے کمین ہیں ذر کے نام لکھے ہیں پد سادر کے
چشم کرم للہ ادھر ہو سالک خستہ پر بھی نظر ہو
تم بھی اٹھو اب وقت ادب ہے ذکر ولادت شاہ عرب ہے
ذکر ہے جس کا حکم الٰہی قرب ہے جس کا قرب الٰہی
ذات ہے جس کی شان الٰہی جس کی شفاعت اذن الٰہی
عرش و فرش اور بستی چمن پیاری خوشبو مہکی
پھول کھلے اور غنچے چٹکے سرد ہوائیں مہکی مہکی

اکیلا سالک ہیں سب مخالف تمام دشمن ستا رہے ہیں اس قصیدے کے بعد سارے حضرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لیے با ادب سر جھکائے گدایانہ شان سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صلوٰۃ و سلام

یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبُ سَلَامٌ عَلَیْكَ ۔ صَلَوٰۃُ اللہِ عَلَیْكَ

آج وہ تشریف لایا۔ جس نے روتوں کو ہنسایا۔ جس نے جلتوں کو بجھایا۔ جس نے بگڑوں کو بنایا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

عرش اعظم کا ستارا۔ فرش والوں کا سہارا۔ آمنہ بی کا دل آرا۔ حق تعالیٰ کا پیارا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

دو جہاں کا راج والا۔ تخت والا تاج والا۔ بے کسوں کی لاج والا۔ ساری دنیا کا اجالا۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

تم بہار باغ عالم تم نوید ابن مریم۔ تم پہ قرباں سارا عالم۔ آدم و اولاد آدم۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

تم بنا ہر دوسرا ہو۔ کعبے والے کی دعا ہو۔ تم ہی سب کے مدعا ہو جاں نہ کیوں تم پر فدا ہو۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

آپ ہیں وحدت کے مظہر۔ آپ ہیں کثرت کے مصدر۔ آپ اول آپ آخر قبلۂ دل آپکا در۔ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

آپ کے ہو کر جئیں ہم۔ نام نامی پر مریں ہم۔ جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

عرض ہے سالک کی آقا۔ جانکنی کا ہو یہ نقشہ۔ سامنے ہو پاک روضہ اور لبوں پہ ہو یہ کلمہ یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ

قصیدۂ طیبہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰه۔ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰه

خالق کل اے رب علیٰ شکر ترا کیونکر ہو ادا۔ ہمکو وہ محبوب دیا۔ رتبہ جن کا سب سے سوا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

کیوں خاموش ہوا محفل صفا ہے یہ وقت مسرت کا یعنی آج ہوئے پیدا شاہ ھُدیٰ محبوب خدا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
قاسم نعمت آپہنچے۔ مالک جنت آپہنچے۔ والی امت آپہنچے رب کی رحمت آپہنچے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
جنکی خلیل دعا مانگیں جن کی مسیح بشارت دیں۔ جنکی گواہی پتھر دیں جن سے سب دکھ درد کٹیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
آج تو رشک خلد بنا۔ حجرہ آمنہ بی بی کا۔ کعبہ بھی سجدہ کو جھکا جامی کعبہ آپہنچا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
آمنہ بی کو مبارک ہو اور حلیمہ دائی کو۔ ہم کو مبارک اور تم کو۔ شاہ کی ساری امت کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
منکر اور نکیر جب آئیں۔ مَنْ رَّبُّكَ چرچا لائیں۔ چہرہ انور جب دکھلائیں۔ ہم اس طرح سے انکو سنائیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
سالکِ خستہ کی آقا۔ پوری ہو ہر ایک دعا۔ جو اس محفل میں آیا۔ اس پر بھی ہو فضل ترا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

اس کے بعد سب بیٹھ کر آخری دعا سے پہلے قصیدہ "سپاسنامہ" سنتے ہیں۔

درشان والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بی بی۔ آپ پہلے بھی موحدہ تھیں اور بعد وفات زندہ کی گئیں اور مومنہ مسلمان ہوئیں۔

صدقہ تم پہ ہو دل وجاں آمنہ۔ تم نے بخشا ہم کو ایماں آمنہ جو ملا جس کو ملا تم سے ملا۔ دین وایمان علم وعرفان آمنہ رضی اللہ عنہا
سب جہاں کی مائیں ہوں تم پر فدا۔ تم محمد کی ہیں ماں آمنہ ابن مریم واقعی رب کے رسول۔ پر محمد کی بڑی شان آمنہ رضی اللہ عنہا
جس شکم میں مصطفی ہوں جاگزیں عرش اعظم سے ہے ذی شاں آمنہ تم سے ایمان وامانت اور امن تم فیضاں تم سے عرفان آمنہ رضی اللہ عنہا
آمنہ کے تین معنی بالیقین۔ با امانت امن والی ایماں آمنہ تم سے اللہ ومحمد ہیں عیاں اور ہدایت تم میں پنہاں آمنہ رضی اللہ عنہا
ہم ہیں مومن اور تم ایمان بخش۔ چشمہ دیں تم سے جاری آمنہ آپ کا روضہ مجاور میں بنوں۔ پھر نکالوں دل کے ارماں آمنہ رضی اللہ عنہا

محیط قرآن نبی ہیں اور تم۔ ہو نبی کی محترم ماں آمنہ
ہے یہ سالک آپکے در کا فقیر مانگتا ہے امن ایمان آمنہ رضی اللہ عنہا

دعاءِ عید میلاد شریف

"جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ نہایت پر درد انداز سے مانگا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ أَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔
اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو جسم عطا فرمایا اور اس کی پاکیزگی کے لیے عیدین عطا فرمائیں تو نے ہی ہم کو روح عطا فرمائی اور اس کی پاکیزگی کے لیے عید میلاد عطا فرمائی اے رحیم وکریم عزّ وجل۔ ہم نے اور ہمارے بڑوں نے تیرے کلام کو پڑھا اور عید میلاد منانے کا فرمان دیکھا۔ اسی وجہ سے آج یہ تیرے سارے بندے نہایت ہی عجز وانکسار اور گداگرانہ حیثیت سے تیرے حضور تشکر کے آنسو۔ التجاؤں کے دامن اور دعاؤں کے ہاتھ اٹھائے چلے آئے ہیں تو نے کبھی کسی سائل کو خالی

نہ موڑا۔ میں نے جب کبھی تیری رحمت کے دروازے کو غموں، پریشانیوں، مصیبتوں کے ہاتھوں سے کھٹکھٹایا تیرے کرم نے مجھے سہارا دیا آج اس مبارک رات۔ سہانی گھڑی۔ بھینی ساعت کا حسن کہ ہم سب بھکاری دوڑے چلے آئے ہیں۔ ہمارے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشیوں بھری سحر میں ہمارے دامن کو مرادوں سے بھردے اور دلوں کو صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمادے۔ تو نے رات کے اندھیروں میں۔ بیابانوں کے سناٹوں میں ہماری حفاظت فرمائی۔ ہمارے رب ہمارے ایمان۔ ہمارے عقائد کی بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے جمال کے سامنے ہیں۔ اپنے گناہ لے کر ہیں تو بخشش عطا فرما۔ ہم غلطیاں لے کر آئے ہیں تو معافی سے نواز دے۔ ہم اندھیرے لے کر آئے ہیں تو نورانیت فرما۔ آج کی اس رات میں ہی خوش بختی کا ستارا طلوع فرما ہم بھوک لے کر آئے ہیں ہم کو دروازۂ مصطفیٰ کے ٹکڑے تقسیم فرما۔ ہم پیاس لے کر آئے ہیں ہم کو عشق و عرفان کا پانی پلا۔ ہم ننگ و عار لے کر آئے ہیں، ہم کو شرم وحیا کی چادر اوڑھا۔ ہمارے حاضرین پر رحم فرما ہمارے غائبین پر کرم فرما۔ مالکُ الملک ہمارے ملک پاکستان کو مضبوط فرما۔ اندرونی بیرونی خطرات سے بچا۔ دنیا بھر کے کفرستان میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و ناموس کو خوش قسمتی کی چار دیواری مرحمت فرما یا عزیزُ یا کریمُ یا جبار یا ستار یا غفار۔ آج کی اس محفل میں نورِ معرفت کی اس عید میں ہم کو خوشیوں بھری عیدی عطا فرما۔

یا رسول اللہ ہم بھکاری ہیں اور پرانے جدی پشتی بھکاری ہیں بڑا دروازہ دیکھ کر بھاگے چلے آئے ہیں۔ ہم وہ ہیں کہ ہم کو کسی نے منہ نہ لگایا۔ سب کے دھتکارے ہوئے ہیں۔ ہم گندے ہیں زمانے کے دھکے کھائے ہوئے ہیں۔ ہم کو قرآن مجید نے آپ کا آستانہ بتایا کلام الٰہی نے آپکی شان بتائی ہم کو انبیاء اولیاء سے آپ کی شان کا پتہ لگا اور ہمکو ہمارے رب نے آپکے پاس بھیجا ہے۔ اے بڑے دروازے والے تیرے دروازے کی خیر ہو۔ اے سبز گنبد والے تیرے گنبد کا بھلا ہو۔ اے سنہری جالی والے۔ تیری جالی کی سلامتی ہو۔ اے اللہ کے حبیب ہمارے حال کو دیکھیے۔ اے قلب و جگر کی ٹھنڈک اللہ کے رسول ہماری فریادوں کو سن لیجئے۔ ہم کو نورِ معرفت سے بھر دیجیے۔ یا رسول اللہ ہم اس لیے بھیڑ لگائے کھڑے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ جھڑکیں گے نہیں۔ ہم بے تمیز ہیں بے سلیقہ گنوار ہیں ہم کو شہنشاہی دروازے کے آداب کا پتہ نہیں۔ ہم کو تو بس تمیز فقط بھیک بھر کی ہے۔ اے مدینے والی سرکار ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رب کریم غفور و رحیم نے آپ سے وعدہ لیا ہے۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ یہ وعدہ ہم جیسے منگتوں کی وجہ سے لیا ہے۔ آج آپ کی تشریف آوری اور ہماری عید کا دن ہے۔ اس لیے ہمیں دیجئے اور رب سے دلوائیے۔ آپ ہی وسیلہ ہیں۔ سہارا ہیں۔ ملجا ہیں۔ ماویٰ ہیں۔ آقا ہیں۔ مالک ہیں۔ مختار ہیں۔ رحمت العالمین ہیں۔ شاہد ہیں۔ مبشر ہیں۔ سراج منیر ہیں۔ اے اللہ ہمارے نبی رؤف و رحیم پر کروڑوں درود و سلام۔ برکتیں نازل فرما۔ ان کے طفیل سے ہمارے ماں باپ پر بھائی بہنوں پر، قریبوں پر پڑوسیوں پر رحم فرما اور یا اللہ اعلیٰ حضرت مجدد ملت اور صدر الافاضل مراد آبادی، پیر بدایوں کی بڑی سرکار چھوٹی

سرکار پر اور حاضرین محفل کے قادری چشتی نقشبندی، سہروردی مرشدوں پر اور حنفی مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ استادوں پر نور کی چادر عطا فرما اور قبور کو نور قرآنی سے منور فرما۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اس رقت آمیز دعا کے بعد ختم شریف پڑھا جاتا ہے۔ جس میں ایک ایک دفعہ پھر رکوع آیتیں سورتیں پڑھ کر، تمام پڑھے ہوئے قرآن مجید اور حاضر چیزوں کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر انبیاء کرام علیہم السلام پھر صحابہ اہل بیت پھر اولیا غوث و قطب ابدال اوتاد پھر علماء ائمہ۔ محدثین مفسرین کے دربار میں ایصال علی الترتیب کیا جاتا ہے۔ پھر تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ پھر اذان فجر۔ پھر سنت فجر پھر جماعت سے نماز پڑھکر درس قرآن مجید و درس حدیث پاک حسب معمول پھر اشراق کے چار نفل پڑھ کر لوگ گھروں میں جاکر آرام کرتے ہیں۔ پھر اٹھ کر جلوس کی تیاری۔

بتایئے اس سارے پروگرام میں کون سی بات ناجائز ہوئی۔ کہاں ڈھول باجے نظر آئے۔

بعض منکرین یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ جشن عید میلاد عیسائیوں کی نقل ہے اور کچھ منکر زیادہ ہی گستاخی پر اتر آئے تو کہنے لگے بلکہ ان کے بڑے لکھ گئے کہ یہ کنھیا بت کا جنم دن کی نقل ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ عیسائی بارہ ربیع الاول کو کیا کرتے ہیں وہ کب جلوس نکالتے ہیں وہ کب نعت خوانی اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور جب وہ انہیں سے کچھ نہیں کرتے تو ان کی نقل کس طرح ہوئی اور اگر صرف دن منانے کی نقل ہے یا تاریخ مقرر کرنے کی تو ہم الزاماً پوچھتے ہیں کہ یہ جشن دیوبند کس کی نقل ہے اور پھر عید۔ بقر عید۔ یوم عرفہ۔ منیٰ اور مزدلفہ کی حاضری کس کی نقل ہے کیا وہ بھی کسی کافر کی طرف منسوب کرو گے۔ بس حقیقت یہ ہے کہ خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ ہماری تو یہی دعا ہے۔ کہ خدا اُن کو بھی ہدایت عطا فرمائے۔ اہل سنت کی خوش نصیبی ہے کہ بحمدہ تعالیٰ ان کے اعمال و عقائد پر قرآن و حدیث اس کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔ ہر بات پر ہمارے پاس بے شمار دلائل ہیں جیسا کہ منکرین بھی جانتے ہیں۔ علم و عقل سے کورے تو یہ منکرین ہی ہیں۔

کتبہ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

اقتدار احمد خاں

قادری نعیمی۔ بدایونی

فتویٰ نمبر ۲ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس فرزند کی قربانی پیش کی تھی وہ کون تھے۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا حضرت اسحاق علیہ السلام اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیل کا لقب ہے یا حضرت اسحاق کا۔

ہم نے اب تک اپنے علماء کرام سے یہی سنا تھا کہ حضرت خلیل اپنے فرزند حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کے لیے وادی منیٰ میں لیکر گئے تھے لیکن حال ہی میں ایک شخص ایک انگریزی کتاب لیکر میرے پاس آیا جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے

اسحاق کی قربانی پیش کی اور اُن کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور اسی کتاب میں ایک صفحہ پر اس منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم چھری لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اسحاق کو لٹایا ہوا ہے چونکہ یہ بات ہمارے علماء کی فرمودہ بات کے خلاف ہے اس لیے مجھے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا مجھ کو بہت جلدی مدلل فتویٰ عطا فرمایا جائے تاکہ صحیح بات معلوم ہو۔ میں بحمدہ تعالیٰ مسلمان ہوں۔ پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ میرا موجودہ پتہ یہ ہے۔

جمع صادق سیلمی ویرن ۶۶ - ۵۸ - وارٹون ڈرف ویسٹ جرمنی

بعون العلام الوہاب

الجواب

تاریخی واقعات اور حقیقتِ حال کے اعتبار سے تو اظہر من الشمس یہی بات ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں اور آپ کی ہی قربانی پیش فرمانے کا ارادہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اب اگر کوئی ذاتی تعصب کی بنا پر حقیقت حال کا انکار کر دے یا تاریخ مسخ کرنے کی ناکام کوشش میں لگا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں مگر اصلیت کو نہ چھپایا جا سکتا ہے نہ اصلیت اور سچائی چھپی رہ سکتی ہے۔ یہی ایک حقیقت نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ نے ہر اس سچی بات اور حقیقت کو چھپانے اور بدلنے کی کوشش کی جس میں ذرا بھی ہمارے نبی سید المرسلین تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہار شان کا پہلو نکلتا تھا۔ اگرچہ وہ چیز ان سے چھپ نہ سکی اور بناوٹ بن نہ سکی۔ چنانچہ مذکورہ فی السوال یہ تاریخی واقعہ جس کو کئی سال بعد کے پادریوں پوپوں نے توڑنے مروڑنے کی کوشش صرف اس لیے کی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تعلق آقائے کائنات نبی آخر الزمان ختم المرسلین صلی اللہ علیہما وسلم سے ہے حالانکہ ان کی ہی موجودہ انجیلوں بائبلوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اپنے دلائل سے پہلے ہم اُن کی ہی کتب سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی فرزند میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہی پیش کیا تھا۔ نہ کہ حضرت اسحاق کو۔ چنانچہ نیو ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹی نیویارک امریکہ میں ۱۹۶۰ء ۱ جنوری کو انجیل برناس آکسفورڈ یونیورسٹی کی جانب سے انگریزی زبان میں چھاپی اس کے صفحہ ۱۲۶ پر پہلی چار سطور میں صاف لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند اسماعیل کی قربانی پیش کی جو رب نے قبول فرمائی

Abraham loved his son Ishmael a little more than was right, wherefore God commanded, in order to kill that evil love out of the heart of Abraham, that he should slay his son: which he would have done had the knife cut.

David loved Absalom vehemently, and therefore God brought it to pass that the son rebelled against his father and was suspended by his hair and slain by Joab. O fearful judgement of God, that Absalom loved his hair above all things, and this was turned into a rope to hang him withal.

Innocent Job came near to loving [over much]

sons and three daughters, when God gave him into the hand of Satan, who not only deprived him of his sons and his riches in one day, but smote him also with grievous sickness, insomuch that for seven years following worms came out of his flesh.

...... Our father Jacob loved Joseph more than his other sons, wherefore God caused him to be sold, and caused Jacob to be deceived by these same sons, insomuch that he believed that the beasts had devoured his son, and so abode ten years mourning.

نیز بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۶ مہاتما گاندھی روڈ بنگلور اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور۔ کراچی کی مطبوعہ انجیل پرانا اور نیا عہد نامہ کتاب پیدائش باب ۲۲ آیت ۲ ص ۲۱ پر اور نیو ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹی ۱۹۶۱ء ۱۸ جنوری امریکہ نیویارک میں چھپی ہوئی کتاب انجیل پیدائش ص ۳۰ باب ۲۲ پر اور مانچسٹر بائبل سوسائٹی کی چھپی ہوئی انگلش ہولی بائبل جس کے صفحات تقریباً تیرہ سو ۱۳۰۰ ہیں بڑا سائز اس کے ص ۲۱ پر لکھا ہے۔ اس چیپٹر نمبر ۲۲ یہ کتاب بالتصویر ہے مگر اس میں سائل کی مرسلہ تصویر نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ تصویر اب حال ہی میں خود ساختہ بنائی گئی ہے اپنے خیالی تصور سے۔ بہرحال اس کی نقل فوٹو ساتھ ہی کف کرکے بھیجی جارہی ہے کسی بھی لائبریری سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کی اردو عبارت اس طرح ہے۔ ماخوذ از اردو انجیل پیدائش ص ۲۱۔ آیت ۲۔ تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے (اضحاق) کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا۔ سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ اس عبارت میں اکلوتا بیٹا کے ساتھ اضحاق انجیل میں تبدیلیاں کرنے والے نے بعد میں صرف دشمنی اور تعصب کی بنا پر لکھ دیا۔ ورنہ خود انجیلی عبارت ہی اس کو غلط قرار دے رہی ہے ۳ وجہ سے۔ پہلی یہ کہ حضرت اضحاق اکلوتا بیٹا نہیں ہیں۔ اکلوتا بیٹا صرف پہلے بیٹے کو کہا جاتا ہے اور جب تک دوسرا بیٹا پیدا نہ ہوا اس وقت تک پہلے بیٹے کا لقب بڑھاپے تک اکلوتا ہوتا ہے۔ جس کو عربی میں ولد الفرید یا ابن الفرید کہتے ہیں اور انگریزی میں اونلی سن ONLY SON کہتے ہیں۔ اسی انجیل کی آیت ۱۲ اور ۱۶ میں لکھا ہے۔ اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ ۱۶ کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا (الخ) دوسری وجہ یہ کہ ان دو آیتوں میں صرف اکلوتا بیٹا کہا گیا نام کسی کا نہیں لیا گیا۔ کیونکہ اکلوتا بیٹے میں نام کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ نام وہاں لینا ضروری ہے جہاں اور بھی بیٹا ہو تو تعیین اور تخصیص کے لیے نام لیا جاتا ہے۔ جب ایک ہی بیٹا ہے تو تخصیص کس سے؟ اس لیے اکلوتا کہنا کافی ہے۔ اب ایک جگہ اضحاق کا نام لکھ دینا جان بوجھ کر ایک نادانی کی شرارت ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ حضرت اسحاق اکلوتے نہیں ہیں۔ بلکہ اکلوتے حضرت اسماعیل ہیں اور تقریباً چودہ ۱۴ سال آپ اکلوتے رہے۔ اس کے بعد آپ کے بھائی علاتی حضرت اسحاق پیدا ہوئے

چنانچہ انجیل پیدائش ہر زبان کی ٹرانسلیشن میں باب ۲۱ تا باب ۲۲ ہی لکھا ہے۔ اردو انجیل ص۱۶ تا ص۲۰ میں ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس تھی اور جس وقت حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فوت ہوئے تو دونوں فرزند اسمٰعیل اور اسحاق دفن میں شریک تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت اسحاق تو کبھی بھی اکلوتے نہ ہوئے۔ یعنی ایسا بھی نہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں فوت ہوجاتے اور حضرت اسحاق اکیلے بیٹے رہ جاتے اگرچہ ایسے اکیلے بیٹے کو اکلوتا نہیں کہا جاتا چوتھی وجہ وہی جو اوپر بیان کی گئی انجیل کی پہلی عبارت میں لفظ اسحاق دو۔ قل سٹاپ۔ ڈکاموں کے اندر لکھا ہوا ہے اس بریکیٹ اور کومے سے واضح ہوا کہ یہ تفسیری داخل کیا گیا ہے اور ملاوٹ کرنے والے عیسائی نے اس لفظ سے اپنے خیال اور عقیدے کا اظہار کیا ہے۔ بریکیٹ کا معنیٰ ہوتا ہے۔ یعنی تو اب باب ۲۲ آیت نمبر ۲ کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے یعنی اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے۔ (الخ) اور جب یہ تفسیر ہوئی اور وہ بھی بالرائے تو یہ اپنی من مرضی سے ہر شخص کرسکتا ہے۔ مگر ہوگی کذب بیانی کیونکہ حضرت اسحاق کو اکلوتا کہنا ہر لحاظ سے جھوٹ ہے ہم اگلے صفحے پر انگریزی انجیل کی عبارت کا پورا صفحہ فوٹوسٹیٹ کاپی بھیج رہے۔ اس میں لفظ اسحاق کے آس پاس بریکیٹ دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اناجیل سو سالہ پرانی یا غالباً ڈیڑھ سو سالہ پرانا مطبوعہ جمعیت تبلیغ اسلام کی لائبریری میں موجود ہے۔ یہاں آکر بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ بہرکیف کچھ بھی بناوٹ کرلی جائے اصل انجیل یا بائبل سے اب بھی ثابت نہیں کہ حضرت اسحاق کی قربانی پیش کی گئی۔ پانچویں وجہ یہ کہ انجیل کی اسی آیت ۲ باب ۲۲ میں ہے کہ یہ قربانی موریاہ کے علاقے میں ہوئی اور موریاہ سے مراد مروہ پہاڑی ہوسکتا ہے جو فاران کے علاقے میں واقع ہے اور بقول انجیل پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۱ ص۲۰ اسمٰعیل ہی فاران کے علاقے میں رہا۔ لکھا ہے کہ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا (الخ) فاران کا بیابان وہی ہے جہاں آج مکہ مکرمہ۔ مروہ۔ منیٰ۔ میدانِ عرفات واقع ہے۔ اس جگہ حضرت اسحاق کبھی بھی نہیں آئے۔ اس جگہ کو انجیل پیدائش باب ۱۱ آیت ۶ ص۱۳ میں مورہ بھی کہا گیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم کی قربانگاہ منیٰ کے سوا کہیں نہیں۔ منیٰ ہی مورہ (مروہ) کے قریب ہے۔ غرضیکہ انجیل اور بائبل کی ہر آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق نہیں ہیں بلکہ اسمٰعیل ہیں۔ کیونکہ وہی اکلوتے ہیں۔ اسحاق کا نام بعد میں اپنی مطلب برآری اور اسلامی تاریخ اور حضرت اسمٰعیل کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جدِ اعلیٰ ہونے کی وجہ سے فقط دشمنی اور تعصب کی بنا پر ملاوٹ کیا گیا ہے۔
اس صفحہ میں آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ اسحاق کے نام کو بریکیٹ یعنی دو کوموں میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک دھوکا ہے مگر لفظِ اکلوتے نے ان کا یہ دھوکا چلنے نہ دیا۔ یہ باریکی دراصل ان کو معلوم نہ ہوسکی ورنہ یہ لوگ لفظ اکلوتا بھی اڑا دیتے ہوسکتا ہے۔ میرے اس فتوے کو دیکھ کر آئندہ ایڈیشن میں اکلوتا کا لفظ مٹا دیں۔

GENESIS 21:26—22:16 Beer-sheba. Abraham tested to offer Isaac

A·bim'e·lech had seized by violence.
26 then A·bim'e·lech said: "I do
not know who did this thing, nei-
ther did you yourself tell it to me,
and I myself have also not heard
of it except today." 27 With that
Abraham took sheep and cattle and
gave them to A·bim'e·lech, and
both of them proceeded to conclude
a covenant. 28 When Abraham
set seven female lambs of the flock
by themselves, 29 A·bim'e·lech
went on to say to Abraham: "What
is the meaning here of these seven
female lambs that you have set by
themselves?" 30 Then he said:
"You are to accept the seven fe-
male lambs at my hand, that it
may serve as a witness for me that
I have dug this well." 31 That is
why he called that place Be'er-
she'ba, because there both of them
had taken an oath. 32 So they
concluded a covenant at Be'er-
she'ba, after which A·bim'e·lech got
up together with Phi'col the chief
of his army and they returned to
the land of the Phi·lis'tines.
33 After that he planted a tama-
risk tree at Be'er-she'ba and called
there upon the name of Jehovah the
indefinitely lasting God. 34 And
Abraham extended his residence as
an alien in the land of the Phi-
lis'tines many days.

22 Now after these things it came
about that the [true] God put
Abraham to the test. Accordingly
he said to him: "Abraham!" to
which he said: "Here I am!"
2 And he went on to say: "Take,
please, your son, your only son
whom you so love, Isaac, and make
a trip to the land of Mo·ri'ah and
there offer him up as a burnt offer-
ing on one of the mountains that
I shall designate to you."
3 So Abraham got up early in
the morning and saddled his ass
and took two of his attendants
with him and Isaac his son; and he
split the wood for the burnt offer-
ing. Then he rose and went on the
trip to the place that the [true]
God designated to him. 4 It was
first on the third day that Abra-
ham raised his eyes and began to
see the place from a distance.
5 Abraham now said to his attend-
ants: "You stay here with the ass,
but I and the boy want to go on
over there and worship and return
to you."
6 After that Abraham took the
wood of the burnt offering and put
it upon Isaac his son and took in
his hands the fire and the slaugh-
tering knife, and both of them
went on together. 7 And Isaac
began to say to Abraham his fa-
ther: "My father!" In turn he
said: "Here I am, my son!" So he
continued: "Here are the fire and
the wood, but where is the sheep
for the burnt offering?" 8 To this
Abraham said: "God will provide
himself the sheep for the burnt
offering, my son." And both of
them walked on together.
9 Finally they reached the place
that the [true] God had desig-
nated to him, and Abraham built
an altar there and set the wood in
order and bound Isaac his son
hand and foot and put him upon
the altar on top of the wood.
10 Then Abraham put out his
hand and took the slaughtering
knife to kill his son. 11 But Jeho-
vah's angel began calling to him
out of the heavens and saying:
"Abraham, Abraham!" to which he
answered: "Here I am!" 12 And
he went on to say: "Do not put out
your hand against the boy and do
not do anything at all to him, for
now I do know that you are God-
fearing in that you have not with-
held your son, your only one, from
me." 13 At that Abraham raised
his eyes and looked and there, deep
in the foreground, there was a ram
caught by its horns in a thicket.
So Abraham went and took the
ram and offered it up for a burnt
offering in place of his son. 14 And
Abraham began to call the name
of that place Je·ho'vah-ji'reh. This
is why it is customarily said today:
"In the mountain of Jehovah it
will be provided."
15 And Jehovah's angel pro-
ceeded to call to Abraham the
second time out of the heavens
16 and to say: "'By myself I do
swear,' is the utterance of Jehovah,

یہاں تک تو ہم نے عیسائیوں کی تردید خود ان کی انجیلوں سے کردی۔ اب ہم اپنی کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں اور ان کی ہی قربانی حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی تھی۔ ہمارے بعض مصنفین نے بھی بائبل کی ان ہی عبارتوں سے غالباً متاثر یا مرعوب ہو کر بڑے شد و مد سے لکھ دیا کہ ذبیح اسحاق ہیں ان کو ذرا بھی خیال نہ آیا کہ نافی انجیل سے مرعوب ہونا دانشوروں کا شیوا نہیں۔ ان مصنفین نے ذرا بھی تدبر سے کام نہیں لیا بہرحال یہ ان کا عدم تفکر اور صحبت بد کا نتیجہ ہے۔ پہلی دلیل قرآن کریم نے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت میں آیت کریمہ ۱۰۰ تا ۱۱۲ پ ۲۳ اس طریقہ سے فرمایا ہے کہ بادی النظر ہی میں صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ حضرت ابراہیم نے عرض کیا اے میرے رب مجھ کو صالحین یعنی اچھی اولاد سے کچھ

عطا فرما۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۱۰۱ تو ہم نے انہیں خوش خبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ ان دونوں آیتوں میں حضرت ابراہیم کی دعا اور قبولیت کا ذکر ہے اور دعا اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان اس چیز سے محروم ہو گویا کہ اس دعا کے وقت حضرت ابراہیم کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ دوسری دلیل۔ پھر یہ دعا قبول ہوئی اور بیٹا آیا۔ یہ پہلا اور اکلوتا بیٹا تھا۔ اس بات میں کسی مذہب کسی دین کا اختلاف نہیں ہے کہ پہلے بیٹے حضرت اسماعیل ہی ہیں اور یہ دعا انہیں کے حق میں قبول ہوئی۔ انہیں کی بشارت دی گئی انہیں کو حلیم فرمایا گیا۔ آگے ارشاد ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ۔ پھر جب پہنچ گیا وہ بیٹا ان ابراہیم کے ساتھ کام کاج اور ہاتھ بٹانے کی عمر کو۔ یہ بات بھی تاریخ کے مطابق ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے ہی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مل کر کام کاج کیے۔ جن میں مشہور زمانہ تعمیر کعبہ ہے۔ حضرت اسحاق کا کوئی کام حضرت ابراہیم علیہما السلام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں۔ اس آیت میں محنت مشقت جن کے لیے اشارۃً ثابت کی جا رہی وہ پہلا بیٹا ہے پھر ذکر ہے۔ تیسری دلیل۔ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۱۰۲ لفظ فیہ نے بتایا تھا کہ حضرت ابراہیم نے ذبح کی بات اسی بیٹے سے کی جس کی دعا مانگی اور جس کی قبولیتِ دعا سے بشارت دی گئی اور ذبح کی بات کس وقت کی جب وہ کام کے لائق ہوا کہ فرمایا۔ اے میرے بھولے بھالے بچے بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو سوچ تیری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا اے میرے ابا جان آپ فوراً وہ کام کر لیں جس کا آپ حکم دے گئے ہو۔ عنقریب مجھ کو پائیں گے آپ ان شاء اللہ تعالیٰ صبر والوں سے۔ آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں ارشاد ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۱۰۶ بے شک یہ خواب والا حکم البتہ وہ بہت بڑا کھلا امتحان ہے۔ اس آیت کریمہ میں بلا کو بلاءٌ المبین فرما کر سخت امتحان ہے اگرچہ کسی بھی بیٹے کا ذبح باپ کے ہاتھوں کرانا قوی سخت امتحانِ صبر و رضا ہے جب ایک ہی بیٹا ہو اور منتوں دعاؤں التجاؤں سے حاصل کیا گیا ہو۔ اگر کسی کے چند یا دو بیٹے ہوں تو ایک بیٹے کی قربانی اتنی گراں نہیں گزرتی اور وہ حکم بھی بلا ضرور ہے مگر بَلَآءٌ مُّبِیْنٌ نہیں ہے۔ بَلَآءٌ المبین وہی حکم ہوگا جو اکلوتے بیٹے اور دعاؤں سے حاصل کیے گئے بیٹے کے ذبح کے لیے ہو۔ یہ دونوں باتیں کہ اکلوتا ہونا اور دعاؤں سے ملنا حضرت اسماعیل میں جمع ہیں۔ حضرت اسحاق نہ اکلوتے ہیں نہ دعاؤں سے لیے گئے ہیں۔ انجیل نے بھی اس ذبح کو اہم بتاتے ہوئے بار بار اکلوتے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے بلاء کو مبین فرما کر اسی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان تمام واقعات کے بعد۔ دلیل چہارم۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کی جو نبی ہیں لیاقت اور صلاحیت رکھنے والوں سے ہیں۔ پہلے فَبَشَّرْنٰهُ میں فَ تعقیبیہ ہے یعنی وہ بشارت دعا کے بعد ہے یہاں واو ابتدائیہ ہے۔ یعنی یہاں دعا نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے خود ہی بشارت دی اور بے مانگے کے اسحٰق بیٹا ملا۔ دلیل پنجم۔ سورۂ ہود میں حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت اس طرح ہے کہ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۷۱۔ جب

حضرت سارہ ہنسیں تب ہم نے ان کو بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کی بشارت کے علاوہ یعقوب کی یعنی حضرت سارہ کو ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی میں بیٹے اور پوتے کی خوش خبری مل رہی ہے۔ یعنی اے سارہ تمہاری بھی اتنی دراز عمر ہوگی اور تمہارے بیٹے اسحاق کی بھی اتنی عمر ہوگی کہ وہ بالغ جوان پھر شادی بیاہ والا ہو کر صاحب اولاد ہوگا۔ ادھر تو یہ بشارت پہلے ہی سنادی اور ادھر کہا جائے کہ اسحاق کے ذبح کرنے کا بچپن میں حکم ملا اور حضرت ابراہیم اسحاق کو ذبح کرنے لگے۔ اب ابراہیم اس بشارت کو درست سمجھیں یا اس حکم کو درست جانیں۔ اگر دونوں کو درست سمجھیں تو پھر امتحان کب رہا۔ جبکہ بچ رہنے اور بشارت کے یقینی پورے ہونے کی یقینی کیفیت کا پتہ ہے۔ قرآن مجید کے ان پانچ اشارت النص دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق کو ذبیح کہنا انجیل۔ بائیبل اور قرآن مجید کے سخت خلاف ہے۔ چھٹی دلیل۔ سورۃ انبیاء رکوع ۲/۱ آیت ۸۵ پ ۱۷۔ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَ ذَاالْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ .... ترجمہ۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب بہت صبر کرنے والوں سے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر یہی تھا کہ اپنے ذبح ہونے کے لیے کمال صبر سے خود کو پیش کردیا اور عرض کیا کہ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ حضرت اسحاق کو کسی جگہ صابرین سے نہ فرمایا گیا۔ حضرت ادریس اور ذوالکفل کو بھی ان کی اپنی قوموں نے شہید کرنے کے لیے گھیر لیا تھا اور ایذ ائیں تو بکثرت پائیں۔

ساتویں دلیل۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۵۴ وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا ۵۵۔ اور (اے حبیب کریم) یاد کیجیے (اپنے جدِّ اعلیٰ) اسمٰعیل کی بے شک وہ وعدے کے سچے اور تھے وہ رسول نبی اور اپنی قوم (جرہم) کو حکم دیتے تھے نماز اور زکوٰۃ کا اور تھے اپنے رب تعالیٰ کے پیارے پسندیدہ۔ یہاں اسماعیل علیہ السلام کا نام لے کر آپ کی چار صفات کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱۔ صادق الوعد (وعدے کے سچے پکے)۔ وعدے میں مفسرین کے مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے ذبح ہونے کا ان شاء اللہ کہہ کر وعدہ کیا اور پورا کردیا۔ تفسیر القرآن بالقرآن سے یہی قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مفسرین اس کے تحت صحیح نہیں ہوسکتے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ایسی صفت کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوا۔ نہ آپ کے وعدے کا ذکر نہ اس کے پورا کرنے کا ذکر۔ سورۂ صفٰت کی آیت ۱۰۲ میں یٰبُنَیَّ کی وضاحت نہ کی گئی کہ بیان کون سا بیٹا مراد ہے اور کس نے ان شاء اللہ کہہ کر وعدہ کیا تھا۔ یہاں اس آیت میں وضاحت فرمادی گئی وہ وعدہ کرنے والے بیٹے اسمٰعیل تھے۔ یٰبُنَیَّ کا تصغیری لفظ بتارہا ہے کہ بچپن کی عمر میں تقریباً بارہ تیرہ سالہ زندگی میں یہ ذبح ہوا جبکہ اسحاق علیہ السلام کی بڑھاپے کی عمر میں تقریباً ۶۰ سالہ عمر میں یعقوب پیدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت حضرت سارہ حیات تھیں مگر ایک قول میں حضرت ابراہیم فوت ہوچکے تھے مگر بقول انجیل سارہ پہلے فوت ہوئیں ابراہیم علیہ السلام بعد میں۔ بہرحال بشارتِ اسحاق کا تقاضا ہے کہ ولادتِ یعقوب کے بعد ذبحِ اسحاق کا حکم ملے لیکن یٰبُنَیَّ کا اور انجیل پیدائش کا تقاضا ہے کہ مراہقت

یعنی قریب بلوغ بچپن میں ذبح کیا جانے کا حکم ملے. عجیب تضاد اور الجھن ہے. ذبح اسمٰعیل میں یہ الجھن نہیں ہے لہذا عقل سے کام لینا چاہیے خواہ مخواہ محض دشمنی تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر توڑ موڑ اور الجھن میں پھنسنے کی ضرورت کیا ہے؟ اس آیت میں دوسری صفت رسول بیان ہوئی. یہ صفت حضرت اسحاق کے لیے بیان نہ ہوئی. وہ صرف نبی تھے. تیسری صفت نبیًّا. ارشاد ہوئی اس صفت میں دونوں شریک ہیں. چوتھی صفت. مَرْضِيًّا. ارشاد ہوئی. مرضیًّا اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہے. جس کا ترجمہ ہے. پسند کیا ہوا. خوش کیا ہوا. دیکھو کتب لغت. لغات القرآن جلد پنجم صفحہ ۲۶۰ انجیل میں بھی فرزند ذبیح کے لیے پیارا کا لفظ استعمال ہوا ہے. اگرچہ وہاں لفظ اسحاق کی ملاوٹ کر دی گئی ہے. قرآن مجید کی اور موجودہ انجیل کی یہ مشترکہ بات اسماعیل علیہ السلام کے لیے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے چار وجہ سے. ایک یہ کہ قرآن پاک نے اسماعیل کا صاف نام لے کر پیارا ہونا بتایا اور انجیل نے اکلوتا کہہ کر اسماعیل کا پیارا ہونا ثابت کیا. کیونکہ بقول انجیل اور حقیقتًہ اسماعیل ہی اکلوتے ہیں دوم یہ کہ قرآن مجید نے اسماعیل کو رب کا پیارا بتایا اور انجیل نے اکلوتے بیٹے کو ابراہیم کا پیارا ہونا بتایا اور انبیاء کے نزدیک وہی پیارا ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ کا پیارا ہو. گویا کہ انجیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیارا ہونا بتایا گیا اور قرآن پاک میں پیارا ہونے کی وجہ بتائی جا رہی ہے سوم یہ کہ. انجیل سے ثابت ہے کہ اسماعیل علیہ السلام بڑے ہیں فطری طور پر بڑی اولاد سے اور بڑے بیٹے سے زیادہ پیار ہوتا ہے. چہارم یہ کہ پسندیدگی اور پیارا ہونے کی وجہ ہوتی ہے. دنیا میں چند وجوہ مشہور ہیں جن کی بنا پر اولاد میں پیارا ہونے کی اہلیت ہوتی ہے. نمبر۱ عقل مند ہونا. یہ صفت اسمٰعیل میں پائی گئی کہ قرآن مجید نے آپ کو غلام حلیم فرمالد حلیم بتایا حلیم کے معنی ہیں عقل مند. دیکھو کتب لغت. نمبر۲ قوت و طاقتور ہونا. یہ صفت بھی اسمٰعیل علیہ السلام میں ہے قرآن مجید نے بیان کیا. السَّعْیُ. سَعْیٌ کا معنیٰ ہے ہمت. کوشش. طاقت. نمبر۳ کام کرنا اور والد کے ساتھ ہاتھ بٹانا یہ صفت بھی قرآن مجید نے صرف حضرت اسمٰعیل کے لیے بیان کی کہ فرمایا مَعَهٗ. یعنی والد کے ساتھ ہمت طاقت سے کام کاج کرنے والا. تاریخ نے بھی اسمٰعیل علیہ السلام کے کام کاج کو ظاہر کیا. ان وجہوں سے اسمٰعیل ہی پیارے ہوئے. حضرت اسحاق کی یہ صفات نہ قرآن پاک نے بیان کیں نہ تاریخ سے ثابت ہیں اور بقول انجیل ذبیح میں پیارا ہونا شرط ہے. اس لیے اسمٰعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں. ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح کہتے چلے جانا کوئی عقل مندی کی دلیل نہیں آٹھویں دلیل. ابھی تک ہم نے انجیل. بائبل اور قرآن مجید کے صاف صاف دلائل سے ثابت کیا اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں. حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں انجیل میں. نہ قرآن مجید میں. اب احادیث مبارکہ میں فرمودات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا جاتا ہے. پہلی حدیث پاک. مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ ۵۵۱ پر ہے. عَنْ عُمَرَ ابْنِ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْخَطَّابِیِّ عَنِ الْعُتْبِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ حَضَرْنَا مَجْلِسَ مُعَاوِیَةَ فَتَذَاکَرَ الْقَوْمُ

اِسْمٰعِیلَ وَاِسْحٰقَ اَیُّھُمَا الذَّبِیْحُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِسْمٰعِیْلُ وَقَالَ بَعْضُھُمْ بَلْ اِسْحٰقُ۔ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ عَلَی الْخَبِیْرِ سَقَطْتُمْ۔ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَتَاہُ اِعْرَابِیٌّ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خَلَفْتِ الْکَلَاءُ یَابِسًا وَالْمَاءُ عَابِسًا ھَلَکَ الْعِیَالُ وَضَاعَ الْمَالُ فَعُدْ عَلَیَّ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْکَ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ۔ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیْہِ (الخ) ترجمہ۔ روایت ہے عبداللہ صنابحی سے کہ ہم حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس میں حاضر تھے اور ذکر شروع تھا کہ ذبیح اللہ کون ہے۔ اسمٰعیل یا اسحٰق کچھ نے کہا اسحٰق تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا مشہور بات میں بحث اور اختلاف کیا تم نے ہم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں تھے کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول گھاس خشک رہ گیا اور پانی منہ موڑ گیا۔ بچے ہلاک ہو گئے۔ مال ضائع ہو گیا تو وعدہ کیجئے ایسا جو پورے کرے اللہ آپ پر اے دو ذبیحوں کے فرزند پاک۔ تو تبسم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اور اس لقب کا انکار نہ فرمایا۔ قوم نے حضرت امیر معاویہ سے پوچھا دو ذبیح کون ہیں تو امیر نے فرمایا ایک حضرت عبداللہ۔ کیونکہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی۔ جبکہ آپ نے زم زم کا کنواں کھود لیا تو محسوس کیا کہ کاش میرے زیادہ بیٹے ہوتے تب آپ نے منت مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوں تو ایک بیٹا نام خدا ذبح کرونگا رب نے دس بیٹے دیئے جب سب جوان ہوئے تو آپ نے قرعہ ڈالا (کئی مرتبہ) ہر مرتبہ نام عبداللہ کا نکلتا رہا تب آپ نے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا مگر عبداللہ کے ننھیال نے سو اونٹ پر قرعہ ڈالا اور اونٹ فدیہ قربان کرکے حضرت عبداللہ کو چھڑا لیا اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں ان کو بھی چھری کے نیچے سے دنبہ فدیہ دے کر بچایا گیا۔ بحوالہ روح المعانی ہشتم پ ۲۳ صـ ۱۲۲ وخصائص کبریٰ جلد سوم صـ ۱۲۳ و ابن کثیر جلد چہارم صـ ۱۸ اور دیگر تفاسیر دوسری حدیث شریف۔ نویں دلیل۔ فتاوی شامی جلد دوم صـ ۱۶۸ پر ہے۔ وَاَمَّا الْخَبَرُ کَمَا رُوِیَ عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ یَعْنِیْ اَبَاہُ عَبْدُ اللّٰہِ وَاِسْمٰعِیْلُ وَاتَّفَقَتِ الْاُمَّۃُ اَنَّہٗ کَانَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ ترجمہ اور لیکن حدیث سے بھی ثابت ہے کہ وہ جو روایت کی گئی نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں ایک آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ اور ایک آپکے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیلؑ اور یہ بات سب امت میں متفق ہے کہ آقائے دو عالم حضرت اسماعیل ہی کی اولاد میں سے ہیں دسویں دلیل صحابہ کرام تابعین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر صـ ۱۸ جلد چہارم میں ہے۔ وَرُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِی الطُّفَیْلِ وَسَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ وَسَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ وَالْحَسَنِ وَمُجَاھِدٍ وَالشَّعْبِیِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ الْقُرَظِیِّ وَاَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ وَاَبِیْ صَالِحٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ قَالُوا الذَّبِیْحُ اِسْمَاعِیْلُ وَقَالَ الْبَغْوِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ وَاِلَیْہِ ذَھَبَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ وَسَعِیْدُ ابْنُ الْمُسَیَّبِ وَالسُّدِّیُّ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَمُجَاھِدٌ وَشَعْبِیٌّ

وَمُحَمَّدُ بْنُ کَعْبِ الْقُرَظِیُّ وَالْکَلْبِیُّ۔

ترجمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ اور ابن عمر ابوہریرہ ابوطفیل۔ سعید بن مسیّب سعید بن جبیر۔ امام حسن۔ مجاہد۔ شعبی محمد بن کعب ابوجعفر۔ ابوصالح تمام بڑے صحابہ نے فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اور فرمایا امام البغوی نے اپنی تفسیر میں کہ عبداللہ بن عمر و سعید ابن مسیب امام سدی حسن بصری اور مجاہد۔ امام شعبی محمد بن کعب قرظی اور امام کلبی کا مذہب بھی یہی ہے۔ اسی طرح تمام تابعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر بغوی علی حاشیہ خازن جلد ششم ص۲۳ اور روح المعانی جلد ششم ص۱۰۲ پر لکھا ہے اور تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۱۰ پر ہے۔

وَقَالَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَعَامِرُ الشَّعْبِیُّ وَیُوْسُفُ بْنُ مِهْرَانَ وَمُجَاهِدٌ وَعَطَاءٌ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ هُوَ اِسْمٰعِیْلُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ وَقَالَ ابْنُ جَرِیْرٍ حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ قَیْسٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اَلْمُفْدٰی اِسْمٰعِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ وَزَعَمَتِ الْیَهُوْدُ اَنَّهٗ اِسْحَاقُ وَکَذَبَتِ الْیَهُوْدُ قَالَ اِسْرَائِیْلُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ الذَّبِیْحُ اِسْمَاعِیْلُ۔

ترجمہ اور فرمایا سعید بن جبیر نے اور عامر شعبی اور یوسف بن مہران۔ مجاہد۔ عطا اور ایک سے زیادہ نے کہ روایت ہے ابن عباس سے وہ ذبیح اسماعیل ہیں اور کہا ابن جریر نے حدیث بیان کی مجھے یونس نے کہ خبر دی ہم کو ابن وہب (تابعی) نے کہ مجھے خبر دی۔ عمرو بن قیس نے وہ روایت کرتے ہیں عطا ابن ابی رباح سے وہ ابن عباس سے راوی انہوں نے فرمایا فدیہ دئے ہوئے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہیں اور یہودیوں نے وہم کیا ہے کہ اسحاق علیہ السلام ہیں اور وہ جھوٹے کاذب ہیں یہودی اور فرمایا (تبع تابعی) اسرائیل نے (روایت کیا) حضرت ثور سے وہ مجاہد سے راوی وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کہ ذبیح اسماعیل ہی ہیں۔ ثابت ہوا کہ اَجَلّ صحابہ اور بڑے تابعین اور تبع تابعین کی تحقیق اور فرمان یہی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں۔ صرف یہودیوں کا وہمی عقیدہ ہے کہ اسحاق کو ذبیح کہنے لگے ان کا یہ عقیدہ بڑا جھوٹ ہے۔ گیارہویں دلیل۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر چہارم ص۱۸ پر ہے۔ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ سَاَلْتُ اَبِیْ عَنِ الذَّبِیْحِ هَلْ هُوَ اِسْمٰعِیْلُ اَوْ اِسْحَاقُ فَقَالَ اِسْمَاعِیْلُ

ترجمہ۔ اور فرمایا امام عبداللہ نے جو بیٹے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہ پوچھا میں نے اپنے والد مکرم سے ذبیح اللہ کے بارے کیا وہ اسماعیل ہیں یا اسحاق تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اسماعیل ہیں۔ تفسیر بغوی جلد ششم ص۲۳ پر ہے۔

قَالَ الْاَصْمَعِیُّ سَاَلْتُ اَبَا عَمْرِو بْنِ الْعَلَاءِ عَنِ الذَّبِیْحِ اِسْحَاقُ کَانَ اَوْ اِسْمٰعِیْلُ فَقَالَ اَصْمَعِیُّ اَیْنَ ذَهَبَ عَقْلُكَ مَتٰی کَانَ اِسْحَاقُ بِمَکَّةَ اِنَّمَا کَانَ اِسْمَاعِیْلُ بِمَکَّةَ وَهُوَ الَّذِیْ بَنَی

اَلْبَیْتَ مَعَ اَبِیْہِ . . . . . . ترجمہ۔ امام فقیہ اصمعی نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد فقیہ امت امام ابو عمرو بن علاء سے پوچھا تھا۔ ذبیح اللہ کے بارے میں کہ وہ اسحاق تھے یا اسمٰعیل۔ تو آپ نے فرمایا اے اصمعی کہاں گئی تیری عقل اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب تھے (کبھی رخ بھی نہ کیا) مکے میں تو حضرت اسمٰعیل ہی تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد ماجد کے ساتھ تعمیر کعبہ کا کام کیا علمی عقلی اور تاریخی اعتبار سے بھی حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ثابت ہوتے ہیں۔ اب جو ان کو ذبیح نہ مانے وہ عقل کا کورا ہے۔ فرمان عالیہ امام ابو عمرو کا ہے۔ حضرت عمرو بن علا مشہور فقیہ اسلام متاخرین فقہاء کرام اپنے مسائل فقہ میں ان کے حوالوں کا سہارا لیتے ہیں۔ گویا ہماری یہ دلیل عقلی دلیل ہے بارہویں دلیل۔ ابھی تک قرآن مجید اور انجیل برنباس۔ نیز بائبل احادیث۔ روایت۔ درایت۔ اقوال صحابہ عظام تابعین۔ تبع تابعین۔ ائمہ مجتہدین۔ فقہاء کرام سے ثابت کر دیا گیا فقہ اسلامی کی مشہور و معتبر کتاب فتاوی درمختار جلد دوم ص۶۱ پر ہے۔ وَالْمُختَارُ اَنَّ الذَّبِیْحَ اِسْمٰعِیْلُ ترجمہ۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ تیرھویں دلیل۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ اب ہم تاریخ اور مشاہدے سے بھی ثابت کریں گے کہ ذبیح صرف حضرت اسماعیل کو کہا جا سکتا ہے۔ حضرت اسحاق علیہما الصلوٰۃ والسلام ہرگز ذبیح نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے بعد فدیہ اسماعیل علیہ السلام نے اسی وقت اس دنبے مذبوحہ کے سینگ تبرکاً اٹھا لیے اور پاس رکھ لیے پھر یادگار کے طور پر خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد بنی اسماعیل نے لٹکا دیئے۔ جیسا کہ تفاسیر کثیرہ معتبرہ میں منقول ہے۔ تفسیر خازن جلد ششم ص۲۷ پر ہے۔

وَمِنَ الدَّلِیْلِ اَیْضًا اَنَّ قَرْنَیِ الْکَبْشِ کَانَا مُعَلَّقَیْنِ عَلَی الْکَعْبَۃِ فِیْ اَیْدِیْ بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ اِلٰی اَنِ احْتَرَقَ الْبَیْتُ فِیْ زَمَنِ ابْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ الشَّعْبِیُّ رَاَیْتُ قَرْنَیِ الْکَبْشِ مَنُوْطَیْنِ بِالْکَعْبَۃِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ کَانَ اَوَّلُ الْاِسْلَامِ وَاِنَّ رَاْسَ الْکَبْشِ لَمُعَلَّقٌ فِیْ مِیْزَابِ الْکَعْبَۃِ وَقَدْ وَحَشَ یَعْنِیْ یَبِسَ۔

ترجمہ۔ اس بات کی دلیل۔ کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ان کے فدیہ کا مذبوحہ بکرے کے سینگ کعبہ پر لٹکے ہوئے تھے بنی اسماعیل کے قبضے میں یہاں تک کہ ابن زبیر کے زمانے میں کعبے کو آگ لگ گئی تھی (تب وہ بھی جل گئے تھے) امام شعبی نے فرمایا کہ میں نے خود وہ سینگ کعبہ کے کسی کنارے کے ساتھ لٹکے دیکھے ہیں اور ابن عباس نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی قسم جبکہ اسلام کا ابتدائی دور تھا تو میزاب کعبہ یعنی کعبہ کے نالے میں لٹکے دیکھے اور وہ خشک ہو گیا۔ اس تاریخی قول سے ثابت کیا جا رہا ہے اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہیں ہیں اگر ذبیح ہوتے تو بکرے کی سری اور سینگ فلسطین میں بنی اسرائیل کے قبضے میں ہوتے کیونکہ اسحاق علیہ السلام وہیں رہتے تھے۔ ان کا منیٰ یا مکہ پاک میں آنا تاریخ سے کہیں ثابت نہیں۔ چودھویں دلیل۔ تفسیر نسفی جلد چہارم ص۱۸ تفسیر خازن جلد ششم ص۲۷ پر ہے۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ

اِسْحَاقَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا زَارَ هَاجَرَ وَاِسْمَاعِيْلَ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فَيَغْدُوْ مِنَ الشَّامِ فَيَقِيْلُ بِمَكَّةَ وَيَرُوْحُ مِنْ مَكَّةَ فَيَبِيْتُ عِنْدَ اَهْلِهِ بِالشَّامِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اِسْمَاعِيْلُ مَعَهُ السَّعْيَ وَاَخَذَ بِنَفْسِهِ وَرَجَاهُ لِمَا كَانَ يُؤَمِّلُ فِيْهِ مِنْ عِبَادَةِ رَبِّهِ وَتَعْظِيْمِ حُرُمَاتِهِ اُمِرَ فِي الْمَنَامِ بِذَبْحِهِ وَذَالِكَ اَنَّهُ رَاٰى لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ ۔ (الخ)۔

فَمِنْ ثَمَّ سُمِّيَ ذَالِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ۔ ترجمہ۔ مؤرخِ اسلام حضرت محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کبھی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو دیکھنے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لاتے تو اپنی تیز رفتار خچیلی سواری پر بیٹھتے اور اشراق کے وقت صبح کو چلتے علاقہ شام سے اور دوپہر کو مکہ میں قیلولہ فرماتے (آرام فرماتے) اور شام کے وقت چل پڑتے مکے شریف سے تو سیدھا اپنے گھر ملکِ شام میں تشریف لے آتے۔ (اسی طرح ہوتا رہا) یہاں تک کہ اسماعیل بالغ ہو گئے اور ان کے ساتھ کام کرنے ہاتھ بٹانے کے لائق ہو گئے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل ہو گئے اور حضرت ابراہیم کو امید ہو گئی ان کے بارے میں جبکہ امید کی جا سکتی تھی ان میں اپنے رب کی عبادت کرنے اور اس کی متبرک چیزوں کی تعظیم کرنے کی۔ گویا اچھی سمجھ بوجھ ہو گئی تو حضرت ابراہیم خواب میں ان اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم دیے گئے اور یہ خواب ترویہ کے دن یعنی آٹھ ذی الحج کو پہلی دفعہ دیکھی۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام ترویہ کا دن رکھا گیا۔ ترویہ رَوِیہ سے بنا ہے یعنی خواب دیکھنا۔ تاریخوں میں ہے کہ اسی صبح کو آپ شام سے چلے اور منیٰ میں آئے۔ اس لیے حاجی حضرات آٹھ ذی الحج کی صبح کو منیٰ آتے ہیں۔ پھر آپ رات وہیں رہے اور غور کرتے رہے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے یا نفسانی حکم ہے۔ آپ رات بھی وہیں رہے واپس نہ گئے۔ دوسری رات پھر یہ ہی خواب دیکھا تو آپ نے صبح اٹھ کر پہچان لیا کہ یہ خواب وحی الٰہی ہے۔ اسی لیے نویں ذی الحج کو یوم عرفہ یعنی پہچاننے کا دن کہا جاتا ہے۔ یا پہچاننے میں غور و فکر کرنے کا دن۔ یا آپ صبح اٹھ کر بغیر کچھ کھائے پیے اسی تفکرات میں میدان عرفات تک چلے گئے اور بیٹھے سوچتے رہے اور آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ خواب سچی ہے وحی ہے۔ اسی لیے حاجی لوگ عرفات کے میدان میں نویں ذی الحج کو جاتے ہیں اور مسلمان دنیا بھر میں اُس دن نفلی روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سب سنتِ ابراہیمی کی یادگار ہے۔ انھوں نے تو غور و فکر کی وجہ سے کچھ نہ کھایا تھا مگر مسلمانوں کے لیے اس کی یاد عبادت بن گئی بلکہ میدانِ عرفات میں بیٹھنے کا نام حج ہو گیا کیونکہ حج کا معنیٰ ارادہ قصد اور ایک معنیٰ ہے دلیل ملنا "حُجَّۃٌ یا حُجَّۃٌ" سے بنا ہے۔ حضرت ابراہیم کو ذبح اسماعیل کی یقینی دلیل قلبی اطمینان کی صورت میں یہیں پہنچ کر ملی تھی۔ شام کو واپس تشریف لائے تو گھر تشریف لائے یا مزدلفہ میں ہی تھک کر سو رہے۔ لیکن رات کو پھر تیسری بار خواب میں وہی حکم سنایا

تو آپ نے صبح اٹھ کر نفل تشکر پڑھے یا نفل استقامت ادا کیے اور ان نوافل میں بار بار تکبیر پڑھی۔ تو یہ ہمارے لیے نمازِ عید ہو گئی اور غالباً ذبح کے موقع پر تکبیر بھی اسی سنت کے مطابق ہے۔ پھر آپ معاً ذبح کی تلاش میں نکل گئے اور منیٰ میں ایک جگہ تلاش کر کے وہیں سے حضرت اسماعیل کو آواز دی۔ جب قریب پہنچ گئے تو آپ نے خواب کا وہ تمام واقعہ اور حکم ربی سنایا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچپن سے ہی شکار کا شوق تھا۔ تیر کمان کے علاوہ کنکروں پتھروں سے بھی آپ شکار کھیل لیتے تھے۔ مزدلفہ وغیرہ کے جنگل سے ہی آپ پتھر کنکر وغیرہ اکٹھے کر کے لے آتے تھے اس وقت بھی آپ اپنے پتھروں کو ہی دیکھ رہے اور الٹ پلٹ کر رہے تھے کہ اچانک والدِ محترم کی آواز سنی تو پتھر بکھرے کر دوڑ پڑے۔ اس لیے آج بھی حجاج کو مزدلفہ کے جنگل سے کنکریاں چننے کا حکم ہے۔

جب حضرت اسماعیل اپنی اسی چھوٹی سی تیرہ یا بارہ سالہ عمر میں بارگاہِ الٰہیہ میں قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ تو والدِ محترم سے چند التجائیں کیں۔ ایک یہ کہ۔ میری والدہ حضرت ہاجرہ (مصریہ) جو ہمارے انتظار میں کھانا لے کر بیٹھی ہوں گی ان سے میرا آخری سلام کہہ دینا۔ دوم یہ کہ مجھ کو ذبح کے لیے الٹا لٹانا تاکہ آپ کو میری شکل پر رحم۔ ترس نہ آئے۔ تاریخوں میں ہے حضرت اسماعیل بہت ہی خوب صورت اور انتہائی بھولے بھالے اور پتلے دبلے تھے اور اکلوتے بیٹے بھی تھے۔ بڑھاپے کی عمر میں بہت دعاؤں کے بعد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ گھنٹوں آپ کو پیار کرتے رہتے۔ کبھی ہاتھ کبھی ماتھا کبھی رخسار چومتے اور چلتے پھرتے اسی لختِ جگر کو دیکھا کرتے تب یہ امتحان عظیم لیا گیا۔ سوم یہ کہ آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں۔ حضرت ابراہیم یہ باتیں سن کر آبدیدہ ہو گئے تو اسماعیل خود ہی الٹے لیٹ گئے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ذرا سا درست کر کے کچھ دعائیہ کلمات ادا فرمائے اور چھری پوری قوت سے چلا دی۔ اَللہُ اکبر کیا دلدوز جگر سوز منظر ہو گا۔ ایسی قربانی شانِ نبوت ہی کے لائق ہے بھولا بھالا چہرہ بچپن کی باتیں کیا صبر آزما لمحات تھے۔ تاریخ اور تفاسیر کی اخذ شدہ ان عبارتوں سے یہی حقیقت ظاہر و ثابت ہوئی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ حج کی کیفیات بھی اسی کی مطابقت کرتی ہیں اس وقت صرف اسماعیل ہی بیٹا ہیں۔ اگر ذبح اسحاق کا ہوتا تو اولاً حضرت ابراہیم منیٰ میں کیوں آتے فلسطین اور شام میں ہی کہیں قربان گاہ بنا لیتے حالانکہ قربان گاہ ابراہیمی بجز منیٰ کے کہیں ثابت نہیں نہ کوئی آج تک ثابت کر سکا۔ دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو دونوں بیٹوں کے تعین کرنے کی ضرورت پیش آتی کہ کون سا بیٹا ذبح کروں۔ اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اس وقت جبکہ اسحاق پیدا ہوئے جوان بلکہ بوڑھا ہوتے تک اسماعیل بھی موجود ہیں۔ ہاں اسماعیل علیہ السلام پر تیرہ سال کا ایسا دور گزرا۔ جب کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ اسحاق علیہ السلام کے وقت جس بیٹے کو ذبح کے لیے منتخب کیا جاتا تو اس کی انتخاب اور ترجیح کی وجہ ہونی ضروری تھی۔ ورنہ دامنِ نبوت پر جانب داری کا دھبہ لگ جاتا اور مائیں ہی کہہ دیتیں یا قبیلے والے کہ جس بیٹے سے پیار نہ تھا اُس کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ تاقیامت ایک طعنہ بن جاتا۔ اسماعیل کے ذبیح ماننے

میں یہ کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے اسحاق علیہ السلام کو ذبیح مانا ہے ان کے دلائل میں بہت کمزوریاں خرابیاں ہیں جو آگے بیان کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالٰے۔ پندرھویں دلیل۔ ان سابقہ دلائل کے علاوہ مسلمانوں کا سالانہ عملی مشاہدہ اور تجربہ جو میدانِ منٰی میں رمیِ جمار کی شکل میں ہوتا ہے وہ یہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ ہر حاجی منٰی میں پہنچ کر تین جمروں کی رمی کرتا ہے۔ جمرۂ اولٰی (کبرٰی) جمرۂ وسطٰی نمبر۳ جمرۂ عقبٰی کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ کیا عمل ہے۔ یہ کس کی سنت ہے۔ حجاج کو کیا بتایا جاتا ہے۔ زمانے بھر میں کیا مشہور ہے؟ بس یہی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند اسماعیل کو خوابِ ذبح سنانے کے لیے آواز دی اور خود قربان گاہ کے پاس چلے گئے یا وہیں سے کھڑے ہو کر آواز دی اور معجزانہ طور پر آواز پہنچ گئی۔ تو حضرت اسماعیل لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑے۔ راستے میں تین جگہ شیطان نے روک کر بہکانا چاہا تو آپ نے اس کو کنکریاں ماریں جو چنگاری کی طرح اُس کو لگیں۔ لغتِ عربی میں جَمْر کے معنی چنگاری بھی ہے اور کنکری بھی جس اعتبار سے بھی اس کو جمرہ کہو مناسب ہے۔ اسی لیے آج جب کنکری ماری جائے تو حکم ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر بھی کہا جائے اور شیطان کو برا کہا جائے چنانچہ فتاوٰی ردالمحتار جلد دوم ص۵۱۳ پر ہے۔ رُوِیَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ زِیَادٍ اَنَّہٗ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْمًا لِّلشَّیْطَانِ وَحِزْبِہٖ ترجمہ۔ امام حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں یا آپ فرمایا کرتے ہر کنکری کے ساتھ۔ اللہ اکبر یہ کنکری شیطان کی ناک رگڑنے اور اس کو بھگانے کے لیے۔ لہٰذا یہ یادگاری سنت تو اسماعیل علیہ السلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ وہی وہاں رہتے تھے ان کو ہی آواز دینے اور بلانے کی ضرورت پڑسکتی تھی۔ حضرت اسحاق اگر ہوتے تو اُن کو ساتھ ہی لایا جاتا۔

ذبیح اسماعیل پر اتنے مضبوط اور صاف واضح اور ہر طرح سے بہترین دلائل ہونے کے باوجود پھر یہ کہنا کہ نہیں حضرت اسحاق ہی ذبیح ہیں اور پھر اپنے کمزور غیر مدلل خود ساختہ عقیدے کو بچانے کے لیے سینکڑوں قسم کی توڑ مروڑ تاویل وتحریف کرنی اور ضد کرنی یقیناً قابلِ افسوس بات ہے اور پھر یہود ونصارٰی پر اتنا افسوس نہیں وہ تو عقل پر پٹی باندھ کر ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرتے چلے گئے ہیں۔ ہمیں تو اُن بعض مسلمان مصنفین پر حیرت ہے جو اندھا دھند اسرائیلیات سے متاثر ہو کر ان کی بری صحبتوں میں پڑ کر ان کی کتابیں بائبل وغیرہ دیکھ کر اسی ضد پر اڑ گئے کہ نہیں اسحاق علیہ السلام ہی ذبیح ہیں یہ نہ سوچا کہ اس عقیدہ باطلہ میں یہودی تعصب کا ساتھ دینے کے علاوہ قرآن وحدیث کی بھی مخالفت ہے یہودیت نصرانیت کا تو پرانا وطیرہ ہے کہ وہ ہر اُس حقیقت واقعی کا انکار کریں گے جس میں مسلمانوں کی شان بنتی ہو اور پھر اس پر ایک دم متفق بھی ہو جائیں گے خواہ جانتے بوجھتے کتنی ہی دروغ گوئی کرنی پڑے۔ یہ تو مسلمانوں کی ہی بد نصیبی ہے کہ ہر بات میں نیا مذہب بنانا علماءِ حق کی مخالفت کرنا۔ مسلکِ اہل سنت کے خلاف چلنا اپنی عادت بنالی ہے اور بات بے تُکی ہے دنیا کو یہ بتانا کہ ہم بھی اہلِ قلم ہیں۔ یہود ونصارٰی کی کذب بیانیوں میں سے یہ بھی ایک کذب بیانی ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص۱۲۳ اور دیگر کثیر تفاسیر میں ہے۔ ذُکِرَ مُحَمَّدُ بْنُ

كَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَرْسَلَ اِلٰى رَجُلٍ كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ وَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ وَكَانَ مِنْ عُلَمَائِهِمْ فَسَاَلَهٗ اَيُّ اِبْنَيْ اِبْرَاهِيْمَ اُمِرَ بِذَبْحِهٖ فَقَالَ۔ اِسْمَاعِيْلُ۔ وَاللّٰهِ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ يَهُوْدًا لَتَعْلَمُ بِذٰلِكَ وَلٰكِنَّهُمْ يَحْسُدُوْنَكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ ۔ ترجمہ۔ ذکر فرمایا محمد بن کعب نے کہ بے شک عمر بن عبد العزیز نے کسی کو ایک یہودی کی طرف بھیجا (اور بلایا) وہ یہودی مسلمان ہوگیا تھا اور یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا اب اس کا اسلام بھی پختہ تھا۔ تو ان سے عمر بن عبد العزیز نے پوچھا کہ یہ بتاؤ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اللہ کی قسم اے امیر المومنین اور بے شک یہودی بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ لیکن وہ اے اہل عرب تم سے حسد کرتے ہیں۔ یعنی صرف حسد کی بنا پر اس سچائی کا انکار کرتے ہیں اور حسد کس سے ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسلام اور مسلمانوں سے کہ یہ سعادت ذبح عظیم والی مسلمانوں کو حاصل نہ ہو۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

یہود و نصاری اور بعض مصنفوں کے مخالفانہ دلائل اور ان کا ردِ بلیغ اور تردیدی جواب۔ پہلی دلیل۔ مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کی بشارت ہے اور کسی فرزند ابراہیم کی بشارت تو درکنار ذکر تک نہیں۔ چنانچہ سورۃ ہود کی آیت ۷۱ میں ہے فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (الآیہ) اور سورت صٰفٰت کی آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا ان دو جگہ لفظِ اسحاق نام لے کر بشارت ہے لہٰذا اسی سورت صٰفٰت کی آیت ۱۰۱ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ سے بھی حضرت اسحاق ہی مراد ہیں۔ ہاں البتہ سورۃِ ھود میں والدہ سارہ کو بشارت ہے مگر صٰفٰت میں غُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں ولادت کی بشارت۔ اور بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا میں نبوت کی بشارتِ اسحٰق یہ دونوں بشارتیں آپ کے والد حضرت ابراہیم کو دی گئیں تھیں حضرت اسماعیل کا ذکر تک نہیں۔ لہٰذا اسحاق ہی ذبیح ہیں اور ذبح کے بعد نبوت کی بشارت دی گئی تھی۔ جواب یہ دلیل چار وجہ سے اتنی کمزور اور کم عقلی ناسمجھی کی ہے کہ ذرا سا تدبّر رکھنے والا ایسی دلیل پیش نہیں کرسکتا یہ دلیل علمی اعتبار سے بھی قطعًا غلط ہے۔ پہلی وجہ۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ پہلا بیٹا اسماعیل ہیں۔ اس میں بھی اتفاق ہے کہ ابراہیم بڑھاپے تک بے اولاد رہے اور اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ ابراہیم نے بیٹے کے لیے دعا مانگی جو مانگتے ہی قبول ہوئی۔ غلام حلیم سے پہلا بیٹا اسمٰعیل مراد نہیں تو پھر اسماعیل کہاں گئے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ قیامت تک اس کا جواب نہیں بن سکتا۔ میں کہتا ہوں مخالفین کا دماغ بھی عجیب چکر میں ہے۔ دوسری وجہ۔ سب سے پہلے دعاءِ ابراہیم ہے پھر بشارتِ اسماعیل ہے اور یہ چونکہ پہلے بیٹے ہیں اس لیے نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف صفت بتادی گئی۔ یہ بشارت بھی پہلی ہے۔ اس لیے تعیین وتخصیص کی چنداں ضرورت نہیں التباس واشتباہ پڑنے کا خطرہ ہی کوئی نہیں ہاں اسحٰق کی دوسری بشارت ہے۔ وہاں نام لینا ضروری ہے تاکہ دونوں بشارتوں میں تفریق ہو اور پتہ لگے کہ اسماعیل نام

بعد میں خود ابراہیم نے رکھا اپنی دعا کی یادگار میں اور اسحاق نام رب تعالٰی نے رکھا بشارت اسماعیل بھی ایک ہی دفعہ ہوئی اور اس کا ذکر بھی ایک ہی دفعہ۔ کیونکہ بشارت اسماعیل دعاء خلیل کی وجہ سے تھی اس لیے صرف انہیں کو دی گئی اور یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ دونوں بیویوں میں سے کس سے بیٹا ہوگا۔ بشارت اسحٰق بغیر دعا کے فقط عطاء رب سے تھی اور یہاں یہ ظاہر فرمانا تھا کہ سارہ سے بیٹا ہوگا لھذا یہ دونوں کو بشارت تھی اس لیے قرآن مجید میں علیحدہ علیحدہ دو دفعہ ذکر کیا گیا۔ مگر ادائے بشارت ایک ہی دفعہ ہوئی اس وقت حضرت سارہ اور ابراہیم علیہ السلام دونوں کی دعاؤں کی قبولیت کی علامت کو بنایا گیا۔ مگر ادائے بشارت ... اس وقت حضرت سارہ اور ابراہیم علیہ السلام دونوں موجود تھے دونوں نے سنی۔ دوبارہ بشارتِ اسحاق علیحدہ ابراہیم کو نہ سنائی گئی نہ اس کی ضرورت تھی اور یہ بشارتِ اسحاق ذبح اسماعیل کے بعد بطور انعام ہوئی۔ یا کسی اور وجہ سے۔ چوتھی وجہ۔ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا میں۔ نبوت کی بشارت مراد نہیں بلکہ خود اسحاق کی ہی بشارت مراد ہے۔ اگر نبوت کی بشارت مراد ہوتی اور اسحاق پہلے سے موجود ہوتے تو بڑھاپے میں ولادت یعقوب کے بعد اور ذبح ہونے میں کامیابی کے بعد نبوت کی بشارت ملنے کا کیا مقصد۔ نیز پھر یہ آیت بھی اس طرح نہ ہوتی بلکہ اور کسی طرح ہوتی یا اس طرح ہوتی بَشَّرْنَا اِسْحٰقَ بِنُبُوَّتِہٖ۔ ہم نے اسحاق کو نبوت کی بشارت دی اس لیے کہ نبوت کی بشارت یا خود نبی کو ہو سکتی ہے یا امتی کو حضرت ابراہیم کو یہ بشارت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اسحٰق کے امتی نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر فرضاً یہ کہہ دیا جائے کہ بیٹے کی نبوت یا شان باپ کے لیے خوشی کی بشارت ہے۔ تب بھی آیت اس طرح نہ ہوتی۔ بلکہ اس طرح ہوتی۔ وَبَشَّرْنٰہُ لِاِسْحٰقَ نُبُوَّۃً ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کے لیے نبوت کی بشارت دی۔ لفظ نبوت کو مفعول دوم بنایا جاتا۔ مثلاً زید کو دولت کی بشارت دی جا سکتی ہے دولت مندی کی نہیں موجودہ آیت میں لفظ نبیًّا ہے جو حال ہے اسحٰق کا اور صرفی نحوی (گرامر) لغت عربیہ کے اعتبار سے آیت کا ترجمہ صرف یہی ہے کہ اور بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کی اس حال میں کہ وہ نبی ہوں گے یعنی نبی بیٹے کی بشارت دی۔ مخالفین کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کے لیے نبوت کی اور یہ بالکل غلط ترجمہ ہے۔ ب جارہ کے بھی خلاف ہے اور لفظ نبیًّا کے بھی مخالف

دوسری دلیل۔ مخالف کہہ سکتا ہے کہ جامع صغیر جلد اول جلال الدین سیوطی ص ۶۶۸ پر ہے۔ حدیث نمبر ۴۲۴۹ اَلذَّبِیْحُ اِسْحٰقُ ذبیح اسحاق ہی ہیں۔ یہ حدیث دارقطنی نے اپنے افراد میں بروایت ابن مسعود اور امام بزاز نے بروایت عبّاس بن عبد المطلب اور محدث ابن مردویہ نے بروایت ابو ہریرہ نقل فرمائی۔ لھذا ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح اللہ ہیں۔ جواب۔ یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل غلط اور ضعیف ہے۔ چنانچہ خود محدث سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر میں اسی صفحہ پر اسی جگہ لکھا کہ۔ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ ترجمہ۔ یہ حدیث ضعیف ہے نیز علامہ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص ۱۸ پر اسی روایت کے متعلق اپنی تحقیق ارشاد فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ جَرِیْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَلِیِّ

بْنِ زَیْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَیْسٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِیْثٍ ذَکَرَہٗ قَالَ ھُوَ اِسْحَاقُ۔ فَفِیْ اِسْنَادِہٖ ضَعِیْفَانِ۔ وَھُمَا الْحَسَنُ بْنُ دِیْنَارٍ الْبَصَرِیُّ مَتْرُوْکٌ وَعَلِیُّ بْنُ زَیْدِ بْنِ جُدْعَانَ۔ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ ــــ

ترجمہ۔ ابن جریر نے فرمایا کہ ابوکریب نے بیان کیا ان سے زید بن حباب نے بیان کیا۔ انہوں نے حسن بن دینار سے روایت لی انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے انہوں نے حسن سے انہوں احنف ابن قیس سے انہوں نے عباسؓ بن عبد المطلبؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اسی حدیث کے بارے میں جس کا ذکر کیا، فرمایا کہ وہ (ذبیح) اسحاق ہیں۔ پس اس روایت کی اسناد میں دو ضعیف راوی ہیں اور وہ دونوں، حسن بن دینار بصری۔ جو متروک اور ناقابل قبول ہیں اور علی بن زید بن جدعان۔ یہ تو بالکل منکر الحدیث ہے۔ آپ نے اپنی دوسری دلیل کا بھی حشر دیکھ لیا۔ تیسری دلیل۔ صحابہ کرام بھی اسی کے قائل تھے کہ اسحاق ذبیح اللہ ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص۱۳۳ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم ص۱۸ پر ہے۔ وَکَذَا رَوٰی عِکْرَمَۃُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اِسْحَاقُ وَعَنْ اَبِیْہِ الْعَبَّاسِ وَعَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلُ ذٰلِکَ وَکَذَا قَالَ عِکْرَمَۃُ وَسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَمُجَاھِدٌ وَالشَّعْبِیُّ وَعُبَیْدُ بْنُ عَمْرٍو وَاَبُوْ مَیْسَرَۃَ وَزَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ وَعَبْدُ اللہِ بْنُ شَقِیْقٍ وَالزُّھْرِیُّ وَالْقَاسِمُ (الخ) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ کَعْبِ الْاَحْبَارِ اَنَّہٗ قَالَ ھُوَ اِسْحَاقُ . . . .

ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح ہیں۔ جواب۔ مخالف نے ذرا غور نہیں کیا ورنہ اسی کی اس پیش کردہ عبارت میں جواب موجود ہے۔ یعنی اولاً صحابہ کرام نے علماء یہود کی باتیں سن کر یہی عقیدہ بنا لیا تھا کہ اسحاق ذبیح ہیں لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ تب صحابہ کرام نے اپنے پہلے نظریے کو ترک فرما دیا۔ دیکھیے ہم نے اپنی دوسری دلیل میں تقریباً انہی صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا نام مخالف نے پیش کیا اس سے بھی ثابت ہوا کہ پہلا موقف یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ صحابہ نے یہ نظریہ بنا لیا ہو مگر بعد میں اس کو غلط قرار دے کر ذبیح اسماعیل کا عقیدہ درست کر لیا تھا۔ نیز مفسرین بھی ہماری اس توجیہ کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ مخالف کی عبارت پیش کردہ سے یہ ثابت ہوا کہ ان صحابہ نے کعب احبار سے سن کر یہ موقف بنایا مزید آگے لکھا ہے۔ وَھٰذِہِ الْاَقْوَالُ وَاللہُ اَعْلَمُ کُلُّھَا مَاْخُوْذَۃٌ عَنْ کَعْبِ الْاَحْبَارِ۔ فَاِنَّہٗ لَمَّا اَسْلَمَ فِی الدَّوْلَۃِ الْعُمَرِیَّۃِ جَعَلَ یُحَدِّثُ عُمَرُ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ کُتُبِہِ الْقَدِیْمِ۔ (الخ)

ترجمہ۔ یہ تمام اقوالِ صحابہ صرف کعب احبار سے سن کر ہیں۔ کعب احبار پہلے یہودی راھب تھے (بشپ) اسلام

لائے خلافتِ عمر میں حضرت عمران کی پرانی کتابوں کی باتیں سنا کرتے تھے۔ اسی طرح تفسیر بغوی جلد ششم صفحہ ۲۶ پر اور تفسیر خازن ششم صفحہ ۲۶ پر ہے۔ اَلْغُلَامُ الَّذِیْ اُمِرَ اِبْرَاهِیْمُ بِذَبْحِهٖ بَعْدَ اِتِّفَاقِ اَهْلِ الْکِتَابَیْنِ اَنَّهٗ اِسْحَاقُ فَقَالَ قَوْمٌ هُوَ اِسْحَاقُ ترجمہ۔ ذبیح کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہو گیا لیکن اہل کتاب سب اسحاق کے ذبیح ہونے پر متفق ہو گئے۔ ان یہود و نصاریٰ نے کہا کہ وہ (ذبیح) اسحاق ہیں تو مسلمانوں کی ایک قوم نے بھی کہنا شروع کر دیا وہ اسحاق ہیں اور اسی طرف کچھ صحابہ چل پڑے ثابت ہو گیا کہ یہ صحابہ کا پہلا نظریہ تھا بعد میں سب نے بدل لیا۔ مخالفین کی چوتھی دلیل۔ مخالفین کے پاس چونکہ کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے اس لیے بہت سی ایسی اختراعی باتیں بھی کرتے چلے جاتے ہیں جن کا جواب قطعاً ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کبھی کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق ہی پہلے بیٹے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قربانی تو منیٰ میں ہی ہوئی تھی مگر حضرت ابراہیم اسحٰق علیہم السلام کو معجزانہ طور پر دور فلسطین کے علاقے سے جس کا پیدل سفر مہینہ کی راہ تھا مگر ایک رات میں لے آئے اور شام کو واپس گھر بھی پہنچ گئے۔ جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ بات نبوت کے سامنے مشکل نہیں ہے مگر ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی فلسطین میں ہی قربان گاہ کیوں نہ بنائی گئی۔ رہا اسحٰق علیہ السلام کا پہلوٹا ہونا یا ان کو پہلوٹا کہنا۔ بالکل ہی عقل سے خالی ہونا ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں مخالفت کی پانچویں دلیل یہ عقیدہ سب مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسحاق۔ بلکہ محدث ہر قسم کی حدیث نقل کر دیتا ہے صرف اس نے حدیث کے درجے کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح مفسر کا کام اور ذمے داری بغیر اپنی ذاتی رائے کے آیات کے بارے میں ہر قسم کے اقوال درج کر دینا ہے۔ کیفیاتِ اقوال قابل۔ ناقابل کی چھانٹ فقیہ کا شغل ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محدث اور مفسر مثل۔ پنساری اور میڈیکل سٹور کے ہیں۔ ان کی ذمے داری ہر قسم کی دوائی جمع کرنا ہے اور فقہاءِ امت مثل حکیم طبیب اور ڈاکٹر کے ہیں کہ نسخہ تجویز کرنا ان کی ڈیوٹی ہے۔ عوام مثل مریض کے ہیں۔ انکا کام مفسرین۔ محدثین کے پاس خود جانا نہیں۔ عوام کا کام فقہاءِ کرام کے پاس جانا ہے۔ تفاسیر و احادیث میں غور کرنا فقہا کا کام ہے۔ مخالف کی چھٹی معتبر مضبوط دلیل۔ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ اور اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ۔ یہ دونوں روایتیں غلط ہیں۔ چنانچہ خصائصِ کبریٰ جلد اول صفحہ ۱۱۲ پر ہے۔ اَمَّا مَا رُوِیَ مِنْ قَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ فَهُوَ حَدِیْثٌ غَیْرُ صَحِیْحٍ۔ اور تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۳۳ پ ۲۳ پر ہے — وَالْخَبَرُ الَّذِیْ فِیْهِ یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ۔ غَرِیْبٌ وَفِیْ اِسْنَادِهٖ مَنْ لَا یُعْرَفُ حَالُهٗ —

ترجمہ۔ خصائص کبریٰ کا۔ لیکن وہ جو روایت کیا گیا ہے نبی کریم علیہ السلام کے قول سے کہ (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) تو وہ حدیث غلط ہے۔ ترجمہ تفسیر معانی کا اور وہ خبر جس میں ہے اے دو ذبیحوں کے بیٹے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہے جس کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ نیز آگے تفسیر معانی میں ہے۔ وَمَا شَاعَ مِنْ

خَبَرُ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ قَالَ الْعِرَاقِیْ لَمْ اَقِفْ عَلَیْہِ ۔ ترجمہ۔ اور وہ خبر جو شائع ہے (مشہور ہے) کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ عراقی نے کہا میں اس روایت پر واقف نہیں۔ ان اقوال سے ثابت ہوا کہ دونوں حدیثیں غلط ہیں اور احادیث سے کہیں ثابت نہیں اسماعیل ذبیح ہوں۔ جواب۔ مخالف معترض نے اپنی مطلب برآری کے لیے کچھ ترجمہ بھی غلط کیا اور اس کا مطلب بھی غلط نکالا۔ لیکن مدعا پھر بھی ثابت نہ ہوا۔ یہ حدیثیں نہ واقعتاً غلط ہیں نہ ان عبارات سے غلط ہونا ثابت نہ خصائص نے غلط کہا نہ تفسیر روح المعانی نے۔ صرف معترض کی عقل و شعور کا پھیر ہے۔ یہ عبارت خصائص کی اپنی نہیں بلکہ دکتور خلیل خلیل الھراس مدرس جامعہ ازھر کی ہے اور وہ بھی اس کو غلط نہیں کہتے ان کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے حدیث ہے جو صحیح (حدیث) کے علاوہ ہے۔ حدیثٌ موصوف ہے۔ غیر صحیح صفت ہے اور دونوں خبر ہیں مبتدا کی مخالف معترض کہتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں غلط ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں معترض کی یہ بات غلط ہے کیونکہ غلط روایت وہ ہوتی ہے جس کو مشہور محدثین۔ یا اسماءُ الرجال والے۔ موضوع کہیں یا ضعیف یا منکر مگر ان دونوں حدیثوں کو کسی بھی شخص نے نہ موضوع کہا نہ ضعیف نہ منکر۔ نہ اسناد پر عیب لگایا نہ کسی راوی کو غیر ثقہ کہا نہ متروک نہ منکر الحدیث۔ بخلاف ان روایتوں کے جن کو مخالف نے پیش کیا ان کی حالت ہم نے پہلے دلیل دوم کے جواب میں بتا دی۔ ہاں خصائص کے محشی کا غیر صحیح کہنا اس سے غلط ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصطلاحِ محدثین عظام میں لفظ صحیح لغوی نہیں یعنی درست غلط کے مقابل۔ بلکہ صحیح صفاتی نام ہے ایک حدیث کا۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث صفحہ ۲ پر ہے۔ فَصْلٌ۔ وَاَصْلُ اَقْسَامِ الْحَدِیْثِ ثَلٰثَۃٌ صَحِیْحٌ وَحَسَنٌ وَضَعِیْفٌ ترجمہ۔ حدیث کی اصولی بڑی قسمیں تین ہیں نمبر ۱ حدیث صحیح نمبر ۲ حدیث حسن نمبر ۳ حدیث ضعیف۔ تو خصائص کے محشی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اس کا معنیٰ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور تفسیر معانی کا لکھنا کہ یَا اِبْنَ الذَّبِیْحَیْنِ والی حدیث غریب ہے اس سے بھی غلط ہونا ثابت نہیں کیونکہ غریب صحیح حدیث کی ایک قسم کا نام ہے۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ ۳ پر ہے۔ اَلْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ اِنْ کَانَ رَاوِیْہِ وَاحِدًا یُسَمّٰی غَرِیْبًا ترجمہ۔ اگر صحیح حدیث کا راوی ایک ہو تو اس کا نام حدیث غریب ہے اور روح المعانی کی یہ عبارت کہ قَالَ الْعِرَاقِیْ لَمْ اَقِفْ عَلَیْہِ یعنی عراقی نے کہا میں اس حدیث غریب سے واقف نہیں۔ یہ عبارت بالکل باطل مجہول اور فضول ہے۔ نامعلوم عراقی کون اور لم اقف سے تو وہ اپنی بے علمی کا اقرار کر رہا ہے۔ معانی کی پہلی عبارت غَرِیْبٌ دال بھی مجہول ہے۔ کیونکہ غریب کہنے والے کا نام نہیں بتایا گیا بلکہ معانی نے چند سطور پہلے صرف اتنا لکھا کہ وَالذَّاھِبُوْنَ اِلٰی ھٰذَا الْقَوْلِ یَدَّعُوْنَ۔ ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو ذبیح اسحاق والے قول کی طرف گئے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ یہ عبارت بھی مجہول اور باطل۔ اس طرح خصائص کے محشی ڈاکٹر خلیل ھراس کی بات بھی قابل قبول نہیں۔ اس لیے کہ نہ وہ خود محدث ہیں نہ انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل پیش کی نہ آج دنیا بھر میں کوئی ایسا محدث ہو سکتا ہے جو احادیث کو نیا درجہ دے سکے

اگر کوئی شخص کسی بھی روایت کو اپنے پاس سے کوئی نام بلا سند دے گا تو کاذب ہوگا۔ یہ تمام کام محدثین کرام نے اپنے وقتوں میں پورا کر دیا۔ اب کسی کی گنجائش نہیں۔ جس طرح کہ فقہ کا پورا کام ائمہ اربعہ نے کر دیا اب کسی نئے فقہ کی اسلام میں حاجت نہیں۔ نہ کوئی اصولی مجتہد ہو سکتا ہے نہ فروعی۔ ہاں مجتہد تخریج۔ تصریح تصحیح تاقیامت ہو سکتے ہیں اس اجتہاد کا دروازہ بند نہیں مگر اجتہاد اصول و فروع کا دروازہ تاقیامت بند ہے خلاصہ یہ کہ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ روح المعانی کی بات غلط ہے اور صاحبِ تفسیر خود بھی اس کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی بات بھی بلا دلیل ہے اس لیے کہ ان روایتوں کے صحیح (درست) اور معتبر ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ علماء متقدمین اور متاخرین نے ان کو اپنی دلیل بنایا چنانچہ علامہ شامی بلاجرح اس کو دلیل بنا رہے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی دلیل نمبر ۹ میں حوالہ دیا۔ مشہور مورخ اعظم علامہ نور بخش توکلی صاحب نے بھی اس حدیث کو دلیل بنایا اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لقب ابن الذبیحین دنیاءِ عرب و عجم میں مشہور ہے۔ علما کا سند و دلیل بنانا۔ اور عالمگیر شہرت ہونا۔ حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ مستدرک حاکم کا عظیم اسناد اور سلسلۂ رُوات کے ساتھ اس حدیث کو نقل فرمانا بھی صحت کی دلیل ہے تفسیر معانی میں کوئی کہہ دے کہ میں ان راویوں کو نہیں پہچانتا تو یہ اس کی اپنی جہالت ہے۔ ورنہ امام حاکم جیسے وجیہہ محدث معتبر تو پہچانتے ہیں اور جمہور علماء اسلام کا کسی روایت سے استدلال کرنا بھی اس روایت کی صحت کی دلیل ہے جیسا کہ کتب اصول حدیث میں درج ہے (بحوالہ جاء الحق دوم) میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مخالف نے بڑا بھی زور لگایا تب بھی ان روایتوں کو صرف لفظاً نادرست کہا جا سکتا ہے یعنی یہ لفظ۔ اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ پاک نے ادا نہ فرمائے ہوں۔ لیکن معنیً (واقعتاً) تو پھر بھی صحیح رہے گی۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا تو ثابت کر دیا گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا متفق علیہ ہے اور حضرت عبد اللہ کا ذبیح ہونا بھی کتب سِیَر اور تاریخِ اسلام سے ثابت ہے۔ چنانچہ خصائص کبریٰ جلد اول ص۱۱۲ پر سیرت النبی کی تمام کتب میں باحوالہ حضرت عبد اللہ کو ذبح کرنے کی منت قرعہ اور چھری لے کر ذبح کرنے کے لیے چل پڑنا اور پھر کاہنوں نجومیوں کے کہنے پر حضرت عبد المطلب کا سو اونٹ فدیہ قرعہ نکالنا اور اللہ تعالیٰ کا حضرت عبد اللہ کو فدیہ دے کر بچا لینا۔ تاریخ کی مشہور کتاب استیعاب عبد البر اور تاریخ واقدی۔ طبری وغیرہ میں یہ واقعہ مفصل موجود ہے۔ مخالف کی ساتویں معترضانہ دلیل۔ حضرت عبد اللہ کے ذبح اور قرعہ نکلنے کا واقعہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مورخین کہتے ہیں کہ یہ منت کہ میں بیٹا ذبح کروں گا۔ زمزم کا کنواں کھودنے کے وقت مانی گئی اور عبد المطلب نے مانی۔ حالانکہ مورخین ہی کہتے ہیں کہ اس وقت عبد اللہ پیدا بھی نہ ہوئے تو قرعہ ان کے نام پر کس طرح نکلا۔ جواب۔ یہ دلیل و اعتراض معترض کی جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ منت ماننے کا وقت اور ہے۔ قرعہ نکالنے کا زمانہ اور۔ واقعہ اس طرح ہے کہ زمزم کھودنے کے وقت حضرت عبد المطلب نے معاونین کی قلت محسوس کر کے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں تو ان

میں سے ایک کو راہ خدا میں قربانی دوں گا۔ زمزم کا کنواں کھودتے وقت واقعی آپ کا ایک ہی بیٹا حارث تھا پھر جب منت پوری ہوئی اور آپ کے دس بیٹے پیدا ہوئے بڑھے جوان ہوئے تب آپ نے قرعہ ڈالا تو عبداللہ کے نام پر نکلا ان کو ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ تک لے جایا گیا۔ چھری تیز کرلی گئی۔ مگر رب نے فدیہ دے کر بچا لیا۔ آٹھویں دلیل۔ کبھی کہتے ہیں کہ اسحاق علیہ السلام کو شام میں ہی ذبح کا ارادہ کرلیا گیا اور فدیہ دنبہ بھی وہیں ذبح ہوا مگر ہوسکتا ہے کہ دنبہ کے سینگ اٹھا کر کعبے میں لٹکا دیئے گئے ہوں۔ لھذا سینگوں کا کعبہ میں لٹکنا۔ ذبح اسماعیل پر کوئی دلیل نہیں۔ جواب۔ کیسی لایعنی باتیں ہیں خیالی نظریات اور ہوائی گھوڑے ہیں۔ پھر ٹھوس ثبوت کوئی نہیں صرف ہوسکنے پر دین کی بنیاد ہے۔ ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے؟ اوّلاً تو اتنی دور سفر کرکے صرف سینگ لٹکانے کے لیے آنا کیا ضروری تھا۔ اگر سینگ لٹکانا ضروری تھا تو حضرت ابراہیم وہیں بیت المقدس میں لٹکا دیتے جو اس وقت ان کی اپنی عبادت گاہ کی صورت ایک چھوٹی مسجد تھی۔ مخالف کی نویں دلیل تفسیر روح المعانی ہشتم نے صـ۱۲۳ پر طبرانی کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ دراز سند کے ساتھ اس کے آخری لفظ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا فَرَّجَ عَنْ اِسْحٰقَ کُرْبَۃَ الذَّبْحِ قِیْلَ لَہٗ یَحْیٰ لَکَ تو جب اسحٰق سے ذبح کی تکلیف ہٹالی تو ان کو کہا گیا (الخ) اس فرمانِ رسول اللہ سے ثابت ہوا کہ اسحاق ہی ذبیح ہیں۔ جواب۔ جس طرح ہم نے مخالف کی پیش کردہ پہلی روایت اَلذَّبِیْحُ اِسْحٰقُ کو ثابت کر دیا کہ روایت ضعیف راوی متروک اور منکر الحدیث ہیں۔ اسی طرح اس روایت کے متعلق بھی خود تفسیر روح المعانی ہشتم صـ۱۲۳ پر فرماتے ہیں۔ وَتَعَقَّبَ ھٰذَا بِاَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ضَعِیْفٌ وَقَالَ اِبْنُ کَثِیْرٍ اَلْحَدِیْثُ غَرِیْبٌ۔ مُنْکَرٌ (الخ) ترجمہ اور محدثین نے اس حدیث کا پیچھا کیا تو اس کا راوی عبدالرحمٰن ضعیف ثابت ہوا اور ابن کثیر نے فرمایا یہ حدیث غریب بھی ہے (کہ اس کا ایک ہی راوی عبدالرحمٰن ہے) اور منکر بھی ہے (کہ تمام محدثین کے نزدیک ناقابل قبول اور چھوڑنے کے لائق ہے) آگے فرماتے ہیں کہ یہ بھی خدشہ ہے کہ اس میں ملاوٹیں اور ردوبدل بھی کیا گیا ہے۔ یہ حال ہے مخالفین کے دلائل کا لیکن ضد اتنی ہے کہ بس اَڑے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی سب کو سچی ہدایت دینے والا ہے۔ بہر کیف روز روشن کی طرح واضح اور ثابت ہوگیا کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبہ

فتوی نمبر۱ سجدۂ سہو کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نمازی اکیلا یا امام چار رکعات نماز فرض یا سنتِ موکدہ غیر موکدہ یا نفل کی نیت باندھتا ہے اور چوتھی پڑھ کر سجدے کرکے بجائے آخری التحیات میں بیٹھنے کے پانچویں رکعت کی طرف بھول کر سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے لیکن خود ہی یاد آگیا یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے فوراً ایک دم۔ بہت ہی

جلدی واپس آگیا۔ ایک سیکنڈ کا وقفہ بھی خرچ نہ ہوا تو کیا اس نمازی پر یا امام اور جماعت پر سجدۂ سہو واجب ہوگیا یا نہیں۔ اسی طرح اگر دو رکعت کوئی سی نماز تھی تو آخری تشہد بیٹھنے کے بجائے تیسری کی طرف کھڑا ہوگیا اور اسی طرح جلدی سے واپس آجانے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں۔ اگر سجدہ نہ کیا تو نماز مکمل ہو جائے گی یا نہیں۔

السائل۔ محمد بشیر۔ طالب حسین۔ لیاقت حسین۔ بریڈفورڈ نمبر ۸

اراکین جمعیت تبلیغ الاسلام مرکزی، ساؤتھ فیلڈ سکویر۔

بِعَونِ العَلّامِ الوَھّاب

الجواب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَرَؤُفٍ رَّحِیْمٍ۔ اَمَّا بَعْدُ! قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق صورتِ مسئولہ میں مذکورہ کیفیت کی ادا میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ بغیر سجدہ نماز کا سلام پھیر دینے سے نماز مکمل ہو جائے گی اور شرعًا درست ہوگی۔ اس لیے کہ دینِ اسلام کی یہ عظیم خوبی ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے کام تک اسلام کے تمام اعمال اور قوانین انتہائی بہترین اصول اور ضابطوں کے تحت ہیں۔ یہ ہی عبادت کی شان ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان کا ہر دینی دنیوی کام عبادت بن جاتا ہے۔ جبکہ بے اصول بے قاعدہ فعل و قول دنیا داری کہلاتا ہے اسی کے تحت سجدہ سہو کے قانون میں فقہاء کرام نے سجدہ سہو کے لیے قواعد کلیہ وضع فرما دیئے ہیں۔ جو احادیث و قرآن کی روشنی کے تحت ہیں۔ احادیث میں تو سجدہ سہو کا صراحتًا ذکر ہے مگر قرآن مجید میں کنایۃً اس کا ذکر ملتا ہے۔ سجدہ سہو دراصل نماز کی بھول چوک والی لغزش اور خطا کے بدلے میں ہے۔ یعنی وہ کمی اور نقص جو اس غلطی کی بنا پر نماز میں ہوگیا تھا۔ یہ سجدۂ سہو اس کمی کو پورا کرکے نماز کو سرے سے مکمل کر دے۔ تو جب لغزش مکمل ہوگی تب سجدہ واجب ہوگا جبتک لغزش مکمل نہیں سجدہ بھی واجب نہیں۔ فقہاء نے لغزش کی تکمیل یعنی کسی واجب یا فرض کی ادائگی میں دیر لگایا اور دیر کی مدت ایک ادا بر رکن رکھی گئی ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور اردو کتاب بہار شریعت حصہ چہارم ص۵۲ پر ہے۔ مسئلہ: قراءت وغیرہ کسی موقعہ پر سوچنے لگا کہ بقدر ایک رکن یعنی تین بار سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے کے وقفہ ہوا سجدۂ سہو واجب ہے ردّ المحتار۔ صاحب بہار شریعت علیہ الرحمہ نے فتاوٰی ردّ المحتار کے حوالے سے اپنی اس عبارت میں دو باتیں ثابت فرمائیں۔ ایک یہ کہ نمازی یا امام۔ بحالتِ نماز تلاوت یا کسی اور جگہ سوچنے سے تاخیر کرتا ہے وغیرہ فرمانے کا مطلب یہی ہے تو تھوڑی دیر ہو جانے سے سجدہ واجب نہ ہوگا بلکہ بقدر رکن دیر لگے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ دوم یہ کہ کم از کم نماز کا ایک رکن (اندرونی فرض) تین تسبیح کے برابر ہوتا ہے۔ ایک تسبیح ایک بار سبحان اللہ کہنا ہے اور تین تسبیح تین بار سبحان اللہ کہنا ہے۔ اسی طرح ص۵۳ پر ہے۔ مسئلہ تشہد کے بعد یہ شک ہوا کہ تین ہوئیں یا چار اور ایک رکن کی قدر خاموش رہا اور سوچتا رہا پھر یقین ہوا کہ چار ہوگئیں تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (الخ) اس عبارت کو صاحبِ بہار شریعت نے

فتاوٰی عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اگر رکن سے کم کی تاخیر ہوئی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

سوال مذکورہ میں نمازی جب پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہوا تو تشہد اخیر جو فرض تھا اس میں تاخیر ہوئی مگر فوراً جلدی واپس لوٹ آنے سے حد شرعی کی پوری ایک رکن کے برابر تاخیر نہ ہوئی بلکہ ایک تسبیح یا دو تسبیح کے برابر دیر ہوئی اس لیے سجدۂ سہو واجب نہ ہوا۔ عند الفقہاء یہ سیدھا کھڑا ہونا بقدر ایک تسبیح یا دو۔ قیام نماز نہیں بنا۔ یہی حکم اس نمازی کا ہے جو بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے کہ پانچویں۔ یا تیسری کے ہاتھ باندھتے ہی کھول دئے اور تشہد کی صورت میں رکھ لیے سجدہ نہ پڑا لیکن بقدر ایک رکن بندھے رہے پھر کھولے سجدہ واجب ہوگیا۔ اسی طرح۔ فقہ اسلامی کی مشہور درس کی کتاب شرح وقایہ جلد اول ص۲۱۱ پر ہے۔ وَقِیْلَ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ سُجُوْدُ السَّھْوِ بِقَوْلِہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَنَحْوِہٖ وَاِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ مِقْدَارُ مَا اُدِّیَ فِیْہِ رُکْنٌ۔ ترجمہ۔ پہلی التحیات

میں نمازی کا بھول کر درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک پڑھ جانے سے یا اس کی شکل کسی اور جگہ اتنی مقدار دیر لگانے سے نمازی پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شریعت میں سجدے کے وجوب کے لیے اتنی مقدار دیر کرنا ہے جتنی مقدار میں ایک رکن ادا کیا جاسکے اور حاشیہ عمدۃ الرعایہ جلد اول ص۲۱۱ پر ہے۔ وَصَحَّحَہٗ الزَّیْلَعِیُّ فِیْ شَرْحِ الْکَنْزِ وَاخْتَارَہٗ فِی الْبَحْرِ تَبَعًا لِصَاحِبِ الْخُلَاصَۃِ وَالْخَانِیَۃِ وَالظَّاھِرُ اَنَّہٗ لَا یُنَافِی الْقَوْلَ بِوُجُوْبِہٖ بِالتَّاخِیْرِ قَدْرَ اَدَاءِ رُکْنٍ کَمَا اَخْتَارَہٗ الْغَزِّیُّ فِیْ تَنْوِیْرِ الْاَبْصَارِ وَقِیْلَ لَا یَجِبُ مَا لَمْ یَقُلْ۔ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ قَالَ الْحَلَبِیُّ فِیْ شَرْحِ مُنْیَۃِ الْمُصَلِّیْ۔ ھُوَ الْاَصَحُّ وَھُوَ قَوْلُ الْاَکْثَرِ . . . . ترجمہ۔ اور صحیح فرمایا امام زیلعی نے اس مسئلہ اور اس قانون کو شرح کنز میں اور فتاوٰی بحر الرائق میں بھی اسی ضابطہ کو اختیار فرمایا اتباع کرتے ہوئے صاحب فتاوٰی خلاصہ کی اور فتاوٰی قاضی خان کی اور ظاہر بھی بے شک یہ ہی ہے کہ یہ قانونی ضابطہ سجدہ سہو کے واجب ہونے کے منافی (خلاف) نہیں ہے۔ ایک رکن کے برابر دیر کرنے سے جیسے کہ اس قانون کو امام غزی نے فتاوٰی تنویر الابصار میں اختیار کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سجدۂ سہو اس وقت تک واجب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ درود شریف وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تک نہ پڑھا ہو امام حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں فرمایا کہ یہ صحیح اور زیادہ احتیاط والا ہے اور وہی قول اکثر فقہاء کرام کا ہے۔

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ سجدۂ سہو کے ادا کرنے میں جتنی بھی احتیاط ہو زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال رکن کی مقدار ہی تمام متقدمین و متاخرین کے نزدیک وجوب سجدہ کے لیے قانون ہے۔ جس کے لیے کچھ علما نے صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک اندازہ لگایا اور کچھ علما نے۔ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تک زیادہ احتیاط کا اندازہ لگایا اکثر علماء نے تین بار

سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنے سے ایک رکن کی کم از کم مقدار بتائی چنانچہ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۲۵۰ پر ہے۔ وَعَلٰی قِیَاسِ مَا مَا تَقَدَّمَ اَنْ یُّعْتَبَرَ الرُّکْنُ مَعَ سُنَّتِہٖ وَھُوَ مُقَدَّرٌ بِثَلَاثِ تَسْبِیْحَاتٍ۔ ترجمہ اور اس قانون کے مطابق جو پہلے گزر گیا یہ ہے کہ اعتبار کیا جائے ایک رکن کا اس کے ادا کے طریقے کے ساتھ اور وہ اندازہ لگایا ہوا ہے تین تسبیحوں کے برابر۔ (تین بار سبحان اللہ کہنا تین تسبیح ہیں) یعنی سیدھا کھڑا ہو جانا رکن نہیں اسی طرح رکوع میں جھکنا سجدے میں پڑ جانا رکن نہیں بلکہ سنت رکن ہے یعنی ادا اور طریقہ رکن ہے۔ جب اندازے کے بقدر تین تسبیح کھڑا یا جھکا یا پڑا اسی طرح قعدے میں بیٹھا رہے گا، تب ایک رکن بنا۔ یہ کم سے کم رکن ہے۔ لمبائی کی حد نہیں خواہ سارا قرآن مجید تلاوت کر ڈالے۔ لیکن اگر ایک سیکنڈ میں اس رکن کو چھوڑ دیتا ہے تو گویا رکن بننے سے پہلے چھوڑ دیا تو وہ معافی ہے سجدہ سہو نہیں ہے گا چنانچہ مراقی الفلاح صفحہ ۲۵۰ پر ہے۔ (وَ اِنْ) اَیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ تَفَکُّرُہٗ قَدْرَ اَدَاءِ رُکْنٍ لَا یَسْجُدُ لِکَوْنِہٖ عَفْوًا ترجمہ ورنہ یعنی اگر اس کے سوچ کی دیری ادائے رکن کے برابر نہ ہو تو معافی ہے۔ فقہ اسلامی کی مشہور درسی کتاب جس پر بڑے بڑے فتاوی نے اعتماد کیا۔ قدوری شریف کے صفحہ ۲۲ پر ہے۔ وَاِنْ سَہَا عَنِ الْقَعْدَۃِ فَقَامَ اِلَی الْخَامِسَۃِ رَجَعَ اِلَی الْقَعْدَۃِ مَا لَمْ یَسْجُدْ وَاَلْغَی الْخَامِسَۃَ وَسَجَدَ لِلسَّھْوِ (الخ) اور اس کی شرح بین السطور میں ہے۔ لِاَنَّہٗ اَخَّرَ وَاجِبًا۔ ترجمہ۔ اگر کوئی شخص آخری التحیات بھول کر پانچویں رکعت کی طرف اٹھ کھڑا ہوا تو سجدہ کرنے سے پہلے واپس التحیات میں لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ اس لیے سجدہ کرے کہ اس نے واجب میں دیر لگا دی اور پانچویں لغو ہو گئی۔ مقصد ہے کہ دیر لگانے کی وجہ سے سجدہ واجب ہو گا اور دیر کی حد ہم نے۔ شرح وقایہ۔ شرح کنز۔ بحر الرائق۔ فتاوی خلاصہ۔ فتاوی قاضی خان۔ فتاوی تنویر الابصار۔ فتاوی حلبی۔ بہار شریعت۔ حاشیہ عمدۃ الرعایہ سے ثابت کر دی کہ تاخیر بقدر ادائے رکن ہونا شرط ہے۔ اس سے پہلے لوٹ آنا دیر ہی نہ بنے گی۔ خیال رہے کہ جس طرح علماء حدیث اور محدثین اسلام کے نزدیک صحاح ستہ علم الحدیث میں معتبر ہے۔ یعنی احادیث کی چھ کتابیں نمبر۱ بخاری شریف نمبر۲ مسلم نمبر۳ ترمذی نمبر۴ ابوداؤد نمبر۵ نسائی نمبر۶ ابن ماجہ اور جس طرح تفاسیر ستہ نمبر۱ روح المعانی نمبر۲ روح البیان نمبر۳ تفسیر کبیر نمبر۴ تفسیر خازن نمبر۵ تفسیر طبری نمبر۶ ابن کثیر۔ معتبر اور قابل سند ہیں باقی دیگر تفاسیر ان کی تائید میں معتبر ہوتی ہیں نہ کہ تقابل میں۔ اسی طرح علماء اسلام کے نزدیک فتاوی ستہ انتہائی معتبر اور قابل سند تسلیم کیے گئے ہیں۔ نمبر۱ فتاوی بحر الرائق نمبر۲ فتاوی فتح القدیر نمبر۳ فتاوی شامی نمبر۴ فتاوی عالمگیری نمبر۵ فتاوی قاضی خان نمبر۶ فتاوی بزازیہ۔ اہل عرب اور ہزار سالہ مغلیہ دور میں اسلامی شرعی عدالتوں کے فیصلے انہی فتووں سے ماخوذ ہوتے تھے آج بھی مفتی اسلام بننے کے لیے یہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔ جو دو سالہ مدت ہے (جبکہ مفتی اعظم بننے کے لیے تین سالہ مدت میں اس نصاب کے ساتھ ائمہ اربعہ کا پورا نصاب جو چوبیس کتب ضخیم پر مشتمل ہے پڑھنا پڑتا ہے) ان فتاوی ستہ میں سجدہ سہو کے متعلق یہ ہی قانون واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ فتاوی شامی رد المحتار جلد دوم صفحہ ۱۰۸ پر ہے۔

وَتَاخِیْرُ قِیَامٍ اِلَی الثَّالِثَۃِ بِزِیَادَۃٍ عَلَی التَّشَھُّدِ بِقَدْرِ رُکْنٍ۔ قَوْلُہٗ وَتَاخِیْرُ قِیَامٍ (الخ)۔ اَشَارَ اِلٰی اَنَّ وُجُوْبَ السُّجُوْدِ لَیْسَ لِخُصُوْصِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلْ لِتَرْکِ الْوَاجِبِ۔ (الخ) . . . . ترجمہ۔ اور تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر کرنے سے بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے جبکہ تشہد کے بعد ادائے رکن کی دیر برابر درود شریف پڑھا گیا صاحب تنویر الابصار کا تاخیر قیام ذکر فرمانا۔ اشارہ کرتا ہے۔ اس بات کی طرف کہ سجدے کا واجب ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کی بنا پر نہیں بلکہ ترکِ واجب کی وجہ سے ہے۔ یعنی قیام میں تاخیر کرنا۔ کیونکہ قیام خود تو فرض ہے مگر اس کا وقت پر کرنا بعد تَشَھُّدِ اُوْلٰی فَوْرًا ....) واجب ہے جس میں درود شریف ابراہیمی کی وجہ سے بقدر رکن دیر لگی۔ اس لیے سجدۂ سہو واجب ہوا۔ اگر کسی نے بالکل تھوڑا درود شریف پڑھا یا سارا درود شریف اتنی تیز پڑھا کہ تین بار سُبْحَانَ اللّٰہ۔ جتنا وقت خرچ نہ ہوا۔ پھر وہ کھڑا ہوا تیسری رکعت کی طرف تو سجدہ نہ پڑے گا۔ اسی فتاوٰی شامی کے ص۵۱۰ پر ہے۔ قُلْتُ وَالْحَاصِلُ اُخْتُلِفَ فِی التَّفَکُّرِ الْمُوْجِبِ لِلسَّھْوِ فَقِیْلَ مَا لَزِمَ مِنْہُ تَاخِیْرُ الْوَاجِبِ اَوِ الرُّکْنِ عَنْ مَحَلِّہٖ بِاَنْ قَطَعَ الْاِشْتِغَالَ بِالرُّکْنِ اَوِ الْوَاجِبِ قَدْرَ اَدَاءِ رُکْنٍ وَھُوَ الْاَصَحُّ ۔ ترجمہ۔ میں کہتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اختلاف کیا گیا ہے اس سوچ میں جو سجدہ سہو کو واجب کرتی ہے۔ تو کہا گیا کہ وہ کام لازم ہو جس سے واجب یا فرض کی تاخیر (دیری) اپنی جگہ سے اس طرح سے کہ منقطع ہو جائے اس فرض یا واجب میں مشغول ہونا۔ ایک رکن کی ادا کے برابر اور یہی مسلک و مذہب زیادہ صحیح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نمازی کسی فرض یا واجب کو چھوڑ کر دوسرے کام میں اتنی دیر مشغول رہنا جتنی دیر میں ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ بآسانی کہہ لیا جاتا ہے۔ تب سجدہ سہو لازم آئے گا۔

لھٰذا سوال مذکورہ میں نمازی آخری قعدہ جو فرض ہے اس کو چھوڑ کر پانچویں میں مشغول ہوا۔ مگر فوراً واپس۔ بقدر تین تسبیح نہ کھڑا رہا اور ادائے رکن کے برابر دیر نہ لگی۔ پس سجدہ سہو بھی واجب نہ ہوا۔ ہاں اگر دیر تک کھڑا رہتا تب سجدہ واجب ہوتا۔ اسی طرح فتاوٰی عالمگیری جلد اول ص۱۲۱ پر ہے۔ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ تَفَکُّرُہٗ شَغَلَہٗ عَنْ اَدَاءِ رُکْنٍ بِاَنْ یُصَلِّیَ وَیَتَفَکَّرُ ترجمہ۔ اگر نمازی کی سوچ اور دیری ادائے رکن کے برابر نہ ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ پانچویں رکعت میں بقدر رکوع کھڑا نہ ہو تو سجدہ نہیں ہے۔ مُنْیَۃُ الْمُصَلِّی ص۲۹۰ پر ہے وَلَوْ قَامَ اِلَی الْخَامِسَۃِ اَوْ قَعَدَ فِی الثَّالِثَۃِ یَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْقِیَامِ وَالْقُعُوْدِ ۔

ترجمہ۔ اور اگر کھڑا ہو گیا نمازی پانچویں کی طرف یا بیٹھ گیا۔ تیسری پڑھ کر تو سجدہ واجب ہو گیا۔ خالی قیام کر لینے سے اور قعدہ کرنے سے۔ اس عبارت سے کسی کو اس چیز کا دھوکہ نہیں لگنا چاہیئے کہ سیدھا ہو جانا ہی وجوب سجدہ کے لیے کافی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ عربی لغت اور ضوابط فقہا کے تحت یہاں تین چیزیں ارشاد ہوئیں نمبر ا مجرد۔

اس کا معنیٰ ہے۔ خالی یعنی قرأت سے یا رکوع سجدے سے خالی نمبر۲ قیام۔ یہاں قیام سے قیام نماز اور قیام شرعی مراد ہے نہ کہ محض لغوی معنیٰ۔ نمبر۳ اسی طرح قعود بھی رکنِ نماز کا نام ہے۔ ہر نماز میں چار عضو ہوتے ہیں جن سے نماز کا جسم (ڈھانچا) بنتا ہے۔ ان اعضاء کو شرعی اصطلاح میں رکن نماز کہا جاتا ہے۔ رکن کا لفظی ترجمہ ہے عضو اسی لیے انہی کے افراد کو رکن اور ارکین کہا جاتا ہے۔ بہر حال نماز کے چار رکن ہیں نمبر۱ قیام نمبر۲ رکوع نمبر۳ سجدہ نمبر۴ قعدہ اور ان تمام کی کم از کم مدت تین بار سبحان اللہ کہنے کی برابری ہے۔ لھٰذا نماز کا قیام ہے نہ کہ وغیرہ یعنی قیام کہا ہی اس کو جائے گا جو اتنی دیر کا ہو اس سے قبل ختم کر دینا نہ قیام ہے نہ رکوع نہ سجدہ نہ قعدہ۔ تو اب سمجھ لیجئے کہ منیۃ المصلی نے فرمایا کہ پانچویں رکعت کا جب قیام بن جائیگا خواہ تلاوت کی ہو یا نہ صرف اتنی دیر تک کھڑے رہنے سے یا اتنی دیر بیٹھنے سے جس سے یہ کھڑا ہونا یا بیٹھنا قیام و قعود بن جائے تو سجدہ استقام کہتے ہیں۔

چنانچہ شرح معانی الاثار طحاوی شریف جلد اول ص۲۰۴ پر ہے عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ (1) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَتَمَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَإِنْ لَّمْ يَسْتَتِمَّ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ (الخ) ثُمَّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَوٰى قَائِمًا مِنْ جُلُوْسِهٖ فَمَضٰى فِيْ صَلٰوتِهٖ۔

ترجمہ۔ روایت ہے مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پورا سیدھا کھڑا ہو جائے تم میں سے کوئی تو اس کو چاہیئے کہ واپس نہ لوٹے بلکہ نماز کی یہ رکعت پڑھے اور پوری نماز کر کے سہو کے دو سجدے کرے اور اگر پورا سیدھا کھڑا نہ ہوا ہے تو اس کو لازم ہے کہ بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو نہیں ہے اس پر (الخ) پھر فرمایا کہ ایک دفعہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو آپ اپنے بیٹھنے کی بجائے سیدھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے اپنی نماز پوری کی واپس نہ لوٹے اور آخر میں سجدے فرمائے۔ یہ واقعہ پہلی التحیات کا ہے۔ کھڑا ہونا تیسری رکعت کی طرف ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی سجدہ واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ واپس تو لوٹ نہیں سکتا۔ اگر لوٹے گا تو نماز فاسد ہو گی لھٰذا یہاں بقدر رکن کی قید بے کار ہے اور فقط کھڑا ہو جانا، واپس نہ لوٹنے کی حد ہے اور نہ لوٹنے میں سیدھا ہونے کی شرط ہے ترکِ وجوب سجدے میں سجدہ تو بھی واجب نہیں ہوتا گویا کہ درمیانی قعدہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہونے اور آخری قعدہ چھوڑ کر سیدھا کھڑے ہونے میں فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نماز کی تین حالتیں تو وہ ہیں جن میں غلطی والا عمل چھوڑ کر واپس صحیح کی طرف آنا ضروری ہے اور دو حالتیں وہ ہیں جن میں واپس صحیح کی طرف ہرگز نہیں پلٹ سکتا۔ دوسری حالتیں یہ ہیں نمبر۱ کوئی شخص دعاء قنوت وتر کی چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا۔ واپس نہیں آسکتا نمبر۲ کوئی نمازی منفرد یا امام درمیانی قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا واپس نہیں آسکتا خواہ نماز چار فرض یا سنت موکدہ۔ غیر موکدہ یا نفل ہوں خواہ نماز تین فرض یا وتر ہوں۔ ان صورتوں میں چونکہ واپس صحیح رکن میں تو آسکتا نہیں لھٰذا کھڑے ہوتے ہی سجدہ واجب ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ابھی طحاوی شریف کا حوالہ دیا گیا۔ نیز فتاویٰ قاضی خان جلد اول صفحہ ۱۲۰ پر ہے۔ مِنْهَا۔ اِذَا قَعَدَ فِيْمَا يُقَامُ فِيْهِ۔ اَوْ قَامَ فِيْمَا يَجْلِسُ فِيْهِ وَهُوَ اِمَامٌ اَوْ مُنْفَرِدٌ اَرَادَ بِالْقِيَامِ اِذَا اسْتَتَمَّ قَائِمًا اَوْ كَانَ اِلَى الْقِيَامِ اَقْرَبَ فَاِنَّهٗ لَا يَعُوْدُ اِلَى الْقَعْدَةِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ قَعَدَ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ۔

یہاں قاضی خان نے دو علیحدہ مسئلے بیان کیے۔ پہلا اِذَا قَعَدَ جس میں ضرور لوٹنا لازم ہے اور دوسرا مسئلہ۔ اَوْ قَامَ جس میں لوٹنا منع ہے۔ پورا ترجمہ اس طرح ہے کہ وجوب سجدہ کے ضابطوں سے متعلق چیزوں میں سے ایک قانون یہ ہے کہ جب نمازی کھڑا ہونے کی بجائے بھول کر بیٹھ گیا مثلاً تیسری پڑھ کر چوتھی کے لیے کھڑا ہونا تھا مگر اسی کو چوتھی سمجھ کر بیٹھ گیا یا وہ بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہو گیا اور وہ امام ہے یا کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تو اب نہ لوٹے قعدہ کی طرف بلکہ نماز پوری کر کے سجدہ کرے اور اگر اس طرح نہیں ہے۔ یعنی نہ سیدھا ہوا نہ قریب سیدھا تو قعدہ میں بیٹھ کر نماز صحیح کرے اور اس پر سجدہ واجب نہیں ہے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ جن میں سیدھا ہو کر لوٹنا منع ہے۔ ان میں سیدھا ہوتے ہی وجوب سجدہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹھنا گناہ ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ لوٹنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ وہ حالتیں جن میں لوٹ آنا اشد ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں۔ نمبر۱ نمازی اکیلا یا امام۔ بھول کر سورت ملانا چھوڑ گیا اور رکوع میں چلا گیا۔ فرض کی پہلی یا دوسری رکعت میں۔ سنن ونوافل کی ہر رکعت میں تو فوراً لوٹ آئے سورت پڑھے پھر رکوع کرے کیونکہ یہ فرض تلاوت کا حصہ ہے پھر اگر رکوع میں بقدر رکن دیر لگی تھی تب سجدہ واجب ہے ورنہ نہیں نمبر۲ مغرب یا وتر کی تیسری پڑھ کر چوتھی کی طرف کھڑا ہو گیا تھا جب یاد آئے فوراً واپس التحیات میں لوٹے۔ اگر بقدر ادائے رکن یعنی تین تسبیح دیر لگی تھی تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر جلدی لوٹ آیا تو سجدہ واجب نہیں نمبر۳۔ اگر فرض چار رکعت یا سنت مؤکدہ چار رکعت کی آخری قعدہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا بھول کر۔ یاد آنے پر فوراً لوٹ آئے۔ اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر دیر لگی تو اس کا کھڑا ہونا قیام نماز بن گیا اور سجدہ واجب ہو گیا۔ اگر ایک سیکنڈ میں واپس صحیح جگہ قعدے میں لوٹ آیا تو سجدہ سہو نہ پڑے گا۔ کیونکہ یہ استواء (سیدھا ہونا) قیام ہی نہ بنا۔ پہلی صورت سوال میں مذکور ہے۔ لھٰذا دلائل کثیرہ سے ثابت ہو گیا کہ پانچویں رکعت میں بھول کر کھڑے ہونے کے بعد فوراً لوٹ آنے سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ خیال رہے کہ سجدۂ سہو صرف بھول کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ جان کر نماز میں واجبی غلطی کرنا۔ نماز کو واجب الاعادہ بنا دیتا ہے اور سخت گناہ گار بھی۔ نیز ترکِ فرائض فسادِ نماز ہے۔ ترکِ سنن۔ باعثِ گناہ ہے مگر نماز ٹھیک رہے گی۔ ترکِ واجبات۔ باعثِ سجدہ سہو ہے۔ ترکِ سجدہ سہو سے نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ سجدہ سہو صرف چھ غلطیوں سے واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے جلد اول صفحہ ۱۲۶ پر وَلَا يَجِبُ السُّجُوْدُ اِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ اَوْ تَاخِيْرِهٖ اَوْ تَاخِيْرِ رُكْنٍ اَوْ تَقْدِيْمِهٖ اَوْ تَكْرَارِهٖ اَوْ تَغْيِيْرِ وَاجِبٍ بِاَنْ يَّجْهَرَ فِيْمَا يُخَافَتُ وَفِي الْحَقِيْقَةِ وُجُوْبُهٗ بِشَيْءٍ وَّاحِدٍ وَهُوَ تَرْكُ الْوَاجِبِ كَذَا فِي الْكَافِيْ ترجمہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے چھ غلطیوں سے۔ ا واجب کے چھوڑنے نمبر۲ یا دیر لگانے میں نمبر۳ یا فرض کے دیر لگانے سے

نمبر یا فرض کے آگے پیچھے کرنے سے نمبر۵ یا فرض یا واجب کی تکرار (بار بار) کرنے سے نمبر۶ یا واجب کو تبدیل کرنے سے اس طرح کی تحریری میں خفا کیا اور خفا میں جہر مگر حقیقت میں وجوب سجدہ ایک ہی چیز سے ہوتا ہے وہ ہے ترک واجب ایسے ہی فتاوٰی کافی میں ہے لغزش زیادہ کی ہو جیسے تکرار واجب یا کمی کی جیسے ترک قعدہ اولیٰ وغیرہ سلام کے بعد ہی سجدہ کیا جائے گا۔ یہ امام اعظم کا مسلک مذہب ہے۔ امام شافعی اول سلام سے کرتے ہیں اور امام مالک زیادتی والی بھول میں اول سلام اور کمی والی بھول میں بعد سلام کہتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک محفل میں امام یوسف اور امام مالک کا اس مسئلہ پر مناظرہ ہوا تو امام مالک اپنے مسلک پر دلیل نہ دے سکے (بحوالہ عمدۃ الرعایہ ص۲۲) اگر کوئی مسبوق (بعد میں ملنے والا مقتدی) ایام تشریق میں بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے اور تکبیر پڑھنے لگے تو اگر فوراً یاد آگیا اور رخ قبلہ بھی نہ پھیرا تھا کوئی دنیوی بات یا نماز کے خلاف یا علاوہ کوئی ذکر الٰہی بھی نہ کیا تھا اور بہت جلدی نماز میں کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا اور نماز درست ہو گی نئے سرے سے نہ پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر صرف تکبیر تشریق ہی پڑھی اور اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین تسبیح کی ادا ہو جاتی ہے تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔ چنانچہ تعلیق المجلی حاشیہ منیۃ المصلی لِإمام وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص۲۶ پر ہے۔ قَوْلُهٗ فَعَلَيْهِ السَّهْوُ اَیْ سُجُوْدُ السَّهْوِ بَعْدَ مَا قَضٰی مَافَاتَهٗ لِاشْتِغَالِهٖ عَنْ اَدَاءِ الصَّلٰوةِ بِمَا لَيْسَ مِنْ اَعْمَالِهَا مِقْدَارَ مَا يُؤَدِّیْ فِيْهِ رُكْنٌ وَلَا تَفْسُدُ صَلَاتُهٗ لِاَنَّ التَّكْبِيْرَ ثَنَاءٌ بِصِيْغَةِ جِنْسِهٖ مَشْرُوْعٌ فِی الصَّلٰوةِ قَالَهٗ فِی الْحِلْيَةِ۔

ترجمہ: مصنف کا فرمان کہ اس پر سہو واجب ہے۔ اس کا معنی ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے اس کے بعد جبکہ وہ رہ گئی ہوئی نماز پوری ادا کر لے۔ یہ سجدے کا واجب ہونا اس لیے ہے کہ وہ نمازی مسبوق مقتدی اپنی کچھ نماز کے ادا کرنے کو بھول کر اس کام میں مشغول ہو گیا جو اس نماز کے کاموں میں سے نہ تھا اور اتنی دیر مشغول رہا جتنی دیر میں ایک رکن یعنی تین تسبیح ادا کی جا سکتی ہیں اور نماز ٹوٹے گی اس لیے نہیں کہ یہ سلام تو بھول کر ہوا اور تکبیر تشریق بھول کر بھی ہے اور ثنائے رب تعالیٰ بھی ہے جو نماز ہی کے کاموں اور صیغوں میں سے ہے نماز میں جائز ہے۔ فتاوٰی حلیہ میں بھی یہی مسئلہ درج ہے۔ اس آخری عبارت نے مزید وضاحت فرما دی کہ جو کام عملی طور پر نماز میں جائز ہوتا ہو وہ اگرچہ اس نماز میں سے نہ ہو زائد بھول کر ہو۔ مگر اس سے نماز ٹوٹے گی نہیں اور جلدی لوٹ آنے میں سجدہ سہو بھی واجب نہ ہو گا۔ دیکھو نمازی کا سلام پھیرنا اور تکبیر تشریق پڑھنے لگ جانا۔ بظاہر اس سے نماز ٹوٹ جانی چاہیے تھی مگر چونکہ تکبیر نماز ہی کی چیز ہے نماز کے اندر پڑھی جاتی ہے اس لیے نماز نہیں ٹوٹی۔ لیکن چونکہ اس نماز کے اعمال میں سے نہیں تھی اس لیے اس پر سجدہ واجب ہو گیا۔ مگر فوراً نہیں ہوا بلکہ مقدار ادا رکن ہوا۔ بالکل ایسے ہی پانچویں رکعت نماز کی جنس سے تو ہے مگر اس نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر تشریق کے مقابل یہ رکعت زیادہ نماز کے قریب ہے۔ اس لیے اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا جب تک کہ ایک رکن کی زیادتی نہ بنے۔ پس سجدۂ سہو کے متعلق فقہ اسلامی کا ضابطہ (قاعدہ کلیہ) یہ ہوا کہ ہر وہ کام جو نماز کی جنس

سے ہو مگر اس نماز کا نہ ہو اس میں مشغول ہوا تو فوراً سجدہ سہو نہ پڑے گا۔ تین بار سبحان اللہ جتنی تاخیر کی شرط ہے اور جو کام اسی نماز کی اعمال سے ہے مگر بھول کر پہلے کیا یا بعد۔ اپنی جگہ سے ہٹا کر ادا کیا جائے تو فوراً سجدہ لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوٹ نہیں سکتا جبکہ پہلی صورت میں فوراً لوٹنا ضروری ہے۔ اس لیے ظہر عصر عشا میں پانچویں اور فجر میں تیسری۔ اور مغرب، وتر میں چوتھی رکعت نماز کے کاموں میں سے نہیں۔ اس لیے فوراً چھوڑ کر واپس التحیات میں آجاؤ۔ سجدۂ سہو کوئی نہیں۔ ہاں دیر لگی تو سجدہ واجب ہوگا۔ دیگر ائمہ عظام کے نزدیک بھی وجوب سجدہ کے لیے یہی قانون ہے۔ چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تصنیف فقہ شافعی کی مشہور و معتبر کتاب الام جلد اول صفحہ ۱۲۸ پر ہے۔ فَمِنْهَا صِنْ بَابِ الْقِيَامِ مِنَ الْجُلُوْسِ نَصٌّ عَلَى اَنَّهٗ لَا يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ الْهَيْئَاتِ ۔ ترجمہ پس سجدے کے قوانین سے یہ بھی ہے بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہونے کے باب میں دلیل یعنی قاعدہ کلیہ اس بنا پر ہے کہ بے شک وہ نمازی فقط ہیئات (شکل وحالت) تبدیل ہونے سے سجدہ نہ کرے۔ ثابت ہوا کہ تشہد چھوڑ کر کھڑا ہو جانا فقط ھیئات تبدیل کرنا اور چھوڑنا ہے۔ ابھی قیام نہیں بنا قیام تو اتنی دیر بعد بنے گا جتنی دیر میں تسبیح ہوں گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ سجدہ سہو واجب نہ تھا اور مسئلہ کی ناواقفی کی بنا پر یا جانتے بوجھتے سجدہ سہو کیا تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے پاس سے ایک زائد کام نماز میں شامل اور ضروری سمجھا یہ شریعت کی توہین ہے اسی طرح ہر وہ کام جو احادیث و قرآن اور فقہ کے خلاف ہو۔ خواہ کتنا ہی اچھا نظر آئے وہ گناہ عظیم ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔

کتبـــہ

اقتدار احمد خان۔ (یوسف زئی پٹھان)۔ قادری رضوی۔ نعیمی بدایونی

اس تمام گفتگو سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت سنت غیر موکدہ کی پہلی التحیات میں یعنی دو رکعت ہی پڑھ کر درود شریف اور دعا کے بعد سلام پھیر دیتا ہے اور فوراً یاد آجاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے دوسری بھی پوری کر لیتا ہے تو سلام پھیرنے سے سجدہ نہ پڑے گا۔

فتوٰی نمبر ۵۔ حضور غوث پاک کی مدح میں سیف الملوک کے تین شعروں کی شرعی حیثیت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ ہمارے پنجاب کے علاقے میں ایک پنجابی اشعار کی کتاب بہت مشہور ہے۔ خاص کر آزاد کشمیر کے علاقے میں تو اس کی اہمیت و عقیدت مثنوی رومی سے زیادہ ہے۔ اس کا نام سیف الملوک ہے۔ اس کے مصنف پنجابی کے مشہور شاعر صوفیِ وقت مفکرِ اسلام حضرت میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں

جن کو زمانہ بزرگ مانتا ہے۔ اپنے زمانے کے ولی اللہ تھے۔ اسی کتاب میں حمد و نعت کے اشعار کے بعد حضور غوث پاک شہنشاہِ بغداد کی شان میں چند اشعار درج ہیں جن میں سے چند شعر اس طرح ہیں۔

نمبر۱ تانگ دادک ولوں اُچا نیچا حسبیوں نسبیوں — نبیاں نالوں گھٹ نہ رہیا ہر وصفوں ہر کسبوں
نمبر۲ کے برساں دے موئے جگائے۔ سکے نیر وگائے — گھتے روح فرشتے ہتھوں لکھے لیکھ ہٹائے
نمبر۳ نبیاں نوں رب ولوں آندے وحی سلام سنیہے — وحی نہ محرم میراں تائیں دسّے بھید اجیہے
نمبر۴ نبیاں تے جد اوکڑ آئی روح میراں دا پہنچا — مشکل حل کرائی ہر دی۔ قرب شہاں تدا بوہتا

ہم خود بھی اہل زبان پنجابی ہیں اور اسی علاقے کے رہنے والے ہیں اور ہم نے بہت سے پنجابی شاعروں سے اس کا معنی پوچھا سب نے وہی ترجمہ کیا جو نیچے لکھا جا رہا ہے پنجابی لغت کی کتابوں سے بنتا ہے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ غوث پاک عبدالقادر جیلانی حسب اور ددھیال کی طرف سے اونچے خاندان والے ہیں اور صاف ستھرے بے داغ بھی ہیں۔ کسی شان اور کسی کام میں انبیاء علام سے کم نہیں رہے یعنی جو طاقتیں اور جو صفات نبیوں کے ہیں وہی غوث پاک کے ہیں۔ نمبر۲ دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ انبیاء کو رب کی طرف سے وحی، سلام۔ اور پیغام آتے تھے لیکن وحی یعنی جبرئیل بھی ان بھیدوں کو نہیں جانتے جو رب نے میراں غوث پاک کو بتائے۔ معنیٰ یہ کہ انبیاء کا علم تو وحی تک محدود ہے اور وحی کا علم غوث پاک سے کم ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ انبیاء کا علم غوث پاک سے کم ہے نمبر۳ تیسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ غوث پاک نے کئی سالوں کے مردے زندہ کیے اور خشک دریا جاری کیے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام سے جبراً روحیں چھین لیں اور لکھی ہوئی تقدیریں مٹا دیں۔ نمبر۴ انبیاء پر جب کبھی مصیبت آفت مشکل آئی یا رب کا عتاب آیا۔ تو فوراً میراں یعنی غوث پاک کا روح پہنچا۔ سب کی مشکل حل کرادی۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں ہمارے شاہوں یعنی غوث پاک کا قرب الٰہی ہے ہی زیادہ یہ لفظ یہاں پنجابی میں ایک کے لیے عام مستعمل ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ ساڈے شاہاں دا کی حال ہے۔ حالانکہ مخاطب ایک آدمی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کا لفظ تو عام مستعمل ہے۔ یہ بھی فرمایا جائے اپنی تحقیق سے کہ کیا یہ ترجمہ صحیح ہے اور یہ بھی فرمایا جائے کہ کیا اسی ترجمے کی صورت میں یہ اشعار شرعاً درست نہیں اور کیا صحت کی کوئی گنجائش ہے۔ یا سو فی صد غلط ہیں۔ یہاں ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ان کو غلط کہہ رہے ہیں اور کچھ لوگ ان کو صحیح کہتے ہیں اور دونوں ہی آپ کے سابقہ فتاوی العطایا الاحمدیہ سے دلیل پکڑ رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں آپ کے فتوٰی میں لکھا ہے کہ میاں محمد صاحب کے یہ شعر جو غوث پاک کے بارے میں لکھے ہیں وہ غلط ہیں اگرچہ آپ نے نشان دہی اشعار کی نہ فرمائی۔ نہ ہی غلط ہونے کی حد کی وضاحت کی ہے اور آپ کے دوسرے مطبوعہ فتوے میں لکھا ہے کہ غوث پاک کو روحِ محمدی ودیعت کی گئی تو آپ کے منہ سے یہ نکلا تھا کہ میں نے ہی آدم و نوح کی مدد کی۔ وغیرہ وغیرہ اور قصیدہ روحی کا آپ نے ذکر فرمایا اور ایک جگہ آپ نے قصیدہ روحی کی مذمت فرمائی ہے

اور بتانے والے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس لیے اب آپ ہی ہمارے اس سوال کا جواب مدلل اور اپنے طریقۂ فتاوی کے مطابقت فرما کر حل فرمائیے۔ براہ کرم جواب جلدی عطا فرمایا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل۔ ایک مشہور پیر صاحب۔ اینڈ کمپنی ۱۸۔۹۔۸۹

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابْ

الجواب

سوال مذکورہ میں سیف الملوک کے جتنے اشعار بھی درج کیے گئے ہیں وہ سب قطعًا قطعًا غلط اور گمراہی ہیں پہلے تین اشعار کا دوسرا دوسرا مصرعہ غلط اور غیر شرعی ہے۔ لیکن چوتھا شعر تو مکمل کفریہ ہے۔ جو مسلمان ان پر عقیدہ رکھے گا یا ان کو ٹھیک کہے گا وہ ایمان سے خارج ہوگا اور پہلے تین اشعار کو ماننے والا گمراہ ہے۔ اس کے دلائل بیان کرنے سے پہلے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ کے سوال کے تقریبًا آج ایک سال بعد یہ جواب لکھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس دراز عرصے میں نہایت دیانت داری سے اس کی اچھائی برائی پر تحقیق کرتا رہا۔ میں نے کثیر تعداد میں متاخرین و متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ حضور غوث پاک کی سوانحات و حالات پر مبنی کتب کثیرہ کو بغور کئی دفعہ پڑھا۔ پنجابی لغت کے علاوہ علماءِ پنجاب و محققینِ فقہ سے ان اشعار پر شرعی حیثیت سے گفتگو بحث و مکالمہ ہوا۔ ان اشعار کے موافقین و محبان سیف الملوک اور مخالفین کے خیالات کو پڑھا گیا۔ مختلف مکاتیب فکر سے ہم کلامی کے بعد سیف الملوک کے نئے پرانے مطبوعات کا گہرا مطالعہ کیا۔ علاوہ ازیں میں خود بھی اگرچہ یوپی بدایونی کا مادری اردو والا ہوں مگر سارا بچپن اور جوانی پنجاب میں گزر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پنجابی شعراء اور ماہرین سے اس سلسلے میں طویل گفتگو ہوتی رہی کئی لائبریریاں میں کافی سے زیادہ وقت خرچ کیا۔ اس تمام محنت کا خلاصہ اور تحقیق و تفتیش کا نتیجہ۔ مندرجہ بالا شرعی فتوے اور مندرجہ ذیل دلائل کی شکل و صورت میں حاضر خدمت ہے۔ رہا یہ کہنا کہ ان اشعار کے مخالفین و موافقین ہر دو گروہ نے میرے ہی سابقہ فتاوی سے سہارا پکڑا تو یہ مخالفین اشعار کا تفکر اور موافقین کا عدم تفکر ہے۔ جن لوگوں نے روحِ محمدی کی ودیعت سے ان اشعار کو درست کہنا شروع کر دیا ان لوگوں کی بے علمی کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ میرے سب فتاوی نہایت آسان اردو میں مطبوع ہیں۔ مگر ذہنیتِ جاہلانہ کی فہم سے پھر بھی بعید البعید ہے۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ بات کو سمجھنے کے لیے جلد بازی جذباتی اور اندھی عقیدت۔ مفید عادت نہیں۔ اس کے لیے تو تفکر۔ تحمل۔ تدبر۔ تعقل۔ تفہیم۔ جیسی خداداد صلاحیتوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس فتوے میں با دلائل مضبوط حقیقت واقعی کو ثابت کیا جائے گا اِنْ شَاءَ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی رہی جہالت اور اندھی عقیدت تو اس کے سامنے کوئی دلیل بھی کارگر نہیں ہوتی اپنے سابقہ فتاوی کے اصل مطالب اور مطابقت بیان کرنے سے پہلے وہ

دلائل بیان کرنے ضروری ہیں۔ جن سے ان اشعار کا خلافِ شریعت اور خلاف مسلک اہل سنت ہونا اور کچھ اشعار کا کفریہ ہونا ثابت ہو جائے۔ اس لیے کہ اس زمانہ ظاہری میں دیگر مصائب دین کے علاوہ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ طریقت کے جاہلوں نے پیری اور رہنمائی کا لبادہ اوڑھ لیا اور شریعت کے جاہلوں نے داڑھیاں رکھ کر اونچی ٹوپیاں پہن کر فہامہ زمانی کے القاب رکھ لیے۔ چھوٹی چھوٹی محفلوں کے نعت خوان صرف چند سکوں کی خاطر منبر ومصلّی کو ملوث کرنے لگ گئے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں کے اندر کسی بے حرمتی ہونے لگی۔ آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسجد ومصلّے کی کہ جن کو دیکھ کر غزالی ورومی کے خطبات میں صدیق وفاروق کی پرجلال جمال عدالت وصداقت کی روشن وتابندہ جھلک نظر آتی تھی اور جس منبر کو غناءِ عثمانی کے لباسِ فاخرہ سے سجا کر باب مدینۃ العلم کے شہ پاروں کی گونج سے بسایا جاتا تھا۔ جن مساجد میں کبھی کسی کے کانوں نے اعلیٰحضرت احمد رضا خان اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی فقاہت وفصاحت سے مزین مواعظ حسنہ اور حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی کے اسرار معرفت کے درس سنے ہوں گے وہ تو ان آوازوں کو ترس رہے ہیں۔ آج انہی محراب ومنبر پر بانگ دراو بیر رانجھا مارکہ خطیبوں مقرروں کے سوا کون نظر آتا ہے۔ آج سب سے بڑا علامہ وہ ہے جس کو زیادہ سیف الملوک یاد ہو۔ اور پھر مزید الجھن یہ ہے کہ نہ مسائل کو خود سمجھتے ہیں نہ کسی سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ان غلط اشعار کے بارے میں دلائل پیش کرتا ہوں اور اگرچہ میں نے تحقیق وتفتیش میں خاصی محنت اور تفکر وتدبر کی راہ اختیار کی ہے مگر پھر بھی اس کو آخری بات نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہ تمام تحریر ذی علم اور صاحب عقل وفکر کو دعوت تدبر اور تحقیق وتفتیش پر آمادہ عمل کرتا ہے۔ تاکہ بہت سے خرد مند ذہنوں کی سوچ وبچار سے مزید اضافۂ علمی ہو۔ پہلی دلیل۔ یہ تمام اشعار مسلک اہل سنت کے خلاف ہیں اور ان اشعار کا جو معنیٰ سوال میں درج کیا گیا ہے اہل زبان کے نزدیک اور لغت پنجابی سے یہی معنیٰ درست بنتا ہے۔ اس لیے یہ کلام سخت گمراہی وضلالت ہے اور آخری شعر کفریہ ہے۔ ان اشعار میں دوسرے کسی معنیٰ کی گنجائش نہیں جس نے بھی یہ شعر بنایا ہے وہ اسلام سے دور کی گمراہی میں ہے۔ غوث اعظم حضور سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مسلک اہل سنت بالکل صاف اور واضح ہے۔ کسی اینچ پیچ اور توڑ پھوڑ یا تاویل کی ضرورت نہیں۔ یہ کہ شہنشاہ بغداد اپنے زمانے اور بعد والے تاقیامت اولیاء اللہ غوثوں قطبوں کے سردار ہیں اور پہلے زمانوں کے اولیاء اللہ یعنی اولیاء بنی اسرائیل وغیرہ بھی آپ کا احترام وادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام تابعین۔ تبع تابعین اور غوث پاک کے اساتذہ اور مشائخ ومرشدین رضی اللہ عنہم کا مقام وقرب درجہ بدرجہ فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ بروایت بخاری شریف مسلم اور نسائی شریف۔ باب مناقب صحابہ۔ عَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ (الخ) ترجمہ۔ اے قیامت تک کے مسلمانوں میرے صحابہ کی

تعظیم کرو کیونکہ وہ تم تمام سے افضل ہیں، پھر وہ تمام سے افضل ہیں جو ان سے ملیں یعنی تابعین پھر وہ تمام لوگ تا قیامت سب سے افضل ہیں جو ان سے ملیں یعنی تبع تابعین۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ تا قیامت کوئی مسلمان غوث و قطب عالم فقیہ صوفی یا قطب الاقطاب کسی صحابی تابعی یا تبع تابعی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص کسی ولی اللہ یا کسی صوفی یا کسی عالم کا درجہ کسی بھی صحابی وغیرہم سے زیادہ کہتا یا سمجھتا ہے وہ بغیر دلیل بات کرتا ہے اور وہ کم عقل فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتا ہے۔ دلیل دوم۔ قلائد الجواہر مترجم اردو مطبوعہ مدینہ کمپنی کراچی صـ ۱۸ مصنف عارف باللہ محمد یحییٰ تادفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔ کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ غالباً قدم حقیقی یعنی پاؤں کی بھی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ کی بنا پر نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ان اسلاف کا احترام بے معنیٰ سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس پر اساس طریقت قائم ہے۔ اس عبارت سے واضح ہوگا کہ غوث پاک اپنے سلف کا احترام کرتے ہیں۔ یعنی سلف غوث پاک کے اساتذہ جن کی شاگردی غوث اعظم کو ملی یا مشائخ جن کی بیعت آپ ہوئے نیز علامہ عسقلانی و دیگر کثیر مشائخ و اکابر نے قَدَمِیْ هٰذِهٖ کا مطلب بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس کا معنیٰ حقیقی قدم ہے تو ہم زمانہ اور بعد والے اولیاء اللہ مراد ہیں نہ کہ پہلے والے۔ کیونکہ ان میں کچھ تو غوث پاک کے استادین کہ ظاہری فیض عطا فرماتے رہے اور کچھ بزرگان دین نے حضور غوث پاک کو اپنا مرید بنا کر روحانی فیض عطا فرمایا۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے استاد یا مرشد کی گردن پر قدم رکھ کر افضلیت کا دعویٰ کرے۔ تیسری دلیل۔ یہ قانون الٰہی ہے کہ جس شخصیت کو سب سے افضل قرار دیا جاتا ہے وہ دنیا میں کسی کا نہ شاگرد بنتا ہے نہ مرید بنتا ہے۔ اس کے ظاہری باطنی روحانی قلبی تمام علوم خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو عطا فرما دیتا ہے اور رب تعالیٰ ہی کا شاگرد ہوتا ہے۔ دیکھو منشاء باری تعالیٰ تھا کہ انبیاء کرام ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہوں تو رب تعالیٰ نے تمام علم معرفت و شریعت و طریقت خود ہی اپنے پیارے انبیاء محبوبین کو سکھا دیے اور بجز پروردگار۔ انبیاء کرام کا کوئی استاد نہیں بن سکتا۔ تو اگر غوث پاک تمام اولین و آخرین سے افضل ہوتے تب یہاں بھی یہ طریقہ الٰہی جاری ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ غوث پاک نے شاگردی فرمائی اور بیعت بھی ہوئے۔ مشائخ سے فیوض حاصل کیے اور اسی فطرت الٰہی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استاد اور شیخ سے کسی کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا۔ بہر حال فیض دینے والے کا مرتبہ فیض لینے والے سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کسی سے فیض لیتی نہیں۔ سب کو دیتی ہے۔ جب یہ ازلی ابدی قانون مقرر ہیں تو کس طرح کوئی شاگرد اپنے استاد سے افضل ہو سکتا ہے۔ استادیت کے اسی مرتبے کو بچانے کے لیے کبھی کسی ولی اللہ کا استاد نہ کافر ہوا ہے نہ گمراہ بدکار نہ گھٹیا نہ اخیر خراب بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ ولایت کی استادی کا شرف بھی ولی اللہ کو ہی نصیب ہوا ہے۔ کسی ولی اللہ کا استاد یا شیخ کبھی غیر ولی اللہ نہیں ہوا۔ اس لیے کہ یہ دینی رشتے ہیں۔ دینی رشتہ میں فیض یاب کبھی بھی اپنے مربی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ یہ بات دنیوی رشتوں میں نہیں ہے۔

خواہ وہ ماں باپ اولاد کا رشتہ ہو یا کوئی بھی دنیوی۔ باپ سے بیٹا افضل ہو سکتا ہے۔ مگر استادِ دینی فیض دینے والا ہمیشہ ہمیشہ شاگردِ فیض یاب سے افضل ہی رہتا ہے۔ یہ دلیل تاریخ و شواہد اور فقہی کلیات سے حاصل ہوئی۔ چوتھی دلیل۔ قلائد الجواہر صـ۸ پر ہے کہ شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابوبکر صوار سے بالواسطہ مروی ہے کہ قدمی هٰذہٖ سے مراد اس دور کے تمام اولیاء اللہ ہیں۔ کیونکہ وہ آنے والا (یعنی غوث پاک) اپنے عہد میں یکتائے روزگار ہوگا۔ رہا اعلیٰ حضرت کا یہ شعر۔ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں میرے آقا تیرا۔ اسکے چار مطلب بیان کیے گئے ہیں نمبر۱ قبل سے مراد سابقہ امتوں کے اولیاء اللہ ہیں جیسے۔ امت سلیمان کے آصف بن برخیا اور امت موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے اولیاء اللہ اصحاب کہف وغیرہ نمبر۲ قبل سے مراد صحابہ تابعین تبع تابعین کے بعد وہ اولیاء اللہ ہیں جو آپ کے اساتذہ و مشائخ سے علاوہ ہیں نمبر۳ یہاں ادب سے مراد احترام و افضلیت نہیں۔ بلکہ شفقت مراد ہے اور لغت کے اعتبار سے ادب بمعنی شفقت بھی آیا ہے۔ چنانچہ۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف صـ۴۲۹ کتاب الآداب بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ مرقات جلد نہم صـ۳۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان قِیْلَ التَّعْظِیْمُ لِمَنْ فَوْقَكَ وَالرِّفْقُ لِمَنْ دُوْنَكَ پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ آداب جمع ہے ادب کی اور ادب کے چند معنی ہیں جن میں سے دو یہ ہیں۔ بعض کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اپنے سے بڑے کا ادب اس کی تعظیم ہے اور اپنے سے چھوٹے کا ادب اس سے شفقت و نرمی کرنا ہے اور خاصیت کی بنا پر رعایت برتنا ہے۔ یہ تینوں معانی اس شعر کے درست ہیں۔ چوتھا معنی جو بعض ان پڑھ عوام لوگ کہتے ہیں کہ اس شعر کا معنی یہ ہے کہ حضور سرکار بغداد کا درجہ تمام صحابہ تابعین وغیرہ سب سے زیادہ ہے یہ مراد لینا جہالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ مسلکِ اہل سنت کے خلاف۔ بلکہ قرآن و حدیث و فقہ کے صریحی خلاف ہے ۔۔۔۔۔ بھلا اعلیٰ حضرت مسلک اہل سنت کے خلاف کیسے لکھ سکتے تھے۔ پانچویں دلیل۔ دنیائے معرفت میں زبان اصفیاء پر۔ لسان اولیاء پر دو قول مشہور زمانہ ہیں۔ ایک قول سرکار بغداد حضور غوث صمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا۔ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔ اور دوسرا قول حضرت محی الدین شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ کا۔ وَمِنْهُمْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَكُوْنُ مِرْئَةٌ فِیْ كُلِّ زَمَانٍ آیَتُهٗ ۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔ لَهُ الْاِسْتِطَالَةُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ سِوَی اللّٰهِ ترجمہ ان اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم میں ایک شخص اس مرتبے کے ہوتے ہیں کہ ہر زمانے میں ان کی آیت آئینہ ہوتی ہے اور وہ تمام بندوں پر قاہر و غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کے سوا ہر چیز پر ان کا قبضہ ہوتا ہے۔

ان دونوں فرمودات پر کچھ اعتراض پڑتے تھے جن کا جواب حضرت سندی سیدی۔ ملجا و ماویٰ اہل سنت مرکز سنیت حضرت اعلیٰ حضور گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مصنفات مہر چشتیہ اور فتاوٰی مہریہ میں ارشاد فرمائے۔ وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں (ماخوذ از زبدۃ الآثار صـ۱۲) سوال۔ کسی نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ سے پوچھا کہ

وَلِیُّ اللہ تو صحابہ بھی ہیں اور ولی اللہ صحابہ کرام کو بھی کہا جاسکتا ہے تو. قَدَمِیْ هٰذَا (الخ) سے کیا یہ مراد لیا جاسکتا ہے کہ حضرت غوث پاک کا قدم صحابہ کرام کی گردن پر بھی ہو۔ حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ کوئی ولی خواہ کیسا ہی کامل ہو صحابہ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ قبلہ پیر صاحب نے اس کا جواب فرمایا۔ جواب۔ متاخرین کے عرف و محاورے میں ولی اللہ ماسوائے صحابی پر بولا جاتا ہے۔ اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ صحابی ولی اللہ ہیں۔ مگر رواج میں یہ نام ان کو دیا نہیں جاتا اور کسی صحابی کو غوث وقطب بلکہ مجتہد محدث عالم مفتی نہیں کہا جاتا اور اس قول میں صرف وہ مراد ہیں جن کو محاورے میں ولی اللہ کہا جاتا ہے۔

دوسرا سوال۔ عبارتِ فتوحات میں (ابن عربی کا فرمان) مسطورہ بالا یعنی. لَهُ الْاِسْتِطَاعَةُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَی اللہِ۔ سے پایا جاتا ہے کہ اس ولی کا تصرّف انبیا علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے جواب (ہرگز نہیں ہوتا) کیونکہ جناب (محی الدین ابن عربی) رضی اللہ عنہ کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔ یعنی جب یہ بات حضرت شیخ اکبر نے فرمائی تھی اس وقت ولیوں کا زمانہ تھا۔ لھٰذا یہ قول انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نہیں جاتا۔ سوال۔ لفظِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ مندرجہ عبارت فتوحات مسطورہ بالا سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے۔ اور نیز اسی باب میں قبل از عبارت مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرت چار انبیا باجسام زندہ ہیں۔ جواب۔ مفضول کا تصرف فاضل پر مثل تصرّف جبرئیل بر آں حضرت واقعی اور مسلم شدہ امر ہے کیونکہ بوجہ تخالف فیما بین وجوہ فضیلت استبعاد مندرجہ ذیل سوال بخوبی مندفع ہوسکتا ہے۔ وہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ ہو چنانچہ عالی جناب فرماتے ہیں۔ خُضْنَا بَحْرًا لَمْ یَقِفْ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِیَاءُ۔ یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا حاصل نہ ہوا۔ بحر سے مراد آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی ہم کو بوجہ کمال اتباع ظاہری و باطنی شریعت و طریقت ذات پاک محمدی میں کامل فنا حاصل ہے بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فناء کامل سے عاری ہیں۔ اس سوال وجواب کا مدعا یہ ہے کہ ولی کسی زمانے میں بھی ہو نبوت تو بہت اونچا مقام ہے صحابی کے قدموں تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی کیونکہ صحابی دروازۂ فیضِ نبوت ہے اور اولیاء اللہ قرب ولایت کیلئے فیضانِ نبوت کے شدت سے محتاج ہیں۔ ہاں دریائے انوار محمدیہ میں غوطہ زن ہونا۔ انبیاء سابقین اس کی تمنا فرماتے رہے۔ مگر یہ آرزو اُن کی پوری نہ ہوئی اور ہم اہل امت کی خوش قسمتی کا نصیب جاگ اٹھا نیز کسی ولی کا تصرف کرنا کسی نبی علیہ السلام پر ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل نبی کریم علیہ السلام کے آگے پیچھے پھرتے تھے اور آپ کے کام کرتے تھے اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے بلکہ اولیاء اللہ غوث و قطب کے ولایت کے یہ کورس اور مدارج محنت ریاضت اسی لیے کرائی جاتی ہے تاکہ وہ خدمتِ نبوت کے لائق بن سکے جیسے کہ آصف بن برخیا کا تخت بلقیس والا کمال خدمتِ سلیمانی کا ادنیٰ کام تھا۔ یا جس طرح پولیس کو اس لیے تربیتی امور سپاہیت سکھایا جاتا ہے تاکہ وہ بادشاہ کی صحیح خدمت کرسکیں۔ سوال عیسیٰ ابن مریم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسبِ احادیثِ صحیحہ بعد نزول اتباعِ محمدی کے پابند ہوں گے

لھٰذا کاہل فنا کے مستحق ہوئے۔ لیکن شیخ اکبر کے فرمان لَمْ یَقِفْ سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذاتِ محمدی میں فنا و ظاہر و باطن نہ ہوگی۔ جواب۔ فرمانِ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ میرے قول ھٰذا سے پہلے (الخ) کیونکہ لَمْ یَقِفْ مضارع بمعنیٰ ماضی منفی ہے۔ جس سے سابقہ کا تذکرہ ثابت ہے اور عیسٰی علیہ السلام کا آنا اس کے بعد ہے۔ ان تمام جملات سے کتنے اچھے طریقے سے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ خبردار کسی بھی بزرگ کے فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ کوئی ولی کسی بھی نبی علیہ السلام سے تو درکنار صحابی کے بھی مرتبے کو پہنچ سکے شیخ اہل سنت کی ذات سے حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہر پہلو سے کس طرح اعتراضات ختم فرمائے اور دوامِ صحابیت کی شان بتائی اور ثابت فرمایا کہ کس بھی نبی کے کسی بھی صحابہ کے برابر حضور غوث پاک کا مقام نہیں پہنچ سکتا۔ لھٰذا یہی اہلِ سنت کا مسلک ہے اب جو کہے کہ معاذ اللہ حضور غوث پاک کا قربِ ربانی انبیاءِ عظام سے بڑھتا ہے۔ وہ اہلِ سنت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دور کا گمراہ ہے کس کی جرأت ہے کہ پیر حضرت اعلیٰ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے فرمودات سے منہ موڑے۔ چھٹی دلیل۔ شرح عقائد نسفی ص۱۱۱ پر ہے وَلَا یَبْلُغُ الْوَلِیُّ دَرَجَۃَ الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی جب صحابہ کے مراتب و درجات و فضیلت تک کسی شان کا ولی نہیں پہنچ سکتا۔ تو انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مقام تو حدودِ بشریت سے کہیں وراء الورا ہے درجہ انبیاء تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا کوئی بھی ولی۔ نیز فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۲۰۶ پر ہے کتاب الکراھیۃ میں فَالْوَلِیُّ لَا یَکُوْنُ اَفْضَلَ مِنَ النَّبِیِّ ترجمہ۔ کوئی ولی اللہ کبھی بھی کسی نبی علیہ السلام سے افضل نہیں ہو سکتا ہے۔ غرض کہ کسی بھی عالم نے اشارۃً تک نہ فرمایا جس سے ثابت ہو کہ کسی وقت کوئی ولی اللہ یا سرکار بغداد کسی شان یا رتبے میں انبیاءِ کرام سے زیادہ ہوں۔ سیف الملوک کے ان غلط اشعار کی کسی نے بھی تائید نہیں کی اور اس سے مشابہ نثر یا نظم کسی طرف سے دستیاب نہیں۔ اس تحقیق و تفتیش کے اس نتیجے کے بعد اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ شعر سراسر گستاخی اور بالکل ہی بیانِ مذہب ہے۔ ساتویں دلیل۔ آج عوامی اور جہلا کا طبقہ تو سیف الملوک پڑھکر یہی اندازہ لگائے گا کہ یہ اشعار عارف کھڑی حضرت میاں محمد علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھ کو سیف الملوک شریف کا ایک بہت پرانا نسخہ خاص جہلمی چھاپہ ملا ہے۔ اس میں مدح جناب غوث الاعظم قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز کا آٹھواں شعر اس طرح نہیں ہے جس طرح سوال میں لکھا گیا ہے بلکہ اس طرح ہے۔

بندیاں تے جداوکڑ آوے روح میرا ندا پہتا ؛ مشکل حل کرائی میراں قرب شاہاں دا بہتا۔

یعنی ظاہری و دنیوی زندگی پاک سے لے کر قیامت تک جس مسلمان بندے پر کسی قسم کی اوکڑ یعنی مصیبت آئے تو سرکار والیِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک اس کی مدد کو فوراً پہنچتی ہے کیونکہ بارگاہِ الٰہی میں تمام بندوں سے زیادہ قربِ الٰہی حضور غوث پاک کو ہے۔ اب یہ شعر بالکل سچا پاک صاف اور شریعت کے عین مطابق ہوگیا۔ یقیناً کسی انتہائی بدبخت نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ شعر اپنی شیطانیت کی بنا پر بنایا ہو سکتا ہے کہ ابتداءً کاتب کی غلطی ہے۔

لفظِ بندیاں کی بجائے بنیاں لکھا گیا اور معمولی۔ دال کا گوشہ۔ گی سے پیوست ہو کر بندیاں کو بنیاں پڑھا جاتا رہا ہو۔ پھر جس کسی نے دوسری تیسری بار۔ طبع اور کتابت کرایا ہو۔ اس نے اس کو بنیاں ہی سمجھا ہو اور پھر اس طرح چھپتا رہا یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کیونکہ بندیاں اور بنیاں میں تلمی معمولی قلم کی لغزش اور نوک پلک کی غلطی ہے ورنہ حرفوں اور نقطوں اور گنگروں کے اعتبار سے دونوں لفظ یکساں ہیں اور پھر سے زیادہ پتہ لگ سکتی ہے۔ اس لیے کہ جلد بازی میں اس طرح کی تصنیف میں خام خیالیاں عام واقع ہوتی رہتی ہیں اور جب ایک شعر میں اس خیانت کا احتمال پیدا ہو گیا تو دوسرے شعروں میں بھی خیانتی ملاوٹ کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ لھذا یہ کہنا زیادہ آسان اور ایمان و شریعت کے قریب ہے کہ یہ اشعار اس طرح پر۔ میاں محمد صاحب کے نہیں ہیں بلکہ۔ بعد کی ملاوٹ ہیں اور ابلیس فطرت لوگوں کے ہاتھوں انجیل توریت زبور جیسی پاک کتابیں اور رب تعالیٰ کا کلام نہ بچ سکا اور کسی کے ہاتھوں کی بدنصیبی نے احادیث میں کتر و بیونت کیا۔ حضور غوث اعظم کی اصل کتاب غنیۃ الطالبین میں کیا کچھ نہ کر ڈالا اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش حصہ سوم میں ایک شخص نے اور تاج کمپنی نے تفسیر خزائن العرفان میں کتنی ملاوٹیں اور کمی بیشی اور بددیانتی کر ڈالی تو سیف الملوک پر کسی گمراہ نے اگر ایسا کر دیا تو کچھ بعید نہیں ہے بہرکیف ہم حضرت میاں صاحب عارف کھڑی کو الزام دینے کی بجائے اس طرح بچانے کا راہ نکالنا بہتر سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ اشعار تو جس کسی کے بھی ہوں۔ سراسر کفریہ ہیں اور تمام علماء اسلام عربی و عجمی کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ الازہر مصر۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف۔ حجازِ مقدس۔ افغانستان مفتی و عائل اور پاکستان کے بیشتر علماء کرام فقہاء ملت کے فتاوی حاصل ہو چکے ہیں۔ آٹھویں دلیل۔ اس کفریہ شعر سے ثابت کیا جا رہا ہے معاذ اللہ غوث پاک کا درجہ مقام و مرتبہ انبیاء کرام سے زیادہ ہو اور تقرب غوثِ پاک بارگاہِ ربوبیت میں۔ انبیاء کرام علیہم السّلام سے زیادہ ہو۔ حالانکہ قلائد الجواہر ۵۳ پر خود حضور غوثِ پاک جیلانی کا واقعہ اس طرح لکھا ہے۔ غوث پاک کی محفل بھی ہوئی تھی کسی نے عرض کیا فلاں بزرگ جو اس وقت اپنی کرامات عبادات اور اپنے زہد و تقوے میں مشہور ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں تو یونس بن متی علیہ السلام کے مقام سے بھی تجاوز کر چکا ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت شیخ کو غصہ آگیا اور آپ نے سیدھے بیٹھ کر تکیہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ۔ میں نے اس شخص کے قلب پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم لوگ فوراً اس شخص کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اچھا خاصا تھا لیکن کسی مرض کے بغیر مر گیا مرنے کے بعد کچھ لوگوں نے خواب میں اس کو اچھی حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا اس نے کہا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی شفاعت کی وجہ سے میرا قول حضرت یونس علیہ السلام۔ نے بھی معاف کر دیا اور خالق و مالک نے بھی معاف فرما دیا۔ حضرت مصنف امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی شرح میں حاشیے پر فرماتے ہیں۔ ولی مرتبے میں کتنا ہی بڑا ہو نبی کی ہم سری نہیں کر سکتا۔ حضور غوث پاک سرکار ولایت کے اس ملفوظ سے کتنا صاف واضح ہو گیا کہ کوئی ولی اللہ کتنا ہی عبادت ریاضت اور صاحب کرامت مشہور ہو قربتِ الٰہیہ میں انبیاء عظام سے تجاوز تو درکنار برابری

صوفیاء مصنفین، متقدمین، متاخرین دنیا میں آئے اور سب نے تحریر و تحقیق، تفتیش و تفسیر، تشریح میں عمریں گزاریں مگر کسی نے بھی وہ بات نہ لکھی جو سیف الملوک میں لکھی ہے۔ اور پھر سیف الملوک میں بھی صرف شعر بازی کی حد تک نہ کوئی ثبوت نہ دلیل نہ واقعہ نہ تاریخ نہ مشاہدہ۔ نیز، دین و عقائد کی بنیاد تو قرآن و حدیث ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ بلکہ قرآن پاک میں کرامات اولیا، دامنِ فیضِ نبوت کے ماتحت بیان فرمائی گئیں۔ جیسا کہ سورۃ نمل وغیرہ میں ہے یہ اعتراض تو سیف الملوک پر ہونا چاہیے کہ اس نے یہ نرالی انوکھی بات کیوں لکھدی۔ جس نے کتنوں کو گستاخ دبے ادب بنا دیا۔ **دوم جواب** ۔ یہ کہ سیف الملوک کوئی زیادہ مشہور کتاب نہیں۔ اب بھی ذرا علاقہ میر پور ریوں سے نکل کر دیکھو۔ خود پنجاب کے علاقے میں پوری طرح کوئی واقف نہیں اکثر لوگ اس کتاب کو جانتے تک نہیں اور اکثر نے دیکھا تک نہیں کسی نے دیکھا ہے تو پڑھا نہیں۔ مجھ کو بہت سے لوگ ایسے بھی ملے جنہوں نے کچھ پڑھا بھی تھا مگر ان شعروں تک نگاہ نہیں پہنچی۔ اعلیٰحضرت بریلوی وغیرہ زبان پنجابی سے ناواقف تھے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ نے، اپنا جو عقیدہ بیان فرمادیا۔ وہ ظاہر طور ان اشعار کی تردید کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سیف الملوک ان کی نظروں سے نہ گزری ہو یا تردید کی ہو مگر ہماری نگاہ سے نہ گزری ہو۔ میں نہ جانے کب سے ان غلط اشعار کی تردید کر رہا تھا۔ مگر آپ کو آج معلوم ہوئی اور ابھی بھی بہت سوں کو معلوم نہیں۔ **جواب سوم** ۔ یہ کہ، تردید نہ کرنا صداقت کی دلیل نہیں۔ بلکہ تائید ہی سچائی کی دلیل بن سکتی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ان جھوٹے شعروں کی کسی جانب سے تائید دکھاؤ ہند میں پنڈت دیانند سرسوتی نے ایک کتاب ستیارت پرکاش لکھی۔ جس کے ایک باب میں قرآن مجید پر بہت سے اعتراض کیے ہیں مگر پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پنجاب کے بہت سے علماء فضلا کی جانب سے ان کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اس طرح مرزا قادیانی کی بہت سی کتب کا جواب کسی نے نہ دیا تو کیا ان کتابوں کو سچا کہدو گے۔ میری یہ تردید ہی سب کی جانب سے ہے اس لیے کہ میں نے ان کے فرمودات کے سہارے پر دلائل پیش کیے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ ایک شخص نے کہا کہ سیف الملوک کے اشعار کا مطلب یہ ہے کہ غوث پاک نے غلامانہ خادمانہ حیثیت سے انبیاء کرام کی مدد فرمائی تھی۔ **جواب**۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا خیال نہایت پاکیزہ ہے۔ مگر اس کی حقیقت واقعی کا کوئی ثبوت بھی تو چاہیے۔ نیز سیف الملوک نے جس طرز بیانی سے اشعار یہ عقیدہ پیش کیا ہے۔ اس میں تو کہیں بھی خادمیت کی جھلک نظر نہیں آتی۔ کیا خدام کے کام کو اسی طرح غرور و تمکنت اور شان شاہانہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان شعروں کی طرز بیانی تو حقیقی خادم کو آقا و افضل اور حاجت مند کو حاجت روا۔ اور جو ہستی انبیاء کرام سے مشکل کشائی کی طالب ہے اسی کو نعوذ باللہ۔ انبیاء عظام کا مشکل کشا بنایا جارہا ہے۔ لفظ اوکڑ، لغت پنجابی میں بمعنیٰ مصیبت ہے اور الفاظ "قرب شاہاں داہتا" کے معانی سے صاف لگتا ہے کہ شاعر کے نزدیک۔ میراں کا درجہ تمام انبیاء سے زیادہ ہے اور شاعر غوث پاک کو انبیاء علیہم السلام سے افضل و اقرب جانتا ہے۔ آپ تو یہ کہہ کر شاعر کو کفریات سے بچا لینا چاہتے ہو مگر شاعر آپ کا ہم خیال نہیں بنا چاہتا۔ **تیسرا اعتراض**

اگر یہ اشعار واقعتاً میاں محمد صاحب کے ہی ہوں۔ جیسا کہ سیف الملوک کے اندر کے صفحات میں اسی طرح کی امدادِ غوثیت کا تذکرہ ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ میاں صاحب توبہ کر کے فوت نہیں ہوئے تو اب ان کے متعلق آپ کا فتوٰی کیا ہے۔ کیا وہ کفر پر فوت ہوئے۔ **جواب** ۔ اولاً تو میرے پاس اس چیز کا تحریری ثبوت موجود ہے کہ یہ اشعار پرانی کتابوں میں اس طرح نہیں ہو سکتے ایک شعر میں شک سب کو مشکوک بنا دیتا ہے لہٰذا اندر کے صفحات میں اس طرح کے شعر مجھ کو نظر نہیں آئے۔ اگر آپ اسی بات پر مصر ہیں کہ یہ شعر میاں صاحب کے ہی ہیں تو آپ اپنے ایمان اور عقیدے سے فتوٰی طلب کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ آپکے ایمان میں مقام نبوت کی کیا حیثیت ہے۔ میری طرف سے تو اتنا سمجھ لیجئے کہ کلام کا کفریہ ہونا اور چیز ہے مگر متکلم کا کافر یا مرتد ہونا علیحدہ تحقیق طلب مسئلہ ہے بسا اوقات کلام کفریہ کا متکلم کافر نہیں ہوتا۔ فاسق یا گمراہ ہو جاتا ہے۔ کفر کا فتوٰی تب لگایا جا سکتا تھا جبکہ شاعر سے ملاقات ہوتی اس سے ان اشعار کے بارے میں گفتگو ہوتی اگر اس کے سارے مطلب معنیٰ کفر کی ہی طرف جاتے اور وہ شاعر اپنے اس کفر پر ضد کرتے ہوئے قائم رہتا توبہ نہ کرتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعلم۔

کتبہ

چھٹا فتوٰی ـ "جرم ثابت ہونے کا شرعی قانون"

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے گیارہ بارہ سالہ ایک لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی جس کی گواہی خود اس بچے نے شکایت کرتے ہوئے اپنی والدہ کو دی والدہ نے اپنے خاوند کو وہ سب باتیں بتائیں جو کچھ بچے نے بتائی تھیں۔ پھر خاوند نے اپنے بیٹے سے خود پوچھیں تو لڑکے نے اپنے والد کو بھی سب بتادیں۔ باپ یعنی بکر نے اپنے دوستوں کو بتائیں۔ زید جو اپنے علاقے میں ایک مسجد کا ایک متولی ہے۔ جب زید کی یہ حرکت لوگوں میں مشہور ہوئی تو زید نے اپنا عیب چھپانے کے لیے کسی سے کچھ کہا۔ کسی سے کچھ کہا۔ جس شخص سے جس طرح کی گفتگو زید نے کی اس سے لوگوں نے یہی اندازہ لگایا کہ زید واقعی مجرم ہے۔ ہمیں شریعت کا فتوٰی عطا کیا جائے اور بتایا جائے کہ کیا زید کا جرم ان گواہیوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور ایسا مجرم اور گندا آدمی کسی مسجد کا متولی بنانا جائز ہے یا نہیں اور جو چند لوگ زید کی بلاوجہ برادری کی نسبت سے حمایت کر رہے ہیں ان کا شریعت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

دستخط سائل صوفی دین محمد و صوفی عبداللہ بریڈ فورڈ نمبر ۲۔

۱-۶-۸۵

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بحیثیت مفتی دارالاسلام ہونے کے میں نے بہت کوشش اور حتی المقدور حالات کی تحقیق و تفتیش

کی ہے۔ میں نے تقریباً ڈھائی تین ماہ تک اس مندرجہ بالا معاملات کی چھان بین کی ہے اور زید مدعا علیہ زید مذکور سے بھی بہت دفعہ رابطہ ہوا ٹیلی فون پر بھی مدعی علیہ سے بات چیت گفتگو کافی طویل سوال وجواب کی شکل میں ہوئی۔ نیز بعدہٗ زید مدعی علیہ نے اپنا مکمل بیان بھی بادستخط لکھ کر بھیجا یہ سب کچھ میرے پاس موجود ریکارڈ ہے۔ انتہائی کوشش انتظار مہلت، غور وتدبر فکر ونظر کے بعد یہ شرعی فتوای مکمل اور حتمی جاری کیا جارہا ہے۔ اس تحقیق کے دوران مدعی بکر اور اس کا گیارہ سالہ بیٹا اور اس کے لواحقین اور تقریباً بارہ تیرہ گواہ مختلف وقتوں میں میرے پاس آکر اپنے حلفیہ بیان قلم بند کراتے رہے اور یہ تعدادِ گواہان شرعی ثبوت کی قانونی ضرورت سے زیادہ تھی۔ یہ فتوای حسب حکم شریعت تفتیش وغور فکر ریزی کے بعد جاری کیا جارہا ہے نہ یک طرفہ ہے نہ جلد بازی کا ہے۔ میری اس تمام تحقیقی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے کہ زید مجرم ہے اور زید کی یہ بدفعل حرکت اسی علاقے میں خاصی مشہور ہوچکی ہے اور ابتداءً زید خود بھی توڑ موڑ اور دبے لفظوں میں اپنے اس بُرے فعل کا اقراری رہا ہے۔ زید کی یہ نازیبا حرکت حلقہ عوام میں شہرت پذیر ہونے کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ کا یہ فتوای انتہائی کاوش اور کثیر دلائل شرعیہ فقہیہ کے مطابق، زید کو شرعی مجرم فاسق، فاجر اور بدکار ثابت کردیتا ہے اور اس کی شرعی تعزیری سزا یہ ہے کہ زید خصوصی محفل مجلس میں آئندہ کے لیے سچی توبہ کرے۔ جب تک توبہ نہ کرے گا۔ اس وقت تک نہ پاک دامن ہوسکتا ہے نہ پاک باز کہلانے کا حق دار ہے اور معاشرے میں اس وقت تک زید مجرم اور فحاشی والا ہی مانا جائے گا۔ بدیں وجہ زید کسی بھی نیک کام میں معاون نہیں بن سکتا نہ اس کو پاک اور دینی کاموں میں ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسی بُری خصلتوں والا کسی انجمنِ دینیہ اسلامیہ کا ممبر یا رکن نہ ہی مسجد ومدرسہ کا متولی اور ٹرسٹی بنانا جائز ہے۔ زید کا یہ جرم جس کو عربی میں لواطت کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے عدالت کو ثبوت کے لیے دو سے زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں اور دو سچے گواہوں کی چشم دید گواہی سے ہی تعزیر ثابت ہوجائے گی۔ لیکن فاسق فاجر اور بدکار مشہور کرنے کے لیے یا عذاب آسمان کے لیے اور سزاءِ اُخروی کے لیے مجرم کے جرم کا مشہور ہونا بھی کافی ہے۔ یعنی اگر کسی کے فحاشی افعال کی شہرت ہوجائے تو اس کو شریف آدمی نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ اس کو کسی نے موقع واردات پر بنظر خود دیکھا نہ ہو۔ قرآن وحدیث مطہرات سے۔ ایسے لوگوں کو مجرمین شمار کیا گیا ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔ سورۃ اُعراف پارہ نمبر۸ آیت نمبر۸۱ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ ترجمہ۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے بڑھنے والی قوم ہو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ شہرت کی عدالتِ عالیہ نے قوم لوط کو بدفعلی کا مجرم وبدکار قرار دیا۔ حالانکہ حضرت لوط نے اس جرم کو ثابت کرنے اور علی الاعلان بیان کرنے پر نہ خود یہ جرم کرتے دیکھا۔ اپنی آنکھوں سے نہ گواہوں کو طلب فرمایا نہ باقاعدہ گواہی لی گئی۔ صرف مشہور ہوجانے پر علی الاعلان مجرم بنایا جارہا ہے اور باری تعالٰے جل مجدہ نے بھی حضرت لوط کو اس طرح علی الاعلان

جرم کا ذکر کرنے پر ان کو منع نہ فرمایا کہ اے میرے نبی تم بغیر گواہی اور چشم دید گواہی والے واقع پر کیوں مجرم بنارہے ہو۔ نبوت تو سب سے بڑی حق گو عدالت ہوتی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ علیہ السّلام سب سے بڑا قاضی۔ جج اور عدالت الٰہیہ کا چیف جسٹس ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات۔ ہر فیصلہ حق گوئی ہی ہوتی ہے اور شریعت کا قانون امت کے لیے نشانِ راہ۔ شمع ہدایت ہوتی ہے۔ تاکہ آنے والی قومیں بھی مجرم کو برا سمجھنے کے لیے اتنی شہرت کو کافی سمجھیں چشم دید گواہی تو عدالت کی مکمل کارروائی کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ مجرم کو قرار واقعی سزا دینا مقصود ہو۔ لیکن اگر خود سزا نہ دینی ہو صرف بُرا اور فاسق بنانا ہی مقصود ہو تو شہرت ہی کافی ہے۔ اسی لیے رب تعالےٰ نے اسی شہرت اور حضرت لوط کے حکم لگانے پر نبوت کا فیصلہ قرار دیتے ہوئے اسی فیصلہ کے بعد عذاب آسمانی کی تعزیر فرما کر سب کو پتھروں سے رجم فرمایا۔ شاید کوئی احمق اور جاہل یہ کہہ دے کہ حضرت لوطؑ کو اللہ نے وحی بھیج کر یہ جرم بتا دیا تھا۔ تو پوچھا جائے گا کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔ وہ وحی پڑھ کر سناؤ۔ نیز۔ وحی سے اگر فیصلے کیے جا سکتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی کیوں طلب فرمائیں۔ اور پھر میدانِ محشر میں رب تعالیٰ گواہیاں کیوں طلب فرمائے گا۔ اندھا بن کر کوئی اعتراض کر دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ دلیل دوم بہت سی سرکش کافر قوموں پر سابقہ زمانوں میں آسمانی عذاب آئے مگر ان کی نوعیت صرف یہ ہوتی رہی کہ ایک غیبی چیخ آئی۔ یا آگ کا بادل آیا۔ یا فقط اکیلے جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور عذاب نازل کر دیا کسی نے ان کو دیکھا کسی نے نہ دیکھا انکی شکل میں ہی عذاب نازل کر کے چلے گئے۔ لیکن قوم لوط پر عذاب سے پہلے بہت سے فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں آئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا نابالغ امردوں کا روپ دھارنا صرف اسی قوم کی خصوصیت ہے نہ اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا نہ بعد میں۔ وجہ اس کی یہ بتائی جاتی ہے کہ بحکم رب تعالیٰ ملائکہ نے اپنی آنکھوں سے ان کی شہرت جرم ملاحظہ کرنا تھی اور اسی شہرت کی بنا پر ان پر عذاب نازل کرنا تھا ورنہ صرف عذاب نازل کرنے کے لیے اس صورت کا اختیار کرنا ضروری نہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ پہلے جرم ثابت ہو جائے پھر سزا دی جائے۔ گویا کہ عدالت الٰہیہ کی کارروائی مکمل کرنا تھی۔ اسی لیے فقط شہرت کو ان فرشتوں نے ملاحظہ کیا۔ واردات جرم کو ان ملائکہ نے بھی نہ دیکھا نہ ہی چشم دید گواہی طلب فرمائی۔ نہ قرآن وحدیث میں قوم لوط کا صاف لفظوں میں اقرار اور واضح جرم بیان ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سورۂ ہود پارہ نمبر۱۲ کی آیت نمبر۷۷ تا نمبر۸۱ میں ذکر ہے۔ غرضکہ آیت قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ فی السّوال جرم پر شہرت یا مجرم کا دبے لفظوں اقرار کرنا ہی جرم ثابت کر دیتا ہے اور فیصلہ نبوت وقانون عذاب آسمانی ایسے بدقماش کو قابل سزاء اخروی وقدرتی مجرم قرار دیتا ہے۔ اگرچہ فقط شہرت سے شرعی عدالت اس کو تعزیری سزا نہ دے گی مگر بدکار و بد طینت ہونے کا حکم ضرور لگایا جائے گا۔ تیسری دلیل۔ قرآن مجید پارہ نمبر۲ آیت نمبر۱۴۳ سورۃ بقرہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (آیت)

اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت وسط تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ اس آیت کی ایک تفسیری عبارت یہ بھی ہے کہ مسلمان

میں جو چیز اچھی مشہور ہو جائے وہ عنداللہ بھی اچھی ہوتی ہے اور جو بری قابل نفرت ہو جائے وہ عنداللہ بھی بری ہوتی ہے۔ اس طرح جو آدمی لوگوں میں بدکار، فاسق، فاجر مشہور ہو جائے وہ اللہ کے نزدیک بھی مجرم ہوتا ہے اور جس کو عام مسلمان نیک متقی کہیں وہ عنداللہ بھی نیک ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ زبان خلق نقارہ الٰہی ہے۔ مذکورہ زید بھی اکثر مسلمانوں میں اس بد خصلتی میں مشہور ہو چکا ہے۔ اس لیے شرعًا اس کو نیک نہیں کہا جا سکتا۔ چوتھی دلیل۔ بخاری شریف جلد اول ص۱۸۳ مسلم شریف جلد اول ص۳۰۸۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۵ پر ہے۔ عَنْ اَنَسٍؓ۔ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا (الخ) اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (الخ) ترجمہ۔ لوگ ایک جنازے پر گذرے تو مسلمانوں نے اس میت کی بہت خیر کی تعریفیں اور اچھائیاں بیان کیں تو نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی۔ دوسرے جنازے کے پاس گذرے تو لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں تو حضور اقدس محمد پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی۔ فاروق اعظم نے عرض کیا۔ کیا واجب ہو گئی۔ تو آقائے کل دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کی تم نے اچھائیاں بیان کیں اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس کی تم نے برائیاں بیان کیں اس کے لیے جہنم واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ تمام مومن تا قیامت اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس حدیث پاک سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ نمبرا صحابہ کرام نے جس کی اچھائی یا برائی بیان فرمائی وہ واقعی اس میں ہوں گی جس کا تذکرہ ہوا۔ ورنہ صحابہ کرام معاذ اللہ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ دوم یہ کہ یہ اچھائی اور برائی مشہور ہو گی ورنہ غیر مشہور برائی کا تذکرہ کرنا غیبت ہے اور غیبت حرام۔ نبی اکرم سن کر ضرور منع فرماتے سوم یہ کہ صرف برائی کے ذکر کرنے پر ہی نبی پاک نے اپنا نبوی فیصلہ صادر فرما دیا کہ وجبت۔ ثابت ہوا کہ جب کسی شخص کی برائی اور جرم لوگوں میں مشہور ہو جائے تو مفتی اسلام اس کے خلاف فتویٰ دے کر اس کو فاسق بدکار قرار دے سکتا ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں اور اپنی اولاد کو بچائیں۔ اسی لیے آقائے کائنات مخزن برکات علیہ السلام والصلوٰت نے برائی بیان کرنے والے صحابہ سے چشم دید گواہی کا مطالبہ نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ قانون شریعت میں گواہی صرف جرم کی حد اور تعزیری سزا کے جاری کرنے کے لیے طلب کی جاتی ہے۔ اس کو قضا اور فیصلہ عدالت شرعیہ قانونیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن فتوای عام ہے۔ ہر اچھائی برائی والے شخص پر حیثیت کے مطابق لگ جاتا ہے۔ اگر کسی کی بدکاری اور جرائم مشہور ہو جائیں تو فتوے شرعی سے اس کو فاسق فاجر اور برا سمجھا جائے گا اور چونکہ حدیث فقہ میں بدکار شخص فاسق معلن کی اہانت و ذلت واجب ہے اس لیے برے شخص کو عزت کا مقام یا باعزت دینی ڈیوٹی نہیں دی جا سکتی۔ قرآن و حدیث کے مندرجہ بالا دلائل سے یہی کچھ ثابت ہو رہا ہے۔ چہارم یہ کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو مسلمانوں کی زبان کا اعتبار ہے۔ بلکہ زبان خلق کا آوازہ منجانب اللہ ہی ہوتا ہے تو پھر علماء دین اور مفتیانِ اسلام کو بدرجہ اولیٰ اعتماد کرنا چاہیے۔ پانچویں دلیل۔ اسی مندرجہ ذیل حدیث پاک کی شرح میں امام نووی کا قول اس طرح ہے

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ اَثْنَوْا عَلَيْهِ شَرًّا كَانَ مَشْهُوْرًا بِنِفَاقٍ اَوْ بِنَحْوِهٖ مِمَّا ذَكَرْنَا وَهٰذَا هُوَ الصَّوَابُ ۔ (الخ) ترجمہ۔ اور یہ حدیث پاک محمول ہے اس بات پر کہ بے شک جس شخص کی لوگوں نے برائی فرمائی وہ اپنی زندگی میں مشہور رہا۔ منافقت یا اس کی مثل اور فسق وگناہ میں اور ایسے فاسق کو تو موت کے بعد بھی ذلیل کرنا جائز ہے۔ للہٰذا زندگی میں تو زیادہ ضروری تھا کہ لوگ اس کے شر سے خود بھی بچیں اور اپنے بچوں کو نسلوں کو بھی بچائیں۔ نیز امام نووی نے فرمایا کہ یہ ہی شرح جو ہم نے بیان کی درست ہے۔ پس چونکہ زید کی یہ بد فعلی بھی لوگوں میں مذکورہ مشہور ہو چکی ہے۔ جس کو حلفیہ بیان کے ساتھ تحریر کر کے میرے پاس نام بنام مع دستخط کثیر لوگوں نے اپنی گواہیاں بھیجی ہیں اور میں نے خود اس کا بیان لیا ہے جو شرعاً مدعی ہے اس کے والدین کا حلفیہ تحریری بیان لیا گیا۔ اس تمام تحریر سے ثابت ہوا کہ زید کی یہ بدکاری مشہور ہو چکی ہے نیز کسی شخص نے بھی زید کی سابقہ پاکبازی یا تقوے طہارت کی گواہی نہ دی مزید یہ کہ لوگوں کی زبانی زید اپنے حلیے سے بھی شرعی آدمی معلوم نہیں ہوتا زید خود بھی آج تک اپنی صفائی پاک بازی اور باشرع ہونے میں کوئی ملتی گواہی یا ثبوت پیش نہ کر سکا۔ میں نے صرف ٹیلی فون پر زید سے گفتگو کر کے اس کا بیان سنا مگر آج تک زید میرے پاس نہیں آیا حالانکہ اس کو بلایا بھی گیا اور صفائی پاک دامنی بیان کرنے کی دو ماہ مہلت بھی دی گئی۔ اس لیے اب صرف زید کا اکیلے اپنی پاک دامنی بیان کرنا اور اس بد فعلی سے انکار تحریر کر دینا قابل قبول نہیں۔ مجرم کب اپنا اقبال جرم کرتا ہے۔ خاص کر اس زمانے میں۔ چھٹی دلیل۔ قانون شریعت میں صرف زنا کی بدکاری کو ثابت کرنے اور شرعی حد رجم یا کوڑے کی مقرر سزا الٰہیہ کو جاری کرنے مجرم کو مارنے کے لیے بہت متقی چار چشم دید گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ دیگر جرائم کے ثبوت کے لیے اتنے زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فتاوی درمختار علی تنویر الابصار جلد پنجم صفحہ ۹۲ پر ہے اور شرح وقایہ جلد سوم صفحہ ۱۵۵ پر ہے۔ وَنِصَابُهَا لِلزِّنَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ وَلِلْقَوَدِ وَبَاقِي الْحُدُوْدِ رَجُلَانِ ترجمہ۔ صرف زنا کے ثبوت کے لیے گواہوں کی شرعی معتبر تعداد چار مرد ہیں اس کے علاوہ باقی جرم اور حدود کے ثبوت کے لیے صرف دو مرد گواہ کافی ہیں یہ بھی صرف عدالت اسلامیہ میں شرعی سزا نافذ کرنے کے لیے ہے۔ لیکن اگر کسی کی زناکاری ویسے ہی مشہور ہو گئی تو شرعی فتوے میں وہ بد خصلت آدمی فاسق و فاجر اور قابل نفرت وتذلیل ضرور تصور کیا جائے گا۔ قرآن کریم نے بھی صرف زنا کے عدالتی ثبوت کے لیے چار چشم دید گواہوں کی پابندی قائم فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے جرم کے لیے خواہ کتنا ہی فحش ہو، چار گواہ شرط نہیں ہیں۔ چنانچہ سورۃ نور آیت نمبر ۴ میں ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (الخ) اور آیت نمبر ۱۳ میں ہے۔ لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ دونوں آیتوں میں یہی ثابت ہو رہا ہے کہ صرف زنا کی عدالتی تحقیق کے لیے چار عینی گواہ لازمی ہیں نہ کہ دوسری بد فعلیوں کے لیے اور زنا کی بابت سب ہی جانتے ہیں کہ عورت اجنبیہ کی قبل میں وطی کرنا زنا ہے

لواطت یا کسی جانور سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ کسی بھی فقیہ عالم محدث مفسر نے لواطت اغلام وغیرہ کو نہ زنا کا لقب دیا نہ کسی نے زنا کے علاوہ چار گواہی کی پابندی کو ثابت کیا۔ نہ کوئی امام ائمہ اربعہ میں سے اس خلاف قرآن مسلک کا قائل ہوا۔ چنانچہ تفسیر رازی میں جلد ششم ص۱۲۱ پر اصلاح ہے۔ لیکن لواطت زنا کے ساتھ شامل نہیں۔ اس لیے اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ششم پ۱۸ ص۸۰ پر ہے۔ وَلَا تُقَاسُ اللِّوَاطَةُ عَلَى الزِّنَا فَلَوْ قَذَفَ بِهَا لَا يُحَدُّ الْقَاذِفُ ۔ ترجمہ۔ اور لواطت کو زنا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا (الخ) لہذا اگر کسی شخص کو لواطت کی جھوٹی تہمت لگا دی تو تہمت لگانے والے کو حد قذف اسی کوڑے نہیں ماری جائیں گی خیال رہے کہ مندرجہ بالا دلائل کے تحت لواطت اور زنا میں پانچ طرح فرق ثابت ہوتا ہے۔ نمبر۱ زنا کی تہمت میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کو شرعی مقررہ حد لگائی جائے گی جیسا کہ اوپر سورۂ نور کی آیت نمبر۴ میں لکھا ہے۔ مگر لواطت کی تہمت لگانے کی یہ سزا شرعی نہیں ہے۔ نمبر۲ زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد عینی گواہ لازم ہیں مگر لواطت کے عدالتی ثبوت کے لیے فقط دو گواہ کافی ہیں نمبر۳ زنا کی سزا حد شرعی ہے یعنی شادی شدہ کو رجم کرکے ہلاک کرنا اور کنوارے کنواری کو سو کوڑے۔ مگر لواطت کے جرم میں حد نہیں ہے بلکہ تعزیری سزا ہے۔ اگرچہ حکومت وقت بمقابلہ حد زیادہ ہی لگا دے نمبر۴ زنا زیادہ بڑا جرم ہے۔ لواطت اس کے کم مگر بدکاری۔ بے غیرتی۔ بے حیائی میں دونوں برابر ہیں۔ نمبر۵ لواطت ان جرموں میں سے ہے جو شہرت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور فقط شہرت و آثار کی بنا پر فتوئے شرعی لگایا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ فلاں آدمی بدکار ہے۔ جیسا کہ قرآن و حدیث کی اوپر والی دلیلوں سے ثابت کیا گیا۔ ان تفریقات اور دلیلوں کی روشنی میں مذکورہ فی السوال زید کے جرم کے مشہور ہونے کی بنا پر اور مدعی و گواہان کے حلفیہ تحریری بیانات کی وضاحت اور مدعی علیہ زید کے تحریری بیان کے اشارات کے نتیجہ میں یہ فتویٰ جاری کیا گیا ہے اور چونکہ یہ فتویٰ زید کے فسق و فجور ظاہر کر رہا ہے لہذا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے زید شرعی تعزیر سے بچ جاتا ہے مگر یہ خصلتی فاسق و فاجر ہونے اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے نہیں بچ سکتا اور یہ فتویٰ مندرجہ بالا دلائل کی بنیاد پر بالکل درست اور مضبوط ہے۔ ایسی بدفعلیوں کے لیے زید کو کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ خبردار کوئی شخص زید کی کسی طرح حمایت نہ کرے ورنہ وہ بھی قانونی و شرعی مجرم ہوگا۔ اب رہا دوسرا سوال۔ کہ ایسے مجرم و بدطینت گندے بندے اور برے انسان کو کسی مسجد کا متولی یا ٹرسٹی بنانا جائز ہے یا نہیں۔ تو یہ بات اولاً ضرور ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قانونِ شریعت میں مساجد۔ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی متبرک مقدس جگہ ہیں۔ ان مقامات کے اندر کوئی گندہ پلید شخص نہیں آسکتا۔ نہ جسمانی گندہ نہ نفسانی نہ قلبی نہ ذہنی نہ ایمانی۔ نہ گندے عقیدے والا۔ فقہاء کرام نے متولی مسجد کے لیے نیک متقی عادل دیانت دار پاکباز۔ ایمان و امانت والا ہونے کی شرط مقرر فرمائی ہے کسی بھی مسجد وغیرہ کا متولی جس کو انگریزی میں ٹرسٹی کہتے ہیں۔ خواہ ایک ہو یا چند ہوں۔ فاسق۔ بددیانت اور بے غیرت و بدکار آدمی نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر کوئی برا آدمی متولی (ٹرسٹی) بنا دیا گیا ہو تو بحکم شریعت مطہرہ فوراً اس کا اس تولیت سے ہٹا دینا واجب ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ چنانچہ ترتیب فتوی کے لحاظ سے آٹھویں دلیل۔ فتاوی

قاضی خان جلد دوم صـ۴۶۱ پر ہے۔ وَمَنِ اتُّهِمَ بِالْفِسْقِ تَبْطُلُ عَدَالَتُهٗ۔ ترجمہ۔ اور وہ شخص جو کسی گناہ بدکاری وغیرہ کی تہمت میں مشہور ہو جائے اس کا متقی عادل ہونا یعنی ایمان داری دیانت داری اور قابل اعتماد ہونا ختم اور باطل ہو جاتا ہے اور کسی بھی ذمے داری کے لیے وہ قابل اعتماد نہیں رہتا خیال رہے کہ شریعت پاک میں امانت و دیانت کا بہت اہتمام رکھا گیا ہے بلکہ عبادت وتقوے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی زندگی کو پاکباز بنائے اور کسی بھی موقعہ پر نفس و شیطان کے بہکانے سے خلوت وجلوت میں بددیانتی اور خیانت نہ کرے جب انسان کوئی ظاہراً گناہ کرتا ہے بدفعلی یا جنسی بدکاری تو شرعاً اس کی دیانتداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور کسی بھی دینی دنیوی ذمے داری کے لیے وہ قابل اعتماد نہیں مسجد کی ذمے داری اٹھانا تو بہت ہی بڑی دیانت و ایمان کی چیز ہے۔ اس کے لیے تو نہایت پاکباز متقی۔ نیک صالح مومن مسلمان ہونا چاہیے باری تعالیٰ نے زمین پر اپنی پہلی مسجدوں کے لیے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا مسجد نبوی اور مسجد قبا شریف کے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جیسا کہ قرآن مجید حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس سے مسجدوں کی شان اور امور مساجد کی آن ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کسی بدکار بد خصلت ذلیل انسان کو مسجد کا متولی بنانا جائز نہیں۔ کہ جو شخص اپنے تقوے طہارت کو نہیں بچا سکتا اور نفسانی شہوتوں سے غیرت و حیا کو پامال کر دیتا ہے۔ وہ مسجد کے آداب و حقوق کا کب خیال رکھے گا۔ اس لیے مذکورہ فی السوال زید کو فوراً متولی اور ٹرسٹی ہونے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ نویں دلیل۔ فتاویٰ درمختار جلد چہارم صـ۳۸۰ پر ہے۔ وَيُنْزَعُ وُجُوْبًا (بزازیہ) لَوْ غَيْرَ مَامُوْنٍ اَوْ عَاجِزًا اَوْ ظَهَرَ بِهٖ فِسْقٌ كَشُرْبِ خَمْرٍ وَ نَحْوِهٖ۔ اور اس کی شرح فتاویٰ شامی میں اسی صفحہ پر ہے۔ وَلَا يُوَلّٰى اِلَّا اَمِيْنٌ قَادِرٌ بِنَفْسِهٖ[1] ترجمہ۔ مسلمانوں پر واجب کہ ایسے متولی (ٹرسٹی) کو مسجد کمیٹی سے فوراً نکال دیا جائے جو بے اعتبار ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق ظاہر ہو۔ جیسے شراب پینا اور اس کی مثل کوئی گناہ بدکاری وغیرہ۔ اس فرمان سے ثابت ہوا کہ فاسق فاجر اور برے کام کرنے والا آدمی مسجد کا متولی نہیں بن سکتا۔ فتاویٰ شامی کی عبارت کا ترجمہ ہے کہ مسجد وغیرہ دینی عمارات و مکانات کا متولی فقط اس کو ہی بنایا جائے جو نیک متقی امانت دار ہو اور ہر وقت اپنے نفس پر قابو رکھنے والا ہو۔ اس لیے کہ خائن آدمی مسجد جیسی پاک جگہ کے لیے قطعاً مفید نہیں۔ وہ تو مسجد کا نقصان ہی کرے گا۔ جو اپنے ایمان میں خیانت کر رہا ہے اور بدفعلی سے باز نہیں آتا اور خدا کا خوف نہیں رکھتا وہ مسجد کا احترام و ادب کب رکھے گا۔ اس لیے زید کو فوراً مسجد کمیٹی سے نکال دیا جائے۔ دسویں دلیل۔ مشکوٰۃ شریف صـ۷۱ باب المساجد فصل ثالث میں ہے۔ وَعَنِ السَّائِبِ ابْنِ خَلَّادٍ وَ هُوَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ۔ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ۔ وَحَسِبْتُ اِنَّهٗ قَالَ۔ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

ترجمہ۔ حضرت سائب بن خلاد صحابی پاک سے روایت ہے کہ ایک شخص قوم کا امام مقرر ہوا تو کسی وقت اس نے قبلے کی طرف منہ کرکے تھوک دیا۔ یہ حرکت کرتے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ رہے تھے اس وقت تو اس نے نماز پڑھا دی مگر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم کو فرمایا کہ اس شخص کو امامت سے ہٹا دو اب آئندہ یہ شخص نماز نہ پڑھائے جب دوسری نماز کے وقت اس شخص نے امامت کرانے کا ارادہ کیا تو قوم نے منع کر دیا اور رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کی اس کو خبر دی۔ تب وہ حاضر بارگاہ مقدس ہوا اور اس نے یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں (ہم نے منع کیا ہے) اور راوی فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بے شک تو نے اپنے اس برے کام سے اللہ رسول کو قلبی ایذا پہنچائی ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ہم نے یہاں اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ جب صرف کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے تھوک سے اللہ رسول کو سخت ناراضگی ہوئی اور ایذا پہنچی اور وہ امام اتنا برا سمجھا گیا کہ آئندہ کے لیے اس کو امامت سے بالکل نکال دیا گیا۔ تو یہ مذکورہ فی السوال زید جس نے اتنی سخت گندی حرکت کی ہے۔ وہ اللہ رسول کی نظر میں اس سے بھی کہیں زیادہ فاسق ہے۔ اس کے اس کام سے اللہ رسول کو زیادہ ایذا پہنچی ہے اور مسجد کا متولی اپنی مسجد کے امام کو بالکل یا عارضی یا وقتی طور پر امامت سے بلاوجہ بھی ہٹا سکتا ہے اور امامت کا حق اپنے لیے یا کسی اور شرعی بزرگ مہمان کے لیے وقتی کیفیت میں چھین سکتا ہے اور دے بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہمارے مطبوعہ فتاوی العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ گیارہویں دلیل۔ دنیائے انسانیت میں سب سے زیادہ ذلیل حرکت جنسی بدفعلی یعنی لواطت ہے۔ کسی نے اس کو بے غیرتی کہا۔ کسی نے بد دیانتی اور کسی نے اس کو خباثت۔ کسی نے اسلام سے غداری لکھا ہے اور قانون شریعت کے مطابق فاسق گناہگار کی توہین اور ذلت کرنا واجب ہے چنانچہ فتاوی ردالمحتار جلد دوم صـ۲۶۶ پر ہے۔ وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْنَا اِهَانَتُهٗ ۔[۱۲] ترجمہ۔ فاسق بدخصلت کو ذلیل کرنا۔ ذلیل رکھنا۔ ذلیل سمجھنا ہم سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس فقہی قانون کلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زید جیسے بدکار کو فوراً متولی کے درجہ سے ہٹا دیا جائے تاکہ اپنے جرم اور گھناؤنے فعل کی وجہ سے قوم میں رسوا ہو۔ اگر زید ہٹائے جانے کے بعد بھی توبہ بھی کرے تب بھی فوراً اس کو کسی اچھے منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ فقہائے اسلام نے حدیث و قرآن کی روشنی میں توبہ کی کچھ مدت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان جلد دوم صـ۴۶۱ پر ہے اَلْفَاسِقُ اِذَا تَابَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ مَا لَمْ يَمْضِ عَلَيْهِ زَمَانٌ يَظْهَرُ اَثَرُ التَّوْبَةِ ثُمَّ بَعْضُهُمْ قَدَّرَ ذَالِكَ بِسِتَّةِ اَشْهُرٍ وَبَعْضُهُمْ قَدَّرَ بِسَنَةٍ۔ ترجمہ۔ کوئی بھی فاسق جب اس نے اپنے گناہ سے سچی توبہ کر لی۔ تو بھی وہ اسی وقت نیک متقی اور عادل نہ کہلائے گا نہ ایک دم پاکبازی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ نہ ایک دم اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ جب تک اس پر اتنا زمانہ نہ گزر جائے گی۔ جب تک ایسے حالات نہ آ جائیں۔ جس سے وہ متقی معلوم و مشہور ہو اور توبہ کا اثر ظاہر ہو۔

پھر کچھ فقہاءِ کرام نے چھ مہینے مدت کا اندازہ فرمایا اور کچھ فقہاءِ کرام نے ایک سال کی مدت بیان کی ہے یعنی ایک سال یا چھ ماہ کے بعد اس سچی توبہ کے ظاہری ثبوت ملنے پر اس کا جرم اور اس کی ذلت ختم ہو گی اور معاشرے میں قابلِ اعتبار سمجھا جائے گا۔ پھر اس کو سابقہ عہدہ یا نیا عزت کا درجہ عہدہ دیا جا سکتا ہے۔ یہی حکم ان بدبخت اماموں اور خطیبوں کا ہے جو داڑھی منڈا کر۔ یا حدِ شرعی چار انگل سے کم رکھ کر۔ باقی کترا کر۔ وقتی طور پر رمضان وغیرہ میں توبہ کر لیتے ہیں کہ آئندہ ہم داڑھی نہ کترائیں گے اور لوگ ان کی جھوٹی بناوٹی توبہ کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ فقہاءِ اسلام نے ایسے ہی دھوکے بازوں کے لیے سچی توبہ کا نشان مقرر فرما دیا ہے کہ جب تک گناہ کا خاتمہ اور توبہ کا اثر جسم پر ظاہر نہ ہو امامت نہ دی جائے نہ اس کے پیچھے نماز جائز۔ جب داڑھی مبارک سنتِ نبوی کے مطابق پوری چار انگل ہو جائے نہ کم نہ زیادہ تب امامت پر قائم ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہماری قوم کو دھوکے باز مولویوں اماموں خطیبوں اور پیروں سے بچائے۔ بارھویں دلیل۔ رہی تیسری بات کہ کچھ لوگ زید کی حمایت طرف داری اور باوجود اس کے کہ ان کو بھی معلوم ہے کہ زید پر یہ اتہام اور بدکاری کی تہمت لگی ہوئی ہے اس کو اسی مقام اور عزت کے عہدے پر رکھنا چاہتے ہیں۔ یا اس کے لیے مسائل کو توڑ موڑ کر بیان کر رہے ہیں۔ یا وہ لوگ جو زید کو مسجد کمیٹی میں ہر حالت میں عزت دینے اور مسجد کمیٹی میں رکھنے پر بضد ہیں۔ وہ بھی اسی زمرے کے گناہ گار ہیں۔ بلکہ بدکار اور بدخصلت لواطت کرنے والے مجرم کی حمایت کر کے عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں حالانکہ بدکار فاسق وفاجر کی حمایت کرنا قرآن مجید کے فرمانِ عالیہ سے بدترین جرم ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ پارہ ششم آیت ۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم لوگ نیکی اور تقوے کی مدد کرو اور نیکیوں سے تعاون کرو اور نہ تعاون کرو تم گناہ۔ سرکشی اور بُرے انسان کی برائیوں کے ساتھ۔ بدکاروں ظالموں کی مدد نہ کرو۔ آیت پاک میں جو حکم واجب فرمایا جا رہا ہے اس پر غور کرنا چاہیے اور اس آیت پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہیے تاکہ دنیا سے بے حیائی بے غیرتی کی جڑیں ختم ہو جائیں۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ مذکورہ زید کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے زید آئندہ کے لیے سچی توبہ اور نیک بننے پر مجبور ہو جائے۔ اسی میں رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے زید کی ناجائز حمایت ومدد سے خدا تعالیٰ کے قہر وغضب کا اندیشہ ہے۔ تیرھویں دلیل۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا انجام کس کو معلوم نہیں؟ قرآن مجید میں ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَا اَصَابَهُمْ ھود آیت ۸۱۔ اے حضرت لوط آپ کے آل میں سے صرف آپ کی بیوی عذاب سے نہیں بچ سکتی اس کو وہی عذاب پہنچے گا جو ان بدکاروں بے غیرتوں کو پہنچے گا۔ حالانکہ احادیث وتفاسیر سے ثابت ہے کہ بیوی بے غیرت اور بدکارہ نہ تھی۔ مگر عذاب اسی طرح کا آیا۔ صرف اس لیے کہ وہ بدکاروں کی حمایتی اور تعاون کرنے والی ان سے محبت کرنے والی تھی۔ اس نے اللہ رسول اور دین کے قانون ومحبت کو چھوڑ کر۔ برادری ودوستی رشتے داری کو نبھایا تو حشر دیکھ لیا۔ لہٰذا ان آیتوں اور ان کی ہیبت ناک

خبروں کو پڑھ کر بُرے آدمی سے محبت کرنے سے بچنا چاہیے۔ جو بدقسمت انسان اپنے رحیم کریم رب تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ ایسے پلید شخص سے محبت کرنا شان بندگی کے خلاف ہے۔ چودھویں دلیل۔ رب تعالیٰ کی یہ عادتِ کریمہ اور قانونِ الٰہیہ ہے کہ جو بُرے شخص کی حمایت کرے گا وہ بھی بُرے شخص کو مثل ہوگا اور بُرے شخص کی برائی اسی حمایتی کی طرف منسوب ہوگی خواہ یہ حمایت کتنے ہی زمانے کے بعد ہو۔ اور اسی ناجائز حمایت کی بنا پر وہ تمام موجودہ یا بعد میں آنے والی تمام نسلیں شخصیتیں سزا و اخروی اور عتاب دنیوی و قہر آسمانی میں برابر کے شریک کر دیئے جائیں گے۔ جس کا ثبوت ایک تو اسی سورۃ ھود میں زوجہ لوط علیہ السلام کے عبرت ناک انجام سے حاصل ہوا یہ تو موجودہ حمایتی کی سزا کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ سورۃ البقرہ شریف آیت ۹۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ ۔ ترجمہ۔ اے حبیب کریم ان یہود مدینہ سے پوچھیے اور سوال فرمائیے کہ۔ پس کیوں قتل کرتے رہے تم اللہ کے نبیوں کو۔ یہ سوال آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ حالانکہ ان یہودی نسلوں نے تو کسی نبی کو قتل نہ کیا تھا نہ اس سے پہلے کوئی نبی ان کے پاس تشریف لایا تھا۔ مگر ان کو قاتل فرمایا گیا۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ جن سابقہ لوگوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء کرام کو شہید کیا یہ بدبخت لوگ ان قاتلوں کو اپنا بزرگ پیشوا مانتے تھے اور ان کی عزت و حمایت کرتے تھے اور ان کی طرف داری و اچھائی بیان کرتے تھے ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اس عادت کریمہ اور قانون خداوندی سے تا قیامت یہ ثابت ہو گیا کہ جب بھی کبھی کوئی شخص کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمن شریعت کے نافرمان مجرم کی محبت یا حمایت کریگا تو وہ عند اللہ خود بھی فقط حمایت کی وجہ سے مجرم اصلی کی طرح شرعی مجرم اور قابل سزا لائق غضب الٰہی ہوگا۔ اسی قانون کے تحت یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ تا این دم تمام دیوبندی وہابی گستاخ انبیاء کرام ہیں اور بدترین انسان ذلیل ترین مخلوق ہیں۔ اگرچہ اپنے قلم و زبان سے آج گستاخیاں نہیں کرتے مگر چونکہ اپنے ان بڑوں کی حمایت کرتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زبان و تحریر سے پیارے آقاء کل رحیم و کریم نبی کی شان اقدس میں انتہائی بے ادبیوں گستاخیوں اور خباثتوں کو ظاہر کیا۔ آج موجودہ دیوبندی وہابی ان ہی کی مثل ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنا پیشوا امام۔ بزرگ اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ خدا ان کو سمجھے۔ پندرھویں دلیل۔ سورہ نور آیت نمبر ۲ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (۲/۲۴) اور نہ آئے تم مسلمانوں کو۔ بدفعلی کرنے والے دونوں مجرموں پر ذرہ بھر ترس یا رحم یا محبت اللہ کے دین کے مقابل۔ دین کا قانون یا عدالتِ اسلامیہ کے مکمل فیصلہ کرنے میں اور حد کی سزا یا تعزیر کا فتویٰ جاری کرتے میں۔ غرضیکہ مجرم سے کسی قسم کی محبت یا حمایت نہ کی جائے۔ معلوم ہوا کہ دینی مجرم کو اپنی ذاتی دوستی اور محبت الفت کی بنا پر یا اپنی گروہ بندی یا برادری کی وجہ سے شرعی فتوے سے بچانا یا بلاوجہ مجرم نہ سمجھنا اللہ کے دین کا مقابلہ کرنا ہے

قرآن کریم سے تو یہی ثابت ہے کہ جو مومن ہیں وہ اللہ کے دین کی خاطر اور شریعت پاک کی عزت عظمت و بالادستی کی خاطر اپنی کسی دوستی تو درکنار برادری رشتے داری بلکہ آل اولاد کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہی سچا ایمان ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں پر افسوس تو اسی بات کا ہے کہ ہر روز رات کو وتروں میں ہر نمازی پڑھتا ہے اور نہایت عاجزی انکساری جذبہ ایمانی سے باوضو کعبہ رخ ہو کر اپنے رب کریم خالق و مالک سے وعدہ کرتا ہے کہ وَ نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار ہم ہر اس بدکار فاسق فاجر سے جدائی کرتے ہیں اور اس کو چھوڑتے ہیں جو تیری شریعت سے نافرمانی فسق و فجور خلاف ورزی کرے۔ لیکن اس وعدے کے باوجود ان مسلمانوں کا حال کیا ہے۔ بلا خوفِ خدا و بلا شرم نبی۔ شریعت کے مجرموں کی حمایت صرف ذاتی مفاد کی خاطر کرتے رہتے ہیں کہ وعدہ خلافی۔ بد عہدی۔ بد دیانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہدایت شریعت عطا فرمائے۔ سولھویں دلیل۔ تفسیرات احمدیہ صـ۶۶۱ پر ہے کہ قیامت کے دن عدالت عالیہ الٰہیہ میں ایک دنیوی قاضی یا مفتی یا عدالت حاکم کو لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں مجرم کی سزا میں حد شرعی سے اتنی کمی کیوں کی تھی۔ وہ عرض کریگا مولیٰ مجھ کو مجرم پر ترس آ گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کیا تو ہم سے زیادہ ترس کرنے والا ہے۔ وہ لاجواب ہو جائے گا۔ حکم الٰہی نافذ ہوگا کہ اس دنیوی جج قاضی یا مفتی کو مجرم شرعی پر ترس کھاتے حد شرعی میں دخل اندازی کی بنا پر جہنم میں ڈال دو۔ ڈال دیا جائے گا۔ پھر دوسرا جج اور عدالت کا قاضی یا حاکم وغیرہ لایا جائے گا۔ اس سے سوال ہوگا کہ تو نے فلاں مجرم کو اتنی سزا زیادہ کیوں دی تھی۔ حد شرعی میں زیادتی کیوں کی؟ وہ عرض کرے گا کہ یا مولیٰ میں نے جلدی عبرت اور توبہ کے لیے ایسا کیا تھا۔ جواب آئے گا کہ کیا تو اللہ کی مقرر کردہ سزا سے زیادہ عبرت دلانے والا ہے۔ اس کو بھی اس دخل اندازی کی سزا میں جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ اکبر دو طرفہ کتنا نازک مرحلہ ہے۔ اسی عبرت ناک انجام کو سوچ کر میں کبھی کسی فتوے میں جلد بازی یا بغیر سوچے سمجھے یک طرفہ کاروائی نہیں کرتا۔ نہ اپنے پرائے مجرم کی رعایت نہ کسی سے دشمنی یا زیادتی۔ جس نوعیت کا جرم اور جس حد تک ثبوت ملے اسی حد تک اسلامی فتوے کا حکم سنایا جاتا ہے اور کوشش کیجاتی ہے کہ بلا وجہ مجرم کی مزید شہرت اور رسوائی نہ ہو مقصد صرف اصلاح ہے تاکہ معاشرہ درست رہے۔ اسی لیے اس فتوے میں مجرم مدعی علیہ اور مدعی و گواہان کے اصل نام و مقام ظاہر کیے گئے۔ بلکہ خاموشی سے آمادہ توبہ کیا گیا ہے جتنی شہرت ہونا ہے وہ پہلے ہی ہو چکی ہے۔ اسی کی بناء پر فتویٰ جاری کیا گیا اور حاصل شدہ ثبوت کی نوعیت پر جتنی تعزیر لازم ہوتی ہے شریعت جس کی اجازت دیتی ہے اس سے ذرہ بھر زیادتی کمی نہیں کی گئی۔ جب میرے پاس یہ مدعی لڑکا اور اس کے واحقین و گواہان کثیر مختلف اوقات میں آتے رہے تو میں نے ایک دم فتویٰ جاری نہیں کر دیا۔ بلکہ بڑی سخت جرح بحث مباحثہ مکالمہ مختلف سوالات و ثبوت طلب کیے اور ۲۰۰۸-۹-۲۹ء سے آج تک تقریباً دس مرتبہ دور کے سفر سے بلایا اور چھوٹی چھوٹی چیز کے بھی تحریری

ثبوت مانگے اور ہر طرح سوچنے سمجھنے کا موقع دیا۔ غلط بیانی سے آخرت کا خوف دلایا۔ عذاب کی حدیثیں سنائیں اور بار بار بتایا کہ دیکھو سچے بیان اور گواہی کا یہ ثواب ہے اور جھوٹی تہمت کا یہ عذاب ہے۔ ہر شخص سے حلف لیا۔ مدعی لڑکے سے بیانات لیتے وقت مختلف طریقے اختیار کیے۔ بدل بدل کر تفتیش کی کئی دفعہ پیچھے سے سخت نرمی سے سوالات کیے تاکہ ظاہر ہو کر لڑکا جھوٹا ہے یا بچا اور کسی کی سکھائے ہوئے سبق سنا رہا ہے یا حقیقت بیان کر رہا ہے۔ زید کو بھی بے خبر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ تحریری بیانات ٹیلی فون پر گفتگو اور پوری اتنے ماہ کی کارروائی سے آگاہ کیا گیا۔ یہ سب تحریریں دو طرفہ اب بھی میرے پاس ریکارڈ ہیں۔ غرضکہ مفتیٔ اسلام کے ضوابط کے مطابق جو کچھ ہم کو اصول فتوای والد محترم و دیگر اساتذہ نے پڑھائے اور عمل طریقہ سکھلایا وہ میں نے پورا استعمال کیا۔ کوئی کمی نہ چھوڑی۔ اس تمام عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ مدعی وگواہان کی طرف سے نہ بناوٹ ہے نہ سکھلائی ہوئی باتیں ہیں نہ پڑھائے ہوئے سبق ہیں۔ نہ کوئی ذاتی دشمنی کی وجہ سے یہ کچھ کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ سب بیانات حقیقت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں اور خود زید کی ہچکچاہٹ۔ لجاہٹ اور بار بار یہ کہنا کہ میرا بیان کسی کو نہ دکھایا جائے اور دبے لفظوں میں اقرار جرم یہ ہی بتاتا ہے کہ واقعی زید مذکور اس حرکت قبیحہ کا مرتکب ہوا ہے اور غالبًا ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ بقول فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو پہلے یا دوسرے جرم پر ذلیل وخوار نہیں کرتا۔ ان مسلمانوں کے پیہم اصرار کے بعد جنھوں نے مجھ کو قولی اور تحریری حلفیہ بیانات سے مکمل یقین دلایا ہے کہ واقعی یہ تمام واقعات پرسچ ہے۔ تب بامر مجبوری میں نے اپنی دینی ذمے داری اور خوف آخرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کثیر صفحات پر مکمل تحریری بیانات اعتماد واحتیاط کے ساتھ بادلائل کثیرہ یہ فتوٰی لکھا اور جاری کیا ہے کہ زید مذکور سخت ترین فاسق وفاجر ہے۔ اس کو تعزیری سزا فقط یہ ہے کہ اس کو فورًا مسجد کمیٹی انجمن۔ متولی (ٹرسٹی) ہونے سے فورًا نکال دیا جائے اور سچی توبہ پر رغبت دلائی جائے اور اگر خوش قسمتی سے سچی توبہ کرے تب بھی اصول شریعت کے حکم کے مطابق کم ازکم چھ ماہ تک اس کو کوئی بھی عزت کا درجہ ہرگز ہرگز نہ دیا جائے۔ تاکہ اس بدباطن مجرم کو بھی عبرت ہو اور عوام الناس کے دلوں میں بھی شریعت مطہرہ کی بالادستی اور قانون اسلامی کا وقار وعزت واحترام پیدا ہو۔ یہ فتوای مدعی لواطین اور گواہان کی حقانیت کی صورت میں بالکل درست ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے دنیا بھر کے بڑے بڑے علما اور اہل فتوای بزرگان دین کی نظر میں لایا جائے۔ مگر چھوٹوں سے بچایا جائے۔

وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبـــــــــــہ

۱۴ ذی القعدہ جمعہ ۱۴۰۶ھ

ساتواں فتویٰ ، نامرد کی بیوی کی تنسیخ نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ میں مسمات ہندہ بی بی بنت فلاں قوم فلاں سکونت انگلینڈ کا نکاح آج نو سال پیشتر بکر بن زید سے ہوا۔ میں آٹھ سال تک اپنے خاوند مذکور کے ساتھ بطور بیوی آباد رہی۔ مگر میرا یہ خاوند بالکل نامرد ہے۔ آج تک ایک دفعہ بھی مجھ سے صحبت نہ کر سکا۔ میں اب تک بالکل کنواری ہوں۔ پچھلے سال آپ کو میں نے درخواست حاضر کی تھی کہ میرا نکاح فسخ کیا جائے۔ مگر آپ نے میرے خاوند کو ایک سال کی مہلت علاج معالجے کے لیے دی تھی۔ میرے خاوند نے اس ایک سال میں بہت علاج کرایا۔ ہندوستان کے طبی حکیموں سے برطانیہ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے بہت قیمتی علاج ٹیکے دوائیاں وغیرہ سے کیا۔ جن کی بچی کھچی دوائیاں اور حکیموں کی خط و کتابت والی تحریریں۔ بل رسیدیں حاضر خدمت ہیں۔ ابھی تک ذرہ بھر فائدہ نہیں ہوا۔ آپ نے پہلی درخواست کے بعد جو حلفیہ بیانات لیے تھے ان کی مختصر روئداد کراپنی اس دوسری درخواست میں پیش کر رہی ہوں۔ میری شادی اس خاوند سے محبت کی بنا پر ہوئی تھی یہ خاوند جسمانی اعتبار سے بالکل تندرست اور بہت زیادہ خوب صورت ہے۔ میں بھی بالکل صحت مند اور خوب صورت ہوں۔ وہ بھی امیر اور دولت مند ہے اور میں بھی۔ برطانوی رواج کے مطابق ہمارا اپنا کاروبار ہے۔ کسی طرح کوئی لڑائی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ صرف اس کی نامردی سے مجھ کو مایوسی ہے۔ وہ مجھ سے چھ سال چھوٹا ہے میری عمر اس وقت اڑتیس ۳۸ سال ہے۔ اس کی عمر اس وقت بتیس سال میرا قد بھی اس سے دو انچ بڑا ہے وہ قد میں مجھ سے چھوٹا ہے۔ میں اس سے کچھ موٹی بھی ہوں۔ پہلے کافی سال ہمارا کوئی جھگڑا لڑائی نہیں ہوئی۔ لیکن اب مجھ کو سخت پریشانی رہتی ہے۔ طبیعت لڑنے کو چاہتی ہے۔ ایک دفعہ اسی طرح میری طبیعت میں سخت الجھاؤ پیدا ہوا اور میں نے اس کو گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اس نے مجھ پر پہلی دفعہ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور دو تھپڑ مارے مگر مجھ کو بھی سخت غصہ آیا تھا میں نے اس پر غلبہ پالیا اور انتہا سے زیادہ اس کو مارا۔ کافی دیر تک وہ روتا چیختا چلاتا رہا اور معافیاں مانگتا رہا مگر میرا ایک ہی مطالبہ تھا کہ مجھ کو طلاق دے۔ میں نے اس کی ناک منہ سے خون چلا دیا مگر اس نے مجھ کو طلاق نہیں دی۔ اس کا صحبت کرنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ ہر رات ساری رات اور کبھی تین تین گھنٹے چومتا چاٹتا رہتا ہے۔ خود بھی کافی پریشان رہتا ہے۔ مگر اس کے آلۂ تناسل میں ذرا بھی سختی نہیں آتی دوائیوں علاجوں کے بعد اور پہلے بھی میں نے اپنے ہاتھ سے بھی تیل وغیرہ لگا کر اس کے آلۂ تناسل کو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ مگر مطلقاً اثر نہیں ہوتا۔ اس کا آلۂ تناسل اس کے جسمانیت کے اعتبار سے کچھ زیادہ لمبا ہے۔ تقریباً ایک دفعہ میں نے ناپا تو چار انچ لمبا تھا۔ نیچے والے فوتے بھی درست ہیں نہ وہ خصی ہے نہ خنثیٰ۔ صرف اس میں طاقت نہیں آتی۔ بالکل کپڑے کی طرح اور پھندنے کی طرح نرم لٹکتا رہتا ہے۔

کبھی سر درد ہی سکڑتا بھی نہیں آس پاس نیچے اوپر کی جگہ بھی بالکل نرم پلپلا گوشت ہے۔ باقی جسمانیت اچھی خاصی صحت مند ہے۔ بات بھی تجارت بھی اور لین دین خوب کرتا ہے۔ لیکن جب سے میں نے لڑائی میں اس کو مارا ہے اس کے بعد سے مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ عورتوں کی طرح ذرا سی بات پر رونے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے طلاق نہ مانگ میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھ کو بھی پہلے اس سے بڑی محبت تھی اور اب بھی ہے مگر اب میرے دل میں خاوند بیوی والی محبت نہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی چھوٹا بچہ ہے یا چھوٹا بھائی۔ اگر کبھی مجھ سے بات کرتا ہے تو میں بچوں کی طرح اس کو سمجھاتی پیار کرتی ہوں۔ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میرا بھی کوئی صحیح خاوند ہو۔ اب کافی مہینوں سے گھر سے بھاگا ہوا ہے۔ صرف میرے ڈر سے یا اس لیے کہ میں اس سے طلاق نہ مانگوں۔ اس کے پیغامات ملتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی جگہ میری محبت میں تڑپتا ہے میں اپنی جگہ پریشان ہوں۔ ڈرتی ہوں کہیں گناہ کی دلدل میں نہ جا پڑوں۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے اپنی ڈاکٹری بھی کرائی ہے انہوں نے مجھ کو کنوارا لکھا ہے اور میرے خاوند کی ڈاکٹری رپورٹ بھی حاضر خدمت ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ بالکل بیوی کے قابل نہیں۔ نیز برطانیہ کے ہسپتال سے میں نے اپنی ایک بیماری کی تحقیق کرائی تھی۔ تو انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اگر اس کی شادی نہ کی گئی۔ تو اس کو ایک زہریلی بیماری لگ سکتی ہے۔ ان تمام حالات کے پیش نظر کیا شریعت اسلامیہ میرا یہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ میں نے برطانیہ کورٹ میں دعویٰ کیا تھا۔ وہاں میرا خاوند پیش نہیں ہوا تو جج نے یک طرفہ تنسیخ نکاح کا فیصلہ دے دیا۔ آپ کی خدمت میں یہ فیصلہ کورٹ اور میرا نکاح نامہ اور تمام ضروری کاغذات بھی حاضر ہیں۔ لہٰذا براہ کرم مجھ کو شریعت کا فتویٰ عطا فرمایا جائے اور میرا یہ نکاح فسخ کیا جائے۔

ہندہ بی بی۔ ۸۵-۱۲-۱۶۔ بلیک برن انگلینڈ برطانیہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابُ۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں سائلہ کی درخواست کے بعد حتی المقدور دو طرفہ ہر طرح سے تحقیق و تفتیش کرلی گئی اور اس فیصلہ شرعی کے نفاذ کے لیے جتنے بھی ثبوت درکار تھے وہ سب حاصل کر لیے گئے اور تقریباً ایک سال قبل بھی مدعیہ ہندہ بی کی درخواست پر اس کے اور گواہوں کے بیان سنے تھے۔ شرعی اسلامی حکم پورا کرنے کے لیے ایک سال کی مہلت دی گئی۔ تاکہ خاوند مذکور اپنا علاج وغیرہ کرا کر بیوی کے لائق ہو سکے۔ مدعیہ کے پیش کردہ تحریری ثبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ مدعیٰ علیہ خاوند نے بہت کوشش کر کے ہندوستان اور برطانیہ کے مختلف حکیموں ڈاکٹروں اور سیناسیوں سے علاج بھی کرائے۔ مگر کوئی شفا اور فائدہ نہ ہوا۔ ان علاجوں کے بعد خاوند کی مذکورہ بیوی نے اپنی بھی ڈاکٹری کرائی۔ جس کا تحریری نتیجہ ڈاکٹروں نے یہی لکھا ہے کہ یہ

خاوند بکر بن زید بالکل بیوی کے لائق نہیں ہے۔ میں نے خاوند مذکور بکر سے ہر طرح رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ سب کچھ جانتے بوجھتے پھر بھی نہ میرے پاس آیا نہ ٹیلی فون پر بات کی نہ اس کے قریبی رشتے داروں میں سے کوئی آیا، صرف اس کے حلقۂ احباب میں سے چند دوستوں نے اس کے زبانی پیغام پہنچائے جس میں اس نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ نامرد ہے۔ خود مدعٰی علیہ بکر نے اپنی صفائی بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی مدعیہ ہندہ نے جو کاغذات پیش کیے ہیں ان میں نکاح نامہ اور بکر کے کچھ خطوط جن سے یہ ثبوت مہیا ہوئے کہ واقعی ہندہ کا خاوند یہی بکر بن زید ہے۔ کوئی جعل سازی نہیں ہے۔ ہندہ کی ڈاکٹری رپورٹ سے ثابت ہوا۔ پھر برطانوی کورٹ کا فیصلہ بھی پیش کیا گیا۔ اس میں وکیل اور جج نے یہ ہی لکھا ہے کہ مدعٰی علیہ باوجود کتنی مرتبہ بلانے کے کورٹ میں حاضر نہ ہوا۔ اس لیے ڈووس یعنی طلاق کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مگر میں نے کورٹ کے فیصلے کو بلحاظ شریعت اسلامیہ تسلیم نہیں کیا، بلکہ شرعی تقاضوں کے مدنظر خود بحیثیت اسلامی جج ہونے کے پوری تحقیق کی ہے۔ مدعیہ کا حلفیہ بیان ہر طرح سے لیا گیا۔ جیسا کہ اس نے اپنے بالوضاحت تحریری بیان میں ظاہر کیا ہے۔ اس تمام جستجو اور چھان بین کے بعد یہ شرعی اسلامی فتوٰی جاری کیا جارہا ہے اور یہ عدالت فقہ اسلام کا مکمل شرعی فیصلہ ہے کہ ان تمام ڈاکٹری طبی تحریری ثبوتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عجائب قدرت کے مطابق مذکورہ خاوند مسمّٰی زید بن بکر قطعًا نامرد ہے۔ جس کو عربی میں عِنِّیْن (ابرو زن قِقِّیل) کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کا آلہ تناسل مکمل موجود ہے۔ مگر بالکل بیکار، ناکارہ ہے اور اس خاوند نے آج تک اپنی بیوی ہندہ سے وطی کر کے اس کے حقوق زوجیت پورے نہیں کیے اور اتنی مدت میں ایک دفعہ بھی اس قابل نہ ہوسکا اور شرعی اعتبار سے یہ خاوند کا انتہائی بے دردی کا ظلم ہے کہ وہ اپنی ذاتی فضول خواہشات کی وجہ سے طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ بیوی نہایت مجبوری میں اتنے عرصے سے اپنی عزت بچا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ اب ڈاکٹری مشورے کے مطابق مذکورہ بیوی ہندہ بی بی کو ایسی بیماری لاحق ہے کہ اگر شادی نکاح نہ کرے تو بیماری کی زیادتی یا جان کا خطرہ ہلاکت ہے۔ یہ رپورٹ بھی میرے پاس ریکارڈ ہے۔

ان تمام مجبوریوں کی بنا پر فتوٰئے شرعی اسلامی کے ذریعے فقہ حنفی کے قواعد کلیہ کے تحت ہندہ بی بی کا نکاح فسخ کیا جاتا ہے اور آج مورخہ ۸۵-۱۲-۲۵ مطابق تاریخ اسلامی ہجری بارہ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بروز جمعرات سے۔ مسماۃ ہندہ بی بی مذکور یہ اپنے اس خاوند مذکور فی السوال بکر بن زید کے نکاح سے بالکل جدا ہوگئی ہے اور یہ فسخ نکاح طلاق بائنہ ہے اور چونکہ ہندہ بی بی کو اپنے خاوند مذکور سے کئی سال خلوت صحیحہ ہوتی رہی ہے۔ اس لیے قانون شریعت مطہرہ کے مطابق ہندہ آج سے اپنے تین حیض عدت گزارے گی۔ جس گھر میں آج کل ٹھہری ہوئی ہے۔ بلا ضرورت شدیدہ اس سے باہر نہ نکلے یہ عدت گزار کر ہندہ جہاں چاہے

اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ یہ فتوای اور شرعی فیصلہ مندرجہ ذیل دلائل کے تحت نافذ کیا جارہا ہے۔ پہلی دلیل۔ شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ ہر مسلمان خاوند پر واجب ہے کہ اگر وہ اپنی بیوی کے حقوق زوجیت پورے نہ کرسکے تو وہ اللہ رسول کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے کر آزاد کردے۔ تاکہ خاوند کی طرف سے یا بیوی کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ کسی قسم کا ظلم نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ طلاق آیت نمبر ۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (الخ) ترجمہ اے خاوندو (تمہارے لیے گھریلو ایماندار۔ نیک نیتی۔ رحم دلی کے لیے دو ہی راستے ہیں) کہ یا اپنی بیویوں کو اپنے پاس ہی آباد رکھو اور ہر طرح پورے حقوق ادا کرسکتے ہو تو ان کو روک رکھو۔ یا ان کو طلاق وغیرہ کے ذریعے بہت اچھے طریقے سے بھلائی کے ساتھ اپنے سے جدا کردو اگر تم ان کے حقوق پورے نہیں کرسکتے۔ یہ تھا اس آیت پاک تفسیری۔ ترجمہ۔ اور صورت مذکورہ میں چونکہ خاوند خود طلاق نہیں دیتا نہ حقوق پورے کرتا ہے۔ نہ کرسکتا ہے نہ خانہ آبادی پر قادر ہے۔ اس لیے وہ خاوند قانون کی نگاہ میں ظالم ہے۔ اس لیے حدیث وفقہ کے تحت یہاں بجز تفسیخ نکاح کوئی چارہ نہیں اور یہ تنسیخ کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ خاوند کا ظلم اور بیوی کا اندیشۂ گناہ ختم کیا جائے۔ دوسری دلیل۔ احادیث کی مشہور کتاب دار قطنی اور مسند عبد الرزاق میں ہے۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَضٰى فِي الْعِنِّيْنِ اَنْ يُّؤَجَّلَ سَنَةً فَلَمَّا مَضَى الْاَجَلُ خَيَّرَهَا فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ وتشریح۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ سے ہی روایت ہے یعنی انھوں نے فرمایا۔ بے شک ایک عنین مرد کا مقدمہ ان کے پاس لایا گیا۔ تو فاروق اعظم نے اس کا فیصلہ فرمایا کہ خاوند کو علاج وغیرہ کے لیے ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ پھر جب سال گزر گیا اور پھر بھی وہ نامردی کی بیماری سے ٹھیک شفایاب نہ ہوا تو عدالت فاروقی نے اس کی بیوی کو اختیار دیا کہ تو کیا چاہتی ہے۔ اس نے اپنی علیحدگی کو پسند کیا۔ تب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ ان دونوں کا نکاح فسخ کردیا اور دونوں کو جدا کردیا۔ بالکل یہی کیفیت موجودہ مسئلے میں ہے تیسری دلیل۔ فتاوی درمختار شرح تنویر الابصار جلد سوم ص۱۹۳ پر ہے۔ بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهٖ۔ هُوَ لُغَةً لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ۔ فِعِّيْلٌ۔ بِمَعْنٰى مَفْعُوْلٍ وَشَرْعًا مَنْ لَا يَقْدِرُ عَلٰى جِمَاعِ فَرْجِ زَوْجَتِهٖ يَعْنِيْ لِمَانِعٍ مِّنْهُ (الخ) اِذَا وَجَدَتِ الْمَرْاَةُ زَوْجَهَا مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْحَاكِمُ بِطَلَبِهَا۔ ترجمہ۔ عنین وغیرہ کا ذکر۔ یہ لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنیٰ میں ہے لغوی ترجمہ ہے کہ ایسا نامرد شخص جو وطی صحبت کرنے پر قادر نہ ہو اور اس لفظ کا شرعی معنیٰ ہے کہ ایسا نامرد انسان جو اپنی بیوی کی فرج میں صحبت وطی نہ کرسکے۔ یعنی خود خاوند میں بیماری کا نقص ہو بیوی کی طرف سے کوئی بیماری کا نقص یا رکاوٹ نہ ہو۔ لھٰذا جب بیوی اپنے خاوند کو کسی طرح کا نامرد پائے تو عدالت اسلامیہ کا حاکم بیوی کے مطالبے

اور التجاودرخواست پر دونوں کا نکاح فسخ کر کے جدا کردے۔ **چوتھی دلیل**۔ حاشیہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ص۱۴۱
پر ہے۔ وَالْعِنِّیْنُ بِکَسْرِ الْعَیْنِ وَتَشْدِیْدِ النُّوْنِ الْاُوْلَی الْمَکْسُوْرَۃِ (الخ) بِمَعْنَی اَعْرَضَ
وَھُوَ مَنْ لَّا یَقْدِرُ عَلٰی جِمَاعِ زَوْجَتِہٖ اَوْ غَیْرِھَا مَعَ وُجُوْدِ الْاٰلَۃِ وَلَا فَرْقَ بَیْنَ
اَنْ تَنْتَشِرَ اَوْ لَا تَنْتَشِرَ۔ (الخ) ترجمہ۔ لفظ عنین عین کے زیر اور نون اول کے شد
اور زیر سے۔ اس نامرد کو کہتے ہیں جو اپنی بیوی یا کسی بھی عورت سے وطی نہ کر سکے اور اس کا آلۂ تناسل پورا موجود ہو بلقدر
جسم لمبا اور درست ہو۔ خواہ کسی وقت کھڑا بھی ہوتا ہو۔ یا کبھی بھی بالکل ہی نہ کھڑا ہوتا ہو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہو۔
ان دونوں حالتوں کو عنین ہی کہا جاتا ہے۔ ہاں جس وقت عورت سے صحبت وطی کرنے لگے تب اس کا آلۂ تناسل
عورت کی فرج میں اندر نہ جا سکے۔ نرم چیچڑے یا ربڑ کی طرح ادھر ادھر مڑ جائے۔ خیال رہے کہ عربی لغت
میں مرد کی قوت مردمی کے اعتبار سے کل چودہ قسمیں ہیں۔ نمبر ۱۔ رجل مذکر قوی۔ جو مردی لحاظ سے بہت زیادہ قوت والا ہو
اور بیک وقت ایک دو یا تین چار بیویوں سے مکمل وطی کر سکتا ہو اور سب کے حقوق وطی پورے کر دے۔
نمبر ۲۔ رجل مکسول۔ جو ایک وقت میں صرف ایک عورت سے ہی صحبت کر سکے اور پھر سست پڑ جائے۔
نمبر ۳۔ رجل ضعیف۔ جو بیوی کے ساتھ وطی تو کر سکے مگر بیوی سے پہلے انزال ہو جائے۔ نمبر ۴۔ رجل صغیر۔ جو عمر میں بیوی
سے چھوٹا اور دبلا پتلا ہو۔ اس کی عمر کے اعتبار سے اس کا آلۂ تناسل باریک ہو اور اس کی بیوی اس سے لمبی اور
موٹی تازی ہو۔ اور خاوند کا آلۂ تناسل بیوی کے فرج داخل تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن آلۂ تناسل میں قوت ہو بچپن
یا لڑکپن کی بنا پر بیوی کے قرب سے شہوت نہ آئے۔ ان چار قسم کے شوہر والی بیویاں قانون شریعت کے
مطابق اپنا نکاح فسخ نہیں کرا سکتیں اور یہ عورتیں عدم صحبت کی شکایت کو وجہ تنسیخ نہیں بنا سکتیں اور کوئی
حاکم۔ جج۔ قاضی یا مفتی وغیرہ ان کا یہ نکاح نہیں توڑ سکتا نہ ہی طلاقِ خاوند کے بغیر یہ بیوی آزاد ہو سکے۔ یہ بیویاں
علاج یا عمر درست اور خاوند کے جوان ہونے کا انتظار کریں گی۔ ان کی جلد بازی کا مطالبہ اور دعویٰ قابل قبول
نہیں ہوگا۔ نمبر ۵۔ رجل قصیر۔ جو خاوند۔ اپنے جسمانی قد میں بیوی سے ٹھگنا ہو اور چھوٹا ہو مگر عمر جوان اور پوری ہو۔
آئندہ قد بڑھنے کا امکان بھی نہ ہو اور باعتبار قد آلہ تناسل بھی ٹھگنا ہو اور باریک بیوی کے اندر نہ جا سکتا ہو۔
بیوی دراز قد والی ہو۔ رجل شاشب۔ یعنی بہت بوڑھا مرد۔ وہ خاوند جس کا آلۂ تناسل بوجہ بڑھاپے بالکل ناکارہ
ہو اور علاج سے مایوسی ہو۔ اس کی بیوی بالکل نوجوان ہو۔ شادی نکاح جبراً یا دھوکے سے کر دیا گیا ہو۔
نمبر ۷۔ رجل خصی۔ جس کو اردو میں زنخا بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مرد جس نے خود اپنا آلہ اور نیچے والے فوطے شکنجے میں کسوا
کر پھسوا دیئے ہوں یا اوپر چڑھوا دیئے ہوں یا کٹوا دیئے ہوں۔ یا کسی نے جبراً اس کے ساتھ یہ کام کر دیئے
ہوں۔ اور وہ کسی بیوی سے شادی کر لے یا پہلے سے شادی شدہ ہو اور بعد میں خصی کیا جائے

رجل مقطوع الذکر۔ وہ شخص جس کا پورا یا آدھا یا صرف حشوہ (ختنہ) کاٹ دیا گیا ہو۔ نمبر۹ رجل مجبوب۔ وہ مرد جو خنثیٰ ہو۔ یعنی پیدائشی وقت سے قدرتی اس کا آلہ تناسل بالکل ہی نہ ہو صرف پیشاب کی جگہ ایک سوراخ ہو یا چھوٹا سا موکا ہو یا بہت ہی چھوٹا شیر خوار بچے جتنا آلہ ہو حالانکہ مرد جوان لمبا تڑنگا ہو۔ ایسے پانچ قسم کے خاوند والی بیویاں۔ تنسیخ نکاح کا دعوی کر سکتی ہیں اور قانون شریعت اسلامیہ کے مطابق حاکم اسلام یا موجودہ زمانے میں سند یافتہ صاحب فتوی مفتی اسلام حتی المقدور مدعیہ کے بیان کی حقانیت اور نوعیت معاملہ کی تفتیش و تحقیق کر کے اگر واقعتاً خاوند کو اسی طرح معذور پائے تو فوراً بغیر مہلت دیئے نکاح فسخ کر سکتا ہے نمبر۱۰ رجل شکاز۔ وہ خاوند جو بیوی کے قریب ہونے یا اس کو شہوت سے دیکھنے یا اس کی فرج ظاہری بیرونی کے ساتھ اپنا آلہ تناسل لگاتے ہی انزال ہو جائے یا ڈھیلا پڑ جائے اندر نہ جا سکے۔ جبکہ اس تھوڑی دیر قبل شہوت میں اس کا آلہ تناسل کھڑا ہو۔ نمبر۱۱ رجل عنین۔ وہ آدمی جس کا آلہ تناسل جسمانی قد کاٹھ کی مطابقت کے برابر لمبا ہو۔ مرد بھی صحت یاب ہو۔ مگر اس میں شہوت بالکل پیدا نہ ہوتی ہو نہ کبھی کسی وقت آلہ کھڑا ہوتا ہو۔ خاص کر بیوی سے صحبت کے وقت تو بالکل بوجھل بنا رہے۔ ایسے خاوند والی بیویوں کے مطالبے پر حاکم وقت یا مفتی اسلام علاج معالجے کے لیے خاوند کو ایک سال کی مہلت دے گا۔ اگر اس مہلت کے گزرنے کے بعد خاوند پھر بھی اسی طرح بیکار ہی رہے تو شرعی اسلامی قانونی حکم کی بنا پر مفتی اسلام کو اختیار ہے کہ وہ نکاح فسخ کر دے خواہ اس مدت میں جو عدالت کی طرف سے دی گئی تھی اپنا علاج کرائے یا نہ کرائے۔ صورت مسئولہ مندرجہ میں جس خاوند کا ذکر ہے اس میں وہ میری تحقیق و تفتیش کے مطابق عنین یعنی نامرد ہے۔ حالات زمانہ کے مطابق عنین بھی تین قسم کے ہیں۔ ان سب اقسام کو شامل کر کے مرد کی بارہویں قسم۔ رجل عنین قدرتی۔ وہ شخص جو بغیر کسی وجہ کے پیدائشی عنین ہو۔ نمبر۱۳ رجل عنین مسحور۔ وہ شخص جس کو جادو کے ذریعے نامرد اور نس بند کر دیا گیا ہو۔ نمبر۱۴ رجل عنین مریض۔ وہ شخص جس کو کسی بیماری یا میعادی بخار نے نامرد کر دیا ہو۔ بہر کیف ایسے مردوں کو مہلت دی جائے گی۔

چنانچہ شرح وقایہ جلد دوم ص۱۴۲ پر ہے۔ اِنْ اَقَرَّ اَنَّهٗ لَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا اَجَّلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً قَمَرِيَّةً فِي الصَّحِيْحِ وَفِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ يُؤَجَّلُ سَنَةً شَمْسِيَّةً (ا)

ترجمہ۔ اگر خاوند نے اس بات کو کسی طرح بھی تسلیم کر لیا کہ بے شک وہ اپنی بیوی سے وطی نہیں کر سکتا تو مقدمہ سننے والا اسلام کا حاکم اس کے لیے بطور مہلت ایک سال کی مدت علاج کے لیے مقرر کریگا۔ صحیح یہ ہے کہ سال قمری ہو۔ جس کے تین سو چون دن ہوتے ہیں اور بارہ مہینے اور حسن علیہ الرحمۃ کی روایت میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فیصلوں میں خاوند کو شمسی سال کی مہلت دیتے تھے۔

کیونکہ وہ سال قدرا زیادہ ہوتا ہے اس کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں۔ اس میں خاوند کو کچھ زیادہ رعایت مل جاتی ہے۔ پانچویں دلیل۔ شرح وقایہ جلد ثانی صلالا پر ہے۔ فَاِنْ لَمْ یَصِلْ فِیْهَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتْهُ اَیْ اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْءَۃُ التَّفْرِیْقَ۔ ترجمہ۔ اگر اس سال کی مہلت گزرنے کے بعد بھی خاوند بیوی کے قابل نہ ہو سکا تو قاضی یا مفتی ء اسلام کو تمام فقہاء کرام مجتہدین اربعہ کی طرف سے اجازت ہے کہ وہ نکاح فسخ کر کے دونوں خاوند بیوی کو جدا کر دے۔ اگر بیوی کی خواہش ہو۔ اس لیے کہ یہ بیوی کا حق ہے۔ اسی کی خواہش کا خیال رکھا جائے گا۔ ان ہی قوانین اسلامیہ کے تحت میں نے بحیثیت مفتی ء اسلام خوب تحقیق حال کر کے ہندہ بی کا نکاح فسخ کرایا ہے اور تمام ائمہ مجتہدین امام اعظم۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے علاوہ مجتہدین فی الاصول کے شاگردان۔ جو مجتہد فی الفروع یا فی التخریج یا فی التصحیح یا فی الفتیٰ بنے ہیں۔ سب ہی اس فسخ اور ایسے نکاح توڑنے کو جائز اور ضروری قرار دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے امام اعظم کے نزدیک اس فسخ نکاح سے بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہو گی۔ لیکن امام شافعی علیہ الرحمۃ فسخ نکاح قرار دیتے ہیں۔ دیگر ائمہ اس کو طلاق رجعی فرماتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو تفسیخ عورت کے مطالبے سے ہو وہ تفسیخ یا رجعی طلاق ہوتی ہے۔ جیسے کہ خیار بلوغ یا خیار عتق میں ہوتا ہے کہ نابالغہ بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی نے پڑھوا دیا ہو اور بیوی نے بالغہ ہو کر خاوند کو ناپسند کیا اور عدالت اسلامی میں دعویٰ کر دیا فسخ نکاح کا اور حکم یا مفتی نے توڑ دیا تو یہ تفسیخ طلاق بائنہ نہ ہو گی۔ بلکہ بعض نے اس کو فسخ فرمایا۔ گویا شروع سے نکاح ہوا ہی نہیں (یہی فسخ کا معنی ہے) اور بعض نے اس کو طلاق رجعی قرار دیا۔ یونہی۔ کسی آقا نے اپنی بالغہ جوان لونڈی کا کسی سے نکاح کر دیا۔ تو آزاد ہونے کے بعد اسی طرح تفسیخ نکاح کا حق ملتا ہے۔ ہمارے امام اعظم بھی ان دو قسم کی تفسیخ کو فسخ نکاح قرار دیتے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ نے نامرد عنین خاوند کے فسخ نکاح کو اس ہی خیار بلوغ پر قیاس فرمایا مگر ان کا یہ قیاس امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل کے مطابق غلط اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ امام اعظم کی دلیل اور مسلک یہ ہے کہ یہ تفسیخ عنین۔ اگرچہ عورت کے مطالبے سے ہوئی۔ مگر اس مطالبے کا سبب خاوند کی طرف سے پیدا ہوا۔ دو وجہ سے۔ ایک خاوند کا نامرد ہونا۔ اور دوسری وجہ خاوند کا طلاق نہ دینا۔ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ کے حکم خداوندی پر عمل نہ کرنا اور یہ ظلم ہے اور ظلم خاوند کی طرف سے ہے۔ بیوی تو انتہائی مجبوری بے کسی بے بسی کی وجہ سے مطالبۂ تفسیخ کر رہی ہے۔ بخلاف خیار بلوغ اور خیار عتق کے کہ وہاں بیوی کی کوئی مجبوری نہیں۔ صرف دل پسندی اور ذاتی خواہش کا سوال ہے۔ عنین کی بیوی کو اختیار نہیں ملا۔ بلکہ مجبوری کا معاملہ ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ بیوی کو اختیار تفسیخ صرف اس صورت میں ملتا ہے جب نکاح ہر طرح مکمل مضبوط نہ ہوا ہو۔ بلکہ بیوی یا وارثوں کی اجازت پر موقوف و معلق ہو۔ جیسے کہ خیار بلوغ میں بیوی کے بالغہ ہوتے تک خیار عتق میں

لونڈی کے آزاد ہونے تک اور غیر کفو میں نکاح کرنا ولی قریب کی رضامندی تک نکاح مضبوط نہیں ہوتا۔ معلق رہتا ہے۔ جب تک بیوی بالغہ ہو کر لونڈی آزاد ہو کر والی وارث راضی ہو کر اجازت نہ دے خواہ کتنے ہی سال گزر جائیں۔ اولاد بھی پیدا ہو جائے۔ ہاں البتہ وطی جائز اور اولاد حلالی ہوگی۔ مگر نکاح ہر وقت بغیر طلاق کے بذریعہ عدالت تڑوایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں۔ یہاں نکاح ہر طرح بالکل مکمل ہے کیونکہ بیوی آزاد اور بالغہ ہے اور والی وارثوں کی طرف سے اجازت نامہ ہے۔ بعد میں بیوی کو خاوند کی نامردی کا پتہ لگتا ہے۔ لہٰذا امام شافعی وغیرہ مجتہدین کرام کا قیاس کرنا خیار بلوغ وغیرہ پر قطعاً درست نہیں ہے۔

امام اعظم کا مسلک سبحان اللہ تعالیٰ۔ بہت ہی مضبوط و مدلل ہے۔ اسی مسلک پر یہ فتویٰ جاری کیا جارہا ہے بدین وجہ ہندہ بی بی کو آج سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور چونکہ ہندہ بی بی کی اپنے اسی خاوند زید بن بکر سے خلوتِ صحیحہ ہوتی رہی ہیں۔ لہٰذا ہندہ بی بی پر تین حیض عدت لازم و ضروری واجب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد دوم صفحہ ۴۹۶ پر اور شرح وقایہ جلد دوم صفحہ ۱۴۲ پر ہے۔ وَتَبِيْنُ بِطَلْقَةٍ وَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ اِنْ خَلَا بِهَا وَتَجِبُ الْعِدَّةُ۔ ترجمہ اور اس تنسیخ نکاح سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر خاوند نے اپنی اسی بیوی سے خلوت صحیحہ کی ہوگی۔ تو پورا مہر بھی اور پوری عدت بھی واجب ہوگی۔ یہ تنسیخ طلاق رجعی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مقصد تنسیخ طلاق رجعی سے حاصل نہیں ہوتا۔ مقصد تو ہے عورت کی مجبوری مظلومیت اور خاوند کا ظلم ختم کرنا۔ اگر رجعی ہو تو فیصلہ عدالت کے بعد فوراً خاوند رجوع کرے ظلم پھر شروع۔ اسی بناء پر حدیث و قرآن کی روشنی میں فقہاء کرام حنفیہ نے یہ قانون کلیہ مقرر فرمایا۔ چنانچہ حاشیہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۴۲ پر ہے۔ وَلَمَّا كَانَ الْوَاجِبُ عَلَى الزَّوْجِ اَلتَّسْرِيْحُ بِاِحْسَانٍ وَنَابَ الْقَاضِيْ عَنْهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ عَنْهَا صَارَ فِعْلُهُ مُضَافًا اِلَيْهِ فَكَاَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهٖ وَاِنَّمَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ التَّسْرِيْحُ وَدَفْعُ الظُّلْمِ يَحْصُلُ فِيْهِ فَاِنَّ الرَّجْعِيَّ يَحِلُّ فِيْهَا الرَّجْعَةُ۔ ترجمہ۔ اور جب کہ خاوند پر واجب تھا کہ خود ہی اچھے طریقے ایمانداری سے بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دے اور اس نے یہ واجب کام نہ کیا تو شرعی مفتی یا قاضی اس خاوند کا نائب بن گیا تاکہ بیوی سے ظلم ختم ہو۔ اب شریعتِ اسلامیہ میں مفتی اسلام کا تنسیخ نکاح کا فیصلہ اور فتویٰ ایسا ہی مانا جائے گا۔ جیسے گیا کہ خاوند نے ہی طلاق دی ہے اور چونکہ شدتِ ظلم کو ختم کرنے کے لیے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ طلاق رجعی سے نہ تسریح احسان ہوسکتا ہے نہ ظلم ختم ہوسکے کیونکہ رجعی طلاق میں تو خاوند کو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا حلال ہوتا ہے۔

ان تمام دلائل کے تحت یہ شرعی مکمل با دلائل مضبوط فتویٰ اور فیصلہ جاری کیا جاتا ہے کہ ہندہ بی بی مذکورہ کا وہ نکاح جو بکر بن زید سے ایک قائم تھا وہ آج مورخہ ۸۵-۱۲-۲۵ بروز جمعرات۔ بالکل ختم کر دیا گیا۔ اب ہندہ بی بی مذکورہ مدعیہ اپنی عدت جو آج سے شروع ہے گزار کر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ سابقہ خاوند بکر بن زید

کا اب اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رہا اور ہندہ بی بی پر آج سے فرض ہے کہ ایک گھر میں باپردہ رہ کر عدت پوری کرے اور بلا سخت ضرورت کے باہر نہ نکلے۔

کتبــــــــــــہ ۸۵-۱۲-۲۵

صاحبزادہ اقتدار احمد خان۔ یوسف زئی۔ نعیمی۔ قادری اشرفی۔ رضوی۔

آٹھواں فتوای قرآنِ مجید اور توریت و زبور و انجیل و صحفِ آسمانی سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نہ یہ مخلوق ہے نہ خالق بلکہ صفتِ الٰہیہ ہے اور تمام صفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہیں معتزلہ فرقے کے کفریات کا مکمل رد۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ابھی حال ہی میں لاہور راوی روڈ نمبر۱ پر ایک چھوٹی سی عمارت میں کچھ لونڈوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ جس کا نام محمڈن شرعی یونیورسٹی رکھا ہے۔ اس کی طرف سے چند پمفلٹ شائع ہوئے جو مجھ کو میرے دوست اسلم جاوید اقبال ڈاکٹر۔ ولد فضل کریم محلہ فیض آباد نزد نورانی مسجد سرگودھا روڈ گجرات نے برائے مطالعہ دیئے۔ مجھ کو تو نہ وہ پسند آئے نہ اس کی الٹ پلٹ عبارت سمجھ آئی۔ چونکہ ان باتوں کو دینی باتوں کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے میں کسی وساطت سے مدرسہ غوثیہ کے دارالافتاء میں بھیج رہا ہوں تاکہ وہ مفتی اعظم برطانیہ صاحبزادہ اقتدار احمد خان درانی قادری نعیمی کی خدمت میں بھیج دیں اور اس کے متعلق اپنی شرعی رائے سے ہم کو نوازیں۔ یہ پانچ رسالے ہیں۔ نمبر۱ قرآن مخلوق ہے یا خالق نمبر۲ سنت کو حدیث شمار کرنا توہین نبوت ہے نمبر۳۔ اُمّی کے معنیٰ ان پڑھ کرنا لغت کی ایک عظیم غلطی ہے نمبر۴۔ بنی اسرائیل کے معنی یہودی قوم کیوں؟ نمبر۵ لفظ املٰک کی تشریح۔

براہ کرم اپنا قیمتی وقت خرچ کر کے ہماری سچی رہنمائی فرمائی جائے۔

دستخط سائل (حضرت مولانا) محمود احمد قادری۔ نوشاہی۔ نعیمی۔

۸۶-۲-۱۶

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجوابــــــــــــ

سائل کے تمام رسائل آٹھ آٹھ ورقی مضمون وصول ہوا اور بغور مطالعہ کیا گیا۔ ان مضامین میں اتنی جہالت ہے کہ مصنف کی بدنیتی پر اور اہل قلم کی رسوائی پر رونا آتا ہے ہر چھوٹی چھوٹی سطر میں بڑی بڑی جہالتیں ہیں۔ مجھ سے ان کا جواب لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ ان جہالتوں کا جواب کیا دیا جا سکتا ہے۔

میں محمدن یونیورسٹی سے متعارف نہیں نہ ہی یہ ادارہ لاہور میں کچھ تعارف رکھتا ہے۔ حالانکہ شہر لاہور سے میرا رہائشی تعلق بھی ہے۔ البتہ ان مضامین کے مصنف کی تحریرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صاحب معتزلی مذہب رکھتے ہیں اور وہ لوگ تو پرانے وقتوں سے ہی دیوانگی جہالت اور بدعقلی میں مشہور رہ چکے ہیں۔ یہ مضمون نویسی نہیں بلکہ دیوانگی کی دوڑ ہے۔ یہ مصنف ہر علمی قاعدے ضابطے سے مادرزاد ننگا ہو کر دوڑتا ہے اور جب پکڑا جاتا ہے تو اہل علم و دانش کے لیے جاہل، مکار، بہتان باز، عیار جیسے الفاظ و عبارات استعمال کرتا ہے کہیں پر عیار دشمن بن جاتا ہے۔ لیکن اکثر نادان دوست بنتا ہے۔ بہرکیف اس مصنف کو کسی علم سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اس کا جواب نہیں دیا جانا چاہیے مگر آپ کی فرمائش کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف جہالتوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ یا پھر آخر میں معتزلہ فرقے کا تاریخی پس منظر اور خلق قرآن کے پرانے فتنہ کا ذکر کر دیا جائے گا۔ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کو مخلوق کہنا کتنا بڑا کفر ہے۔ اور یہ مصنف اپنی جہالت سے کس کفر کی طرف جا رہا ہے۔ چنانچہ پہلا رسالہ بنام۔ قرآن خالق ہے یا مخلوق۔ اس کی۔ پہلی جہالت۔ مصنف اپنے نام کے ساتھ جو مضمون کے آخر میں لکھا ہے۔ H۔ ڈاکٹر علامہ، مولانا اور کسی جگہ H حکیم علامہ۔ حالانکہ خود اپنے آپ کو علامہ و مولانا لکھنا۔ اصطلاحًا۔ احمقانہ تکبر ہے۔ اور پھر کہیں حکیم کہیں ڈاکٹر۔ گویا کہ خود کو ہر فن مولا سمجھتا ہے اور ساری دنیا سے بڑا عالم۔ دوسری جہالت۔ صـ۲ کے تعارفی مضمون میں مصنف اپنے نظریہ باطل کا استدلال اس بات سے لیتا ہے کہ چونکہ لفظ روح اللہ اور لفظ کلام اللہ ہم وزن الفاظ ہیں لہذا یا تو روح اللہ کو خالق مانو اور اگر روح اللہ مخلوق ہے تو کلام اللہ بھی مخلوق ہے۔ کتنا بیہودہ استدلال ہے۔ گویا کہ الفاظ کی ہم وزنی دین و عقائد کی بنیاد ہے۔ تو چاہیے کہ جنگلی شیر کو انسان کہدیا جائے کہ وہ زید کے ہم وزن ہے یا جس کا نام ادریس ہو اس کو ابلیس کہدیا جائے۔ تیسری جہالت۔ صـ۷ پر مصنف۔ اللہ تعالٰی کے لیے انتہائی گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا وزن اور حجم اور رب کے لیے کثافت کا قائل ہے حالانکہ رب تعالٰی مقدار کثافت حجم۔ وزن کی شان اقدس میں ایسی گستاخی کفر ہے۔ چوتھی جہالت۔ صـ۶ پر لکھتا ہے کہ چونکہ ہر کتاب اپنے پڑھانے والے کی محتاج ہے اور قرآن بھی پڑھایا جاتا ہے کہ بغیر کسی معلم کے سمجھ نہیں آتا تو قرآن بھی معلم کا محتاج ہوا اور جو محتاج ہے وہ مخلوق۔ کیسا جاہلانہ خبیثانہ اور شیطانی نظریہ ہے۔ حالانکہ کوئی کتاب معلم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ شاگرد اس کتاب کو سمجھنے کے لیے استاد کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس شیطانی بات کا عقیدہ بنا لیا جائے تو قرآن مجید پڑھانے قیامت تک بہت سے استاد پیدا ہوتے رہیں گے تو معاذ اللہ قرآن پاک سب کا محتاج ہو گیا اور محتاج الیہ اپنے محتاج سے افضل ہوتا ہے تو پھر قرآن مجید سب سے مفضول ہو گیا اور ہر شخص افضل ہو گیا۔ میں حیران ہوں کہ ایسے دیوانے پاکستان

میں کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ پانچویں جہالت۔ اسی ص۶ پر لکھتا ہے۔ قرآن، آدم سے پہلے نہ تھا۔ کتنا بڑا جھوٹ اور لاعلمی ہے۔ حالانکہ خود قرآن مجید فرماتا ہے۔ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ اور لوح محفوظ حضرت آدم سے پہلے تو قرآن کریم بھی پہلے ہوا۔ چھٹی جہالت۔ اسی ص۶ پر الم۔ میں لام سے جبرئیل مراد لیتا ہے اور ص۷ پر لکھتا ہے۔ اللہ جبرئیل کی شکل میں محمد سے مخاطب ہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کا ترجمہ کرتا ہے یہ کتاب جسم رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ اب بتایئے کہ ان خباثتوں جہالتوں کا کیا جواب دیا جائے جسم تو لکڑی پتھر اور کتے بلے کا بھی ہے۔ ساتویں جہالت۔ ص۸ پر لکھتا ہے۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ میں و لفظاً اضافی رابطہ کے لیے۔ اس طرح معنی ہوئے محمد اور قرآن۔ کتنی جہالت ہے۔ مصنف کا پاگل پن اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ یہاں واؤ کو رابطہ والا کہتا ہے۔ حالانکہ عرب کا بچہ بچہ اور علم نحو کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ واؤ رابطے کا نہیں بلکہ قسمیہ ہے۔ عربی میں واؤ چار قسم کی ہوتی۔ نمبر۱ حرف جر (قسمیہ) نمبر۲ عاطفہ نمبر۳ بمعنی مع (رابطے کے لیے) نمبر۴ حالیہ۔ یہاں واؤ قسمیہ ہے جو حرف جر ہوتی ہے۔ جیسے وَاللّٰہِ۔ اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ قسم ہے قرآن حکیم کی مصنف کو چاہیئے کہ ابھی سے قلم نہ پکڑے نہ جہالت پھیلائے بلکہ کسی مدرسے میں شاگردی کرے علم نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھے رابطے کو واؤ یا مع والی عاطفہ واؤ کے لیے درمیان کلام ہونا شرط ہے۔ جب کہ واؤ قسمیہ شروع کلام میں ہوتی ہے جیسے وَاللّٰہِ۔ اللہ کی قسم۔ اور وَالتِّیْنِ انجیر کی قسم وَالزَّیْتُوْنِ۔ زیتون کی قسم۔ وغیرہ یٰسٓ۔ علیحدہ لفظ ہے اور کلام وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ سے شروع ہو رہا ہے۔

آٹھویں جہالت۔ اکثر جگہ مصنف آیتوں کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ مثلاً الٓمّٓ کا ترجمہ ص۲ پر غلط کیا ہے۔ ص۱۰ پر۔ وَالطُّوْرِ الَّذِیْ کا ترجمہ مادہ کیا ہے۔ ص۱۱ پر اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ ہم ڈر و خوف کو ثابت کرنے والے ہیں۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ بے شک ہم ڈرانے والے خوف دلانے والے ہیں۔ نیز ص۱۱ پر ہی لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ۔ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ لکھتا ہے اعلیٰ درجے کے حکیم کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ حرفِ لام کا ترجمہ لیے کرتا ہے۔ یہ انتہائی جہالت ہے کیونکہ لیے لام جارہ کا ترجمہ ہوتا ہے اور یہ لام جارہ نہیں۔ صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔

ص۱۲ پر وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ۔ کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ لکھتا ہے اور قرآن۔ حالانکہ یہاں۔ یہاں واؤ قسمیہ ہے عاطفہ نہیں واؤ عاطفہ کا ترجمہ اور ہوتا ہے۔ ص۱۲ پر ہی۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ۔ کا ترجمہ غلط کرتا ہے۔ ص۱۳ پر ق۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ کا ترجمہ بھی غلط کیا نیز لکھتا ہے۔ قرآن بھی محمد کا نام ہے اور اس کی وجہ خود ساختہ بیان کرتا ہے۔ ص۱۴ پر لکھتا ہے۔ حضور پرنور کا جسم اقدس قرآن مجید ہے۔ نویں جہالت۔ ص۱۵ پر لکھتا ہے۔ عیسائیوں۔ یہودیوں اور ہندوؤں نے یہ مسئلہ بنایا کہ قرآن مخلوق نہیں خالق ہے۔ ص۱۶ پر۔ امام بن حنبل اور

مامون الرشید پلید کی تاریخ کا انکار کرتا ہے۔ ص۱۷ پر۔ سابقہ کتب آسمانی توریت انجیل وغیرہ کو منہدم یا معطل کہنا ہے اور اس طرح ان کا مخلوق ہونا دلیل بناتا ہے۔ حالانکہ کلام الٰہیہ کو منہدم کہنا۔ بدترین گستاخی ہے۔ ص۱۸ پر ہی احمقانہ قیاس کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ قرآن خدا کی صفت ہے۔ اور عیسٰی خدا کی صفت ہے۔ عیسٰی مخلوق تو قرآن مخلوق۔ حالانکہ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا تعالٰی کی صفت نہیں ہیں۔ نہ کوئی مسلمان اس کا قائل ہے۔ یہ بات مصنف کی اپنی من گھڑت ہے۔ ص۱۹ پر ہے وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔ کا ترجمہ کرتا ہے اور وہ مصور ہی سے ملتی جلتی ہے۔ یہ ترجمہ انتہائی مشرکانہ ہے۔ حالانکہ صحیح ترجمہ اس طرح۔ اور اسی اللہ کی طرف سب کا لوٹنا ہے مَصِیْر فعل ناقص صار کا ظرف ہے۔ ایسے جاہل لوگ بھی قیامت کی پیداوار اور شیطانی ذریت ہے۔ ص۱۹ پر لکھتا ہے کہ روح القدس حضرت عیسٰی ہیں اور بڑی بچگانہ تحریر ہے۔ جس کا ذکر کرنا عبث ہے۔ ص۲۰ پر اللہ کے لیے جسم ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ خلیفۃ اللہ۔ اللہ تعالٰی کے جسم کا نمونہ ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ شخص جہالت میں کہاں تک آگے بڑھتا جارہا ہے۔ ص۲۰ پر ہی۔ قدیم کی تعریف کرتے ہوئے بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے اور قدیم کے معنٰی۔ پرانا۔ کرتا ہے اور جدید کے مقابل کرتا ہے۔ کیا احمقانہ دماغ ہے۔ حالانکہ قدیم حادث کا مقابل ہے نہ کہ جدید کا اور عربی میں پرانے کے لیے خلوقۃ اور خلوق آتا ہے۔ جَدِیْدٌ کے مقابل خلوقٌ ہوتا ہے۔ آخری ص۲۱ پر۔ شمس۔ ضیاءٌ و قمرٌ نورٌ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ یعنی حرارت پھیلتی ہے۔ ٹھنڈک ٹھوس ہوتی ہے۔ گویا کہ شمس کا معنٰی حرارت اور ضیاء کا معنی۔ پھیلتی ہے اور قمر کا معنٰی ٹھنڈک اور نور کا معنٰی ٹھوس۔ یہ واہیات ترجمہ۔ وہی کرسکتا ہے۔ جو عقل کا پورا دشمن ہو۔ صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ سورج روشنی ہے اور چاند نور ہے۔ ص۲۱ پر ہی لکھتا ہے۔ حضرت خضر خدا کی مخلوق ہیں وہ قیامت تک حادث بھی ہیں اور قدیم۔ اس بیوقوفی کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ اس کا صحیح علاج تو یہی ہے کہ اس کو پکڑ کر کسی دینی مدرسے میں داخل کردیا جائے۔ تاکہ راہ راست پہ آجائے۔ اس ساری تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن مجید مخلوق ہے اور دماغ میں یہ چیز سماگئی ہے کہ جو مخلوق نہ ہو وہ خالق ہوتی ہے۔ اسی لیے اس مصنف کم عقل نے معتزلہ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے۔ خدا تعالٰی کی ذاتی صفات کو بھی مخلوق کہدیا۔ پھر اپنی من مرضی سے بہت سی ایسی چیزوں کو بھی خدا تعالٰی کی صفات بنادیا جو ہرگز صفات نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام وغیرہ اور اپنے اسی بیہودہ عقیدے کو بچانے کے لیے۔ قدیم و حادث اور جدید کی حقیقت میں جاہلانہ توڑ موڑ شروع کردیا۔ ان بچگانہ حرکتوں کا تو کچھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ سائل کی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے۔ پرانی تاریخ کے مطابق معتزلہ کی تاریخی حیثیت اور ان کے خلق قرآنی کے دلائل اور ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے اور چونکہ یہی زیادہ اہم ہے اس لیے اس کے بعد دوسرے مسائل کی جہالتیں مختصر لفظوں میں بیان کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔

فرقہ معتزلہ کی ابتدائی تاریخی حیثیت

کتاب رسالہ جھنگ جلد اول میں معتزلہ کی تاریخ کچھ اس طرح درج ہے کہ اس کفریہ فرقے کی ابتدا بصرے سے ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطا تھا جو ۱۳۱ھ میں بصرے ہی میں مرا اور اس کی لاش کو جنگلی جانوروں نے قبر کھود کر کھا لیا۔ اس مذہب کو مشہور کرنے والا اسی کا ہم سبق ساتھی عمرو بن عبید تھا جو ۱۴۳ھ میں بغداد میں دفن ہوا۔ یہ دونوں آدمی قبلۂ عالم امام الصوفیا حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے شاگرد تھے۔ ان کو اپنی عقل اور عقلی باتوں پر بڑا ناز اور بھروسہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی عقل کے مقابل قرآن وحدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ کفریہ روش دیکھ کر خواجہ حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان خبیثوں کو اپنی مجلس درس سے نکال دیا اور فرمایا۔ اِنَّھُمَا مُعْتَزِلَانِ عَنِ الْاِسْلَامِ ترجمہ یہ دونوں دین اسلام سے بہت دور اور معتزل ہو گئے۔ اسی دن سے ان کا نام معتزلی مشہور ہوا۔ پھر یہ خود بھی اپنے آپ کو معتزلی کہنے لگے۔ اس معنٰی میں کہ ہم جہالت سے دور اور عقل سے قریب ہو گئے اس کفریہ مذہب کی بنیاد منطق فلسفہ اور خود ساختہ عقلیات پر رکھی گئی ہیں۔ ہر آیت وحدیث کا مطلب اپنی عقل اور فلسفے کی رو سے کرتے تھے۔ انتہائی بیہودہ طریقے سے توڑ موڑ کر کے آیات و روایات کو بیان کرتے۔ خباثتِ باطنی یہاں تک تھی کہ اگر کوئی آیت یا حدیث پاک ان کی عقل اور فلسفہ کے مطابق نہ بیٹھتی تو آیت وحدیث کو چھوڑ دیتے مگر اپنی عقل کو نہ چھوڑتے۔ واصل بن عطا نے بصرے کے ایک گاؤں میں اپنا مدرسہ قائم کیا اور دو شاگرد مشہور ہوئے نمبر۱ عثمان الطویل نمبر۲ حسن بن ذکوان۔ عثمان الطویل کے شاگردوں میں تین شخص مشہور ہوئے نمبر۱ ابو ھذیل علاف نمبر۲ ابوبکر اصم نمبر۳ معمر بن عباد۔ ابوبکر اصم کا شاگرد ابو یعقوب اس کا شاگرد ابو علی جبائی اور جبائی کے شاگرد ابو الحسن اشعری۔ یہ حضرت بعد میں اس خبیث مذہب سے تائب ہو کر امام اہلسنت اشعری تھے۔ سارے معتزلہ میں صرف یہی تائب ہوئے اور گھر کے بھیدی کے حساب سے انھوں نے مذہب معتزلہ کو بیخ و بن سے اکھیڑا۔ صحیح مذہب حق اہل سنت سے عوام کو متعارف کرایا اور قلمی زبانی طور پر سنت کی بہت خدمت کی۔ معمر بن عباد کے شاگرد نمبر۱ ہشام اور نمبر۲ بشر بن معتمر ہوئے۔ بشر نے علاقۂ بغداد میں اس فرقے کی اشاعت کی یہ ۲۱۰ھ میں بغداد میں دفن ہوا اس طرح بانی مذہب واصل بن عطا کا سلسلۂ تدریس ہوا۔ لیکن عمرو بن عبید کا سلسلۂ درس کچھ اس طرح ہے۔ نمبر۱ خالد بن صفوان نمبر۲ ابراہیم بن یحیٰی ان دونوں شاگردوں نے مدرسہ تو کوئی نہ بنایا لیکن تقریری طور پر گاؤں گاؤں اپنے مسلک کو پھیلا دیا اور اس طرح زیادہ اشاعت ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض علاقوں میں جب ان کی خبیثانہ تقریروں سے مسلمان عوام مشتعل ہوئے تو مارا پیٹا بھی گیا۔ اس طرح ان کی سرگرمیاں کچھ ٹھنڈی پڑیں۔ بشر بن معتمر نے بغداد میں مدرسہ بنایا۔

اور اس کے شاگردوں میں صرف ایک شاگرد احمد بن ابی وذکروا مشہور ہوا اس نے عراق میں مدرسہ قائم کیا۔ اس کا ایک شاگرد جعفر بن حرب ہوا اس کے شاگردوں میں ابوجعفر اسکافی اور عیسیٰ قشیم صوفی مشہور ہوئے انہوں نے تصنیفی و تحریری کام زیادہ کیا۔ لیکن تاریخ معتزلہ میں اس طرح ہے کہ احمد بن وذکروکے دو شاگرد مشہور ہوئے نمبر۱ ابوموسیٰ مردار نمبر۲ ثمامہ بن اشرس ۔ مردار کے تین شاگرد مشہور ہوئے۔ نمبر۱ جعفر بن حرب نمبر۲ ابوجعفر اسکافی نمبر۳ عیسیٰ صوفی۔ ثمامہ کا ایک شاگرد جعفر بن مبشر اس کا شاگرد ابوحسین خیاط اس کا شاگرد ابوالقاسم بلخی یہ مامون کا وزیر اعظم رہا۔ مامون خبیث اسی کے مشوروں سے گمراہ ہوا۔ ان سرکردہ معتزلیوں سے مل ملا کر تقریبًا پانچ سو مبلغین شاگرد پیدا ہوئے اور صرف ایک صدی ان کا عروج رہا۔ پھر علماء اہل سنت کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر فنا ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ حکومتیں اور لاؤ لشکر بھی خس و خاشاک کی طرح فنا کی لہروں میں بہہ گئے۔ جن کی گود میں اس شیطانی مذہب نے پناہ لی۔ کچھ معتزلہ وہ ہیں۔ جو سرکردہ اور مشہور تو ہیں مگر مذہبی خدمت میں سرگرم نہ رہے۔ جیسے عبدالقاہر جرجانی مائۃ عامل نحو کی کتاب کا مصنف وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بھی اس مذہب سے توبہ کر گیا تھا۔ مگر صحیح یہ ہے تائب نہیں ہوا تھا۔ ہارون رشید کے زمانے میں اس مذہب نے تھوڑا سا سر ابھارا تھا۔ مگر امام اعظم کی کوششوں اور رعب علمی نے دہیں دبا دیا تھا۔

معتزلہ کے عقائد

نمبر۱ توحید نمبر۲ عدل و انصاف نمبر۳ وعدہ وعید نمبر۴ امر و نہی ان کے دین میں صرف یہ چار ہی بنیادیں ہیں نمبر۵ بندے کی تین قسمیں ہیں ۱۔ مومن ۲۔ فاسق ۳۔ کافر۔ نمبر۶ فاسق نہ مومن ہے نہ کافر اس کا نام ہے بین بین۔ نمبر۷ اللہ تعالےٰ کی کوئی صفت نہیں وہ صفات سے پاک ہے۔ اس لیے تمام چیزیں مخلوق نمبر۸ عقل انسانی سب سے زیادہ اعلیٰ اور قابل اعتماد چیز ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث سے بھی زیادہ عقل کی مانو۔ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کا مضمون مخلوق ہے۔ اس لیے ان سب کو فنا ہے۔ دیکھو توریت وغیرہ فنا ہو گئیں اور قرآن کو فنا ہونا ہے۔ (معاذ اللہ) نمبر۹ عقل بھی مخلوق ہے مگر سب کی سردار نمبر۱۰ علم۔ خالقیت۔ رزاقیت اللہ کے افعال ہیں نہ کہ صفات اور یہ سب حادث ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو بھی بہت دفعہ بندے کے افعال کا علم نہیں ہوتا یعنی قلبی ارادے تک اللہ تعالیٰ کا علم نہیں آتا۔ جب بندہ وہ کام کر لیتا ہے تو اللہ کو علم ہوتا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نمبر۱۱ معتزلہ کے نزدیک توحید کا معنیٰ ہے ۔ اللہ کا تمام صفات سے خالی ہونا۔ کیونکہ اگر صفات ہوں تو وہ عین ذات

ہوتی ہیں کہ ذات قدیم تو صفات بھی قدیم اور جب صفات قدیم ہوں تو بہت سے قدیم ماننے پڑیں گے۔ لہذا توحید ثابت نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ عدل وانصاف۔ وعدہ وعید اور اسی میں بھی ان حمقا نے اپنی اپنی عقل شیطانی سے بہت کچھ کہا ہے۔

قرآن مجید کے قدیم یا مخلوق ہونے کا مسئلہ

ویسے تو معتزلہ کے تمام نظریات وعقائد ہی کفریہ ہیں۔ لیکن جس مسئلہ میں زیادہ کش مکش اور شدت وتنافر وبحث مباحثہ اور جس نے معتزلہ و معتزلہ نواز حکومتوں کو دنیا میں آج تک بدنام وذلیل کیا وہ خلق قرآن کا مسئلہ تھا اور اس بارے میں حیران کے خدشات اور دلائل تھے اس کو بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مذکورہ فی السوال رسالے والے نے جو اپنا خدشہ ظاہر کیا کہ اگر قرآن مجید کو مخلوق نہ مانا گیا تو اس کو خالق ماننا پڑے گا۔ یہ جاہلانہ بات آج تک کسی نے نہ کی۔ نہ ہی یہ اندیشہ درست ہے۔ اس لیے کہ مخلوق نہ ہونے سے خالقیت لازم نہیں کیونکہ باری تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں۔ جن میں سے ایک صفت اس کا کلام فرمانا ہے اور کوئی صفت بھی ایک دوسرے میں مدغم نہیں۔ معتزلہ بھی اس چیز کے معترف تھے۔ اگرچہ ان کے تمام اقوال و دعاوی و دلائل انتہائی بوگس وفضول ہیں مگر اتنی کم عقلی کی بات انہوں نے بھی نہ کی۔ بہرکیف اولین وآخرین اعتراضات کے جوابات سے پہلے یہ سمجھنا بہت ضروری ہیں کہ اشیاء کائنات میں گیارہ اقسام موثر ہیں اور ان ہی سے ہر شی کی تقسیم ہوتی ہے۔ نمبر۱ ذات باری تعالیٰ یہ وحدہ لا شریک تقسیم سے پاک ہے۔ نمبر۲ صفات باری تعالیٰ۔ یعنی کسی کام کی قوت ہونا۔ نمبر۳ افعال باری تعالیٰ۔ ان صفات کا ظہور ہونا۔ نمبر۴ قدیم ہونا نمبر۵ حادث ہونا نمبر۶ خالق ہونا نمبر۷ مخلوق ہونا نمبر۸ جدید ہونا نمبر۹ پرانا (خلوق) ہونا نمبر۱۰ باقی ہونا نمبر۱۱ فنا ہونا۔ ان گیارہ قسموں کو سمجھ لینے کے بعد، قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا معاملہ بہت آسانی سے سمجھ آسکتا ہے۔ خیال رہے کہ ہر صفت کی شان موصوف کے اعتبار سے ہے۔ اگر موصوف قدیم ہے تو صفت قدیم موصوف حادث ہے تو صفت حادث۔ اللہ تعالیٰ بے شمار صفات کا مالک ہے اور اس کی ہر صفت مثل ذات قدیم ہے۔ مگر ہر صفت خالق نہیں۔ بجز ذات باری اسی طرح صرف صفات باری قدیم ہیں کوئی مخلوق قدیم نہیں۔ ہاں افعال باری تعالیٰ کچھ قدیم ہیں کچھ حادث لیکن کوئی صفت کوئی فعل مخلوق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت رازقیت۔ معبودیت۔ رحیمیت۔ رحمانیت نہ یہ خالق ہیں نہ مخلوق۔ اسی طرح خالق ہونا۔ معبود ہونے سے علیحدہ صفت ہے۔ یعنی معبودیت خالقیت نہیں ہے اور خالقیت معبودیت سے جدا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ رب تعالیٰ کی کروڑہا صفات ذات باری کے

ساتھ اسی وقت سے ہیں جب سے ذات باری ہے یہ کبھی بھی نہیں ہوا کہ اللہ ہو مگر معبود اور رازق اور مالک اور خالق نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور ذات باری تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے اور جو چیز ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو اس کو عربی میں قدیم کہا جاتا ہے۔ لفظ قدیم کی مکمل تعریف یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نہ ہو۔ وہی ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ تک رہے۔ اب بخوبی سمجھ آگیا کہ ذات باری اور تمام صفات باری قدیم ہیں اور بعض افعال باری تعالیٰ قدیم ہیں۔ جیسے کلام فرمانا، حکمت فرمانا۔ رضامندی فرمانا۔ وغیرہ۔ اس قاعدہ کلیہ کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ معتزلہ خود بھی اس قانون کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعی صفت موصوف کی ہی مثل ہوتی ہے۔ اسی لیے معتزلہ نے صفات باری کا انکار کر دیا کہ اس کی صفت ہے ہی کوئی نہیں کہ اگر صفات مانیں گے تو ان میں مانتے ہوئے قدیم بھی ماننا پڑے گا۔ لہٰذا نہ صفت مانو نہ قدیم تسلیم کرنا پڑے۔ مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ معتزلہ یہ کہتے تھے کہ جن کو تم صفات کہتے ہو وہ افعال ہیں۔ اور افعال تو قیامت تک سرزد ہوتے رہیں گے۔ اور سب حادث ہیں۔ جب اللہ کی طبیعت چاہتی ہے تو خالقیت رازقیت۔ خالقیت کا عمل فرما دیا ہے۔ ورنہ اس میں پہلے یہ قوت نہ تھی۔ (العیاذ باللہ) ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کفر ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں بہت سی صفات ایسی ہوتی ہیں۔ جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً مخلوق میں موٹا ہونا۔ پتلا ہونا۔ لائق ہونا۔ یہ سب صفات انسانی ہیں۔ کچھ بھی نہ کرو پھر بھی لائق آدمی لائق ہی ہے۔ اسی طرح خالق تعالیٰ کی خالقیت رازقیت تو عمل سے متعلق ہے۔ لیکن معبودیت۔ کبریائی وغیرہ بھی تو وہ صفات ہیں کہ ان کا کسی عمل سے تعلق نہیں۔ اگر صفات کا انکار کیا جائے تو اس کو معبود نہیں کہا جا سکتا اور ان صفات کے ماننے بغیر چارہ نہیں تو پھر یہ صفات بھی قدیم ہوئیں اور معتزلہ کی وہ ضد ختم ہو گئی کہ ذات باری کے سوا کوئی قدیم نہیں۔ قدیم کے مقابل ہے حادث۔ اور حادث کی مکمل تعریف یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ہو۔ نہ وہ سب سے پہلے ہو نہ وہ ہمیشہ سے ہو نہ ہمیشہ تک رہے یہ حادث ہے اور مخلوق کی دو قسمیں نمبر ۱ فانی نمبر ۲ باقی۔ فانی مثلاً دنیا و مافیھا۔ باقی مثلاً۔ جنت دوزخ و مافیھا۔ باری تعالیٰ کے بعض افعال بھی حادث ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آج ایک بندے کو پیدا فرمایا تو اسکا پیدا کرنا حادث ہے مگر مخلوق نہیں ہاں بندہ حادث اس کا پیدا ہونا حادث ہے۔ اتنا سمجھنے کے بعد اب آیئے اصل مسئلہ قرآن کی طرف۔ قرآن مجید۔ توریت۔ زبور اور انجیل اور تمام صحف آسمانی ان کی دو چیزیں دنیا میں ہیں۔ نمبر ۱ معنویت یعنی مضمون اور کلام ہے بجز امام احنبل کی طرف منسوب ایک روایت کے لیکن کلام نفسی ہے کاغذ پر لکھا قلم سے بنایا۔ یہ کلام لفظی ہوا۔ کلام لفظی میں سب کا اتفاق ہے کہ قدیم نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ لیکن کلام نفسی صفت باری تعالیٰ ہے یعنی وہ کلام اور قول جو ازل میں زبان الٰہیہ (زبان قدرت) سے ادا ہوا۔ خواہ وہ قرآن مجید کا مضمون ہو سب قدیم ہے۔ کیونکہ سب کلام الٰہی ہے اور کلام صفت ہوتی ہے اور کوئی صفت اپنے موصوف کی مخلوق نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ہر انسان اپنی بات کا خالق ہو جائے اور کروڑوں خالق ماننے پڑ جائیں گے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں۔

کہ وہ کلام الٰہی جو طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا۔ وہ بھی مخلوق نہیں اگرچہ حادث ہے۔ حادث ہونے اور مخلوق ہونے میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی ہر مخلوق حادث ہے مگر ہر حادث مخلوق نہیں اور قول عارفین بالکل درست ہے۔ جدید اور مخلوق کا حادث وقدیم سے کوئی تعلق نہیں مخلوق جدید و مخلوق ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید اور دیگر کتب ایمانی نظریہ ہے۔ فرقہ ضابطہ مضلہ معتزلہ نے اپنی ضد اور بدعقلی سے جس کا انکار کیا اور اپنے وقتوں میں علماء اہلسنت و ائمہ مجتہدین سے مناظرے مباحثے کیے اور ہر میدان میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ سطور ذیل میں امام الائمہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مکمل مناظرہ کی مختصر روئداد پیش کی جاتی ہے جو مامون الرشید خبیث پلید کے دربار میں منعقد کی گئی۔

روئداد مناظرہ (از رسالہ جہمیہ حنبلیہ)

مامون نے معتزلہ کے ستر عقلا اور متکلمین جمع کیے تھے۔ لیکن اہلسنت کا ایک ہی شیر یزدانی امام احمد حنبل تھے۔ سوال کرنے والے مختلف تھے۔ مگر جواب دینے والے صرف امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔ چنانچہ معتزلی مناظر نے کہا۔ قرآن مجید کی سورت انبیاء ۱۷ اس کی آیت ۲ میں لکھا ہے۔ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ ۔ ترجمہ ان کے رب کی طرف سے حادث ذکر آیا۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کو حادث فرمایا گیا اور جو حادث ہو وہ مخلوق ہوتی ہے لہٰذا قرآن مخلوق نہیں امام احمد نے جواباً فرمایا آپ کا یہ اعتراض تین طرح غلط ہے اولاً اس لیے کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن مجید نہیں کیونکہ یہاں لفظ ذکر نکرہ ہے حالانکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ذکر معرفہ ہو کر آتا ہے۔ اسی طرح توریت زبور کے لیے بھی معرفہ ہو کر آتا ہے کتب آسمانی کے لیے کبھی نکرہ ارشاد نہ ہوا لیکن اس کے علاوہ عام ہے کہ نکرہ ہو یا معرفہ۔ جب نکرہ ہوگا تو اس سے مراد قانون ہوگا یا حدیث پاک یا خود نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اسی عادت کے تحت یہاں قرآن مجید مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ یا مراد ہے۔ مطلقاً قانون۔ یا حدیث پاک یا نصیحت۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ثانیاً یہاں فرمایا گیا محدث۔ یعنی نیا ظاہر ہونے والا۔ یا نیا ظاہر کیا ہوا۔ حادث نہ فرمایا گیا اور محدث کا معنیٰ ہے کہ یہ ظاہر اب ہوا ہے۔ آیا اب ہے۔ تو اگر بقول آپ کے قرآن مجید ہی مراد ہو تو آنے میں نیا ہے نہ کہ وجود میں اس معنیٰ میں اگر حادث ہی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنا حادث ہوا نہ کہ قرآن مجید۔ ثالثاً اس طرح کہ۔ حادث ہونے سے مخلوق ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ تمام صفات باری بالقوت حادث نہیں بلکہ قدیم ہیں۔ ہاں بالفعل کچھ صفات حادث ہیں مگر مخلوق نہیں۔ آج اللہ تعالیٰ کسی سے کلام فرماتا ہے تو وہ کلام بھی مخلوق نہیں ہوگا۔ البتہ حادث۔ لیکن امام غزالی الاقتصاد فی الاعتقاد کے صفحہ ۸ پر ہر کلام الٰہی کو قدیم فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طور پر کسی نبی اسرائیل نے اللہ کا قدیم کلام نہ سنا تھا۔ کیونکہ قدیم کلام سننا بھی عوام کے لیے محال ہے۔ جس طرح آج کسی کو پیدا فرمایا تو رب کی یہ خالقیت مخلوق نہ بنے گی

اور نہ ہی قوت خالقیت حادث ہو گی بلکہ یہ فعل حادث غیر مخلوق ہوگا۔

دوسرا سوال معتزلی نے کہا۔ قرآن پاک میں ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ اللہ ہی ہے ہر چیز کا خالق۔ سورۃ طٰہٰ کیا قرآن شی نہیں ہے۔ امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب الزامی اس طرح ہے کہ سورۃ انعام آیت نمبر۱۲ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اللہ نے اپنی ذات کو نفس فرمایا اور یہ بھی ارشاد ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ترجمہ۔ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے خیال میں نفس الٰہی کے لیے بھی موت ہے۔ پس جس طرح كُلُّ نَفْسٍ سے نفس الٰہیہ حکماً و حقیقۃً علیحدہ ہے سمجھو کہ شی ۱۰۰ میں بھی فرق ہے۔ دوم یہ کہ رب تعالیٰ نے اپنے لیے تو نفس کا لفظ ارشاد فرمایا مگر قرآن مجید کے لیے شی ۱۰۰ کا لفظ بھی کہیں نہ فرمایا۔ تیسرا اعتراض۔ اللہ نے قرآن مجید کو کتاب اللہ فرمایا۔ اضافت کے ساتھ اور لقاعدہ نحوی مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے اور تم کہتے ہو کہ کتاب صفت ہے اور صفت عین ذات ہے۔ **جواب**۔ عَلٰى نَفْسِهٖ میں کیا کہو گے۔ یہ بھی تو اضافت ہے۔ آپ لوگ تو عقل کو ہی سب کچھ سمجھتے ہو کم از عقل سے ہی سوچ لیا ہوتا کہ علم نحو میں اضافت کتنی قسم کی ہے۔ ان مقامات پر اضافت توصیفی ہوتی ہے نہ کہ بیانیہ متغایرہ۔ نیز کتاب بمعنی مکتوب ہے جو کلام لفظی ہے۔ اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں صفت الٰہیہ تو قرآن مجید نفسی ہے اور وہ قدیم ہے۔ اللہ نے قرآن اللہ یا قرآنہ کہیں نہ فرمایا۔ چوتھا اعتراض۔ معتزلی نے کہا۔ عمران بن حصین نے روایت کی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الذِّكْرَ یہاں ذکر معرفہ ہے اور بقول تمہارے اس سے مراد قرآن ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مخلوق ہے۔ **جواب**۔ دوستو! اپنے دین کو قیاسات و عقلیات کا کھلونا نہ بناؤ اور روایات میں توڑ موڑ نہ کرو۔ الفاظ روایت دکھاؤ۔ کافی انتظار تک کسی نے نہ دکھائے تو امام نے خود فرمایا کہ دیکھو الفاظ روایت اس طرح ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الذِّكْرَ۔

پانچواں سوال۔ کسی معتزلی نے کہا۔ عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ جَنَّةٍ وَّلَا نَارٍ وَّلَا سَمَاءٍ وَّلَا اَرْضٍ اَعْظَمَ مِنْ اٰيَةِ الْكُرْسِيِّ۔ ثابت ہوا کہ آیت الکرسی مخلوق ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آیت الکرسی سب سے بڑی مخلوق ہے اور جب آیت الکرسی یعنی جزو قرآن مخلوق ہے تو کل قرآن مخلوق ہوا۔ **جواب**۔ ان ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے مَا مِنْ مَّخْلُوْقٍ اَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ تو کیا اس روایت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق کہہ دو گے۔ نیز ہم دن رات تکبیر کہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ کس سب سے بڑا؟ مخلوق سے ہی بڑا ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ مَا خَلَقَ کا تعلق آیت الکرسی سے نہیں بلکہ صرف جنت دوزخ اور آسمان و زمین سے ہے اور بتانا یہ ہے کہ کوئی مخلوق آیت الکرسی سے بڑی نہیں۔ **چھٹا سوال**۔ قرآن مجید کو مخلوق نہ ماننا اور اس کو غیر مخلوق کہنا کفر ہے۔ اس سے توبہ کرو۔ ورنہ کفر

کی سزا پاؤ۔ جواب ۔ ہم غیر مخلوق کے عقیدے سے توبہ کرنے اور مخلوق ماننے کے لیے تیار ہیں۔ مگر کوئی دلیل تو دو۔ صرف دربار شاہی میں بیٹھ کر بادشاہوں کے سہارے رعب ڈالنا تو کوئی بہادری نہیں۔

معتزلی۔ اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ غیر مخلوق کہتے ہیں۔ اللہ کی مشابہت ہے کہ وہ بھی غیر مخلوق اور یہ بھی۔ جواب۔ اللہ تعالیٰ اَحَدٌ ہے۔ لَمْ یَلِدْ ہے وَلَمْ یُوْلَدْ ہے لَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے اور یہی تمام صفات سورج کی بھی ہیں تو کیا تمہارے خیال میں آسمان کا سورج رب تعالیٰ کے مشابہ ہوگیا۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ توریت زبور انجیل اور قرآن مجید کو غیر مخلوق کہنے سے اللہ کی مشابہت ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ صفت اگرچہ عین موصوف ہے مگر مشابہت محال ہے۔ دیکھو زید کا علم زید کی صفت ہے مگر زید کے مشابہ نہیں۔ زید کالا گورا ہے۔ ناک نقشے والا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ مگر علم کالا گورا نہیں سا اللہ تعالیٰ صمد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ ہے۔ اس کی مشابہ کون ہوسکتا ہے۔ دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بادشاہ کو گمان غالب تھا کہ میرے خریدے ہوئے مولوی چند منٹوں میں امام کو شکست فاش دیدیں گے۔ مگر یہاں تو نقشہ ہی الٹ ہوگیا۔ بادشاہ سخت پریشان اور برہم۔ جب ان معتزلیوں نے دیکھا کہ بادشاہ سخت متفکر نظر آتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی امام برحق کا قائل و معتقد ہو جائے اور ہم کو مروا دے تو ایک درباری معتزلی کھڑے ہوکر بادشاہ سے مخاطب ہوتا ہے کہ حضور یہ بدمعاش بڈھا لفظ بازی اور چرب زبانی سے باز نہیں آئے گا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں تب یہ کفریہ عقیدہ سے توبہ کرے گا۔ بادشاہ نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے مناظرین سے کہا کہ کیا ابھی مناظرہ جاری رکھنا چاہتے ہو۔ یا بند کرا دیا جائے۔ اس پر اس زمانے کا مشہور خبیث معتزلی۔ جس نے یہ عقیدہ پروان چڑھایا تھا جعد بن درہم کھڑا ہوا اور امام سے مخاطب ہوتا ہے اور ساتواں سوال کرتا ہے۔ قرآن امر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ آیت ۵ سورۃ طلاق اور امر مخلوق ہے کیونکہ حادث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ۔ اللہ تدبیر فرماتا ہے امر کی آسمان سے زمین کی طرف۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آسمان زمین پہلے ہے امر بعد میں اور ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو وہ حادث ہے اور ہر حادث مخلوق ہے۔ سب معتزلہ۔ واہ واہ سبحان اللہ مرحبا۔ کی صدا بلند کرتے ہیں اور کافی دیر اس گرفت کی تعریف ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد امام نہایت متانت سے اٹھتے ہیں اور جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ قانون بھی غلط ہے کہ ہر حادث مخلوق ہے۔ جیسا کہ ابھی پہلے بتا دیا گیا۔ نیز امر بھی تین قسم کے ہیں نمبر ۱ امر تکوینی نمبر ۲ امر تدبیری نمبر ۳ امر تشریعی۔ تکوینی و تدبیری حادث ہیں۔ لیکن امر تشریعی حادث نہیں۔ بلکہ صفت قدیم ہے اور تینوں قسم کے امر غیر مخلوق ہیں لیکن دو حادث ہیں اور ایک قدیم ہے قرآن مجید اسی قدیم کا نام ہے اور نزول قرآن امر تدبیری میں شامل ہے نہ کہ قرآن۔ یہ تو تمہارے اس بیہودہ سوال کا

جواب ہے۔ جس پر ان کم عقلوں نے تحسین کی۔ اب سنو کہ قرآن پاک ہی کی آیت کریمہ سے امر غیر مخلوق ثابت واضح ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ آیت نمبر ۵۴ سورہ نمبر ۷ اعراف یہاں واؤ عاطفہ نے بتادیا کہ امر اور چیز ہے مخلوق اور چیز کیونکہ واؤ عاطفہ جمع کے لیے آتی ہے اور جمع غیروں کو کیا جاتا ہے۔ اگر امر بھی مخلوق ہوتا تو واؤ عاطفہ نہ آتا۔ یہی طریقہ سارے قرآن مجید میں جاری ہے کہ ایک چیز کے لیے کتنے ہی نام آئیں۔ واؤ عاطفہ نہیں آئے گی۔ جب دوسری آئی تو فوراً واؤ آ گئی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الخ) یہاں چونکہ سب ایک ہی ذات کے نام ہیں اس لیے کہیں واؤ نہیں آیا۔ بغیر واؤ ہی آئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۔ یہاں چونکہ سب علیحدہ چیزیں تھیں اس لیے درمیان میں ہر جگہ واؤ آئی۔ ایک اور جگہ آیت پاک ہے۔ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَّاَبْكَارًا۔ یہاں پہلی سات صفتیں ایک فرد کی ہیں واؤ نہیں آئی۔ آخری صفت حقیقتاً جدا ہے اس لیے واؤ ارشاد ہوا۔ جب امام نے یہ پُراثر اور مدلل تقریر فرمائی اور باہمت و جرأت آواز میں پوچھا کہ اب بتاؤ امر مخلوق ہو سکتا ہے اور جب امر مخلوق نہیں تو قرآن کریم بھی مخلوق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بولو کہاں گئیں تمہاری دلیلیں۔ اس تاریخی مناظرے کا ایسا گہرا اثر پڑا کہ بجز ازلی بدبختوں کے جن میں مامون بھی شامل تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں معتزلہ فرقے سے تائب ہو گئے یا کم از کم متاثر ضرور ہوئے۔ اب ان روسیاہوں کے پاس بجز ضد تکبر اور ظلم کے کچھ نہ رہا تھا۔ نہ ہی اس کے بعد امام علیہ الرحمۃ سے کسی کو مناظرے کی جرأت ہو سکی قربان جاؤں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے کہ کس طرح فی البدیہہ منہ توڑ ہر اس بات کا فوراً جواب دیتے ہی چلے گئے۔ خدا تعالیٰ ان ہی بزرگوں کے طفیل سب کو سچی راہ ہدایت نصیب ہو۔

باطل کے پاس آخری حربہ ظلم و ستم ہی ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے امام پر ڈھائے۔ مگر روشنی امام ہی کے نام کر لی۔ مجھے ایک گوجر خان کے راجہ صاحب نے جو آج کل برطانیہ میں مستقل رہائش پذیر ہیں اور بدمذہبوں کی کتابیں پڑھ کر خاصے گمراہ ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے کہ معتزلہ نے ہی عیسائیت کے سیلاب کو روکا ورنہ ہمارے ائمہ نے تو کلمۃ اللہ کے مسئلے اور کلام اللہ کے مسئلے میں عیسائیت کو تقویت پہنچائی۔ میں نے کہا وہ کیسے کہنے لگے کہ ہمارے سب ائمہ کلام اللہ کو مخلوق نہیں مانتے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی کلمۃ اللہ اور کلام اللہ ہیں۔

قرآن مجید نے ان کو کلمۃ فرمایا اور انجیل یوحنا آیت ایک نے ان کو کلام لکھا۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے وکلمتہ اَلْقَاهَا۔ اور یوحنا میں ہے۔ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ اور کلام خدا تھا۔ کلمہ کا معنیٰ بھی کلام ہے۔ اگر ہم اپنے ائمہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی مان لیں تو قرآن کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو بھی غیر مخلوق ماننا پڑے گا اور پھر حضرت

مسیح کی الوہیت کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ عیسائیت کے اس کفریہ عقیدے کو اگر تر ڈالا ہے تو معتزلہ نے اس لیے ہم کلام اللہ کو حادث و مخلوق ہونے میں معتزلہ کی ماننے پر مجبور ہیں۔ نیز جبکہ خود باری تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار فرما رہا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ جَعَلْنَا ۔ کا معنیٰ ہوتا ہے خَلَقْنَا یعنی پیدا کیا ہم نے۔ کسی چیز کو بنانا نیست سے ہست معدوم سے موجود کرنا ہوتا ہے اور یہی خلقت و پیدائش ہے۔ اس طرح کی تین آیتیں اور بھی قرآن مجید میں ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن اور کلام مخلوق ہے۔ ہم نے کہا کہ راجہ صاحب بے دینوں کی کتابیں پڑھنے سے اسی لیے میں آپ کو منع کیا کرتا تھا۔ آپ نے تو دین کے ساتھ عقل کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ ان دونوں اعتراضوں اور اپنی پیش کردہ آیتوں کا مکمل جواب تو آپ ہمارے فتاوٰی العطایا جلد دوم میں دیکھئے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کو کلمۃ اللہ فرمایا ہے کلام اللہ نہیں کہا۔ کلمۃ" کا معنیٰ کلام نہیں اور اگر کسی مسلمان مترجم نے کلمۃ اللہ کا ترجمہ کلام کیا ہے تو وہ انتہائی جاہل احمق یا بے دین ہے۔ البتہ عیسائیوں نے اپنی یوحنا پہلی آیت میں یہ عبارت ضرور لکھی ہے جو آپ نے اوپر بتائی اور کلام کو ابن اللہ کہا اور مجسم مانا۔ مگر یہ سب کچھ ان کی ذاتی بناوٹ ہے۔ اب اگر معتزلہ نے انجیل کی اس عبارت اور عیسائیوں کے اس کفر کی بنا پر خلق قرآن کا عقیدہ بنایا ہے تو گویا انہوں نے عیسائیوں کی تائید کر دی اور ان کی اس بناوٹ کو صدق دل سے تسلیم کر لیا اور حضرت عیسٰی کو کلام مان لیا۔ ہمارے ائمہ رضوان اللہ علیہم نے تو حضرت عیسٰی کو کلمۃ اللہ بھی اس معنیٰ میں نہیں مانا جس کا معنیٰ ہے ایک بات یا ایک لفظ۔ دیکھو ہمارا فتاوٰی دوم آپ کی عقل کیسی الٹی ہے کہ جن معتزلہ نے عیسائیت کی تائید و حمایت کی وہی آپ کے پیارے بن گئے اور پھر میں آپ اور معتزلہ اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہوں کہ ذرا عقل سے سوچ کر بتایئے کہ کیا بات مجسم ہو سکتی ہے اور کیا حضرت عیسٰی کلام ہو سکتے ہیں؟ اگر بالکل ہی عقل ماری جائے تو اس سے تو سروکار نہیں لیکن ذرا سی عقل والا بھی ہرگز ایسی جاہلانہ بات نہیں کہہ سکتا۔ غرضیکہ معتزلہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر کسی بھی دلیل سے قرآن مجید کو مخلوق ثابت نہ کر سکے اور ہر میدان میں ذلیل خوار ہوئے جن معتزلہ نے سب سے پہلے خلق قرآن کا مسئلہ کیا وہ دوسری صدی ہجری میں ہوئے اور زمانہ مبارکہ میں اس ہی کے پیروکار تھے۔ اس لیے اس فرقے کا نام جہمیہ مشہور ہوا۔ امام احمدؒ نے معتزلہ کے رد میں اور ان سے مناظروں کی روئیداد لکھی اس کتاب کا نام بھی رسالہ رد جہمیہ اسی مناسبت سے رکھا تھا۔ صاحب تفسیر روح البیان نے روح البیان جلد چہارم ص۲۹۵ پر۔ قرآن مجید غیر مخلوق اور قدیم و کلام اللہ صفت الٰہیہ ہونے کے دلائل میں ایک دلیل یہ بھی تحریر فرمائی کہ آقائے کائنات سرور دو عالم نبی الرحمتﷺ امامین کریمین جناب حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بچپن میں نظر بد سے بچنے کے لیے دم فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اُعِیْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) استدلال اس طرح ہے کہ کلمات اللہ

سے مطلقاً رب تعالیٰ کا کلام مراد ہے یا قرآن مجید کے ہی کچھ الفاظ ہیں۔ اس لیے کہ صرف کلام الٰہی ہی تامہ کی شان والے ہیں اور وہ غیر مخلوق ہیں اس لیے کہ غیر مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہی پناہ مانگنی جائز ہے۔ مخلوق سے پناہ مانگنی یا مخلوق کی پناہ پکڑنی انبیاء کرام کے لیے قطعاً منع ہے۔ اگر یہ کلام اللہ مخلوق ہوتا تو اعیذ نہ فرمایا جاتا۔ یہ دلیل صاحب تفسیر نے دی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ علم کلام کی مشہور کتاب شرح ملا صادق علی عضدیہ صفحہ ۲۹ پر ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْقُرْاٰنُ کَلَامٌ وَمَنْ قَالَ اِنَّہٗ مَخْلُوْقٌ فَھُوَ کَافِرٌ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَعَلٰی مَا رُوِیَ اَنَّہٗ قَدْ طَالَ الْبَحْثُ وَالْمُنَاظَرَۃُ بَیْنَ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ الْکُوْفِیِّ وَبَیْنَ الْاِمَامِ اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ مَسْئَلَۃِ قِدَمِ الْکَلَامِ وَخَلْقِہٖ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ ثُمَّ اسْتَقَرَّ رَاْیُھُمَا عَلٰی اَنَّ الْقَوْلَ بِخَلْقِہٖ کُفْرٌ (الخ)

ترجمہ۔ فرمایا حضور اقدس آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ قرآن کلام ہے اور وہ شخص جس نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ اللہ عظیم کے نزدیک کافر ہے اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ امام اعظم اور امام یوسف کا خلق قرآن کے مسئلہ پر چھ ماہ تک بحث اور مناظرہ ہوتا رہا (جس طرح استاد شاگرد کا ہوتا ہے) تو آخر اسی بات پر اتفاق ہوا کہ قرآن مجید قدیم ہے اور اس کو مخلوق کہنا کفر ہے اور بھی بہت سی روایت اس پر شاہد ہیں قرآن و توریت و انجیل زبور سب رب کا کلام ہے قدیم ہے مخلوق نہیں۔ غرضیکہ عقلاً۔ نقلاً۔ روایتاً۔ درایتاً۔ فکراً۔ تدبراً۔ ہر لحاظ سے قرآن مجید غیر مخلوق ہے جو اس کو مخلوق کہے وہ کفر کی حد تک گمراہ اور جاہل ہے یہ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اب سائل کے پیش کردہ دوسرے رسائل پر صرف تبصرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت قبلہ صاحب نے تو یہاں تک مسئلہ ختم فرما کر دوسرے رسائل کی طرف توجہ فرمائی مگر ہم نے چاہا کہ اسی معتزلہ کے مسئلہ کلام الٰہی ہونے نہ ہونے کی بابت ایک اور مناظرہ بھی۔ حسن ذوق رکھنے والوں کی لذت علمی و عقلی کے پیش نظر یہاں درج کر دیا جائے۔ اس مناظرے کا پس منظر واقعات کے مطابق کچھ اس طرح ہے کہ آج سے تقریباً کچھ عرصہ پہلے راولپنڈی کے ایک مولوی صاحب جو خود تو معتزلی نہ تھے مگر معتزلہ اساتذہ سے صحبت رکھ کر کافی حد تک معتزلی بن چکے ہیں۔ اور ان کی یہ آزاد خیالی اسلام کے بہت سے مسائل میں ان کو اسلام سے بہت دور پھینک چکی ہے۔ انہوں نے برطانیہ میں ایک تقریر کے دوران۔ یہ کفر بول دیا کہ توریت زبور۔ انجیل سابقہ کتب کلام الٰہی نہیں ہیں۔ لوگ بہت ناراض ہوئے اور بات بڑھتے بڑھتے فتوے تک پہنچ گئی۔ حضرت قبلہ مفتی رود اعظم اس زمانے میں نئے نئے ہی برطانیہ آئے ہوئے تھے مگر شہد و پاک کی طرح آپ کی علمی دھاک سارے برطانیہ میں بیٹھی ہوئی تھی اور تمام لوگ آپ کی

محنت اور تحقیق سے فتوای نویسی کی بنا پر تمام لوگ آپ ہی کو مرکز اہلسنت سمجھتے ہیں اور آپ کی تحریر و تقریر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر اگرچہ اور بھی علما برطانیہ و ہندوستان و پاکستان موجود ہیں، مگر جس محنت و جانفشانی سے مسائل اسلامیہ کا شاندار حل آپ فرماتے ہیں اس کی فی زمانہ مثال کم ملتی ہے۔ مولوی صاحب مذکور کی اس تقریری لفظوں پر بھی جب سمجھ دار طبقے نے گرفت کی تو سب کا رجوع آپ کی ذات والاشان کی طرف ہی ہوا۔ تب آپ نے سب سائلین کا مکمل بیان سن کر پہلے مولوی مذکور کو ایک خط لکھا۔ جس کا متن درج ذیل ہے۔ مولوی مذکور صاحب کے نام حضرت کا خط بشکل فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ایک مشہور عالم دین سید ... شاہ صاحب نے چند دن پیشتر ایک تقریر میں کہا کہ توریت زبور، انجیل کلام الٰہی نہیں ہے صرف وحی ہے۔ ہم لوگ یہ وعظ سن کر بہت حیران ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس بات پر الاتقان کا حوالہ پیش کیا تھا۔ ہم نے یہ بات اس سے پہلے کسی عالم دین سے نہیں سنی۔ ہمارا تو اب تک یہی ایمان ہے کہ توریت انجیل وغیرہ سب کتب آسمانی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مولانا حضرت شاہ صاحب نے ایسی بات کہہ کر ہم کو الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ لہٰذا براہ کرم صحیح شرعی فتویٰ عطا فرما کر رہنمائی فرمائی جائے۔ تقریر کی ریل کیسٹ بھی حاضر خدمت ہے اس کو سن لیا جائے۔ فقط والسلام

محمد اعظم اور دیگر اہلیان ڈربی ۸۳۔ ۱۱۔ ۹

بعون العلام الوھاب

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اسلامی عقائد اور حقیقت شرعیہ کے مطابق مذکورہ فی السوال بات بالکل غلط ہے اور تقریر کرنے والے کی انتہائی جہالت و ضلالت ہے۔ قرآن مجید احادیث مبارکہ اور تفاسیر کے اقوال کے قطعاً خلاف ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہر انسان پر واجب ہے۔ بلکہ فرض کفایہ سے بھی زیادہ فرض عین علی جمیع المسلم ہے کہ مثل قرآن مجید کتب سابقہ توریت زبور انجیل کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لائے۔ ایک کتاب الٰہی کے کلام اللہ ہونے کا انکار بھی کیا تو اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا انکار۔ یہ بات جو مذکور مولانا صاحب نے بیان کی ہے بہت ہی خطرناک ہے اسلام سے بہت دور لے جانے والی ہے۔ اتقان کا حوالہ دے کر مولانا مذکور نے مزید عدم تفکر کا ثبوت دیا ہے ہو سکتا ہے مولانا نے اصل اتقان کا یہ مقام اور اس کا سیاق و سباق نہ دیکھا ہو۔ کسی رسالے یا اخبار یا کسی دوسری کتاب سے اخذ کیا ہو۔

بہر حال یہ مولانا کا ذاتی اور بناوٹی نادانی ناسمجھی کا نظریہ ہے اور اس غلط و باطل نظریے پر اتقان کا حوالہ مفید نہیں اولاً اس لیے کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہ عبارت کسی اور کی جانب سے لکھی ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے ان کی تائید اس کو شامل نہیں۔ دوم اس لیے کہ اس کتاب میں چند سطور پہلے قرآن مجید کے متعلق بھی اسی سے مشابہ ایک بیہودہ قول نقل کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن مجید بھی اصل نہیں۔ سوم اس لیے کہ امام سیوطی ان ہی صفحات پر اپنا نظریہ اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ ہر کتاب اللہ اپنی اپنی رقوم کی زبان میں نازل ہوئی نہ کہ عربی میں اور در پردہ ان اقوال کو لغو (بے کار) قرار دے رہے ہیں۔ لہذا ایسے لغویات کو بلا سوچے سمجھے اپنی تقریر کا موضوع بنالینا دانائی نہیں کم عقلی ہے۔ ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکل جاتا ہے کہ اتقان کی اس عبارت کا جو نتیجہ مولوی موصوف نے نکالا وہ ہرگز نہیں نکلتا۔ اس لغو عبارت سے بھی کسی طور پر کلام الٰہی ہونے کا انکار ثابت نہیں ہوتا اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مولوی صاحب نے محض جوش خطابت کے زور پر یہ نتیجہ خود پیدا کرلیا۔ حالانکہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ ایسی لغزشیں ہمارے شعراء اور نعت خوانوں کا تو عرصے سے طرہ امتیاز ہے مگر اب ہمارے واعظین بھی اس قسم کی چشم پوشیوں سے احتیاط نہیں کرتے۔ سائل کے حکم کے بموجب یہ چند سطور تحریر کردیں ہیں یہ شرعی فتوای نہیں۔ صرف مولوی مذکور کو متنبہ کرنا اور باز پرس مقصود ہے کہ شاید ان کے پاس اس کفریہ نظریے سے بچنے کی کوئی راہ ہو۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو پوری تحقیق اور اتمام حجت کر کے اس پر مکمل مدلل باحوالہ فتوای پھر کبھی جاری کردیا جائے گا۔ بہر کیف اتنی ہی عبارت پر کفایت کرتے ہوئے ہمارے مولانا موصوف کو اپنے اس بیان سے علی الاعلان رجوع فرمانا چاہئے اور اللہ تعالٰی کے دربار میں توبہ کرنی چاہیے اور ان جیسی قوم کی رہنما ہستیوں کو رجوع کرنا دو وجہ سے اشد ضروری ہے۔ پہلی وجہ کہ کہ سنا گیا ہے کہ مولانا موصوف پیری مریدی کا کام بھی کرتے ہیں اس لیے ان کی قوم میں یہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور مریدین کی نگاہ میں جو پیر کا مقام ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ پیر صاحب موصوف کے عقیدت مندوں کے گمراہ ہونے کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں وہ بھی کتاب الٰہیہ کے متعلق یہ کفریہ عقیدہ نہ اختیار کرلیں۔ جب کہ سنا گیا ہے کہ مذکور خطیب صاحب کے عقیدت مند اطراف میں موجود ہیں۔ ان کو برائیوں سے بچانا حضرت کی ذمے داری ہے۔ میری یہ تحریر جلد بازی یا بلا سوچے نہیں بلکہ سائل کے سوال پر غور کرنے کے علاوہ سائل کا ہی بھیجا ہوا مولانا صاحب کا تقریری شریط (کیسٹ) کئی دفعہ بغور سنا۔ جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ اصل توریت وغیرہ کو وحی کہا جاسکتا ہے کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا وحی ہونا اور چیز ہے کلام الٰہی ہونا اور چیز ہے۔ اس کفریہ تقریر درستی کا کوئی پہلو نظر نہیں آیا تب یہ خط لکھا گیا اگر حضرت موصوف کو رجوع سے کوئی مانع نہ ہو تو کسی بھی معین کردہ وقت پر تحریرًا یا تقریرًا اصالتًا ہر طرح میرے پاس تشریف لاکر گفتگو فرماسکتے ہیں

یہ تحریر فتوٰی یا محاسبہ یا محاکمہ یا گرفت نہیں۔ بلکہ یہ راہ راست پر آجانے کا خیر سگالی مشورہ ہے اور مقصود فقط اصلاح ہے۔ اس خط کے بعد بہتر تو یہی تھا کہ مولوی صاحب مذکور حضرت مولانا شاہ صاحب اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اس تقریری قول سے توبہ کر لیتے مگر انہوں نے غلط تاثر لیتے ہوئے پہلے تو کچھ دن خاموشی اختیار کی مگر پھر کسی کے اکسانے پر مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ لیکن جب حضرت کی طرف سے انکا چیلنج قبول کر لیا گیا تو پھر بھاگتے اور جان چھڑاتے پھر رہے۔ کبھی مناظرے کی جگہ پسند نہ آئے تو کبھی مناظرے کا جج پسند نہ آئے۔ کبھی کہیں کہ اکیلے خفیہ مناظرہ کرنا ہے۔ نہ ادھر سے کوئی تیسرا نہ ادھر سے۔ غرضیکہ ہزار بہانوں سے فرار کی کوشش کریں۔ اس طرح اس بھاگ دوڑ میں تقریبًا دس ماہ گزر گئے۔ آخر کار ان کی ساری شرطیں مان کر ان کو مناظرے کے لیے جکڑا گیا۔ تب کہیں جا کر مقام لپنڈ حضرت محترم او بھائی اشرف صاحب کے گھر حضرت حاجی ہاشم میاں شاہ صاحب دین محمد اور اعظم خان کے زیر انتظام بتاریخ ۲۸-۱۱-۸۴ بوقت بعد نماز عشاء۔ پوری رات مناظرہ ہوتا رہا۔ جس میں حق کی شاندار فتح ہوئی اور شاہ صاحب کے باطل اور گمراہ نظریئے کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور مجبورًا ․․․․ شاہ صاحب کو اپنے معتزلی عقیدے سے توبہ اور رجوع کرنا پڑا۔ اس مناظرے کی مختصر روئداد مندرجہ ذیل ہے۔ ہم نے اس روئداد کو صرف اس لیے شائع کیا ہے کہ سنا ہے کہ شاہ صاحب پھر اسی عقیدے پر آ گئے ہیں اور اپنی توبہ اور رجوع سے پھر گئے ہیں اور قوم کو پھر گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت قبلہ مفتی ہزاعظم نے ان کو سنی بھائی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ کافی محبت و رعایت و نرمی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ کیونکہ مقصد رسوا کرنا نہ تھا۔ بلکہ گمراہی اور جہالت کے گڑھے میں ڈوبتے ہوئے کو بچانا مقصود تھا۔ مگر غرور و تکبر سے جب انانیت و نفسانیت غالب آ جائے تو راہ سعادت مشکل سے ہی ہاتھ آتا ہے۔ اللہ تعالٰی ہی سچی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

(ادارہ)

روئداد مناظرہ

(یہ مناظرہ ۲۸-۱۱-۸۴ رات میں ہوا) راولپنڈی کے مولوی صاحب نے اپنے معتزلانہ پہلے غلط عقیدے سے رجوع اور توبہ کر لی۔

ان کا پہلا عقیدہ اس طرح تھا کہ توریت زبور انجیل کو کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ صرف وحی ہے یہ کفریہ عقیدہ تھا۔ کافی بحث و مناظرے کے بعد بُری طرح شکست کھا کر اس بُرے عقیدے سے توبہ کر کے سچا عقیدہ قبول کیا کہ توریت۔ زبور۔ انجیل اللہ تعالٰی کا کلام ہے اس کو کلام الٰہی ہی کہا جائے گا کلام الٰہی

کا انکار کرنا بے دینی ہے۔

یہ مناظرہ راتٗ میں ہوا۔ مابین مولانا مولوی حضرت شاہ شاہ صاحب اور صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان صاحب بدایونی نعیمی قادری۔ اس میں اخلاقی طور پر۔۔۔۔ شاہ صاحب نے بہت خلاف ورزیاں بھی کیں اور جو شرطیں خود مقرر کی تھیں ان کو خود ہی توڑا مگر قبلہ مفتی صاحب نے اخلاقی طور پر سب کچھ برداشت صرف اس لیے کیا کہ کہیں مولوی شاہ صاحب کسی بہانے سے بھاگ نہ جائیں اور مناظرہ نہ ہوسکے۔ بہرکیف مناظرہ ہوا اور رات کو بعد نماز عشا اس طرح ابتدا ہوئی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ دونوں طرف سے ہر فریق اکیلا آئے کسی دوست ساتھی کو نہ لایا جائے۔ حضرت قبلہ نے تو اس شرط کو پورا کیا مگر حضرت شاہ صاحب نے بدعہدی کرتے ہوئے اپنے پچاس مولوی بلائے ہوئے تھے اپنی امداد اور گھبراہٹ کو دور کرنے کے لیے ان تمام حواریوں کے سامنے بیٹھتے ہی صاحبزادہ اقتدار احمد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ جناب ہاشم صاحب آپ مفتی صاحب کو نصیحت فرمائیں کہ یہ ہم کو چھیڑا نہ ئیں (یہ اشارہ تھا اس تقریری گرفت کی طرف) اس کا جواب فوراً مفتی صاحب نے ہنستے ہوئے دیا کہ جناب آپ کھلے عام ننگے سر برقعہ اتار کر نہ چلا کریں۔ جو برقعہ اتار کر سڑکوں پر چلتا ہے اس کو چھیڑا جاتا ہے۔ اس جواب سے ہاشم میاں صاحب اور سب ان کے ساتھی مسکرا پڑے اور شاہ صاحب شرمندہ ہوگئے۔ اس کے بعد تمام ساتھیوں کو دوسرے کمرے میں منتقل کردیا گیا اور اس ہی بند کمرے میں چار آدمیوں کی موجودگی میں باقاعدہ بحث شروع ہوئی۔ جس میں ایک ہاشم میاں بطور جج اور دوسرے بزرگ شاہد میاں صاحب اور دو شخص ٹیپیں بھرنے کے لیے موجود رہے اور دونوں مناظر آمنے سامنے تشریف فرما رہے۔ پہلا سوال۔ بغیر اجازت لیے ہی شاہ صاحب نے فرمایا۔ (حالانکہ یہ جلد بازی اخلاقی طور پر آداب محفل کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی تھی) کہ مفتی صاحب آپ وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ یہ متنازع فیہ نہیں اس کی ضرورت نہیں آپ صرف یہ بتادیں کہ کسی مفسر یا محدث امام۔ مجتہد عالم فقیہ نے یہ بات کہی ہے جو آپ نے کہی ہے کہ توراۃ زبور۔ انجیل کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔

شاہ صاحب۔ نہیں آپ وحی کی تعریف کریں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔

ہاشم میاں صاحب۔ شاہ صاحب آپ کسی کی معلومات پر تکرار کر کے ذاتیات پر بات نہ فرمائیں یہ آداب کے خلاف ہے۔ اصل مسئلے کی طرف رہیں۔

مفتی صاحب۔ اچھا بتائیں کہ کیا ترجمۂ قرآن مجید کو کلام الٰہی یا فقط ترجمے کا نام قرآن مجید ہوسکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ تھوڑی دیر خاموشی) پھر فرمایا نہیں ہرگز نہیں (اور کچھ غیر ضروری باتیں) پھر کچھ سوچ کر میں

کہتا ہوں آپ پہلے وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ یہ بتائیں کہ ترجمۂ توریت وغیرہ کو توریت کہا جائے گا۔ (یہ ہی اصلی گرفت تھی)۔

شاہ صاحب۔ (پسینہ پونچھتے ہوئے حالانکہ کافی سردی تھی)۔ میں کہتا ہوں آپ وحی کی تعریف کریں، اس تعریف سے سب سوالوں کا جواب آجائے گا۔

مفتی صاحب۔ بقول آپ کے جب ترجمۂ قرآن۔ قرآن نہیں تو ترجمۂ زبور، انجیل بھی زبور۔ انجیل نہیں ہوا۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھیں کہ قرآن مجید کا نام کتاب اللہ ہے نہ کہ ترجمۂ قرآن کا۔ تو اس طرح زبور۔ توریت۔ انجیل کا نام کتاب اللہ ہے نہ کہ ان کے ترجموں کا اور یہ عقیدہ آپ کو مجبورًا رکھنا پڑے گا۔ ورنہ میرے ترجمۂ قرآن وانجیل کو بھی کتاب اللہ کہنا پڑے گا۔

شاہ صاحب۔ میں کہتا ہوں کہ آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے وقت ضائع نہ کریں صرف وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ آپ وحی کی تعریف کے پیچھے نہ پڑیں، میرے سوالوں کا جواب دیں۔ وحی کے بارے میں میرا آپ کا اختلاف نہیں ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ شاہ صاحب۔ جب مفتی صاحب فرمارہے ہیں کہ تعریف وحی میں کوئی اختلاف نہیں۔ تو آپ اس پر کیوں بضد ہیں۔ یہ ضد چھوڑئے اور اصل موضوع پر آئیں۔ تاکہ گفتگو مختصر ہو اور جلد فیصلہ ہو جائے

شاہ صاحب۔ جناب ان کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔

مفتی صاحب۔ ہم یہاں اس لیے جمع نہیں ہوئے کہ کسی کی معلومات پر بحث کی جائے یا ایک دوسرے کا علم ناپا جائے۔ مجھ کو تو بہت سی چیزیں نہیں آتیں اور آپ کو بھی ہر چیز کا علم نہیں ہے۔ اچھا آپ بتائیں کہ کیا آپ کو وحی کی تعریف آتی ہے۔

شاہ صاحب۔ ہاں آتی ہے۔

مفتی صاحب۔ کیا یہ بات لازمی ہے کہ جس کو وحی کی تعریف آتی ہو وہ توریت وغیرہ کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے۔ اگر یہ لازم ہے تو میرا پہلا سوال اور مطالبہ بالکل ٹھیک ہے کہ آپ بتائیں کہ کسی عالم۔ امام۔ فقیہ محدث مفسر نے یہ کہا ہے کہ توریت وغیرہ کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا اور اگر یہ بات کسی نے نہیں کہی اور واقعی نہیں کہی۔ تو بقول آپ کے صحابہ سے لے کر آج تک کسی کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔ کیونکہ اگر آتی ہوتی تو وہ بھی کلام الٰہی ہونے کا انکار کردیتے۔ چونکہ صرف ساری دنیا میں آپ کو وحی کی تعریف آتی ہے اور آپ کی ذات ہی نرالی پیدا ہوگئی ہے۔ جس کو وحی کی تعریف آگئی۔ اس لیے آپ نے فورًا کلام الٰہی ہونے کا انکار کردیا

شاہ صاحب۔ (انتہائی پریشانی کی حالت میں) میں کہتا ہوں مولانا آپ موضوع سے بھاگ رہے ہیں آپ وحی کی تعریف کریں۔

مفتی صاحب۔ آپ کی عجیب حالت ہے ابھی خود آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو وحی کی تعریف نہیں آتی پھر مجھ سے ہی مطالبہ کر رہے ہو۔ اب تو میرا مطالبہ ہے کہ کسی اور بزرگ کو بھی وحی کی تعریف آتی ہے اور اس نے بھی اس تعریف کی بنا پر توریت کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے کہیں تو کسی کا قول دکھاؤ ایک منٹ میں ابھی مناظرہ ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی جس تعریف کی بنا پر آپ کلام الٰہی کا انکار کر رہے ہیں وہ انکار کسی اور کا بھی دکھا دو بس مختصر سی بات ہے۔

شاہ صاحب۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ آپ کو وحی کی تعریف نہیں آتی۔ وہ اس لیے کہا ہے کہ اگر آپ کو وحی کی تعریف آتی ہوتی تو آپ میری تقریر سن کر مجھے فتوای نہ لگاتے۔

مفتی صاحب۔ میں نے تو آپ پر کوئی فتوای نہیں لگایا۔ وہ تو ابھی لگانا ہے۔ اگر آپ نے ثابت بھی نہ کیا اور رجوع توبہ بھی نہ کی تو فتوے شرعی ضرور لگایا جائے گا۔ تاکہ قوم آپ کی گمراہی سے بچے اور کلام الٰہی پر صحیح ایمان لائے۔

شاہ صاحب۔ نہیں آپ نے مجھ پر فتوای لگایا ہے اور مجھ کو آپ نے اس فتوے میں کافر کہا ہے۔

مفتی صاحب۔ نہیں میں نے ابھی کوئی فتوے نہیں لگایا۔ میری جو تحریر آپ کے پاس پہنچی ہے اس میں آپ کے عقیدے کے بارے میں استفسار ہے اور یہ پوچھا ہے کہ کیا واقعی آپ کا وہی عقیدہ ہے جو آپ نے تقریر کی ہے یا محض جذباتی بات منہ سے نکل گئی ہے۔ فقط اسی کی وضاحت آپ سے طلب کی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ فتوای کس طرح لگایا جاتا ہے۔ ہمیشہ اصول شرعی یہ ہے کہ مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے پوچھا جاتا ہے پھر جرم ثابت ہونے پر فتوای لگایا جاتا ہے۔ یہ مناظرہ یا بحث اسی تفتیش کی ضمن میں ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ اچھا شاہ صاحب آپ دکھائیں کہ مفتی صاحب نے کہاں کفر کا فتوای لگایا ہے اور آپ کو کافر کیا ہے۔

شاہ صاحب۔ دیکھو مفتی صاحب نے اپنے اس فتوٰی میں لکھا ہے کہ ایک کتاب الٰہی کے کلام اللہ ہونے کا بھی انکار کیا تو اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا انکار کفر ہے۔

سید ہاشمی میاں صاحب۔ یہ بات تو مفتی صاحب نے اپنی طرف سے نہیں کی یہ تو جمہور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ کیا آپکو اس سے انکار ہے۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے کچھ نہیں دیا اور پریشانی سے نگاہیں نیچی کرلیں۔

مفتی صاحب۔ حضرت شاہ صاحب۔ میری دعا ہے کہ خدا کرے آپ پر فتوٰی نہ لگے۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ فتوٰی شرعی ہوتا کیا ہے۔ اچھا بتائیں کہ آپ نے جو کہا ہے اپنی تقریر میں کہ انبیاء کرام نے ترجمہ کرکے قوم کے سامنے پیش کیا تو بتایئے کہ موسٰی علیہ السلام داؤد علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام نے کہاں بیٹھ کر ترجمہ کیا کس چیز پر لکھا اور کس کو اٹھا کر دیا اور وہ تختیاں جو موسٰی علیہ السلام لائے تھے اور وہ کاغذات جس پر زبور لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی اللہ کی طرف سے وہ کہاں گئے۔ نیز اللہ تعالٰی نے ان کو خود ہی ترجمہ کرکے کیوں نہ بھیجدیا انبیاء کرام کو زحمت کیوں دی گئی اور کیا اس وقت بنی اسرائیل کو پتہ لگ گیا تھا کہ موسٰی علیہ السلام نے اصل کتاب ہم کو دکھائی تک نہیں۔ ترجمہ کرکے کہہ رہے ہیں کہ یہ رب کی کتاب ہے۔ کیا اس وقت کسی بنی اسرائیل نے اعتراض کیا تھا کہ ہم آپ کے ترجمے کو نہیں مانتے ہم کو اصل کتاب دکھاؤ ہم خود ترجمہ کرالیں گے یا کہ ان کو اس ترجمہ کرنے کا پتہ ہی نہ چل سکا اور آج آپ کو پتہ لگ گیا۔

شاہ صاحب۔ (کافی پریشان ہوکر) میں یہ نہیں بتا سکتا میں تو صرف یہ بتاؤں گا کہ انبیاء کرام نے ترجمہ کرکے اپنی قوم کو دیا۔

مفتی صاحب۔ اوّلاً تو آپ پر فرض ہے کہ میرے سب سوالوں کا مدلل جواب دیں۔ لیکن میں آپ کو بقول آپ کے زیادہ نہیں چھیڑتا۔ لھذا آپ یہ ہی دکھادیں۔

شاہ صاحب۔ دیکھئے یہ اتقان ہے اس کے صفحہ ۴۶ پر ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِم عَنِ السُّفْیَانِ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَمْ یَنْزِلْ وَحْیٌ اِلَّا بِالْعَرَبِیَّةِ ثُمَّ تَرْجَمَ کُلُّ نَبِیٍّ لِقَوْمِهٖ۔

مفتی صاحب۔ حضرت آپ کے پاس تو فقط یہ ایک ہی سفیان ثوری کا قول ہے اور اسی نے آپ کا ستیاناس کردیا ہے۔ مگر میرے پاس زیادہ قول ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت وغیرہ عربی میں نازل نہیں ہوئیں۔ بلکہ عبرانی میں وسریانی وغیرہ میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں وہ تمام دلائل وحوالاجات ایک کاغذ پر لکھ کر لایا ہوں آپ وہ دیکھیں اور نمبر وار ان کا جواب دیتے چلے جائیں۔ اس طرح بہت جلد کوئی فیصلہ ہوجائے گا۔

شاہ صاحب۔ نہیں میں نہیں دیکھتا مجھے آپ کے دلائل کی حقیقت معلوم ہے۔ آپ میرے دلائل سنیں میرے پاس صرف ایک ہی قول نہیں بلکہ بہت روایتیں ہیں۔

مفتی صاحب۔ لیکن میرے دلائل سننے میں کیا حرج ہے۔ حوصلہ رکھیے گھبرانا تو نہیں چاہیئے۔ اس پر کافی دیر بحث چلتی رہی۔ مفتی صاحب اپنا پرچہ پڑھنے لگیں تو شاہ صاحب اپنی کتاب کی عبارت شروع کردیں۔ تب مفتی صاحب نے ہاشمی میاں صاحب سے کہا کہ حضرت ان کو روکیے یہ تو اچھی بات نہیں۔

ہاشمی میاں صاحب۔ قبلہ شاہ صاحب اس طرح تو سات دن لگے رہو گے۔ تب بھی فیصلہ نہ ہوگا پھر شاہ صاحب بمشکل مفتی صاحب کے دلائل سننے پر راضی ہوئے۔ مفتی صاحب نے نمبروار پڑھ کر سنائے
شاہ صاحب۔ جن کتابوں کے نام آپ نے حوالوں میں درج کیے ہیں کیا وہ کتابیں لے کر آئے ہو۔
مفتی صاحب۔ کچھ کتابیں لایا ہوں اور کچھ کتابیں آپ کے پاس ہیں۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہی کتابوں میں سے آپ کی پوری تسلی کردوں گا اور اگر کوئی کتاب میرے حوالے والی آپ کے پاس نہ ہوئی تو میرے ذمے ادھار رہے گا۔
شاہ صاحب۔ کتاب نہ ہونے کا بہانہ نہیں چلے گا۔ یہ پہلے بات ہو چکی ہے کہ کتاب نہ ہونے کا عذر نہیں چلے گا کیوں۔ ہاشمی میاں صاحب قبلہ یہ بات ہوئی ہے یا نہیں۔
ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں ہوئی ہے۔
مفتی صاحب۔ یہ بات آپ کے درمیان خفیہ ہوئی ہوگی مجھ کو تو کوئی علم نہیں نہ مجھ کو بتایا گیا۔ اس کے علاوہ اور نہ جانے کتنے خفیہ معاہدے آپ لوگوں نے کر رکھے ہیں۔ مناظرے سے فرار وغیرہ کے لیے مجھ کو کیا علم۔ اور پھر جو شرائط علی الاعلان کی گئیں ہیں ان پر آپ کب کاربند نظر آرہے ہیں۔ کیوں ہاشمی میاں صاحب۔ کیا کتابوں کا یہ معاہدہ مجھ کو بتایا تھا۔ ہاشمی میاں صاحب نے نگاہیں نیچی رکھیں اور کوئی جواب نہ دیا۔
مفتی صاحب۔ آپ لوگوں نے موجودہ وعدوں کی بھی سراسر خلاف ورزی کی ہے۔ وعدہ تھا بلکہ آپ کی ہی طرف سے پابندی تھی کہ کسی کے ساتھ دوطرفہ کوئی شخص نہیں آئے گا۔ ہر فریق تنہا دلائل کے ساتھ آئے گا مگر یہاں مخالف فریق کا جمگھٹ لگا ہوا ہے۔ جبکہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں۔ لیکن بحمدہ تعالیٰ مجھ کو کوئی پریشانی نہیں۔ آپ ہی خواہ مخواہ پریشانی ظاہر فرما رہے ہیں۔ اچھا چلیے بات شروع کیجئے۔ کتنا وقت ضائع ہوگیا۔
شاہ صاحب۔ (مفتی صاحب کا دلائل والا کاغذ ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہوئے) یہ آپ کی پہلی تین دلیلیں دراصل ایک دلیل ہے جس کو آپ نے تین دلیلیں بنا دیں گویا ایک دلیل کے تین حصہ ہیں۔ آپ نے دلیل ۲ میں جن تفسیروں کے نام سے حوالے لکھے ہیں وہ لائے ہیں۔
مفتی صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا کتب خانہ یہاں برطانیہ میں میرے پاس نہیں ہے بلکہ پاکستان میں ہے یہاں مجھ کو یہ کتابیں میسر نہیں آئیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ حوالے سب درست ہیں میں نے ہر کتاب کا جلد اور صفحہ نمبر درج کیا ہے۔ آپ کے پاس ان میں سے جو تفاسیر وغیرہ ہیں ان میں دیکھ لیں۔ شاہ صاحب کچھ تفاسیر ملاحظہ کرتے ہیں۔ حوالے سب درست نکلے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے دلیل نمبر ۲ میں لکھا ہے کہ کچھ مفسرین نے صیغہ تمریض سے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے طور پر رب کا کلام اپنے کانوں سے سنا۔ یہ آپ نے کیوں لکھا۔

مفتی صاحب۔ اوّلاً اس لیے کہ جن مفسرین نے یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ سے۔ طور والے کلام کا ذکر کیا وہ اس کو اپنا دوسرا قول بتاتے ہیں اور فقہاء کرام کے نزدیک دوسرا قول مصنف کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا تائیدی قول پہلا ہوتا ہے۔ دوم اس لیے کہ اس لغو اور باطل قول کو کسی نے قیل سے اور کسی نے قَالَ بَعْضٌ اور کسی نے قَالَ آخَرُوْنَ سے ذکر کیا اور یہ تینوں صیغے تمریض کے ہیں جو معتبر نہیں ہوتے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے اپنی اسی نمبر ۲ دلیل میں تفسیر طبری کا حوالہ دیا ہے۔ وہ میرے قول کی بڑی شاندار تائید فرماتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے بھی اس کو قَالَ آخَرُوْنَ سے شروع کیا اور دوسرا قول بنایا۔ اس طرح آپ کے یہ دونوں نظریے غلط ہو جاتے ہیں۔

مفتی صاحب۔ یہ نظریے میرے نہیں بلکہ فقہا اور محدثین نے وضع فرمائے۔ یہ میں پھر کبھی دکھا دوں گا۔

شاہ صاحب۔ ابھی دکھائیں یہ پھر والا بہانہ نہیں چلے گا۔

مفتی صاحب۔ یہ ایک ضمنی بات ہے۔ موضوع مباحثہ نہیں ہے اس لیے ان حوالوں کی کتابیں لانا ضروری نہیں۔ دوران گفتگو بہت سی غیر متعلق باتیں ہو سکتی ہیں۔ تو ان کا حوالہ دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ آپ خواہ مخواہ بحث کو طول دے کر وقت ضائع کر رہے ہیں۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں شاہ صاحب موضوع کی طرف آئیں غیر ضروری باتوں سے بچیں۔

مفتی صاحب۔ میرا گمان ہے کہ طبری نے ایسی لغو تائید نہیں کی ہوگی۔ اچھا لاؤ دکھاؤ حوالہ

شاہ صاحب۔ لیجیے جناب طبری۔ (اور پہلے خود عبارت پڑھی)

مفتی صاحب۔ لایئے میں خود پڑھوں۔ اس وقت حضرت نے کافی دیر تک طبری کا مطالعہ کیا اور شاہ صاحب بار بار فرماتے رہے کہ حضرت صاحب جلدی کیجیے۔ ہاں حضرت جی آگے حوالہ سنائیں۔ اور مفتی صاحب فرماتے رہے۔ صبر کیجیے حضرت صاحب۔ گھبراہٹ کیسی ہے اور آپ کی نگاہیں کتاب پر جمی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد مفتی صاحب نے کتاب واپس کرتے ہوئے۔ فرمایا۔ میں نے پہلے اس کتاب کا بنظر عمیق سیاق و سباق سے مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے میرا گمان ہوا کہ اس نے بیہودہ بات کی تائید نہیں کی ہوگی۔ لیکن اب بغور پڑھنے سے پتہ چلا کہ اس نے واقعی اس بات کی تائید کر دی کہ طور پر بنی اسرائیل نے کلام سنا تھا مگر یہ ہے غلط۔ ان ہی بے عقل مصنفین

تے تو آپ لوگوں کو گمراہی کا سہارا دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جتنے بھی گستاخ سے گستاخ فرقے پیدا ہوئے ان کی جڑیں ان ہی کتابوں سے پھوٹتی ہیں۔ ہر گستاخ اپنی کن مانی گستاخیوں کے لیے ان لوگوں کی کتابوں کا سہارا لے کر نیا مذہب بنالیتا ہے۔ آج مسلمانوں میں جتنا اختلاف ہے ہر بات میں اتنا کسی مذہب میں نہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس میں اختلاف نہ ملتا ہو کہیں سر جوڑ کر بیٹھنا نصیب نہیں۔ اللہ رحم کرے بہر کیف طبری کہے یا کوئی اور میں ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ بنی اسرائیل نے رب تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سن لیا۔

شاہ صاحب۔ کیوں غلط ہے۔ آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

مفتی صاحب۔ اس لیے کہ تفسیر طبری والے نہ جانے کس عقیدے کے ہیں۔ مذہباً غیر مشہور شخصیت ہیں لیکن مشہور امام اہل سنت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد صا۵ پر طبری کے اس نظریے کو غلط قرار دیا۔ نیز علاوہ ازیں تفسیر بیضاوی نے صا۲۲۳ پر اور اسی کے حاشیے شیخ زادہ نے صا۲۲۳ پر امام قرطبی کے حوالے سے اس کو غلط فرمایا۔ حالانکہ یہ اہل سنت کے ائمہ ؒ اعلام ہیں۔

شاہ صاحب۔ مگر میں امام غزالی، امام قرطبی اور تفسیر بیضاوی کو نہیں مانتا۔

مفتی صاحب۔ آپ کیوں نہیں مانتے؟

شاہ صاحب۔ اس لیے کہ طبری والا یہ قول حضرت ابن عباس صحابی رسول کا ہے۔ یہ دیکھئے تفسیر خازن جلد اول صا۹۶ لکھا ہے، اِسْتَدَلَّ بِقَوْلِ اِبْنِ عَبَّاسٍ (الخ) کیا آپ صحابی رسول کی روایت کو غلط کہتے ہو۔

مفتی صاحب۔ ہم صحابی رسول پاک کی بات مانیں یا اللہ تعالیٰ کی اور نبی کریم کی۔ اللہ رسول فرماتے ہیں کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں بس فقط۔ اور بقول آپ کے ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ کلیم اللہ ستر بنی اسرائیل بھی ہیں۔ امام غزالی امام قرطبی وغیرہ ائمہ کرام نے اسی فرمان خدا اور رسول کی بنا پر ابن عباس والے قول کو چھوڑ دیا۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ ورسول اللہ کے حدیث وقرآن میں یہ بات نظر نہیں آئی کہ کلیم اللہ صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ نے بس ایک ہی اتقان کی بات کو پلے باندھ لیا نہ عقل سے کام لیا نہ غور وفکر تدبر فرمایا۔

شاہ صاحب۔ صرف اتقان کی بات نہیں میرے پاس اور بھی کتابیں ہیں ان میں بھی لکھا ہے کہ انبیاء نے ترجمہ کر کے پیش کیا۔ لو دیکھتے جاؤ۔ مولانا میں نے تین مہینے محنت کی ہے میں آپ سے ہر بات کتاب کی زبان کر رہا ہوں۔

مفتی صاحب۔ پتہ نہیں کیا محنت کی ہے۔ اتنی ڈھیر ساری کتابیں لاکر چل پڑے مگر ابھی تک ایک بھی ایسا حوالہ پیش نہ کر سکے جس سے ثابت ہو کہ توریت وغیرہ کتب الٰہیہ کو کلام الٰہی نہیں کہا جاسکتا اور پھر دکھاؤ گے کہاں سے جب کہ یہ کفریہ بات سوائے آپ کے کسی نے کہی ہی نہیں۔

شاہ صاحب۔ مولانا تیزی دکھانے سے کام نہیں چلے گا۔ میں آپ سے کتاب کی زبان میں بات کر رہا ہوں (یہ کلمہ نہایت تکبرانہ لہجے میں دورانِ بحث شاہ صاحب نے کئی دفعہ ادا کیا حالانکہ پسینے چھوٹے ہوئے تھے) اچھا لیجیے یہ کتاب پڑھیے۔

مفتی صاحب۔ آپ خود پڑھ کر سنائیے۔ قبلہ ہاشمی میاں صاحب آپ ذرا عبارتوں پر غور فرمانا اور پھر شاہد صاحب کی علمیت کا اندازہ لگانا۔ (شاہ صاحب چار کتابوں کی عبارتیں پڑھتے ہیں اور چاروں میں سفیان ثوری کا قول پڑھ کر سناتے ہیں)

شاہ صاحب۔ دیکھا آپ نے کیسی صاف عبارتیں ہیں۔

مفتی صاحب۔ آپ نے جو عبارتیں پڑھی ہیں ان میں ہر کتاب والے نے توریت وزبور وغیرہ کے متعلق چار اقوال نقل فرمائے کہ فلاں عالم نے یہ کہا فلاں نے یہ فلاں نے یہ اور سفیان ثوری نے یہ کہا۔ ترجمہ کرنیوالا قول کس کی طرف منسوب ہوا۔ ہر کتاب نے کہا کہ یہ قول صرف اور صرف سفیان ثوری کا ہے۔ اتقان میں بھی انہیں کے حوالے سے درج ہے۔ شاہد رضا نعیمی صاحب قبلہ اور ہاشمی میاں صاحب آپ خود دیکھ لیں۔

ہاشمی میاں صاحب اور شاہد رضا نعیمی صاحب۔ ہاں واقعی شاہ صاحب یہ تو صرف ایک شخص کا قول سب نے نقل کیا۔

شاہ صاحب۔ مگر اپنی تائید میں درج کیا ہے۔ سب اس کی تائید کر رہے ہے۔

مفتی صاحب۔ یہ آپ کی نا سمجھی ہے۔ ورنہ ہرگز تائید نہیں۔ کہیں تائید ثابت نہیں۔ تائید یہ ہے کہ کوئی کہے کہ یہ قول صحیح ہے یا اولیٰ ہے یا المفتی بہ ہے۔ چلیے اسی بات پر فیصلہ ہو جائے گا آپ کے حق میں کہ آپ کہیں سے دکھادیں کہ کسی نے سفیان ثوری کی تائید کی ہو۔ قول درج کر دینا تائید نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ قیامت تک آپ تائید نہ دکھا سکیں گے۔

شاہ صاحب۔ آپ کے دادا استاد صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

مفتی صاحب۔ قطعاً غلط۔ اچھا دکھائیے۔

شاہ صاحب۔ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ (الخ) کی تفسیر میں صدر الافاضل آپ کے دادا

استاد فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ معنیٰ بھی آئے ہیں کہ ہر وحی عربی میں نازل ہوئی۔ پھر انبیاء نے اس کا ترجمہ کرکے قوم کو سنایا۔ پھر صدر الافاضل نے اس کی تائید ان لفظوں سے کی کہ اس سے ثابت ہوا کہ عربی زبان سب سے افضل ہے۔

مفتی صاحب۔ اس سے ثابت ہوا کہنا۔ تائید نہیں بلکہ قول والے کا مدّعا اور مطلب بیان کرنا ہے یعنی جس نے یہ بات بنائی ہے اس کے دل میں عربی کی یہ اہمیت ثابت کرنا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ آپ کہیں کہ ابھی سورج نکلا ہے۔ تو میں کہوں کہ آپ کی بات سے ثابت ہو رہا ہے کہ دن نکلا ہوا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس وقت آدھی رات ہے۔ تو میرا یہ کہنا تائید نہیں شاہ صاحب ان طفلانہ حرکتوں سے بات نہیں بنے گی اگر آپ کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ آپ کتاب کی زبان سے برتتے ہیں تو اپنے سفیان ثوری صاحب کی تائید میں ان ہی لفظوں سے کسی کتاب کی زبان کھولیے جو تائیدی لفظ فقہاء کی اصطلاح میں مروج ہیں (مفتی صاحب نے یہ سوال اور مطالبہ کئی دفعہ کیا اور دیگر حاضرین نے بھی کیا مگر شاہ صاحب اس کو نظر انداز کرتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا اور دیتے بھی کیا خاک جب کسی جگہ اس غلط بات کی تائید ہے ہی نہیں) پھر مفتی صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب کتنے ظلم اور زیادتی کی بات ہے کہ صدر الافاضل تو سفیان ثوری کی اس عربی عبارت سے صرف یہ ثابت کریں کہ عربی زبان افضل ہے۔ مگر آپ اسی اتقان کے اس قول کا سہارا پکڑ کر کلام الٰہی ہونے کا ہی انکار کر دیں۔ اچھا چلیے کچھ اور رعایت دیتا ہوں آپ کسی اور کا حوالہ نہیں سفیان ثوری صاحب کا یہ قول دکھا دیں کہ انہوں نے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہو۔ یہیں فیصلہ ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب۔ میں یہ نہیں دکھا سکتا۔ انہوں نے یہ نہیں لکھا۔

مفتی صاحب۔ تو آپ نے کیوں انکار کیا۔

(یہاں سے شاہ صاحب کا رجوع شروع ہوا)

شاہ صاحب۔ میں نے کب انکار کیا۔ میں نے تو اس کو وحی الٰہی کہا ہے اور وحی بھی کلام الٰہی ہوتی ہے آپ کو چونکہ وحی کی تعریف نہیں آتی اس لیے آپ نے مقصد غلط سمجھ کر مجھ پر فتویٰ لگا دیا۔

مفتی صاحب۔ اچھا اب ان شاء اللہ سیدھے راستے پر آرہے ہو۔ یہ بات جو آپ نے اب کہی ہے کہ وحی الٰہی بھی کلام الٰہی ہوتا ہے۔ یہ الفاظ آپ کی اس قابل گرفت اور کفریہ تقریر میں کہیں بھی نہیں ہیں بلکہ وہاں تو صاف کہا ہے کہ وحی الٰہی ہونا اور چیز ہے کلام الٰہی ہونا اور چیز ہے کیا آپ کو اپنی تقریر

یاد نہیں۔
شاہ صاحب۔ یہ بات نہیں بلکہ میں نے وہ تقریر ہو بہو نوٹ کی ہے۔ یہ دیکھو۔ (ایک پرچہ دکھاتے ہوئے)
مفتی صاحب۔ کیا آپ نے پوری دیانت داری سے نوٹ کی ہے میرے پاس آپ کی اس تقریر کی کیسٹ موجود ہے۔ اچھا قبلہ ہاشمی میاں صاحب آپ ذرا دیکھیں کہ کیا اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وحی الٰہی بھی کلام الٰہی ہوتا ہے۔ شاہ صاحب اگر آپ یہ بات اس وقت تقریر میں فرما دیتے تو پھر اتنا جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔
ہاشمی میاں صاحب۔ (کاغذ دیکھ کر) یہ بات تو اس میں نہیں ہے۔ صاف کلام الٰہی ہونے کا انکار ہی ہے اور لکھا ہے کہ کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔
شاہ صاحب۔ حضرت سفیان ثوری کی روایت میں یہ معنٰی ظاہر ہو رہے ہیں کہ ترجمہ کلام کلام لفظی نہیں رہتا کلام معنوی ہو جاتا ہے اور یہی میرا ما فی الضمیر ہے۔ جس کا اشارہ میں نے آگے کر دیا ہے جہاں میں نے حدیث قدسی کا ذکر کیا ہے۔
مفتی صاحب۔ یہ باتیں آپ اب گھبرا کر بنا رہے ہیں۔ آپ کی تقریر میں نہیں ہیں اگر آپ اس طریقے سے بھی رجوع کرنے پر آمادہ ہیں اور اپنے دل میں آپ اپنی غلطی کے معترف اور شرمندہ ہیں تو ہمارا کوئی اختلاف نہ رہے گا۔
شاہ صاحب۔ میرا مقصد یہی تھا کہ کلام لفظی نہیں کہا جا سکتا۔
مفتی صاحب۔ تو یہ مقصد ظاہر کیوں نہیں کیا ظاہرًا تو آپ کی بات بالکل انکار کلام الٰہی ہے۔ لفظی معنوی کی کوئی قید نہیں۔ (ہم سے مفتی صاحب نے بعد میں فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو لفظی معنوی کی بحث میں ان کو مزید رگڑا دیتا کہ قرآن مجید کس قسم کا کلام الٰہی ہے لفظی یا معنوی کیونکہ اپنی تقریر میں انہوں نے قرآن کریم کو کلام ہی تسلیم کیا ہے۔ توریت وغیرہ کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید بھی کلام نفسی یعنی معنوی ہے نہ کہ لفظی۔ مگر اس بحث کا وقت نہیں تھا۔ نیز شاہ صاحب ویسے ہی گھبراتے ہوئے تھے)
شاہ صاحب۔ بہر حال میرے پاس اپنے موقف پر بہت مضبوط دلائل ہیں۔
مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ سوائے سفیان ثوری کے ایک خود ساختہ قول کے آپ کے پاس اور کیا ہے۔ یا ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول ہے۔ ان ڈھیر ساری کتابوں میں سے آپ نے ابھی تک اس کے علاوہ کیا دکھایا۔ جبکہ میرے

دلائل ہیں قرآن مجید، حدیث پاک تفسیر روح البیان۔ تفسیر جمل۔ شرح عقائد نسفی۔ تفسیر ابن کثیر اور مختلف مفسرین کے اپنے اقوال ہیں۔

شاہ صاحب۔ روح البیان اور جمل وغیرہ کے اقوال معتبر نہیں۔ سفیان ثوری کا قول زیادہ معتبر ہے۔

مفتی صاحب۔ کیوں۔ اس کی کیا وجہ۔ کیوں معتبر نہیں؟

شاہ صاحب۔ اس لیے کہ آپ کی دلیلیں مفسرین کے اقوال ہیں اور میری یہ دلیل روایت کیونکہ یہاں ہے۔ اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ اور اَخْرَجَ۔ سے روایت مراد ہوتی ہے۔

مفتی صاحب۔ قبلہ شاہ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف پیر ہیں عالم نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روایت۔ درایت۔ اثر۔ خبر۔ اَخْرَجَ۔ اَخْرَجَ۔ حَدَّثَ۔ حَدَّثَنَا۔ اَخْبَرَنَا اور عَنْ فُلَانٍ قَالَ فُلَانٌ میں کیا اور کتنے فرق ہیں۔ (اس پر کافی دیر بحث اور تلخ کلامی ہوئی)

ہاشمی میاں صاحب۔ بھئی یہ بات موضوع سے بہت دور ہے۔ اصل موضوع پر بات کیجیے۔

شاہ صاحب۔ مفتی صاحب اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ (مراد وہ لفظ ہیں جو مفتی صاحب کا حوصلہ بھاگر کچھ نہ کہا نہ غصہ منایا)

مفتی صاحب۔ آپ اپنی کفریہ تقریر سے توبہ کیجیے۔ میں اپنے الفاظ واپس لے لوں گا۔

شاہ صاحب۔ نہیں۔ اپنے الفاظ واپس لو۔ ورنہ میں کوئی بات نہ کروں گا۔

مفتی صاحب۔ کیا یہ بلا وجہ ضد بھی فرار کا بہانہ ہے۔ اچھا چلیے میں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔ بس میرے سوالات کا جواب دیجیے۔

شاہ صاحب۔ آپ نے تو بلا سوچے سمجھے صحابی رسول حضرت ابن عباس کا فرمان غلط کہہ دیا۔ مگر شریعت میں جو مقام ابن عباس کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ تمام علما فقہا کے نزدیک ان کا قول ہی معتبر ہے۔ دیکھیے یہ کتاب اس کو پڑھیے۔ (بڑے فخر و غرور سے) ویسے مولانا آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ میں ہر بات کتاب کی زبان میں بولتا ہوں۔ اور ہر بات میں میں نے حوالہ پیش کیا ہے۔

مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) جی ہاں۔ لیکن کتاب آپ کی زبان میں نہیں بولتی۔ حضرت کتابیں لاد لینے کا نام علم نہیں ان کے سمجھنے تدبر و تفکر کرنے کا نام علم ہے اور یہی کچھ آپ کے پاس نہیں۔ اچھا لائیے دکھائیے کتاب۔ (کتاب پڑھ کر) حضرت میں نے سچ کہا کہ کتاب آپ کی زبان میں نہیں بولتی آپ نے اپنی اس کتاب کو خود بھی غور سے صحیح نہیں پڑھا۔ دیکھیے ساتھ ہی اگلی سطور میں لکھا ہے۔ رَجَّحَ الشَّافِعِیُّ اَبَا زَیْدٍ (الخ) یعنی یہ ٹھیک ہے کہ کچھ لوگ ابن عباس کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

مگر امام الفقہ امام شافعی ابن عباسؓ کے قول کو معتبر نہیں سمجھتے وہ حضرت امام ابوزید کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔
دیکھئے آپ کی ہی کتاب آپ کے مخالف ہوگئی۔ آپ نے یہ تو اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کتنی دفعہ میں نے آپ کی ہی کتابوں سے آپکے خلاف حوالہ نکالا یا آپ کہتے ہیں کہ میں کتاب کی زبان بولتا ہوں حالانکہ مجھکو آپکی تمام گفتگو سے اندازہ ہو گیا کہ آپ پنجابی اور اردو مکس زبان سے بولتے ہیں۔ ابھی تک آپ نے ایک بھی صاف حوالہ نہ دکھایا جبکہ میرے حوالے شیشہ کیطرح صاف ہیں۔
شاہ صاحب۔ آپ کا کوئی حوالہ معتبر نہیں۔ جتنے حوالے آپ نے پیش کیے ہیں وہ میری پیش کردہ روایت کے خلاف ہیں۔
مفتی صاحب۔ اور یہی میری حقانیت کی دلیل ہیں کہ سب اکثریت کی تائید میرے ساتھ ہے۔ اب جناب فیصلہ کن بات سنیئے میرا آپ کا دو باتوں میں اختلاف ہے نمبر۱ توریت وغیرہ کلام الٰہی ہے۔ آپ کہتے ہیں نہیں ہے۔ لیکن جناب میری دلیل نمبر۱ قرآن مجید میں ہے یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ (الخ) سب مفسرین نے میری تائید کی کہ فرمایا۔ یہاں توریت مراد ہے۔ صرف تفسیر ابن عباس نے نہ مانا تو امام غزالی وغیرہ بہت سے ائمہ اسلام نے رد کر دیا۔ یہ کتنی صاف اور مضبوط دلیل ہے۔ آپ بھی قرآن مجید سے کوئی ایسی صاف آیت دکھاؤ جس سے ثابت ہو کہ توریت کلام الٰہی نہیں۔
نمبر۲ دوسری دلیل۔ حدیث پاک نے بتایا کہ عربی میں صرف قرآن مجید نازل ہوا۔ میرے پرچے میں لکھی ہوئی۔ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ ۔ والی حدیث پاک پر غور کیجئے۔ آپ بھی کوئی ایسی ہی واضح حدیث دکھائیے جس سے صاف ظاہر ہو کہ توریت انجیل عربی میں اتری ہیں۔ صرف سفیان ثوری صاحب کی بات ہم نہیں مانتے نمبر۳ دلیل سوم شرح عقائد نے فرمایا بِاَنَّ الْکُلَّ مُتَّحِدٌ فِیْ کَوْنِهَا کَلَامَ اللّٰہِ غَیْرَ مُتَفَاوِتَۃٍ فِیْ تِلْکَ الصِّفَۃِ (الخ) یہ عقیدے کا مسئلہ ہے کم از کم آپ کتاب العقائد سے ہی کوئی دلیل دکھا دو۔ جس سے ثابت ہو کہ توریت کو کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ نمبر۴ دلیل چہارم۔ تفسیر حسینی والے۔ وَکُتُبِهٖ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّهَا حَقٌّ وَّ کَلَامُ اللّٰہِ ۔ آپ بھی کسی تفسیر سے دکھا دیں کہ کسی نے لکھا ہو اِنْ یُّعْتَقَدَ اَنَّهَا لَیْسَ بِکَلَامِ اللّٰہِ میرے اتنے کثیر اور اتنے صاف دلائل کو آخر کیوں نہیں مانتے ضد پر کیوں اڑ گئے ہو۔ حضرت میں آپ کا دشمن نہیں ہوں میں تو آپ کو قیامت کی پکڑ سے بچانا چاہتا ہوں۔
شاہ صاحب۔ (بہت نرم اور دھیمی آواز میں) یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس صرف سفیان ثوری کی روایت ہے مگر چونکہ اکثریت نے اس کی تائید کی ہے اس لیے میرا بھی یہی موقف ہے۔ اس سے پہلے چار کتابیں میں نے تائید میں دکھائی ہیں۔ پانچویں یہ لیجیے اور پڑھیے۔
مفتی صاحب۔ اکثریت نے تائید نہیں کی صرف قول ذکر کیا ہے۔ تائید تو ابھی تک آپ نے نہیں دکھائی۔

آپ کا یہ کہنا کہ صرف کسی کا قول لکھ دینا ہی اس کی تائید ہے یہ غلط ہے اس طرح تائید نہیں بنتی۔ تائید کی الفاظ سے تائید دکھاؤ تب آپ کو مانیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت نہ دکھا سکو گے۔

شاہ صاحب۔ کیا آپ کا دماغ کام کرتا ہے؟ کیا میں نے ابھی اتقان کی تائید۔ تفسیر طبری کی تائید نہیں دکھائی اس سے زیادہ کیا تائید دکھاؤں۔

مفتی صاحب۔ جناب۔ اپنے غیر اخلاقی الفاظ واپس لیجیے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں مولانا یہ گفتگو غلط ہے۔ اس سے اجتناب کیجئے۔

مفتی صاحب۔ اپنے الفاظ واپس لیجیے۔ تب آگے گفتگو ہوگی۔ گھبراہٹ کی گفتگو سے جیت نہیں ہوا کرتی۔

شاہ صاحب۔ (بڑے غصہ سے) اچھا یار لے لیے واپس۔

مفتی صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) آپ کا اس انداز سے واپس لینا بھی غیر اخلاقی ہے۔ لائیے کتاب دکھا دیجئے میں پڑھ لوں۔ یہاں مفتی صاحب نے پڑھا ثُمَّ تَرْجَمَ الْاَنْبِیَاءُ۔ شاہ صاحب نے کچھ اور سمجھ کر گرفت کی اور کہا۔ مفتی صاحب آپ نے عربی عبارت غلط پڑھی ہے۔ یہ عبارت اس طرح ہے ثُمَّ تَرْجَمَةُ الْاَنْبِیَاءُ۔ اور بہت ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

مفتی صاحب۔ فضول باتیں اور مقصد سے ہٹی ہوئی باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے۔ ہو سکتا ہے جلد بازی میں اس طرح پڑھا گیا ہو۔ میں نے آپ کی ایک تقریر سنی ہے جس میں آپ نے کئی عربی ملفظ کی غلطیاں کی تھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ آپ نے لفظ کو پڑھا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں مُعَقَّبٌ ہے۔

شاہ صاحب۔ (اس کا کچھ جواب نہ دیتے ہوئے) صحیح عبارت اس طرح ہے۔ تَرْجَمَ۔ یُتَرْجِمُ تَرْجَمَةً اس نحوی گفتگو میں پانچ چھ منٹ تلخ مباحثہ ہوتا رہا۔ مفتی صاحب نے ان کی غلطیاں پکڑیں پھر شاہ صاحب نے مفتی صاحب کی۔ شاہ صاحب اس بحث کو مزید طول دینا چاہتے تھے۔ غالبًا اپنی کمزوری بھانپتے ہوئے۔ راہ نجات حاصل کرنا چاہتے اور اصل مقصد ہی سے بچنا اور ہٹانا چاہتے تھے

ہاشمی میاں صاحب۔ شاہ صاحب آپ بے مقصد گفتگو کیوں نہیں چھوڑ دیتے وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب نے جو آپ سے مطالبہ کیا ہے اس کے مطابق دلیل پیش فرمایئے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جلدی سے کوئی صاف دلیل دے دیجئے۔

مفتی صاحب۔ یہ کتاب جو شاہ صاحب نے اب دکھائی ہے اس میں بھی صرف سفیان ثوری

صاحب کا قول درج ہے۔تائید تو اس میں بھی نہیں۔ ہاشمی میاں صاحب ذرا آپ خود دیکھ لیجیے۔
ہاشمی میاں صاحب۔ ہاں واقعی صرف سفیان ثوری کا قول ہی درج ہے۔ابھی تک شاہ صاحب نے جتنے بھی حوالے دکھائے وہ صرف سفیان ثوری کا اکیلا ہی قول ہے۔
مفتی صاحب۔ اتقان نے تائیدی لفظ نہیں لکھا اور تفسیر طبری نے سفیان ثوری کی تائید نہیں کی بلکہ ابن عباس والی بات کی تائید کی ہے۔آپ نہ جانے کس چیز پر پھولے نہیں سماتے اگر آپ حق پرست ہوتے تو شکست مان لیتے توبہ کر لیتے۔ اتنی طرف سے جس کو جھٹلایا جائے وہ کس بات پر ضد کرے۔ میں نے تو آپ کی لائی ہوئی کتاب بغور پڑھ لی۔ مگر آپ خود اپنی کتاب نہیں سمجھتے تو میرا کیا قصور خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کے پاس صرف دو قول ہیں۔ جن کا غلط مطلب سمجھ کر غلط عقیدہ بنا رہے ہیں۔لیکن میرے پاس بحمدہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث کے علاوہ علماء مفسرین اور امام غزالی امام قرطبی جیسے بزرگوں کے با دلائل اقوال موجود ہیں۔ اچھا شاہ صاحب یہ بتایئے۔
شاہ صاحب۔ ٹھہریئے مولانا ابھی میرے پاس اور بھی حوالے ہیں وہ بھی دیکھیے۔ لیجیے یہ پڑھیے
مفتی صاحب۔ معاف کیجیے قبلہ اپنے حوالوں سے آپ نے آج ساری کتابوں کی دھول جھاڑ دی ہے
شاہ صاحب میں نے سن رکھا تھا کہ آپ نے بہت تیاری کی ہوئی ہے۔ اور مناظرے میں آپ مفتی اقتدار کو ایک دم شکست دیں گے مگر اس دو ڈھائی گھنٹے کی گفتگو میں ابھی تک آپ اپنی تقریر کی ایک بات بھی ثابت نہیں کر سکے۔ میں پھر اپنا مطالبہ دھراتا ہوں کہ کم از کم سفیان ثوری صاحب کا ہی کوئی قول دکھا دو جس میں انہوں نے لکھا ہو کہ توریت وغیرہ وحی الٰہی تو ہے۔ کلام الٰہی نہیں ہے۔
شاہ صاحب۔ میں اس صراحت کا پابند نہیں۔ میں نے سفیان ثوری کا قول دکھایا اس قول کا مطلب یہی بنتا ہے کہ توریت وغیرہ کلام لفظی نہیں کیونکہ ترجمہ کلام لفظی نہیں ہوتا۔
مفتی صاحب۔ محترم اپنے تقریری الفاظ کو نہ بدلیں۔ اس طرح آج جان نہیں بچا سکتے آپ نے تقریر میں کہیں لفظی کا نام نہ لیا۔ مطلقاً کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے۔
شاہ صاحب۔ لیکن میرا ما فی الضمیر یہی مطلب تھا۔
مفتی صاحب۔ کسی کو علم غیب نہیں ہے کہ آپ کے ما فی الضمیر کو جان لیتا۔ آپ ایسی ادھ پیچ والی تقریر کرتے کیوں ہیں؟ دنیا میں اور بھی بہت خطیب اور مقرر ہیں مگر ایسی غلط تقریریں کوئی نہیں کرتا مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے بھی آپ بہت غلط مسائل ایجاد کر چکے ہو۔ اچھا آپ یہ بتائیں کہ

آپ کے ظاہری الفاظ پر میں نے جو گرفت کی ہے۔ وہ تو صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ اعتراض آپ کے ظاہر پر ہے نہ کہ مافی الضمیر پر۔

شاہ صاحب۔ (نہایت دھیمی آواز میں) ہاں جو آپ نے سمجھا اس پر آپ کی گرفت ٹھیک ہے۔

مفتی صاحب۔ میں نے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے علما یہی سمجھتے ہیں کہ اس تقریر کے اس طرح کے الفاظ، سرے سے کلام الٰہی کا منکر ہونا ہے۔ اچھا شاہ صاحب اس مسئلے کا ایک پہلو تو ٹھیک ہو گیا۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ آپ نے اپنی اسی تقریر میں صاف یہ کہا ہے کہ وہی الفاظ جو پروردگار کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کا پڑھنا تلاوت ہو گا۔ یہ بات ٹھیک ہے آپ نے کہی ہے یا نہیں؟

شاہ صاحب۔ ہاں ٹھیک ہے کہی ہے۔ اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔

مفتی صاحب۔ تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے جو میں نے اپنی دسویں دلیل میں لکھا ہے قرآن مجید پارہ اوّل۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ۔ تفسیر خازن جلد اول صـ۱۰۲ پر ہے اَیْ یَقْرَءُوْنَهٗ کَمَا اُنْزِلَ لَا یُغَیِّرُوْنَهٗ وَلَا یُحَرِّفُوْنَهٗ وَلَا یُبَدِّلُوْنَ مَا فِیْهِ۔ تفسیر نسفی جلد اول صـ۷۲ پر ہے۔ وَهُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِیْلُ۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ (الخ) ترجمہ سب کا یعنی اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کے توریت پڑھنے کو تلاوت فرمایا۔ نیک اور اہل ایمان بنی اسرائیل اس کو بغیر تبدیلی و تحریف کے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح نازل ہوئیں اور بقول آپ کے تلاوت صرف منزل الفاظ کی ہوتی ہے۔ تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوا کہ بنی اسرائیل کے پاس منزل الفاظ تھے نہ کہ ترجمہ۔ (اس سوال کے وقت شاہد رضا صاحب موجود نہ تھے وہ کسی غرض سے کمرے سے باہر گئے تھے)

شاہ صاحب۔ ابھی اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ آپ پہلے یہ حوالہ پڑھیں۔

مفتی صاحب۔ شاہ صاحب پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔ آپ شروع سے جوابات سے بھاگتے بھاگتے چلے آ رہے ہیں۔

شاہ صاحب۔ ناراض کیوں ہوتے ہو یہ حوالہ تو دیکھو۔

مفتی صاحب۔ کیا ہے اس میں۔ (کتاب لے کر پڑھتے ہیں) اس میں وہی سفیان ثوری کا قول درج ہے۔

شاہ صاحب۔ (وہاں ایک لفظ مفتی صاحب نے پڑھا۔ قُرْاٰنًا) تو شاہ صاحب نے کہا کہ

یہ لفظ غلط ہے۔

اس کو قَرَاءَۃٌ پڑھنا چاہیے۔ آپ کی عربی پڑھنا غلط ہے۔

مفتی صاحب شاہ جی مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم نحو نہیں آتا۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ پہلے آپ نحو صرف کی کتابیں پڑھیں۔ سنیے یہ لفظ ہفت اقسام میں سے ثلاثی مہموز اللام ہے۔ آخر میں ت مصدریہ لگی ہے اس لیے اس کو [illegible] پڑھا جائے گا بروزن [illegible] آپ کے کہنے کے مطابق یہ لفظ رباعی یا ثلاثی مزید فیہ بن جاتا ہے اور یہ غلط ہے۔ اس پر کچھ دیر گرما گرم بحث رہی۔

ہاشمی میاں صاحب۔ میرا خیال ہے دونوں بزرگ اس گفتگو کو ترک فرمادیں اور موضوع پر آجائیں

مفتی صاحب۔ اب موضوع میں کیا رہ گیا ہے۔ شاہ صاحب سے فرمائیں یا توبہ کریں یا رجوع کریں یا مجھ کو دلیل دیں۔

شاہ صاحب۔ اچھا جناب ہاشمی صاحب مجھ کو بھوک لگی ہے۔ میرے کھانے کا وقت ہو گیا ہے (یہ وقت آدھی رات کا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ بات بھی کسی بنے ہوئے پروگرام کے تحت ہی ہو اور فرار کا ذریعہ ہو۔)

ہاشمی میاں صاحب۔ ٹھیک ہے جناب آپ نیچے تشریف لے چلیے۔ (یہ مناظرہ اوپر بالائی کمرے میں ہو رہا تھا اور شاہ صاحب کے حواری کچھ اوپر ساتھ والے کمرے میں کچھ نیچے ٹھہرائے گئے تھے اور کچھ کان لگائے سن رہے تھے۔ شاہ صاحب نے کمرے سے نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ فیصلہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ شخص سخت ضدی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ ہاشمی میاں صاحب بھی باہر تشریف لے گئے، نہ معلوم کیا خفیہ گفتگو ہوئی، دس منٹ بعد ہاشمی میاں صاحب تشریف لائے اور مفتی صاحب سے کہا کہ جناب ایک بات کرنی ہے اور ٹیپ بھرنے والوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ٹیپ بند کر دی جائے کچھ خصوصی گفتگو کرنی ہے۔ اس وقت مفتی صاحب کی ٹیپ بھرنے والے نے کہا جناب افسوس ہے کہ ٹیپ خراب ہے آواز نہیں بھر سکی

ہاشمی میاں صاحب۔ ارے یہ کیا ہوا۔ میں نے تم کو پہلے کتنی مرتبہ کہا تھا کہ ٹیپ بھرنے کا اعلیٰ انتظام کرنا۔

مفتی صاحب۔ قبلہ ہاشمی میاں صاحب۔ یہ بات تو اچھی نہیں۔ میرے ساتھ شروع سے دھوکے کیے جا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں اپنی ٹیپ مشین خود لے کر آؤں گا مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ہم خود آپ کو ٹیپ بھر کے دیں گے آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں اور اب

یہ سنایا جارہا ہے۔

ہاشمی میاں صاحب (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں حضرت یہ میرا وعدہ تھا اور اس کی میں نے ان لوگوں سے تاکید بھی کردی تھی خیر آپ محسوس نہ فرمائیں۔ ہم اس ٹیپ سے جو پیر حضرت شاہ صاحب کی بھری گئی ہے ٹیپ بھر دیں گے۔

مفتی صاحب۔ مجھے شروع سے معلوم ہورہا ہے کہ بہت خفیہ پروگرام بنے ہوئے ہیں جبکا مجھے افسوس ہے اچھا خیر اللہ تعالیٰ مالک ہے ہاشمی میاں صاحب۔ قبلہ پیر صاحب آیئے تشریف لایئے (حضرت شاہ صاحب اور ہاشمی میاں صاحب دونوں باہر تشریف لے جاتے ہیں اور ہاشم میاں صاحب جاتے جاتے فرماتے ہیں۔ اچھا بھئی باقی بحث بعد میں واپس آکر ہوگی تھوڑی دیر بعد ہاشم صاحب اندر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ٹیپ ریکارڈ بند کردو میں نے کچھ خصوصی باتیں کرنی ہیں۔ پھر مفتی صاحب سے کہنے لگے۔ جناب مفتی صاحب اگر اب شاہ صاحب اس طرح لکھدیں کہ میرا عقیدہ امام سفیان ثوری کے قول کے مطابق یہ ہے کہ جو کلام موسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر نازل ہوا تھا وہ عربی تھا اور کلام لفظی بھی تھا اور جو موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو دیا وہ ترجمہ تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہی تھا مگر معنوی تھا۔ اگر شاہ صاحب اپنا یہ موقف بنالیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔

مفتی صاحب۔ کیا اب شاہ صاحب اس تبدیلی پر راضی ہیں ؟

ہاشم میاں صاحب۔ ہاں راضی ہیں۔

مفتی صاحب۔ تو گویا شاہ صاحب رجوع پر آمادہ ہیں۔

ہاشم میاں صاحب۔ حضرت جب انہوں نے آپ کی گرفت کو صحیح تسلیم کرلیا تو رجوع تو ہو ہی گیا۔ دیکھیئے پہلے موقف میں کلام الٰہی کا کلی طور پر انکار ہے۔ لفظی بھی انکار ہے اور معنوی بھی مگر اب لفظی بھی مانگئے اور ترجمے کو اللہ تعالیٰ کا کلام معنوی مان رہے ہیں اور سفیان ثوری کے قول کا اگر مطلب نکالا جائے تو قریب قریب یہی بنتا ہے۔

مفتی صاحب۔ مگر میں تو سفیان ثوری کی بات کو غلط کہتا ہوں۔

ہاشم میاں صاحب۔ مگر کفر تو نہیں کہتے۔

مفتی صاحب۔ ہاں کفر یہ نہیں ہے۔

ہاشم میاں صاحب: اور آپ کی گرفت تو اس کفریہ عبارت پر تھی تو اگر کوئی شخص سفیان ثوری کی بات کو اپنا مسلک بنالے اور جو مطلب اس قول کا نکلتا ہے وہی اپنائے تو آپ کو کیا اعتراض ہے

میں اس لیے بات کر رہا ہوں کہ سنی بھائی ہیں چلو ایک غلطی ہو گئی اور اب وہ اس طرح ختم کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔

مفتی صاحب۔ چلیے ٹھیک ہے مقصود اصلاح ہے۔ جب انہوں نے تبدیلی کر لی تو میرا اعتراض اٹھ گیا مگر یہ موقف حنفیت کے خلاف ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ اس سے ہمیں کیا غرض۔

مفتی صاحب۔ مگر ابھی میرے چار سوالوں کا جواب ان کے ذمے باقی ہے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ جواب تو انہوں نے پہلے سوالوں کا نہیں دیا تو اب کیا دب گئے اور اب ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ جب ایک شخص نے اپنا راستہ ہی بدل لیا تو اب مباحثہ ختم ہو جانا چاہیے لہذا میں ایک تحریر بناتا ہوں۔ شاہ صاحب کھانا کھا کر آتے ہیں تو ان کو دکھا کر دستخط کرا لیئے جائیں گے۔

مفتی صاحب۔ اگر وہ دستخط نہ کریں اور اپنے سابقہ عقیدے سے نہ ہٹیں تو۔

ہاشمی میاں صاحب۔ تو پھر بحث کا سلسلہ جاری رہے گا اور میں کہتا ہوں کہ وہ دستخط کر دیں گے کیونکہ ان کی ضمیر کی طبیعت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی اس تقریر کے اب حق میں نہیں ہیں اور پھر بجز دو باتوں کے ان کے پاس دلیل ہے کون سی؟ (اتنی دیر میں شاہ صاحب تشریف لے آتے ہیں)

مفتی صاحب۔ (شاہ صاحب محترم) ابھی مزید گفتگو ہونی تھی اور میرے بقیہ سوالوں کا جواب آپ نے دینا تھا۔ جن میں پہلا یہ ہے کہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ طور پر جو کلام بنی اسرائیل نے سنا تھا، وہ کون سی زبان میں تھا، اگر عربی میں تھا تو بنی اسرائیل نے کس طرح سمجھ لیا۔ اگر عبرانی میں تھا تو کیوں؟ جب توریت میں بنی اسرائیل کی زبان کا خیال نہ رکھا گیا تو یہاں کیوں رکھا گیا، اس کا جواب آپ کے ذمے باحوالہ فرض ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول آپ کا عقیدہ بنا ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ سفیان ثوری نے بھی اپنے قول کے مطابق کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ نے ان کے قول کا سہارا پکڑ کر کلام الٰہی کا کیوں انکار کیا؟ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کے پڑھنے کو تلاوت فرمایا اور آپ کو تسلیم ہے کہ تلاوت صرف منزل من اللہ الفاظ کی ہوتی ہے نہ کہ ترجمے کی تو پھر انکار کیوں؟ چہارم یہ کہ کلام الٰہی کے انکار کی بالکل اسی طرح صاف عبارت کسی بھی امام کی دکھانی آپ پر فرض ہے جس طرح میں نے ثبوت کی چند عبارتیں دکھائیں بالکل صاف صاف لیکن چونکہ ہاشمی میاں صاحب نے غالباً آپ سے کچھ مشورہ کر کے ہی ایک تحریر لکھی ہے اگر آپ اس پر دستخط فرما دیں تو بحث ختم کر دی جائے گی۔ ورنہ جاری رہے گی۔

شاہ صاحب۔ مجھ کو دکھائیے۔

ہاشمی میاں صاحب۔ لیجیے جناب۔ اس تحریر کو پڑھ کر دستخط فرما دیجیے۔ شاہ صاحب نے پڑھ کر دستخط فرما دیئے۔ پھر ہاشمی میاں صاحب نے دستخط فرمائے۔ پھر ہاشمی میاں صاحب نے مفتی صاحب سے فرمایا۔ مفتی صاحب۔ مبارک ہو شاہ صاحب نے دستخط فرما کر اہل سنت کے اتحاد اور صلح کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اب آپ بھی ان کی پیش قدمی کو قبول کرتے ہوئے دستخط فرما دیں۔

مفتی صاحب نے دستخط فرما دیئے۔ ایک دوسرے معانقہ ہوا، چہرے مسرت سے کھل اٹھے۔ ہاشمی صاحب کے خوشی سے آنسو نکل آئے۔ نیچے سے تمام منتظر علما کو اوپر بلا لیا گیا۔ سب نے شاہ صاحب کو، مفتی صاحب کو اور خاص کر ہاشمی صاحب کو مبارک باد دی اور پھر شاہ صاحب اور تمام علماء وہاں سے مسجد میں چلے گئے (اس طرح سردیوں کی پوری رات ختم ہو گئی اور وقت فجر ہو گیا۔)

مناظرے کے بعد کی روئداد

۱۔ جہلم کے ایک مشہور بزرگ صوفی مرحوم کے بھتیجے محترم طالب صاحب نے مفتی صاحب سے آکر کہا جبکہ مفتی صاحب مناظرے والے کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے میں نماز کی تیاری میں مشغول تھے کہ حضرت آج ہم نے آپ کی گفتگو سنی۔ بہت کمال آپ نے دلائل اور گفتگو فرمائی آپ واقعی مفتی اور علامہ ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کے جانے کے فوراً بعد مفتی گل رحمٰن صاحب قبلہ کا فون آیا۔ یا خود ہاشم میاں صاحب نے ٹیلیفون کیا۔ مفتی اقتدار احمد خان صاحب نے وہ خود گفتگو سنی۔ ہاشمی میاں صاحب نے قبلہ مفتی گل رحمٰن صاحب کو فون پر بتایا۔ مبارک ہو بہت پیارا فیصلہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرما لیا۔

۳۔ نمازِ فجر کے وقت پیر حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت مسجد میں جا کر سب حاضرین سے خطاب فرمایا کہ آج اتنی خوشی کی بات ہوئی ہے کہ جس سے تمام سنیوں کو عظیم فائدہ ہے یہ تمام بات چیت دو علما کی ذاتی تحقیق تھی اس کو خبردار نہ کسی کی شکست سمجھا جائے نہ فتح بلکہ کچھ میرا فائدہ ہوا۔ اس طرح کی علمی تحقیق پر اختلاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ آج وہ اختلاف ختم ہو گیا جس سے سنی دکھے ہوئے تھے۔ اور مخالف فرقے والے خوشیاں منا رہے تھے۔

۴۔ پھر یہ جانے نہ پا جا کر حضرت پیر شاہ صاحب نے کئی جگہ فون کیا کہ میں جیت گیا اور مفتی اقتدار احمد ہار

گیا اور اس نے مجھ سے معافی مانگی کہ آئندہ میں کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا کہ شریعت کا مسئلہ ... صاحب کو بتاؤں۔

۵۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے جب شاہ صاحب اور ان کے پروپیگنڈہ پارٹی کی زبانی بیانات اور جھوٹ پھیلتے دیکھا تو (اس جھوٹے پروپیگنڈے میں پیر صاحب ایک مرید اپنی دیرینہ عادت کے مطابق پیش۔ پیش تھے) اس صاحب نے ہاشم میاں صاحب کو ٹیلی فون کیا اور چودھویں صدی کے ان پیروں کی یہ باتیں سنائیں۔ ہاشم میاں صاحب نے سخت افسوس فرمایا اور فرمایا کہ یہ ان کی بُری حرکتیں ہیں۔ میرا فیصلہ تو شروع سے آپ کے حق میں ہے۔ حضرت فتح آپ کی ہے حضرت کے دستخط ان کے پہلے موقف پر نہیں ہیں۔ دونوں موقفوں کو سامنے رکھا جائے تو کوئی جاہل سے جاہل بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا جو یہ کہہ رہے ہیں۔ پیر شاہ صاحب کی علمیت کا اس سے زیادہ اور کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سوائے ایک شخص کے ذاتی قول کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہاشم میاں صاحب کی یہ فون والی گفتگو ہمارے پاس ٹیپ ہے (بحمد اللہ تعالیٰ) ہم کو یہ روئداد چھاپنے کی ضرورت نہ تھی مگر ایک عالم دین اور خود کو سید کہلانے والے کی زبان سے یہ تقاضا جیانی اہلسنت کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ قارئین حضرات نے سابقہ سطور میں پچھلی (مناظرے کی) ساری کیفیت تو جان لی اور دیکھ لیا کہ پیر شاہ صاحب نے اپنے چھوٹے معتزلیانہ عقیدے کو بچانے کے لیے کس طرح انگڑائیاں لیں۔ مگر پھر بھی بچ نہ سکے اور رجوع کرنا ہی پڑا۔ اب اگلی سطور میں بالکل ان ہی کے لفظوں میں ان کی کفریہ تقریری الفاظ اور بعد کے رجوع والے الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ خود اندازہ لگا لیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ (نوٹ) یہ پچھلی روئداد ایک خفیہ ٹیپ ریکارڈ سے نقل کی گئی جو ایک صاحب کی جیب میں تھی۔ غالباً اُن صاحب کو انکے تمام خفیہ منصوبوں کا پتہ ہوگا۔

شاہ صاحب کی تقریر

آج پورے عالم موجودات میں کسی کتاب کو آسمانی وحی تو کہا جا سکتا ہے لیکن کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا وحی الٰہی ہونا اور بات ہے کلام الٰہی ہونا اور بات ہے۔ اتقان میں ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں آئی ہیں رسول کے پاس عربی زبان میں آئی ہیں۔ رسول نے آگے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے دیا ہے۔ تو پھر جو کتاب کا ترجمہ ہوتا ہے وہ کلام متکلم کا نہیں رہ جاتا۔ وہ ترجمان کا کلام بن جاتا ہے۔ اس لیے مفسرین کا یہ موقف ہے کہ اگر قرآن مجید کا ترجمہ کسی بھی دوسری زبان میں کر دیا جائے عربی میں ہی اگر ترجمہ اس کا کر دیا جائے تو بھی اس کو

قرآن کا ثواب ہرگز نہ ملے گا۔ وہ قرآن مجید کے وہی الفاظ جو پروردگار کی طرف سے آئے ہیں، اس کا پڑھنا تلاوت ہوگا۔ اس معنیٰ میں ساری آسمانی کتابیں اپنے صحیح وقت جبکہ وہ ٹھیک تھیں اور اس وقتوں میں اس حالت میں وہ وحی الٰہی تھیں کلام الٰہی نہ تھیں۔ یہ پہلی کتاب ہے جو وحی الٰہی بھی ہے اور کلام الٰہی بھی ہے یہ تھی وہ تقریر جس پر گرفت کی گئی اور پھر یہ مناظرہ ہوا اور مفتی صاحب کے پیش کردہ دلائل کے زیر اثر ہو کر اس تقریر سے رجوع کر کے نئی تحریر پر دستخط فرمائے۔

شاہ صاحب کا اب نیا عقیدہ جس پر شاہ صاحب نے دستخط کیے

تورات وانجیل وزبور انبیاء کرام پر عربی زبان میں بطور کلام لفظی نازل ہوئے اور انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو ان کی زبان میں ترجمہ فرما کر بطور کلام معنوی عطا فرمایا۔ لہٰذا توریت وغیرہ کتب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا کلام معنوی ہے۔۔۔۔۔۔ شاہ صاحب کا مذکورہ بالا موقف مندرجہ ذیل روایت کی بنا پر ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ السُّفْیَانِ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَمْ یَنْزِلْ وَحْیٌ اِلَّا بِالْعَرَبِیَّۃِ ثُمَّ تَرْجَمَ کُلُّ نَبِیٍّ لِقَوْمِہٖ (اتقان) لہٰذا مذکورہ روایت کی بنیاد پر شاہ صاحب کا یہ مذکورہ بالا موقف اب کفریہ اور قابل نہیں۔

وضاحت

شاہ صاحب نے صرف سفیان ثوری کی روایت کے مطابق نا سمجھی سے کسی معتزلی کی اثر صحبت کی وجہ سے ایک عقیدہ بنالیا جو شریعت کے خلاف تھا۔ مباحثے میں دلائل سے لاجواب ہو کر شاہ صاحب نے تبدیلی فرمائی ان کو شرعی فتوے اور گرفت سے بچاتے ہوئے مفتی صاحب نے انتہائی نرمی برتتے ہوئے ان سے دستخط کرانے کے بعد اپنے دستخط کر دیئے۔ رہا یہ کہ مفتی صاحب کا اپنا مسلک کیا ہے تو وہ سابقہ گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ مفتی صاحب سفیان ثوری کی اس بات کو قطعاً غلط سمجھتے ہیں اور یہ روایت سفیان ثوری صاحب نے جھوٹی بنائی ہے اور یہی نہیں بلکہ سفیان ثوری کی اکثر باتیں غلط بناوٹی ہوتی ہیں اور بہت مقامات پر سفیان ثوری اسرائیلیات کا سہارا لیتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص ۱۲۳ پر لکھا ہے کہ سفیان ثوری نے کہا ہے اسماعیل ذبیح اللہ نہیں ہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام ہیں۔ گویا کہ سب سے پہلے اسلامی مسائل کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے اور کبھی یہود لوں کی گود میں کبھی معتزلہ کی آغوش میں بیٹھ کر بات کرنے والے یہی سفیان ثوری ہیں تاکہ تمام ائمہ اور فقہاء کرام سے ہٹ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنالیں۔ اسی لیے ہر مقام پر ان کے باطل نظریات کی تردید

کرنی پڑتی ہے اور عام طور پر یہ بھی نہیں معلوم کہ ان حضرت کا اپنا کیا عقیدہ تھا۔

بہر کیف اس ساری روئداد کی حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب سید ہاشم میاں صاحب کے بار بار دعوت دیتے پر مناظر یا مقابل بن کر نہ گئے تھے بلکہ شرعی قاضی اور مفتی ہد اسلام کی حیثیت سے حضرت شاہ صاحب سے ان کے خلاف استفتاء پر شرعی فیصلہ لکھنے سے پہلے۔ ان کا بحیثیت مدّعٰی علیہ کے وضاحتی بیان لینے گئے۔ کیونکہ چند حضرات نے شاہ صاحب کی تقریر کے خلاف سوال لکھ کر شرعی فتوای طلب کیا تھا۔ جب شاہ صاحب کی تقریر پر شرعی نگاہ سے غور کیا گیا تو وہ اسلام کے بالکل خلاف تھی۔ تب حضرت قبلہ نے بحیثیت شرعی جج ہونے کے مدعی کے دعوے کے بعد مدّعٰی علیہ شاہ صاحب کو بذریعہ تحریری خط اطلاع بھیجی کیونکہ یہ مفتی ہد اسلام کی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ سائل مدعی ہوا..... شاہ صاحب مدعٰی علیہ اور مفتی صاحب شرعی قاضی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تقریر قابل گرفت ہونے کے باوجود حضرت نے ایک دم گرفت نہ لگائی بلکہ اطلاعی خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تحریر فتوای یا محاسبہ یا محاکمہ یا گرفت نہیں ہے اور موقف کی وضاحت کرنے کے لیے گفتگو کی دعوت دی۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنی جان بچاتے رہے لیکن آخر کار ہاشم میاں صاحب نے یہ محفل مباحثہ منعقد کرا ہی دی اور اس محفل میں بُری طرح شکست کھا کر شاہ صاحب نے اپنا عقیدہ بدلا۔ جب اس دوسرے موقف کو شرعی نگاہ سے دیکھا تو غلط ہوتے کے باوجود کفریہ نہیں تھا۔ اس لیے کہ پہلے اور دوسرے عقیدے میں کافی فرق ہے۔ پہلے میں تو صاف ہر طرح کلام الٰہی ہوتے کا انکار ہے۔ دوسرے میں ہر طرح اقرار ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو شرعی تعزیر اور گرفت سے بچاتے ہوئے اس نئی تحریر پر پہلے مدّعٰی علیہ..... شاہ صاحب کے دستخط لیے پھر بطور کاتب الحروف گواہ قبلہ ہاشم صاحب کے دستخط لیے پھر بطور شرعی تصدیق کے اپنے دستخط کیے۔ جس طرح عدالت کے جج کا کوئی تحریر یا دستخط فیصلہ جج کی شکست نہیں ہوتی خواہ وہ بری کرے یا معذرت و رجوع قبول کرے۔

اس مباحثے میں۔ مدّعٰی علیہ محترم اور شاہ صاحب نے اپنی لائی ہوئی چالیس پچاس کتب میں سے اپنے بچاؤ میں صرف دو دلیلیں دکھائیں نمبر سفیان ثوری صاحب کی مذکورہ روایت جس سے سابقہ کتب الٰہیہ کا ترجمہ ہونا ثابت ہوا نہ کہ انکار کلام الٰہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب قول بحوالہ تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۱۰۲ فَمَنْ فَسَّرَ الْفَرِيْقَ الَّذِيْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ۔ بِالْفَرِيْقِ الَّذِيْنَ كَانُوْا مَعَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِسْتَدَلَّ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّهَا فِي السَّبْعِيْنَ الَّذِيْنَ اِخْتَارَهُمْ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِ رَبِّهِمْ۔

اس سے یہ دلیل تو بنائی جاسکتی ہے کہ طور پر نبی اسرائیل نے خود اپنے کانوں سے رب تعالیٰ کا کلام سنا۔ مگر انکار کلام الٰہی کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ ان دونوں قولوں کا مکمل و دندان شکن جواب تو مباحثے میں شاہ صاحب کو دے دیا گیا اور شاہ صاحب کی ہر بات کو توڑ دیا گیا۔ لیکن شاہ صاحب مفتی صاحب کی کسی دلیل کو نہ توڑ سکے نہ جواب دے سکے۔ نہ ہی ان دو حوالوں کے علاوہ کوئی تیسرا قول دکھا سکے۔ اس لیے۔ ان کو شکست ماننی پڑی اور غلط لفظوں سے ہٹ کر صحیح لفظوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر اپنی تھوڑی سی ضد کو قائم رکھتے ہوئے سفیان ثوری کے غلط قول سے چمٹے ہی رہے۔ دلیل توڑنا یہ ہوتا ہے کہ اس سے واضح صاف اور زیادہ مکمل مضبوط کھلی دلیل اس کے خلاف پیش کی جائے۔

مگر شاہ صاحب ایسا نہ کر سکے۔ اس لیے شاہ صاحب نے محسوس فرمایا کہ واقعی وہ تقریر غلط ہے۔ اس لیے ان کے مناظرے میں جب فرار کا کوئی راستہ نہ ملا تو رجوع کرنا پڑا۔ اس وضاحت اور رخ تبدیلی کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب اگر آپ سفیان ثوری کا قول مانتے ہوئے سابقہ کفریہ عقیدے سے ہٹ کر نیا عقیدہ بناتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور اب آپ کی گرفت نہ ہو گی۔ رہا سفیان ثوری کا قول تو وہ حدیث و قرآن اور فرمودات ائمہ کرام کے واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے نہ معلوم سفیان ثوری کو کیا دھن سوار ہوئی جو بیٹھے بیٹھے یہ جھوٹی بات بنا ڈالی کم از کم ان کو بھی حدیث پاک کا حوالہ دینا چاہیے تھا۔ حق یہ ہے کہ توریت۔ زبور۔ انجیل اپنی قوم کی زبانوں میں ہی نازل ہوئیں کسی نبی نے ترجمہ نہیں فرمایا یعنی اللہ نے ہی تورایت عبرانی۔ زبور سریانی۔ انجیل یونانی میں نازل فرمائیں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے بغیر کم و کاست بلا ردو بدل اور بغیر ترجمہ کیئے اسی طرح قوم کو وہ کتب دے دیں سنادیں سمجھا دیں اور وہ کتابیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک اسی طرح محفوظ رہیں کچھ بھی تبدیلی کسی نے نہ کی اس لیے وہ قابل عمل و تلاوت رہیں۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری کے بعد ایک فرقے (گروہ) نے نعت پاک میں تبدیلی کی۔ جیسا کہ مناظرے میں اپنے دلائل میں ہم نے قرآن مجید کی آیت سے واضح کر دیا یہ سب مباحثہ ٹیپ کیا گیا۔ مگر سوچی سمجھی سکیم کے تحت مفتی صاحب کو نہ دیا گیا۔ حالانکہ وعدہ تھا کہ آپ کو کیسٹ دی جائے گی۔ لیکن ایک بزرگ صاحب نے خفیہ ٹیپ بھر لی تھی۔ غالباً جیب میں چھوٹی ٹیپ تھی۔ رہا ابن عباس کا قول تو وہ بھی صریحی آیات و احادیث کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر ابن عباس میں اسرائیلیات کی بھرمار کر دی گئی۔ اس لیے کسی بزرگ کے نزدیک اب یہ تفسیر قابل اعتبار نہیں رہی۔

فرقہ معتزلہ کے خلاف حضرت مفتی صاحب کے وہ دلائل جو آپ نے مناظرے میں پیش کیے جن سے مرعوب ہو کر شاہ صاحب نے شکست تسلیم کی اور رجوع کیا۔

دعوٰی۔ تمام آسمانی کتابیں توریت۔ زبور۔ انجیل۔ مکمل کلام الٰہی ہے۔ ان کو ہر لحاظ سے لفظاً معناً کلام اللہ کہا جائے گا۔

دلیل نمبر۱۔ ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَلَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ۔

ترجمہ۔ اے حبیب۔ یہ یہودی اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھے جاننے کے بعد ایک فریق اس کو بدل دیتا تھا۔

دلیل نمبر۲۔ تمام مفسرین اہل سنت نے اس آیت میں کلام اللہ سے مراد توریت وغیرہ لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر طبری جلد اول ص۲۹۱۔ تفسیر نیساپوری جلد اول ص۳۱۶ پر حاشیہ طبری۔ روح المعانی اول ص۲۷۰ صاوی جلد اول ص۳۷ اور جلالین ص۳۰ پر فرماتے ہیں کہ فریق سے مراد یہود مدینہ ہیں۔ تفسیر بیضاوی ص۲۳۲ پر۔ تفسیر نسفی جلد اول ص۵۸۔ تفسیر ابن کثیر ص۱۱۵ پر۔ تفسیر خازن جلد اول ص۲۹۶۔ تفسیر بغوی بر حاشیہ خازن ص۶۵ پر۔ یہی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ سے مراد توریت زبور انجیل ہیں۔

دلیل نمبر۳۔ کچھ مفسرین نے صیغہ متمریض سے غیر معروف لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن عباس کے اس قول سے دلیل لے کر یہ کہہ دیا کہ یہاں کلام اللہ سے مراد کوہ طور کا وہ کلام ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے کانوں سے سنا۔ تو شاہ صاحب نے فوراً اس لغو قول کو لے لیا یہ نہ سوچا کہ اس کی تائید تو ایک غیر معروف شخص کررہا ہے کیا پتہ وہ کس عقیدے کا ہے۔ مگر اس قول کی تردید امام غزالی۔ امام قرطبی۔ امام بیضاوی۔ شیخ زادہ جیسی مشہور اور جلیل القدر شخصیات کر رہی ہیں اور نہ ہی ابن عباس کا یہ قول کسی حدیث پاک سے ثابت ہے بلکہ احادیث رسول اللہ کے خلاف ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں ص۵۱ پر فرمایا۔ بِأَنْ نَسْمَعَهُ كَلَامَ اللهِ تَعَالَى الْقَدِيمِ وَهُوَ مُتَعَدِّدٌ۔ فَإِنَّ ذَالِكَ مِنْ خَصَائِصِ الْكَلِيمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْنُ لَا نَقْتَصِرُ عَلَى سَمَاعِهِ۔ تفسیر بیضاوی جلد اول ص۲۳۳ پر ہے۔ قَالَ الْإِمَامُ الْقُرْطُبِيُّ مَنْ قَالَ إِنَّ السَّبْعِينَ الْمُخْتَارِينَ سَمِعُوا مَا سَمِعَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا سَمِعَهُ فَقَدْ أَخْطَأَ وَأَذْهَبَ فَضِيلَةَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَسْمَعُوا كَلَامَ اللهِ تَعَالَى إِلَّا عَلَى لِسَانِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّ مَنْ سَمِعَ التَّوْرَاةَ مِمَّنْ قَرَءَهَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ إِنَّهُ سَمِعَ كَلَامَ اللهِ تَعَالَى۔ (الخ)

نیز ابن عباس کا یہ قول تو نحوی صرفی اعتبار سے بھی غلط ہے اس لیے کہ طور پر یہ واقعہ ایک دفعہ ہوا۔ مگر یہاں

آیت میں۔ کَانَ۔ فعل ماضی ہے اگر یہ کَانَ تامہ ہے تو ماضی استمراری بناتا ہے۔ اگر یہ ناقصہ ہے تو فعل حال بناتا ہے۔ استمراری میں بار بار سماعت ثابت ہوتی ہے۔ پہلے قول کو اعلیٰ حضرتؒ نے لیا۔ دوسرے کو امام سیوطی نے۔ مزید یہ کہ آیت پاک کا سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے کہ مراد توریت وغیرہ کتب سابقہ ہی ہوں اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ قول ابن عباس کا نہ ہو کسی معتزلی یا کسی اسرائیلی یہودی کی عبارت کو شامل کر لیا گیا ہو۔ بہرکیف غلط ہے اور کلام سے توریت وغیرہ کتب سابقہ ہی مراد ہیں۔

دلیل نمبر۴۔ شرح عقائد جلد دوم مع رسالہ عصام ص۲۳۲ پر ہے۔ وَ قَوْلُهٗ (وَهُوَ وَاحِدٌ) فُسِّرَ بِاَنَّ الْكُلَّ مُتَّحِدٌ فِيْ كَوْنِهَا كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مُتَفَاوِتَةٍ فِيْ تِلْكَ الصِّفَةِ (الٰی) وَ قَدْ يُفَسَّرُ قَوْلُهٗ وَ كُلُّهَا كَلَامُ اللّٰهِ بِاَنَّ الْكُلَّ دَالٌّ عَلٰى

دلیل نمبر۵۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ پارہ سوم سورۃ بقرۃ آخری سے پہلی آیت۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ۔ کلام اللہ تعالیٰ۔ یہاں کتب سے توریت زبور انجیل اور قرآن مجید ہے۔ استدلال چونکہ یہاں چاروں کو ایک ہی نام دیا گیا یعنی کتاب اس لیے ثابت ہوا کہ کتاب منزل من اللہ عبارت کا نام۔ لہٰذا الفاظ اور معنی کو کتاب کہا جائے گا نہ کہ فقط معنیٰ کو چنانچہ فتاوٰی الحاوی جلد اول ص۲۳۵ پر ہے۔ یہاں تین قول نقل فرمائے ہیں پہلا قول جو معتبر ہوتا ہے یہ ہے۔ اَحَدُهَا اَنَّهٗ اللَّفْظُ وَ الْمَعْنٰى۔ ترجمہ۔ کتاب اللہ اس عبارت کو کہا جاتا ہے۔ جس کے الفاظ اور معنیٰ دونوں اللہ کی طرف سے نازل ہوں۔

دلیل نمبر۶۔ بنی اسرائیل۔ یہودیوں، عیسائیوں کو آج بھی اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کہ ان کو تورات اور زبور، انجیل ملی تھی اور توریت انجیل اسی کتاب کا نام ہوگا جو نازل ہوئی تھی نہ کہ ترجمہ کا۔

دلیل نمبر۷۔ اسی آیت کی تفسیر میں تفسیر حسینی عربی ص۹۲ پر ہے۔ اَنْ يَّعْتَقِدَ اَنَّهَا حَقٌّ وَ كَلَامُ اللّٰهِ۔ ترجمہ ایمان یہ ہے کہ عقیدہ سب مسلمان یہ بنائیں۔ وہ تمام اللہ کی کتابیں حق ہیں اور اللہ کا کلام ہیں۔

دلیل نمبر۸۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اپنی کتاب الاعتقاد کے ص۴۵ پر لکھتے ہیں۔ فَنَقُوْلُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى مَكْتُوْبٌ فِي الْمَصَاحِفِ (الخ) ترجمہ۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام وہ ہی ہے جو لکھا ہوا ہے مصحفوں میں۔ یہاں لفظ مصاحف جمع ہے۔ مصحف کی۔ یعنی توریت انجیل زبور قرآن سب ایک جیسا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

دلیل نمبر۹۔ تفسیر خازن جلد چہارم ص۲۴۵ اور تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۲۶۴ پر ہے۔ وَعَنِ الْحَسَنِ وَ قَدْ كَانَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْفَظُ هٰذَا وَهٰذَا يَعْنِي التَّوْرَاةَ وَ الْاِنْجِيْلَ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو توریت و انجیل حفظ تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہی توریت حفظ تھی جو بنی اسرائیل کے پاس تھی اور آپ نے وہی یہودیوں کو سنائی اور انہوں نے سن کر سرنگوں کیا۔ یہ کس نے حفظ کرائی رب تعالیٰ نے تو کیا وہ۔ موسیٰ علیہ السلام کا ترجمہ

حفظ کرایا تھایا کہ عربی زبان اگر عربی زبان حفظ کرائی تو اب بنی اسرائیل نے کیسے سمجھ لی اور پھر اعتراض کیوں نہ کیا کہ اے عیسیٰ یہ تم کیا سنا رہے ہو۔ کس کو توریت کہہ رہے ہو۔ ہم کو تو کتاب عبرانی میں موسیٰ نے دی تھی ایک ذرا سی نادانی سے کتنے سوال پڑ جاتے ہیں۔ لھذا کہنا پڑے گا کہ توریت کا عربی میں آنا پھر ترجمہ ہونا۔ قطعًا غلط ہے جھوٹ ہے۔ انسان کو کچھ تو تدبر ہونا چاہیے۔ صرف چند لونڈوں کو داڑھیاں رکھا کر اپنے خود ساختہ القاب کے نعرے لگوانا یہ کوئی علمیت نہیں۔

دلیل نمبر ۱۔ خازن جلد اول ص پر ہے۔ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهِمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْاَقْرَبُ لِاَنَّ الضَّمِيْرَ رَاجِعٌ اِلَيْهِمْ فِيْ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ فَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ يَعْنِي التَّوْرَاتَ لِاَنَّهٗ يَصِحُّ اَنْ يُّقَالَ يَسْمَعُ التَّوْرَاتَ يَسْمَعُ كَلَامَ اللّٰهِ ترجمہ۔ يَسْمَعُوْنَ والی آیت میں فریق سے وہ لوگ بنی اسرائیل مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھے اور عقل وفہم کے یہی بات زیادہ قریب ہے اس لیے کہ اَفَتَطْمَعُوْنَ کی ضمیر انہی یہودیوں کے ایمان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس اس بنا پر يَسْمَعُوْنَ کلام اللہ کا معنیٰ ہوگا تورات۔ اس لیے کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جس نے تورات کو سنا اس نے کلام اللہ سنا۔ کیونکہ موجودہ تورات کلام اللہ ہی ہے۔ یعنی جس کو توریت وغیرہ کہا جاتا ہے وہ کلام اللہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۔ قرآن مجید پارہ اول۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ۔ تفسیر نسفی جلد اوّل ص پر ہے۔ وَهُوَ التَّوْرَاتُ وَالْاِنْجِيْلُ۔ تفسیر خازن جلد اول ص۱۰۳ اَيْ يَقْرَءُوْنَهٗ كَمَا اُنْزِلَ لَا يُغَيِّرُوْنَهٗ وَلَا يُحَرِّفُوْنَهٗ وَلَا يُبَدِّلُوْنَ مَا فِيْهِ۔ ترجمہ۔ یہاں الکتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ یعنی نیک بنی اسرائیل توریت کی صحیح تلاوت کرتے ہیں۔ (خازن) یعنی ان سابقہ کتب الٰہیہ کو اسی طرح تلاوت کرتے ہیں۔ جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں۔ نہ لفظوں کی تبدیلی کرتے ہیں نہ معنیٰ کی تحریف کرتے ہیں اور نہ دوسری زبان کے لفظ اس کے بدلے میں لگاتے ہیں۔ دوسری آیت پاک ہے۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ۔ يَعْنِي التَّوْرَاتَ وَالْاِنْجِيْلَ فَاعِلُ التِّلَاوَةِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔ بخاری شریف جلد دوم ص۶۵۴ پر حدیث رجم میں ہے کہ عبداللہ ابن سلام نے بارگاہ اقدس عالیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں۔ یہودی راہبوں سے فرمایا۔ فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ ترجمہ۔ اور یہود ونصاریٰ اپنی اپنی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ (بخاری) اے راہبو لاؤ اپنی تورات اور اس کو تلاوت کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ دلیل نمبر ۱ اس طرح ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ منزل الفاظ کو پڑھنا تلاوت ہوتا ہے نہ ترجمے کا پڑھنا کوئی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ رہا ہے تو اس کو تلاوت نہ کہا جائیگا۔

کیونکہ ترجمہ متکلم کا کلام نہیں رہ جاتا مفتی صاحب نے مناظرے میں ان کو یہی بتایا کہ رب تعالیٰ نے بھی اور حدیث پاک نے بھی توریت وانجیل کے پڑھنے کو تلاوت فرمایا۔ اگر یہ کتابیں ترجمہ ہوتیں تو ان کو بقول تمہارے تلاوت نہ کہا جاتا۔ کیسا صاف ثابت ہوا کہ توریت وغیرہ ترجمہ نہیں بلکہ اصل منزل من اللہ ہی ہیں اور کسی نبی نے ترجمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اصل مُنَزّل عِبرانی و سُریانی ہیں۔ اب شاہ صاحب غور کریں کہ اپنے ہی قول کے مطابق سفیان ثوری کی مانتے ہیں یا اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کی۔

دلیل نمبر۱۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورت ابراہیم پارہ ۱۳ع ۱۱ آیت ۳)

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی پیغام الٰہی والے کو مگر اسی کی قومی زبان کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا جارہا ہے اور بعثت کا معنیٰ ہوتا ہے پیغام لے کر آنا تو مطلب ظاہر ہے کہ ہم نے اپنا پیغام اسی قوم کی زبان میں بھیجا۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ ہمارا نبی صرف اس پیغام کو ظاہر کردے یعنی نبی کی ڈیوٹی صرف پیغام بیان کردینا ہے۔ ترجمہ کرنا نہیں اس سے بھی ثابت ہوا کہ کتب سابقہ عبرانی وغیرہ میں نازل ہوئیں۔

دلیل نمبر۱۳۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا۔ ترجمہ۔ بے شک ہم نے قرآن کو عربی میں نازل فرمایا۔ یہاں قرآن مجید کے نزول کو عربیت سے خاص کیا لھذا اقتضاءً ثابت ہوا کہ سوا قرآن کریم سے کوئی دوسری کتاب عربی میں نازل نہیں ہوئی۔

دلیل نمبر۱۴۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵۵ پر حدیث پاک ہے۔ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ۔ (الخ)

ترجمہ۔ اے مسلمانو اہل عرب سے تین وجہ سے محبت کرو۔ ایک اس لیے کہ بے شک میں قومیت کی وجہ سے عربی ہوں دوسری یہ کہ قرآن مجید عربی ہے۔ یہاں بھی صرف قرآن کریم کو عربی سے خاص کیا گیا۔ اگر کوئی دوسری کتاب بھی عربی میں نازل ہوتی تو یہ خصوصیت قرآن وحدیث میں بیان نہ ہوتی۔ آنکھیں بند کرکے تو جس جگہ چاہو دھکے کھاتے پھرو مگر چشم بینا کے لیے تو یہی سچا اور حق عقیدہ ہے کہ توریت وغیرہ عربی میں نہیں آئیں اور نہ ترجمہ ہوئیں۔ عبرانی وغیرہ زبان میں ہی کلام الٰہی ہیں۔

دلیل نمبر۱۵۔ تفسیر روح البیان پارہ نمبر۱۳ سورۃ ابراہیم صفحہ ۲۹۶ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ مَبْعُوْثَيْنِ اِلٰى بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ بِكِتَابَيْهِمَا الْعِبْرَانِیِّ وَهُوَ التَّوْرَاةُ وَالسُّرْيَانِیِّ وَهُوَ الْاِنْجِيْلُ مَعَ اَنَّ مِنْ جُمْلَتِهِمْ جَمَاعَةً لَا يَفْهَمُوْنَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَلَا بِالسُّرْيَانِيَّةِ۔

ترجمہ۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے عبرانی کتاب اور وہ تورات تھی۔ سُریانی کتاب کے ساتھ اور وہ انجیل تھی۔ باوجود اس بات کے ان کی جماعتوں (قوموں) میں بہت

سے لوگ عبرانی کو اور بہت سے لوگ سریانی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ کتب سابقہ اللہ کی طرف سے عربی میں نہیں آئی تھیں۔ بلکہ عبرانی و سریانی میں نازل ہوئی تھیں۔

دلیل نمبر ۱۶ تفسیر جمل جلد دوم صفحہ ۵۰۹ پر ہے۔ اَیْ کَمَا اَنْزَلْنَا الْکُتُبَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِلُغَاتِہِمْ وَ لِسَانِہِمْ۔

ترجمہ: یعنی یہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ جس طرح نازل کیا ہم نے سابقہ کتب کو انبیاء کرام پر ان کی قومی زبانوں اور لغتوں میں۔

دلیل نمبر ۱۷ تفسیر ابن کثیر جلد دوم عربی صفحہ ۵۲۵ پر ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان میں پیغام الٰہی دے کر بھیجے گئے کیونکہ مبعوث کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا پیغام لانا۔ اسی طرح اہل سنت کی عظیم تفسیر ضیاء القرآن اسی آیت کے ماتحت سورۃ ابراہیم پارہ نمبر ۱۳ میں ہے۔

دلیل نمبر ۱۸ شرح عقائد نسفی مع رسالہ عصام جلد دوم صفحہ ۱۲۱ پر ہے۔ فَاِنْ عُبِّرَ عَنْہَا بِالْعَرَبِیَّۃِ فَقُرْاٰنٌ وَ بِالسُّرْیَانِیَّۃِ فَزَبُوْرٌ وَ بِالْیُوْنَانِیَّۃِ فَاِنْجِیْلٌ وَ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ فَتَوْرَاۃٌ۔

ترجمہ: پس اگر کتب الٰہیہ کو زبانوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عربی میں فقط قرآن مجید آیا اور سریانی میں فقط زبور آئی اور یونانی میں فقط انجیل آئی اور عبرانی میں فقط تورات آئی۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب نے یہ تمام دلائل دکھائے سمجھائے بتائے اور لکھ کر دیئے حضرت شاہ صاحب کے پاس ان دلائل کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے ان کو مجبوراً اپنی لغو اور باطل تقریر سے رجوع کرنا پڑا آج اگروہ اور ان کے جاہل حواری اور نعرہ باز ساتھی کہتے ہیں کہ شاہ جی جیت گئے تو ان کو پھر میدان میں نکالو۔ آگے نہ جانے کس طرح رو پیٹ کر بیچارے پہلی مرتبہ میدان میں اتنے مولویوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نکلے تھے۔ اگر اب میدان میں نکلنے کی ہمت نہیں ہے تو بڑی تسلی سے خود اور اپنے سارے ساتھیوں کو لگا کر ان سوالات کے جواب لکھ کر دیں اور ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ نہ کر سکیں گے۔ تو پھر تکبر کی جھوٹی سرخی لگانا چھوڑ دیں اور رب تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کر لیں کہ اس کے کلام کا انکار اسی سے جنگ کرنی ہے۔ وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

یہ ساری خرابیاں صرف اس لیے ہوتی ہیں کہ ہمارے معزز خطیب حضرات اپنی تقریر کو ذمے داری نہیں سمجھتے تقریر کا مقصد صرف ذاتی واہ واہ نعرے بازی اپنی عزت کے لیے کرتے ہیں، نہ علمی محنت رہی نہ قوم کی درستی کا خیال نہ اپنی ذمے داری کا احساس۔ بس اخبار و رسائل دیکھے اور خوش خط باتوں کو اپنی پڑھے داری میں پرو لیا۔ چند منٹ واہ کرالی۔ اپنے بزرگوں کی نصیحتوں کو یکسر بھلا دیا۔ چند منٹ کی عزت کے لیے تا قیامت دینی دنیوی ذلت خرید لی۔ یہ سب مصیبتیں اسی غلط روش کی بنا پر ہیں۔

اللہ تعالٰی ہم سب کو سچی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

بتمہ

سائل کے بھیجے ہوئے رسائل میں دوسرا رسالہ سنت اور حدیث والا۔ اس کی عبارت ایسی الجھی ہوئی ہے کہ واضح نظریہ کچھ نہیں آتا۔ جہاں تک سنت اور حدیث کے معنٰی کا فرق ہے اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں محدثین نے جگہ جگہ یہ فرق تحریر فرمائے ہیں۔ ہاں البتہ ایک بات جو اس مضمون سے اشارۃً ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ مصنف غالبًا انکارِ حدیث کی طرف راہ ہموار کر رہا ہے اور توڑ مروڑ کرتا ہوا یہ کہنا چاہتا ہے کہ قرآن ہی کا نام حدیث پاک ہے۔ گویا کہ ایک نئی طرز سے منکر حدیث بن رہا ہے۔ سائل کا تیسرا رسالہ۔ اُمّی کے معنٰی (ا تا ث) اس میں بھی۔ جہالتوں کے علاوہ کفریات بھی ہیں۔ مثلاً صث پر لکھتا ہے حضور پرنور کو امام کعبہ تربیت دیتا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے تمام عالمین کے علوم خود سکھائے پڑھائے اور آپ والدہ کے پیٹ سے ہی لکھے پڑھے بلکہ ساری مخلوق سے بڑے عالم پیدا ہوئے اور یہی اُمّی کا معنٰی و مطلب بیان کیا جائے گا۔ مصنف مذکور نے اُمّی کا ایک ہی معنٰی قائم کیا ہے۔ حالانکہ اہل لغت کے نزدیک اس لفظ کا ترجمہ شخصیات کے اعتبار سے مختلف ہے۔ یعنی عوام کے لیے اس کا معنٰی ان پڑھ ہی کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے جاہل و بے علم پیدا ہوتا ہے۔ مگر خصوصیت ہے انبیاءِ کرام کی اور ان کی اظہارِ شان کے لیے بعض اولیاء اللہ کی کرامات سے یہ ظاہر ہے کہ وہ بطن مادر سے عالم ظاہر و باطن پیدا ہوتے ہیں اور ان کو رب تعالٰی تعلیم فرماتا ہے۔ پس اُمّی کا معنٰی ہوا ماں سے پیدا ہونے والی حالت میں رہنے والا۔ ص۹ پر ہے کہ خدا نے موسٰی سے انسان بن کر کلام کیا۔ خدا نے آدم کی شکل بن کر ملائکہ کو سمجھایا اور آدم کی شکل دکھا کر اپنی تجلی۔ کا مشورہ فرشتوں سے لیا۔ تو سردار نبی کو انسان بن کر خدا تربیت کیوں نہیں دے سکتا۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔ مصنف کی یہ بدترین کفریات ہیں۔ خدا تعالٰی کے متعلق ایسی بیہودہ باتیں کرنی کفر و جہالت ہے۔ غرضیکہ یہ رسالہ بھی کسی پاگل انسان کا پاگل پن ہے۔ خدا سب کو اس کی جہالت سے بچائے سائل کا رسالہ ۴ سورۃ نور کے متعلق ہے۔ اس میں بھی بجز جہالتوں کے اور کچھ نہیں۔ آج دنیا کا رواج ہو گیا ہے کہ مولوی کا نام لیتے چلے جاؤ اور اسلام قرآن شریف۔ عبادات ہر چیز کا انکار کرتے چلے جاؤ۔ اس طرح اس دیوانے انسان نے اپنے ذہنی تخیل سے یونانیوں کا نام وضع کر لیا ہے کہ غیر مسلم یونانی عیسائی فلاں فلاں یہ کہتا ہے اور اسی کے ضمن میں اسلام کے علماء مفسرین کی تحقیقی کاوشوں کا انکار کرتا چلا جا رہا ہے۔ پھر مزید یہ کہ نہ کوئی حوالہ نہ کتاب کا نام۔ کس یونانی نے کس کتاب میں یہ بات لکھی اور تیسری تجلّی؟۔ بے سروپا باتیں اوٹ پٹانگ نظریات کس حوالے سے ہیں۔ کچھ ذکر نہیں۔ اپنی مطلب براری کے لیے

آیتوں کے ترجمے کفر کی حد تک توڑ موڑ کر کیے ہیں۔ لغت اور نحو صرف سے ابدی دشمنی ہے۔ دینی باتوں کے جواب سے پہلے توخیانات اور پاگل پن ملاحظہ ہو کر۔ اپنی یونیورسٹی کا میڈیکل داخلہ شرائط کے تحت اشتہار لکھتا ہے کہ میڈیکل یونیورسٹی میں داخلہ ملتے ہی رجسٹریشن ہو جاتی ہے۔ پریکٹس اور کلینک کھولنے کی اجازت ہے۔ اگر حکومت ایسے جاہل ڈاکٹر کا چالان کرے تو یونیورسٹی خود جرمانہ ادا کرے گی۔ مگر یہ نہیں کہ اس ناکارہ علاج سے مریض کی جان اور صحت کو جو نقصان ہوا وہ کون بھرے گا اور اس بے ایمانی کا سیدھا راستہ دکھایا جا رہا ہے اس کا گناہ کون اپنے سر لیگا اور اگر حکومت ایسے جاہل ڈاکٹر کو گرفتار کرے تو گرفتاری کون دے گا۔ گویا کہ یہ یونیورسٹی لوٹنے کا اڈہ ہے۔ اور قیمتی جانوں سے کھیلنے کا ارادہ ہے۔ بہرکیف یہ تو اخلاقی پہلو تھا۔ مذہبی پہلو بھی بجز جہالت و لادینیت کے کچھ نہیں۔ چونکہ اس پمفلٹ (کتابچہ) میں سورۂ نور سے کھیلنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے ہم پہلے اس رسالے کی غلطیاں بیان کریں گے پھر سورۂ نور کی مختصر تفسیر اور اس مصنف کے لایعنی سوالات کا جواب عرض کیا جائے گا۔

اس رسالے نمبر ۱ کی جہالتیں۔

نمبر ۱۔ صفحہ ۲ پر لفظ معصوم کو یعنی بیوقوف استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ صرف انبیاء کرام ملائکہ معصوم ہوتے اور یہ لفظ بہت پاکیزہ معنیٰ میں مستعمل ہے۔ اسی صفحہ ۲ پر تمام اسلامی تفاسیر کی گستاخی کرتا ہے

۲۔ جہالت صفحہ ۲ پر تفسیر نور العرفان کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تفسیر لکھتا ہے۔ حالانکہ یہ تفسیر حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی ہے اور نام بھی صاف صاف لکھا ہے۔

۳۔ جہالت صفحہ ۲ پر لکھتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ ..... حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ آیت بھی غلط لکھی ہے اور اس کا ترجمہ کر بہت ہی غلط ہے بلکہ کفریہ ہے۔ لکھتا ہے یعنی ہم ورید کی شکل اختیار کر کے قریب ہوتے رہتے ہیں اور حرکت کو دور دھکیلتے رہتے ہیں۔ یہ بیہودہ صرف گستاخی ہی نہیں بلکہ کفر بھی ہے۔ گویا کہ مصنف اللہ تعالیٰ کو ایک رگ بنا رہا ہے۔ اسی صفحہ ۲ پر معصوم کو جاہل کے معنیٰ میں استعمال کر رہا ہے۔

۴۔ جہالت صفحہ ۲۶ پر روح کے لیے ایک شکل ثابت کرتا ہے اور ٹھوس مادہ لکھتا ہے۔ حالانکہ روح کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ عربی لغت میں نَفَخْتُ کا معنیٰ ہے پھونکنا۔ مگر یہ شخص اپنی جہالت سے اس کا انکار کرتا ہے۔

۵۔ جہالت صفحہ ۲۸ پر۔ سورۂ نور کی آیت نمبر ۱۲ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ اس آیت کے ترجمے اور تشریح میں جاہل مصنف نے اتنی کم عقلیاں اور قلابازیاں دکھائی ہیں کہ ابلیس بھی اس تحریف پر حیران ہوگا ہے۔ سَمِعْتُمُوْهُ کا ترجمہ بھی بہت غلط کیا۔ مگر مصنف

نے خود محسوس کر لیا ہے کہ بات بنتی نظر نہیں آتی۔ یہ سراسر تحریف ہے۔ جہالت نمبر ۳ صدا پر لکھتا ہے کہ ان تفاسیر کو ضبط کیا جائے اور ۱۸۵۷ء سے قبل والی تفاسیر مروج کی جائیں۔ اس کور باطن کو کون سمجھائے کہ اٹھارہ سو ستاون سے قبل کی تفسیریں بھی بالکل اسی طرح ہیں اور یہ موجودہ بعد والی تفاسیر ان ہی سے ماخذ ہیں۔ ایسی بدترین اور جاہلانہ تحریر اس سے قبل میری نظر سے نہیں گزری۔ جہالت نمبر صدا ۱۲ سے صد۱۶ تک ام المومنین کو تہمت کا انکار کرتے ہوئے چند سوالات کرتا ہے۔ مثلاً نمبر۱ عبداللہ بن ابی منافق کو کیا جرأت تھی کہ نبی کریم کے ہوتے ہوئے تہمت لگانا۔ نمبر۲ عائشہ صدیقہ نے رفع حاجت کے لیے کتنی دیر لگائی وہ وقت بتایا جائے نمبر۳ لشکر بڑا تھا یا چھوٹا نمبر۴ حضرت عائشہ کتنی دور گئی تھیں اور کتنا راستہ طے کیا تھا۔ واپس آنے میں اتنی دیر کیوں لگی۔ نمبر۵ لشکر اتنی جلدی دور کیسے نکل گیا۔ نمبر۶ کیا کسی نے حضرت عائشہ کو جاتے نہیں دیکھا تھا وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ عائشہ صدیقہ ابھی واپس نہیں آئیں نمبر۷ کیا عائشہ صدیقہ رض اکیلی گئی تھیں یا حسب عادت چند عورتوں کے ساتھ نمبر۸ اونٹ کا ہودج اٹھانے والوں نے کیوں نہ خیال کیا کہ ہودج خالی ہے اور نیز ہودج میں بٹھا کر پھر ہودج رکھنا دستور کے خلاف ہے بلکہ پہلے اونٹ کو کھڑا کیا جاتا ہے پھر سواری بٹھائی جاتی ہے۔ نمبر۹ حضرت عائشہ صدیقہ غریب نہ تھیں کہ غربت کی وجہ سے تھوڑا کھاتیں اور ہلکی پھلکی ہوتیں۔ جس کے پاس قیمتی ہار ہوتا ہے کیا وہ غریب ہوتا ہے۔ مگر یہ سوالات لا یعنی ہیں اور ان کے جوابات تفاسیر میں بیان واقعہ کے ضمن خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے۔ جہالت نمبر۹ صدا پر لکھتا ہے کہ یہ تہمت کا واقعہ اس لیے بھی غلط ہے کہ مفسرین کے بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ مثلاً کنزالایمان نے لکھا ہے حضور پر نور کو حضرت عائشہ کی پاک دامنی پر پختہ اعتبار تھا۔ لیکن تفہیم القرآن والے لکھتے ہیں کہ حضور پر نور جناب پر شکوک رکھتے تھے۔ مصنف کی یہ بات کذب بیانی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ میں نے خود تفہیم القرآن کا اس جگہ پر مطالعہ کیا ہے۔ مجھے یہ شکوک والے الفاظ کہیں نظر نہیں آئے نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے غرضیکہ یہ کتاب اور یہ نظریہ قطعاً غلط۔ سراسر جہالت ہے اور ایک حقیقت واقعیہ کا انکار کرنا ہے۔ آیت کا ظاہر ظہور اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ایسا واقعہ ہوا ہے۔

سورۃ نور کی صحیح اور سچی با اصول تفسیر

نہ معلوم مصنف اجہل کا اس تحریف قرآنی اور واقعہ افک کے انکار سے در پردہ مقصد کیا ہے۔ ورنہ تمام تفاسیر۔ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث اور خود تہمت میں شریک ہو جانے والے مخلص مسلمان۔ نمبر۱ حسان بن ثابت رض ۲۔ مسطح اور حضرت زینب ام المومنین کی سگی بہن حمنہ بنت جحش

خود اپنے منہ سے غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت حسان اسی کی تدریجی سزا میں نابینا ہو گئے تھے اور خود فرمایا کرتے تھے مجھ کو تہمت میں شریک ہونے کی سزا ملی ہے (بخاری شریف) کتب احادیث میں مذکور ہے کہ اقذف کی سزا سب سے پہلے ان ہی تین کو دی گئی۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں بھی یہ واقعہ مذکورہ ہے اور مزید یہ کہ قرآن مجید کے ظاہر اور صاف لفظوں میں تہمت کا ذکر ملتا ہے جس کی اور کوئی تاویل ممکن ہی نہیں اور یہ سورۃ نور اس ہی موقعہ کے لیے نازل ہوئی سوا اس کے کوئی دوسرا شان نزول تاریخی پس منظر کے اعتبار سے بن سکتا ہی نہیں۔ رہا یہ کہ اس سورت کی ابتدائی آیت ایک قانون اور ضابطہ کلیہ کی شکل میں نازل ہوئیں تو یہ ایک احسان عظیم ہے تاکہ آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں کا سد باب ہو جائے۔ رب تعالیٰ کے اس احسان کا ذریعہ ام المومنین عائشہ صدیقہ بنیں۔ شیعوں کی تفسیر بھی جاہلانہ ہے جو معترض مصنف نے پیش کی ہے کہ معاذ اللہ تہمت لگانے والی امہات تھیں اور ماریہ قبطیہ پر تہمت لگائی گئی تھی اور آیت نمبرا کے آخری الفاظ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ بتا رہے ہیں کہ تہمت لگانے والے مرد تھے نہ کہ عورتیں اور وہ منافق ابن اُبَیّ تھا۔ اندھے بن کر قرآن مجید کو توڑنا مروڑنا جُہلا ہی کا کام ہے۔ شیعہ لوگ اس آیت میں آکر کیا کہیں گے۔ کفر بکنا آسان ہے مگر نبھانا مشکل۔ بہرکیف واقعہ بالکل درست ہے کسی جاہل بدبخت کے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی واقعہ یوں ہے کہ ۵ھ یا ۶ھ کے ابتدائی مہینے میں غزوہ بنی مصطلق واقع ہوا۔ یہ علاقہ مدینہ منورہ سے نو منزل دور تھا۔ واپسی پر مدینہ منورہ سے دو منزل دوری پر لشکر اسلامی کا پڑاؤ ہوا اور طے یہ پایا کہ صبح نماز فجر اگلی منزل پر ادا کی جائے گی۔ اس لیے بعد تہجد کوچ کی تیاری ہو گئی۔ اندھیرے اندھیرے سب اٹھ گئے سامان بندھنا شروع ہو گیا۔ کوچ سے چند منٹ پہلے حضرت ام المومنین کو حاجت کی شکایت ہوئی تو آپ تنہا ہی کچھ دور جھاڑیوں میں چلی گئیں۔ ادھر جب سب کی کوچ ہوئی تو دو یا تین صحابی حضرات نے حضرت ام المومنین والے کجاوے کو یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ غالباً آپ حسب سابق اس میں بیٹھی ہوں گی اور ہمیشہ ہی اسی طرح ہوتا تھا اور آج بھی اہل عرب میں یہ رواج ہے کہ مستورات پہلے کجاوے میں بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر قبیلے کے لوگ یا ملازم اٹھا کر اس کو اونٹ پر رکھتے ہیں۔ ام المومنین دبلی پتلی چھوٹی عمر کی تھیں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ نماز فجر کی گھبراہٹ کی وجہ سے یہ خیال بھی نہ آیا کہ شاید اس میں کوئی بیٹھا نہیں اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ ادھر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یمن سے عاریۃً مانگا ہوا ہار جھاڑی میں الجھ کر ٹوٹ گیا۔ جس کو آپ اٹھانے میں مشغول ہو گئیں اور قافلہ اونٹوں پر اونٹ کی تیز رفتاری کے ساتھ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ تاکہ وہاں پانی کے پاس پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی جائے۔ حضرت صدیقہ جس وقت موتی چن کر واپس لشکر گاہ کی طرف تشریف لائیں تو اس وقت تک قافلہ پہاڑیوں کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ معترض کہتا ہے کہ حضرت صدیقہ وہیں کیوں بیٹھ رہیں۔ قافلے

کی تلاش میں کیوں نہ چل پڑیں؟ یہ اندھے پن کا سوال صرف اس لیے ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ ریت جنگل میں پیدل چلنا کتنا دشوار ہے اور پھر راستے سے ناواقف عورت کے لیے جس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ قافلہ کس سمت مڑا ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا جو آپؓ کسی سمت کو چل نہ پڑیں۔ وہیں بیٹھ رہیں۔ چند ساعتوں میں حسب قاعدہ پیچھے چھوڑا ہوا شخص حضرت صفوانؓ وہاں پہنچ گئے۔ یہ آج ان کی ڈیوٹی (ذمے داری) تھی کہ قافلے کے پیچھے پیچھے چلیں اور اہل قافلہ کی وہ اشیاء اٹھائیں جو بھول چوک سے رہ جاتی ہیں۔ حضرت صدیقہ بوجہ پردہ اپنے منہ شریف پر چادر لے کر ایک ریت ٹیلے کے سہارے نیم دراز تھیں۔ حضرت صفوان نے انتہائی پریشان ہوئے اور انھوں نے باآواز بلند إنا للّٰہ۔ پڑھا جس کو سن کر حضرت صدیقہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، صفوان بن معطلؓ نے اپنا اونٹ آگے بڑھایا اور ان کے عنقریب لاکر بٹھایا۔ حضرت صدیقہ اس پر سوار ہو گئیں اور صفوان مہار پکڑ کر پیدل چل پڑے۔ یہاں تک کہ قافلے سے آملے۔ اس طرح آنے پر سب نے دیکھا مگر عبداللہ بن ابی منافق ازلی خبیث نے علی الاعلان قسمیں کھا کر تہمت لگادی۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ عالمینی اور نرم دلی کی بنا پر اس خبیث کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ ہر شخص کو اس کی منافقانہ بکواسیات کا علم تھا کئی صحابہ بلکہ خود اس کے فرزند نے کئی مرتبہ اس کے قتل کی اجازت مانگی مگر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ یہ تمام واقعہ ایک حقیقت ہے تمام تفاسیر واحادیث میں مذکور ہے اگر کوئی عقل کا دشمن خود ہی اندھا بن جائے تو اس کی مرضی۔ حضرت صدیقہؓ کو اپنی بچپنی عادت کے مطابق ہار والے سے بہت محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہار اسلام کے بہت سے شرعی احکام نازل ہونے کا ذریعہ بنے۔ سورۃ نور کا نزول بھی حضرت صدیقہؓ کے ہار شریف کے ٹوٹنے کی بنا پر ہوا اور حبأت صدیقہ میں دس آیتیں نازل ہونے کے علاوہ۔ پوری صورت میں آئندہ مسلمانوں کے لیے تاقیامت سزاؤ جزا شرم وحیا۔ اخلاقیات۔ پردے داری۔ گھریلو معاشرہ نسلی حفاظت، حدود وتعزیرات۔ چادر و چار دیواری اور ضابطۂ حیات کے دس مضبوط قانون نازل فرما دیئے۔ اس لیے حضرت صدیقہ اور مسلمانوں کی چند روزہ پریشانی کے صدقے میں امت مسلمہ کو عظیم فائدوں سے نوازا گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منافقت اور الزام تراشی۔ تہمت سازی اور بے غیرتی کا قانونی سدباب کردیا گیا۔ یہی واقعہ اس سورت کا شان نزول ہے۔ مگر نام اس کا سورۃ نور ہے اور اصطلاح قرآنی کے مطابق شان نزول کو کبھی نام نہیں بنایا جاتا۔ سورتوں کا نام کسی آیت یا کسی خاص لفظ کی بنا پر رکھا جاتا رہا ہے۔ مصنف کی کم عقلی ہے کہ نام کو شان نزول کہنے کے درپے ہے۔

اسی طرح سورت نساء کی آیت ۴۳ میں تیمم کا حکم بھی بحوالہ بخاری شریف جلد اول مسند احمد بن حنبل تفسیر ابن کثیر جلد اول تفسیر روح المعانی جلد سوم ص۹۶ ۔ تفسیر نعیمی پارہ پنجم۔ مقام بیداء مدینہ منورہ سے نو منزل دور بوقت صبح۔ غزوۂ

مریسیع سے واپسی پر۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہونے پر ہی دیر ہو جانے کی وجہ سے یتیم کا شرعی قانون تاقیامت نازل ہوا اور مسافران اُمتِ مسلمہ کو عظیم سہولت نازل ہوئی۔ اسی لیے گم شدہ ہار کی تلاش کی بنا پر جب مسلمان نماز فجر کے لیے اگلی منزل پر نہ پہنچ سکے اور نماز قضا ہونے کا خطرہ تھا وضو کے لیے پانی موجود نہ تھا۔ تیمم کی آیت نازل ہوئی مسلمانوں نے خوشی خوشی تیمم کر کے نماز پڑھی تو قبیلہ کے ایک سردار اسید بن حضیر نے بارگاہ ام المومنین میں عرض کیا کہ اے اہل بیت تم کو تو تھوڑی دیر پریشانی آتی ہے۔ مگر مسلمانوں کا کام بن جاتا ہے۔ گویا کہ یہ احسان ہے ام المومنین حضرت صدیقہ کا امت مسلمہ پر۔ مگر یہ نادان مصنف کچھ اور ہی طرف سوچتا ہے۔ مصنف کا پانچواں رسالہ بنی اسرائیل کے یہودی قوم کیوں؟ بعینی جہالتوں سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً جہالت نمبرا ص۲ پر بنی اسرائیل کا ترجمہ انتہائی بے وقوفی اور لغت کے خلاف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بنی بُنُ سے بنا ہے اور بُن کے معنیٰ ہیں بنیاد یا ابتدا۔ حالانکہ بَنِیْ۔ جمع مذکر سالم ہے ابن کی اور ابن کا ترجمہ ہے بیٹا۔ دراصل تھا۔ بنین بحالت فتحہ۔ نون جمع اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ کبھی بیٹا بھی باپ کی ابتدا یا بنیاد ہوتا ہے۔ اسرائیل کا ترجمہ کرتا ہے۔ راز بتانے والا۔ پوچھو بیوقوف سے یہ کون سی زبان کا اسم فاعل ہے۔ دراصل لفظ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا صفاتی نام ہے اور یہ عبرانی لفظ ہے یہ تھا اسرا یا ایل۔ جس کا ترجمہ ہے۔ عبادت قبول فرما اے اللہ یا اس کا ترجمہ ہے اللہ کا بندہ۔ رسالے کے جاہل مصنف نے جو ترجمہ کیا ہے وہ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ جہالت نمبر۲ ص۲ پر وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ کا ترجمہ انتہائی جاہلانہ اور غلط کرتا ہے کہ یعنی وہی کہ تم مجھ کو ہی اپنا رہبر تسلیم کرو۔ حالانکہ اس کا ترجمہ ہے اور تم مجھ سے ہی ڈرو۔ رَهْبٌ۔ کے معنیٰ ہیں ڈرنا۔ راہب کے لغوی معنیٰ ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والا۔ اصطلاحی معنیٰ ہیں ترک دنیا کرنے والا۔ تمام عربی لغت میں یہی ترجمہ لکھا ہے۔ مصنف کا ترجمہ کہیں نہیں لکھا جہالت نمبر۳ ص۵ پر۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ کا ترجمہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شدید اختلاف پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس بیہودہ ترجمے کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ عقاب عقب سے بنا ہے اور عقب کے معنیٰ مخالف کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ مصنف کا یہ ترجمہ کسی ذی علم نے نہیں لکھا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ عقاب واقعی عَقَبٌ سے بنا ہے مگر عقب کا معنیٰ خلف ہے۔ یعنی پیچھے نہ کہ خلاف۔ مصنف کی کم عقلی کو کیا کہا جائے کہ نادان خلف اور خلاف میں فرق نہ کر سکا۔ عقب کو عقاب یعنی سزا اس لیے کہتے ہیں کہ سزا جرم کے بعد ہوتی ہے۔ اور پیچھے اور خلف ہونا عقب ہے جہالت نمبر ص۶ پر۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کا ترجمہ کرتا ہے کہ رسول بنا کر بھیجے گا۔ یہ مستقبل کا ترجمہ کرنا غلط ہے اور طین کا ترجمہ چکناہٹ کرتا ہے اور اَنْفُخُ کا ترجمہ اضافہ کرتے کرتے لکھتا ہے۔

اور اُحْیِی الْمَوْتٰی کا ترجمہ کرتا ہے۔ موت کو حیات میں بدل دیتا ہوں۔ حالانکہ یہ سب ترجمے لغت عربی کے بالکل خلاف ہیں۔ طین کا ترجمہ مٹی ہے اور اَنْفُخُ کا ترجمہ ہے میں پھونک مارتا ہوں۔ جہالت نمبر ۵ ص۵ پر۔ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ کا ترجمہ کرتا ہے۔ کوئی نفس کسی نفس کے بدلے قتل کیا۔ مصنف صرف جاہل ہی نہیں دیوانہ بھی ہے۔ اسی آیت کو ابتداءِ آفرینش سے چسپاں کرتا ہے اور مراد لیتا ہے ہابیل وقابیل حالانکہ نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ قاعدہ وقانون تاقیامت ہر قاتل سے چسپاں ہوگا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے۔ جنگ میں ایک فوجی کی بزدلی سب کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔ گویا کہ اس بزدلی نے سب کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح فساد کے لیے کسی کو قتل کرنا گویا ساری انسانیت کی موت ہے۔ اسی ص۵ پر باقی باتیں تو بالکل ہی پاگلانہ ہیں۔ جہالت نمبر ۶ ص۸ پر لکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل تھے۔ حالانکہ آپ بنی اسرائیل اور خود حضرت اسرائیل علیہ السلام کے جدِ اعلیٰ تھے۔ تعجب اس بات کا ہے۔ کہ یہ نادان اپنی کسی بات پر کوئی حوالہ پیش نہیں کرتا۔ اور فقط اپنی ہی شیطانیت سے قرآن حدیث اور فقہ کا انکار کرتا چلا جاتا ہے۔ پوچھو اس نادان سے کہ کس نے ابراہیم علیہ السلام کو بنی اسرائیل کہا ہے۔ کونسی آیت قرآنی میں یہ لکھا ہے۔ جہالت نمبر ۷ ص۹ پر لکھتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں صرف یوسف علیہ السلام نبی ہیں۔ اس دیوانے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سوائے چند کے باقی سب انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل ہی ہوئے اور وہ سب حضرت یعقوب کی اولاد تھے۔ لکھتا ہے کہ بنی اسرائیل ہابیل قابیل کے وقت سے تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کس نے یہ کہا ہے۔ جہالت نمبر ۸ ص۱۱ پر لکھتا ہے۔ یہودی قوم تو ابراہیم کے زمانے میں بھی موجود تھی۔ کیسی دیوانگی ہے۔ اس کا بھی حوالا دیا جائے۔ اسی صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہے کہ فرعون یہودی تھا۔ حالانکہ وہ قبطی تھا۔ نہ معلوم یہ عقل وخرد کا کورا کہاں سے ذریت ابلیسی نمودار ہوئی۔ اگلے ص۱۲ تا ۱۶ آخری صفحہ پر عجیب بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ اس رسالے میں اس کا منشا یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت آدم سے شروع ہوئے اور یہودی ہر نافرمان شخص کو کہا جاتا ہے۔ یہودی یعنی اسرائیل نہیں ہیں۔ حضرت یعقوب کی اولاد نہ بنی اسرائیل ہیں نہ یہودی ہر اچھا آدمی بنی اسرائیل ہے اور ہر برا آدمی یہودی ہے اور یہ کہ حضرت یعقوب کا کوئی بیٹا یہودا نامی نہ تھا۔ وجہ انکار صرف یہ کہ قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ یہ سب باتیں مصنف کی خود ساختہ جہالتیں اور ایک روشن تاریخی حقیقت کا انکار ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی نسل سے چلے۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے مگر قرآن مجید میں صرف یوسف علیہ السلام کا ہی نام مذکور ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا ذکر نہ ہونا اس کے وجود حقیقیہ کا انکار نہیں۔ آپ کے بیٹوں کے نام اس طرح ہیں ۱ یوسف علیہ السلام ۲ بنیامین ۳ شمعون ۴ لاوی ۵ یہودا ۶ روبیل ۷ یشجر ۸ زبالون ۹ دان ۱۰ نفتالی ۱۱ جادا ۱۲ آشر۔ یہ سب عبرانی لفظ ہیں۔ آپ کی فقط دو بیٹیاں تھیں ۱ دینہ بنت لایا ۲ زینب بنت راحیل (نور العرفان وتاریخ اسلا

بنی اسرائیل کی ابتداء یعقوب علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ ان پر پانچ انعامات ایسے ہوئے جو کائنات میں کسی قوم پر نہیں ہوئے ان ہی انعامات نے ان کو تمام جہانوں پر افضل قرار دیا۔ ۱؎ دنیا انسانیت میں سب سے بڑا قبیلہ خاندان ان کا ہوا ان کا پورا خاندان بارہ بیٹوں کے نام بارہ حصوں میں تقسیم ہوتا رہا ۲؎ سوائے بارہ ۱۲ انبیاء کرام علیہم السلام کے باقی تمام انبیاء کرام بنی اسرائیل میں ہی تشریف لائے بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ انبیاء عظام جو بنی اسرائیل کے علاوہ ہوئے ۱؎ آدم علیہ السلام ۲؎ شیث علیہ السلام ۳؎ نوح علیہ السلام ۴؎ خضر علیہ السلام ۵؎ ہود علیہ السلام ۶؎ صالح علیہ السلام ۷؎ ابراہیم علیہ السلام ۸؎ لوط علیہ السلام ۹؎ اسماعیل علیہ السلام ۱۰؎ اسحاق علیہ السلام ۱۱؎ یعقوب علیہ السلام ۱۲؎ آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انعام ۳؎ تقریباً ۲۷ صحیفے اور تین کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو ملیں انعام ۴؎ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی طور پر مَنّ وسلویٰ اور مائدہ ان کو ملتا رہا۔ انعام ۵؎ دنیا کی سب سے زیادہ بادشاہتیں بلکہ کائناتی بادشاہتیں بھی ان کو ہی ملتی رہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا۔ اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ اس پورے خاندان کا آبائی نام بنی اسرائیل ہے۔ یہ نام موسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔ اس سے پہلے ان کے بارہ قبیلے صرف اپنے جھنڈوں سے پہچانے جاتے تھے نام ایک ہی رہا۔ یا لباس و عادات سے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے کچھ لوگوں نے بچھڑا پوجنے سے توبہ کی تو ان کا نام یہودی ہوا۔ صرف وہ لوگ جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا ان کو یہودی کہا جانے لگا یہ ایک لاکھ کے قریب تھے جن میں ستر ہزار نے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کیا تھا اور قتل ہوئے۔ اور اپنی توبہ کے الفاظ بزبانِ عربی اس طرح کہلائے گئے جو کہتے پھرو۔ ھُدْنَا اِلَیْکَ یَا اِیْلُ۔ تین دن یہ وظیفہ پڑھا تب ان کے لیے توبہ کے طریقے کا حکم منجانب اللہ نازل ہوا۔ جو اس شکل میں تھا کہ صبح کے وقت بحالت رکوع سروں کو جھکا کر صف بندی کریں اور جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی ان کے بارہ سردار تلواریں لے کر مجرمین کی گردنیں کاٹتے چلے جائیں بارہ گھنٹے یعنی عصر کے بعد تک غروب آفتاب سے پہلے جتنی بھی کٹ جائیں۔ اس لیے اس دن سے ان کا نام یہودی ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ھود کے لغوی معنی ہیں جھومنا عبرانی لفظ ہے۔ تو جو لوگ توریت کے ماہر اور روزانہ تلاوت کرنے والے تھے اور جھوم جھوم کر پڑھتے تھے ان کو یہودی کہا گیا۔ پھر اس کے بعد ان کی نسلوں کو بھی اسی نام سے پکارا گیا۔ جس طرح آج رواج ہے قرآن مجید کے ماہرین کو حافظ قاری مولوی۔ میاں صاحب مفتی قاضی کہا جاتا ہے۔ اور ان کی نسلوں کا بھی یہی نام چل پڑتا ہے۔ اور آج کل قاضی وغیرہ ذات و قبیلہ بن چکا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ھود کا لغوی ترجمہ ہے جاسوسی کرنا۔ چونکہ بنی اسرائیل کے کچھ بدمعاش دنیا کے لالچی بادشاہوں کے ایجنٹ بن کر انبیاء کرام کی جاسوسی کر کے بادشاہوں کے سامنے شکایت اور حالات پہنچاتے اور انبیاء کو یا خود جلاد بن کر یا عوامی دشمن بن کر بادشاہی قانون سے قتل کرا دیتے۔ اس کفر و ظلم کی بنا پر ان کا نام یہودی ہوا۔ لفظ یہود اور ھود عبرانی میں خلوت نشینی۔ اور

جاسوسی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے جب برادران یوسف پہلی مرتبہ مصر پہنچے تو ان کا امیر قافلہ ان کا بھائی۔ یہودا تھا۔ اسی نام کی بنا پر لوگوں نے ان کو جاسوس سمجھا ایک قول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک قبیلے کو یہودی کہا جاتا تھا وہ یہودا ابن یعقوب کی نسل سے تھے۔ بہر کیف سارے یہودی بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن سارے بنی اسرائیل یہودی نہیں۔ پھر جب داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ان کی امت بن گیا۔ اور باقی بنی اسرائیل و یہودی ان کے مخالف رہے۔ ان ہی لوگوں نے امت داؤدی کو صابی کہنا شروع کر دیا صابی کا معنیٰ علیحدہ ہو جانے والے چونکہ بنی اسرائیل کی نظر میں یہ لوگ توریت سے ہٹ کر زبور کو ماننے لگے تھے اس لیے ان بنی اسرائیل کفار نے گروہ داؤدی کو صابی کہنا شروع کیا۔ اسی لیے صابی کا معنیٰ بے دین بھی کیا جاتا رہا۔ کہ گویا یہ پرانے دین سے علیحدہ ہو کر بے دین ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا یہ دوسرا نام پڑا۔ پھر فقط یہ دونوں نام حضرت عیسیٰ تک ہی چلتے رہے لیکن ہر شخص خود کو خاندانی نام بنی اسرائیل یا اسرائیلی ہی کہتا رہا۔ یہ دوسرے نام ۱۔ یہودی اور ۲۔ صابی گویا مذہبی نام بن گئے۔ اہل توریت کو یہودی اور اہل زبور کو صابی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کچھ صابی اس وجہ سے فجر کے ستارے کے پجاری بن گئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر روز اس ستارے کے وقت اپنی عبادت شروع کرتے اور تعین وقت کے لیے بار بار وقفے وقفے سے اس کو دیکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے الزام دیا اور تہمت لگائی کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس ستارے کی عبادت کرتے ہیں۔ اس تہمت تراشی کی بنا پر یہ حکایت بھی بن گئی کہ سلیمان علیہ السلام کے کچھ لونڈی غلاموں نے سلیمان علیہ السلام کے محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے چالیس دن تک ستارے کا بت بنا کر عبادت کی مگر سلیمان علیہ السلام کو پتہ نہ لگا۔ اور چالیس دن تک آپ کی سلطنت چھن گئی آپ نے کسی کا بھاڑ جھونکا معاذ اللہ۔ مگر یہ سب بکواسیات اور اسرائیلیاتِ کذب ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر بعض اہل لغت نے صابی کا ترجمہ ستارہ پرست بھی کیا ہے۔ مگر ابتدائی معنیٰ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی اہل زبور۔ اگرچہ یہ لفظ ابتداءً برائی کے لیے رکھا گیا مگر بعد کی نسلوں نے خود بھی اپنے آپ کو صابی کہنا شروع کر دیا۔ جس طرح کہ لفظ یہودا اولاً بدمعاش اور بت پرست قاتل ظالم گروہ کو دیا گیا تھا۔ مگر آج اسرائیلی بڑے فخر سے اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں (از تفاسیر اربعہ۔ کبیر معانی اور یہود فی القرآن۔ انبیاء قرآن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف فرما ہو چکنے کے بعد کچھ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ کے حواری بن گئے۔ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ سے ہر موقعہ پر عرض کیا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔ اس لیے ان کا نام دینی مذہبی نصاریٰ رکھا گیا۔ اب بنی اسرائیل کے چار نام ہو گئے ۱۔ خاندانی نام سب کا مشترکہ۔ بنی اسرائیل۔ ۲۔ اہل توریت یہودی ۳۔ اہل زبور صابی۔ ۴۔ اہل انجیل عیسائی نصاریٰ۔ انگریزی میں ان کو کرسچین اور اردو میں عیسائی کہتے ہیں۔ (از تفسیر نعیمی جلد اول روح البیان مع زیادت)

ہماری یہ تحقیق بین الاقوامی لائبریریوں سے حاصل کردہ ہے۔ اور بلا امتیاز مسلم غیر مسلم سب کے نزدیک مسلّم

ہے۔ مگر مصنف مذکور کو معلوم کیا تکلیف ہے کہ وہ ہر یقینی وتحقیقی بات کا بے دلیل بے حوالہ محض اپنی عقل پر انکار کرتا چلا جاتا ہے اور میری تفتیش کے مطابق یہ شخص بگڑا ہوا دیوبندی ہے۔ یہی نہیں۔ بلکہ ہماری ڈھائی سو سالہ تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر بُرا فرقہ دیوبندیت سے ہی جنم لیتا ہے۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی اولاً دیوبندی تھا دیکھو کتاب حضرت مرزا صاحب کی سوانح عبداللہ چکڑالوی۔ غلام احمد پرویز۔ سید احمد۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق محمد حسین عرشی جو پہلے اہل حدیث غیر مقلد وہابی ہوا پھر دہریہ۔ پھر اہل قرآن منکر حدیث ہوا پھر حسین علی واں بھچراں کا مرید بنا غلام احمد پرویز کی وفات پر اخبار جنگ لندن صـ۳ پر مضمون شائع کیا گیا۔ جو سخت ترین گستاخ دیوبندی وہابی گزرا ہے۔ یہی کچھ حال ہُوا ہے اقبال صاحب سیالکوٹی کا ہے۔ مرحوم نے شروع جوانی میں بہت مذہب بدلے بحوالہ رسالہ فیض الاسلام عرشی نمبر ملوث اسلام اقبال نمبر جنگ اخبار لندن جمعرات ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء مگر حضرت اقبال کا ۱۷ فیصد چھار ہا اور تبدیلی کو ریسرچ کہا جاتا ہے سا اقبال کا کلام۔ تو اقبال نے کہیں بھی ایسی عقائد کی بات نہیں لکھی جس سے عقیدۂ اہلسنت ظاہر ہو یا جو متنازعہ فیہ مسائل میں ان پر کچھ اظہار خیال کیا ہو۔ پوری تفصیل کے لیے ہماری کتاب۔ نظریاتِ اقبال کا مطالعہ فرمایئے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

فتوٰی نمبر ۹ مجبور خاوند کی تحریری اور زبانی طلاق دینے کا بیان وحکم۔ طلاق دینے کے اعتبار سے خاوند کی قسمیں۔ اکراہ کا پورا بیان کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ میں مسمّی زید نے ایک عورت زینب سے نکاح شادی کی اور تقریباً سال بھر بہت راضی خوشی اپنے علیحدہ گھر میں آباد رہے۔ ایک دن ہم دونوں خاوند بیوی گھر میں بہت خوش وخرم بیٹھے تھے کہ ایک بجے دوپہر میری ساس ہمارے گھر آئیں اور ہم دونوں سے کہا کہ آج تم دونوں ہمارے گھر آنا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئیں۔ دو گھنٹے بعد ہم بھی دونوں خوشی خوشی ان کے گھر گئے وہاں بھی کوئی ایسی خاص بات نظر نہ آئی میں تھوڑی دیر بعد اوپر کے کمرے میں جا کر سو گیا۔ میری بیوی نے ہی میرا بستر لگایا اس لیے کہ میں نے رات کام پر جانا تھا اور پچھلی رات بھی کم سویا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے سویا ہوں گا کہ میری بیوی مجھ کو جگانے آئی اور کہا کہ ساتھ والے کمرے میں آؤ میں نے بیوی سے کہا کہ کنڈی بند کر دو اس نے کنڈی بند کر دی تو میں نے اس وقت اپنی بیوی سے صحبت کی اور آدھ گھنٹے یا بیس منٹ بعد میں دوسرے کمرے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں میری سالی میری ساس اور میرے سسر بیٹھے ہیں۔ میرے سسر کے ہاتھ میں ایک سفید کاغذ ہے جس پر تین سطر میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ میرے سسر نے مجھے کہا کہ یہ زینب کا طلاق نامہ ہے تم اس پر دستخط کر کے اپنی بیوی زینب کو طلاق دے دو۔ میں یہ سن کر ایک دم حیران رہ گیا میں نے سمجھا یہ مذاق کر رہے ہیں۔ مگر ان سب کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر میں نے پوچھا کیوں میں اپنی بیوی کو طلاق دوں۔ میری ساس نے بہت غصے سے کہا کہ یہ پھر بتائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں طلاق نہیں دیتا اس پر میرے سسر نے کہا کہ اگر تو نے اس وقت دستخط نہ کیے تو میں چھری سے تجھ کو قتل کر دونگا

اور چھری نکال کر مجھ کو دھمکی دی اور کہا کہ میں خود بھی خودکشی کرلوں گا۔ اس بات پر کافی جھگڑا ہوا اور میں انکار کرتا رہا۔ پھر میرا سسر اپنے ایک پڑوسی خالد کو بلا کرلے آیا۔ خالد نے مجھے کہا کہ تیرے سسر ساس اور تیری بیوی یہ کہتے ہیں کہ تو نامرد ہے۔ اس لیے تو طلاق پر دستخط کردے۔ مگر میں نے دستخط کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں کوئی نامرد نہیں ہوں اس بات کو ساس سسر نہیں سمجھتے البتہ میری بیوی جانتی ہے کہ میں نامرد ہوں یا نہیں۔ میری بیوی نے کہا کہ سب کی مرضی ہے اس لیے تو مجھ کو طلاق دیدے اب میں تیرے گھر نہیں جاسکتی۔ میں یہ سن کر خاموش ہوگیا پھر میرے سانڈو کو میرے سسر نے بھیجا کہ جا امام مسجد کو بلا لا۔ امام مسجد صاحب نے آکر بھی مجھ کو کہا کہ یہ کاغذ ہیں اس پر دستخط کردو کیونکہ تم نامرد ہو اور یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ میں نے امام مسجد کو جواب دیا کہ اگر نکاح ہی صحیح نہیں ہوا تو پھر طلاق کیوں مانگتے ہو۔ تو امام نے جواب دیا کہ تمہارا کیا حرج ہے تم طلاق پر دستخط کردو۔ میں نے کہا کہ طلاق دینے سے حرج نہیں ہوتا تو تم بھی اپنی بیوی کو طلاق دیدو اور میرا سسر اور میرا سانڈو بھی طلاق دیدے تو پھر میں بھی دستخط کردوں گا جس پر میرے سسر نے اور دو آدمی بلالئے انہوں نے آکر مجھ کو گالیاں دینی شروع کردیں پھر میرے سسر اور ساس اور سالی نے بھی مجھ کو گالیاں دینی شروع کردیں اور مارنے قتل کرنے کی دھمکیاں دینی شروع کیں ایک عجیب شور تھا جو برداشت سے باہر تھا۔ ایک آدمی نے مجھ کو جبراً قلم دیا کہ دستخط کر ورنہ بچ کر نہیں جاسکتا اس وقت میری بیوی نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ میں نے آخر میں کہا کہ میری بیوی سے پوچھو کیا میں نامرد ہوں۔ مگر سسر نے کہا کہ تجھے شرم نہیں آئی کہ سب کے سامنے ہم لڑکی سے پوچھیں تو تو بے غیرت ہے تو یہ ہے تو وہ ہے۔ ہم کو سب کچھ معلوم ہوگیا ہے میں نے جان چھڑانے کے بہت بہانے اور وعدے کئے تاکہ اس وقت میں اس مصیبت اور پریشانی سے بچ جاؤں اور میرے دستخط نہ لیے جائیں۔ میں نے کہا اچھا میرا زیور واپس کیا جائے ساس نے کہا کہ ہم کو تیرے زیور کا کچھ پتہ نہیں وہ تیرے گھر تیری بیوی کے پاس ہی ہے اور وہ یہاں لیکر نہیں آئی۔ میں نے سخت پریشانی خوف و ڈر کی حالت میں دستخط کردیئے اور دو گواہوں نے بھی دستخط کئے پھر انہوں نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ اور میں گھر چلا آیا۔ میں نے اپنے منہ سے طلاق کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا اور نہ ہی میں نے وہ طلاق نامہ کو عبارت کو پڑھا۔ صرف آنکھوں سے دیکھ کر دستخط کردئے۔ یہ ایک پلان اور منصوبہ اور سازش تھی جو میرے سانڈو اور اس کے ورغلانے سے میرے سسر اور ساس و سالی نے میرے خلاف تیار کیا۔ میری بیوی کو بھی آخر میں اس میں شامل کیا گیا ورنہ اس سے پہلے کبھی بھی میری بیوی نے مجھ سے لڑائی جھگڑا یا طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی میری نامردی کا کوئی ثبوت پیش کیا گیا۔ نا ہی کبھی میری بیوی نے مجھ کو نامرد کہا۔ بلکہ ایک دو دفعہ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میرا بہنوئی تمہارے سخت خلاف ہے اس سے ذرا بچکر رہنا اور میں تمہارے ساتھ بالکل راضی خوشی ہوں۔ میں کبھی تم کو چھوڑنا نہیں چاہتی میں نے یہ باتیں سن کر ایک ٹیپ بھی بھری تھی جس کا کسی کو پتہ نہیں وہ بھی آپ سن سکتے ہیں۔ مجھ کو میری بیوی نے خوب محبت سے رکھا ہوا تھا۔ اب میں

نے اپنی ڈاکٹری بھی کرالی ہے میرے پاس ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھی ہیں۔ میں نے اپنے سسر کو بھی پیغام بھیجا ہوا ہے کہ اپنی لڑکی کی ڈاکٹری کراؤ تاکہ معلوم ہو کہ کیا اب تک وہ کنواری ہے۔ اور اگر کنواری نہیں ہے تو اس کا کنوار کس نے توڑا ہے۔ یہ میرا حلفیہ باوضو بیان ہے میرے پاس گواہ اور تمام کاغذات نکاح نامہ وغیرہ بھی موجود ہیں۔ آپ مجھ کو شریعت کا فتویٰ عطا فرمائیں کہ کیا یہ طلاق ہو گئی ہے یا نہیں میری بیوی کے خفیہ پیغام بھی مجھ کو ملتے رہتے ہیں کہ وہ میرے پاس آنا چاہتی ہے۔ اور اس سازش کے خلاف روتی رہتی ہے مگر میرے ساس سسر یعنی اپنے والدین سے ڈرتی ہے۔ میرا ساندو اس میری بیوی سے اپنے بھائی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اور ساس سسر کو بہت کچھ لالچ دیا ہوا ہے۔ اس طلاق کے دستخط سے نہ میں راضی ہوں نہ میری بیوی دستخط سائل و گواہان بینوا توجروا۔ ۱۳-۱۰-۸۳

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق میں نے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے اس مندرجہ بالا بیان کے اصل واقعات کا بہت تحقیق و تفتیش سے پتہ کرایا تقریباً سوا مہینے تک چھان بین کی زید اور اس کے گواہان کے حلفیہ بیان لیے ان کی سچائی پر دیگر لوگوں کو بلایا۔ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ۔ نکاح نامہ طلاق نامہ زید کے سسر کا بیان سا امام مسجد مذکور فی السوال کا بیان زید کے ساندو کا بیان۔ اور وہ کاغذ جس پر زید سے جبراً دستخط کرائے گئے۔ زید کے سسر وغیرہ نے تسلیم کیا کہ ہم نے زید کو چھری سے قتل کی دھمکی دے کر دستخط کرائے تھے اپنی لڑکی کی جان چھڑانے کے لیے ایسا کیا۔ اور انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ زید نے زبانی طلاق نہیں دی۔ یہ سب حلفیہ بیان قرآن مجید پر باوضو ہاتھ لگوا کر لیے گئے۔ اس تمام تحقیق و تفتیش سے ثابت ہو گیا کہ زید اپنے بیان میں سچا ہے اور نامرد نہیں نہ کوئی جسمانی کمزوری اس میں موجود ہے بلکہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے بالکل قابل ہے اور پہلے ادا کرتا رہا ہے۔ مخالف فریق اس کو کسی طرح بھی نامرد ثابت نہیں کر سکے۔ اور اس جبری دستخط سے قبل دونوں خاوند بیوی اچھی باسلوک زندگی گزار رہے تھے اور زید کی بیوی بھی گھر آباد کرنا چاہتی تھی میں نے وہ ٹیپ بھی سنی جس میں بیوی نے خانہ آبادی اور اچھی زندگی گزارنے کا وعدہ کیا ہے زید کے سسر نے اپنی لڑکی کی آواز پہچان کر اس بات کی تصدیق کی کہ یہ میری لڑکی اور زید کی بیوی زینب کی ہی آواز ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ زید طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ نہ اس نے اپنی زبان سے طلاق کے لفظ ادا کیے۔ مخالف فریق میں سے کسی نے تحریری بیان دیا کسی نے زبانی کسی نے فون پر مجھ کو تحقیق کا موقع دیا۔ اس لیے یہ فتویٰ بالکل ہر طرح مکمل اور قابلِ عمل ہے۔ اسی تفتیش کے دوران متعلقہ بزرگ نے حلفاً بیان پیش کیا کہ زید کے ساس سسر اور بیوی خود حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہم نے زید سے جبراً طلاق لکھوائی ہے جس میں بیان ہمارا تھا اور صرف دستخط زید سائل کے تھے۔ بیوی کی دبی زبان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نامردی کو صرف طلاق کے لیے آڑ بنایا گیا ہے دیگر گواہان نے بتایا کہ ہم

جب اوپر گئے تو زید کو ہم نے گھبرایا ہوا پایا اور پریشان دیکھا بہت مشکل سے اس سے دستخط کرائے گئے۔ اور زبانی طلاق تو زید نے دی نہ کسی نے کہا۔ لہٰذا فتویٰ دیا جاتا ہے کہ زید کی طرف سے اس کی بیوی زینب کو بالکل طلاق نہیں ہوئی اور زینب بدستور حسب سابق زید کی شرعی بیوی ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ فی السوال طریقہ طلاق کو طلاق بالاکراہ کہتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں اکراہ دو قسم کا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۸ پر ہے۔

وَالْاِکْرَاہُ نَوْعَانِ مُلْجِئٌ وَ غَیْرُ مُلْجِئٍ فَالْمُلْجِئُ ھُوَ الْکَامِلُ بِمَا یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ اَوْ عَضْوِہٖ (الخ) وَغَیْرُ الْمُلْجِئِ ھُوَ الْقَاصِدُ وَ ھُوَ اَنْ یُکْرَہَ بِمَا لَا یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَلَا عَلٰی تَلْفِ عَضْوِہٖ مِنْ اَعْضَائِہٖ کَالْاِکْرَاہِ بِالضَّرْبِ الشَّدِیْدِ اَوِ الْقَیْدِ اَوِ الْحَبْسِ۔ ترجمہ۔ اکراہ یعنی جبر اور دھمکی دو قسم کی ہے ۱ مُلْجِئ ۲ غَیْرُ مُلْجِئ۔ اکراہ ملجی کامل اور سخت دھمکی کا نام ہے جس میں قتل کرنے یا کوئی عضو کاٹنے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے یعنی ظالم یا حقدار مظلوم یا حق ادا کرنے والوں کو کسی چیز پر مجبور کرے اور قتل کی یا اعضاء کاٹنے توڑنے کی شرط دے کہ اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو قتل وغیرہ کر دوں گا۔ اور اکراہ غیر ملجی وہ دھمکی ہے جو قتل وغیرہ سے کم ہو مثلاً سخت مارنے یا قید کرنے یا نظر بند کرنے کی دھمکی۔ پہلی قسم کی دھمکی کو اکراہ شرعی کہا جاتا ہے۔ اور اسلامی قانون میں شرعی اکراہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس قسم کے کامل جبر کی دھمکی سے کوئی کسی خاوند سے طلاق لے تو صرف زبانی منہ کے ادا کرنے سے اور الفاظ طلاق بولنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی زبان سے طلاق۔ یعنی ایسی مجبور خاوند سے زبانی طلاق کہلوانی شرط ہے لکھنا لکھوانا ضروری نہیں۔ اگر ایسا مجبور خاوند زبان سے الفاظ طلاق ادا نہ کرے اور منہ سے اپنی بیوی کا نام لے کر یا سامنے موجود بیوی کی طرف اشارہ کرکے طلاق نہ دے تو چاہے دس دفعہ لکھ دے طلاق واقع نہ ہوگی۔ چنانچہ بہار شریعت حصہ ہشتم ص۸ پر ہے کہ کسی شوہر کو طلاق لکھنے پر کسی نے مجبور کیا خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق لکھ دی مگر نہ دل میں ارادہ ہے نہ زبان سے طلاق کا لفظ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ مجبوری سے مراد شرعی مجبوری ہے اور شرعی مجبوری یہی کامل مجبوری ہے جس کا نام اکراہ ملجی ہے۔ کامل مجبوری کی صورت میں فقہ اسلامی کے ضابطوں کے مطابق تو خاوند اگر طلاق نامے کی پوری عبارت بھی خود لکھ دے یعنی طلاق کے الفاظ۔ تعداد بیوی کا نام اور اپنے دستخط سب کچھ خود اپنے قلم سے ہی لکھ دے تب بھی طلاق نہیں ہوتی۔ صورت مسئولہ میں تو مسائل مذکور زید نے صرف اپنا نام ہی لکھا جب کہ طلاق کے کاغذ پر باقی عبارت کسی اور شخص نے پہلے سے لکھی تھی جیسا کہ مسائل کے بیان اور گواہوں کی گواہی سے ظاہر ہے۔ اس طرح تو بدرجہ اولیٰ طلاق نہیں ہوتی کیونکہ شریعت اسلامیہ کے مطابق طلاق کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ خاوند باہوش ہو اس اپنی مرضی ارادے اور نیت سے زبانی یا تحریری اپنی بیوی کا نام اور تعلق نسبت کے ساتھ طلاق دے تو طلاق ہوتی ہے یا خاوند کو سخت مجبور کیا جائے اور خاوند زبان سے اپنی بیوی کا

نام لے کر یا سامنے بیٹھی کی طرف اشارہ کرکے طلاق دے تو طلاق ہوتی ہے مجبور کی لکھی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ بعد میں اپنی تحریر کو پڑھ بھی لے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۷۹ پر ہے۔

رَجُلٌ اُکْرِہَ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ عَلٰی اَنْ یَکْتُبَ طَلَاقَ اِمْرَاَتِہٖ فُلَانَۃَ بِنْتَ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ فَکَتَبَ۔ اِمْرَاَتُہٗ فُلَانَۃُ بِنْتُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ طَالِقٌ لَا تُطَلَّقُ اِمْرَاَتُہٗ کَذَا فِیْ فَتَاوٰی قَاضِیْ خَان۔ ترجمہ ایک خاوند کو دھمکی دیکر مجبور کیا گیا اور دھمکی غیر معمولی ہے یعنی مار اور نظر بندی کی کہ تو اپنی فلاں بیوی جو فلاں شخص کی بیٹی ہے کو طلاق لکھدے خاوند نے خوف اور گھبراہٹ سے لکھدیا کہ میری فلاں بنت فلاں بیوی کو طلاق ہے تو قانون شرعی سے طلاق نہ ہوگی۔ اور وہ عورت بدستور اسی خاوند کی بیوی رہے گی ہاں البتہ زبانی میری طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار اور اس کی شرح فتاویٰ شامی جلد دوم ص۴۲۵ پر ہے وَیَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ بَالِغٍ عَاقِلٍ وَلَوْ عَبْدًا اَوْ مُکْرَھًا فَاِنَّ طَلَاقَہٗ صَحِیْحٌ (قَوْلُہٗ فَاِنَّ طَلَاقَہٗ صَحِیْحٌ) اَیْ طَلَاقُ الْمُکْرَہِ۔ ترجمہ واقع ہو جاتی ہے ہر عاقل بالغ خاوند کی زبانی منہ سے دی ہوئی طلاق اگرچہ خاوند غلام یا مجبور محبوس ہو۔ یعنی دھمکی سے ڈرائے ہوئے خاوند کی زبانی بولی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ درمختار شامی کی یہ ساری عبارت اور یہ فصل زبانی طلاق کے متعلق ہے اس لیے ہم نے بھی یہاں لفظِ طلاق کا ترجمہ زبانی طلاق ہی کیا ہے کیونکہ اصطلاح شریعت میں عربی گرامر اور نحوی اشتقاق کے صیغے۔ طَالِقٌ طَلِّقْ۔ طَلَّقْتُ یُطَلِّقُ وغیرہ سے مراد زبانی طلاق ہی ہوتی ہے اور شروع اسلام کے زمانوں سے ماضی قریب کے زمانوں تک زبانی طلاق ہی مروج رہی ہے ان زمانوں میں لکھی ہوئی طلاق کا اتنا رواج نہ تھا اسی لیے بعض فقہاء نے تو طلاق بالکتابت یعنی تحریری طلاق کو بالکل تسلیم ہی نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خاوند اپنی رضا خوشی سے بھی صرف لکھ کر طلاق دیدے گا اور زبان سے بالکل طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے تو بھی طلاق قطعاً نہیں ہوتی ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے اور نکاح بالکتابت متفقاً جائز نہیں ہوتا تمام ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اگر کوئی مرد منہ سے نکاح ایجاب یا قبول بالکل نہ کرے صرف کاغذ پر لکھدے کہ میں فلاں عورت سے نکاح کرتا ہوں یا تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور عورت بھی لکھدے کہ مجھ کو قبول ہے منہ سے کچھ نہ بولے گواہ بھی تحریر کو پڑھ لیں دستخط بھی کردیں مگر اس طرح کا یہ نکاح شرعاً صحیح و درست نہ ہوگا۔ تو اس طرح کی طلاق بھی درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ جب خاوند اپنی مرضی و ارادے سے طلاق لکھ کر دے گا تو منہ سے کہے یا نہ کہے طلاق واقع ہو جائے گی چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم ص۴۴۶ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۳۷۸ پر ہے۔ فَصْلٌ فِی الطَّلَاقِ بِالْکِتَابَۃِ اَلْکِتَابَۃُ عَلٰی نَوْعَیْنِ مَرْسُوْمَۃٌ وَغَیْرُ مَرْسُوْمَۃٍ وَاِنْ کَانَتْ مَرْسُوْمَۃً یَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰی اَوْ لَمْ یَنْوِ۔ ترجمہ۔ طلاق

لکھنے کی دو قسمیں ہیں ۱۔ طلاق مرسومہ ایسی لکھائی جو لفظاً باقی رہتی ہو مثلاً سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر لکھنا ۲۔ غیر مرسومہ جس کی لکھائی عادۃً وحقیقتاً باقی نہ رہتی ہو مثلاً پانی پر لکھنا یا ہوا پر لکھنا یا بغیر سیاہی انگلی یا قلم سے لکڑی۔ کاغذ یا دیوار پر لکھنا۔ ان دونوں قسموں کو مستبین اور غیر مستبین بھی کہتے ہیں۔ اگر کسی خاوند نے مرسومہ اور مستبین لکھائی سے اپنی بیوی کی طلاق لکھی تو واقع ہو جائے گی مگر غیر مرسومہ اور غیر مستبین کتابت والی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ایسی طلاقیں لایعنی ہیں۔ ہاں البتہ طلاق بالکتابت مرسومہ غیر قیاسی طلاق ہے لہٰذا اپنے مورد پر قائم رہے گی۔ کیونکہ ہر غیر قیاسی چیز اپنے مورد یعنی قانونِ فرمودہ پر ہی صحیح جاری رہ سکتی ہے چنانچہ علم اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول شاشی ص۲۲ پر ہے وَ الْاِسْتِحْسَانُ یَبْقٰی عَلٰی اَصْلِہٖ ۔ یعنی خلافِ قیاس اپنے مورد پر باقی رہتا ہے اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۱ پر ہے اس قانون سے مرضی کی قلم سے کاغذ وغیرہ پر لکھی ہوئی طلاق تو درست وجائز ہوگی لیکن جبر کی لکھی ہوئی طلاق درست نہ ہوگی اس لیے کہ غیر قیاسی چیز پر کسی کو قیاس نہیں کرسکتے۔ رضامندی کی کتابت کو رضامندی کی زبانی پر قیاس کرسکتے ہیں اس لیے کہ علت یعنی رضا دونوں جگہ موجود ہے۔ مگر مجبوری کی کتابت کو رضامندی کی زبانی طلاق پر قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ علت مشترکہ موجود نہیں ہے حالانکہ قیاس تب ہی درست ہوتا ہے جب علت مشترکہ ہو۔ اسی طرح نورالانوار ص۲۲۸ پر ہے وَفِی الشَّرْعِ تَقْدِیْرُ الْفَرْعِ بِالْاَصْلِ فِی الْحُکْمِ وَ الْعِلَّۃِ ۔ ترجمہ۔ قیاس یہ ہے کسی فرع کو جس پر کوئی واضح آیت یا حدیث یا اجماع نہ آیا ہو اس کو کسی اصل دلیل والی چیز کا حکم لگانا علت اور وجہ ایک ہونے کی بناء پر۔ لہٰذا اس ضابطہ کلیہ کے تحت طلاق کے وقوع کی علت ہے رضا واختیار پس جہاں جہاں اختیار ورضا ہوگی وہاں طلاق درست ہوگی جہاں اختیار ورضا نہ ہوگی وہاں طلاق درست نہ ہوگی۔ اپنی خوشی سے طلاق زبانی میں بھی اختیار ورضا موجود ہے اور اپنی خوشی سے تحریری طلاق میں بھی اختیار ورضا موجود ہے اس لیے یہ لکھی ہوئی رضا والی طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہو کر جائز واقع اور درست ہوگی چنانچہ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص۲۲۷ پر ہے لِاَنَّ الْکِتَابَۃَ اُقِیْمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَۃِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَۃِ ۔ وَلَاحَاجَۃَ ھٰھُنَا ترجمہ۔ یعنی طلاق کی کتابت اور لکھائی صرف خاوند کی ضرورت کی وجہ سے جائز رکھی گئی ہے ورنہ عقل وقیاس کے خلاف ہے کیونکہ طلاق صرف خاوند کی زبان کو ہے نہ کہ قلم کو مگر چونکہ دور دراز سے بھیجنے اور ثبوت کے لیے لکھنے کی حاجت ہے تو بقدرِ حاجت ہی جائز رہے گی اور جب خاوند کو دھمکی دیکر طلاق لکھوائی تو خاوند کی ضرورت سے زیادہ بلکہ علاوہ مرضی کے خلاف کتابتِ طلاق ہوئی جو کسی طرح زبانی طلاق کے درجہ اور مشابہت میں نہیں ہوسکتی اور بلا حاجت ہے لہٰذا مجبور شخص کی فقط لکھی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ جبر کرکے طلاق لکھوانا لغو یا طلاق کی تحریری عبارت پر دستخط لکھوانا بیکار ہے۔ اس لیے سوال مذکورہ میں زید کی طرف سے کوئی طلاق واقع نہ ہوئی مخالفین کی سب محنت بیکار ہوئی زینب مذکورہ اپنے خاوند زید کی حسب سابق بیوی شرعی ہے۔ ہاں البتہ جبراً وقتل کی دھمکی دیکر زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کرانے سے

طلاق بالکل صحیح واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ خاوند کی رضا خوشی یہاں بھی نہیں پائی جاتی اس لیے کہ یہ مسئلہ قیاسی نہیں بلکہ احادیثِ پاک میں صاف صاف جواز و نفاذ اور واقع ہو جانے کا حکم موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ عقلاً بھی چند وجوہ سے مجبور و مقہور خاوند کی زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم صـ۷۹۴ پر ہے وَقَالَ عَلِیٌّ وَكُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ۔ آگے دوسری حدیث پاک اس طرح ہے۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ (الخ) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ اَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلُوْا اَوْ تَكَلَّمْ قَالَ قَتَادَةُ اِذَا طَلَّقَ فِیْ نَفْسِهٖ فَلَيْسَ بِشَیْءٍ اسی طرح نسائی شریف جلد دوم صـ۱۰۴ پر ہے۔ اور اسی طرح ترمذی شریف جلد اول صـ۲۲۶ پر ہے عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ۔ (الخ)

ترجمہ: اور فرمایا مولیٰ علی مشکل کشا شیرِ خدا نے کہ ہر خاوند کی ہر طلاق جائز ہے سوا معتوہ اور مجنون کی طلاق کے اس حدیث پاک سے ثابت ہوا جو عاقل بالغ خاوند اپنی بیوی کو زبان سے کسی حالت میں رضا یا جبر کی صورت میں طلاق دے تو طلاق ہو جاتی ہے چونکہ اس مطلق حدیث نے صرف معتوہ کی طلاق کو مستثنیٰ کیا لہٰذا مجبور کی طلاق درست نافذ ہوگی۔ دوسری حدیث کا ترجمہ ہے روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کو معاف اور درگزر فرمایا جو کسی مسلمان کے فقط نفس سے ظاہر و حادث ہو جب تک کہ وہ شخص اس دلی باطنی چیز پر عمل نہ کرے یا منہ سے نہ بولے فرمایا امام قتادہؓ نے کہ جب کوئی خاوند اپنے باطن سے طلاق دے تو وہ کچھ نہیں ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اصل طلاق زبانی طلاق ہے نہ کہ قلبی یا قلمی۔ ترمذی کی حدیثِ پاک کا ترجمہ روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے مجنون اور پاگل خاوند کے ہر خاوند کی طلاق درست ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ معتوہ میں نابالغ بھی شامل ہے کتاب درایہ کتاب الطلاق صـ۶۶۸ پر ہے حدیث كُلُّ طَلَاقٍ وَاقِعٌ اِلَّا طَلَاقَ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ ترجمہ ہر خاوند کی طلاق واقع ہے سوا بچہ نابالغ خاوند اور مجنون کی۔ آگے دوسری حدیث شریف اس طرح ہے وَرَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَجَازَ طَلَاقَ الْمُكْرَهِ وَعَنِ الشَّعْبِیِّ وَالنَّخْعِیِّ وَاَبِیْ قِلَابَةَ وَالزُّهْرِیِّ وَقَتَادَةَ اَنَّهُمْ اَجَازُوْهُ۔

ترجمہ: اور امام محدث عبدالرزاقؒ نے روایت فرمایا حضرت ابن عمرؓ سے کہ بیشک فقیہ صحابہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجبور کی طلاق کو درست قرار دیا۔ اور امام شعبی اور امام نخعی اور محدث ابی قلابہ اور فقیہ امام زہری اور امام قتادہ بیشک ان سب نے مکرہ یعنی مجبور خاوند کی زبانی طلاق کا جواز فرمایا یعنی درست کہا۔ مثل فتاویٰ بحرالرائق، جلد ہشتم کتاب الاکراہ صـ۷۹ پر ہے اور درایہ صـ۶۶۸ پر ہے۔ رَوَى الْعُقَيْلِیُّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عِمْرَانَ الطَّائِیِّ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانَ نَائِمًا فَقَامَتْ اِمْرَاَتُهٗ فَاَخَذَتْ سِكِّيْنًا فَجَلَسَتْ عَلٰى صَدْرِهٖ فَقَالَتْ لَتُطَلِّقَنِّیْ

ثَلَاثًا اَوْ لَاَذْبَحَنَّكِ فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا قَيْلُوْلَةَ فِي الطَّلَاقِ۔

ترجمہ۔ امام عقیلی سے روایت ہے وہ صفوان بن عمران طائی سے راوی کہ بیشک ایک صحابہ میں سے کوئی مرد سویا ہوا تھا کہ اس کی بیوی چھری لیکر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی کہ مجھ کو تین طلاقیں دے ورنہ ابھی تجھ کو ذبح کر دوں گی اس نے گھبرا کر طلاقیں دیدیں پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر یہ واقعہ عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب طلاق ہو جانے میں تو کوئی بات باقی نہیں رہی۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ مجبور خاوند کی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ جب کہ زبانی طلاق دی ہو۔ حدیث پاک نے زبان اور کلام کی شرط اس لیے لگائی کہ طلاق کی اصل مالک زبان ہی ہے۔ تو جس طرح چیز کا مالک۔ اپنی چیز کو جیسے چاہے استعمال کرے اسی طرح زبان اپنی طلاق کو جیسے چاہے مرضی سے یا مجبوری سے استعمال کرے طلاق ہو جائے گی۔ اور صرف طلاق ہی نہیں بلکہ ہر وہ بات جس کی ملکیت زبان کو ہے جب زبان اس کو بولا ئے گی خواہ رضا سے خواہ جبر سے تو وہ بات درست واقع ہو جائے گی فقہاء کرام نے چودہ[۱۴] چیزوں کو زبان کی ملکیت شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ باتیں خوشی سے کی جائیں یا مجبوری سے بہر کیف واقع ہو جاتی ہیں چنانچہ فتاویٰ شامی جلد دوم صفحہ ۴۲۶ اور فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صفحہ ۲۴۶ پر ہے کہ چودہ[۱۴] چیزیں مجبوری اور دھمکی سے کہ لینے سے بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ۱ طلاق زبانی ۲ نکاح زبانی ۳ رجوع عن طلاق ۴ قسم منعقدہ طلاق وغیرہ کے لیے ۵ عتاق ۶ ظہار ۷ ایلا یعنی بیوی سے علیحدہ رہنے پر بات ۸ عمد کے قتل کا خون معاف کرنا ۹ صدقہ اپنے ذمے واجب کرنا ۱۰ بیوی کا خلع کرنا ۱۱ لامنت ماننا ۱۲ غلام کو مدبر بنانا ۱۳ لونڈی کو ام ولد بنانا ۱۴ ودلیت قبول کرنا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مجبور خاوند کی لفظی اور زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کتابت والی طلاق صرف اس وقت واقع ہوگی جب تین چیزیں اور شرطیں موجود ہوں ۱ خاوند کی اپنی مرضی خوشی نیت ہو کوئی مجبور نہ کرے ۲ کتابت قائم ثابت اور نظر آتی ہو پانی ریت مٹی پر انگلی و بغیر سیاہی لکڑی سے نہ لکھی گئی ہو۔ گویا کہ زبانی طلاق کی مشابہ ہو ۳ طلاق دینے والا طلاق کی اہلیت رکھتا ہو۔ مندرجہ بالا احادیث امام اعظم کی دلیلیں ہیں نیز قیاسی دلیل یہ ہے کہ مجبور خاوند جب سخت جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے زبان سے طلاق ادا کرتا ہے تو اس وقت ہر طرف سے طلاق کی مکمل شرطیں پائی جاتی ہیں کہ اہلیت بھی ہے محلیتِ طلاق بھی ہے اور باطن میں اب خاوند کی نیت بھی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں طلاق دیدوں جان یا اعضاء کا خطرہ بھی ایسا سخت ہے کہ بچنے کا کوئی راستہ نہیں بخلاف اکراہ غیر ملجی کے کہ ایسے نرم اکراہ میں بیچارگی ثابت نہیں ہوتی بعض نے کہا کہ کوئی شخص کسی خاوند کو نظر بند کرنے کی دھمکی دے یا قید کرنے کی یا جس بیجا کی اور خاوند نے فوراً دھمکی سے ڈر کر طلاق دیدی تو طلاقِ مجبوری درست نہ ہوگی چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸۴ اور ابن ماجہ شریف صفحہ ۶۶ جلد اول۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اِغْلَاقٍ۔

ترجمہ۔ اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نظر بند کرنے کی دھمکی والے مجبور خاوند کی طلاق یا ایسے مجبور شخص کا اپنا غلام آزاد کر دینا درست نہیں ہے کیونکہ اغلاق غلق سے بنا ہے اور غلق معنیٰ ہے دروازہ بند کرنا اصطلاحًا اسی کو نظر بندی یا حبس بیجا کہا جاتا ہے۔ اور یہ بہت معمولی اکراہ و دھمکی ہے اس میں خاوند کو صبر کرنا چاہیئے طلاق نہیں دینی چاہیئے اور اگر جلد بازی سے دیدی تو واقع نہ ہوگی۔ اس روایت کی بنا پر۔ دیگر ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مسلک ہے کہ کسی قسم کے مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی نہ طلاق تحریری نہ زبانی لفظی ۔ نہ مجبور ملجی (بیچارہ) نہ مجبور غیر ملجی۔ مگر یہ مسلک صحیح نہیں کیونکہ دلائل بہت کمزور ہیں جیسا کہ اگلی سطور میں بیان کیا جائیگا خلاصہ یہ کہ مجبور خاوند کی طلاقیں تین قسم کی ہیں مسلک حنفی میں دو قسم کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور صرف ایک قسم کی واقع ہو جاتی ہے۔ ۱۔ مجبور کی سخت مجبوری کی حالت میں صرف قلم سے لکھی ہوئی طلاق۔ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا۔ سوالِ مذکورہ میں ایسی ہی طلاق کا ذکر ہے لہٰذا فتویٰ دیا جاتا ہے زید کی مذکورہ طلاق غلط ہے واقع نہیں ہوئی زینب ابھی تک اس کی شرعی و قانونی بیوی ہے۔ ۲۔ معمولی دھمکی سے مجبور خاوند زبانی طلاق دیدے بقول بعض احناف واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اکراہ نہیں پایا گیا اور نہ ہی خاوند کی رضا یہ دونوں صورتیں متفقہ ہیں ۳۔ سخت مجبور اور بیچارہ خاوند انتہائی خوف سے گھبرا کر طلاق زبان سے دیدے۔ یہ صورت مختلف ہے۔ تمام حنفی فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ طلاق ہو جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صفحہ ۲۴۳ وَیَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْ مُکْرَهًا۔ اَیْ وَلَوْ کَانَ الزَّوْجُ مُکْرَهًا عَلٰی اِنْشَاءِ الطَّلَاقِ لَفْظًا خِلَافًا لِلْاَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ۔ ترجمہ ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ خاوند کو دھمکی سے طلاق دینے پر مجبور سخت کیا جائے اور خاوند لفظی طلاق دیدے۔ لیکن یہ مسئلہ باقی تین اماموں کے خلاف ہے ہدایہ اولین صفحہ ۳۳۹ اور ہدایہ آخرین صفحہ ۲۹۳ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْمُکْرَهِ وَاقِعٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ (رح) وَلَنَا اَنَّهٗ قَصَدَ اِیْقَاعَ الطَّلَاقِ فِیْ مَنْکُوْحَتِهٖ فِیْ حَالِ اَهْلِیَّتِهٖ فَلَا یَعْرِیْ عَنْ قَضِیَّتِهٖ ۔ ترجمہ مجبور کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ خلاف ہے امام شافعی کے۔ اور ہماری عقلی و قیاسی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے مجبور ہو کر اپنی منکوحہ بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دینے کا ارادہ کر لیا جب کہ وہ خاوند طلاق دینے کا اہل تھا۔ اس لیے یہ طلاق واقع ہو جانے سے خالی نہیں ہو سکتی گویا کہ اس نے اپنا اختیار اور رضا ظاہر کر دی ہاں البتہ غَیْرُ رَاضٍ بِحُکْمِهٖ ۔ اس کے حکم یعنی واقع ہو جانے سے راضی نہیں تھا مگر خواہش رکاوٹ نہیں بنتی۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۹ اور فتاویٰ عنایہ سوم صفحہ ۳۹ اور فتاویٰ چلپی سوم صفحہ ۳۹ پر ہے۔

وَطَلَاقُ الْمُکْرَهِ وَاقِعٌ وَبِهٖ قَالَ الشَّعْبِیُّ وَالنَّخْعِیُّ وَالثَّوْرِیُّ خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ وَبِقَوْلِهٖ قَالَ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ ———— ترجمہ مجبور خاوند کی طلاق درست واقع ہو جاتی ہے یہی مذہب امام شعبی اور امام نخعی اور ثوری کا ہے۔ امام شافعی امام مالک اور امام احمد کے خلاف ہے۔ آگے لکھتے ہیں وَرَدُّ مُحَمَّدٍ بِاسْنَادِهٖ

عَنْ صَفْوَانِ بْنِ عَمْرٍو الطَّائِیِّ اَنَّ اِمْرَأَةً کَانَتْ تُبْغِضُ زَوْجَهَا وَوَجَدَتْهُ نَائِمًا ۔

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے مضبوط اور پوری اسناد سے یہ حدیث روایت فرمائی کہ زمانہ نبوی میں ایک عورت اپنے خاوند سے سخت ناراض تھی ایک دفعہ اس نے اپنے خاوند کو سوتا ہوا پایا تو چھری لے کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی الخ۔ یہ حدیث دوسرے حوالوں سے ہم نے پہلے بھی نقل کر دی ہے اسی فتاویٰ میں ایک اور حدیث شریف اس طرح منقول ہے ۔

وَرُوِیَ اَیْضًا عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَرْبَعٌ مُبْهَمَاتٌ مُقْفَلَاتٌ لَیْسَ فِیْهِنَّ رَدٌّ اَلنِّکَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ وَالصَّدَقَةُ ۔ ترجمہ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے چار ایسی مُبْہَم اور مجبوری کی چیزیں ہیں جو کسی صورت میں رد نہیں ہو سکتیں۔ نکاح اور طلاق، عتاق۔ اور صدقہ۔ غرضکہ امام اعظم کا مسلک عقلاً نقلاً حدیث و روایت کے دلائل سے انتہائی مضبوط و درست ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں۔ پہلی دلیل۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا طَلَاقَ فِیْ اِغْلَاقٍ قِیْلَ مَعْنَاہُ الْاِغْلَاقِ الْاِکْرَاہُ ۔

اس کی شرح لمعات میں ہے قَوْلُهٗ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیْ اِغْلَاقٍ۔ اَلْاَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ اَخَذُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ وَقَالُوْا لَا یَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ مِنَ الْمُکْرَہِ ترجمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ نہیں ہے طلاق اور نہ غلام آزاد کرنا اغلاق میں الخ۔ اور کہا گیا ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ یعنی مجبور کرنا ہے۔ لمعات نے فرمایا کہ حدیث پاک کا فرمان لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ ۔ اس حدیث پاک سے تینوں ائمہ نے یہ دلیل بنائی ہے کہ مجبور کی طلاق اور عتاق درست نہیں ہوتی۔ یہ تھی امام شافعیؒ وغیرہ تین اماموں کی اپنے مذہب پر بنیادی دلیل

جواب

امام اعظم کی طرف سے حنفی مشائخ و علماء اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ اِغْلَاق کا معنی اکراہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ لغوی ترجمہ ہے دروازہ بند کرنا۔ اِغْلَاق باب افعال کا مصدر ہے غَلْقٌ سے بنا ہے۔ مراد اس سے نظر بند کر دینا۔ جس بیجا کرنا۔ یا دروازے بند کر کے پریشان کرنا اور کسی کام پر آمادہ کرنا یہ طریقہ مجبوری کا بہت معمولی ہوتا ہے اس میں مجبور کو خوف نہیں آتا بلکہ غصہ آتا ہے۔ اور انسان اس گھبراہٹ سے ڈرتا نہیں بلکہ جھنجلا جاتا ہے اسی لیے اہل لغت نے اغلاق کا ترجمہ زبانِ اردو جھنجلانا کیا ہے۔ نیز اس حدیث پاک کی شرح میں تقریباً تمام مشہور و معتبر شارحین نے غضب میں آنا سخت غصے میں ہونا اس کا ترجمہ کیا۔ یہاں تک کہ امام محدث ابو داؤدؒ نے اسی حدیث کے لیے جو باب باندھا ہے اس کا نام ہی بَابٌ فِی الطَّلَاقِ عَلَی الْغَیْظِ ۔ رکھا اور ابو داؤد ص۲۹۸ جلد اول میں لفظ اِغلاق کی شرح کرتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ۔ اَلْغَلَاقُ اَظُنُّهٗ فِی الْغَضَبِ ترجمہ میرے نزدیک اغلاق کا معنی ہے سخت غصہ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ نے اس حدیث پاک کی شرح میں۔

فرمایا کہ اغلاق کا معنی مجبوری نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ کسی کے مجبور کرنے تنگ کرنے ستانے پر خاوند کو سخت غضب وغصہ آئے اور اسی طیش سے دیوانگی اور پاگل پن سوار ہو جائے اور اس خراب حالت میں بیوی کو طلاق دے بیٹھے اس طلاق کا بیان ذکر ہے۔ وہ طلاق نہیں ہوتی۔ ان اقوال سے ثابت ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کا لفظ اغلاق سے اپنے مسلک کی دلیل بنانا ہی غلط ناقص اور کمزور ہے۔ لہٰذا مسلک بھی درست نہ ہوا۔ **دوسری دلیل** قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ اَلْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا۔ (از حوالہ فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۳۹)

ترجمہ۔ آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے تین چیزیں اٹھالی گئی ہیں یعنی اعمال نامہ لکھنے والا قلم اٹھالیا گیا ۱۔ غلطی پر ۲۔ بھول پر ۳۔ اور جس پر کوئی مسلمان مجبور کیا جائے۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ **جواب** ۔ یہ بھی ائمہ ثلاثہ کی دوسری منقول دلیل فتاویٰ فتح القدیر نے ص۳۹ پر اس کا جواب دیا کہ وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی اِنَّ حُکْمَ الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الْمُؤَاخَذَۃُ (وصواب) ترجمہ اس حدیث پاک میں آخرت کا ذکر ہے نہ کہ دنیا کا اور معنی یہ ہے کہ رفع یعنی کراماً کاتبین نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا قلم اٹھالیا گیا ہے کل قیامت میں بھول چوک خطا اور اکراہ سے جو کام سرزد ہو جائیں ان پر عذاب نہ ہوگا۔ اور اُسْتُکْرِھُوْا۔ کا معنی کہ مردار خوری اور کفر پر مجبوری سے اگر کوئی یہ گناہ کرلے تو قیامت میں اس پر پکڑ نہیں اسی کو دوسری احادیث میں مرفوع القلم فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث پاک کا تعلق طلاق سے نہیں ہے۔ طلاق شریعت کی چیز ہے اور شرعی قانون دنیا میں جاری ہے نہ کہ آخرت میں ثابت ہوا کہ یہ دلیل بھی کمزور ہے ائمہ ثلاثہ کے دلائل اپنے اس مسئلے پر صرف دو حدیثیں ہی ہیں۔ اس کے علاوہ قیاسی دلائل ہیں۔ **تیسری دلیل** ۔ ہدایہ اولین ص۳۲۹ پر ھُوَ یَقُوْلُ اِنَّ الْاِکْرَاہَ لَا یُجَامِعُ الْاِخْتِیَارَ۔ ترجمہ۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ ثلاثہ دلیل دیتے ہیں کہ اکراہ اور اختیار جمع نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا مجبور کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کے وقوع میں خاوند کا اختیار ضروری ہے **جواب** ۔ یہ دلیل بھی نہایت کمزور ہے کیونکہ جب خاوند نے زبان کھولی اور الفاظِ طلاق ادا کئے تو اختیار پالیا گیا زبان پر تو اس کا اپنا اختیار قائم ہے بولے یا نہ بولے اپنی جان بچانے کے لیے اگر نرم اور سہولت والا راستہ کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ارادہ و اختیار ہے۔ اب یہ اسی کی مثل ہوگا جب وہ اپنی خوشی سے دیتا۔ اسی طرح فتاویٰ فتح القدیر ص۳۹ سوم میں ہے۔ ان تمام استدلالی عبارت سے ثابت ہوگیا ائمہ ثلاثہ کے استدلال و قیاسات سب کمزور اور ناقابلِ قبول ہیں۔ لمعات میں ص۲۸۳ پر باب الطلاق والخلع میں حنفی قیاسی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَمَّا عِنْدَنَا فَیَصِحُّ قِیَاسًا عَلٰی صِحَّتِھَا عِنْدَ الْھَزْلِ وَالْاَصْلُ عِنْدَنَا اِنَّ کُلَّ عَقْدٍ لَا یَحْتَمِلُ الْفَسْخَ فَالْاِکْرَاہُ لَا یَمْنَعُ نَفَاذَہٗ وَکَذٰلِکَ کُلُّ مَا یَنْفُذُ مَعَ الْھَزْلِ یَنْفُذُ مَعَ الْاِکْرَاہِ ۔ ترجمہ۔ لیکن ہم احناف کے نزدیک مجبور کی طلاق اس قیاس کے مطابق بھی صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ وہ طلاق۔ متفقہ طور پر سب ائمہ مجتہدین کے نزدیک ہنسی مذاق میں دی ہوئی طلاق بھی صحیح واقع ہو جاتی ہے اور قانونِ طلاق ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ عقد جو فسخ اور تبدیل ہونے کا احتمال اور گنجائش نہ رکھے تو وہ عقد مجبوری میں بھی درست واقع ہو

جائے گا پس چونکہ ہر طلاق بھی ایسا ہی عقد ہے لہٰذا اس میں مجبوری درست ہونے میں رکاوٹ نہ بنے گی اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جو چیز مذاق سے صحیح ہو جاتی ہے وہ مجبوری سے بھی درست ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ نے کتنا عجیب اور کمزور مسئلہ بنا ڈالا کہ مذاق کی طلاق تو درست ہے اور مجبور کی طلاق غلط ہے حالانکہ بات دونوں میں ایک جیسی کہ نہ مذاق کی طلاق سے خاوند راضی ہے نہ جبر کی طلاق سے اور الفاظِ طلاق بولنے کا اختیار دونوں جگہ موجود ہے نہ معلوم ان بزرگوں نے ان دونوں طلاقوں کو حکماً کیوں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ بہر حال ائمہ ثلاثہ کا یہ مسئلہ احادیث کے بھی خلاف ہے اور عقل وقیاس اور ضابطہ شرعیہ کے بھی مزید حیرانی یہ کہ مجبور کی طلاق کی بھی یہ بزرگ ثلاثہ دو طرح بلا دلیل تقسیم فرماتے ہیں چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر میں امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک بایں الفاظ درج ہے جلد سوم صـ ۳۹ پر خِلاَفًا لِلشَّافِعِي وَبِقَوْلِهِ قَالَ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ فِيْهِمَا اِذَا كَانَ الْاِكْرَاهُ بِغَيْرِ حَقٍّ لَا يَصِحُّ طَلَاقُهُ وَلَا خُلْعُهُ (الخ)

ترجمہ۔ مجبور کی طلاق میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ حنفی مسلک کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کسی خاوند کو بغیر حق کے بیوی کی طلاق پر مجبور کیا جائے تو خاوند مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی ور خلع کی مجبوری طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی اس عبارت نے اقتضاءً ثابت کر دیا کہ ان ائمہ ثلاثہ نے اکراہ کی دو قسمیں کر کے اپنا مسلک بچایا۔ ۱؎ اکراہ اور مجبوری بغیر حق ۲؎ اکراہ حق والا۔ گویا کہ اگر کوئی حقدار شخص خاوند کو بیوی کی طلاق پر مجبور کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی طلاق درست ہوگی۔ یہ تقسیم کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ خود ساختہ ہے جو مسلک کی کمزوری کی نشانی ہے۔ اس تقسیم سے ائمہ ثلاثہ کے یہ قیاسی دلائل ٹوٹ جاتے ہیں کہ انہوں نے اکراہ سے اختیار ختم ہو جانے کو طلاقِ مجبور بہ اکراہ کے نہ صحیح ہونے کی دلیل بنایا ہے کیونکہ یہ عدمِ اختیار تو دونوں جگہ اکراہ بغیر حق اور اکراہِ حق میں مفقود ہیں۔ اب مخالفینِ احناف کے پاس بجز اس کے کوئی راستہ نہیں کہ یا اپنی اس عقلی دلیل کو غلط قرار دیں یا اپنی اس تقسیم کو ختم کریں اور یا امامِ اعظم کے مسلک کو مان لیں یہ بات روزِ روشن کی طرح حقیقت واضح ہے کہ امام اعظم کے پورے مسلک اور تمام اجتہادی مسائل کی تین خصوصی شانیں ایسی ہیں کہ جس نے مسلکِ امام اعظم کو مقبولِ بارگاہِ الٰہیہ ہونے کے علاوہ عالمگیر اور ہر ایک مسلمان کے لیے تا قیامت ہر دور میں انتہائی باسہولت قابلِ عمل بنا دیا ہے۔ اور مخالفین بھی اپنی ضروریات اور مشکلات میں امام اعظم کے مسائل کا سہارا لیتے ہیں ۱؎ پہلی خصوصی شان امام ابو حنیفہ کے اکثر مسائل حدیث وقرآن کی واضح نصوص سے ثابت ہیں۔ ۲؎ دوسری خصوصی شان امام اعظمؒ منشاء آیت واحادیث کے عین مطابق استنباط فرماتے ہیں گویا کہ آپ رمز شناس قرآن وحدیث ہیں ۳؎ تیسری خصوصی شان امام صاحبؒ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے قواعدِ کلیہ اور ضابطے مقرر اور ثابت ومعین فرماتے ہیں جو مخالفین کو بھی مسلم ہیں۔ اس کے باوجود جزئیات میں مخالفت کر دیتے ہیں واسی بناء پر غلبہ استدلالی مسلکِ حنفیہ کو حاصل ہو جاتا ہے اور مخالفین کو اپنا مسلک بچانے کے لیے بیجا قیود وتقسیم کرنی پڑتی ہے دیگر مسائل کے علاوہ اس طلاق مجبور کے مسئلہ میں بھی امام اعظم کی طرف سے بہترین ضابطہ بیان

فرمایا گیا۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب نور الانوار ص ۳۱۵ پر ہے۔ کہ دنیا جہان میں صرف تین قسم کے کام ہیں اور ان ہی پر کوئی جابر کسی کو مجبور کر سکتا ہے نمبر ۱ ایسے کام جس میں مجبور انسان جابر کا آلۂ کار بن جائے جیسے قتل توڑ پھوڑ وغیرہ اس کے لیے شرعی ضابطہ یہ ہے کہ اگر مجبور ہو کر کوئی یہ کام کرلے تو دنیا و آخرت میں سزا و عذاب جابر کو ہوگا نہ کہ مجبور کو نمبر ۲ ایسے کام جس میں آلۂ کار نہیں بن سکتا جیسے زبان سے بات یا کھانا پینا۔ کہ کوئی بھی شخص کسی بھی حالت جبر یا رضا میں اپنی ہی زبان سے بات کر سکتا ہے اور اپنے ہی منہ سے کھا سکتا ہے پی سکتا ہے اپنی بات اپنا کھانا پینا کسی دوسرے کے منہ سے ناممکن ہے۔ بخلاف قتل کے کہ وہ بغیر آلے کے نہیں ہو سکتا تو جس طرح تلوار آلہ بنجاتی ہے دوسرا انسان بھی مجبور کر کے آلہ بنایا جا سکتا ہے اس قسم کے افعال کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ اس کام میں رضاء غیر کا دخل نہ ہو۔ طلاق۔ عتاق۔ رجوع۔ معافی دینا۔ قسم کھانا۔ منت ماننا۔ بیوی سے ظہار کرنا بیوی سے ایلاء کرنا وغیرہ ان جیسے افعال کا حکم شرعی یہ ہے کہ فسخ نہیں ہو سکتے نمبر ۳ ایسے کام جن میں رضاء غیر کا دخل ہو جیسے خرید و فروخت۔ کرایہ۔ نکاح وغیرہ ان کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ فسخ ہو سکتے ہیں یعنی اگر جبر ملجی کر کے کوئی بیع شرا کرالے تو مجبور بعد میں فسخ کر سکتا ہے۔ لیکن مجبور کی طلاق وغیرہ بعد میں فسخ نہیں ہو سکتی جب افعال کی یہ تقسیم ذہن نشین ہو گئی تو اسی کے تحت معینہ ضابطہ اس طرح ہے کہ جب کسی شخص کا اختیار بھی ختم ہو جائے اور ملکیت و اہلیت بھی تو اس کے کسی قول کو شرعاً درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی ضابطے کے تحت ہر خاوند کی طلاق کے واقع اور نہ واقع ہونے کا دار و مدار ہے بچہ اور پاگل کی طلاق اسی لیے نہیں واقع ہوتی کہ اہلیت نہیں ہوتی سوئے ہوئے اور بیہوش کی طلاق اس لیے نہیں ہوتی کہ وہاں اختیار بالکل ختم ہے نکاح سے پہلے یا کسی بھی دوسری غیر عورت کو طلاق نہیں ہوتی کہ اہلیت و ملکیت نہیں ہوتی طلاق کے لیے تین چیزیں ضروری نمبر ۱ ملکیت نمبر ۲ اہلیت نمبر ۳ اختیار۔ ان تین چیزوں کے لیے تین چیزیں شرط ہیں نمبر ۱ ملکیت کے لیے نکاح نمبر ۲ اہلیت کے لیے بلوغت نمبر ۳ اختیار کے لیے عقل و ہوش۔ امام اعظم نے یہ قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا اور تمام ائمہ نے اس کو تسلیم کیا یہ قاعدہ احادیث و آیت سے مستنبط کیا گیا۔ اسی لیے ائمہ ثلاثہ بچہ اور غیر خاوند اور مجنون بیہوش اور سوئے ہوئے کی طلاق کو درست تسلیم نہیں کرتے یہ مسئلہ متفقہ ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ اس شرعی ضابطے کے تحت جس خاوند میں یہ تین چیزیں اور تین حالتیں پائی جائیں گی اس کی طلاق بہر صورت درست واقع ہوگی خواہ خاوند مجبور ہو یا راضی ہو یا مذاق کرنے والا ہو۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ جو چیز جس کی وجہ سے پائی جائے گی اسی کے ختم ہونے سے ختم ہوگی۔ مثلاً خاوند کو طلاق کی ملکیت ملی نکاح سے اہلیت ملی بلوغت سے اختیار ملا عقل و ہوش سے۔ تو نکاح۔ بلوغت۔ عقل و ہوش کے نہ ہونے سے ہی یہ چیزیں ختم ہوں گی۔ مجبور ملجی خاوند میں نکاح بھی ہے بلوغت بھی ہے عقل و ہوش بھی ہے۔ اس لیے اس کی طلاق زبانی واقع ہو جائے گی۔ لیکن تحریری واقع نہ ہوگی اس لیے کہ ملکیت طلاق خاوند کی زبان و قلب کو ملی ہے نہ کہ قلم کو۔ مجبور خاوند کی قلبی رضا تو پہلے ہی نہیں ہے جب خاوند نے زبان سے بھی طلاق ادا نہ کی تو اس نے اپنی ملکیت کو بالکل استعمال نہیں کیا اس وجہ سے تحریری طلاق مجبوری

کی نہیں ہوتی۔ لیکن تحریری طلاق رضا خوشی میں ہو جاتی ہے اس لیے کہ خاوند نے اپنے دل کی ملکیت استعمال کر کے طلاق دی جو قلم سے ظاہر ہوئی اور طلاق نامہ لفظوں کی شکل میں بطور گواہ موجود رہا۔ یہی وہ کلیات ہیں جن کو تین ائمہ نے نہ سمجھا اور غلط مسئلہ بنا لیا۔ مرضی سے طلاق دینے والے اور مجبوری سے طلاق دیتے والے خاوند کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ مرضی میں اختیار صحیح ہوتا ہے اور مجبوری میں مجبور کا اختیار فاسد ہوتا ہے وہاں جابر کا اختیار صحیح ہوتا ہے اس ضابطے کی تین شقیں ہیں پہلی یہ کہ امام اعظم کے نزدیک ایسے جبریہ کام ہیں جس میں مجبور آلۂ جابر بن جاتا ہے مثلاً قتل وغیرہ شرعاً قاتو نا صرف جابر و ظالم کو سزا ملے گی نہ کہ مجبور کو کیونکہ آلۂ قتل کو سزا نہیں دی جاتی۔ یہاں بھی امام صاحب کا مسلک قوی ہے دیگر ائمہ غلطی کر گئے۔ اس لیے کہ مجبور کے فاسد اختیار سے جابر کا صحیح اختیار عارض و لاحق ہو گا۔ اور یہ سب مانتے ہیں کہ جب ایسا ہو تو مجبور کا کام جابر کی طرف منسوب ہو گا جیسے کہ تلوار کا کام یا سدھائے ہوئے جانور کا کام مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے[2] اور اگر جابر نے مجبور کو ایسے کام پر آمادہ و حکم کیا جس میں مجبور آلہ کار نہیں بنتا۔ مثلاً کوئی بات کرنا یا کسی چیز کو کھانا یا پینا تو مجبور کا یہ فعل کر لینا مجبور کے فاسد اختیار کی طرف ہی منسوب ہو گا۔ نہ کہ جابر کے صحیح اختیار کی طرف اس لیے کہ اقوال اور کھانا پینا وغیرہ ایسے کام ہیں۔ جو اپنے ہی منہ سے ہو سکتے ہیں کسی غیر کے منہ سے نہ متکلم بات کر سکتا ہے نہ کچھ کھا پی سکتا ہے۔ اس بنا پر یہ کام مجبور پر نافذ ہوں گے۔ اگر سزا کے قابل ہوں گے تو سزا بھی مجبور کو ملے گی نہ کہ جابر کو اس کو صرف جبر کی تعزیر مل سکتی ہے کہ تو نے جبر کیوں کیا۔ اور پوچھا جائے گا۔ اس فعل کا تعلق جابر سے نہیں ہو گا طلاق بھی اقوال میں شامل لہٰذا مجبور کی طلاق مجبور پر نافذ ہو گی یا نافذ ہونے کی کوئی وجہ نہیں نہ کوئی دلیل تاہم ائمہ ثلاثہ نے اس ضابطے کو مانتے ہوئے حدیث اغلاق کو دلیل بنایا اس کے دو جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ بعض نے اس کو اکراہ ملجی وغیرہ ملجی کی وجہ سے تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ غیر ملجی ہونے کی صورت میں یہ حدیث کا فرمان ہے نہ کہ ملجی کے لیے۔ اغلاق کو انہوں نے لغوی ترجمے کی بنا پر غیر ملجی قرار دیا ان کا یہی مسلک ہے کہ غیر ملجی کی طلاق جبریہ زبانیہ واقع نہیں ہوتی۔ ہم نے یہ جواب دیا ہے کہ اغلاق کا معنی ہے انتہائی غصہ پریشانی کی حالت جس میں انسان کی عقل شل دروازہ بند ہو جائے کام نہ کرے خواہ سبب اس کا اکراہ غیر ملجی ہو یا اور کوئی غم غصہ۔ ثابت ہوا ائمہ ثلاثہ کی یہ دلیل اس مضبوط ضابطہ کے مقابل درست نہیں اور مجبور کی طلاق واقع ہو گی۔ اسی ضابطے کی بنا پر مذاق اور خطا غلطی اور بھول چوک نسیان کی طلاق ہے[3] جو کام نہ فسخ ہو سکے نہ اس میں کسی غیر کی رضا کا دخل ہو نہ کسی دوسرے کی قبولیت پر موقوف ہو تو وہ کام بھی مجبوری و مقہوری میں کر لینے سے صحیح درست واقع ہو جائے گا۔ مثلاً طلاق۔ عتاق۔ رجوع وغیرہ کہ اس میں کسی غیر کی رضا کا دخل نہیں نہ اس میں ایجاب قبول ہوتا ہے لہٰذا جب کسی مجبور نے یہ کام کر لئے تو صحیح نافذ اور واقع ہو جائیں گے۔ لیکن وہ کام جس میں غیر کی رضا کا دخل ہے اور ایجاب و قبول سے مکمل ہوتا ہے وہ فسخ ہو سکتے ہیں جیسے خرید و فروخت نکاح وغیرہ اگر ایسے کام مجبور نے کر لئے تو فاسد طریقے سے منعقد ہو جائیں گے لیکن نفاذ موقوف رہے گا۔ اگر مجبوری ختم ہونے کے بعد مجبور نے فسخ کر دے تو ختم ہو جائیں گے

اگر باقی رکھے تو نافذ ہو جائیں گے یہ تھے وہ ضابطے جن کی بنا پر حنفی مسلک میں مجبورؔ۔ ہازلؔ۔ خاطیؔ۔ فاسیؔ۔ راضی خاوندؔ کی طلاق لفظی درست واقع ہو جاتی ہے اور نابالغؔ۔ مجنونؔ۔ مدہوشؔ۔ نائمی۔ کی لفظی و تحریری طلاق نہیں واقع ہوتی اور مجبور وغیرہ خاوند کی صرف تحریری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن راضی خاوند کی تحریری بھی اور زبانی لفظی بھی درست واقع ہو جاتی ہے۔ **علم اصول فقہ میں مجبوری کی تین قسمیں۔** **پہلی۔** اکراہ ملجی۔ جس میں مجبور کو سخت طریقے سے ڈرا کر جان یا اعضا کاٹنے توڑنے کی دھمکی دی جائے اور مجبور شخص بالکل ہی بیچارہ بن جائے۔ **دوم۔** اکراہ غیر ملجی۔ جس میں مجبور کو قید۔ نظر بند۔ یا جس بیجا کی دھمکی دی جائے اور کسی کام پر جبر کیا جائے۔ **سوم۔** اکراہ غمگین۔ جس میں مجبور کو اس کے والدین یا بیوی بیٹا یا بھائی کے قید و ایذا کی دھمکی دی جائے پہلی صورت میں رضا معدوم اور اختیار باقی مگر فاسد۔ دوسری صورت میں رضا معدوم اختیار باقی مگر پریشانی اور خوف نہیں ہوتا بلکہ غصہ ہوتا ہے صبر کر لیا جاتا ہے۔ تیسری صورت میں رضا بھی باقی اختیار صحیح بھی باقی نہ خوف نہ پریشانی صرف غم ہوتا ہے۔ اکراہ کو ان تینوں قسموں سے مجبور کی ملکیت۔ اہلیت۔ اور نسبت اختیار و خطاب ختم نہیں ہوتے کیونکہ ان چیزوں کا وجود نکاح۔ بلوغت اور عقل و ہوش پر ہے۔

مجبوری کے شرعی احکام۔ قانون شریعت کے مطابق جب کوئی شخص کسی طرف سے سخت الجائی اور بیچارگی والی دھمکی سے مجبور کیا جائے تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے کام کو کر لینا فرض ہے اگر مجبور آدمی نہ کرے گا اور ہلاک ہو جائے اعضا کٹوالے تو گناہ گار ہے کہ اس نے شریعت کے خلاف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ مثلاً کوئی شخص مردار کھانے شراب پینے پر قتل کی دھمکی سے مجبور کیا گیا تو مجبور پر فرض ہے مردار کھالے اگر نہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا اور اگر ہلاک کر دیا گیا تو آخرت میں عذاب بھی ہوگا۔ **دوم۔** یہ کہ مجبور کے لیے مجبوری والا کام کر لینا جائز و حلال ہے فرض یا لازم نہیں اگر نہ کرے اور ہلاک ہو جائے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ کسی مقیم سے رمضان کے مہینے میں روزہ تڑوانے پر جبر کرنا۔ اگر مجبور روزہ توڑ دے تو اس کے لیے حلال و جائز ہے اگر نہ توڑے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔ **سوم۔** یہ کہ مجبور کو مجبوری والا کام کرنے کی رخصت ہو۔ مثلاً کلمہ کفر بکنے پر قتل وغیرہ کی دھمکی سے مجبور کرنا۔ تو اگر اکراہ ملجی ہے اور دل ایمان سے بھرا ہوا ہے مطمئن ہے تو جان بچانے کے لیے کفر بکنے کی رخصت و اجازت ہے اگر کفر نہ بولے اور ہلاک کر دیا جائے تو گناہ گار قابل عذاب نہ ہوگا بلکہ بہت بڑا ثواب ملے گا۔ **چہارم** یہ کہ مجبوری والے کام پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اگر مجبور ہو کر وہ کام کر لے تو گناہ گار قابل عذاب بھی اور شرعی قانونی مجرم قابل سزا بھی۔ جان جاتی ہے تو جانے دے خود کو ہلاک کروالے۔ مثلاً کسی دوسرے آدمی کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا یا آگ لگانے یا زنا کرنے پر مجبور کیا گیا تو ہرگز نہ کرے شہید ہو جائے۔ کرنا قطعاً حرام ہی رہے گا۔ اباحت اور رخصت میں۔

فرق۔ ظاہراً یہ دونوں لفظ جواز اور اجازت کے لحاظ سے ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ اباحت سے اس کام کی حرمت مجبوری سخت یعنی اکراہ ملجی کے وقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام اتنی دیر کے لیے

حلال وجائز ہو جاتا ہے جتنی دیر جابر کا جبر و ظلم اور دھمکی موجود رہے۔ رخصت میں یہ بات نہیں بلکہ وہ کام بدستور حسب سابق حرام ہی رہتا ہے ایک لمحے کے لیے بھی حلال یا تھوڑا سا بھی جائز نہیں مگر مجبور پر جان کے خطرے کے وقت کر لینے سے گناہ و عذاب نہیں ہوتا۔ حرمت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ **اباحت کی قسمیں**۔ بعض علما فقہا نے اباحت کے اس مندرجہ بالا فرق کو مدِ نظر نہ رکھتے ہوئے فرمایا کہ اباحت بذاتِ خود کوئی حکم نہیں کوئی حالت یا کیفیتِ جداگانہ نہیں ہے بلکہ فرض و رخصت کا نام ہی اباحت ہے۔ اس لئے وہ اباحت کی دو قسمیں کر دیتے ہیں ۱۔ اباحت **فی الفرض**۔ کہ مجبور کو وہ کام کر لینا فرض اور ضروری جائز لازم ہے۔ ایسے موقعہ پر صبر کرنا اور ہلاک ہونا گناہ ہے۔ جیسے اکراہِ ملجی میں مردار کھالینا۔ یا مسافر کو ماہ رمضان شریف میں روزہ جبرالجائی سے تڑوانا۔ تو اس مجبور مسافر کے لیے روزہ توڑنا مباح فرضی ہے ۲۔ اباحت فی الرخصت۔ کہ مجبوری والے کام کو نہ کرنا صبر کر لینا ہلاک ہو جانا گناہ نہیں بلکہ صبر جمیل اور ثواب عظیم ہے جیسے کہ کلمہ کفر پر اکراہ ملجی یا جیسے مقیم کا ادائی روزہ ماہ رمضان میں تڑوانا۔ خلاصہ یہ کہ جبر و رضا کی حالتیں مختلف ہیں اور خاوند طلاق کے اعتبار سے گیارہ قسم کے ہیں۔ راضی۔ ناسی۔ خاطی۔ نائمی۔ ہازل۔ بالغ۔ نابالغ۔ مجبور۔ مدہوش۔ مجنون۔ مسکر۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ۲۱/۳/۸۸

الجواب

فتویٰ نمبر ۱ — **طلاق بالوکالت کا بیان**

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ آج سے چند سال پیشتر ایک شخص خالد نے ایک عورت ہندہ سے نکاح کیا سات ماہ تقریباً اچھی طرح آباد رہے پھر خاوند نے بیوی سے لڑنا جھگڑنا مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ دو دفعہ گھر سے نکالا تو محلے والوں کی مداخلت سے بیوی کو پھر گھر میں بھیجا گیا یہ لڑائی جھگڑا تقریباً تین سال چلتا رہا آخر کار بیوی اور اس کے رشتے داروں نے تنگ آکر برطانیہ لندن کورٹ میں دعویٰ کر دیا۔ کورٹ نے خاوند کو بھی بلایا سمجھایا اور کہا کہ اگر تمہاری آپس میں صحیح طور پر عدالتی تحریری صلح نہ ہوگی تو تم کو علیحدہ کر کے بیوی کو طلاق دیدی جائے گی۔ اس پر خاوند نے کورٹ کو لکھ کر دیا کہ تم جو چاہو فیصلہ کرو مجھ کو منظور ہے اگر تم طلاق دے دو تو بھی مجھ کو منظور ہے۔ بعد اس کے عدالت نے ایک ماہ انتظار کر کے ہندہ کا نکاح فسخ کر دیا اور فیصلے پر لکھ دیا کہ عدالت نے ہندہ کو اس کے خاوند خالد کی مرضی کے مطابق ڈائیوورس یعنی طلاق دیدی ہے۔ اس فیصلے کے چار ماہ بعد خاوند تو مذکور خالد اپنے کچھ رشتے داروں کے ساتھ بیوی کے گھر گیا اور کہا کہ میں تجھ کو پھر آباد کرنا چاہتا ہوں مجھ سے پہلے بہت غلطیاں ہوئیں اب میں معافی چاہتا ہوں آئندہ ایسا نہ ہوگا اور بہت عزت سہولت سے رکھوں گا۔ بیوی

ہندہ نے جواب دیا کہ مجھ کو تیری طرف سے عدالتی طلاق ہوگئی ہے اور میری عدت بھی گزر گئی ہے اب تو میں تیرے پاس آباد نہیں ہوسکتی خاوند نے کہا کہ دوبارہ نکاح تو ہوسکتا ہے۔ مگر بیوی نے انکار کیا اور خاوند اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ ایک ہفتہ بعد پھر آیا اور کہا کہ میں نے ایک امام صاحب سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی لہٰذا تو میری شرعی بیوی ہے اور میں تجھ کو آباد ضرور کروں گا۔ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں بھی علماء کرام سے پوچھ لوں پھر بتاؤں گی۔ لہٰذا عرض ہے کہ ہم کو شرعی تحریری فتویٰ دیا جائے کہ وہ عدالت کی پوری کاروائی اور فیصلہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق طلاق اور صحیح قسم کا فسخِ نکاح بنتا ہے یا نہیں۔ اور کیا ہندہ اب خالد کی شرعی اسلامی بیوی ہے یا نہیں۔ عدالت کا فیصلہ اور گواہوں کے بیان خاوند مذکور کا وہ تحریری بیان جو کورٹ میں اس نے لکھ کر دیا بیوی کا حلفیہ بیان اور چند حنفی وہ فتویٰ جو خاوند نے کہیں سے حاصل کیا سب کچھ حاضرِ خدمت ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

۱۰/۹/۸۵

دستخط سائل وگواہان وغیرہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے حتّی المقدور بہت تحقیق و تفتیش کی گئی تمام کاغذات کورٹ کا فیصلہ مدعیہ کی درخواست مدعیٰ علیہ خاوند مذکور کا نکاح فارم دیگر خطوط سے انگریزی دستخط کو اس دستخط سے مشابہ و مماثل پایا جو خاوند نے کورٹ میں کئے ہیں کورٹ کے تمام نوٹس سمن کا غذات اور ہر دو فریق کی حاضری کے کاغذات گواہوں کے بیانات انگریزی کاغذات کئی دفعہ پڑھوا کر سنے خود بھی انگریزی خطوط کے نشاندہی والے الفاظ پر غور کیا تمام غور و فکر تحقیق و تفتیش کے بعد، یہ شرعی فتویٰ جاری کیا جاتا ہے کہ خاوند مذکور کی طرف سے اس کی بیوی مدعیہ کو ایک طلاق رجعیہ صریحیہ واقع ہوگئی ہے اور اس ایک طلاق سے مطلقہ ہندہ بیگم اپنی عدت بھی گزار چکی ہے جیسا کہ طلاقنامہ عدالتی پر تاریخ سے ظاہر ہے خاوند مذکور جس وقت اپنی اس بیوی کے پاس صلح کے لیے آیا اس وقت مطلقہ کی عدت گزر چکی تھی۔ اس لیے خاوند مذکورہ کا بعد از وقت چار ماہ بعد صلح کے لیے آنا رجوع نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اور عدالت کا یہ فیصلہ طلاق شریعتِ اسلامیہ درست قرار دیتی ہے۔ اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق خود طلاق تو یہ ہر قسم کی ہے مگر طلاق دینے کی چار قسمیں و صورتیں و طریقے ہیں ۱؎ طلاقِ اصالۃً۔ کہ خاوند خود اپنے منہ سے اپنی بیوی منکوحہ کو نام لیکر یا اشارہ کرکے زبانی الفاظ سے صاف صاف طلاق دے ۲؎ طلاق قِرسالۃً۔ خاوند کسی قاصد کو بھیج کر طلاق دینے کا پیغام پہنچا دے ۳؎ طلاق کتابتاً کہ خاوند لکھ کر طلاق کسی ذریعے سے بھیج دے ۴؎ طلاقِ وکالۃً۔ کہ خاوند اپنی بیوی کی طلاق واقع و جاری کرنے کا کسی دوسرے کو اختیار دیدے صورت مذکورہ میں یہی طلاقِ وکالت ہے۔ اور جس طرح

طلاق بالاصالت جبروً رضاً ہزلاً وخطاءً ہر طرح سے واقع ہو جاتی ہے اس طرح طلاق وکالت بھی ہر طرح واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتویٰ شامی علی الدر المختار جلد سوم صفحہ ۳۱۵ پر ہے بَابُ تَفْوِیْضِ الطَّلَاقِ وَاَنْوَاعُہٗ ثَلَاثَۃٌ تَفْوِیْضٌ وَتَوْکِیْلٌ وَرِسَالَۃٌ (الخ) ترجمہ قانون شریعت اسلامیہ میں بیوی کی طلاق کسی کے سپرد کرنے کی تین قسمیں ہیں ایک تفویض وہ یہ ہے کہ خاوند خود اپنی بیوی کو کہے کہ میری طلاق تجھ کو سپرد کرتا ہوں ابھی یا جب تو چاہے اپنے آپ کو تو اتنی طلاقیں دے سکتی ہے اگر بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے لی تو شرعاً طلاق درست واقع ہو گی دوم رسالۃ وہ یہ کہ خاوند کسی شخص کو کہے کہ تو میری بیوی فلاں کو پیغام پہنچا دے کہ تیرے خاوند فلاں نے تجھ کو طلاق دیدی ہے۔ سوم۔ توکیل یہ ہے کہ خاوند کسی بھی دوسرے شخص سے کہے کہ تجھ کو اختیار ہے میری طرف سے کہ تو جب چاہے میری فلاں بیوی کو طلاق دیدے۔ اور اگر تو نے طلاق دیدی تو مجھ کو منظور ہو گا۔ وہ دوسرا شخص خواہ خاوند کا دوست ہو یا بھائی یا برادری کا آدمی یا کچہری کا جج یا کوئی عالم یا مفتی یا بزرگ یہاں تک کہ اگر کسی نے دھمکی سے مجبور کر کے جبراً بھی خاوند سے اختیار لے لیا اور خاوند نے مجبور ہو کر طلاق کا اختیار اس جابر کو دیدیا تو بھی جب وہ غیر طلاق دیدے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد سوم صفحہ ۲۴۶ پر ہے۔

کِتَابُ الطَّلَاقِ۔ اِذَا اُکْرِہَ عَلَی التَّوْکِیْلِ بِالطَّلَاقِ نَوَکَّلَ فَطَلَّقَ الْوَکِیْلُ فَاِنَّہٗ یَقَعُ وَفِی الْخَانِیَۃِ رَجُلٌ اَکْرَھَہُ السُّلْطَانُ لِیُوَکِّلَہٗ بِطَلَاقِ اِمْرَأَتِہٖ فَقَالَ الزَّوْجُ مَخَافَۃَ الْحَبْسِ وَالضَّرْبِ اَنْتَ وَکِیْلٌ وَلَمْ یَزِدْ عَلٰی ذَالِکَ وَطَلَّقَ الْوَکِیْلُ اِمْرَأَتَہٗ ثُمَّ قَالَ الْمُوَکِّلُ لَمْ اُوَکِّلْہُ بِطَلَاقِ اِمْرَأَتِیْ قَالُوْا لَا یَسْمَعُ الطَّلَاقَ لِاَنَّہٗ اَخْرَجَ الْکَلَامَ جَوَابًا لِخِطَابِ الْاَمْرِ وَالْجَوَابُ یَتَضَمَّنُ اِعَادَۃَ مَا فِی السُّؤَالِ ترجمہ۔ جب کوئی خاوند بیوی کی طلاق کے وکیل بنانے پر سخت مجبور کیا گیا اور خاوند نے مجبوراً کسی کو وکیل بنا دیا تو وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو طلاق بیشک درست واقع ہو جائے گی اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ کسی خاوند کو بادشاہ نے مجبور کیا کہ تو مجھ کو اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنا دے خاوند نے قید اور مار سے ڈر کر کہہ دیا کہ تو وکیل ہے اور اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ بولا سلطان نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی پھر خاوند مؤکل نے کہا کہ میں نے اس کو اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل نہیں بنایا تھا میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ تو وکیل ہے۔ بس۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی اور حاکم کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ خاوند نے بادشاہ کے جواب میں ہی کہا تھا اَنْتَ وَکِیْلٌ تو وکیل ہے اور خاوند کا یہ جواب اسی پر لوٹے گا جو سوال میں تھا۔ (الخ) اور شریعت کا قانون ہے کہ وکیل و مختار کا طلاق دینا بالکل اسی طرح صحیح ہے جس طرح اگر خود طلاق دیتا ہے تو درست واقع ہو جاتی۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۲۰ پر ہے۔ لَوْ قَالَ الرَّجُلُ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمْرَأَتِیْ فَطَلَّقَ وَقَعَتْ۔ ترجمہ اگر کسی خاوند

نے کسی وجہ سے کسی مرد کو کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے اس غیر مرد نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی فتاویٰ بحرالرائق کو شل فتاویٰ شامی جلد سوم ص۲۳۵ پر بھی ہے چنانچہ ارشاد ہے دَشَمِلَ مَا إِذَا أُكْرِهَ عَلَى التَّوْكِيْلِ بِالطَّلَاقِ فَوَكَّلَ فَطَلَّقَ الْوَكِيْلُ فَإِنَّهُ يَقَعُ ترجمہ۔ اور یہ اکراہ و مجبوری کی حالت میں اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب کوئی خاوند طلاق دینے کی وکالت یعنی طلاق کا وکیل بنانے پر سخت دھمکی سے مجبور کیا گیا۔ اور خاوند نے خوف زدہ ہو کر کسی کو وکیل بنا دیا۔ وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی۔ تو بیشک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ و مذکورہ میں خاوند مذکور خالد کی بیوی ہندہ کو ایک صریح طلاق وکالت کے ذریعے واقع ہو گئی۔ کیونکہ خاوند کا کورٹ میں لکھ کر دستخط کر کے کہہ دینا کہ تم کو طلاق کا یا جو بھی فیصلہ کرو میری طرف سے اختیار ہے یہ طلاق بالوکالت کا اختیار دیتا ہے اس لیے کورٹ کے فیصلے والی طلاق خاوند ہی کی طلاق بالوکالت ہو گی۔ نیز جب خاوند چار ماہ بعد صلح کرنے کے لیے سابقہ زوجہ کے گھر پہنچا تو اس کی مطلقہ اسی ہندہ بیوی نے اس کو کورٹ والی طلاق یاد کروائی تو خاوند مذکور نے اس طلاق کو تسلیم اور یاد کرتے ہوئے وقوعِ طلاق کا اقرار کیا۔ اس تسلیم و اقرار سے مزید طلاق مؤثر ہوتی ہے بلکہ اقرار طلاق سے تو اس صورت میں بھی طلاق مانی جاتی ہے جب کہ پہلے طلاق کا وجود تک نہ ہو۔ میری نظر سے وہ تحریر بھی گزری جو کسی امام مسجد نے لکھ کر دی ہے۔ وہ لایعنی اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایسے نام نہاد مفتی اور مولوی برطانیہ میں بے شمار پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ کاملہ دعاجلہ سے نوازے

ہاں البتہ غلط ہوتا۔ اگر خاوند لکھ کر یا زبانی اختیار و منظوری نہ دیتا تو کورٹ کا فیصلہ غلط ہوتا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

سوال ۱۱۱

غلط اور بد دیانت خائن لوگوں کو مسجد کے کام انتظام لین دین کی ذمہ سے ہٹانے معزول کرنے کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین فقہاء امت اس مسئلے میں کہ ہمارے علاقہ ھیلی فیکس انگلینڈ میں ایک مسجد ہے جس کا نام مدنی مسجد ہے اس کو بنتے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو چکے ہیں اس جامع مسجد میں جو پہلے متولی اور ٹرسٹی۔ و کمیٹی کے اراکین تھے۔ ان میں سے چند سرکردہ لوگوں نے مسجد میں گڑبڑ۔ فساد اور ناجائز تصرفات مسجد کی پراپرٹی میں ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لیے ناجائز استعمال کئے ذاتی اغراض کے لیے مسجد کی زمین کو استعمال کیا اور مسجد فنڈ میں ناجائز ذاتی غرض کے لیے خورد برد کی امانت کو خرچ کیا۔ اپنے بنکوں میں جمع کرا کر سود حاصل کیا مسجد کی زمین کو کسی

دوسرے کیمونٹی کا پارک بنا کر حکومت سے مفاد اور مالی امداد حاصل کی جو اپنی ذات کے لیے وصول کی مسجد کو اس سے کچھ نہیں دیا۔ غرضکہ ہر طرح مسجد کو نقصان پہنچایا اور اللہ کے گھر کو ذاتی جائیداد سمجھ کر ہر طرح ذاتی مفاد حاصل کیا اس وجہ آج سے تقریباً تین پیشتر تمام اہل عمر مسلمانوں اور نئے متولیوں نے تمام ممبران وارکین کمیٹی نے متفقہ میٹنگ اور فیصلے سے ان کو مسجد کی کمیٹی اور ممبری اور تمام انتظامی امور سے بالکل علیحدہ کر دیا اور ان کے قبضے بچا کھچا تمام مسجد فنڈ واپس لے لیا۔ اور عوام و خواص مسلمانوں کے ہی فیصلے سے نئے متولی اور انتظامیہ حضرات مقرر کئے گئے جو تقریباً ۱۹۸۶ء سے مسجد کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں جب سے ان کے زیر انتظام مسجد کا کام شروع ہوا ہے تمام مسلمان اہالیانِ شہر نمازی حضرات ہر طرح مطمئن اور خوش ہیں۔ مسجد کی تعمیر و ترقی میں بھی نمایاں کاروائی ہوئی ہے لیکن سابقہ متولی آئے شرارتیں کرتے رہتے ہیں کبھی لوگوں کو نئی انتظامیہ کے خلاف بھڑکاتے ہیں کبھی غلط باتیں پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اب چندماہ سے برطانیہ کورٹ میں دعویٰ کر دیا ہے کہ نئی انتظامیہ اور متولی غیر قانونی ہیں ہم ہی سابقہ مسجد کے بانی اور حقدار متولی ہیں لہٰذا ہم کو پھر بحال کیا جائے اور موجودہ متولیوں کی کمیٹی توڑ دی جائے۔ اس سلسلے میں لندن سے ایک غیر معروف مولوی سے مسئلہ بھی اپنے حق میں لکھوا کر لے آئے ہیں۔ وہ بغیر دلیل چند سطری مسئلہ ہے جس میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ سابقہ متولی کو شریعت کے قانون کے مطابق ہٹانا منع ہے اور متولی کو ہٹانا ناجائز ہے۔ جو متولی ایک دفعہ بن جائے وہ ہمیشہ تاعمر رہتا ہے۔ عدالتِ برطانیہ نے ہم سے کہا ہے کہ اپنے مذہب کا معتبر قانون بتاؤ تاکہ اس کی روشنی میں ہم قانونی فیصلہ کریں۔ اس لیے ہم تمام آٹھ سالہ ریکارڈ کے ساتھ مع گواہوں کے حاضر خدمت ہوئے ہیں ہم کو مدلل باحوالہ فتوئے شرعی عطا فرمایا جائے

دستخط سائلا و گواہان

۱/۱/۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بحیثیت مفتی دارالسلام فرمہ دارانہ طریقے سے میں نے بہت تحقیق و تفتیش کی ہے علاقہ کے بہت گواہان اور سابق ارکین انجمن کمیٹی ٹرسٹیز و اہل شہر سے علیحدہ علیحدہ حلفیہ بیان لیا۔ انجمن کمیٹی کا آٹھ سالہ کاغذی تحریری ریکارڈ جن میں اردو و انگریزی کے تقریباً ایک ہزار کاغذ تھے ان تمام کی دیکھ بھال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سائل اور موجودہ تمام ارکین انجمن کمیٹی ہذا کا بیان مکمل درست ہے اور یہ انجمن کمیٹی اپنے ریکارڈ کردار حسن انتظام کارکردگی مسجد مذکور کی فلاح و بہبودگی تعمیر و ترقی کے لیے شریعت کے ضابطوں کے مطابق بہت مناسب موزوں اور درست و صحیح ہے اور اوقاف و عطیات کی دیانتداری میں بہت اچھا ماضی ہے ان کے تمام ریکارڈ سے ان کی مخلصانہ کوششیں بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔ قوانینِ اسلامیہ کے مطابق شریعت کی رو سے ایسے ہی صحیح الفطرت اور راسخ الاعتقاد متولیان اور ناظم الامور لوگوں کی خدمات مساجد و اوقاف کے لیے اشد ضروری ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی غلط کارکردگی اور ذاتی مفاد پرستی سے

مختلف وقتوں میں مسجد مذکور کو بہت طرح کا نقصان پہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی پہنچنے کا اندیشہ ہے ان حالات و تجربات و مشاہدات کے پیش نظر ایسے غلط قسم کے متولیان کو مسجد کمیٹی اور اوقاف خداوندی کی اہم ذمہ داریوں سے ہٹانا نہایت ضروری تھا قرآن پاک و حدیث مبارکہ کے فیصلے اور حکم الٰہی کے اعتبار سے جو لوگ اللہ کی مسجدوں کو کسی طرح بھی بے آباد اور خراب ۔ ویران یا کسی طرح کا نقصان پہنچائیں یا کسی طریقے سے مسجد کی کسی چیز سے کسی حیثیت و کیفیت سے ناجائز ذاتی نفع حاصل کریں یا کرنے کا ارادہ رکھیں تو وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہونے کے علاوہ قانون کی نگاہ میں ظالم ہیں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۴) ترجمہ ۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو ذکر کرنے سے بند کرے منع کرے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش اور حرکتیں کرے اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ کسی بھی مسجد کو خراب کرنا نہ بننے دینا یا مسجد کی چیزوں کو ادھر ادھر کر دینا یا دوسری جگہ لگا دینا یہ سب صورتیں مسجد کی تخریب کاری میں داخل ہیں ۔ مسجد کی چیزیں متولی کے پاس اور انتظامیہ اراکین کی تحویل میں امانت ہوتی ہیں ۔ سب مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور مسجد کا تمام فنڈ و عمارت و جائیداد اللہ کی امانتیں ہیں ۔ اس میں خیانت کرنا اسلامی شرعی قانونی اخلاقی ہر اعتبار سے بدترین جرم ہے ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۂ انفال آیت ۲۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ ترجمہ ۔ اے ایمان والو اللہ رسول کی چیزوں میں خیانت مت کرو اور خیانت کرتے ہو تم اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں میں حالانکہ تم سب کچھ جانتے ہو ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ امانت کو اپنی جگہ ایمانداری سے خرچ کرنا بہت ضروری ہے حدیث و قرآن میں اس پر سخت پابندی کا حکم ہے ذرا سی ہیرا پھیری بھی خیانت بن جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىٕنِیْنَ (سورۂ انفال آیت ۵۸) ترجمہ اور اگر تم کسی قوم سے امانت میں خیانت اور بددیانتی کا اندیشہ کرو یا بے ایمانی کا خطرہ محسوس کرو تو فوراً ان کا عہدہ اور کیا ہوا وعدہ ذمہ داری وغیرہ ان کی طرف پھینک دو اور علیحدہ ہو جاؤ یعنی ان سے تمام حساب کتاب لین دین ختم کر دو بیشک اللہ تعالیٰ خیانت والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ ان آیت سے ثابت ہوا کہ کسی بھی امانت میں خیانت کرنے والا بدترین انسان ہے خاص کر اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں گڑبڑ و خیانت کرنے والا تو بہت برا ہے ایسے شخص کو مسجد کا متولی ٹرسٹی یا خزانچی ہرگز نہیں رکھا جا سکتا یہ تینوں آیت مبارکہ اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے مختلف واقعات پر نازل ہوئیں مگر ان سے تاقیامت خیانت اور بددیانتی کا تمام حکم اور نرالی کا قانون الٰہیہ معلوم ہو گیا مذکورہ فی السوال جن لوگوں نے متولی مسجد ہونے کے عہدے اور ذمہ داری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسجد کی زمین اور جائیداد وغیرہ اشیا کو نقصان پہنچایا ۔ یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ان کو مشاورتی انجمن کی میٹنگ اور عوام الناس کے پر زور مطالبے پر متفق کر کے ہٹایا جانا اور مسجد کی تولیت و ذمہ داریوں سے

سبکدوش کرنا انتہائی ضروری تھا اور یہ علیحدگی بالکل شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوئی ہے۔ جس مولوی سے یہ لوگ اپنے حق میں مسئلہ لکھوا کر لے آئے ہیں وہ چند سطری تحریر میری نظر سے گزری اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب بہت ہی کم علم رکھتے ہیں اور وہ مسئلہ یکطرفہ بے تحقیق ہونے کے علاوہ شریعت اسلامیہ قرآن وحدیث وفقہ کے بالکل خلاف ہے تمام کتب فقہ سے ثابت ہے کہ خیانت کرنے والے متولی کو فوراً برطرف کرنا بہت ضروری اور لازم ہے چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد پنجم ص۲۴۵ کتاب الوقف میں ہے آخری صفحات پر۔ وَيُنْزَعُ لَوْ خَائِنًا كَالْوَصِيِّ اَیْ وَيَعْزِلُ الْقَاضِي الْوَاقِفَ الْمُتَوَلِّيَ عَلٰى وَقْفِهِ لَوْ كَانَ خَائِنًا۔ ترجمہ اگر کوئی شخص مسجد کی انتظامیہ کمیٹی میں ذمہ دار شخص متولی یا ناظم الامور قیم وغیرہ کوئی بھی مسجد کی چیزوں میں خیانت کرے اور وہ خیانت بددیانتی ہیرا پھیری وغیرہ ثابت ہو جائے تو قاضی یا اس کا شرعی نائب مفتی اسلام کے شرعی فتوے سے اس متولی بلکہ ایسی خیانت کی صورت میں خود وقف کرنے والے متولی کو بھی ہٹانا واجب ہے ایسے شخص کو متولی بنانا یا کسی قسم کی ذمے داری دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح فتاویٰ درمختار شامی جلد سوم کتاب الوقف باب احکام المسجد ص۵۳۱ پر ہے۔ وَتُنْزَعُ وُجُوْبًا مُقْتَضَاهُ اِثْمُ الْقَاضِي بِتَرْكِهِ وَالْاِثْمُ الْقَاضِيْ بِتَرْكِهِ وَالْاِثْمُ بِتَوْلِيَةِ الْخَائِنِ وَلَا شَكَّ فِيْهِ لَوِ الْوَاقِفُ اَیْ لَوْ كَانَ الْمُتَوَلِّيْ وَهُوَ الْوَاقِفُ تَغْيِيْرُهُ بِالْاَوْلٰى وَاسْتُفِيْدَ مِنْهُ اَنَّ لِلْقَاضِيْ عَزْلُ الْمُتَوَلِّيْ غَيْرِ الْوَاقِفِ بِالْاَوْلٰى۔ اسی فتاویٰ کے ص۵۸۰ پر ہے جلد سوم میں۔ لَيْسَ لِلْقَاضِيْ عَزْلُ النَّاظِرِ بِمُجَرَّدِ شِكَايَةِ الْمُسْتَحِقِّيْنَ حَتّٰى يُثْبِتُوْا عَلَيْهِ خِيَانَةً ۔

ترجمہ۔ اور واجب ہے قاضی یا عدالت کے جج پر کہ ایسے بددیانت خائن متولی کو فوراً متولیت کے عہدے سے ہٹا دے۔ اگر قاضی نہ ہٹائے گا تو ترک واجب کی بنا پر گناہ گار ہوگا۔ اور خود قاضی بھی نہ ہٹا کر شرعی و قانونی مجرم ہوگا۔ اگرچہ وہ متولی خود ہی اس جائیداد وغیرہ کو وقف کرنے والا ہو۔ تو دوسری قسم کا متولی کو ہٹانا تو بدرجہ اولیٰ واجب وضروری ہے اس سے یہ فائدہ ثابت ہوا کہ قاضی شریعت پر ضروری جائز لازم ہے کہ ہیرا پھیری اور خیانت کرنے والے متولی اور انتظامیہ میں ایسے برے شخص کو فوراً علیحدہ اور معزول کر دے۔ ترجمہ عبارت ص۵۸۰ ہاں البتہ مستحقین اور عوام مسلمانوں کی شکایت اور ثبوت کے بغیر ہٹانا جائز نہیں۔ لیکن جب مسجد سے ملحقہ لوگ شکایت کریں اور مفتی اسلام سے فتویٰ لینا چاہیں یا عدالت میں مقدمہ کر دیں۔ اور قاضی یا مفتی اسلام تحقیق وتفتیش کرے پھر جب مدعیٰ علیہ متولی یا کسی معتبر رکن پر۔ خیانت ثابت ہو جائے تو حکومت پر ایسے بددیانت غلط انسان کو مسجد کمیٹی اور مسجد کی ذمہ داریوں سے ہٹانا نکالنا بہت ضروری ہے اور عوام مسلمانوں کی شکایت سن کر اس پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ اہل مسجد اور عوام مسلمانوں کو متولی رکھنے اور بدلنے معزول کرنے کرانے کا پورا حق شرعی ہے چنانچہ فتاویٰ شامی جلد سوم ص۵۶۶ پر ہے۔ ثُمَّ ذَكَرَ عَنِ التَّتَارْخَانِيَةِ مَا حَاصِلُهُ اَنَّ اَهْلَ الْمَسْجِدِ لَوِ اتَّفَقُوْا

عَلٰی نَصْبِ رَجُلٍ مُتَوَلِّیًا لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ بِغَیْرِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ یَصِحُّ ترجمہ۔ پھر فتاوٰی تاتارخانیہ میں ذکر کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک اگر مسجد کے تمام عوام نمازی متفقہ طور پر کسی شخص کو متولی بنانا چاہیں جو مسجد کی دیکھ بھال پہلے متولی سے زیادہ اچھی طرح کر سکے تو تمام علماء متقدمین کے نزدیک بالکل صحیح ہے اور جائز حق ہے۔ ان تمام دلائل قرآن مجید احادیث وفقہ اسلامیہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ سابقہ خیانت کرنے والوں ٹرسٹیوں متولیوں یا ان اراکین کمیٹی کو برطرف کرنا بالکل جائز اور درست ہے جن سے خیانت۔ بددیانتی ثابت ہو گئی ہے۔ اور موجودہ کمیٹی کے اراکین جو آج سے تقریباً آٹھ سال پیشتر بھی اس مسجد کی تعمیر وترقی کے تمام مراحل انتظامات دیکھ بھال میں دیگر ممبران کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے ضابطوں وقف مسجد کی اصلاحات اور منشور کمیٹی کے بالکل مطابق انجام دیر ہے ہیں چند ماہ پیشتر اراکین انجمن مسجد مذکور نے شرعی فتوے کے لیے میرے پاس اپیل کی شکل میں درخواست واستفتا حاضر کیا میں تقریباً دو ماہ تک اس درخواست کی حقانیت پر تحقیق وتفتیش کی ہر طرف سے ظاہر وپوشیدہ رابطہ قائم کیا۔ اور ہر طرح گواہوں کے حلفیہ بیانات سے تسلی اور صورت حال کا جائزہ لیا۔ یہاں تک کہ سنی جمعیت العلماء اسلام ٹونکے کی طرف سے ہر طرح کی مکمل یقین دہانی کرائی گئی۔ اور شہر کے عوام مسلمانوں کی طرف سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ مذکورہ فی السوال تمام باتیں حقیقت اور سچائی پر مبنی ہیں اس تمام تحقیق کے بعد شرعی مضبوط اور مکمل فتوٰی جاری کیا جارہا ہے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کتب

سوال ۱۲: دار الحرب میں ربٰو بالکل حلال وجائز ہے۔ قرآن مجید احادیث پاک اور فقہ حنفی سے عظیم ثبوت ودلائل امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسائل فقہ واجتہاد بالکل قرآن مجید اور احادیث پاک کے مطابق ہیں آپ کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ باضابطہ اور ثبوت ودلائل کے ساتھ ہے۔ جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے مسائل قیاسات کے سہارے اور منشاء نص کے خلاف ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دار الحرب میں کافر انسان غیر مسلم وغیرہ سے سود لینا مسلمان کے لیے جائز ہے یا ناجائز ہے ۲ سود کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بینک میں جو ہم روپیہ جمع کراتے ہیں اس پر جو زیادتی بینک والے دیتے ہیں وہ سود بنتی ہے یا نہیں ۳ کیا مسلم اور غیر مسلم بینکوں کا حکم ایک جیسا ہے یا مختلف ، سوال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہمارے علاقے میں چند وہابی غیر مقلد جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور دیوبندی بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مضامین اخباروں میں شائع کرائے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دار الحرب میں بھی کافر غیر مسلم سے سود لینا حرام ہے۔ لیکن ہم زمانوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ علماء اسلام متقدمین ومتاخرین فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں غیر مسلم سے

ربو لینا حرام نہیں۔ جن مولویوں وہابیوں نے یہ مضامین شائع کرائے ہیں۔ انہوں نے بعض جگہ امام اعظم کی شان میں گستاخی بھی کی ہے اور بے ادبی کے لفظ بھی بولے ہیں۔ خیر اس پر ہم کو حیرانی نہیں یہ مردود ٹولہ تو جہنم کے گستاخ اور قرآن شیطان ہیں۔ ہمارا مدعا ان کے دلائل کا مکمل جواب لینا ہے۔ برطانیہ کے سب علماء کی طرف سے یہ استفتا اور جواب شافی وافی کی خواہش کے پیش نظر یہ سوال نامہ اور وہ سب اخبارات بھیجے جا رہے ہیں۔ آپ تمام مضامین اور ہمارا یہ استفتا بغور پڑھ کر انتہائی مدلل ومکمل فتویٰ عطا فرمائیں۔ تاکہ مخالفین کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ مخالفین کے دلائل حسب ذیل ہیں **دلیل نمبر ۱**۔ اگر ہم مسلمان سود کھانا شروع کر دیں تو کفار کی سود خوری کے خلاف کس طرح آواز اٹھائیں گے ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان گنجائشوں کا فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے منصب کو پہچان کر قرآن وسنّت کی تبلیغ کریں۔ **دلیل نمبر ۲** فقہا کی باتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ دار الحرب میں چوری ڈاکہ زنی غصب قتل سب کچھ جائز ہو جائے تو کیا یہ باتیں ماننے کے قابل ہیں۔ **دلیل نمبر ۳**۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہا نے دار الکفر اور دار الحرب کا فرق نہ سمجھا اس لیے یہ مسئلہ بنا دیا۔ **دلیل نمبر ۴** جو قوم ہم سے جنگ نہیں کرتی اس سے سود لینا جائز نہیں قرآن مجید میں ہے کہ نہیں منع کرتا اللہ تم کو بہر صورت ان لوگوں سے جو نہیں لڑتے تم سے دین کے بارے میں اور نہ نکالا انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے اس بات سے کہ تم بھلائی کرو ان سے اور انصاف کرو ان کے حق میں بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو **دلیل نمبر ۵** لا ربٰو۔ والی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ سود بالکل نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سود تو ہے اور حرام بھی ہے صرف اضطراری اور مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت جائز ہو گا جیسا کہ مردار کا کھانا بھوک سے مرتے ہوئے مسلمان کے لیے تو جس طرح مردار۔ مردار ہی ہے اور حرام بھی ہے اسی طرح حربی کافر کا سود۔ سود ہی ہے اور حرام بھی ہے۔ **دلیل نمبر ۶** سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک حدیث جو کہ مرسل ہے اس کو پورے قرآن مجید کی آیتوں اور متعدد ثابت شدہ حدیثوں کے مقابل لا کر ایک نیا کارنامہ انجام دینا یہ کہاں کی عقلمندی ہے ہم ہرگز ہرگز اس حدیث کو نہیں مان سکتے زیادہ سے زیادہ ہم اس حدیث کو اضطراری حالت میں مان سکتے ہیں ورنہ ایک طرف مسلمان کا کردار ہے جس کا نقشہ قرآن کریم کھینچتا ہے اور دوسری طرف یہ رخصت ہے تو مسلمان بلند کرداری اور اولوالعزمی کی بنا پر کبھی بھی ایسی رخصت اور ایسی حدیثوں کو نہیں مانے گا **دلیل نمبر ۷**۔ رہیں فقہا دو دفعات تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے سوا جمہور علما اور امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں امام ابویوسف وغیرہ اتنے بڑے بڑے ائمہ ہر جگہ سود کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ **دلیل نمبر ۸** احادیث میں بھی سود کی حرمت بیان کی گئی ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب الربٰو میں ہے۔ دِرْهَمُ الرِّبٰو يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً۔ دوسری حدیث ہے۔ جو جسم سود کی غذا سے بنا ہو اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ تیسری حدیث لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (صحیح مسلم جلد دوم)

دلیل نمبر ۹ ۔ سود ہمارے نزدیک قطعی حرام ہے بینک کا سود ہو یا مہاجنی اور دار الحرب کا سود ہو یا دار الاسلام کا کیونکہ ۔ قرآن و سنت کی قطعی نصوص سے اس کی حرمت ثابت ہے چنانچہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵ میں ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ (الخ) دوسری آیت بقرہ نمبر ۲۷۸ میں ہے ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (الخ) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ اور نمبر ۱۳۱ میں ممانعت کے بعد اس کی سزا بھی فرمائی گئی اور اس آیت کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ هِیَ اَخْوَفُ اٰیَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ اَوْعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالنَّارِ الْمُعَدَّةِ لِلْکَافِرِیْنَ اِنْ لَّمْ یَتَّقُوْهُ (تفسیر مدارک تنزیل)

دلیل نمبر ۱۰ امام مالک ۔ امام شافعی ۔ امام احمد ۔ امام یوسف بھی دار الحرب میں غیر مسلم سے سود حرام قرار دیتے ہیں چنانچہ بدائع صنائع جلد ہفتم صفحہ ۲۱۲ پر ہے اَنَّهٗ یَجُوْزُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ لَا یَجُوْزُ وَوَجْهُ قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ اِنَّ حُرْمَةَ الرِّبٰوا کَمَا هِیَ ثَابِتَةٌ فِیْ حَقِّ الْمُسْلِمِیْنَ فَهِیَ ثَابِتَةٌ فِیْ حَقِّ الْکُفَّارِ لِاَنَّهُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْحُرُمَاتِ فِی الصَّحِیْحِ سود کی حرمت جس طرح مسلمانوں کے لیے ثابت ہے اسی طرح کفار کے لیے بھی کیونکہ وہ بھی حرمات میں مخاطب ہیں ۔ دلیل نمبر ۱۱ در مختار جلد اول صفحہ ۱۷ پر ہے کہ معاملات میں فتویٰ قول ابو یوسف پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں امام یوسف کا قول مانا جائے گا ۔ دلیل نمبر ۱۲ ۔ فتاویٰ نذیریہ وہابیہ میں ہے ۔ کہ واجب ہے ہر مسلمان دیندار پر سعادت شعار پر کہ کہنے سے کسی نیم ملا کے سود کے لینے سے پرہیز کرے اگرچہ دار الحرب میں ہو پرہیز و اجتناب ضرور کرے دلیل نمبر ۱۳ ۔ دار الحرب میں سود کے جواز کے لیے کوئی صحیح حدیث ہی نہیں ۔ اگر ہو بھی تو خبر واحد کے ساتھ نص قرآنی پر زیادتی ہرگز جائز نہیں دلیل نمبر ۱۴ امام اوزاعی نے فرمایا ۔ اَلرِّبٰوا حَرَامٌ عَلَیْهِ فِیْ اَرْضِ الْحَرْبِ وَغَیْرِهَا لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ وَضَعَ مِنْ رِبٰوا الْجَاهِلِیَّةِ مَا اَدْرَکَهُ الْاِسْلَامُ مِنْ ذٰلِکَ وَکَانَ اَوَّلُ رِبٰوا وَضَعَهٗ رِبٰوا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَکَیْفَ یَسْتَحِلُّ الْمُسْلِمُ اَکْلَ الرِّبٰوا فِیْ قَوْمٍ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اَوْ قَدْ کَانَ الْمُسْلِمُ یُبَایِعُ الْکَافِرَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا یَسْتَحِلُّ ذٰلِکَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ اَلْقَوْلُ مَا قَوْلُ الْاَوْزَاعِیْ لَا یَحِلُّ وَلَا یَجُوْزُ ۔

دلیل نمبر ۱۵ ۔ جب قبیلہ بنی مخزوم مسلمان ہوا تو بنی ثقیف کے ساتھ اس کا سودی لین دین تھا ۔ تو بنی ثقیف نے بنی مخزوم سے اپنے سود کا مطالبہ کیا ۔ تو بنو مخزوم نے کہا اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہم اپنی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہیں کریں گے لیکن بنو ثقیف اپنے سود کے لیے اصرار کرتے رہے تو مکے کے والی نے رسول سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اب جو سود باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر ایمان والے ہو ۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۸ اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلموں سے بھی سود لینا حرام ہے

دلیل ۱۰: حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی پاک نے عباس بن عبدالمطلب کا وہ سود خود حرام قرار دیا جو حضرت عباس نے غیر مسلموں سے لینا تھا۔ یہ تھیں وہ دلیلیں جو ان چند وہابی مولویوں نے اپنے مضمونوں میں لکھی ہیں اور وہابی خطیبوں نے ان دلائل سے اپنے مضامین شائع کیے ہیں۔ ہم نے ان کے تمام دلائل ان ہی کے الفاظ میں لکھ دیے ہیں اور اصل مضمون بھی آپ کی خدمت اقدس میں ارسال ہیں اور پھر حیرت ہے کہ یہی تین چار مولوی خود بھی بینک سے قرضہ لے کر اپنے مکان اور اپنی مسجدیں لیے ہوئے ہیں۔ نیز اپنے اسی قسم کے سود خور نمازیوں مقتدیوں کے چندوں سے اپنی دعوتیں، روٹیاں تنخواہیں اور مسجد کے لیے فنڈ جمع کرتے ہیں۔ نہ کسی کو منع کرتے ہیں نہ پائی کاٹ کرتے ہیں۔ اور اس مضمون سے پہلے کبھی کسی نمازی کو سود کا مسئلہ نہیں بتایا۔ اب بھی یہ مضمون غالباً کسی ضد بازی میں شائع کیا ہے۔ ورنہ اسلامی محبت میں یا دین اور علم سے کچھ لگاؤ عمل و کردار سے ثابت نہیں ہوتا۔ براہ کرم آپ ہم کو بتائیں کہ اصل حقیقی مسئلہ کیا ہے۔ اور ان وہابیوں کے دلائل درست ہیں یا غلط۔ بیّنوا توجروا۔

دستخط سائل عبداللطیف لندن برطانیہ ۲۰-۱۰-۱۹۸۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

سوالِ مذکورہ میں سائل محترم نے اپنے تمام مضمون میں صرف اس چیز کے متعلق وضاحت طلب فرمائی ہے کہ کیا دارالحرب میں حربی سے سود لینا دینِ اسلام میں جائز ہے یا حرام۔ چونکہ سوال میں دارالحرب کی تعریف و تعیین کے متعلق سوال اور وضاحت نہیں ہے اس لیے اس فتوے میں صرف اس چیز کا جواب ہے کہ دنیا میں جہاں بھی جو علاقہ دارالحرب میں شامل ہے وہاں حربی سے سود لینا بالکل جائز مباح ہے۔ میں نے سائل محترم کا بھیجا ہوا یہ استفتا اور اخباری بیانات بہت غور و فکر سے مطالعہ کیے۔ مجھ کو جہاں سائل کی مکمل وضاحتی تحریر پسند آئی وہاں ان اخباری بیانات کی بھی عبارت غلط ملط اور بوگس دلائل پر حیرت اور افسوس بھی ہوا۔ قربِ قیامت ہے لڑکوں کے ہاتھ میں قلم آگیا ہے۔ اسلام کے اعلیٰ اور ابدی قانون کو اخباروں میں اچھا لا مذاق بنایا جا رہا ہے۔ اور ہر جاہل ان پڑھ بیوقوف علم سے دور تفقّہ فی الدین سے نفور لوگوں سے گھٹیا قسم کے مضامین لکھوا کر اس کو نقطۂ نظر کا نام دیا جا رہا ہے۔ قرآن و حدیث کی جن عبارات کو فرشتے چومتے ہیں ان کو سڑکوں پر بکھیرا جا رہا ہے۔ خون کے آنسو رونے کا مقام ہے کہ کوئی اخبار سپریم کورٹ ہائی کورٹ بلکہ چھوٹی سی کورٹ عدالت اور کچہری کے کسی قانون اور فیصلے کو کسی عام آدمی کے نقطۂ نظر سے چیلنج نہیں کر سکتا۔ کوئی ایسا کرے تو یہی حکومت والے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیں۔ آج تک کوئی جرأت نہیں کر سکا۔ یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی بدقسمتی ہے اور اخبارات کی کتنی گستاخانہ شرارت ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی ضابطوں کو بے علم حمقا سے اور ان کے بیہودہ قلموں سے توڑنے پھوڑنے اور تضحیک کا نشانہ بنوایا جائے۔ دنیا کے کسی اہل قانون نے کسی

بے علم کم عقل اور ناسمجھ انسان کو کب یہ جرأت دی ہے کہ وہ کسی قانونی بات میں اپنا نظریہ پیش کرے یا اہل علم دانشوروں کے مقابل اپنی عامیانہ بات پیش کرے آج کل بعض اخبارات نے جس طرح اپنے ایک خصوصی کالم میں مسلمات اور قانون کی توہین اور ذلت کا راستہ بنالیا کہ کبھی عورتیں سامنے آجاتی ہیں کبھی ڈراموں کے تماشا باز۔ کبھی تیلی کبھی مراثی شریعت کا منہ چڑانے لگ جاتے ہیں اس سے غیر مسلموں کی نگاہ میں اسلام کی کیا شکل سامنے آتی ہے کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ نقطۂ نظر کی آڑ میں کسی شرارت کا منصوبہ بنایا گیا۔ اگر مسلمان خود ہی اپنے جاہلانہ قلم سے اسلام قرآن حدیث شریعت طریقت ائمہ مجتہدین۔ فقہاء اسلام علما اور مشائخ کو گستاخی دریدہ دہنی کند ذہنی اور مذاق کا نشانہ بنائیں گے تو پھر غیروں سے کیا شکایت اور آج کل تو ابلیس کی ذریت اور مشرق زدہ نسل علما اور اسلامیات کا مذاق اڑانا ایک فیشن سمجھتے ہیں۔ مولوی مولوی ملا ملا کر کے پورے اسلامی نظریات وضابطوں کا انکار کرتے چلے جارہے ہیں۔ اس گزشتہ مختصر سے عرصے میں اس قسم کی کتنی وارداتیں ہوئیں۔ کبھی عورت کی گواہی کا رونا رویا گیا اور کبھی اسلام کے نکاح طلاق پر ڈوم مراثیوں لبلبیوں نے اخباری واویلا مچایا یہاں تک کہ عام آدمی بھی اہل قلم بن بیٹھا اور فقہاء ملت علماء امت مفتیان شریعت کے مقابل دخل اندازی کو اپنا حق سمجھنے لگا جو شخص ایک وکیل کچہری سے بات کرنے کا ڈھنگ نہ جانتا ہو جس کو ایک چھوٹے سے جج سے بات کرنے کی اجازت نہ مل سکے وہ اللہ رسول قرآن وحدیث کے اعلی اور ابدی قانون کی مخالفت کرتا چلا جارہا ہے اور وہ بھی لایعنی بیہودہ اور لغویات کے انداز میں۔ کسی کو کیا پتہ کہ ان مضمون نگاروں کے پس پردہ کون منصوبہ ساز ہے احمد دین کے نام سے کونسا کرشنا مینی یا فنڈامین ہے ابھی پچھلے دنوں آذان کی مخالفت میں کتنے بیہودہ مضامین۔ نقطۂ نظر کے ضمن میں چھپ گئے میرا یقین ہے کہ کبھی کوئی مسلمان اپنے شعائر اسلامیہ کے لیے ایسے گستاخی کے الفاظ نہیں لکھ سکتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ باکی کا یہ دروازہ اخبار والوں کے علاوہ ہمارے ان جلد باز بزرگ علما اکابر نے کھولا جنہوں نے اخبارات کو اپنا دارالافتا سمجھا ان جلد باز بزرگوں کو یہ توفیق تو نہ ہوئی کہ اتنے لمبے چوڑے مدرسوں اور جامعات میں مل بیٹھ کر کم از کم ایک ہی سپریم کورٹ کی شان کا دارالافتا بنالیتے۔ جہاں سے اسلام کی شانِ امتیاز کا ظہور ہوتا ہمارے علماء متبحرین کی شانِ علمیت اور فقاہت مذہبی کسی بھی مذہبی پیشوا یا پوپ یا آرچ بشپ سے کم نہیں۔ تو پھر وقار مجروح کرنے کے یہ ہتھکنڈے کیوں استعمال کرائے جاتے ہیں جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مذہبی پیشوا کی توہین مذہب کی توہین ہے۔ پوپ کی بات حرفِ آخر بھی جاتی ہے ایوانِ حکومت کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔ مگر علما فقہا وائمہ کا تمسخر اڑایا جاتا ہے ان حرکتوں کو دنیا وآخرت کے اعتبار سے کسی کی بدنصیبی کہا جائے گا۔ فتوی دینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ پچیس چھبیس علوم کی مہارت کے بعد علمی زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے فتوی نویسی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ابتدائی ذمے داری اور صحابہ میں بھی صرف تین بزرگوں کو دی گئی تھی ۱ عبداللہ بن عمر ۲ عبداللہ بن مسعود ۳ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہر شخص کو اس علمی اور پاکیزہ دور میں بھی فتوی دینے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر امام جعفر صادق نے فتوی نویسی کا مدرسہ

قائم فرمایا اور اس مدرسے کے سب سے بڑے طالب علم نے امام اعظم ابوحنیفہ کا لقب پایا۔ اسی لیے محققین و مورخین امام اعظم کے فرمودات کو فقہ جعفریہ اور فقہ حنیفہ کہتے ہیں یعنی اس وقت جو مسائل دینیہ فقہ حنفی کے نام سے مشہور ہے حقیقت میں وہی فقہ جعفریہ ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے پاس جو کچھ علمی فقہی خزانہ ہے وہ امام جعفر صادق جیسے امام الائمہ بزرگ استاد کی ہی فقاہت سے اور اقوال و ضوابط سے حاصل کردہ ہے۔ یہ جو شیعہ لوگوں نے اب چند سالوں سے نئے نئے مسلکوں کو فقہ جعفریہ کا نام دیدیا اس کا تو تاریخ میں وجود و ثبوت ہی نہیں رازکتب فقہ ؟ ہی پھر فتویٰ نویسی کے لیے امام اعظم جیسی بزرگ ہستیوں کو عالم شہود میں لایا گیا جن کا علم حدیث نبوی کے فرمان کے مطابق آسمان کے ستاروں تک بلند ہے اور جن کی دینی قوت ثریا ستارے تک ہے۔ مگر اسی اہم ذمہ داری کو ان جلد باز بزرگوں نے اخبار و عوام کی نظر میں بچوں کا کھیل بنا ڈالا چاہئے تو یہ تھا اخبار والوں کا ان حرکتوں سے محاسبہ کرکے منع کیا جاتا کہ اپنے اخبارات میں آیت قرآنیہ بسم اللہ شریف حدیث پاک نہ لکھو اور اخبارات کے ذریعے بے ادبی کرکے اور کرلکے عذاب الیہ کو دعوت نہ دو رب تعالیٰ کی ڈھیل و مہلت سے ناجائز تاثر مت لو۔ مگر اس فریضے پر ان جلد بازوں نے کبھی قلم نہیں اٹھایا۔ بس دائیں بائیں دیکھے بغیر اپنی شہوی اور تصویر کشی جیسے حرام فعل کے شوق میں جھٹ سے نقطہ نظر کا مضمون داغ دیا نہ تحقیق حال نہ مدعی کی درخواست نہ مدعی علیہ کا بیان نہ گواہی نہ شہادت نہ حلف نہ قسم۔ تو جہلاً عوام تعلیے میں کیوں نہ آئیں اور غیر مسلموں کی نظر میں بدنامی اسلامی ضابطوں کی ہوئی۔ اخبار کی زندگی ہی کتنی ہے دو دن بعد یہی اخبار گلیوں سڑکوں پر کوڑا بن کر پیروں میں رگڑتا پھرتا ہے عوامی بے عقلی بدخلقی اور گمراہی کی حد ہوگئی کہ اب اخبارات میں گندی فلمی اور بیہودہ فوٹوؤں والے اشتہارات میں بسم اللہ۔ انشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ لکھا جارہا ہے اور کسی کو غیرت نہیں تڑپتی یہ مردہ ضمیری نہیں تو اور کیا ہے۔ جن تصویروں فوٹوؤں کو اسلام نے حرام اور بت سازی فرمایا ان تصویروں کے پیروں کے نیچے اللہ رسول کا نام اور آیتیں حدیثیں۔ دینی مسائل لکھ کر اللہ رسول کا مقابلہ و مذاق اڑایا جارہا۔ کیا یہ اخبار والے اور مضمون نگار اشتہار باز، ایڈیٹر اور اخبار نویس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہوچکے ہیں۔ بہرکیف اب اس نقطۂ نظر والے تماشے کو بند ہونا چاہئے اور اخبار والوں کو چاہئے کہ اخبار کو اخبار و اشتہار تک ہی محدود رکھا جائے میں نے سائل کا بھیجا ہوا سوال نامہ اور وہ تمام اخبارات وصول پائے اور پڑھے جن سے سائل نے یہ استفتا مرتب فرمایا۔ ان مضامین میں انتہائی کمزور دلائل۔ کچی باتیں، بچگانہ الفاظ۔ بناوٹی نظریات جذباتی زبان اور ائمہ فقہا مجتہدین کی دبی لفظی گستاخیوں کے سوا کچھ نہیں۔ فریق مخالف نے فقہ حنفی اور امام اعظم کی شان میں اکھڑ لہجہ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے اور اپنے بیگانے ہیں مخالف مانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے بعد فقہ حنفی اور امام اعظمؒ کے فرمودات ہی زریں اصول تابندہ دلائل آیت و احادیث کی روشنی میں صحیح ضابطے اور ایسی اصول بندی ہے کہ تاقیامت امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی افادیت تامہ و ادائے حقوق عامہ میں باقی تین فقہ سے اعلیٰ اکمل مستند اور قابل عمل ہے۔ زمانہ تسلیم کرچکا ہے حدیث و قرآن

کی سچی نقشہ کشی اور صحیح تفسیر و تشریح، مضبوط استنباط صرف اور صرف فقہ حنفی ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کو یہ مقام کس طرح میسر آسکتا ہے جب کہ وہ سب امام اعظم کے ضابطوں سے استفادہ کرکے ان ہی کے اجتہادی کلیات کا سہارا لے کر فقیہ مجتہد بننے کے علاوہ سب فقہا امام اعظم کے شاگرد یا شاگرد در شاگرد بلاواسطہ یا بالواسطہ ہیں۔ محققین متقدمین و متاخرین کے علمی تحقیق و تفتیشی تجربات سے یہ بات حتمی ثابت ہو چکی ہے کہ جس امام فقہ نے بھی امام اعظم کے مسئلے کے خلاف مسئلہ بنایا وہ ظاہر ظہور روح قرآنی اور رمز احادیث کے خلاف اور منشاء الٰہیہ کے برعکس۔ فرمودات نبوت کے مخالف ہی چلا گویا صحابہ کے بعد امام اعظم ہی رمز شناس رسول اللہ ہیں۔ یہ زیر بحث مسئلہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ اس مسئلہ ربو میں دیگر فقہاء کرام نے بظاہر بڑی شد و مد سے قرآن و حدیث کے دلائل پیش کئے ہیں۔ اور امام اعظم کے خلاف مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے لیکن سراسر مقصد آیت و رمز روایت کے مخالف چلے ہیں۔ ہماری یہ سب باتیں صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی سطور میں ہر چیز کو بادلائل باحوالہ ثابت کیا جائے گا۔ نیز ہم اپنی یہ بات اللہ رسول کے بھروسے پر چیلنج کے طور پر لکھ رہے ہیں۔ کوئی شافعی حنبلی مالکی گروہ کا کوئی بھی شخص ہم سے کسی بھی وقت ہماری اس تحریری دعویداری پر مکالمہ کر سکتا ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے جب کہ مخالفین کی فقہ محض قیاسات یا کمزور استنباط و استدلال پر نصوص کے مطالب حقیقیہ سے ہٹ کر ہے۔ فی الحال ہم استفتا کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ ہم اپنے طریقے کے مطابق پہلے اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل پیش کریں گے پھر نہایت حسین و مبین پیرائے میں مخالفین کی دلیلوں کا جواب دیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہ حنفی کے مخالف اقوال صرف گھڑ رہے ہی ہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَیْہِ التُّکْلَانُ۔ امام اعظم کا مسلک ہے کہ دار الحرب میں حربی کافر سے سود لینا بالکل جائز ہے اور وہ سود ربو نہیں بنتا۔ ہماری تمام گفتگو اسی دعوے کے مطابق ہے نیز ہمارا یہ دعویٰ ہے جو شخص بھی اس مسئلے کے مخالف ہے وہ قرآن و حدیث کے اصل منشا اور مسئلہ سود کی حقیقت سے ناواقف ہے یہ فتویٰ بہت غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے بعد لکھ رہا ہوں۔ مجھ کو اپنے رب تعالیٰ اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر پورا کامل و اکمل بھروسہ و یقین کہ حسب سابق کوئی شخص اس فتوے کو علم اور دلائل سے غلط نہیں کر سکے گا۔ سب طاقتیں میرے اللہ کو ہیں جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ ہمارے اس حنفی مسئلے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔ **پہلی دلیل** قرآن مجید یا احادیث کی کتب مبارکہ میں ایک بھی ایسی آیت یا حدیث نہیں ہے جس میں دار الحرب کے کفار سے سود لینے کی ممانعت کی گئی ہو۔ دنیا بھر کے علماء سے ہمارا چیلنج و مطالبہ ہے کہ کوئی عالم اس طرح کی کوئی آیت اور حدیث مشہور یا غیر مشہور، مرسل یا خبر واحد نہیں دکھا سکتا سود کی حرمت کی جتنی بھی آیتیں ہیں یا احادیث مبارکہ ہیں وہ سب کی سب مسلمان سے سود لینے دینے کی ہیں۔ یعنی کوئی مسلمان ایسے شخص سے سود نہ لے جو مسلمان ہو یا مسلمانوں کی طرح اس کا مال شرعاً محفوظ ہو۔ دار الحرب کے کفار سے سود کا حرام ہونا کہیں ثابت نہیں لہٰذا اے نادان کم عقل مخالفت اللہ رسول کو چھوڑ کر متقی بننے کی کوشش

مت کرو۔ چیزوں کو حرام وحلال کرنے کی خود ٹھیکیداری مت اٹھالو اللہ رسول نے کسی بندے کو حلال وحرام کرنے کا اختیار نہیں دیا چنانچہ سورۃ یونس کی آیت ۵۹ میں اسی قسم کے جلد باز لوگوں کو تاقیامت متنبہ وخبردار کیا جارہا ہے کہ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًاؕ-قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ...... ترجمہ اے محبوب نبی تم فرماؤ۔ بھلا بتاؤ کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے نازل فرمایا۔ تو تم نے کس جرأت سے اس میں کچھ خود ہی حرام بنالیا اور کچھ خود ہی اپنی مرضی سے حلال کر لیا۔ کیا تم کو اللہ نے حرام وحلال کرنے کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ چونکہ سود کی حرمت کا تعلق صرف مسلمانوں سے لینے دینے میں ہے اس لیے قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی ربو کی حرمت کا ذکر کیا ہے وہاں پہلے تاکید سے ایمان والوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۲۶۷ میں جس جگہ مال ودولت کے خرچ کرنے کرانے لینے دینے تجارت اور سود کا تفصیل ذکر کیا گیا وہاں شروع میں پہلے ہی قید لگادی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ یعنی اے ایمان والو۔ یا اے وہ لوگو جو مؤمن بن چکے ایمان لا چکے یہ صرف تمہارے لیے قانون اور پابندیاں ہیں کہ تم طیب مال خرچ کرو۔ دوم یہ کہ آیت ۲۷۴ سورۃ بقرہ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (الخ) ترجمہ وہ مؤمن مسلمان جو خیرات کرتے ہیں اپنے مالوں کو۔ سوم یہ کہ آیت ۲۷۵ سے سود کا بیان ہوا۔ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ترجمہ وہ مسلمان جو کھاتے ہیں مسلمانوں سے سود وہ قیامت میں ایسے لڑکھڑاتے کھڑے ہوں گے جیسے جنات وشیطن کے ستائے والا آسیب زدہ کھڑا ہوتا ہے مخبوط الحواس ہو کر۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ دنیا میں انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ بیع تجارت سود خرید و فروخت سب ایک جیسے حلال اور جائز ہیں حالانکہ اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا تو اس نصیحت کے بعد جو باز رہا اس کو وہ سود حلال ہے جو ناوانی سے پہلے لے چکا۔ اور جو اب لے گا حرمت کو جانتے ہوئے مانتے ہوئے تو وہ جہنم میں بہت مدت رہے گا (پھر مدتوں بعد پوری سزا لے کر اس کا دوزخ سے چھٹکارا ہوگا)۔ آگے پھر ارشاد ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پھر آیت ۲۷۸ میں ارشاد باری تعالی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم اللہ سے ڈرو اور اب وہ سود چھوڑ دو نہ لو جو تمہارا مسلمانوں کے ذمے مسلمان بن جانے کے بعد باقی رہ گیا ہے اگر تم سب لوگ (لینے دینے والے) مؤمن مسلمان ہو۔ پس اگر ایسا نہ کرو یعنی اس ممانعت کے بعد بھی نہ چھوڑو تو اللہ رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں آیت پاک میں پہلے فرمایا گیا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ پھر آخر میں فرمایا گیا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ سوچنے والی بات ہے کہ آخر رب تعالی نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد پھر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کیوں فرمایا۔ تو اقتضاء النص سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ پہلے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد لینے والوں کا ذکر ہے اور اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ میں دینے والوں کا ذکر ہے اور قربت ایمانی کی بنا پر دونوں جگہ خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا اسی لیے یہاں ان شرطیہ فرما کر ذَرُوْا میں قید

لگادی۔ اور یہ فرمایا گیا کہ بقیہ سود تب چھوڑو اگر تم سب مومن مسلمان ہو چکے ہو سیلنے والے تو پہلے ہی یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا دینے والوں کو بھی پوچھ لو کہ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ثابت ہوا کہ اگر دینے والے مسلمان نہ ہوئے ہوں تو ان سے ربٰو نہ چھوڑا جائے بلکہ ضرور لے لو۔ اگر یہ تفسیر نہ کی جائے تو بعد میں اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ فرمانا۔ بیکار معلوم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا کلام بیکار ہونے سے پاک ہے۔ دوبارہ مومن ہونے کا ذکر کرنا۔ اور ان حرف شرط کی قید لگانا صاف اور واضح بیان فرما رہا ہے کہ صرف مسلمانوں سے سود لینا حرام ہے حربی کفار سے بالکل جائز ہے۔ اور یہ سوال کہ کیوں جائز ہے اور ذمی کفار سے کیوں جائز نہیں۔ اس کی وجہ احادیث پاک نے بہت وضاحت سے بیان فرما دی۔ سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ کھاؤ تم سود دُونا دُونا تین گنا کر کے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ قرآن مجید فقط ان تین ہی آیتوں عبارتوں میں سود کی قانونی حرمت کا ذکر ہے اور ان تمام جگہ صرف مسلمانوں کو صرف مسلمانوں سے سود لینے کی حرمت بیان ہوئی کوئی کافر اور مشرک غیر مسلم ان احکام میں مکلف اور شامل و داخل نہیں۔ سورۃ نسا آیت نمبر ۱۶۱ میں جو سود کا ذکر ہے وہ خبر ہے انشا نہیں یعنی اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ پہلی شریعتوں میں بھی مومن امتوں پر سود لینا دینا حرام تھا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْهُ (الخ) یہودیوں پر بہت سی حلال چیزیں ہم نے حرام فرما دیں تھیں ایک ان کے ظلم کی وجہ سے اور ایک ان کے اس وقت سود کھانے کی وجہ اور سود لینے کی وجہ سے حالانکہ بیشک وہ یہودی عیسائی اس وقت جب کہ وہ مومن ہوا کرتے تھے سود وغیرہ سے منع کئے گئے تھے۔ اور ایک ان کے لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے۔ اس آیت میں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ پچھلے انبیاء کرام علیہم السّلام کی شریعتوں میں بھی بہت سی چیزوں کی طرح سود بھی حرام تھی مگر انہوں نے اپنے زمانوں میں یہ گناہ کیا تھا کہ وہ آپس میں سود لیتے دیتے رہے۔ لیکن آج کل کے یہودی عیسائی اپنے کفر شرک کی وجہ سے کسی حرمت اور عبادت کے مکلف نہیں ہیں۔ نہ ہی اب پچھلی شریعتیں باقی ہیں۔ قانون اور انشاء امر و نہی والی یہ سب آیتیں صاف ظاہر فرما رہی ہیں کہ صرف مسلمان سے سود لینا حرام ہے امام اعظم کے مسلک کی بنیاد ان ہی آیت قرآن پر ہے۔ مگر دیگر ائمہ ثلاثہ اور امام یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنی جلد بازی کی بنا پر ان آیتوں کی اس اقتضا اور اشارہ النص کی طرف توجہ نہ فرماتے ہوئے صرف اپنے اپنے قیاسات کا سہارا لیتے ہیں اور محض عقل و قیاس کی بنیاد پر فرما جاتے ہیں کہ سود کی آیتیں اور احادیث مطلق ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلط ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰۰ پر باب الربٰو میں ہے لَھُمْ اِطْلَاقُ النُّصُوْصِ فَاِنَّھَا لَمْ تُقَیِّدْ بِالْمَنْعِ بِمَکَانٍ وَالْقِیَاسُ عَلَی الْمُسْتَاْمِنِ مِنْھُمْ دَارِنَا ۔ ترجمہ: تینوں ائمہ وغیرہم کو دلیل سود کی آیتوں حدیثوں کا مطلق ہونا ہے کیونکہ سود کی آیتیں روایتیں کسی جگہ یا علاقے سے مقید نہیں ہیں۔ اور مستامن کافر پر جو ہمارے ملک دار الاسلام میں آجائے تو اس سے ہم سود نہیں لے سکتے۔ اسی پر قیاس کر کے دار الحرب کے کفار سے بھی سود

نہیں لی جاسکتی۔ اور آیتِ مطلقہ کو بھی مقید نہیں کیا جاسکتا۔ گویا کہ وہ فقہا جو امام اعظم کے خلاف چل پڑے ان کی صرف دو دلیلیں ہیں ایک استدلالی دوم قیاسی۔ استدلالی تو یہ کہ آیتیں چونکہ مطلق ہیں لہٰذا ہر جگہ ہر شخص سے سود حرام۔ قیاسی یہ کہ جب کوئی کافر مَن لے کر ہمارے اسلامی ملک میں مستامن بنجائے تو اس سے کوئی مسلمان سود نہیں لے سکتا لہٰذا حربی سے دار الحرب میں بھی سود نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن ہم امام اعظم کو ماننے والے حنفی کہتے ہیں کہ یہ دونوں دلیلیں انتہائی سخت کمزور ہیں اور نامناسب ہیں۔ پہلی استدلالی اس لیے کمزور ہے کہ ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی مطلق ہونے کی نہ تو وجہ بیان کی نہ ہی مطلق کی نوعیت بیان کی نہ کیفیت۔ صرف مطلق مطلق کہہ دینا تو کافی نہیں ہوتا۔ ہر قول میں چار طرح مقید یا مطلق ہوسکتا ہے ۱۔ مکان کے اعتبار سے ۲۔ زمان کے اعتبار سے ۳۔ قانون والی چیز کے اعتبار سے ۴۔ جس پر قانون لگ رہا ہے اس شخص کے اعتبار سے شریعت کا حکم ہے کہ جو شخص کسی چیز کو مطلق کہے وہ بھی ان چاروں قسموں کی وضاحت کرے اور ثبوت پیش کرے اور جو مقید کہتا ہے وہ بھی ثبوت پیش کرے۔ سود کی آیتوں روایتوں کو امام اعظم نے مکان اور شخصیت کے اعتبار سے مقید فرمایا۔ لیکن زمانے اور ربٰو کے اعتبار سے مطلق فرمایا اور اس کے مضبوط ثبوت پیش فرمائے لیکن دیگر اماموں نے صرف زبان سے مطلق تو کہہ دیا مگر آج تک کسی مالکی شافعی حنبلی وغیرہ نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا نہ تقسیم کرکے بتایا کہ سود کے مسئلہ میں کیا مطلق ہے۔ حالانکہ مطلق و مقید کی چار چار قسمیں ہیں جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔ ربٰو کا مسئلہ زمانے کے اعتبار سے مطلق ہے اس لیے قیامت تک مسلمانوں پر سود حرام ہے مسلمان سے لینا بھی حرام مسلمان کو دینا بھی حرام اور سود ہونے کے اعتبار سے مطلق ہے لہٰذا جب کسی مال پر سود کی تعریف مکمل صادق آجائے تو وہ سود ہی ہے خواہ کسی طرح کا ہو۔ لیکن یہی سود کا مسئلہ شخصیت کے اعتبار سے مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور اسی بات کو دیگر ائمہ نے بھی نہیں سمجھا اور علیحدہ مذہب بنالیا۔ امام اعظم کے نزدیک سود کی آیتیں اور حدیثیں تین طرح مقید ہیں۔ **پہلی قید**۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فرمایا **دوسری قید**۔ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فرمایا۔ **تیسری قید**۔ یہ کہ تمام ائمہ متفقہ طور پر مانتے ہیں۔ کہ کفار کسی قسم کے خواہ بت پرست ہوں یا یہود و نصاریٰ صرف ایمان لانے مسلمان بننے کے مکلف ہیں جب تک کفار کافر رہیں گے اس وقت تک شریعت کا کوئی حکم کوئی پابندی امر نہی۔ حرام۔ حلال عبادت ریاضت کفار پر لازم واجب فرض نہیں۔ طلاق نکاح تجارت میں وہ اسلامی ضابطوں کے مکلف نہیں ہیں۔ صرف اخلاقی پابندیاں ان پر لازم العمل ہوں گی شرعی پابندیاں واجب العمل نہیں ہوں گی۔ یعنی کھانے پینے لینے دینے میں اسلامی احکام ان پر جاری نہ ہوں گے۔ نکاح۔ طلاق۔ تجارت کھانے پینے میں وہ اپنی مرضی اور اپنے مذہب پر چل سکتے ہیں اسلامی حکومت ان کو کسی بات سے نہیں روک سکتی۔ اگر سود کی آیت و احادیث شخصیت کے اعتبار سے بھی مطلق ہوتیں تو کفار بھی سود لینے دینے سے روکا جاتا حالانکہ دور نبوی سے آج تک کبھی بھی کفار کو منع نہیں کیا گیا۔ نہ امام شافعی وغیرہ نے ہی روکا نہ کوئی آیت ایسی نازل ہوئی جس میں ہوتا کہ

اے کافرو غیر مسلمو تم بھی سود مت کھاؤ اور پھر سود ہی نہیں۔ شراب جوئے مردار خوری وغیرہ سب چیزوں سے کفار کو روکا جاتا۔ حالانکہ کبھی کسی نے نا رو کا نہ اللہ نے نہ رسول اللہ نے نہ کوئی اس کا قائل اس قید سے ثابت ہوا کہ سود کے مسئلے میں شخصیت مقید ہیں امام اعظم کہتے ہیں کہ آیت صرف مسلمانوں کے لیے ہیں کہ مسلمان سے ہم مسلمان سود نہیں لے سکتے۔ مکان کے اعتبار سے بھی سود کا مسئلہ مقید ہے اس لیے کہ سود کی حرمت ایک قانونی چیز ہے اور قانون کے لیے قانون کا جاری کرنا اور قانون کی پوری صورتیں مہیا ہونا ضروری ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ مال محفوظ اور شرعاً معصوم ہو اور مال معصوم وہ ہوتا ہے جو کبھی مالِ غنیمت نہ بن سکے۔ حربی کفار کا مال دار الحرب میں شرعی طور پر نہ محفوظ ہے نہ معصوم کیونکہ وہ مال غنیمت بن جاتا ہے۔ اس کو سارے ائمہ تسلیم کرتے ہیں لہٰذا دیگر ائمہ کی دوسری قیاسی دلیل بھی ٹوٹ گئی کیونکہ مستامن کو حربی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا مستامن کا مال۔ مالِ غنیمت نہیں بنتا۔ ثابت ہوا کہ جب تک ایسا علاقہ ہو کہ مال غنیمت نہ بنے تب تک مال معصوم ہے اور مال معصوم خواہ مسلمان کا ہو یا مستامن کا یا ذمی کا اس میں سود اور ربٰو حرام ہوگا چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۲۰ پر ہے وَاِطْلَاقُ النُّصُوْصِ فِیْ مَالٍ مَحْظُوْرٍ۔ ترجمہ یہ آیت و روایات صرف مالِ محفوظ و معصوم میں مقید ہیں اور مطلق ہونا صرف مسلمانوں کے لیے ہے ان تمام شرعی قیدوں سے ثابت ہو گیا کہ امام مالک وغیرہ کا مسلک اور دلائل بہت کمزور و نامناسب ہے اس لیے ناقابلِ عمل ہے۔ ہماری دوسری دلیل سود حرام ہوا ہے سنہ ۳ھ میں جنگ اُحد کے بعد جب کہ بعض مسلمانوں نے صرف مالِ غنیمت کی لالچ میں درّہ میدان اُحد چھوڑ کر نیچے آ کر مال لوٹنا شروع کر دیا اور لالچ کے خمیازے میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور یہ دولت کی لالچ اہلِ عرب کو عام سود کے لین دین کی وجہ سے تھی دورِ جہالت کے بعد اسلام کے ابتدائی دور میں ہر شخص یہاں تک کہ مسلمان بھی سودی کاروبار کرتے اور سود پر قرضے لیتے دیتے تھے کیونکہ سود حرام نہ ہوا تھا۔ اور تقریباً ہر امیر شخص ہی دولت کا لالچی تھا اس لالچ سے جہاں دیگر معاشرے کے نقصان تھے وہاں دیگر جنگی نقطہ نظر سے بھی کافی نقصان ہو جاتے تھے جیسا کہ جنگ اُحد میں ہوا۔ یہ امر فطری ہے کہ جب انسان سودی کاروبار کرتے تو اس کے اخلاقاً تو نقصان قومیت کو تباہ کر دیتے ہیں ۱ آرام طلبی ۲ بے فکری ۳ بے رحمی ۴ لالچ ۵ دولت پرستی ۶ بزدلی ۷ کنجوسی ۸ بے رخی ۹ قطع رحمی۔ چونکہ سود نے انسانی اخلاقی خرابیاں ہی تھیں اس لیے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۳۰ ہجرت کے تیسرے سال نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت سود کا عام اعلان فرما دیا چنانچہ فتاویٰ شرح عنایہ باب الربٰو صفحہ ۲۷۴ پر ہے شروع باب میں نَهَى الشَّارِعُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُبَاشَرَتِهَا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً الاٰية فَاِنَّ النَّهْيَ يَعْقُبُ الْاَمْرَ۔ ترجمہ آقا کائنات شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کے لین دین اور اس کی مباشرت و ملوث ہونے سے تمام مسلمانوں کو منع فرمایا اس آیت کریمہ کی وجہ سے کہ اے ایمان والو نہ کھاؤ تم سود دگن تگنا اس

حرمت کے بعد جو صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں تھے۔ وہ تو یک دم ہر قسم کی سود سے ہٹ گئے لیکن حضرت وہ عباس بن عبدالمطلب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جنگ بدر کے بعد مسلمان ہو کر مکہ شریف میں آباد ہو گئے تھے۔ کسی اور صحابی کو مکہ مکرمہ میں رہنے کی یا وطنیت اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ خصوصی اجازت صرف حضرت عباس کو ملی تھی۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس کے بہت قرضے کفار مکہ کے ذمے تھے وہ آپ نے وصول کرنے تھے۔ اور آپ کا کاروبار مسلمان ہونے سے پہلے بھی سودی تھا آپ سود پر قرضہ دیتے رہتے تھے جب آپ جنگ بدر کے بعد مسلمان ہو کر اور اجازتِ نبوی لے کر واپس مکہ مکرمہ تشریف فرما ہوئے اس وقت آپ کے قرضے سود در سود ہو کر بہت سے لوگوں کے ذمے تھے آپ وہ قرض مع سود لیتے رہے۔ چنانچہ فتاویٰ مبسوط سرخسی جلد نہم صفحہ ۲۸ باب الربوٰ میں ہے۔ اِنَّ الْعَبَّاسَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ یَوْمَ بَدْرٍ رَجَعَ اِلٰی مَکَّۃَ بِاِذْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ یُرْبِیْ بِمَکَّۃَ قَبْلَ نُزُوْلِ التَّحْرِیْمِ وَبَعْدَ نُزُوْلِہٖ لِاَنَّ حُکْمَ الرِّبٰوا لَا یَجْرِیْ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ وَقَدْ کَانَتْ مَکَّۃُ یَوْمَئِذٍ دَارَ حَرْبٍ ثُمَّ بَیَّنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ مَوْضُوْعٌ لَا خُصُوْمَۃَ فِیْہِ بَعْدَ الْفَتْحِ ۔ ترجمہ۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے بعد مسلمان ہو کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ مکرمہ واپس آ گئے تھے۔ اور آپ سود حرام ہونے سے پہلے بھی سود لیا کرتے تھے اور حرمت کے بعد بھی مکہ شریف کے قرضائیوں سے لیتے رہے اور یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا اس لیے کہ دارالحرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود کی حرمت کا حکم جاری نہیں ہوتا اور اس وقت تک مکہ معظمہ دارالحرب تھا۔ پھر بہت عرصے کے بعد جب کہ مکہ پاک فتح ہو گیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اب مکہ مکرمہ کا دارِ حرب ہونا ختم ہو گیا اور موضوع ہو گیا اب ہماری ان سے کوئی خصومت نہ رہی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ دارِ حرب میں کفار سے سود لینا جائز ہے امام شافعی وغیرہ بزرگوں کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں نہ اس دلیل کو توڑنے یا جواب دینے کی آج تک کسی کو جرأت و ہمت ہوئی۔ نہ ہی آج کل کے کسی اختیاری مولوی نے کوئی دلیل دکھائی نہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ دکھا سکتے ہیں جو اس قرآن و حدیث والی دلیلوں کا مقابلہ کر سکے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اس طرح کی خودساختہ اور بناوٹی پرہیزگاری مت لیے پھرو۔ بلکہ اللہ رسول کی ہی مانو۔ اللہ رسول اور قرآن و حدیث سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ مولیٰ تعالیٰ سمجھ دے۔

ہماری تیسری دلیل۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ مفسرین و مورخین فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی۔ قرآن مجید میں یہ پانچ آیت سب سے آخری وحی ہیں۔ قرآن مجید کی اسی آخری آیت کا شانِ نزول بتا رہا ہے کہ دارِ حرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے اس لیے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں

کا جو کافی زمانے سے سودی لین دین چلا رہا تھا اور اب تک مسلمان کفار مکہ سے سود لیتے چلے آرہے تھے اب لینے دینے کے بارے جھگڑا اور اختلاف ہوا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز تب یہ آیت نازل ہوئیں ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقعے پر۔ احادیث تفاسیر اور تواریخ سے یہی مشہور و متواتر ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۱۹۹ پر ہے اسی آیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔ قِیْلَ نَزَلَتْ فِی الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَعُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ (الخ) وَقِیْلَ نَزَلَتْ فِیْ اَرْبَعَۃِ اِخْوَۃٍ مِنْ ثَقِیْفٍ وَھُمْ مَسْعُوْدٌ وَعَبْدُ یَالِیْلَ وَحَبِیْبُ وَرَبِیْعَۃُ بْنُ عَمْرِ بْنِ عَوْفٍ الثَّقَفِیْ (الخ) اَسْلَمَ ھٰؤُلَاءِ الْاِخْوَۃُ بَنُوْ عَمْرِو الثَّقَفِیْ وَطَلَبُوْا رِبٰوھُمْ مِنْ بَنِیْ مُغِیْرَۃَ۔ فَقَالَ بَنُوْ الْمُغِیْرَۃِ وَاللہِ مَا نُعْطِی الرِّبٰو فِی الْاِسْلَامِ وَقَدْ وَضَعَہُ اللہُ تَعَالٰی عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الخ) فَاَنْزَلَ اللہُ تَعَالٰی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا (الخ) ترجمہ۔ یہ آیت کریمہ چار وجہ سے نازل ہوئیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباس کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول ہے کہ بنی ثقیف کے چار بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کے نام (۱) مسعود (۲) عبد یالیل (۳) حبیب (۴) ربیعہ بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی ہیں۔ بنو عمر ثقفی کے یہ تینوں چاروں بھائی جب مسلمان ہوئے فتح مکہ کے بعد جب طائف فتح ہوا تو۔ بنی ثقیف اور بنی مغیرہ کا آپس میں سودی لین دین اور قرضے وغیرہ تھے۔ بنی ثقیف کے چار شخصوں نے اپنا سود بنی مغیرہ سے طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے سود ختم فرما دیا ہے اللہ کی قسم ہم اب تم کو سود نہیں دیں گے یہ مقدمہ مکہ مکرمہ کے عامل عتاب بن اسید جو آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکم مکہ تھے۔ ان کی عدالت میں پیش ہوا (یقیناً اس وقت تک آپ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لیے) آپ نے یہ مقدمہ مدینہ منورہ خدمت اقدس میں بھیج دیا تب یہ آیت پاک نازل ہوئیں تو یہ تمام حضرات یعنی بنی ثقیف۔ بنی مغیرہ سے اور حضرت عباس اپنے مسلمان ہو جانے والے قرض داروں سے حضرت عثمان مکہ مکرمہ کی داریت بدل جانے سے اور دار حرب ختم ہو کر دار الاسلام بن جانے سے اپنے اپنے سود لینے سے رک گئے اور بقیہ سود چھوڑ دیا۔ اسی طرح صفوۃ التفاسیر جلد اول صفحہ ۱۷۲ سے نیز تفسیر فتح القدیر للامام شوکانی جلد اول صفحہ ۲۹۵ پر ہے وَقَدْ اَخْرَجَ اِبْنُ جَرِیْرٍ وَاِبْنُ الْمُنْذِرِ وَاِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ السُّدِّیِّ فِیْ قَوْلِہٖ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا۔ قَالَ نَزَلَتْ فِی الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ مُغِیْرَۃَ۔

ترجمہ۔ ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے امام سدی سے روایت کی کہ یہ آیت۔ ابن عباس اور بنی مغیرہ کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہی اس کا شان نزول ہے حضرت عباس بن عبد المطلب اس آیت کے

نزول تک اپنے کافر مشرک قرض داروں سے سود لیتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد وہ کفار بنی مغیرہ وغیرہم مسلمان ہو گئے تو انہوں نے سود ادا کرنے سے انکار کر دیا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تب یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۲۷۵ تا ۲۸۱ نزول قرآن میں یہ آیت آخری ہیں اس کے بعد تقریباً اکیاسی دن بعد، آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف پا گئے، چنانچہ تفسیر فتح القدیر امام شوکانی ص۲۹۷ پر ہے۔ وَفِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبٰو خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ وَأَخْرَجَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ إِنَّ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُولًا آيَةَ الرِّبٰو وَإِنَّهُ قَدْ مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پھر آگے ص۲۹۹ پر ہے۔ وَأَخْرَجَ أَبُو عُبَيْدٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدُوَيْهِ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهَا آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ وَكَانَ بَيْنَ نُزُولِهَا وَبَيْنَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ وَثَمَانُونَ يَوْمًا۔

ترجمہ مسلم بخاری اور دیگر کتب احادیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مبارک ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیت سود کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف کی طرف نکلے اور آپ نے یہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں پھر اسی موقعہ پر خمر کی تجارت بھی آپ نے حرام فرما دی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فاروق اعظم نے خطبہ شریف میں فرمایا کہ نزول میں قرآن مجید کی آخری آیت یہ ربٰو کی آیتیں اتریں اور اس کے بعد بہت جلدی وفات شریف ہو گئی ہم سود کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہ کر سکے ص۲۹۹ کا ترجمہ ابو عبید۔ اور عبد بن حمید۔ نسائی۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ طبرانی۔ ابن مردویہ بیہقی جیسے تمام اکابر محدثین نے عبداللہ ابن عباس سے روایت فرمایا کہ بیشک یہ سود کی آیت آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پاک سے اکیاسی دن پہلے نازل ہوئیں اور نزول میں آخری ہیں۔ بعد محدثین فرماتے ہیں کہ ان آیت کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو راتیں دنیا میں۔ یا ہم میں تشریف فرما رہے۔ غور طلب یہ بات ہے کہ سود حرام ہوتی سن ہجری تین میں سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۰ سے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا اور یہ وَذَرُوْا والی آیت نازل ہوئی ہیں سن ہجری دس ۱۰ھ میں فتح مکہ کے بعد میدان عرفات میں اس طرح کہ پہلے سورۃ مائدہ کی آیت ۳ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ والی نازل ہوتی ہے۔ پھر یہ آیت ربٰو نازل ہوئیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا وَكُلُّ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا الْعَبَّاسِ وَلَمْ يَأْمُرْهُمْ بِرَدِّ الزِّيَادَاتِ الَّتِي سَبَقَ لَهُمْ أَخْذُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ (بحوالہ تفسیر ظلال القرآن جلد اول ص۲۳۲ مصنف سید قطب) ترجمہ

جاہلیت یعنی زمانہ کفر کے تمام سود میرے ان قدموں کے نیچے پڑے ہوئے ہیں اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ چچا عباس کا سود ہے حجۃ الوداع خطبہ مبارکہ کے چند الفاظ طیبہ تفسیر خازن جلد اوّل صفحہ ۱۹۹ پر اس طرح ہیں۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذِہِ الْاٰیٰتِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ فِیْمَا رَوَاہُ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِنْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ تَحْتَ قَدَمِیْ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعَۃٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُہٗ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَۃَ بْنِ الْحَارِثِ وَرِبَا الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُہٗ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ(۱)

ترجمہ پھر جب یہ آیت اتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا جیسا کہ مسلم شریف کے ثقہ راویوں کی حدیث جابر میں ہے کہ خبردار جاہلیت یعنی زمانہ کفر کی ہر چیز میرے قدم کے نیچے پڑی ہوئی ہے اور اس زمانہ کفر کے قتل اور خون بھی معاف ہیں اور پہلے میں اپنے قرابت والے ابن ربیعہ کا خون معاف کرتا ہوں اور پہلے میں اپنے چچا حضرت عباس بن مطلب کا سود ختم کرتا ہوں ۲ھ سے سن ۱۰ھ ہجری تک درمیانی حصہ حضرت عباس اور دیگر چند صحابہ کا عمل کیا جاتا رہا ہے۔ ان دلائل میں یہ باتیں غور طلب ہیں ۱ـ آخر کیا وجہ ہے کہ سود اتنا زمانہ پہلے حرام ہوئی مگر وَذَرُوْا مَابَقِیَ کی آیت اتنا عرصہ بعد نازل ہوئی ہے صاف ظاہر ہے کہ کچھ صحابہ کرام اور حضرت عباس اتنا زمانہ حربی کفار سے سود لیتے رہے ہیں ۲ـ اگر یہ توجیہ درست نہیں تو بتایا جائے کہ سات سال بعد قرآن مجید کس کو کہہ رہا ہے کہ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا ۳ـ وہ کون سا سود ہے جو آج سات سال بعد چھڑایا جا رہا ہے۔

۴ـ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں کس ربٰو کو آج موضوع فرما رہی ہے ۵ـ اگر صحابہ کرام نے حربی کفار سے سود نہیں لیا تو یہ آیت کا شانِ نزول اور وَذَرُوْا کا قرآنی حکم موضوع قدمی کا نبوی فرمان سب غلط ہو جاتے ہیں ۶ـ صحابہ کرام سے جو سود لینا ثابت ہے تو کیا صحابہ کرام اتنا عرصہ حرام و ناجائز مال لیتے رہے۔

۷ـ کیا صحابہ کرام کو آیت اور سود کی آیتوں کے مطلق اور غیر مطلق ہونے کا پتہ نہ تھا یا کیا صحابہ کرام متقی نہ تھے۔

۸ـ کیا ان ائمہ مجتہدین امام شافعی وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ قرآن مجید کی سمجھ تھی اور کیا امام مالک وغیرہ اور آج کل کے یہ اخباری مضمون نویس صحابہ کرام سے زیادہ متقی نیک پاک ہیں ۹ـ اور پھر یہ بھی غور طلب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آج اس آیت کے نزول کے بعد تو منع فرما رہے ہیں مگر پہلے حضرت عباسؓ وغیرہ کو سود لیتے دیکھتے جانتے رہے مگر سات سال تک منع نہیں فرمایا یہ وہ سوالات و تفکرات ہیں جن کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دارالحرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے۔ تمام آیت و احادیث صرف مسلمانوں سے سود لینے کی حرمت ثابت کرتی ہیں اور وہ مقید ہیں نہ کہ مطلق اور تینوں ائمہ مجتہدین کے تمام قیاسات۔ استدلال۔ اور اقوال یقیناً صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ظاہری الفاظ شانِ نزول اور مشہور۔ واضح احادیث کے خلاف ہیں۔ اور آج ان کمزور قیاسات کی آڑ لے کر دارالحرب میں ربٰو کو حرام قرار دینا یہ دین میں زیادتی کرنا ہے جو سراسر ان چھوٹے چھوٹے نومولود مولویوں

کی غلطی ہے **چوتھی دلیل** ۔ سورۃ بقرہ شریف کی آیت ۲۷۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلَهٗ مَا سَلَفَ یعنی حرمتِ سود کے بعد اب یہ آیتیں جس کے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے نصیحت بن کر آگئیں اور اس نصیحت و موعظت کی وجہ سے آئندہ وہ ان نئے مسلمان ہونے والے قرض داروں سے سود نہ لے تو اس کے لیے وہ سود جائز و حلال ہے جو وہ ان ہی نو مسلموں سے اس وقت لے چکا ہے جب یہ قرض دار دار الحرب میں کافر تھے لَہٗ ۔ کا لام حرفِ جر اصطلاحِ شریعت میں جواز کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ نکاح ۔ طلاق ۔ بیع وغیرہ ابواب و کتب فقہ میں اس کی مثالیں بہت ہیں ۔ لہٰذا آیت کریمہ کے ان لفظوں میں بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ دار الحرب میں کفار سے لیا ہوا سود مسلمانوں کے لیے قطعاً جائز ہے ۔ اور قرآن مجید کے باقی قوانین کی طرح یہ قانون بھی تا قیامت جاری ہے ابھی تک ہم نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے بطور عبارت النص و اقتضاء النص ثابت کر دیا کہ دار الحرب میں کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے بلکہ اس کو سود ہی نہ کہا جائے گا ۔ اب اسی ثبوت میں ہماری **پانچویں دلیل** ۔ ملاحظہ ہو مسند امام شافعی باب الربٰوا اور مؤطا امام یوسف اور بیہقی شریف میں حضرت امام مکحول تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک روایت ہے اور اسی حدیث پاک کو درایہ میں امام ابن حجر عسقلانی نے صـ۲۱۲ پر اور امام عبد الرؤف مناوی علیہما الرحمۃ نے اپنی کتاب کنوز الحقائق جلد دوم صـ۱۶۲ پر لکھا ہے ۔ وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ عَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا رِبٰوا بَیْنَ اَھْلِ الْحَرْبِ وَاَھْلِ الْاِسْلَامِ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ۔ ترجمہ ۔ امام مکحول تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آقائے کائنات نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم وارشاد فرمایا کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود کا لین دین حرام نہیں اس حدیث پاک کے بارے میں ہم تین طرح جرح کرتے ہیں ۔ ۱ ۔ یہ حدیث کس درجہ کی روایت ہے ۔ ۲ ۔ امام مکحول کس شان کے راوی ہیں ۔ ۳ ۔ کیا اس قسم کی روایات سے شرعی فقہی مسائل اور حلال و حرام پر دلیل لینا درست ہے یا نہیں نیز یہ کہ علم فقہ میں اس کا کیا مقام ہے ۔ چنانچہ پہلی جرح میں بین ثبوت اور واضح دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث پاک سنداً مرسل ہے ۔ اور لفظاً و متناً مشہور ہے اور درجۃً متواتر ہے مرسل اس لیے کہ اس حدیث پاک کو حضرت امام مکحول بن عبد اللہ شامی نے روایت کیا یہ تابعی ہیں روایت میں ان صحابی کا ذکر چھوڑ دیا جن سے آپ نے سنی تھی ۔ یہ حدیث مشہور ہے اس لیے کہ ہر اعتبار سے صحیح ہے ۔ اور مشہور بھی صحیح کی اقسام میں سے ہوتی ہے ۔ چنانچہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف صـ۶ پر ہے ۔ فَصْلٌ اَلْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ وَاِنْ کَانُوْا اَکْثَرَ یُسَمّٰی مَشْھُوْرًا ترجمہ اگر روایت کو جاننے اور سننے سنانے والے زیادہ ہوں تو اس حدیث شریف کا نام حدیث مشہور ہوتا ہے یہ حدیث مبارکہ اپنے درجہ کے اعتبار سے متواتر ہے چنانچہ علم اصول حدیث کی مشہور معتبر کتاب تقریب النووی جلد دوم صـ۱۷۶ پر ہے وَمِنْہُ الْمُتَوَاتِرُ الْمَعْرُوْفُ فِی الْفِقْہِ وَاُصُوْلِہٖ وَلَا یَذْکُرُہُ الْمُحَدِّثُوْنَ وَھُوَ قَلِیْلٌ ۔ وَحَدِیْثُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ

مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ مُتَوَاتِرٌ اور اس کی شرح تدریب الرّاوی جلد دوم ص۱۷۶ پر ہے وَمِنْہُ اَیْ مِنَ الْمَشْہُوْرِ الْمُتَوَاتِرُ الْمَعْرُوْفُ فِی الْفِقْہِ ترجمہ مشہور کی قسم سے (وہ) متواتر حدیث ہے جس کو فقہاء کرام نے اپنے فقہ اور اصولِ فقہ میں قبول کیا ہو اور اس سے استدلال کیا ہو یعنی وہ روایت فقہاء اسلام کے نزدیک معروف ہو اگرچہ محدثین اس کا ذکر نہ کریں اور ایسی حدیثیں تھوڑی ہیں۔ مَنْ کَذَبَ والی حدیث بھی اسی قسم کی متواتر ہے حالانکہ یہ حدیث صرف فقہ کی کتابوں میں ہی ملتی ہے جس نے بھی نقل فرمائی ان ہی کتب فقہاء سے نقل کی اس قول کے مطابق حضرت امام مکحول کی یہ روایت لاربٰو تمام فقہاء احناف وغیر احناف نے ذکر فرمائی اور پھر کوئی محدث بھی اس حدیث کو غلط یا غریب یا ضعیف کہنے کی جرأت نہیں کر سکا نہ ماننا علیحدہ بات ہے۔ مگر نہ ماننے والے بھی اس روایت کو کسی طرح سے کمزور نہ کہہ سکے۔ یہ حدیث پاک اتنی مشہور معتبر اور معروف ہے کہ اس کو امام شافعی جیسی بزرگ ہستی نے اور بیہقی نے روایت فرمایا جامع صغیر نے روایت فرمایا اور فقہاء کرام نے اس کو قبول فرمایا سب سے پہلے امام اعظم جیسی خزینہ علم اماموں کے امام نے قبول فرمایا پھر امام محمد نے اور اس وقت سے لے کر آج تک تمام فقہاء ملت نے اس حدیث پاک کو اپنی اپنی کتاب کی زینت بنایا اس کے مطابق اپنا مسلک بنایا۔ چنانچہ فتاویٰ کنز الدقائق ص۲۵۰ پر ہے وَلَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ ثَمَّۃَ ترجمہ اور نہیں بنتا سود مسلمان و حربی کے درمیان زیادتی سے لین دین میں وہاں دار الحرب میں اسی طرح ہدایہ جلد سوم ص۱۶ پر ہے۔ قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ اور اسی کو فتح القدیر جلد پنجم ص۳۰ پر ہے رَوٰی مَکْحُوْلٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ذَکَرَہٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ۔ یعنی اس حدیث پاک کو محمد بن حسن امام نے بھی روایت فرمایا۔ اسی طرح فتاویٰ شرح عنایہ باب الربٰو اور فتاویٰ سعدی چلپی باب الربٰو میں ہے۔ اور فتاویٰ شامی درمختار جلد چہارم ص۲۶۰ پر ہے وَلَہُمَا الْحَدِیْثُ لَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ترجمہ طرفین اماموں کی دلیل وہی حدیث پاک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ نہیں ہے سود حرام مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار الحرب میں یہی استدلال فتاویٰ عالمگیری جلد سوم ص۱۲۱ پر ہے سود کے باب میں اس طرح فتاویٰ بحر الرائق جلد ششم ص۱۳۵ پر ہے ان مندرجہ بالا فقہ اسلامیہ کی گیارہ کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث پاک متواتر۔ مشہور اور معتبر و معروف ہے اب بھی اگر کوئی نادان اس مضبوط مسئلے کا انکار کرے تو یہ اس کی اپنی ذاتی جہالت ہے اس حدیث پاک کے بارے میں دوسری جرح کہ حضرت امام مکحول کا مرتبہ و مقام محدثین کے نزدیک کیا ہے۔ چنانچہ اَسْمَاءُ الرِّجَال کی مشہور کتاب اکمال لصاحب مشکوٰۃ کے ص۳۵ پر ہے۔ مَکْحُوْلُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ھُوَ مَکْحُوْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ مَکِّیٌّ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ شَامِیٌّ مِنْ سَبْیِ کَابُلٍ کَانَ مَوْلٰی لِامْرَاَۃٍ مِّنْ قَیْسٍ وَقِیْلَ .... وَکَانَ مُعَلِّمُ الْاَوْزَاعِیْ قَالَ الزُّہْرِیُّ

الْعُلَمَاءُ اَرْبَعَةٌ۔ اِبْنُ مُسَیِّبٍ بِالْمَدِیْنَةِ وَالشَّعْبِیُّ بِالْکُوْفَةِ وَالْحَسَنُ الْبَصَرِیُّ بِالْبَصْرَةِ وَمَکْحُوْلٌ بِالشَّامِ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ زَمَانِ مَکْحُوْلٍ اَبْصَرُ بِالْفُتْیَا مِنْهُ وَکَانَ لَا یُفْتِیْ حَتّٰی یَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ هٰذَا الرَّاْیُ وَالرَّاْیُ یُخْطِیْ وَیُصِیْبُ: رَوٰی عَنْ جَمَاعَةٍ وَعَنْهُ خَلْقٌ کَثِیْرٌ۔ وَمَاتَ سَنَةَ ثَمَانِیَةَ عَشَرَةَ وَمِائَةٍ ۔ ترجمہ حضرت امام مکحول بن عبداللہ یہ بی مکحول بن عبداللہ شامی ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے یہ امام اوزاعی کے استاد ہیں جہاد کابل کے قیدیوں میں سے تھے۔ بنی قیس کے مولی تھے یا بنی لیث کے امام زہری نے فرمایا کہ عرب میں چار ہی عالم گزرے ہیں دجن کو اصطلاحاً علما کہا گیا جن کے علم کا مقابل بعد میں آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا) ۱ مدینہ منورہ میں ابن مسیبؓ ۲ کوفے میں شعبی ۳ بصرے میں حسن بصری ۴ اور شام میں امام مکحول ان کے زمانے میں ان سے زیادہ بڑا کوئی بھی عالم اور مفتی صاحب بصیرت نہ تھا جب فتویٰ لکھتے یا بتاتے تو پہلے لاحول پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور عرض کرتے کہ اے مولیٰ تعالیٰ یہ فتویٰ ایک رائے ہے اور ہر رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ صحیح بھی۔ آپ نے بہت صحابہ سے حدیثیں لیں اور آپ سے بہت لوگوں نے حدیث و قرآن اور فقہ کا فیض حاصل کیا سن ہجری ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰۰ پر ہے هٰذَا مُرْسَلٌ وَمَکْحُوْلٌ ثِقَةٌ وَمُرْسَلُ مِثْلِهٖ مَقْبُوْلٌ حضرت امام مکحول کی یہ حدیث اور یو والی حدیث مرسل ہے اور امام مکحول بہت بڑے متقی اور ثقہ راوی ہیں اور اس قسم کی مرسل حدیث تمام محدثین و فقہاء اسلام کے نزدیک مقبول ہے ان تمام عبارات اور احادیث و فقہا کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث بہت صحیح اور اونچے درجہ کی متواتر مشہور۔ اور مرسل حدیث ہے۔ فقہاء مجتہدین نے اس کو قبول کیا ہے محققین علماء اسلام فرماتے ہیں کہ کسی روایت کو فقہاء کرام کا قبول کر لینا محدثین کے قبول کر لینے سے بھی زیادہ معتبر ہے اس لیے عالم اسلام میں چار ہی زمانے ہیں۔ پہلا زمانہ۔ نزول قرآن مجید کا دوسرا زمانہ۔ صحابہ کرام کا۔ تیسرا زمانہ فقہ و اجتہاد کا۔ چوتھا زمانہ۔ محدثین کا۔ اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین زمانوں کی تعریف اور شان بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ترجمہ تمام زمانوں میں اچھا زمانہ میرا ہے پھر جو ان کے بعد ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں۔ امام اعظم اور فقہاء کرام کے زمانے میں تو تمام حدیثیں صحیح تھیں نہ کوئی موضوع تھی نہ ضعیف۔ و بنا و روایات میں یہ تخریب کاریاں تو بہت بعد کی پیداوار ہیں اسی لیے بعد کے زمانوں میں محدثین کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ یہ تو ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث مرسل متواتر ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اب اس حدیث کے بارے میں تیسری جرح ملاحظہ ہو کہ کیا یہ حدیث شریف فقہی معیار کے مطابق کسی حرام یا حلال کے لیے دلیل و ترجیح بن سکتی ہے یا نہیں اس کے ثبوت میں ہم نے پہلی دلیل تو فتاویٰ فتح القدیر سے ابھی پیش کی ہے کہ ایسی مرسل حدیث شریف فقہی معیار سے قابل قبول ہے دوسرا ثبوت یہ کہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف

صـ۲ پر ہے وَعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمَالِكٍ اَلْمُرْسَلُ مَقْبُوْلٌ مُطْلَقًا وَهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا اَرْسَلَهٗ لِكَمَالِ الْوُثُوْقِ وَالْاِعْتِمَادِ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِی الثِّقَةِ وَلَوْ لَمْ یَكُنْ عِنْدَهٗ صَحِیْحًا لَمْ یُرْسِلْهُ وَلَمْ یَقُلْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ اِنِ اعْتَضَدَ بِوَجْهٍ مُرْسَلٍ اَوْ مُسْنَدٍ وَاِنْ كَانَ ضَعِیْفًا قُبِلَ ترجمہ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے مطلقاً ہر لحاظ سے اور وہ سب مجتہد امام فرماتے ہیں۔ کہ تابعین کرام نے نہایت اعتماد اور ایمان کی پختگی وثوق کے ساتھ ان حدیثوں کو مرسل کیا ہے اور دوسرے علما تک پہنچایا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے زمانے میں تابعین ہی ثقہ تقوے اور نیکی میں کامل تھے۔ اگر ان کے نزدیک یہ حدیثیں صحیح نہ پہنچتیں تو وہ حضرات کبھی ان کو ہم تک نہ پہنچاتے اور کبھی نہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اگر مرسل یا مسند حدیث کی وجہ سے تقویت حاصل ہو جائے تو اگر ضعیف ہو قبول کر لی جائے گی **تیسرا ثبوت**۔ تدریب الراوی جلد اول صـ۲۰۲ پر ہے۔ وَرُبَّمَا رَجَّحَ الشَّافِعِیُّ بِمُرْسَلِهٖ وَالتَّرْجِیْحُ بِالْمُرْسَلِ جَائِزٌ قَالَ الْخَطِیْبُ وَهُوَ الصَّوَابُ ترجمہ امام شافعی نے مرسل حدیث کو ترجیح دی ہے اور مرسل حدیث کو دوسری باتوں روایتوں۔ قیاسوں پر ترجیح دینا جائز ہے محدث خطیب نے فرمایا کہ یہ بالکل جائز ہے درست ہے۔ اسی تدریب الراوی کی جلد دوم صـ۱۶۱ پر ہے وَلِذٰلِكَ یَجِبُ الْعَمَلُ بِهٖ مِنْ غَیْرِ بَحْثٍ عَنْ رِجَالِهٖ وَلَا یُعْتَبَرُ فِیْهِ عَدَدٌ مُعَیَّنٌ فِی الْاَصَحِّ ۔ ترجمہ۔ جو حدیث مرسل فقہ میں معروف و مقبول ہو کر متواتر ہو جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس کے راویوں کے متعلق بھی بحث جرح اور چھان بین کی ضرورت نہیں اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہاں راویوں کے عدد معین کی بھی ضرورت نہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ متقدمین فقہا کا قبول کر لینا کوئی معمولی بات نہیں پھر امام اعظم جیسی ہستی جن کی علمیت کا تذکرہ عرش و فرش کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب فقہا مجتہدین امام شافعی وغیرہ ان کے حضور سرنگوں اور شاگردی در شاگردی میں ہیں جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اور پھر امام مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ بزرگ ہستی ہے کہ صحاح ستہ کے بزرگ محدثین و ناقدین نے ان کی مرسل احادیث کو صحیح سمجھا اور قبول کر کے اپنی اپنی مرسلات میں شامل و درج فرمایا۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کے مرسلات میں امام مکحول کی چودہ ۱۴ احادیث مذکورہ موجود ہیں اسی طرح مسلم شریف کی مرسلات میں بھی آپ کی روایتوں حدیثوں کو ترجیح ہے اب تک قرآن و حدیث کی پانچ دلیلوں سے ہم نے ثابت کر دیا کہ کفار سے سود لینا بالکل جائز ہے۔ اور یہ مسئلہ صرف کسی فقہ اجتہاد یا عقل کا نہیں بلکہ نص مسئلہ صاف اور خالص ظاہراً و باطناً قرآن مجید و حدیث پاک کا ہے۔ اور قرآن و حدیث کے مطابق کسی مجتہد کا ذاتی قیاس بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے **چھٹی دلیل**۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا دلائل قرآن و حدیث کو اپنے مسلک کی بنیاد بنایا اور ثابت فرما دیا کہ نص مسئلہ اللہ رسول نے بتایا ہے نہ کہ کسی کے اجتہاد و قیاس نے یہی نہیں بلکہ امام اعظم کے تمام مسائل ہی قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ خود ارشاد

فرماتے ہیں اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ یہ قول رسائل ابن عابدین جلد اول صفحہ ۱۲۷ میں منقول ہے ترجمہ یعنی صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میرا کوئی قول حدیث رسول اللہ کے خلاف پاؤ تو میرا قول دیوار سے دے مارو۔ یہ ارشادات کسی اور امام و مجتہد نے نہ فرمائے۔ امام اعظم کے ان فرمودات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ امام اعظم کی کوئی بات اور مسلک و قیاس و اجتہاد۔ اللہ رسول اور قرآن و حدیث کے خلاف نہیں۔ ہاں البتہ امام اعظم نے بہت جگہ اجتہاد و قیاس بھی فرمایا مگر وہ قیاس اصل مسئلے میں نہیں بلکہ علّت مسائل میں ہیں اسی طرح آپ نے یہاں بھی دار الحرب کی سود قرآن حدیث سے جائز قرار دے کر ایک دوسری حدیث شریف پر قیاس کر کے بیان کی اور اس طرح وضاحت فرمائی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف مسلمان سے سود لینا حرام کیا اور بار بار اہل ایمان اور یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. کی قید لگائی اور کیا وجہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد مقدس فرمایا کہ لَارِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ (الخ) امام اعظم نے اس فرمانِ نبوی اور قیود الٰہیہ کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ کافر کا مال معصوم و محترم نہیں ہے لہٰذا کفار سے دار الحرب میں سود لینا جائز ہے۔ اسی طرح تمام وہ فاسد تجارتیں بھی کفار سے جائز ہیں جو مسلمان سے جائز نہیں ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۳۰۰ اور فتاویٰ درمختار شامی جلد چہارم صفحہ ۲۶۱ پر ہے لِاَنَّ مَالَهٗ غَیْرُ مَعْصُوْمٍ اَلْعِصْمَةُ الْحِفْظُ وَالْمَنْعُ (یہ شامی کی عبارت ہے) وَلِاَنَّ مَالَهُمْ مُبَاحٌ وَاَطْلَاقُ النُّصُوْصِ فِیْ مَالٍ مَحْظُوْرٍ (یہ عبارت فتح القدیر کی ہے) ترجمہ۔ کافر حربی سے ربوا اس لیے جائز ہے کہ کفار کا مال غیر معصوم ہے۔ معصوم کا معنی ہے محفوظ۔ ممنوع۔ قابلِ احترام (شامی) اور اس لیے کہ حربی کفار کا مال لینا مباح اور جائز ہے جب کہ غداری چوری۔ ڈکیتی غصب وغیرہ نہ ہو اور جتنی آیت سود کی حرمت کی ہیں وہ سب مسلمانوں کے محفوظ ممنوع۔ معصوم و محترم مال کے لیے ہیں۔ یہ تھا امام اعظم کا قیاس اور یہ قیاس بھی اُن احادیث مطہرات پر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف خطوط و ارشادات میں بادشاہوں و سلاطین کے نام تحریر فرمائے جن میں آپ نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ اے بادشاہ اگر تو اور تیری قوم اللہ رسول پر ایمان لے آئے تو تو نے اپنی اور اپنی قوم کی جان و مال عزت و آبرو کو محفوظ کر لیا اور اگر تو ایمان نہ لایا تو تیرا اور تیری قوم کا وبال تجھ پر ہے۔ ان الفاظ سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ کافر کا مال محفوظ و ممنوع اور محترم نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے مال کی مثل نہیں ہے۔ اسی پر امام اعظم نے قیاس فرما کر اس حربی ربوٰ والی حدیث کی علّتِ جواز بیان فرمائی۔ نیز خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۵ پر ہے۔ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا (الخ) ترجمہ پس آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں تم پر حرام کر دیئے گئے جس طرح کہ آج کا یہ دن تم پر حرمت والا ہے۔ یہاں لفظ اَمْوَالَکُمْ اور لفظ علیکم یہی بتا رہا ہے کہ صرف مسلمانوں کے مال محترم اور معصوم ہیں۔ دوسری حدیث پاک میں ارشاد مبارک ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْہَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ ترجمہ فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار سے اس وقت تک جہاد کا حکم دیا گیا ہوں جب تک کہ وہ کلمہ شریف نہ پڑھ لیں اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کرنے لگیں اگر وہ اس طرح کے سچے پکے مسلمان بن جائیں تو انہوں نے اپنے خون کو اور اپنے مال و دولت کو میری طرف سے معصوم و محفوظ بنا لیا اس حدیث پاک سے صاف اور واضح ہو گیا کہ صرف مسلمان کا مال محفوظ ہے جس کو معصوم کہا جا سکتا ہے کافر کا مال معصوم نہیں ان احادیث پر قیاس فرما کر امام اعظم نے ان احادیث و قرآن کی دلیلوں کی وجہ مستنبط فرمائی جن میں حربی کافر سے سود لینا جائز فرمایا گیا ہے یہ قیاس بھی بہت مضبوط اور منشاء حدیث کے مطابق ہے یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ امام اعظم اور دیگر ائمہ کے قیاس اور استدلال میں کتنا فرق ہے امام اعظم کے تمام استدلال نہایت مضبوط شاندار حدیث و قرآن کے مطابق ہیں لیکن دیگر آئمہ ثلاثہ کے اکثر قیاس منشاء قرآن و حدیث سے بہت دور اور خلاف و برعکس ہیں۔ اس مسئلے کے علاوہ بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے کچھ ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ تو عام کفار کا حال ہے یعنی حربی۔ ذمی مستامن۔ غیر مستامن کے مال کا حال ہے لیکن سود صرف حربی کفار سے جائز ہے اس لیے کہ ذمی اور مستامن کفار ہماری امن اور حفاظت میں ہوتے ہیں مسلمان حکومت و عوام پر ان کی دیکھ بھال۔ اور ہر طرح حفاظت کی ذمے داری عائد ہوتی ہے لہٰذا ان کے اموال عارضی طور پر مسلمانوں کی طرح ہو جاتے ہیں اس لیے ان سے سود جائز نہیں رہتا۔ کیونکہ اسلامی قانون کے زیر نگرانی رہ رہے ہیں۔ وہاں یعنی حکومتِ اسلامیہ میں مسلمانوں کو ذمی اقلیتی کفار یا عارضی طور پر امن کا ویزہ لے کر آنے والے کفار سے سود لینا بھی حرام دینا بھی حرام ممنوع ہے مگر مسلمان جب کسی دارالحرب میں جائے یا جا کر رہے یا وہاں پر شروع سے رہتا ہو وہیں پیدا ہوا پلا بڑھا ہو تو وہ وہاں کے کفار سے سود لے سکتا ہے اس کے لیے یہ مال حرام نہیں۔ یہ مسئلہ میرا یا کسی امام کا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ رسول کا ہے۔ اس مسئلے کی مخالفت پوری شریعت کی مخالفت ہے میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان نام نہاد مولویوں اور پیروں کی جہالت کو دور فرمائے۔ اور قرآن مجید کی سچی سمجھ ہم سب کو عطا فرمائے آج ان ہی اخباری مضمونوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ **ساتویں دلیل**۔ حدیث پاک کے اس لا ربٰو والے حکم کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور عقل و شعور کا بھی تقاضہ ہے کہ حربی کفار سے سود حرام نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ کہ یہ مسئلہ تو ائمہ اربعہ اور شریعتِ اسلامیہ کا متفقہ ہے کہ کفار حرام و حلال کے مکلف نہیں خاص کر دار الحرب میں کفار کو سود لینے دینے سے روکا نہیں جا سکتا اور وہاں رہنے والے مسلمان کفار کو سود دینے پر انتہائی مجبور ہیں

کفار کی ہوس زر اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ تقریباً ہر چیز پر کسی نہ کسی طرح سے دگنا چوگنا بلکہ دس گنا تک نفع کما لیتے ہیں قسطوں۔ ٹیکسوں اور مکانوں دکانوں کے قرضوں پر سود لگا کر ہزار طریقے سے ظلماً غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ کوئی روکنے والا نہیں مسلمان دینے پر مجبور ہیں ایک دس ہزار کی حقیقی اصلی مالیت کا مکان ساٹھ ستر ہزار کا بن جاتا ہے۔ یہ جاہل قسم کے مضمون نویس بھی سودی قرضے حاصل کر کے مکانات خریدے ہوئے ہیں جیسا کہ سوالات کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اسی لیے اپنے مضامین میں بھی صرف لینے کو حرام کہہ رہے ہیں دینے کا نہیں حالانکہ اسلام میں سود لینا اور دینا دونوں ہی برابر کے حرام ہیں تو اب ایسے حالات میں اگر کفار سے لیا کچھ نہ جائے ہر طریقے سے کافر کو دینا ہی دینا تو یہ کفر کی کتنی بڑی امداد کرنا ہے اور مسلمانوں کو غریب و ذلیل و پسپا کرنا ہے بلکہ یہ کہنا بھی درست ہی ہوگا کہ ایسے احمقانہ مضامین لکھنا اور اخباروں میں دینا گویا مسلمانوں کے خلاف کھلی سازش ہے کفار سے سود لینے کا کم از کم یہ فائدہ تو ہے کہ اپنی دی ہوئی ظلماً سود تھوڑی بہت واپس لے لی جاتی ہے یا ادھر سے لے کر پھر ادھر ان کو ہی بینک کی قسطوں کی شکل میں واپس دیدی جاتی ہے رہا یہ کہ پہلے زمانوں کے فقہاء کرام نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں رہنا منع ہے۔ فقہاء کا یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے یہ اسی زمانے کے لیے تھا۔ آج کے دور میں ویزہ پاسپورٹ کی پابندیوں کے ہوتے ہوئے اس حکم پر عمل ناممکن ہے قانون فقہ یہ بھی ہے کہ اَلْحَاجَاتُ تُبِیْحُ الْمَمْنُوْعَاتِ وَالضَّرُوْرِیَاتُ تُجِیْزُ الْمَعْذُوْرَاتِ ترجمہ۔ فقہ کی بیان کردہ ممنوع اور ناجائز چیزیں انسانی مجبوریوں حاجتوں ضرورتوں کی بنا پر جائز بھی ہو جاتی ہیں۔ آج کی حکومتوں میں سرحدیں بند ہیں کسی ملک کے کسی بھی باشندے کو کوئی حکومت اپنے قبول کرنے اور اپنے ملک میں بسانے کو تیار نہیں۔ اور اپنی حکومت نکلنے نہیں دیتی۔ دوسری حکومت قبول نہیں کرتی۔ بستروں میں لیٹ کر مضمون لکھ دینا سستی شہرت کے لیے تو آسان ہے لیکن ذرا ہوش کی آنکھیں کھول کر دنیا کے حالات تو دیکھ لو۔ کون شخص اپنی مرضی سے اپنا ملک چھوڑ کر دوسری جگہ جا سکتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو پاکستان آنا چاہتے ہیں۔ مگر حکومتِ پاکستان ان کو نہیں بلا سکتی ملک میں گنجائش ہی نہیں۔ سعودی حکومت جو سب سے بڑا دارالاسلام ہے وہ کسی بھی غیر عربی مسلمان کو اپنا شہری بنانا گوارہ نہیں کرتے۔ اپنی زمین میں سے ایک انچ کا مالک نہیں بننے دیتے۔ ہندوستان وغیرہ قسم کے ملکوں میں مسلمانوں پر بہت ظلم ہو رہے ہیں مگر وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں کون ان کو قبول کرے گا۔ اب وہ مسلمان دارالحرب چھوڑنے والے قانون پر کس طرح عمل کریں۔ انہوں نے چاروناچار وہیں رہنا ہے۔ وہیں جینا وہیں مرنا وہیں قتل و شہید اور مظلوم و مجبور بننا ہے ان سے سب کافر جبراً سود لیں مگر وہ کسی سے نہ لیں یہ کس قانون کا مسئلہ ہے؟ جب کہ آج کی غربت انتہائی ذلت اور مظلومیت ہے۔ لہٰذا ایسے نادان و ناسمجھ دوستو کسی خود ساختہ مسئلے کو بیان کرنے سے پہلے تھوڑی بہت عقل و تدبر کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بڑے متقی خان بننے کے لیے نئے نئے مسئلے بنا کر اللہ رسول اور قرآن و حدیث کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے

یہ تقویٰ اور مسلمانی نہیں ہے بلکہ قانونِ اسلامی سے ناواقفی ہے تقویٰ صرف اللہ رسول کا حکم ماننا ہے یہود ونصاریٰ کی طرح انبیاء کرام کے فرمودات پر اعتراض نہ کرو۔ جس کو اللہ رسول نے جائز وحلال فرمایا وہ تاقیامت حلال ہی رہے گا کوئی ملا مولوی۔ کوئی پیر فقیر یا شاہ وگدا اسکو حرام نہیں کر سکتا۔ علماء حق کی دشمنی یا اللہ رسول کی مخالفت کرنا انکار وگستاخی ہے یا امام اعظم اور اسلامی فقہ کی دشمنی کی آڑ میں شریعتِ قرآن وحدیث کی مخالفت وگستاخی ہے یہ سب عادتیں گمراہی ہیں۔ ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔ **آٹھویں دلیل**۔ کویت قطر اور سعودی عرب والے بہت سے غیر مسلم ممالک میں اپنا سرمایہ جمع کراتے ہیں وہ کروڑوں بلکہ اربوں کے حساب سے سود لیتے ہیں۔ وہ اہل عرب یقیناً قرآن وحدیث کے اسی فیصلے پر عمل کرتے ہیں اور شرعی قانون کی بناء پر یہ سود وصول کر لیتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ یہ تھیں ہماری دلیلیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ مرسل احادیث میں سے بعض احادیث شرعاً قابلِ قبول وترجیح ہیں۔ تدریب الراوی صفحہ ۱۹۵ جلد اول وغیرہ دیگر علم اصول کی کتابوں میں پانچ اکابر تابعین کی مرسل احادیث نہایت معتبر اور قابل سند ہیں ۱۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عدی بن خیار ۲۔ قیس رحمۃ اللہ علیہ بن ابی حازم ۳۔ امام رحمۃ اللہ علیہ مکحول شامی ۴۔ سعید رضی اللہ عنہ بن مسیب ۵۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خواجہ۔ کچھ مرسل روایت ایسی بھی ہیں جن کو محدثین نے ترک کر دیا۔ ہمارے دلائل نے ثابت کر دیا کہ حربی کفار سے سود لینا جائز ہے ہرگز حرام نہیں جو اس کو حرام کہتا ہے وہ فرمان رسول اللہ کے خلاف چلتا ہے۔ اور یہ اختلاف مسائل اس لیے ہوتا ہے کہ دنیا میں شرعی مسائل پوچھنے اور بتانے والے تین قسم کے ہیں۔ **ایک گروہ**۔ وہ ہے جو اپنی مرضی کے مسائل بتاتا ہے جیسے دیوبندی وہابی کہ ان کا ہر مسئلہ ہی قرآن وحدیث کے خلاف اور اپنی مرضی کا ہوتا ہے۔ **دوسرا گروہ**۔ وہ ہے جو چاہتا ہے۔ کہ ہماری مرضی کا مسئلہ بتایا جائے خواہ شریعت کے خلاف ہو جیسے دنیا پرست اُمرا وزرا۔ ان کے نزدیک ہر وہ شخص عالم فاضل لائق۔ علامہ اور مفتی ومحدث مفکرِ اسلام ہے جو ان کی پسند وچاہت کا مسئلہ بنا کر سنائے۔ اگرچہ وہ شخص اکابر جہلا میں سے ہو۔ اور وہ شخص نہایت کم علم۔ تنگ نظر۔ اور نادان ہے جو ان کی مرضی کے خلاف مسئلہ بتائے اگرچہ وہ مسئلہ حق ہی ہو۔ **تیسرا گروہ**۔ وہ ہیں جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے جو صرف قرآن وحدیث سے مسائل بتاتے سناتے ہیں کسی لومتِ لائم سے نہیں ڈرتے۔ حق مسئلہ کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں سے اہل باطل نفرت کرتے ہیں۔ لیکن بول بالا انکا ہی ہوتا ہے۔

سائل کا دوسرا سوال۔ کہ سود کی اصل حقیقت اور تعریف کیا ہے

ہم اس مسئلے کی وضاحت بھی صرف احادیث سے کریں گے سود کے بارے میں جتنی بھی احادیث و روایت مطہرات ارشاد ہوئی ہیں ان تمام سے صرف تین قسم کا ربوا ثابت وظاہر ہوتا ہے ۱۔ یہ کہ بعض تجارتوں اور بیچنے خریدنے پہلے کی مقرر کردہ زیادتی سے سود بن جائے ۲۔ یہ کہ بعض تجارتوں میں ادھار لینا دینا سود بن جائے ۳۔ یہ کہ قرض دار سے قرض کے علاوہ کچھ زیادتی وصول کی جائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۴۴ پر ہے **پہلی**۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرَقُ بِالْوَرَقِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ

بِالْبُرِّ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ ، (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ترجمہ۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ فرمایا سرورِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے بدلے بیچنا سود ہے مگر جب کہ نقد نقد ہو۔ چاندی کو چاندی سے بیچنا سود ہے مگر جب کہ نقد نقد ہو تو سود نہیں۔ اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کے بدلے **گندم اور کھجور** اور جو (شعیر) نقد بیچنا سود نہیں ہے اُدھار بیچنا سود ہے۔ اس حدیث پاک سے ہم جنس چیز کو ہم جنس کے بدلے اُدھار بیچنے کو سود قرار دیا گیا (از مسلم شریف جلد دوم صـ۲۲ **دوسری** حدیث مسلم شریف جلد دوم صـ۲۳ اور مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۴ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی۔ اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَاءٌ۔ ترجمہ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا آپ نے کہ ارشاد پاک فرمایا آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے چاندی کو چاندی سے گندم گندم سے جو کو جو سے کھجور کو کھجور سے نمک کو نمک سے برابر، برابر۔ نقد، نقد ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہے سود نہیں ہے اور جو زیادتی سے خریدے یا بیچے تو اس نے سود لیا۔ دینے والا لینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں۔ اس حدیث پاک سے سود کی دوسری قسم یعنی زیادتی کمی کی سود ہم جنس چیز کی خرید و فروخت میں ثابت ہوئی **تیسری** حدیث پاک مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۵ عَنْ اُسَامَةَ رضی بْنِ زَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبٰو فِی النَّسِیْئَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَا رِبٰو فِیْمَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ مُتَّفَقٌ ترجمہ اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ بیشک رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم آقا و کل نے ارشادِ اقدس فرمایا کہ سود ادھار کی تجارت میں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے سود اس ہم جنس یا جنس کی خرید و فروخت نقد نقد ہو۔ یہ حدیث پاک مسلم بخاری نے بیان فرمائی۔ گویا کہ ہم جنس اشیاء کو زیادتی کمی سے بیچنا بھی سود ہے اور ادھار بیچنا بھی سود ہے **چوتھی** حدیث شریف وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا یَاْخُذْ هَدِیَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔ ترجمہ۔ اور ان ہی حضرت انسؓ سے روایت فرمایا کہ حضورِ اقدس رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے مقروض سے قرض کے علاوہ قرض کی مالیت سے زیادہ کچھ نہیں لے سکتا کوئی ہدیہ کوئی تحفہ بھی لینا جائز نہیں۔ یہ حدیث پاک بخاری نے روایت فرمائی (از مشکوٰۃ شریف صـ۲۴۶۔ ان چار احادیث سے ہی صرف سود کا ثبوت ملتا ہے۔ جن سے سود کی فقط مندرجہ بالا تین قسمیں ہی بنتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی صورت سود کی اسلام میں ثابت نہیں ہوتی سود کے بارے میں ضابطہ اسلامیہ اس طرح ہے کہ شروع دنیا سے تا قیامت تمام اشیاء ضرورت خرید و فروخت کے اعتبار سے صرف پانچ قسم کی ہیں۔ ۱۔ کیلی اشیاء یعنی برتن

پیالے وغیرہ میں بھر کر بیچی جانے والی چیزیں ۲؎ وزنی اشیاء یعنی ترازو میں رکھ کر باٹوں گنٹوں سیروں چھٹانکوں تولوں ماشوں سے بیچی جانے والی چیزیں ۳؎ عددی اشیاء یعنی گن کر بیچی جانے والی چیزیں درجنوں اور سیکڑوں کے حساب سے ۴؎ ذرعی اشیاء یعنی گزوں میٹروں سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں ۵؎ مقیاسی و مساحتی اشیاء یعنی قدموں فیتوں اور ہرلوں کنالوں کے حساب سے بیچی جانے والی چیزیں۔ اسلامی شریعت میں تاقیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی زمانۂ اقدس کا اعتبار ہوگا اگرچہ بعد میں رواج بدل جائے یعنی جو اشیاء زمانہ نبوی میں کیلی۔ وزنی۔ اور ذرعی وغیرہ طریقے سے فروخت کی جاتی تھیں وہ تاقیامت کیلی اور وزنی وغیرہ ہی مانی جائیں گی اگرچہ کسی زمانے کسی رواج کسی قوم و ملک میں اس کا طریقہ تجارت بدل جائے چنانچہ فتاوی فتح القدیر جلد پنجم صفحہ ۲۸۲ پر ہے وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْكَيْلَ فِيْهِ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَكُلُّ مَا نَصَّ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُوْنٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ مِثْلُ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ۔

ترجمہ ہر وہ چیز جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیلی بنا دیا وہ سود کے لیے ہمیشہ کیلی ہی رہے گی۔ اگرچہ لوگ اس کو کیلی کر کے بیچنا چھوڑ دیں جیسے گندم جو کھجوریں نمک کہ کیل یعنی برتن میں بھر کر بیچی جاتی تھیں۔ اسی طرح وزنی چیزیں وزنی ہی رہیں گی اگرچہ لوگ اس کا وزن کر کے بیچنا چھوڑ دیں جیسے سونا چاندی وغیرہ اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد سوم صفحہ ۱۱۷ پر ہے اور ہدایہ آخیرین صفحہ ۵۶ اور دیگر کتب فقہ میں پہلی صورت تجارت اور بیچنے کے وقت چیز کا بدلہ چیز سے ہو اور دونوں چیزیں کیلی یا وزنی ہوں تو نقد اور برابر بیچنا جائز ہے اگر کسی طرف سے ذرا بھی زیادتی ہو تو وہ سود ہوگا۔ اور وہ بیچنا خریدنا حرام ہوگا اور اگر کسی طرف سے ادھار ہو تو بھی بیع حرام ہوگی کیونکہ یہ نفع پیشگی بھی سود بن جائے گا ہم جنس اشیاء کو ایک دوسرے کے بدلے میں خرید و فروخت میں خریدار وہ ہوتا ہے جو پہل کرے اور خواہش یا ضرورت مند ہو۔ مثلاً کسی کے گھر آٹا ختم ہوگیا وہ اپنے کسی دوست یا پڑوسی سے کہتا ہے کہ آج تم مجھ کو ایک پیالہ بھر کر آٹا دیدو میں تم کو کل ڈیڑھ پیالہ آٹا دوں گا یہ بھی سود ہے اور حرام ہے۔ یا میں ایک پیالہ ہی آٹا تم کو کل دوں گا یہ بھی حرام اور سود ہے اگر اس قسم کی ضرورت پڑ جائے تو جنس تبدیل کر کے خرید کرے اس میں ادھار بھی جائز ہوگا اور زیادتی بھی یعنی۔ پیسوں سے خریدے یا کسی دوسری چیز کے بدلے۔ دوسری صورت یہ کہ یہ چیزیں دونوں طرف وزن والی تجارت کی ہوں تب بھی زیادتی اور ادھار دونوں سود و حرام تیسری صورت یہ کہ ایک کے پاس کیلی چیز ہو دوسرے کے پاس وزنی چیز ہو تو زیادتی جائز ادھار حرام۔ اور ادھار کی مدتِ نفع سود میں شمار ہوگی چوتھی صورت یہ کہ دونوں تاجر و خریدار کے پاس کیلی چیزیں ہوں مگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کو چاول یا جو یا نمک سے بیچا تو زیادتی جائز ادھار حرام۔ پانچویں صورت یہ کہ دونوں طرف نہ جنس ایک ہو نہ قدر یعنی کیلی۔ وزنی ہونا ایک نہ ہو تو زیادتی بھی جائز ہے ادھار بھی مثلاً گندم

وغیرہ کو کسی کرنسی روپیہ پیسہ پونڈ وغیرہ سے خریدنا اس میں ادھار بھی جائز ہے اور زیادتی بھی جائز۔ چھٹی صورت۔ یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان سے قرض لے اور قرض دینے والا اپنے مقروض سے قرض کے علاوہ کچھ زیادتی کسی بھی چیز کی شکل میں طلب کرے وہ سود ہے خواہ کوئی سامان ہو یا کرنسی روپیہ وغیرہ اور قرض کا مال بھی پورا وصول کرے تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔ احادیث مبارکہ سے فقط یہی تین قسمیں سود کی بنتی ہیں جن میں ایک قرض والی صورت اور پانچ صورتیں ان دو قسموں کی ہو گئیں۔ بینک میں جو دولت اور رقم جمع کرائی جاتی ہے وہ نہ تو بینک کو قرضہ دیا جاتا ہے۔ نہ جمع کرانے والے کی نیت بینک سے تجارت کی ہوتی ہے ہر شخص جو بھی اپنی دولت رقم کرنسی بینک میں جمع کراتا ہے۔ وہ صرف اس نیت سے کراتا ہے کہ میری دولت محفوظ رہے گی جس کو اصلاحًا امانت رکھنا کہا جاتا ہے جب سے بینک دنیا میں قائم ہوئے اس وقت سے آج تک سب جمع کرانے والوں کے یہی ارادے اور نیت چلی آتی ہے۔ لہٰذا احادیث کی روشنی میں یہ چیز بھی سود نہیں بنتی اب اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے امانت کو استعمال کر لے تو بالکل جائز ہے۔ بلا اجازت امانت استعمال کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ارشاد فقہا ہے کہ لَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي الْاَمَانَةِ اِلَّا بِاِذْنِ الْمَالِكِ ترجمہ مالک کی اجازت کے بغیر امانت دار کو جائز نہیں کہ امانت کو کسی طرح خرچ کرے۔ اس ضابطے سے ثابت ہوا کہ اجازت سے خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ امانت اسی حالت میں اسی طرح آتی ہی بوقت مطالبہ واپس کی جاسکتی ہو۔ ہر بینک میں بالکل یہی کچھ ہوتا ہے کہ جمع کرانے والا اس پر رضامند ہوتا ہے کہ بینک والے اس کی جمع شدہ پونجی اور مالیت کو خرچ کریں بلکہ پہلے سے علم ہوتا ہے اور پھر جس وقت چاہتا ہے وہ مالک اپنے سارے یا حسب منشا رکھے مال کو نکلوا سکتا ہے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ یہ سہولت نہ قرضہ دینے میں ہوتی ہے۔ نہ تجارتی شراکت میں ثابت ہوا کہ بینک میں لوگ صرف امانت کر کے ہی رکھتے ہیں اور امانت پر اگر امین مُوْدِعْ یعنی امانت اور ودیعت رکھنے والا کچھ زیادتی دے اپنی مرضی سے تو وہ سود نہیں ہوتی بلکہ تحفہ بنتا ہے۔ اس کو محبت یا ہمدردی دوستی و تعاون کا ہدیہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ احادیث سے سود و ربٰو کی طرف تین ہی قسمیں ثابت ہیں اور وہ تینوں بینک میں مفقود ہیں امانت پر جو کوئی زیادہ دیتا ہے اور لیتا ہے اس کو ہم محبت یا ہمدردی یا دوستی ہی کہہ سکتے ہیں اور اس کی کئی صورتیں کئی طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی نے کسی کے پاس برتن امانت رکھا یا اپنے کپڑے جوتے وغیرہ اور امین نے از راہ ہمدردی یا دوستی اس کے برتن کو قلعی کرا دیا جوتوں کو پالش کپڑوں کو دھو کر استری کر دی کپڑے مار دوائی فرنیل وغیرہ اپنے پاس سے خرید کر کپڑوں میں رکھ دیا تو کوئی اس خرچ اور تحفے اور ہمدردی کو سود نہیں در ربٰوا نہیں کہتا۔ ہمدردی کی یہی صورت اپنی مرضی سے کچھ رقم اور مال دینا ہے یا پہلے بتا کر متعین کر کے یا بغیر بتلائے تو یہ بھی سود نہیں بنے گا۔ جس طرح بینک میں عملاً یعنی کرنسی روپیہ پیسہ امانتًا رکھا جاتا ہے اسی طرح بینک کے حفاظت خانے میں لوگ زیورات بھی رکھ دیتے ہیں تو اگر کوئی بینک کسی کے زیورات میں بطور ہمدردی یتیم پروری یا کسی بھی

وجہ سے ایک چھوٹا موٹا زیور بطورِ تحفہ شامل کردے یا بینکوں میں آئندہ کسی زمانے میں ایسا بھی رواج پیدا ہوجائے تو زائد زیور بھی سود نہ بنے گا۔ لہٰذا مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کے بیان کردہ اقسامِ ربٰو کے قانون سے ثابت ہوگیا کہ بینک کی جمع شدہ مالیت ورقم پرکچھ زائد لینا مقرر شدہ یا غیر مقرر شدہ شرعاً سود نہیں بلکہ ہمدردی کا تحفہ یا ہدیہ ہے ہماری طرف سے دنیا بھر کے علماء منکرین کو دعوتِ تنقید وعلمی بحث ہے کہ وہ کسی طرح سے شرعی ضابطوں سے بینک کی زیادتی کو سود ثابت کردیں تو ہم مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ مگر نادانی والے بھیرویں طرز کے راگ نہیں سنے جاسکتے عقلاء وعلماء کے نزدیک ان پیرانہ سال کے گھسے پٹے مضامین کی کوئی حیثیت نہیں جن کو یہ تک معلوم نہیں کہ تجارت۔ سود اور تحفہ میں کیا فرق ہے۔ ہماری یہ مندرجہ بالا عبارت تحفہ اور سود کے ایک واضح فرق کو بیان کررہی ہے۔ سود اور تحفے میں۔ **دوسرا فرق** یہ بھی ہے کہ تمام دنیا میں شروع سے رواج چلا آرہا ہے کہ قرض اور تجارت پر مقرر شدہ زیادتی ہمیشہ لینے والا مقرر کرتا ہے۔ اور تحفہ یا ہدیہ دینے والا مقرر کرکے اپنی مرضی سے دیتا ہے اور یہ اس کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ لینے والے کو اعتراض۔ اس کی بیشی کا کوئی حق یا اختیار نہیں ہوتا۔ بینکوں میں بالکل یہی کچھ ہوتا ہے کہ جمع کرانے والا اپنی زائد رقم پر اپنی مرضی بالکل نہیں چلاسکتا ہر بینک والا اپنے اپنے مختلف اصول وضوابط سے جتنا چاہیں وعدہ کرلیں۔ بینک کے تحفے اور قرضے وتجارت کے سود میں **تیسرا فرق** یہ ہے کہ بینک میں رقم جمع رکھنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوتی جب چاہے جتنے دن چاہے رکھے اور جب چاہے نکلوالے اکاؤنٹ قائم رکھے یا ختم کرادے لیکن قرضے میں واپسی کی مدت مقرر ہوتی ہے اسی طرح تجارتی شراکت میں بھی شراکت کی مدت مقرر ہوتی ہے ایک دن پہلے واپس کوئی نہیں لے سکتا۔ ان اتنے بڑے اور واضح فرق کے باوجود اگر کوئی نومولود مضمون نویس بینک کے زائد مال کو سود کہہ دے تو یہ عجیب بات اور اسلام میں خودساختہ خلافِ قرآن وحدیث زیادتی ہے۔ ان تین قسم کے فرق سے ثابت ہوا کہ قرض اور تجارت کی وہ جنسی مقداری زیادتی جو احادیث مذکورہ میں بیان ہوئی وہ سود بنجاتی ہے مگر بینک کی زیادتی سود نہیں بنے گی اگر کوئی عالم ہماری اس باولائل گفتگو کو نہیں مانتا تو وہ علم کی روشنی میں حدیث و قرآن کی واضح آیت وروایت سے ثابت کرے کہ سود کی مزید بھی قسمیں ہیں۔ لایعنی اور بیہودہ قلم زنی نہیں مانی جائے گی۔ **سائل کا تیسرا سوال**۔ کہ مسلمان کے بینکوں اور غیر مسلم کے بینکوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں! اسی سوال کا شرعی جواب دینے میں چونکہ مشاہدات، معاملات اور معاینات کی ضرورت ہے اس لیے ہم صرف ان بینکوں کے متعلق گفتگو کریں گے جن کے اصول وضوابط اور کارکردگی ہیں ہم نے ذاتی طور پر مشاہدہ معاینہ اور تحقیق وتفتیش کی ہے چنانچہ مسلم بینکوں سے ہماری مراد صرف مغربی پاکستان۔ اور مشرقی پاکستان (جب بھی یہ تھے) افغانی اور ایرانی بینک ہیں۔ یہ بینک ہماری معلومات کے مطابق آج سے چند سال پیشتر تک سود پر قرضے دیتے رہے اور کاروباری تاجروں فیکٹریوں کارخانوں سے اپنے قرضے پر اپنا مقررہ کردہ سود وصول کرتے رہے یہ سود قطعاً

حرام اور مکمل ربوا ہے دو وجہ سے ۱ یہ کہ دونوں طرف لینے اور دینے والے مسلمان ہیں ۲ یہ کہ ملک دارالاسلام ہیں دارالاسلام میں اقلیتی کفار سے بھی سود حرام ہے اور اکثریتی کفار سے بھی۔ کفار خواہ ذمی ہوں یا مستامن بن کر دینے پر آنے والے یا کفار کی حکومت سے اکثریت کفار ہو۔ اور مندرجہ بالا تمام ممالک دارالاسلام ہیں۔ اس وجہ سے ان بینکوں میں جو مسلمان اپنا روپیہ جمع کراتے ہیں ان کو اپنے مال پر کچھ زائد لینا قطعاً ناجائز ہے کسی بھی پاکستان وغیرہ کو اپنے ان مسلم بینکوں یا اپنے ملک کے بینکوں سے اپنی جمع شدہ مالیت سے زائد لینا حرام ہے۔ مگر اس حرمت کی وجہ سود ہونا نہیں ہے کیونکہ بینکوں کی تقسیم اور جمع کرانے والوں کی وصولی سود در شرعی ربوا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی دوسرے سوال میں بتا دیا۔ بلکہ یہ تقسیم اور اس تحفے کو لینا اس لیے حرام ہے کہ بینک والے سود لے کر لوگوں کو دے رہے ہیں اور سود حرام ہونے کی وجہ سے بینک والوں کا مال ہی نہیں بنا۔ تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی چوری کر کے ڈکیتی لوٹ کے غصب سے چھینکے دوسرے لوگوں کو بانٹتا پھرے جب یہ تقسیم لینا حرام تو اسی طرح مسلم بینکوں کی تقسیم اور اپنے جمع کرانے والوں کو ماہانہ۔ سہ ماہی۔ ششماہی۔ سالانہ کچھ دینا بھی حرام ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح چور اپنی چوری کا مال تحفہ بنا کر دیدے ایسا تحفہ لینا دینا حرام تو مسلم بینک کی زائد رقم جس کو پرافٹ کہتے ہیں وہ بوجہ سود حرام اور حرام مال کا تحفہ دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔ کیونکہ حرام مال خواہ کسی طرح سے حاصل ہو وہ اپنا مال ہی نہیں ہے سود تو اسی کا ہے جس سے سود بنا کر لیا گیا۔ لہٰذا مسلم بینکوں سے کوئی مسلمان زائد مال نہیں لے سکتا۔ وہ لینا کھانا بر تناسب حرام ہے بخلاف غیر مسلم بینکوں کے کہ ان سے مسلمان لوگ اپنے جمع کرائے مال پر زیادہ حاصل کر سکتے ہیں اور وہ وہ تحفہ ہدیہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ خیال رہے کہ تحفہ میں ہمدردی شرط نہیں۔ دینے والا اپنے مفاد کی خاطر بھی تحفہ دے سکتا ہے۔ اور لینے والے کے لیے لینا جائز ہے جیسے کہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ان کو کھانا کھلانا وغیرہ لہٰذا بینک والے اگر اپنے مفاد کی خاطر بھی لوگوں کو زائد رقم دیں تب بھی جائز و حلال ہے۔ یہ زائد رقم مسلم بینک سے لینا اس لیے ناجائز کہ بینک کا دینا ناجائز ہے۔ اور غیر مسلم بینک سے اس لیے جائز ہے کہ اس کا یہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ بھی تاجروں کارخانے داروں کو قرضے دے کر سود وصول کر کے تقسیم کرتے ہیں۔ کیونکہ کفار کے لیے سود حرام نہیں کفار شریعت اسلامیہ کی حرمت و حلت کے مکلف نہیں اگرچہ وہ غیر مسلم ملک دارالاسلام ہی بن گیا ہو اور حکومت کفر دارالاسلام کا درجہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ کفار کے لیے سود حرام نہیں لہٰذا کافر بینکوں کا سود بانٹنا گویا اپنا مال اپنی مرضی سے بانٹنا ہے جو لینے والے مسلمانوں کے لیے بالکل جائز و حلال ہے۔ ہماری با دلائل وضاحت سے مسلم اور غیر مسلم بینکوں کا فرق معلوم ہو گیا اور شرعی حکم کی تفریق بھی ثابت ہو گئی کہ غیر مسلم بینکوں سے زائد رقم لینا جائز ہے خواہ کسی ملک میں ہوں لیکن مسلم بینکوں سے لینا حرام ہے کہ وہ غیر کا مال ہے اب ہم سوال میں درج مخالفین کے دلائل کا جواب دیتے ہیں۔ مخالف کی پہلی بات۔ کہ ہم لوگ اگر سود لینا شروع کر دیں تو کفار کو سود دینے سے کس طرح

منع کریں گے اور ان کے خلاف کس طرح اٹھائیں گے (الخ) جواب۔ تم کو کس نے کہا کہ کفار کو سود خوری سے منع کرو جب کہ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں کفار کو کسی نے بھی شرعاً یا قانوناً نہیں روکا۔ اور اسلامی شرعی حرام وحلال کا مکلف نہیں کہا گیا۔ اور پھر تم نے یا تمہارے اکابر نے اس سے پہلے کب کسی کافر کو محرمات اسلامیہ سود۔ جوا۔ شراب وغیرہ سے روکا اور کب آواز اٹھائی جو آج تم کو یہ چیز پریشان کر رہی ہے اور پھر کفار کب تمہاری مانیں گے۔ اگر تم کو آواز اٹھانے کا شوق ہوتا تو پاکستان وغیرہ اسلامی ملکوں میں فیکٹریوں تاجروں اور بینک والوں کو سود لینے دینے اور بلا ٹھنے وصول کرنے سے اور رقوم جمع کرانے والوں کو خوشی خوشی لینے سے روکتے تحریراً تقریراً ان کے خلاف آواز اٹھاتے وہاں تو آج تک کسی نے آواز نہ اٹھائی۔ نہ یہ سمجھایا کہ اب پاکستان میں موجودہ بینکاری یعنی نفع نقصان کی شراکت بھی غلط ہے اس لیے کہ حکومت اور بینک والوں کی طرف سے یہ نعرہ اور یہ شراکت کی شہرت و آواز صرف جمع کرانے والوں اور چند متقی لوگوں کی وقتی طفلانہ تسلی کے لیے ہے ورنہ ان تمام بینک والوں کا اصل کاروبار ابھی وہی قرضہ دینے اور سود لینے کا ہے۔ بینک والے خود تو کوئی جائز کاروبار دکان کارخانہ یا تجارت نہیں چلاتے نہ فیکٹری میں ان کا نفع نقصان کا شراکت نامہ ہے اس لیے پاکستان وغیرہ میں اب بھی سودی لین دین اور حرام کاروبار ہو رہا ہے۔ مخالفین کی دوسری بات۔ فقہاء کی باتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ دار الحرب میں چوری ڈاکہ زنی قتل وغیرہ سب کچھ جائز ہو جائے کیا یہ باتیں ماننے کے قابل ہیں؟ جواب۔ یہی وہ جاہلانہ گستاخانہ اور جذباتی گفتگو ہے جو انسان کو کفر کے قریب کر دیتی ہے اور گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ انسان کو کم از کم یہ سوچنا چاہیئے کہ ہماری جذباتی گفتگو سے کسی کی مخالفت کرتے ہوئے کسی کی گستاخی و انکار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انتہائی بدتمیزی اور بدعقلی ہے فقہاء اسلام کی مخالفت کرنا کوئی مسلمانی نہیں فقہاء کرام کا امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ جن کی سچی محنتوں سے آج ہم قرآن و حدیث کو سمجھے اور اس کے گہرے جواہر مسائل پر عمل کر سکے ہیں۔ فقہاء کرام نے اسلام و قرآن شریعت و حدیث دیگر ہزارہا مسائل کی طرح یہ مسئلہ ربوا بھی پوری وضاحت اور ہر پہلو سے مکمل دلائل سے بیان فرمایا اور چوری ڈاکہ زنی کے بیہودہ خیالات سے خبر کر دیا ہے کہ آپ لوگوں کو دار الحرب اور کفار کی اتنی خیر خواہی کی ضرورت نہیں فقہاء اسلام سرکشی کے مینار میں کوئی کمزور نادان نہیں کہ تمہارے لایعنی بیہودہ خدشات کا انہیں احساس نہ ہو نیز یہ مسئلہ تو قرآن و حدیث کا ہے نہ کہ فقہاء عظام کا یا قیاس و فقہ کا جیسا کہ ہم نے آیت و روایت سے ثابت کر دیا۔ مضمون نویسی کرنے سے پہلے اچھی طرح کتب فقہ اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ایک دم منہ کھول کر یہ کہہ دینا کہ یہ باتیں ماننے کے قابل نہیں۔ اللہ رسول کی اور ان کے فرمودہ احکام کی کفریہ گستاخی اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے مخالف کی تیسری بات۔ کہ امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کرام نے دار الکفر اور دار الحرب کی تعریف اور فرق نہ سمجھا اس لیے یہ مسئلہ بنا دیا۔ جواب۔ ٹھیک! اور چودہ سو سال بعد تم نے بہتروں

میں انگوٹھیاں لیتے ہوئے فرق سمجھایا میں کہتا ہوں پیچھے کیوں۔ رہتے ہو صاف کہہ دو کہ نبی کریم نے بھی فرق نہ سمجھا۔ فقہاء کی آڑ لے کر قرآن وحدیث کا انکار کرتے چلے جانا یہ کہاں کی ایمانیت ہے۔ اس قسم کی باتیں علمی نہیں ہوا کرتیں۔ علماء ان کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ **چوتھی بات**۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ جو قوم ہم سے جنگ نہیں کرتی اس سے سود لینا جائز نہیں۔ اور دلیل دیتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ نہیں منع کرتا تم کو اللہ ان لوگوں سے جو نہیں لڑتے تم سے دین کے بارے میں (الخ)، **جواب**، کیا عجیب عقل ہے کیا نرالی سمجھ ہے اور کیا غیر مسلم محبت ہے کفار سے محبت اور دوستی الفت پیار کی اس سے زیادہ اور کیا مثال ہوگی کہ جس آیت کا سود سے کوئی تعلق ہی نہیں اور سیاق وسباق میں بلکہ پوری سورۃ میں سود کا نام ونشان تک نہیں لیکن مضمون نگار کھینچ تان کر سود کی دلیل بناتا ہے اور مسلمان دشمن کفار دوستی میں صرف سود لینے کو حرام کہتا ہے دینے کا ذکر تک نہیں کرتا گویا کہ ہر طرح تحریراً وعملاً کفار کو سود دینا جائز سمجھ رہا ہے اور لکھتا ہے کہ ہم ان کفار سے سود لینا جائز نہیں سمجھتے جو کفار ہم سے جنگ نہیں کرتے یعنی دینا جائز سمجھتے ہیں صاحب مضمون جس آیت کا یہاں ذکر کر رہا ہے اس کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مشرکہ والدہ علیہ بنت عزیٰ مکہ مکرمہ سے بہت سارے تحفے تحائف لے کر اپنی بیٹی اسماء کے گھر آئیں تو حضرت اسماء نے نہ ان کے تحفے قبول کئے نہ ان کو گھر میں آنے دیا اس خیال سے کہ جو آقائے کائنات سید المرسلین رسول پاک کا دشمن ہے وہ ہمارا کیا لگتا ہے۔ اور دوڑ کر آستانہ مقدسہ دربار نبوی میں حاضر ہو گئیں اور واقعہ عرض کیا تو سورۃ ممتحنہ کی آیت ۸ نازل ہوئی جس میں کفار سے صرف محبت مروت اور اچھے سلوک بہتر میزبانی کا حکم دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے ان کا دل بھی اسلام کی طرف راغب ہو۔ از تفسیر مدارک وصفوۃ التفاسیر جلد سوم صفحہ ۲۲۳ اور دیگر تفاسیر۔ مگر یہ مضمون نگار الٹا اور انوکھا ہی مطلب نکال رہا ہے۔ حالانکہ سود کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہے ان لوگوں کی کم عقلی۔ **پانچویں بات**۔ لا ربوٰا والی حدیث کا مطلب ہے۔ کہ مجبوری میں سود حربی جائز ہے۔ جیسے کہ مردار کھانا صرف مجبوری میں جائز ہوا۔ مجبوری کے بغیر جس طرح مردار کھانا حرام ہے حربی کا سود بھی حرام ہے **جواب**۔ یہ بات چار وجہ سے بالکل غلط ہے پہلی یہ کہ حدیث رسول اللہ کا یہ مطلب اور مراد کسی بھی مفسر، شارح، فقیہ اور عالم نے نہ بتائی مضمون نگار نے بالکل اپنے جاہلانہ دماغ سے یہ بات بنا ڈالی دوسری وجہ یہ کہ الفاظ حدیث پاک بالکل عام اور مطلق ہیں کسی مجبوری کا ذکر تو درکنار اشارۃ تک نہیں ہے تو پھر اس کو مجبوری کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ تیسری یہ کہ ربوٰ کو مردار پر نہ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ نہ تشبیہ نہ تمثیل اس لیے کہ قیاس عقل سے ہوتی ہے تشبیہ میں نقل ہوتی اور تمثیل میں تجربہ ومشاہدہ اور یہاں تینوں چیزوں میں سے کوئی نہیں نقل وتشبیہ وتجربہ تو ظاہر ہے کہ کہیں ثابت نہیں اور عقل اس لیے نہیں کہ مقیس اور مقیس علیہ میں اتحاد علت ہونا شرط ہے اور مضمون نگار اس چیز سے بے خبر ہے چوتھی وجہ مردار میں تو جان بچانے کی مجبوری ہے

اور اس میں مقدار بھی قرآن مجید و حدیث نے مقرر فرمادی مگر حربی ربوٰ میں کون سی مجبوری اور کونسی مقدار ہے ربوٰ کے بغیر کس کی جان نکلی جارہی ہے؟ بالٰہذا یہ دلیل بھی احمقانہ اور انتہائی غلط ہے قرآن و حدیث کے کسی معاملے اور معانی و مطالب میں کسی کی بے عقلیاں نہیں مانی جاسکتیں۔ مخالف کی چھٹی بات۔ ایک مرسل حدیث کو قرآن مجید کی آیتوں اور متعدد حدیثوں کے مقابل لاکر نیا حکم اور نیا کارنامہ انجام دینا کب درست ہے ہم ہرگز ہرگز۔ اس حدیث کو نہیں مان سکتے۔ جواب۔ تم جیسے لوگ اپنی احمقانہ ضد بازی کے سامنے اگر پورے قرآن مجید۔ اسلام شریعت کا ہی انکار کردیں تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔ مگر تمہاری یہ بات ہے قطعاً غلط۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت اور کتب احادیث کی کوئی حدیث و روایت اس حدیث مرسل کے مقابل یا مخالف کہیں موجود نہیں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی آیت و حدیث میں کافر حربی سے سود حرام ہونے کا ذکر نہیں۔ دنیا بھر کے علما کو چیلنج ہے کہ ایک ہی ایسی واضح آیت یا حدیث دکھادو جس میں حربی کفار سے سود کی حرمت ظاہر و ثابت ہو۔ بھلا آج کون دکھاسکتا ہے تو امام شافعیؒ و مالکؒ بھی نہ دکھاسکے اور فقط قیاس پر امام اعظم سے علیٰحدہ مسلک بنالیا اگر شریعت میں قیاس کی اجازت نہ ہوتی تو کبھی بھی قیاسی مسلک کو حق نہ کہا جاسکتا۔ نہ ان ائمہ کی قیاسی باتوں کو مانا جاسکتا۔ قرآن مجید کی آیت اور صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث کی کسی حدیث شریف یا روایتِ معتبرہ میں سود کفار کی حرمت کا ذکر نہیں جہاں بھی سود کی حرمت و برائی کا ذکر ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے آپس میں لینے دینے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے مضبوط دلائل سے ثابت کردیا مسلمانوں کا نقشہ یہ نہیں جو یہ اخباری لوگ پیش کررہے ہیں بلکہ نقشہ اسلامی یہ ہے کہ جب آقاء کل نبی رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سامنے آجائے تو فوراً سر تسلیم جھکادو خواہ حدیث مرسل کی صورت میں ہو یا حدیث مشہور و متواتر کی شکل میں آقاء کائنات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے اکڑ اور ضد کرنا اپنی عقل و زبان چلانا کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے اور پھر ہم نے تو پہلے ثابت کردیا کہ یہ ربوٰ۔ والی حدیث پاک مرسل اور مشہور و متواتر ہے اللہ رسول جس کو حلال و جائز کہہ دیں کسی مسلمان کو حق نہیں کہ اس کے خلاف دم مارے یا نہ نہ کرتا پھرے اور میں نہ مانوں والی رٹ لگائے اللہ تعالیٰ اچھی سمجھ عطا فرمائے جاہل عوام اور کم عقل پیروں کی ان ہی بے عقلیوں نے زمانے میں۔ مسلمانوں کو خراب کیا ہے مخالف کی ساتویں بات۔ فقہاء اسلام میں بھی سوا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے کسی امام نے حربی سود کو جائز نہیں کیا۔ امام ابو یوسف شافعی۔ حنبلی۔ مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سب نے ہی حربی سود کو حرام قرار دیا۔ جواب۔ ہاں ٹھیک ہے مگر ان جائز نہ کہنے والوں نے قرآن و حدیث کو نافہمی و عدمِ تدبر کی بناء پر چھوڑ کر اپنے کمزور قیاسات کا سہارا لیا اسی لیے اس مسئلے میں سخت غلطی اور لغزش کر گئے مگر امام اعظم نے کبھی بھی ساری عمر اپنے کسی بھی مسئلے و مسلک میں ایک آن کے لیے بھی قرآن و حدیث کا دامن نہ چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کائنات میں سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد۔ عقل علم فہم فراست اور اصول بندی

قواعد و قانون سازی میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان سب سے اونچی نظر آتی ہے اور سب ائمہ ثلاثہ وغیرہ امام اعظم کی چوکھٹ کو شاگردانہ بوسے دیتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی امام اعظم کی ہماری شمار سے باہر بہت سی ایسی شانیں ہیں جو قرآن مجید احادیثِ مبارکہ اور ائمہ، اولیاء اللہ کی زبان و قلم کے ارشادات سے ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ امام اعظم کی پہلی شان ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ سورۃ فاطر ۳۵ آیت ۲۸ ترجمہ۔ اسلام کے علماء ربانی ہی اللہ تعالیٰ جل سبحانہ کی صحیح سچی خشیت اور خوفِ الٰہی رکھتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ امام اعظم جیسے علما فقہا مجتہدین کے حق اور شان میں اتری ہے دوسری شان۔ تمام مجتہدین میں صرف امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی یہ خصوصی شان ہے کہ غیب جاننے والے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق بہت عظیم لفظوں میں پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم ص۷۲۷ تفسیر سورۃ جمعہ میں۔ اور مسلم شریف جلد دوم باب فضیلت اہل فارس ص۳۱۲ پر ایک حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہوں نے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا۔ کہ فارس کے ملک میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اگر دین ثریا ستارے میں ہوتا تو وہاں سے بھی لے آتا۔ شارحین فرماتے ہیں کہ دین سے مراد دین کا علم شریعت طریقت معرفت حقیقت اور فقہ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ فارس میں اتنا بڑا عالم مجتہد اول صرف امام ابو حنیفہ ہی ہوئے۔ ارشاداتِ نبویہ سے ایسی شان والا انعام کسی کو نہ ملا۔ تیسری شان۔ امام اعظم کے دادا محترم حضرت نعمان زوطی مولیٰ علی مشکل کشا شیر خدا کے عاشق زار جان نثاروں میں سے تھے وہ اہل فارس سے تھے صرف حضرت علی شیرِ خدا کے عشق و محبت اور قربت کی خواہش میں فارس والا وطن گھر بار جائیداد چھوڑ کر کوفے میں رہائش فرمالی تھی ان کا ذکر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ شامی جلد اول ص۵۹ پر کیا کہ حضرت زوطی اپنے گیارہ سالہ بیٹے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ مولیٰ علی مشکل کشا میں لے کر حاضر ہوئے تو مولیٰ علی شیر خدا نے حضرت ثابت کو برکت کی دعا دی اور ایک عظیم بیٹے کی بشارت سنائی بحوالہ شامی ج۱ ص۵۹ و جاء الحق دوم ص۲۴۵،

حضرت امام کی چوتھی فضیلت و شان۔ یہ کہ امام اعظم اپنی اصل و نسل میں چار پشت کے اولوالعزم تابعی ہیں۔ اس طرح کہ ۱ آپ کے دادا محترم حضرت نعمان زوطی بھی تابعی ہیں زوطا ایک فارسی قبیلے کا نام ہے اسی نسبت سے آپ کو زوطی کہا جاتا ہے آپ کا اصل نام نعمان ہے یہی نام پھر آپ کے پوتے امام اعظم کا ہوا ۲ آپ کے والد محترم حضرت ثابت بن نعمان بھی تابعی ہیں ان کی ملاقات حضرت مولیٰ علی اور بہت سے صحابہ کرام ثابت ہے ۳ خود امام اعظم تابعی ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد اول ص۵۹ پر ہے وَصَحَّ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ سَمِعَ الْحَدِيْثَ مِنْ سَبْعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ (الخ) وَاَدْرَكَ بِالسِّنِّ نَحْوَ عِشْرِيْنَ صَحَابِيًّا ترجمہ۔ امام اعظم نے سات صحابہ کرام سے احادیث

روایت کیں اور تقریباً بیس ۲۰ صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اسماء صحابہ کرام کی پوری فہرست علامہ شامی نے نقل فرمائی ۱۲ امام اعظم کے بڑے صاحبزادے حضرت حماد بن نعمان بھی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زیارت مقدسہ سے تابعی بنے تھے۔ ان کا ذکر اسماء الرجال کتاب کی فہرست تابعین میں آتا ہے۔ امام اعظم کی پانچویں فضیلت مکمل فتاویٰ درمختار نے ص۵۴ پر ایک حدیث مبارکہ نقل فرمائی ۔ بَسَطَهَا عَلَّامَه طَاشِ كُبْرٰى اَىْ رَوٰى بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ قَالَ وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ اٰدَمَ اِفْتَخَرَ بِیْ وَاَنَا اَفْتَخِرُ بِرَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اِسْمُهٗ نُعْمَانُ وَكُنْيَتُهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ۔ (الخ) ترجمہ یہ حدیث پاک بہت سندوں سے مروی ہے جن تمام کا ذکر علامہ طاش کبریٰ نے فرمایا۔ روایت ہے آقاء دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے فرمایا کہ بے شک حضرت آدم نے میرے وجود پر فخر فرمایا اور میں اپنی امت کے ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی۔ امام کی چھٹی فضیلت فتاویٰ درمختار جلد اول ص۵۳ پر ہے۔ اِلٰى اَنْ يَّحْكُمَ بِمَذْهَبِهٖ عِيْسٰى الخ ترجمہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو تصدیق ان کے تمام احکام اور قوانین و فیصلے و عبادات امام اعظم کے مذہب سے مشابہ اور ملتے جلتے ہوں گے یعنی مسلک حنفی ہی ان کا پسندیدہ مسلک ہوگا اس حدیث و روایت کی صحت تائید امام قہستانی۔ امام شعرانی اور امام حجر عسقلانی نے بھی فرمائی۔ امام صاحب کی ساتویں فضیلت آج کل کے بعض جاہل ترین لوگ تو امام اجل امام اعظم کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے رہتے ہیں مگر پچھلے زمانوں کے لوگ ائمہ مجتہدین خود بھی اور ان کے مقلدین بھی اپنے امام سے زیادہ امام اعظم کا احترام کرتے تھے چنانچہ علامہ امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب خیرات الحسان میں امام اعظم کی بہت شان اور بہت سے فضائل بیان فرماتے ہوئے ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ زِيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ ۔ ترجمہ۔ فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ہجری سن ۱۵۰ھ

ایک سو پچاس میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی یہ بات تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی کسی دوسرے امام۔ مجتہد فقیہ یا ولی اللہ کی وفات اس سال نہ ہوئی ثابت ہوا کہ یہ حدیث پاک امام اعظم کے ہی بارے میں ہے اور ان کو ہی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کائنات کی زینت فرمایا۔ آٹھویں فضیلت سورت جمعہ کی تفسیر میں ہے کہ نزول سورت کے وقت آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل فارس میں سے ایک شخص کی شان بیان کرنا اور اس کے علم کو ثریا ستارے کی بلندیوں تک پہنچانا اسبات کا اشارہ فرماتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو بلا واسطہ عالم روحانیت میں یا بعد ولادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درس گاہ نبوت میں پڑھایا سکھایا اور تعلیم دی۔ اس لیے کہ سورت جمعہ کی آیت نمبر ۳ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ میں رب تعالیٰ یہی ارشاد

فرمار ہا ہے کہ محبوب نبی ان لوگوں کو تاقیامت سکھا تا پڑھاتا ہے جو صحابہ کرام کے بعد دنیا میں پیدا ہوں گے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں تو تیسری مرتبہ صحابہ کے پوچھنے پر آپ نے فارس کے ایک شخص اور اس کی علمی وجاحت اور بلندی کا تذکرہ فرمایا۔ اسی تعلیم نبوی اور درس گاہ مصطفوی کا اثر ہے کہ امام اعظم کی ہر بات۔ ہر مسئلہ و استنباط عین قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے یہ بات کسی عالم سے چھپی ڈھکی نہیں کہ حنفی مسلک میں قیاسات بہت کم ہیں جب کہ دیگر ائمہ امام شافعی مالک وغیرہما کے قیاسات زیادہ ہیں اور استدلال واستنباط کم ہیں بلکہ امام اعظم کی ہی یہ شانِ خصوصی ہے کہ دیگر ائمہ کے استدلال واستنباط سے امام اعظم کے قیاسات بھی زیادہ مضبوط ہیں یعنی امام حنبل وغیرہ نے اگر کسی آیت یا حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل لے کر اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اور امام اعظم نے اسی حدیث کے قیاس سے مسئلہ بیان کیا تو بھی امام اعظم کا مسئلہ زیادہ مضبوط ثابت ہوا اور ظاہر لفظوں کی دلیل سے مسئلہ بنانے والوں کی سمجھ کمزور واقع ہوئی چنانچہ اس ضمن میں ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے فتاویٰ بحر الرائق جلد ہشتم ص۲۳۱ پر ہے وَحَمْلُ خَمْرِ الذِّمِّيِّ بِأَجْرٍ جَازَ ذٰلِكَ وَهٰذَا عِنْدَ الْإِمَامِ (الخ) ترجمہ کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر ذمی کا شراب اٹھا کر لے جانے کی مزدوری کرے اور اپنی مزدوری کی اجرت پیسے درہم دینار وغیرہ وصول کرے اور یہی اس کا کاروبار ہو تو یہ کاروبار جائز ہے۔ امام اعظم کے نزدیک لیکن صاحبین اور دیگر ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ دیگر ائمہ دلیل میں حدیث پاک پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس چیزوں پر لعنت فرمائی چنانچہ ارشاد پاک ہے لَعَنَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً وَعَدَّ مِنْهَا حَامِلَهَا۔ ترجمہ کہ لعنت فرمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس کاموں پر اور ان دس میں شراب کا اٹھانا بھی ہے یعنی شراب اٹھانے والے پر بھی لعنت۔ لہٰذا مزدور پر لعنت ہوئی۔ امام اعظم کا فرمان ہے کہ حدیث پاک میں اٹھانے سے ہر اٹھانا مراد نہیں بلکہ صرف پینے کے لیے اٹھانا مراد ہے گویا کہ منشاء فرمانِ مقدس یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کی ابتداء تو گناہ شروع کرنے سے ہوتی ہے مگر شراب نوشی کا گناہ شراب کی بوتل یا گلاس اٹھانے سے ہی شروع ہو جائے گا۔ امام اعظم رمز شناس رسول اللہ ہیں۔ دیگر ائمہ کی یہاں تک پہنچ نہیں۔ کسی حنفی عالم نے کسی شافعی عالم اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ماننے والے سے سوال کیا اسی حدیث کے تحت کہ بتایئے۔ یہاں حمل فرمانا مطلق ہے یا کسی قید سے مقید ہے مقلد امام شافعی علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ بالکل مطلق ہے سائل نے کہا اچھا تو پھر اگر کوئی شخص شراب کی بوتل پھینکنے کے لیے اٹھا لے اور کافی دیر اٹھائے رکھتا ہے تو کیا وہ اس اٹھانے سے اتنی دیر تک گناہ کر رہا ہے۔ یا نفرت کرتے ہوئے اٹھا کر دور کر رہا ہے۔ یا پھینکنے کے لیے دور لیجا رہا ہے۔ یا جب صحابہ حرمتِ شراب کے دوران اپنے اپنے برتن اٹھا کر دور پھینکنے گئے تو کیا وہ صحابہ کرام اس اٹھانے سے حدیث پاک کی بیان کردہ لعنت کے

معاذاللہ مستحق ہوئے یا نہیں اس پر وہ عالم شکست مانتے ہوئے خاموش ہوگئے۔ اور آج تک کوئی بھی شافعی مالکی وغیرہ اس کا جواب نہ دے سکا۔ خود امام شافعی وغیرہ جواب نہیں دے سکتے تو دوسروں کی کیا بساط ہے اس لیے کہ جو بھی جواب دیں گے وہ حدیث کے مطلق کے خلاف ہوگا۔ ان ائمہ نے رمزِ حدیث اور منشاءِ نبوت نہ پہچانتے ہوئے ایسا مسلک بنا دیا اور پھر لاجواب ہونا پڑا۔ امامِ اعظم کی **دسویں فضیلت** جس طرح تمام دنیا میں صرف دین اسلام ہی اپنی احادیث اور سہولت و آسانی و فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور ضروریاتِ زندگانی کی مشکلات کا حل پیش کرنے کے اعتبار و تجربے مشاہدے سے عالمگیر و مقبولِ عوام بننے کی پوری پوری صلاحیت و حیثیت رکھتا ہے اسی طرح تمام فقہ اسلامی میں صرف حنفی فقہ ہی تمام عالم ہر معاشرے ہر دور ہر طبقے کے لیے عالمگیر حیثیت و شان سے قابلِ قبول اور باسہولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی تمام دنیاء اسلام میں اہلِ احناف کی کثرت ہے بلکہ خود شافعی مالکی حنبلی حضرات بھی اپنے اپنے مسلک پر عمل کرنے میں وقت۔ تنگی اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے بہت سی کمی محسوس کر رہے ہیں اور ظاہراً مسلک حنفی پر عمل پیرا ہونے پر مجبور ہیں۔ خاص کر ملکی۔ سیاسی۔ عدالتی۔ تجارتی امور میں۔ اسی سود حربی والے مسئلے کو دیکھ لیجئے کہ یہ سب وہابی اور وہابی نما پیر و مولوی خطبا وغیرہ حرام حرام کہتے بھی جا رہے ہیں اور دھڑا دھڑ سود اور سود کے چندے سے مکانات بلڈنگیں لیتے دیتے بھی چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ ان مضمون نویسوں نے خود بھی اپنے مضمون میں لکھ دیا کہ اگر اے لوگو تم نے دارالحرب کا سود لینا ہی ہے تو یہ کام حرام سمجھ کر اور جانتے ہوئے بھی کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ بھی امام شافعی وغیرہ کے مسئلے صرف کتابوں کی زینت بنکر رہ گئے ہیں۔ کوئی دوسرا تو کیا خود امام شافعی حنبلی اس پر عمل نہیں کر سکتے مثلاً امام شافعی نے فرمایا کہ گھوڑا کھانا حلال ہے اور اس پر خوب قیاس آرائیاں فرمائیں مگر اس پر آج تک عمل کوئی نہ کر سکا نہ کوئی کھاتا ہے۔ نہ کسی منڈی مارکیٹ میں گھوڑے کا گوشت فروخت ہوتا ہے۔ نہ حنبلی شافعی دکانوں پر بکتا نظر آیا نہ کوئی خریدتا ہے ان ہی میں سے کسی نے کہا کہ کوا حلال ہے مگر یہ کہنے والے خود بھی نہیں کھاتے۔ بلکہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ یہ تو صرف امامِ اعظم کے مسلک کی شان و عظمت ہے کہ جو حضرت امام کے منہ سے نکلا کائناتِ انسانیت بلکہ مخالفوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور عمل کرنے میں دنیا آخرت کی عافیت و سہولت جانی۔ رہا چند وہابیوں یا بھیروی طرز کے چند مولویوں کا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اوچھا اور بیہودہ گستاخانہ قلم اٹھانا۔ اور اللہ رسول کے حلال کو حرام حرام کہنا۔ تو یہ ان کی پرانی عادت ہے وہ اپنی جہالت و من مرضی سے ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اور پھر کھاتے کرتے وہی ہیں جس کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ **گیارھویں فضیلت** سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کرنے کی سعادت صدیق اکبر کو اور احادیث مطہرات کے جمع کرنے یاد کرنے و لکھنے کی سعادت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی بعد میں دیگر صحابہ کرام نے اپنی ہمتوں محنتوں طریقوں سے سعادتیں حاصل کیں۔ اسی طرح

قرآن وحدیث کے استدلال۔ استنباط۔ قیاس اجتہاد سے فقہ اسلامی بنانے کی سعادت امام اعظم کو ہی سب سے پہلے حاصل ہوئی۔ باقی تمام ائمہ فقہ میں آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہوئے۔ امام شافعی کے پہلے استادِ فقہ امام محمد ہیں جو آپ کے سوتیلے باپ بھی تھے استاد محترم بھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے استاد فقہ و حدیث حضرت امام وکیع بھی حنفی تھے (از فتاویٰ شامی) یہ سب ائمہ امام اعظم کا انتہا سے زیادہ ادب واحترام کرتے تھے۔ ان ہی سب ائمہ نے آپ کو امام اکبر سمجھتے ہوئے امام اعظم کا لقب دیا بلکہ امام حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تو امام اعظم کے مزارِ مقدس والے محلے کا نام ہی محلہ اعظمیہ ہوگیا قلائد الجواہر کے ص۲۳ پر لکھا ہے کہ غوث پاک نے فرمایا میں حنفی ہوں اور مجھ سے بڑا حنفی کون ہوسکتا ہے۔ سیرت غوث اعظم میں لکھا ہے کہ غوث پاک پہلے حنفی تھے۔ پھر رب تعالیٰ کے غیبی الہامی حکم سے اس لیے حنبلی مسلک کے مقلد ہوئے کہ حنبلی مسلک میں کوئی صاحب مقام کوئی ولی اللہ نہ تھا۔ صاحب مشکوٰۃ کی کتاب اسماء الرجال الاکمال کے ص۲۱ پر ہے کہ تمام ائمہ نے امام اعظم کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حکم بن ہشام سے امام اعظم کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اِنَّہٗ کَانَ مِنْ اَعْظَمِ النَّاسِ۔ ترجمہ۔ وہ امام تو بیشک تمام انسانوں کے اعظم تھے۔ امام مبارک سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ زمین دنیا کا چراغِ اعظم تھے۔ حسن وجاہت تھے آپ نے ہی امام اعظم کو سراجِ امت کا لقب دیا جو آج کائنات میں مشہور ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے ایسے مرد کو دیکھا کہ جو اگر اس لکڑی کے ستون کو کہہ دے کہ یہ سونے کا ہے تو وہ اپنے روشن دلائل سے اس بات کو قائم کر دے۔ امام شافعی نے فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَبَحَّرَ فِی الْفِقْہِ فَھُوَ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ ترجمہ یعنی جو شخص دین اسلام کا فقیہ اعظم بننا چاہتا ہے وہ امام اعظم کی تربیت میں آجائے اور آپ کا عیال ہو جائے۔ ایک دوسری کتاب میں ان کا ہی ارشاد ہے کہ تمام مجتہدین۔ امام اعظم کے عیال ہیں یعنی روحانی فقہی اولاد ہیں اور آپ کی ہی بلاواسطہ یا بالواسطہ تربیت یافتہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل تو امام اعظم کا نام لکھا دیکھ کر چوم لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارا پیشوا ہے امام غزالی نے فرمایا کہ امام اعظم شریعت کے بیکر تھے غرضکہ کسی نے آپ کو امام اعظم کا لقب دیا کسی نے عابد کہا کسی نے زاہد شب زندہ دار کہا۔ کسی نے مرشد شناس رسول اللہ کہا اور تمام علما اولیا نے آپ کے سامنے سرنیاز خم کیا باری تعالیٰ جل سبحانہ نے تقریباً سو مرتبہ اپنے دیدار سے خواب میں شرف فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ بعد کے علماء و مشائخ مالکی حنبلی و شوافع نے آپ کی شان میں پوری پوری ضخیم کتابیں لکھیں (آتا صاحب نے آپ کی مدحت سرائی فرمائی مخالف کا آٹھواں قول۔ مخالف لکھتا ہے کہ ہمارے نزدیک بینک کا سود۔ مہاجنی سود دارالحرب کا سود دارالاسلام کا سود سب ہی حرام ہیں اس لیے کہ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۵ میں ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ (الخ) اور آیت ۲۷۸ میں ہے وَذَرُوْا مَا بَقِیَ۔ اور آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ میں سود کی حرمت اور اسکی

سزا بیان فرمادی گئی۔ مخالف کی نویں بات دلیل ۹۔ مخالف کہتا ہے کہ مشکوٰۃ شریف کی تین حدیثوں میں بھی سود کی حرمت کا تذکرہ ہے اور سزا و لعنت کا ذکر ہے۔ **جواب**۔ ان دونوں باتوں کا جواب پہلے دے دیا گیا ہے کہ یہ سب آیتیں اور حدیثیں مبارکہ صرف مسلمان سے سود لینے کی حرمت کو بیان کر رہی ہیں۔ اللہ تعالٰی سب کو قرآن مجید احادیث پاک کی سچی سمجھ نصیب فرمائے یہ نئے نئے مسئلے صرف کج فہمی اور نا سمجھی کا نتیجہ ہیں خود صاحب مضمون بھی اپنی اس تحریر میں دبے لفظوں ہماری اس بات کی تائید کر رہا ہے لکھتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے آلِ عمران کی اس سزا والی آیت پاک کے بارے میں فرمایا اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هِيَ اَخْوَفُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ۔ یعنی یہ آیت سارے قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ باری تعالٰی نے اس آیت میں سود خوار مسلمانوں کو اس آگ میں ڈالنے کی سزا اور وعید فرمائی جو آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ مخالف نے امام اعظم کا یہ قول نقل فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم سود کی حرمت کے بہت شدت سے قائل تھے۔ تیز تاریخوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام اعظم تو اپنے قرض دار کی دیوار کے سائے میں بھی کھڑے نہ ہوتے تھے اور شدت کی چلچلاتی دھوپ میں انتظار فرمالیتے تھے۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہیں یہ سایہ بھی سود میں شمار نہ ہو جائے۔ اتنے متقی اتنے عابد زاہد اور اپنے رب جل شانہ سے ڈرنے اور سود سے بچنے گھبرانے والے امام ہی فرماتے ہیں کہ لَا رِبٰوا بَيْنَ الْحَرْبِيِّ وَالْمُسْلِمِ یعنی حربی کفار سے زائد مال لینا سود ہی نہیں بنتا۔ یہ فرمان آخر کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے کہ آقائے کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمادیا۔ اب گویا امام ابوحنیفہ کی بات کا انکار سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار ہے اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار اللہ تعالٰی جبار و قہار کے فرمان و قہر کا انکار ہے بڑے پرہیزگار بننے والو ذرا سوچو کہ غلطی کہاں تک کفر کے کنارے پہنچ گئی۔ اور تم لوگ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ کے زمرے میں کتنا داخل ہو گئے مخالف کی دسویں دلیل مضمون نگار یہاں امام یوسف کا قول لکھتا ہے۔ وَوَجْهُ قَوْلِ اَبِي يُوْسُفَ اِنَّ حُرْمَةَ الرِّبٰوا (الخ) فَهِيَ ثَابِتَةٌ فِي حَقِّ الْكُفَّارِ لِاَنَّهُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْحُرُمَاتِ ترجمہ یعنی امام یوسف کے نزدیک حربی کا سود بھی حرام ہے اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مسلمان پر سود حرام کافر پر بھی سود حرام اور اسلامی حرمتوں میں کفار بھی مکلف و مخاطب ہیں **جواب** مضمون نگار نے اپنے اس حوالے پر کسی کتاب کا نام وغیرہ نہ لکھا۔ نہ ہی امام یوسف کی کسی کتاب میں یہ عبارت نظر آئی ہو سکتا ہے کسی نے بددیانتی سے یہ عبارت امام یوسف کی طرف منسوب کر دی ہو مضمون نگار کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ امام یوسف حربی سود کو حرام کہتے ہیں مگر تم نے دیکھ لیا امام یوسف نے اپنے مسئلے کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی نہ کوئی حدیث وہ آیتیں جو یہ مضمون نگار حضرات بار بار پیش کر رہے ہیں کیا وہ امام یوسف کو یاد نہ تھیں کیا امام شافعی مالک حنبل سب کو بھولی ہوئی تھیں؟ ان آیتوں کو چھوڑ کر اپنے اپنے

قیاسوں کا سہارا پکڑتے ہیں مضمون نگار کا پیش کردہ قیاس جو امام یوسف نے بیان کیا صرف یہ ہے کہ چونکہ مسلمان پر سود حرام لہٰذا کافر پر بھی سود حرام کتنا غلط اور عجیب قیاس ہے گویا کہ امام یوسف مسلمان اور کافر کو ایک درجہ دیتے ہیں اور ایک مرتبے کا سمجھتے ہیں۔ اگر ایسے لغو قیاس ہی اسلام کی خدمت ہیں تو پھر نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قربانی۔ فطرانہ سب عبادتوں میں کفار کو شامل ماننا پڑے گا۔ آگے امام یوسف اپنے مسلک کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لِاَنَّھُمْ مُخَاطَبُوْنَ بِالْمُحَرَّمَاتِ یہ حربی سود اس لیے حرام ہے کہ کفار بھی اسلام کی تمام حرام چیزوں کے مخاطب و مکلف ہیں۔ یہ علت اور وجہ میری نظر سے کسی بھی کتاب میں نہ گزری۔ نہ معلوم مضمون نگار نے یہ کہاں سے بنا ڈالی۔ ہاں البتہ امام یوسف کا یہ مسلک اور قیاسات کتابوں میں منقول ہے۔ مگر امام یوسف کا قول قیاس علت اور وجہ سب کچھ قطعاً غلط ہے۔ تین وجہ سے اوّلاً۔ اس لیے کہ کسی بھی فقیہ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ کفار محرمات و محللات و عبادات اسلامیہ کے مکلف یا مخاطب ہیں بقول بجز اس عبادت کے تو پھر چاہئے کہ ہر حرام کے مرتکب ہونے پر کفار کو بھی اسلامی سزا تعزیر اور حد ماری جائے۔ صرف سود ہی نہیں بلکہ شراب جوا خنزیر مردار کھانے پر تعزیر لگائی جائے جس طرح مسلمانوں کو لگائی جاتی ہے مگر ایسا نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے سوم۔ یہ کہ اگر کفار محرماتِ اسلامیہ کے مکلف و مخاطب ہیں تو تمام اسلامی حلال و فرائض و واجبات کے بھی مخاطب و مکلف ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا کہیں ثبوت نہیں ملے ان تمام وجوہ سے ثابت ہوا کہ امام یوسف کا یہ قیاس بالکل غلط ہے اور کسی جاہل نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے انہوں نے غور نہیں کیا اور امام اعظم کے استدلال کو سمجھا نہیں ابوداؤد جلد دوم ص۱۱۲ میں ہے کہ ایک دفعہ ایک مشتبہ اور مشکوک مذبوحہ بکری آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قیدیوں کو بھیج دی تھی تاکہ وہ کھا لیں۔ اگر کفار بھی اسلامی حرام حلال کے مکلف ہوتے تو حرام بکری ان کو کیوں کھلائی جاتی اور ان کے کھانے پر تعزیر کیوں نہ لگائی گئی ایسی گھٹیا دلیلوں سے اپنا مسلک بچانا کوئی ذہانت نہیں **مخالف کی گیارھویں دلیل**۔ درمختار جلد اوّل ص۱۵ پر ہے کہ معاملات میں فتویٰ قول امام یوسف پر ہوتا ہے چونکہ سودی لین دین بھی معاملات میں سے ہے لہٰذا یہاں بھی امام یوسف کا قول مانا جائے گا **جواب**۔ یہ دلیل بھی قطعاً غلط ہے اس لیے کہ یہ دلیل سود کے اس مسئلے میں درست نہیں آتی کیونکہ فقہاء احناف کا یہ ضابطہ اور تقسیم ان ائمہ ثلاثہ کے قیاسی مسائل کے لیے ہے مگر حربی سود کا مسئلہ قیاسی نہیں ہم نے پہلے ثابت کر دیا کہ یہ مسئلہ شرعی منقول یعنی حدیث و قرآن کا ہے۔ نیز فقہاء کرام کا یہ معینہ ضابطہ صرف اس لیے ہے کہ قضا کے معاملات میں امام یوسف کا تجربہ قاضی بننے اور قاضی رہنے کی وجہ سے فیصلہ کرنے کرانے میں زیادہ ہے تو گویا تجرباتی معاملات میں جہاں تک اسلامی قاضی اور قاضی کے فیصلوں کا تعلق ہے۔ تو ہر قاضی اسلام اپنے فیصلے امام یوسف کے فیصلوں کی روشنی میں جاری و قائم کرے۔ اور عملیات و عبادات میں امام اعظم کے قیاسی اقوال پر فیصلہ کرے تقسیم فقہاء کا مقصد فقط یہی ہے۔ اب خود غور کیا جا سکتا ہے کہ فقہاء کرام کا

یہ قاعدہ صرف ان علاقوں میں جاری کیا جاسکتا ہے جہاں اسلامی قاضی موجود ہوں۔ بھلا دار الحرب میں اسلامی قاضی کہاں ہوسکتے ہیں جب کہ حربی سود کا معاملہ صرف دار الحرب سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام یوسف صرف دار الحرب میں حربی کی سود کو حرام کہتے ہیں یا فقط حربی مستامن کافر کی سود کو حرام قرار دیتے ہیں جو دار الحرب سے دار الاسلام میں امن لیکر آجائے۔ قیدی حربی سے سود لینا وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد چہارم صفحہ ۲۶۱ پر ہے قَوْلُهٗ خِلَافًا لِلثَّانِيْ) اَیْ اَبِیْ یُوْسُفَ وَخِلَافُهٗ فِی الْمُسْتَامِنِ دُوْنَ الْاَسِیْرِ۔ ترجمہ۔ ثانی سے مراد امام یوسف ہیں اور ان کا اختلاف مستامن سے سود لینے میں ہے جو کافر امن لیکر دار الاسلام و سلطنتِ اسلامیہ میں آگیا اس سے کوئی مسلمان سود نہ لے۔ مگر قیدی کافر سے سود لینے کو وہ حرام حرام نہیں کہتے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ امام یوسف بھی حربی کافر اور حربی قیدی سے سود لینا جائز مانتے ہیں صرف مستامن سے لینے کو حرام فرماتے ہیں۔ اور صرف مستامن کے بارے میں امام اعظم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور مستامن کو ذمی پر قیاس کرتے ہیں۔ اگر مخالف کی پیش کردہ بدائع صنائع والی عبارت کو درست مان لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ امام یوسف کا یہ قیاس بھی مضطرب ہے کہ بدائع میں کچھ ہے شامی میں کچھ دوسرا لہٰذا قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ایسے قیاس نہیں مانے جاسکتے۔ **مخالف کی بارھویں دلیل** ۔ فتاوٰی نذیریہ میں لکھا ہے کہ دار الحرب سے سود لینا جائز نہیں جو جائز جانے وہ نیم ملا ہے **جواب** ۔ فتاوٰی نذیریہ تو اول سے آخر تک سب ہی غلط ہے سوائے چند مسائل کے باقی۔ سب غلط مسئلے اور گستاخ و بیہودہ باتیں اس میں لکھی ہیں مصنف کی زندگی میں ہی علماء اسلام نے ان کے اس فتاوٰی کو جاہلانہ تحریریں قرار دیتے ہوئے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا بلکہ اس کو فتاوٰی کہنا ہی غلط ہے۔ **مخالف کی تیرھویں دلیل** ۔ دار الحرب کے سود کے جواز پر کوئی صحیح حدیث ہی نہیں اگر ہو بھی تو خبر واحد کے ساتھ نصِ قرآنی پر زیادتی ہرگز جائز نہیں **جواب** ۔ کیا شان ہے علمی معلومات کی۔ بے خبری اور نادانی۔ ناواقفی کا یہ عالم ہے اور چلے ہیں فقہ اسلامی پر مضمون لکھنے۔ ان ہی لایعنی گفتگو اور تو ضیع اوقات سے حنفی علماء کے آڑے آتے ہو۔ ہم نے واضح الفاظ میں ثابت کردیا کہ لاربوا والی حدیث پاک صحیح مشہور اور متواتر ہے نیز اس حدیث پاک کا کسی دوسری آیت پاک یا دوسری حدیث سے نہ مقابلہ ہے نہ مخالفت نہ زیادتی۔ **مخالف کی چودھویں دلیل** ۔ یہاں مخالف اوزاعی صاحب کا قول پیش کرتا ہے۔ (یہ وہی اوزاعی صاحب ہیں جنہوں نے اسلام میں ایسے عقیدے اور مسائل ایجاد کئے جن سے بعد میں معتزلی فرقے نے جنم لیا) وہ کہتے ہیں۔ اَلرِّبٰوا حَرَامٌ عَلَيْهِ فِيْ اَرْضِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهَا ترجمہ اس پر ربوا حرام ہے حرب کی زمین اور اس کے غیر میں۔ اوزاعی صاحب اپنے اس مسئلے میں دو دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک دلیل تو وہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدسہ فرمایا کہ جاہلیت کا ربوا ہم نے ختم کردیا جس میں حضرت عباس کا ربوا بھی ختم کردیا گیا۔ پھر اوزاعی صاحب کہتے ہیں۔ وَكَيْفَ يَسْتَحِلُّ الْمُسْلِمُ اَكْلَ الرِّبٰوا فِيْ دَارٍ

یعنی مسلمان اس قوم سے سود لینا کس طرح حلال سمجھ سکتا ہے جس قوم کا خون اور مال مسلمانوں پر اللہ نے حرام فرما دیا اس کے بعد اوزاعی صاحب دوسری دلیل دیتے۔ اَوْ قَدْ کَانَ الْمُسْلِمُوْنَ یُبَایِعُوْنَ الْکُفَّارَ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا یَسْتَحِلُّ ذٰلِکَ ترجمہ یعنی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں مسلمان حضرات کفار سے خرید و فروخت کرتے تھے مگر وہ سود کو حلال نہیں سمجھتے تھے امام ابو یوسف نے بھی کہا کہ اوزاعی کا قول معتبر ہے اور سود حربی نا ہی حلال ہے نہ ہی جائز **جواب** ۔ اوزاعی صاحب کی بات بالکل ایسی ہے جیسے سوال گندم جواب جو۔ دعویٰ تو ہے کہ دار الحرب میں سود حرام ہے مگر دلائل میں دار الاسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی دلیل میں حضرت عباس کے سود کا ذکر کیا۔ اس کا پورا بیان و وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں کہ یہ اس وقت معاف کیا گیا جب کہ فتح ہو گیا اور مکہ دار الاسلام بن گیا۔ دوسری دلیل میں کفار کے خونوں اور مالوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ حالانکہ کفار کا خون اور مال صرف دار الاسلام یعنی سلطنت اسلامیہ میں ذمی ہونے کی صورت میں ہی مسلمانوں پر محفوظ و حرام ہوتا ہے دار الحرب میں کسی کافر کا مال اور خون مسلمانوں کے لیے معصوم و محفوظ اور حرام نہیں اوزاعی صاحب کی تیسری دلیل بھی ان کے اپنے خیال سے ہے اور ان کے اپنے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس عالیہ میں مسلمان مدینہ منورہ میں کفار سے بیع تجارت خرید و فروخت کرتے تھے اور مدینہ منورہ شروع سے ہی دار الاسلام رہا ہے بلکہ کائنات میں سب بڑی سلطنتِ اسلامیہ مدینہ منورہ ہی ہے اب ذرا سی عقل والا بھی غور کر سکتا ہے کہ اوزاعی صاحب کی بات کہاں تک درست ہے ہم یہی تو مطالبہ کر رہے ہیں کہ دار الحرب میں سود کی حرمت پر کوئی دلیل آیت یا حدیث یا روایت و درایت دکھاؤ دعویٰ کرنا حربی سود کی حرمت کا اور دلیل دینی دار الاسلام کے سود کی یہ کوئی عقل و انصاف و قابلیت نہیں ہے **مخالف کی پندرھویں دلیل** ۔ جب قبیلہ بنی مخزوم مسلمان ہوا تو بنی ثقیف قبیلے سے اس کا سودی لین دین تھا بنی ثقیف نے بنو مخزوم سے اپنا سود مانگا۔ تو جواباً بنو مخزوم نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ سود کا لین دین نہیں کریں گے یہ جھگڑا مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک بارگاہِ نبوی میں پہنچا تب وَذَرُوْا مَا بَقِیَ ۔ والی آیت نازل ہوئی۔ ثابت ہوا کہ غیر مسلموں سے بھی سود لینا حرام ہے **جواب** ۔ کیا عجیب احمقانہ دلیل ہے۔ ایسے جاہلانہ استدلال کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے خود صاحب مضمون غور نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ بنی مخزوم مسلمان ہوئے اور ان سے بنی ثقیف نے سود مانگا اور اللہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو تم مت مانگو بقیہ سود چھوڑ دو۔ میں پوچھتا ہوں کون کافر تھا کس مسلمان نے کس کافر سے سود مانگا اور کس مسلمان کو کافر سے سود لینے کو منع کیا گیا؟ جب مضمون نگار خود کہہ رہا ہے کہ بنو مخزوم مسلمان ہو گئے اور بنو ثقیف نے ان مسلمانوں سے مانگا نہ کہ کسی کافر سے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر مسلمان کو سود مانگنے سے منع فرمایا دینے والوں کا اس آیت میں ذکر نہیں کہ وہ نہ دیں۔ اس وقت دینے والے بنی مخزوم تھے اور مانگنے

والے بنی ثقیف تھے تو بتایا جائے بنی ثقیف اس وقت مسلمان تھے یا کافر۔ اگر وہ اس وقت کافر تھے تو مومن ومسلمان کس کو کہا گیا جب کہ مانگنے والے بنی ثقیف ہی تھے جیسا کہ احادیث وتواریخ سے ثابت ہونے کے علاوہ خود مخالف کو بھی تسلیم ہے۔ نیز جب مسلمانوں نے سود مانگا ہی نہیں تو۔ وَذَرُوْا مَابَقِیَ کا حکم امتناعی۔ بیکار ماننا پڑے گا جو سراسر کفر ہے اور تم مانتے ہو کہ بنی ثقیف بھی مسلمان ہو چکے تھے تو پھر تمہاری دلیل واستدلال سب غلط ہوگیا کیونکہ دلیل سے ثابت ہوا کہ اس وقت مسلمان بنی ثقیف نے مسلمان بنی مخزوم سے سود مانگا تھا۔ اس لیے وَذَرُوْا مَا بَقِیَ کا حکم ممانعت نازل ہوا۔ دارالحرب کے سود کی حرمت پھر بھی ثابت نہ ہوئی۔ بس ماننا پڑے گا کہ وہی وضاحت درست ہے جو ہم نے پہلے بیان کردی کہ بنی مخزوم اور بنی ثقیف دونوں مسلمان ہوچکے تھے اور مکہ مکرمہ طائف وغیرہ سب علاقے دارالاسلام بن چکے تھے تو اس وقت بنی ثقیف نے بنی مخزوم سے سود طلب کیا کیونکہ اس وقت تک سود کی حرمت کا پتہ نہ چلا تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے سود لینا منع کیا گیا اور سابقہ چھوڑ دینے کا حکم کیا گیا۔ یہاں دارالحرب کے سود کا کوئی تعلق نہیں **مخالف کی سولھویں دلیل** ۔ یہاں بھی مخالف مضمون نگار حضرت عباس کے سود کا ذکر کرتا ہے **جواب** ۔ اس کا جواب اور وضاحت پہلے ہم نے اپنے دلائل کے دوران کردی اور مخالف کی چودھویں دلیل میں بھی اصل مطلب سمجھا دیا کوئی شخص ضد کی پٹی باندھ کر اندھا بن جائے اور نہ سمجھے تو اس کی مرضی۔ بحمدہ تعالیٰ مکمل طور پر ثابت ہوگیا کہ شرعی قوانین سے جو علاقے اب بھی دارالحرب ہیں ان کے باشندوں سے سود کی شکل میں کوئی چیز لینا سود نہیں بنتا اور مسلمانوں کے لیے وہ مال حلال طیب ہے۔ ہمارا یہ فتویٰ صرف دارالحرب کے لیے ہے کسی بھی دارالاسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام یوسف وغیرہ دیگر ائمہ ثلاثہ کی کمزور باتوں کو اگر مانا جائے تو دارالحرب میں بھی سود حرام ماننا پڑے گا حالانکہ قرآن وحدیث سے دارالحرب کی سود حلال ثابت ہوگئی لہٰذا دیگر ائمہ کے قیاسی اقوال ماننے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور بعض مخالفین کا یہ کہنا کہ لَارِبٰوا والی حدیث تو درست ہے مگر اس سے جواز ربٰو ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ والی آیت کے مشابہ ہے جس طرح اس میں نہی اور انشائیت ہے یعنی حج کے دوران وطی صحبت اور رفث وجھگڑا مت کرو۔ اسی طرح لَارِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ والی حدیث پاک میں بھی یہی معنی ہے کہ حربی سے مسلمان سود نہ لے۔ **جواب** ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل بھی تحقیق اور غور وفکر کے بعد تین وجہ سے کمزور اور غلط ثابت ہوئی پہلی وجہ یہ کہ لَا رَفَثَ (الخ) میں تو نہی ہے کیونکہ وہاں صرف مسلمانوں کا ذکر ہے حج صرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔ ہر مسلمان عورت ومرد پر یہ افعال وکردار ممنوع ہیں۔ مگر لَارِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ والی حدیث میں مسلمان اور کافر دونوں مذکور ہیں مسلمان کو لینا دینا منع ہوسکتا ہے کہ کافر کا لینا دینا کیسے منع کیا جاسکتا ہے اور وہ کب رکے گا۔ تو یہ ممانعت یکطرفہ صحیح ہوئی اور دوسری طرف سے غلط اور بیکار

ہوئی حالانکہ اس طرح کہنا گستاخیِ قرآن ہے۔ دوسری وجہ لَا رَفَثَ ۔ کو نہی کا درجہ دینا تو احادیث نے بتایا اس لیے سب کو ماننا پڑا لیکن لا ربٰو کو نہی قرار دینا کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ تیسری وجہ اگر لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ والی حدیث کو نہی بناؤ گے تو اس طرح کی دوسری احادیث کو کس طرح نہی بناؤ گے۔ مثلاً لَا رِبٰوا بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰی اور لَا رِبٰو اِلَّا فِی النَّسِیْئَةِ یہاں اگر نہی ہو تو مسئلہ ہی غلط اور الٹ ہو جاتا ہے اور اگر یہاں نہیں بنا سکتے تو پھر لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمُسْلِمِ۔ والی حدیث میں ناجائز تاویلیں کیوں کرتے ہو۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے جو قطعاً باطل ہے۔ ابھی میں اسی ہی فتوے میں مشغول تھا کہ ایک استفتا مجھ کو موصول ہوا جس میں ہمارے ایک محترم پیر صاحب کے ایک اخباری بیان پھر اس سے رجوع کرنے کا تذکرہ میرے پاس برائے جواب کسی سائل نے بھیجا اور مجھ سے سائل نے اصرار کیا کہ اس کا ضرور مکمل و مدلّل جواب دوں۔ یہ مجھ پر میرے رب تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے بیشتر ممالک میں کہیں کوئی فتویٰ لکھے تو مسلمان لوگ اس وقت تک اعتماد کرتے نہیں جب تک کہ مجھ سے اس کی صحت و درستی کی تائید و تصدیق نہیں کرا لیتے خواہ پاکستان ہو یا ہندوستان یا سعودی عرب خواہ مرکز روحانیت کچھوچھہ شریف ہو یا مرکز سنیت بریلی شریف ہو اور چونکہ مجھ پر اعتماد کرنے والے میرے مشورے کو دیانتداری کا مشورہ سمجھتے ہیں اور میری تحقیق و تفتیش پر مکمل بھروسہ و یقین کرتے ہیں۔ اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ میں کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں اور حتی المقدور محنت سے کسی کی تائید یا تنقید کروں اور بادلائل فتویٰ لکھوں اب تک سیکڑوں فتاویٰ میری نظر سے گزرے جن میں سے بہت سے فتاویٰ کی تائید ہوئی اور بہت سے میری بادلائل تنقید کی زد میں آئے میں نے اپنی تحقیق کے دوران کبھی کسی کی بیجا حمایت نہیں کی خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا بزرگ ہو یا ہم عصر۔ اگر میری تحقیقی نظر میں کسی کی بات یا تحریر یا فتوی غلط ہوا اور اس فتوے کی شہرت و اشاعت عوام کے نقصان کا باعث بنتی ہو تو بغیر کسی خوف لَوْمَةَ لَائِمٍ کھل کر بادلائل اس کی غلطیوں سے آگاہ کیا تاکہ دنیا و آخرت کا فتنہ و گناہ فرو ہو۔ میری اسی صاف گوئی کا میرے بعض بزرگوں کو گلہ بھی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ بزرگ لوگ اپنے مضامین و فتاویٰ میں پہلے ہی غور و تدبر کیوں نہیں کر لیا کرتے ایسی نوبت ہی کیوں آتی ہے کہ کوئی اپنا یا پرایا تنقید کی جرات کرے پہلے بلا سوچے جلدبازی کا فتویٰ لکھ دیا پھر تنقید سن کر برا منا لیا۔ میری علمی تنقید و مخالفت کا تعلق صرف احقاقِ حق کی نیت سے ہے اسی وجہ سے میں بعض اوقات خود اپنی تحریر سے رجوع و مخالفت میں جھجک و شرم محسوس نہیں کرتا اور آئندہ بھی اس خداداد ذمہ داری کو توفیقِ الٰہی پورا کرتا ہی رہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ میری یہ سخت گرفتی صرف اس لیے ہے کہ موجودہ علما نے فتوی نویسی کو کھیل سمجھ لیا ہے۔ ہر چھوٹا موٹا پیر اور مولوی قلم کا ٹھیکا لیے پھر رہا ہے اس دور میں اگر کہیں سے مضبوط اور مکمل احتیاط و تحقیق و تدقیق سے فتاویٰ جاری ہو رہے ہیں۔ تو وہ صرف واحد بریلی شریف کا دار الافتا ہے یہی وجہ ہے مجھ جیسا نقاد نظر والا بھی اس کی تنقید یا تردید نہ کر سکا

قاضی اور مفتی وہی درست ہے جو کسی کی عقیدت سے فتویٰ جاری نہ کرے بلکہ فتویٰ نویسی کے وقت عقیدت کو بالائے طاق رکھ دے۔　واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

سوال ۱۳۔ مذکورہ محترم پیر صاحب کے مضمون اور غلط استدلال کی مکمل تردید کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ تیس جون ۱۹۸۶ء چار ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ بروز منگل روزنامہ جنگ اخبار لندن کے ص۵ پر پاکستان کے ایک بزرگ یکتائے عالم صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے برطانیہ کو دارالحرب ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں کفار سے سود لینا جائز ہے اور مضمون کی طویل تحریر میں دارالحرب کی وضاحت کی ہے۔ جب کہ ہم اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ برطانیہ دارالاسلام ہے اور مسلمانوں کو مکمل مذہبی دینی آزادی ہونے کی وجہ سے اور عباداتِ اسلامیہ میں کسی قسم کی رکاوٹ و پابندی نہ ہونے کی بنا پر یہ ملک برطانیہ دارالاسلام کی تعریف میں آتا ہے یہاں تک کہ جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر تھی تو ہندوستان کو بھی دارالاسلام کہا گیا تھا اور تمام علماء اسلام نے پورے ہندوستان کو برطانوی دور میں دارالاسلام کہا جب کہ وہی ہندوستان اکبری دور میں دارالحرب بن چکا تھا۔ مگر اس اخباری مضمون کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ دارالحرب ہے اس مضمون کے کچھ دن بعد ان ہی عالم صاحب کا ایک مضمون ایک ماہنامہ رسالے میں ۔ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء ربیع الاول شریف ۱۴۰۸ھ بروز جمعرات ص۱۶ سے ص۲۲ تک شائع ہوا جس میں ان کے پہلے اخباری بیان کے اقتباسات کے ساتھ نیا مضمون بھی شامل ہے اور تیسرے مضمون کی آخری سطور میں وہ اپنے اخباری مضمون سے ان لفظوں میں رجوع کرتے ہیں کہ ان دلائل کی روشنی میں یہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے اور حضرت امام یوسف کے فتوے کے مطابق ہر جگہ اور ہر مسلک میں سود کی حرمت کا اعتراف کرتا ہے۔ اس رجوع کا اعلان دس دسمبر ۱۹۸۶ء اٹھارہ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ بروز جمعرات روزنامہ جنگ کے ص۱ پر اسلامی تکافل کمپنی کے ایک شرعی بورڈ کے اجتماع میں کمپنی کے صدر الشیخ الناظر کے حکم اور ہدایت پر کسی خاص دباؤ کے تحت اپنے سابقہ موقف کی شکل میں خود عالم صاحب کی زبان والفاظ سے کرا کر پہلے موقف سے تردید و رجوع کرایا گیا۔ ان تینوں مضمونوں کی اشاعت سے اہلسنت علماء اور عوام میں بڑی تشویش پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ عالم صاحب کے ہر مضمون میں دلائل ہیں اور ہر مضمون ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عالم صاحب نے تکافل کمپنی کے دباؤ میں آکر رجوع کیا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ پہلا مضمون واقعتاً غلط تھا اس لیے صاحب مضمون کو رجوع کرنا پڑا اور یہ عالم صاحب اس سے پہلے بھی کئی دفعہ اپنی تحریروں سے رجوع کر چکے ہیں ان کی پرانی عادت ہے کہ پہلے اندھا دھند مضمون داغ دینا۔ پھر غلطی کی گرفت پر رجوع کر لینا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے لوگوں کو قلم پکڑنے کی اجازت کس نے دی جس کی

تحریریں مسلمانوں کی پریشانی کا باعث ہی نہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلا اور آخری مضمون سب کچھ کسی سازش اور سکیم کے تحت شائع کیا گیا ہے تاکہ تکافل کمپنی کی تشہیر ہو۔ اور لوگ بجائے دوسرے طریقوں سے دولت حاصل کرنے کے اس کمپنی کے ذریعے دولت کمائیں اور اس کمپنی کے گاہک بنیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دوسرے مضمون سے مذہب حنفی کی توہین وگستاخی ہوئی ہے اس پریشانی کی وجہ سے ہم سب لوگ آپ سے ان مضامین کے بارے میں شرعی فتویٰ طلب کر رہے ہیں براہِ کرم ہم کو بتایا جائے کہ پہلا مضمون درست ہے یا دوسرا اور تیسرا اور رجوع کرنا کہاں تک درست ہے۔ اس سوال کے ساتھ وہ اخباری صفحات اور ماہنامہ رسالہ ماہ نومبر بھی پیش خدمت ہے۔ ہمیں آپ کی ذات سے امید ہے کہ آپ ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اپنے انداز محققانہ میں پوری تحقیق ودلائل سے والسی جواب بصورت شرعی فتویٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمیں جواب کی کوئی اتنی جلدی نہیں ضرورت دلائل، تحقیق وتفتیش اور تسلی کی ہے بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائل ۱۶/۱۲/۸۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ۔

الجواب

سائل محترم کا سوال نامہ اور تمام ضروری کاغذات موصول ہوئے۔ میں نے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے نہایت غور وتفکر وتدبر سے کئی بار آپ کا سوال نامہ پڑھا مذکورہ فی السوال صاحب مضمون محترم سے میری کوئی اتنی ذاتی اور گہری شناسائی تو نہیں کیونکہ میں گوشہ نشین غیر معروف فرد ہوں اور حضرت محترم خاصی مشہور ومعروف شخصیت ہیں۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ حضرت محترم مسلکاً حنفی بریلوی ہیں اور شاگردی میں نعیمی جماعت سے متعلق ہیں۔ جہاں تک ان کی ذاتی بزرگی اور خاندانی وروحانی مقام کا تعلق ہے تو اس کا سب اہل سنت کو اعتراف ہے مجھ کو ان کے کسی خلوص ونیک نیتی میں بھی شک نہیں ان کے مضامین اور ان کے اسباب وعلل کے بارے میں لوگوں کے تاثرات جو چاہیں ہوں مگر میرا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں نہ میں اس پر کچھ تبصرہ کروں گا نہ میرا یہ منصب و مقام نہ ذمہ داری۔ سائل محترم کے اصرار وحکم کی بناء پر فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے صرف ان مسائل کی حقیقت اصلیہ بیان کروں گا جو صاحب مضامین کے کلام سے آشکار ہے۔ اوّلاً اخباری بیان میں پہلے مضمون پر گفتگو پھر دوسرے وتیسرے مضمون پر تبصرہ ہوگا۔ یہ مضمون جس کو مضمون نگار نے اخبار میں شائع کرایا ہے اس میں برطانیہ کو دار الحرب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے مضمون میں اسی دعوے پر تحریر ہے کہ برطانیہ دار الحرب ہے مگر اس کے دلائل پیش نہیں کئے جا سکے۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں علمی اور فکری غلطیاں بہت ہیں۔ جن کی نشاندہی کے بعد اصل بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ غلطیوں کو چھپانے مسلک کو بچانے اور حقیقت سے روگردانی کس طرح کی گئی ہے مضمون کی ساری حقانیت اسی کی زور آزمائی میں صرف کی گئی ہے۔ غلطی بعلم عالم صاحب کے

اس پہلے اخباری مضمون میں ملکِ برطانیہ کو دارالحرب قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط اور فقہ اسلامی سے ناواقفی کی بنا پر ہے اس لیے کہ شرعی فقہی ضابطوں کے مطابق دنیا میں ملک صرف پانچ قسم کے ہیں ۱ـ سلطنت اسلامیہ جہاں کی حکومت مسلمان ہو جیسے کہ پاکستان افغانستان ایران اور عرب ممالک ۲ـ دارالکفر۔ جہاں کی حکومت کفار کی ہو۔ جیسے تمام غیر مسلم حکومتیں۔ چین۔ روس یورپ امریکہ وغیرہ ۳ـ دارالکفر کی دو قسمیں ہیں ایک دارالحرب جہاں مسلمانوں کو آزادانہ طریقے سے اسلام پر عمل نہ کرنے دیا جائے اور عبادت الٰہیہ و شعائر اسلامیہ کے قائم و نافذ کرنے میں ظلم و تشدد اور پابندیاں رکاوٹیں کی جائیں جیسے ہندوستان بیروت اسرائیل وغیرہ ۴ـ دوسری قسم دارالاسلام جہاں اگرچہ حکومت کفار کی ہو مگر مسلمانوں کو عبادت الٰہیہ۔ شعائر اسلامی جمعہ۔ عیدین۔ نکاح شادی۔ جنازہ۔ روزہ نماز۔ حج۔ وغیرہ کے لیے اسلامی طریقہ قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ اور قانونی پابندی نہ ہو بآسانی ہر مسلمان ادا کر سکے۔ کئی دفعہ سلطنت اسلامیہ بھی دارالحرب بن جاتا ہے جیسے پہلے زمانوں میں اکبر بادشاہ کی حکومت ترکستان میں کمال پاشا کی حکومت یا آج کل افغانستان روسی مداخلت کی بنا پر۔ یا جہاں کی حکومتیں سوشلسٹ ہو چکی ہیں ۵ـ دارالامن جہاں غیر ملکی باشندہ بالکل امن اطمینان عافیت و آرام کے ساتھ سیاحت یا رہائش کے لیے جا سکے اور کسی اقلیت پر ظلم نہ ہو رہا ہو۔ عربی میں سلطنتِ اسلامیہ میں آنے والے ایسے افراد کو مستامن یا ذمی کہا جاتا ہے فقط یہ پانچ ہی قسم کے ملک دنیا میں پہلے زمانوں سے ہوتے چلے آئے ہیں شریعت اور فقہ اسلامیہ میں ان ملکوں کی تعریف و تعین اور نشان و پہچان کے لیے جو ضابطے مقرر فرمائے گئے ہیں ان کے اعتبار سے ملک برطانیہ دارالاسلام و دارالکفر ہے۔ یعنی حکومت کے عملے و اراکین کے اعتبار سے یہ ملک دارالکفر ہے اور مسلمانوں کی دینی آزادی کے اعتبار سے یہ برطانیہ دارالاسلام ہے نہ کہ دارالحرب مضمون نگار نے برطانیہ کو دارالحرب کہہ کر بہت بڑی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے مضمون کی دوسری غلطی۔ اگرچہ مضمون نگار نے اپنے اس نئے مسلک کو بنانے اور بچانے کے لیے بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہوگا لیکن لکھا یہ گیا ہے کہ یہ فقیر مضمون نگار فقط جناب عبدالقادر عودہ کی کتاب التشریع الجنائی سے اکتفا کرتے ہوئے اپنے مسلک کو ثابت کرتا ہے حالانکہ بدقسمتی سے یہ کتاب بھی ان عبارتوں کے ذریعے جو خود مضمون نگار نے اپنے مضمون میں پیش کی ہیں۔ صاحب مضمون کی کچھ مدد نہیں کرتیں بلکہ ہر جگہ ہر بات میں مخالفت ہی کرتی ہیں۔ لہٰذا مضمون نگار نے اس کتاب کے حوالے بھی پیش کر کے اپنے حق میں غلطی کی ہے۔ مضمون کی تیسری غلطی مضمون نگار اپنے خود ساختہ مسلک کو بچانے کے لیے صرف دو دلیلوں کو بنیاد بناتے ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمان دیوانی اور فوجداری مقدمات اور لڑائی جھگڑوں کو بھی خود ہی جاری و نافذ کریں۔ صاحبِ مضمون کی یہ بات اتنی غلط ہے کہ ایسی بات لکھنے پر واقعی ہر شخص کو حیرانی ہو سکتی ہے اور ایسی طفلانہ کج فہمی

پر سائل کا تعجب بجا ہے۔ خیال رہے کہ یہ بات تین طرح سے قطعاً غلط ہے۔ اولاً اس لیے کہ مضمون نگار نے اپنی اس بات پر کوئی حوالہ کوئی ثبوت پیش نہیں کیا نہ کوئی کتاب دکھائی نہ فقہ کی واضح اور صاف عبارت درج کی۔ ثانیاً اس لیے کہ جو بات مضمون نگار نے زندگی میں پہلی دفعہ لکھدی وہ بات فقہاء متقدمین و متاخرین میں سے آج تک کسی نے بھی نہیں لکھی۔ دار الحرب کے لیے یہ قید کسی نے بھی نہ لگائی کہ کفار کے ملک میں مسلمان عوام یا خواص اپنی عدالت علیحدہ قائم کر کے خود ہی فوجداری اور دیوانی مقدمات کے فیصلے جاری کرنے لگیں۔ ایسی لایعنی اور خود ساختہ باتوں سے ہی پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ مضمون نگاری کتنی باطل ہے کیا اس طرح کی جلد بازی کی مضمون نویسی کو اسلامی فقہ کا ذمہ دار فتویٰ کہا جا سکتا ہے اور کیا ایسے مضمون نگار کو اسلام کا مفتی کہنا یا سمجھنا جائز ہے۔ ثالثاً اس لیے کہ مضمون کی یہ بات تو سلطنت اسلامیہ میں تا قیامت نہیں ہو سکتی کسی بھی اسلامی ملک نے آج تک کبھی بھی فوجداری اور دیوانی کے جھگڑے مقدمے عوام کے ہاتھوں نہ دیئے یہاں تک کہ کوئی ذمہ دار مفتی اسلام بھی یہ کام از خود نہیں کر سکتا نہ کوئی حکومت اس کی اجازت دیتی ہے بلکہ اس بات سے تو اللہ رسول نے ہی مسلمانوں کو منع فرما دیا کہ دیوانی فوجداری امور یعنی قصاص و حدود و تعزیرات کا جاری کرنا صرف حکومتِ ملکی کا کام ہے اگرچہ وہ غیر مسلم حکومت ہو۔ قرآن مجید کے اس ارشاد پاک وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تفسیر ہی سے یہی ثابت ہے یہاں منکم سے اہالیانِ ملک مراد ہیں۔ نیز پاکستان میں تو ابھی قوانین اسلامیہ کی طرز پر فوجداری اور دیوانی حدود و قصاص جاری کرنے والی عدالتیں ہی قائم نہیں ہوئیں تو کیا پاکستان کو بھی دار الحرب کہو گے۔ مضمون نگار کی دوسری غلط اور کمزور دلیل۔ یہ کہ دار الاسلام وہ ہے جہاں اب اگرچہ کفار کو غلبہ اور حکومت حاصل ہو اور مسلمانوں کو چاہے کتنی ہی مذہبی آزادی میسر ہو مگر پہلے کبھی اس علاقے پر اسلامی حکومت کا قیام اور مسلمانوں کو حکمرانی غلبہ حاصل رہا ہو۔ فقیر مضمون نگار کے نزدیک اسی بنیاد پر اعلیٰ حضرت بریلوی نے برطانوی دور میں ہندوستان کو دار الاسلام کہا تھا۔ کیونکہ وہاں انگریزوں کے تسلط سے پہلے مغلیہ حکومت تھی۔ میں کہتا ہوں یہ بات بھی قطعاً غلط ہے اور مضمون نگار کی لاعلمی چار وجہ سے۔ ایک یہ کہ کسی بھی کتاب فقہ میں دار الاسلام کی تعریف میں یہ قید مذکور نہیں کہ اس علاقہ پر پہلے کبھی اسلامی حکومت رہی ہو۔ ورنہ پہلے کبھی کی مدت کا تعین بھی کرنا پڑے گا کہ کتنے سال پہلے؛ دوسری وجہ یہ کہ مصنف نے اپنے اس قول پر کوئی حوالہ پیش نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ یہ بات۔ مضمون نگار کی اپنی بناوٹی ہے اعلیٰ حضرت کی طرف اس بنیاد کو منسوب کرنا اس کی اپنی تخیلاتی تصوراتی اور ذہنی کشمکش ہے یہ وجہ و بنیاد اعلیٰ حضرت کی کسی کتاب میں درج نہیں تیسری وجہ یہ کہ اعلیٰ حضرت اور صاحب بہار شریعت بلکہ تمام علماء اسلام نے ہندوستان کو برطانوی دور میں دار الاسلام ہی کہا تھا مگر اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہاں پہلے مغلیہ دور تھا بلکہ یہی دینی آزادی تھی جو آج بھی برطانیہ میں موجود ہے بلکہ آج تو پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو دینی آزادی ہے یہ میرا تجرباتی مشاہدہ ہے

اس تجربے سے کہتا ہوں کہ اتنی دینی آزادی مسلمانوں کو ان کے اپنے ملک میں نہیں ملتی جتنی اس وقت برطانیہ میں حاصل ہے ہر شہر میں مسجدیں عید گاہیں دینی مدرسے تعلیمی ادارے اذان نماز با جماعت جمعہ حج قربانی نکاح شادی بیاہ میں مکمل اسلامی طریقے جاری و رائج ہیں علماء عوام کو ہر طرح مکمل سہولتیں میسر ہیں اور خود حکومت ہر مسلمان کو فیکٹریوں سکولوں کالجوں میں عیدین کی سرکاری چھٹی دیتی ہے اور یہ قانونی چھٹی ہے۔ طلاق اور بہت سے جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے خود حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ اپنے مذہبی ذمہ دار علماء سے متفقہ اسلامی فتویٰ لاؤ ہم اس کے مطابق تمہارا فیصلہ کر دیں گے خود میرے فتاویٰ سے یہاں بہت سے فیصلے جاری کیے گئے۔ مضمون نگار بھی ان تمام چیزوں سے غافل نہیں اعلیٰ حضرت بریلوی نے کہیں نہیں لکھا کہ ہم مغلوں کی حکومت سابقہ کی وجہ سے ہندوستان کو برطانوی دور حکومت میں دار الاسلام کہہ رہے ہیں، مضمون نگار نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا حالانکہ یہ اس کی دیانت ذمہ داری بنتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ان تمام چیزوں کو جانتے بوجھتے صاحب مضمون نے اتنا غلط اور کمزور مضمون چھاپ کر اور نیا مسئلہ بنا کر کیا مفاد حاصل کیا؟ اس مضمون کی غلط ہونے کی چوتھی وجہ یہ کہ فرضاً اگر اس قید کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ دار الاسلام وہی ہے جس پر موجودہ غیر مسلمان حکومت سے پہلے کبھی اسلامی حکومت رہی ہو تب بھی ہمارا قول اور مسلک درست ہے کہ برطانیہ دار الاسلام ہے اس لیے کہ برطانیہ پر بھی آج سے تقریباً سات صدی پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ ہفت روزہ اخبار وطن ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۱۹۸۲ء لندن ص ۲۷ پر علامہ شبیر بخاری کے دورہ یورپ کی رپورٹ رؤف ظفر کے قلم سے شائع ہوئی جس میں لکھا ہے کہ آٹھویں صدی میں برطانیہ پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور اس زمانے کے سکوں (کرنسی) کی فوٹو بھی اخبار وطن نے شائع کی ہے جس پر ایک طرف عربی میں لکھا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ اور دوسری طرف انگریزی میں اوفا بادشاہ کا نام لکھا ہے۔ یہ سونے کے چند سکے آج بھی برطانوی میوزم میں محفوظ ہیں۔ یہ اوفا بادشاہ مسلمان تھا اور اس کی حکومت پورے برطانیہ پر تھی ان حقائق کے پیش نظر بعض اخبارات میں کچھ روز پہلے جب کہ ولی عہد چارلس اور اس کی بیوی ڈیانا۔ عرب ممالک کے دورے پر گئی تھی تو لکھا گیا تھا کہ شاہی خاندان عربی النسل ہے۔ بہرکیف اللہ بہتر جانتا ہے بتانا یہ مقصود ہے کہ برطانیہ پر پہلے مسلمان حکومت تھی اس اعتبار سے صاحب مضمون کی خود ساختہ قید کے مطابق بھی یہ برطانیہ دار الاسلام ہی ہونا چاہیے اس کے باوجود برطانیہ کو دار الحرب کہنا غیر محققانہ روش ہے جو محض جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ مضمون کی چوتھی غلطی میں یہ تو نہیں جانتا کہ صاحب مضمون کو اپنی علمی قابلیت اور تحقیقی محنت و کاوش و معلومات پر کتنا بھروسہ ہے البتہ اپنے مضمون کو بچانے اور سنبھالنے نبھانے کے لیے جو حوالے پیش فرمائے ہیں ان سے کہاں تک محترم کی تائید یا بچاؤ ہوتا ہے اس کا پتہ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ صاحب مضمون اپنے بیان کی ابتدائی سطور میں جناب عبد القادر عودہ صاحب کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں

التشریح الجنائی جلد اوّل ص۲۷۵ پر ہے تَشْتَمِلُ دَارُ الْاِسْلَامِ الْبِلَادَ الَّتِیْ تَظْهَرُ فِیْهَا اَحْکَامُ الْاِسْلَامِ اَوْ یَسْتَطِیْعُ سُکَّانُهَا الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ یَّظْهَرُوْا فِیْهَا اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ۔ یہ عبارت تو اپنی جگہ درست ہے لیکن مضمون نگار کا کلّا یا تما اس سے ثابت نہیں ہوتی نہ یہ مضمون کی دلیل بنتی ہے اس عبارت میں کہیں بھی دیوانی فوجداری اور حدود۔ تعزیرات جاری کرنے کا ذکر نہیں مضمون نگار خود بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے وہ اس عبارت کا غلط ترجمہ کرکے اپنی مطلب برآری کرتے ہوئے اپنی خواہش پوری کر لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ ترجمہ دارالاسلام ان ملکوں کو کہتے ہیں جہاں احکام اسلامیہ کو ظہور و غلبہ نصیب ہو سوا گرچہ بالفعل احکام شرعیہ کا نفاذ نہ ہو لیکن وہاں کے باشندے احکام اسلامیہ کو نافذ کرنے کی قدرت اور استطاعت رکھتے ہوں یہ تھا مضمون نگار کا پیش کردہ ترجمہ۔ اس میں صاحب مضمون نے دو غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ تَظْهَرُ کا ترجمہ کیا۔ غلبہ نصیب ہو۔ حالانکہ یہ ترجمہ یہاں قطعاً نامناسب ہے۔ التشریح الجنائی کے بھی خلاف دیگر تمام فقہا کے بھی خلاف اور حقیقت کے بھی خلاف۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہاں شرعی احکام پر ظاہر طور عمل کیا جاتا ہو تَظْهَرُ فِیْهَا یعنی ان ملکوں میں احکام اسلامیہ ظاہر نظر آتے ہوں دکھائی دیتے ہوں اور وہاں کے مسلمان باشندے عبادتِ شرعیہ احکام اسلامیہ کو ظاہر و عَلَی الْاِعْلَان کرنے کی طاقت رکھتے ہوں **دوسری غلطی** یہ ہے کہ مضمون نگار نے بریکٹ میں اپنی عبارت بڑھائی جو کہ ترجمہ کے منافی ہے یہ ترجمہ نہ رہا بلکہ تشریح ہو گئی اور وہ بھی غلط جبکہ مضمون میں اس سب کو فقط ترجمہ قرار دیا گیا ہے یہ بات دیانت کے خلاف ہے۔ پھر آگے اس کتاب کی دوسری عبارت پیش کرتے ہیں جس میں تین قسم کے دارالاسلام کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ عبارت اس طرح ہے وَیَدْخُلُ فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ کُلُّ بَلَدٍ سُکَّانُهٗ کُلُّهُمْ اَوْ اَغْلَبُهُمْ مُسْلِمُوْنَ ع۲ وَکُلُّ بَلَدٍ یَتَسَلَّطُ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَحْکُمُوْنَهٗ وَلَوْ کَانَتْ غَالِبِیَّةُ السُّکَّانِ مِنْ غَیْرِ الْمُسْلِمِیْنَ ع۳ وَیَدْخُلُ فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ کُلُّ بَلَدٍ یَحْکُمُهٗ وَیَتَسَلَّطُ عَلَیْهِ غَیْرُ الْمُسْلِمِیْنَ مَا دَامَ فِیْهِ سُکَّانٌ مُسْلِمُوْنَ یُظْهِرُوْنَ اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ اَوْ لَا یُوْجَدُ لَدَیْهِمْ مَا یَمْنَعُهُمْ مِنْ اِظْهَارِ اَحْکَامِ الْاِسْلَامِ . . . .

یہ عبارت اپنی جگہ درست ہے اور واقعی دارالاسلام کی یہ تین قسمیں ہیں ان میں تیسرے نمبر کا ضابطہ برطانیہ پر بالکل درست ثابت ہے یہاں بھی یُظْهِرُوْنَ کا معنیٰ وہی ہے کہ ظاہر طور مسلمان اپنی تمام عبادات کرتے ہوں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جاتی ہو۔ مضمون نگار کا مقصد ہرگز اس سے حاصل نہ ہوا۔ عبدالقادر عودہ صاحب کی **تیسری عبارت** جو اس مضمون میں درج ہے وہ دارالحرب کی تعریف و شناخت میں ہے وہ بھی بالکل درست ہے اور وہ وہی تعریف ہے جو تمام فقہاء کرام متفقہ طور پر دارالحرب کے بارے میں بیان فرماتے ہیں جب یہاں بھی صاحب مضمون نے محسوس فرمالیا کہ اپنا مطلب حل نہیں ہوتا تو پھر بالکل اپنی اختراع سے اپنی مقصد پروری کے لیے لکھتے ہیں کہ۔

احکام اسلامیہ سے صرف عبادت مراد نہیں بلکہ سارے دیوانی و فوجداری مقدمات کا فیصلہ احکام اسلامیہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ برطانیہ دارالحرب ہے مضمون نگار کی یہ بنویات اگر مان لی جائے تو دنیا میں اس وقت کوئی بھی دارالاسلام نہ رہے گا۔ نہ پاکستان نہ ایران و افغانستان نہ عرب ممالک بجز سعودیہ کے اور نہ بھی جزوی بلکہ ذرہ وعیدین اور حج جز غلط کرکے وہ بھی دارالاسلام نہ ہیں گا صاحب مضمون نے اپنے اس بناوٹی قول پر کوئی حوالہ پیش کیا نہ کسی کتاب فقہ کا ذکر کیا خیال رہے کہ عربی لغت میں فوجداری مقدمے کو قانون جنائی کہتے ہیں اور دیوانی مقدمے کو ضابطہ جزائی کہتے ہیں یہ دونوں لفظ مضمون کی محولہ عبارات میں سے کسی میں موجود نہیں۔ اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہوئے فتاوی شامی کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں۔ فتاوی شامی جلد دوم ص۲۔ میرے پاس جو شامی ہے وہ جلد سوم ص۲۵ باب المستامن فصل فی استئمان الکافر کی آخری سطور وَاَمَّا فِیْ بِلَادٍ عَلَیْھَا وُلَاۃُ الْکُفَّارِ فَیَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَۃُ الْجُمَعِ وَالْاَعْیَادِ وَیَصِیْرُ الْقَاضِیْ قَاضِیًا الْمُسْلِمِیْنَ۔ اس کا ترجمہ مضمون نگار نے اس طرح کیا ہے۔ اور وہ ملک جس کے حکمران کافر ہیں ان ممالک میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے لیے جمعہ اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا جائز ہے یہاں تک ترجمہ درست ہے آگے ترجمہ غلط کرتے ہیں اور اپنے پاس سے ملاوٹ کرتے ہیں چنانچہ لکھا ہے اور باہمی رضامندی سے مسلمان جس شخص کو اپنا قاضی مقرر کرلیں گے (اس کی حیثیت اس قاضی کی مانند ہوگی جس کو کسی مسلمان حکمران نے قاضی مقرر کیا ہوگا) یہ بریکٹ والی عبارت مضمون نگار کی اپنی زیادتی ہے عربی عبارت اور کتاب کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ اور یہ ملاوٹ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کی گئی ہے مگر مطلب پھر بھی پورا نہیں ہوا اور اس سارے مضمون میں اپنی ایک بات بھی ثابت نہ کرسکے ۱ نہ یہ ثابت کرسکے کہ برطانیہ دارالحرب ہے ۲ نہ یہ ثابت کرسکے کہ دارالاسلام کے لیے پہلے کسی زمانے میں مسلمان حکومت کا ہونا شرط ہے ۳ نہ یہ ثابت کرسکے کہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ بھی دارالاسلام ہونے کے لیے شرط ہے صرف بناوٹی باتوں سے تو کام نہیں چلتا۔ مضمون نگار کی پانچویں غلطی۔ صاحب مضمون یہ تو ثابت نہ کرسکے کہ دارالاسلام ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دیوانی وغیرہ مقدمات بھی مسلمان خود اپنے اسلامی طریقے پر جاری کریں۔ صرف اپنی زبان سے کہہ دیا کہ احکام اسلامی سے مراد دیوانی فوجداری مقدمات ہیں۔ لیکن ہم ثابت کرتے ہیں کہ فقہاء کرام کے نزدیک احکام اسلامی سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ فتاوی درمختار جلد سوم ص۲۵ باب المستامن بالکل وہی مقام جہاں کا حوالہ فتاوی شامی کی عبارت سے خود مضمون نگار نے دیا ہے وَدَارُ الْحَرْبِ تَصِیْرُ دَارَ الْاِسْلَامِ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ فِیْھَا کَجُمُعَۃٍ وَعِیْدٍ ترجمہ دارالحرب صرف اس چیز سے دارالاسلام بنجاتا ہے کہ وہاں اسلامی احکام جاری ہوجائیں جیسے جمعہ اور عیدین کا قائم ہونا۔ کتنی واضح اور صاف عبارت ہے جس نے ثابت کردیا کہ احکام اسلامی سے مراد فوجداری و دیوانی مقدمات مراد نہیں بلکہ جمعہ عیدین وغیرہ عبادات کا جاری ہوجانا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا مضمون نگار نے

یہ عبارت نہیں دیکھی، ضرور دیکھی ہے کیونکہ اسی عبارت کی شرح اپنے مضمون میں بحوالہ فتاویٰ شامی پیش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے لکھ دیا گیا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ متنِ حاشیہ پر نگاہ نہ پڑی ہو۔ اب اس غلطی کو نہ تو خطا کہا جاسکتا ہے نہ نسیان نہ بھول چوک بلکہ صاف ظاہر ہے کہ دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی گئی ہے اور مضمون نگار کا مقصد اپنے اس مضمون سے دین کی خدمت یا خلوص ایمانی نہیں بلکہ اسلام قرآن و حدیث اور شریعت و فقہ کے خلاف اپنا ذاتی خودساختہ مذہب قوم پر ٹھونسنا ہے۔ مضمون نگار کی چھٹی غلطی۔ اس مضمون کا عنوان (ٹائٹل) اس طرح لکھا ہے۔ کیا برطانیہ دارالحرب ہے۔ **دوسرا عنوان** ۔ اس طرح ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں صاحب مضمون کا فیصلہ۔ لیکن بار بار بغور دیکھنے سے بھی کسی کو اس مضمون میں ایک بھی آیت قرآنی یا روایت یا حدیث پاک نظر نہیں آئی نہ معلوم اس طرح کا خلافِ حقیقت جھوٹا ٹائٹل بنانے میں کیا راز اور کیا حکمت و فائدہ ہو سکتا ہے جو دیانت و دانائی کے سخت خلاف ہے مضمون نگار کہتے ہیں کہ دارالحرب میں جمعہ و عیدین کی ادائیگی ہو سکتی ہے مگر حوالہ کوئی نہیں، لیکن تمام فقہاءِ اسلام فرماتے ہیں کہ جس وقت دارالحرب میں جمعہ اور عیدین بلا رکاوٹ باسہولت جاری و قائم ہو گئے اور وقتی حکومتی قانون نے نہ روکا تو فوراً وہ دارالحرب ہی دارالاسلام بن جائے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ درمختار رسوم کی عبارت سے ابھی ہم نے اوپر ثابت کر دیا۔ ایک احمق کو یہ کہتے بھی سنا گیا کہ فتاویٰ شامی جلد سوم کی مندرجہ بالا عبارت میں یَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَةُ الْجُمُعِ وَالْاَعْیَادِ میں یَجُوْزُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ دارالحرب ہے اس لیے کہ دارالاسلام میں تو جمعہ قائم کرنا واجب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کتنی احمقانہ بات ہے یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ جمعہ و عیدین ہی نہیں اسلام کے تمام فرائض و واجبات کی شان یہی ہے کہ ان کا جاری کرنا اور ملک و بلاد میں قائم کرنا عوام و علما کی ذمے داری نہیں نہ کسی کو ان میں سے اس کا شرعاً اختیار ہے یہ ذمے داری تو صرف سلطنتِ اسلامیہ کی ہے۔ دارالکفر میں چونکہ سلطنتِ اسلامیہ نہیں ہے اس لیے عوام اور علما پر صرف جائز ہے کہ وہ دارالاسلام بنانے اور ظاہر کرنے کے لیے یہاں جمعہ و عیدین قائم کریں کہ اس کے بغیر دارالکفر کو دارالاسلام ہونا اور کہنا ظاہر نہ ہوگا۔ دیکھئے اس برطانیہ میں اگر مسلمان عوام و علما نہ رہیں اور مسجدیں مدرسے جمعہ۔ وعیدین۔ نماز۔ روزہ۔ قربانی۔ حج وغیرہ جاری و قائم نہ کریں تو حکومت کی طرف سے لاکھ زری سہولت اجازت بھی مگر برتاوا حکومت کی طرف سے اجازت باسہولت کا اظہار کس طرح ہوگا۔ اور کس طرح معلوم ہوگا کہ یہ دارالاسلام ہے۔ اس لیے فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ جمعہ و عیدین قائم کرنا سلطنتِ کفریہ میں رہنے والے عوام و علما پر جائز ہے۔ واجب اس لیے نہ کہا کہ وجوب صرف حکومتِ اسلامیہ پر ان کے اپنے ملکوں میں ہے یہاں تک کہ اسلامی سلطنت میں بھی عوام یا علما پر اجراءِ جمعہ و عیدین واجب نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۱۴۵ پر ہے وَلِاَدَائِهَا شَرَائِطُ فِیْ غَیْرِ الْمُصَلِّیْ (الخ) وَمِنْهَا السُّلْطَانُ عَادِلًا کَانَ اَوْ جَائِرًا الخ ترجمہ: نماز۔ جمعہ کے خارجی فرائض میں سے یہ بھی فرض ہے کہ بادشاہ یا حاکمِ اسلام اس کو قائم کرے خواہ وہ حاکم وغیرہ نیک ہو یا ظالم فاسق۔ شریعت کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ

عوام پر صرف ادا کرنے کے حکم تک عبادتیں فرض واجب نفل سنت ہیں۔ اور علماء اسلام پر ادا بھی واجب اور عوام کو سمجھانا بتانا سکھانا پڑھانا بھی واجب اور حکومت اسلامیہ پر ادا بھی واجب بتانا اور ادا کرانا بھی واجب اور جاری و قائم کرنا بھی واجب اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت بلاوجہ ترک نماز و روزہ کرے تو حکومت بذریعے قانون اس کو سزا دے گی عوام یا علماء اس کو سزا نہیں دے سکتے لہٰذا حکومت کفریہ میں مسلمانوں پر جائز ہے کہ جمعہ و عیدین قائم کریں تاکہ اس حکومت کفریہ کا دار الاسلام ہونا مشہور و ظاہر ہوتا رہے۔ اگر عوام مسلمان یہ نہ کریں تب بھی شرعی مجرم نہ ہوں گے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں دو چیزیں بیان کیں۔ اولاً یہ کہ برطانیہ دار الحرب ہے مگر اس بات کو قطعاً ثابت نہ کر سکے بلکہ عقلاً۔ نقلاً۔ علماً۔ فکراً۔ دیانتاً۔ امانتاً۔ تحقیقاً۔ و تفتیشاً۔ اس مضمون میں اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ کیا یہ کسی عالم کا قلم ہے۔ دوم یہ کہ دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہے وہ لینا ربوا نہیں ہے اس دوسرے مسئلے کو صاحب مضمون نے حضرت مکحول کی طرف منسوب فرماتے ہوئے ایک مرسل و مشہور و متواتر حدیث پاک سے ثابت کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ ٹھیک ہے اور پہلا قول غلط ہے اس کی ہم نے چھ طریقوں سے بادلائل بالوضاحت تردید پہلے کر دی ہے اس کے بعد صاحب مضمون کا دوسرا مضمون شائع ہوتا ہے اس میں اپنے ہی اس صحیح عقیدے سے رجوع کرنے کا ذکر کرتے ہیں اور سائل نے سوال میں اس کے جواب پر بھی اصرار فرمایا ہے لہٰذا سطور ذیل میں اس پر بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس مضمون میں سوائے توڑ پھوڑ کے کچھ نہیں ہے صاحب مضمون کا دوسرا بیان جو ماہنامہ مذکور میں از ص۶۱ تا ص۶۷ مطبوع ہے اس میں کئی سخت غلطیاں و نادانیاں ہیں۔

چنانچہ پہلی غلطی۔ اس عنوان کا اس طرح ملفوظ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دار الحرب میں سود کا مسئلہ۔ یہ ٹائٹل حسب سابق بالکل کذب بیانی ہے اس لیے کہ ص۶۱ سے ص۶۹ تک کوئی آیت کوئی حدیث کسی بھی عبارت کی پورے مضمون میں موجود ہی نہیں پھر آگے باقی تمام چار صفحات میں دار الحرب کے بارے میں کوئی آیت کوئی روایت پیش نہیں کی گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ ہمارا مضمون قرآن و حدیث کی روشنی میں ہے۔ صرف سود کے بارے میں چند آیات لکھی ہیں۔ لیکن وہ بھی دعوے کے خلاف ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ بار بار قرآن و حدیث کی رٹ لگانا اور پھر قرآن و حدیث کو ہاتھ تک نہ لگانا یہ کیا وطیرہ ہے۔ مضمون کی دوسری غلطی۔ ص۶۱ پر دار الحرب کا لغوی ترجمہ لکھا ہے دار کا معنیٰ گھر حرب کا معنیٰ جنگ یہ مرکب اضافی ہے اس کا معنیٰ ہے وہ علاقہ اور ملک جہاں لڑائی ہو رہی ہو۔ جواب کتنی غلط ہے یہ تعریف۔ صاحب مضمون اگر کم از کم لغت کی معمولی اور چھوٹی کتابیں ہی دیکھ لیتے تو ایسی غلطی نہ کرتے کسی لغت نے بھی یہ معنیٰ نہ لکھے نہ مضمون نگار نے ہی کوئی حوالہ پیش کیا۔ اور یہ کہنا کہ جہاں لڑائی ہو رہی ہو یہ تو قطعاً غلط ہے کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا۔ موجودہ مصنفین کی یہ عادت کتنی بری ہے کہ اپنی خود ساختہ بات کو کبھی قرآن و حدیث کی بات کہہ دینا اور کبھی لغت کی طرف منسوب کر دینا عوام پر سو کھا رعب ڈالنے کے لیے حالانکہ فیروز اللغات ص۲۰۰

اسلامی انسائیکلوپیڈیا صـ۸۶۱ اور صـ۸۶۲ اور لغاتِ کشوری صـ۲۴۹ پر یہ تعریف لکھی ہے۔ دار الحرب کفار کا وہ علاقہ اور ملک جہاں اسلامی عبادات پر پابندی لگی ہو۔ مضمون کی تیسری غلطی صـ۶۳ پر لکھا ہے۔ دار الاسلام کا اصطلاحی ترجمہ جہاں دار الحرب کے برعکس احکام اسلامی کی حکمرانی ہو اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جواب۔ اہل علم کے نزدیک یہ دونوں باتیں غلط اور جاہلانہ ہیں ایسی کمزور بات تو درسِ نظامی کا طالب علم بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہاں یہ عنوان لکھنا چاہیے تھا کہ دار الاسلام کا شرعی معنیٰ اس لیے کہ الفاظ کو ہمیشہ چار معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے ۱ لغوی معنیٰ ۲ منقول عرفی ۳ منقول اصطلاحی۔ ۴ منقول شرعی جس لفظ کو اہل لغت کسی معنیٰ میں استعمال کریں تو وہ لغوی ترجمہ ہے۔ اسی لفظ کو عام رواج میں جس طرح استعمال کیا جاتا ہو تو وہ عرفی ترجمہ ہے اور اگر خاص لوگ کسی اور ہی معنیٰ میں بولتے ہوں تو وہ اصطلاحی معنیٰ ہیں اور اگر اسی لفظ کو اہل شریعت فقہا و علما کسی علاوہ معنیٰ میں استعمال کرتے ہوں تو وہ منقول شرعی کہلاتا ہے۔ چنانچہ کتاب شرح تہذیب صـ۱۲ پر ہے۔ ثُمَّ اَعْلَمْ اَنَّ الْمَنْقُوْلَ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ نَاقِلٍ (الخ) فَهٰذَا النَّاقِلُ اِمَّا اَهْلُ الشَّرعِ او اھل العرف العام اَوْ اَهْلُ الْعُرْفِ الْخَاصِّ اَوِ الْاِصْطِلَاحِ الْخَاصِّ كَالنَّحْوِيِّ مَثَلًا فَعَلَى الْاَوَّلِ يُسَمّٰى مَنْقُوْلًا شَرْعِيًّا وَعَلَى الثَّانِيْ مَنْقُوْلًا عرفِيًّا وَعَلَى الثَّالِثِ اَصْطِلَاحِيًّا۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا مضمون نگار صاحب اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دار الحرب کا لفظ فقہا نے بنالیا ہے حالانکہ یہ لفظ حدیث پاک سے ثابت ہے فقہاء کرام تو صرف اس بات کی وضاحت اور تعریف تقسیم فرمارہے ہیں کہ دار الاسلام و دار الحرب دونوں کی تین تین قسمیں ہیں چنانچہ دار الاسلام ۱ وہ ملک جہاں کفار کو غلبہ ہو اکثریت و حکومت ہو لیکن مسلمانوں کو اپنی عبادات جمعہ و عیدین حج و قربانی نماز روزہ کی ہر طرح پوری آزادی ہو جیسے کہ آج کل برطانیہ اور برطانوی دور میں ہندوستان ۲ دار الاسلام وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور حکومت اسلامیہ خود اپنے قانون سے جمعہ عیدین وغیرہ کا اجرا کرے جیسے سعودیہ اور دیگر عرب ممالک ایران اور پہلے افغانستان وغیرہ ۳ وہ دار الاسلام جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو مگر حکومت خود جمعہ و عیدین قائم نہ کرے بلکہ عوام اور علما اپنے طور پر جمعہ قائم کریں جیسے پاکستان۔ دار الحرب کی تین قسموں میں پہلی قسم ۱ وہ ممالک جہاں کفار کی حکومت ہو اور مسلمانوں کو عباداتِ اسلامیہ کی مکمل آزادی نہ میسر ہو جیسے آجکل ہندوستان کہ اکثر عبادات پر قانونی پابندی ہے مسلم کش فسادات کرا دیئے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۲ دوسری قسم دار الحرب وہ ملک جہاں کفار کی حکومت ہو اور مسلمانوں کو رہنے نہ دیا جائے۔ جیسے اسرائیل علاقہ یا روس۔ تیسری قسم ۳ دار الحرب وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو مگر حکومت والے مسلمانوں کی عبادات پر پابندی لگادیں جیسے اکبر بادشاہ کے دور میں ہندوستان اور کمال پاشا کے دور میں ترکستان۔ مضمون نگار کا یہ لکھنا کہ دار الاسلام وہ ہے جہاں احکام اسلامیہ کی حکمرانی ہو۔ یہ عجیب بات ہے مضمون نگار ابھی ابھی ہندوستان کو برطانوی دور میں دار الاسلام تسلیم کرچکے اور اعلیٰحضرت بریلوی کے اقوالِ طیبہ کا حوالہ دے چکے ہیں حالانکہ اس وقت بھی

ہندوستان میں احکام اسلامیہ کی حکمرانی نہ تھی نہ ہی دیوانی فوجداری کے مقدمات مسلمان قاضیوں کی تحویل میں تھے مضمون نگار کی یہ غلطی ہم بھول چوک سمجھیں یا دروغ گوئی۔ یا کوئی مخفیہ منصوبہ۔ برطانوی دور میں علماء کرام نے ہندوستان کو دارالاسلام کیوں تسلیم کیا جب کہ وہ بھی جانتے تھے کہ فوجداری و دیوانی مقدمے اور احکام اسلامیہ حدود و قصاص و تعزیرات پر مسلمانوں کا غلبہ نہیں۔ بلکہ انگریز نے اپنا قانون اس طرح گہرا قائم کیا کہ آج تک پاک و ہند میں وہی برطانوی قانون نافذ ہے۔

آگے سطور میں صاحب مضمون نے سیر کبیر کی ایک عبارت پیش کی ہے اس کو غالباً وہ سمجھ ہی نہ سکے وہ عبارت تو سراسر مضمون کے خلاف ہے کیونکہ کہیں بھی احکام اسلامیہ کی حکمرانی کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یاخیراء حُکْمُ الْمُسْلِمِیْنَ کے الفاظ لکھے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے احکام شرعیہ باسہولت جاری اور ادا ہوتے رہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر ہم یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ محترم۔ اپنی مطلب برآری کے لیے اس طرح کی توڑ مروڑ اچھی بات نہیں اِجْرَاءِ حُکْمِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ کا فقہی معنیٰ ہم پہلے فتاویٰ درمختار کی عبارت سے دکھا چکے ہیں۔ مضمون کی چوتھی غلطی ماہنامے کے ص۶۲ پر لکھا ہے کہ یہ شرطیں صرف اس دارالحرب کے لیے ہیں جو پہلے دارالاسلام تھا۔ **جواب**۔ یہ بات مضمون نگار کی اتنی بڑی غلط بیانی اور اختراع ہے جس کا ثبوت مضمون نگار کو کسی جگہ سے نہ مل سکا۔ بلکہ تمام فقہاء کرام اور کتب فتاویٰ صاف۔ صاف بیان فرما رہی ہیں کہ کوئی بھی دارالحرب ہو مطلقاً۔ تَصِیْرُ دَارُ الْاِسْلَامِ بِشَرْطٍ وَّاحِدٍ وَّھُوَ اِظْھَارُ اَحْکَامِ الْاِسْلَامِ فِیْھَا عند شیٔ فتاویٰ شامی۔ فتاویٰ بزازیہ۔ فتح القدیر۔ بحرالرائق وغیرہ ایسا لگتا ہے کہ مضمون نگار کو تصیر فعل ناقصہ کا ترجمہ و معنیٰ نہیں آتا۔ مضمون دوم کی پانچویں غلطی ماہنامے کے ص۶۵ پر صاحب مضمون کافی پریشان اور الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے گھبراہٹ میں دارالحرب کا ترجمہ دارالکفر کر رہے ہیں اور دونوں کو ایک درجہ میں رکھ رہے حالانکہ دونوں لفظوں میں لغوی معنی و شرعی بہت فرق ہے نیز اسی ص۶۵ پر فتاویٰ عالمگیری کی عبارت میں وَھُوَ الْقِیَاسُ کا ترجمہ غلط کرتے ہیں صحیح و صاف ترجمہ یہ ہے کہ امام یوسف اور امام محمد کی بات ان کے اپنے قیاس و عقل و اندازے کی ہے۔ (یعنی کوئی قرآن و حدیث پاک کی نہیں)، صاحب فتاویٰ عالمگیری کے نزدیک یہ قیاس صحیح ہے یا غلط اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مضمون نگار کا اس قیاس کو صحیح قیاس کہنا اپنی اختراع ہے۔ لیکن حقیقت و اصلیت یہ ہے کہ صاحبین کا یہ قیاس بہت غلط ہے اور امام اعظم نے دارالحرب ہونے کے لیے تین شرطیں صحیح لگائی ہیں۔ بلکہ ذرا غور سے دیکھا جائے تو صاحبین کی ایک شرط میں امام اعظم کی تینوں شرطیں آجاتی ہیں اور بات وہیں آجاتی ہے اسی طرح امام شافعی امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ کا قیاسی مذہب بھی امام اعظم کی دلیلوں کی روشنی میں غلط ہے نیز صدیق اکبر کے اس قتال و جہاد پر قیاس کرنا جو آپ نے مانعین زکوٰۃ پر فرمایا وہ بھی غلط اور نادانی ہے کیونکہ وہ دارالحرب میں جہاد نہ تھا بلکہ اس کو تاریخ طبری وغیرہ کتب تواریخ نے بغاوت کا نام دیا ہے اور بغاوت اپنے ملک میں ہوتی ہے نہ کہ دوسرے ملک میں اور مانعین زکوٰۃ نے کوئی سلطنت قائم نہ کی تھی جو دارالحرب قرار دیا جاتا ثابت ہوا۔ کہ

ائمہ ثلاثہ کے اکثر مسائل کمزور قیاسات پر مشتمل ہیں۔ امام اعظم کے مقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ مضمون دوم کی چھٹی غلطی۔ مضمون نگار ص۶۲ پر لکھتا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنی کتاب اعلام الاعلام میں ہندوستان کے بارے میں لکھا ہے۔ جو پہلے دارالاسلام تھا۔ کسی ایسے ملک کا وہاں اشارۃً ذکر نہیں جو اصلاً دارالحرب تھا۔ جواب۔ یہ بات کیسی غلط اور طفلانہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اشارۃً بھی کسی اصلی دارالحرب کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ ذکر کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ دارالاسلام پر پہلے کبھی مسلمان حکومت رہنا لازمی شرط ہے۔ نیز مصنف کی دوسری بات کہ دیوانی وغیرہ مقدمات پر بھی مسلمان کو غلبہ حاصل ہو یہ اعلیٰ حضرت کے کلام سے کب ثابت ہوا اور تم نے یہ قید کہاں سے بنائی گویا کہ مضمون نگار کا سارا مسلک اور خودساختہ عقیدہ اور اتنا بڑا تانا بانا۔ بنا صرف اسی بنیاد پہ قائم کر لیا گیا حالانکہ سوچ تو یہ ہونی چاہیے کہ اعلیٰ حضرت نے کہیں بھی یہ نہ فرمایا کہ ہندوستان اس لیے دارالاسلام ہے کہ اس پر پہلے مغل مسلمانوں کی حکومت تھی اعلیٰ حضرت نے یہ بھی تو کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ نہ مضمون نگار کو اعلیٰ حضرت سے یا کسی بھی عالم سے ایسا کوئی حوالہ حاصل ہوا ورنہ فوراً لکھتے اور تصوراتی اندازوں میں نہ الجھتے۔ اعلیٰ حضرت کا واضح الفاظ میں برطانیہ کا ذکر نہ فرمانا کئی وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً یا اس لیے کہ اس وقت ہندوستان اور برطانیہ پر ایک ہی حکومت تھی۔ اور حکومت قانونی رویے سے دارالحرب یا دارالاسلام بنتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ ہو گی۔ کہ کبھی کوئی اپنی الٹی عقل سے یہاں بھی ناجائز فائدہ حاصل کر لے گا اور اشارۃً ذکر نہ کرنے سے خودساختہ مسئلہ کھڑا کر دیا جائے گا دیکھو پہلے پاکستان کے دو حصے تھے بہت دور دور فاصلے پر مگر حکومت ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم قانون طریقہ ایک ہی تھا دونوں ہی دارالاسلام کہلائے اگر کوئی شخص لاہور یا پنجاب کو دارالاسلام کہہ دے اور کراچی کوئٹہ یا ڈھاکہ کا نام نہ لے تو کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ چونکہ تم نے صرف لاہور اور پنجاب کا نام لیا ہے۔ کراچی ڈھاکہ وغیرہ کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا اس کو تم نے دارالحرب مان لیا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پاس سوال بھیجنے والے مرزا علی بیگ صاحب نے بدایوں سے بھیجے ہوئے سوال میں چونکہ صرف ہندوستان کے متعلق سوال کیا تھا اس لیے جواب میں صرف ہندوستان کا ہی ذکر کیا گیا اور مراد ساری حکومتِ انگریزی ہی تھی۔ یہ تو تھی صاحب مضمون کی تنگ نظری اور غلط اندازوں پر ہماری گرفت اور صحیح جواب لیکن اگر اعلیٰ حضرت کی کتاب اعلام الاعلام کا مطالعہ مضمون نگار سچی فکر سے کرتے تو ص۲ پر ہی پتہ لگ جاتا کہ اعلیٰ حضرت ہندوستان کو کیوں دارالاسلام کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے بحمد اللہ یہاں دارالحرب والی کوئی بات نہیں۔ اہل اسلام۔ جمعہ و عیدین اذان و اقامت و نماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ صاف واضح ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کی وجہ صرف وہی ہے جو تمام فقہا نے بیان فرمائی کہ جہاں مسلمان بلا روک ٹوک اپنی سب عبادتیں کر سکیں وہ دارالاسلام

ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس آٹھ صفحات کی تحریر میں نہ تو فوجداری و دیوانی مقدموں کی شرط لگائی نہ ہی اس علاقے پر پہلے کبھی مسلمانوں کی حکومت ہونا اس کے دارالاسلام ہونے کی وجہ بتائی۔ یہ دونوں باتیں تو آج یہ مضمون نگار صاحب کر رہے ہیں جن باتوں سہولتوں کی بناء پر اعلیٰ حضرت نے اس وقت ہندوستان کو دارالاسلام کہا تھا وہی آسانیاں اور سہولتیں آج برطانیہ میں ہیں۔ صاحب بہار شریعت بھی یہی فرما رہے ہیں کہ ہندوستان اس لیے اور صرف اس لیے دارالاسلام ہے کہ وہاں مسلمانوں کو ہر طرح دینی آزادی ہے غرضکہ صرف یہ مضمون نویس ہی ایسی غلط اور انوکھی بات کہہ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کسی نے ایسی لغویات نہ کی نہ لکھی۔ اور اس کو خود مضمون نگار بھی محسوس کر رہے ہیں مضمون دوم کی ساتویں غلطی۔ ماہنامے کے ص۲۶ پر لکھا ہے کہ شیخ محمد ابوزہرہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا مطالعہ مفید ہوگا تنویر الابصار کی عبارت سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دارالحرب میں اگر اسلام کے کسی ایک حکم پر بھی عمل ہوتا ہو تو وہ ملک دارالاسلام بن جائے گا۔ اس غلط فہمی کا منشا فقہا کی اصطلاحات سے بے خبری اور ان کی عبارات میں عدم تدبر ہے۔ جواب۔ مضمون نگار نے اپنی اس لایعنی اور مجہول عبارت میں یہ نہیں بتایا کہ شیخ محمد ابوزہرہ کون شخص ہے اور اس کی کون سی کتاب ہے جس میں اس نے یہ بات لکھی ہے نہ یہ بتایا کہ فقہا کی وہ کون سی اصطلاحات ہیں جن سے آج تک ساری کائنات میں علما اور اہل فتاویٰ درمختار فتاویٰ عالمگیری۔ شامی ہدایہ وغیرہ سب ہی بے خبر رہے اور عدم تدبر میں رہے صرف صاحب مضمون اور ان کا گمنام ابوزہرہ ہی ایک کونے سے نکل کر ہر چیز سے اور ہر اصطلاح سے باخبر ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ابوزہرہ نام بھی مضمون نگار کے دیگر اختراعات کی طرح ایک اختراعی نام ہی ہو۔ آگے لکھتے ہیں کہ تنویر الابصار نے لکھا ہے۔ اِجْرَاءُ الْاَحْکَامِ اور اس میں جمعہ وعیدین کا ذکر کیا ہے اور جمعہ وعیدین میں عند الفقہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ اسلامی مملکت کا سربراہ اس کی اقامت وجاری کرنے کا اہتمام کرے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ وَلَا یَجُوْزُ اِقَامَتُھَا اِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِمَنْ اَمَرَہُ السُّلْطَانُ جواب اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں کہ یہ سلطنت اسلامیہ کی شرط ہے اور وہ بھی واجبی نہیں یہاں ہم مضمون نگار سے پھر سوال کرتے ہیں کہ پھر ہندوستان کو برطانوی دور میں دارالاسلام کیوں کہا گیا تھا اور آج تم نے بھی اس مسلک کو تسلیم کیوں کیا؟ وہاں تو نہ اس وقت اسلامی حکومت تھی نہ اس نے جمعہ وعیدین کی اقامت کا اہتمام کیا تھا یہ ہے جناب کا تدبر جس سے اپنے ہی عقیدے اور بناوٹی مسئلے کو مجروح کیا۔ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کیسے کیسے اہل علم مل گئے۔ آگے لکھتے ہیں البتہ جہاں سلطان نہ ہو اور مسلمان کسی غیر مسلم حکومت میں رہنے پر مجبور ہوں تو بامر مجبوری اس بات کی اجازت ہے رمضمون نگار کی طرف سے) کہ مسلمان خود مل کر جمعہ قائم کرلیں جواب اب آگئے سیدھے راستے پر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب مسلمان خود جمع ہو کر جمعہ وعیدین قائم کریں گے اور حکومت ملکی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو وہی دارالاسلام ہے۔ اور یہ بات آج برطانیہ میں موجود ہے اس لیے برطانیہ دارالاسلام ہے صاحب مضمون اپنے کلام کے ص۲۹ پر جیسے لفظوں

میں تقریباً وہی بات مان گئے ہیں جو ہم اتنی دیر سے سمجھاتے چلے آرہے ہیں نہ اب فوجداری کا ذکر کیا نہ دیوانی مقدمات کا چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہاں کے باشندے اگر اسلامی قوانین (جمعہ وعیدین) نافذ کرنا چاہیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس ملک کو دارالاسلام کہا جائے گا۔ جواب۔ محترم اگر اتنی دیر کے بعد ہی یہ ماننا تھا تو پھر پہلے اتنا شور مچانے خود ساختہ قیدیں لگانے کی کیا ضرورت تھی، شکر ہے کہ مضمون نگار کی ایک خود ساختہ بات خود ان کے ہی قلم سے ختم ہو گئی۔ اب صرف ایک اثر باقی رہ گیا ہے کہ دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں پہلے کبھی اسلامی سلطنت رہی ہو مضمون نگار کی آٹھویں غلطی (ص ۲۳) پر لکھا ہے کہ ان دلائل میں مکرر سہ کرر میں نے غور کیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت امام یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور میں بھی اس قول کو ترجیح دیتا ہوں۔ جواب۔ صاحب مضمون اپنا پہلا دوسرا مضمون اور خود ساختہ پہلا مذہب دارالحرب کی تعریف والا۔ بہت جوڑ توڑ سے نبٹا کر اب مختصے سے آگے اپنے دوسرے مذہب کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ دارالحرب میں کفار سے سود جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلے کے ثبوت میں ہم اپنے دلائل دے چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار حربی سے سود لینا ربوا نہیں ہے بلکہ لینا شرعاً بالکل جائز ہے۔ امام اعظم کا مسلک یہی ہے ان کے دلائل میں امام مکحول تابعی کی مرسل ومشہور ومتواتر حدیث پاک اور وہ آیت ہیں جن میں رب تعالیٰ نے صرف مسلمانوں سے سود لینا حرام فرمایا یا ان کفار کا مال ذمی یا مستامن ہونے کی بنا پر محفوظ ہو گیا۔ باقی کفار سے سود لینا حرام نہیں نہ اس حرمت کا کسی آیت وحدیث میں ذکر ہے۔ لیکن امام یوسف اور دیگر تین ائمہ سوائے اپنی عقلی باتوں کے کچھ نہیں کہتے۔ یہ سب بزرگ ائمہ اس مسئلے میں امام اعظم کے دلائل قرآنیہ ونبویہ چھوڑ کر اپنے اپنے قیاس کے پیچھے لگے تو کیا مضمون نگار آیت واحادیث کے مقابل ان چاروں کی عقلیات کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں۔ آیت واحادیث کے مقابل عقلیات کو ترجیح دینا تو معتزلیوں کا طریقہ ہے دیکھو کتب معتزلہ۔ نیز مضمون نگار نے اب اتنے عرصے بعد خواب غفلت سے سر اٹھایا اور مکرر سہ کرر غور کیا۔ پہلے اخباروں میں مضمون بھیجتے وقت اور قلم اٹھانے سے پہلے غور وتدبر کی عادت کیوں نہیں ڈالی یہ تو مصنف کی اپنی نظریاتی کمزوری ہے ورنہ اگر ایمان وقرآن کی روشنی میں مضمون نگار صاحب اب چار کرر غور فرمائیں تو ان ائمہ کا یہ قیاس بذات خود انتہائی کمزور ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں نیز امام یوسف وائمہ ثلاثہ بھی بہت سی مرسل احادیث مطہرات کو اپنا مسلک اور دلیل بناتے ہیں جو ہم دکھا سکتے ہیں تو پھر۔ لا ربوا۔ والی اس مرسل حدیث پاک کو ماننے میں کیا رکاوٹ ہے جبکہ کوئی دوسری آیت وحدیث بھی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ نیز امام یوسف قیدی حربی سے سود جائز مانتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ؟ کیا تم کو وہاں یہ آیت سود یاد نہیں رہیں اور امام شافعی وغیرہ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰی کو اپنا مسلک بنا لیتے ہیں وہاں قطعی الثبوت آیت واحادیث کو کیوں چھوڑ دیا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا آج تک کوئی مناظر وشوافع

جواب نہ دے سکا مضمون نگار صاحب بیچاروں کے پاس تو ٹھیر ٹھیر کر عقل و تدبر فکر و غور آتا ہے۔ آگے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں کہ جب ایک بزرگ نے مجھے وہ آیت کہ مَا لَنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ۔ سنائی تو میں کانپ گیا (گویا کہ پہلے تو کبھی سنی نہ تھی قرآن سے ناواقف تھے اپنی تشریح قرآن کا پورا حاشیہ بے خبری میں ہی لکھ دیا)، جواب میں کہتا ہوں کہ یہ آیت امام اعظم اور امام محمد کو یاد نہیں تھی امام یوسف کو قیدی حربی سے سود لیتے وقت اور امام شافعی و امام حنبل کو بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى یعنی مولی اور غلام سے سود لینے کے وقت یاد نہیں تھی۔ پھر صاحب ہدایہ۔ درمختار۔ عالمگیری۔ شامی اور بعد والے تمام اولیاء اللہ علماء مفسرین محدثین کو بھی یہ آیت یاد نہیں آئی امام شافعی مولی غلام کی سود کو لینا جائز و حلال کہتے ہیں امام یوسف قیدی حربی کافر کی سود لینا جائز و حلال کہتے ہیں آج چودہ سو سال بعد مضمون نگار اور ان کے بزرگ صاحب کو یاد آگئی خدارا اتنے متقی نہ بنو کہ اللہ رسول کی حد بھی گزر جاؤ۔ اپنی حد میں رہو۔ پھر آج تک کسی محدث و فقیہ نے امام مکحول کی اس حدیث پاک کو یا حضرت عباس کے کفار مکہ سے سود لینے کو خبر واحد نہ کہا۔ لہٰذا مضمون نگار کا ان احادیث کو خبر واحد کہنا بھی جھوٹ و اختراع ہے اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے خیال رہے کہ سورۂ آل عمران کی اس آیت ۷۵ کا سود کے کسی مسئلے سے کوئی بھی تعلق نہیں وَمَا لَنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ والی آیت میں امانت کا ذکر ہے۔ مضمون نگار اور ان کو یہ آیت سنانے والا بزرگ اگر قرآن مجید کے سیاق و سباق کی فہم سے اگر اتنے ہی ناواقف اور دور تھے تو کم از کم اس آیت کی تفسیروں کا ہی مطالعہ کر لیتے تو ایسی بے جوڑ دلیل پیش نہ کرتے۔ مضمون نویس کی نویں غلطی۔ تحریر کے آخری صفحہ پر لکھا ہے۔ جو مسلمان غیر اسلامی ملکوں میں رہائش پذیر ہیں تو حالتِ اضطرار میں ان کے لیے محدود حد تک سود کو مباح کیا جاسکتا ہے۔ جواب۔ کیوں صاحب یہ مسئلہ کہاں سے نکالا کس آیت یا کس حدیث میں بحالتِ اضطرار سود و ربوا جائز لکھا ہے یا اپنی نئی شریعت بنانے کی ٹھانی ہے جس کے پورے اختیار مضمون نویس کو ہوں۔ اچھا ہم اس بارے میں مضمون نگار سے چھ سوال کرتے ہیں اور اگلے جوابات کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں پہلا سوال۔ حالتِ اضطرار کی نوعیت و کیفیت قرآن و حدیث سے ثابت کی جائے۔ دوم۔ محدود حد کی مقدار قرآن و حدیث سے بیان کی جائے نمبر ۳ اب تک وہ ان مسلمانوں اور ان کی اضطراری حالت پر ترس کیوں آیا۔ جب کہ بقول تمہارے دار الحرب میں بھی کفار سے سود لینا بالکل جائز نہیں کیا تم اللہ سے زیادہ رحیم ہو نمبر ۴ کیا حالتِ اضطرار میں اسلامی ملکوں کے مسلمان باشندوں کو بھی سود لینا جائز ہے؟ نمبر ۵ حالتِ اضطرار کی یہ بات کسی نے ائمہ ثلاثہ میں سے فرمائی یا صاحب مضمون اب ان کے بھی خلاف ہے؟ سوال ششم۔ کیا مضمون نگار اور ان کے ہمنوا نیا دین بنانا چاہتے ہیں یا اجتہاد کا ابن تیمیہ کی طرح نیا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور خود کو مجتہد سمجھتے ہیں۔ مضمون کی دسویں غلطی۔ اسی صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے کہ۔ آخر میں ان دلائل کی روشنی میں یہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے (الخ)، جواب یہ رجوع نہیں اس کو رجوع کہنا جہالت

اور لغت و اصطلاح سے ناواقفی ہے۔ بلکہ یہ پہلے موقف سے علیحدگی کرنا اپنے مذہب سے انحراف اور حق سے باطل کی طرف اعتزال ہے اس طریقے سے مذہب چھوڑنے کو انحراف کہا جاتا ہے علمِ لغت اور منقولِ شرعی میں کسی قول یا عقیدے سے ہٹ کر دوسرے صحیح یا غلط مذہب میں جانے کے لیے چار لفظ مستعمل ہیں ۱۔ انحراف ۲۔ اعتزال ۳۔ ارتداد ۴۔ رجوع۔ اپنے مسلک اور عقیدے سے پھر جانے اور حکم عدولی کرنے کا نام انحراف ہے۔ (ازلغاتِ کشوری ص۴۲) مضمون نگار نے اپنے حنفی مسلک کو چھوڑ کر یہی کچھ کیا ہے۔ ۲۔ کسی بھی صحیح بات سے الگ ہو کر باطل مذہب میں چلے جانے کا نام اعتزال ہے۔ چونکہ مضمون نگار کا موجودہ عقیدہ باطل ہے اس لیے حق مذہب سے انحراف اعتزال ہو گیا۔ (ازلغاتِ کشوری ص۴۴) ۳۔ اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے دین کو قبول کرنا ارتداد ہے (ازلغاتِ کشوری ص۲۵) ۴۔ اپنے غلط الفاظ اور اپنی غلطی کو واپس لینا ان سے توبہ کرنا اور غلطی کو غلطی تسلیم کر لینا اعتراف کرنے آئندہ غلطی چھوڑنے کا نام رجوع ہے (ازلغاتِ کشوری ص۲۳) مضمون نگار نے اپنی بے علمی سے جس کو رجوع کہا وہ اہلِ علم کے نزدیک رجوع نہیں بلکہ حق سے انحراف و اعتزال ہے۔ اس انحراف سے چند بے پڑھے وہابی تو خوش ہو سکتے ہیں اور موصوف کی اس حرکت کی تعریف و تائید کر سکتے ہیں مگر علماء اہلسنت اور ذی عقل شخصیات ضرور افسوس میں ہیں ہم کو بھی اس انحراف سے افسوس ضرور ہے مگر تعجب نہیں ہے۔ افسوس اس لیے ہے کہ مضمون نگار نے چند لوگوں کو خوش کرنے کے لیے صرف اپنی حنفیت سے ہی انحراف نہ کیا بلکہ ارشاد الٰہیہ و فرمانِ حدیث پاک اور شرعی قوانین سے بھی اعتزال کیا اور مضمون نگار کی صرف حنفیت ہی نہ گئی بلکہ نہ جانے کیا کیا جاتا رہا۔ نیز افسوس اس بات کا ہے کہ وہ خود ساختہ مسئلہ جس کی ایک ایک سطر میں علمی عقلی فکری نحوی صرفی لغوی غلطیاں ہیں اور ہم نے چیدہ چیدہ سولہ غلطیاں ظاہر بھی کر دیں اپنی ان اغلاط سے رجوع نہیں اس غلط سازی کا تو اعتراف نہیں ہے۔ البتہ امام اعظم کے سچے مذہب قرآن و حدیث کے مضبوط دلائل والے مسلک سے انحراف کر لیا۔ حالانکہ کسی بھی مقلد کو اپنے امام کے مسلک سے ہٹنا جائز نہیں ہے چنانچہ اصول فقہ کی مشہور کتاب عقود رسم المفتی ص۲۳ پر ہے۔ لَیْسَ لِلْقَاضِیْ وَلَا لِلْمُفْتِیْ اَلْعَدُوْلُ عَنْ قَوْلِ الْاِمَامِ ترجمہ کسی بھی عالم مفتی یا قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے امام کے مذہب سے انحراف کرے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی دوسرے کی مسلکی بات کو چھوڑنا عدول ہے رجوع نہیں اور عدول کا ترجمہ ہی انحراف ہے لیکن مضمون نگار کے عدول و انحراف سے ہم کو تعجب اس لیے نہیں کہ یہ صاحب مضمون کی پرانی عادت ہے آج تو صرف حنفی مسلک سے ہٹے ہیں۔ اس سے پہلے ایک دفعہ ایک مجلس کی طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے میں چاروں ائمہ کے مسلک کو چھوڑ چکے ہیں اور یکدم تین طلاق کے عقیدے میں غیر مقلد وہابیوں کا مذہب باطل اختیار کر چکے ہیں حالانکہ جہلاء وہابیہ کے پاس اس مسئلے میں سوا چند کمزور دلیلوں کے کچھ نہیں ایسی توڑ پھوڑ کی دلیلیں تو ہر باطل کو مل جاتی ہیں اس مضمون کے خلاف

بھی میں نے ان کی سخت پکڑ کی تھی تو لاجواب ہو کر معذرت لکھ بھیجی تھی، اسی طرح ایک مرتبہ نماز غائبانہ جنازے کے بارے میں وہابیوں کے بیہودہ مذہب کے لیے راستہ ہموار کرتے ہوئے بھی ایک غیر ذمہ دارانہ مضمون لکھ چکے ہیں چنانچہ ماہنامہ مذکور کے شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء / ماہ صفر ۱۴۰۶ھ میں ص۴۲ پر اور خود اپنی مرتبہ و مطبوعہ کتاب راحت القلوب کے ص۱۵۶ پر لکھتے ہیں، بعنوان۔ بابا فرید کی میٹھی باتیں۔ فرمایا کہ تم نے ہمارے بھائی بہاؤالدین ذکریا ملتانی کو دیکھا کہ بقا کی طرف کوچ فرماگئے (یعنی فوت ہوگئے)، آیئے نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر شیخ الاسلام اور حاضرین نے نماز جنازہ ادا کی بعد ازاں فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب کی نماز جنازہ پڑھنی منقول ہے کیونکہ جب امیر حمزہ اور دیگر صحابہ شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی پس لازم ہے کہ ہم بھی پڑھیں

جواب۔ یہ سب جھوٹی منسوب کردہ باتیں صرف وہابیوں کو خوش کرنے کے لیے گڑھی جارہی ہیں کیونکہ صرف وہابی ہی اپنی سیاست چمکانے کے لیے لیڈروں امیروں وزیروں کی کاسہ لیسی و خوشامد کے لیے غائبانہ جنازے کے بیہودہ عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ کسی امام نے بھی اس طریقے سے غائبانہ جنازے کا مسلک نہیں بنایا نہ کسی آیت یا حدیث پاک سے غائبانہ جنازہ ثابت امام اعظم و امام مالک تو غائبانہ نماز کو بالکل ہی ناجائز فرماتے ہیں۔ البتہ امام شافعی و امام حنبل اس شرط پر نماز غائبانہ کو جائز کہتے ہیں کہ اس میت پر حاضرانہ نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور نہ پڑھی جاسکے۔ مثلاً لاش دریا اور سمندر میں غائب ہوگئی ہو یا کوئی جانور کھا نگل گیا ہو یا کفرستان میں گیا اور لاش بلا نماز جنازہ دفن کردی گئی یا برباد کردی گئی ہو۔ لیکن ان حمقا نے شیخ الاسلام اور بابا فرید کی طرف جس غائبانہ نماز کو منسوب کیا ہے وہ حضرت ذکریا ملتانی کی ہے جس کو ملتان میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا ہوگا۔ تو اب غائبانہ نماز جنازہ کسی مذہب میں جائز نہیں اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی انتقال ہوا ہے یعنی بغیر غسل میت دئیے ہوئے یہ غائبانہ نماز پڑھ لی گئی جو قطعاً جائز نہیں۔ کیا وہاں سب ہی جاہل جمع تھے کوئی عالم شریعت نہ تھا۔ ان بزرگ ہستیوں پر کتنے بڑے بڑے الزام لگائے جارہے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ ان خرافات سے مضمون نگار کا منشا کیا ہے اور ایسے بیہودہ بناوٹی مضامین کیوں شائع کئے جارہے ہیں۔ یہ رواج عام ہوتا جارہا ہے کہ اپنی کذب بیانی کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے تاکہ اس جھوٹی نسبت سے بزرگی کے دامن میں خود تراشی کو پناہ مل جائے اور بدنامی بزرگ کی ہوتی رہے۔ یہی دیکھ لو کہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ و شہداء احد کی نماز جنازہ بھلا غائبانہ کیوں پڑھی گئی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تمام شہداء کی لاشیں وہاں پر ہی موجود تھیں۔ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی اس بات کو سچا نہیں مان سکتا۔ شہداء احد پر نماز جنازہ کب اور کس طرح ہوئی۔ ہوئی بھی یا نہیں یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے لیکن غائبانہ نماز کا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ آج اس مضمون نگار کی طرف سے بالکل انوکھی جھوٹی بناوٹی بات ظاہر ہوئی جس کا سر پیر ہی کوئی نہیں خلاصہ

یہ کہ مضمون نگار کا یہ انحراف سراسر غلط اور انفرادی لایعنی فعل ہے ورنہ آج تک حنفیت میں لاکھوں کروڑوں حنفی بزرگ گزرے کسی نے بھی اس حربی سود کے مسئلے سے انحراف نہیں کیا نیز میں کہتا ہوں کہ دارالحرب کی ربوٰ کے جواز و حلت میں اگر ذرا سی بھی دلائل کی کمی یا کمزوری ہوتی تو امام اعظم و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خود ہی رجوع فرما لیتے اور یہ ان ہی کا حق تھا۔ ان بزرگوں کو حق کی طرف رجوع کرنے میں کبھی عار نہیں ہوئی جیسا کہ کتاب سیر اطلاع المتقدمین مطبوعہ بیروت میں ہے کہ امام شافعی نے ۲۰ قیاسی مسائل سے امام احمد بن حنبل نے چالیس مسائل سے امام مالک نے اکتیس مسائل سے امام اعظم نے بائیس قیاسی مسائل سے رجوع فرمایا۔ یہ رجوعات صرف قیاسی مسائل میں ہوتے رہے ورنہ قرآن وحدیث سے انحراف تو کسی کی ہمت نہیں وہ دور پاکیزہ تھے نہ تعصب نہ حسد نہ اختراع۔ یہ بیماریاں تو اب ان مضمون نگاروں کو لگ گئی ہیں اس قسم کی دیدہ دلیریاں اور انحراف فقط اس وقت ہوتا ہے جب بندہ یہ سمجھ لے کہ مجھ سے زیادہ علم والا کوئی نہیں اور یہ کہ میرا محاسبہ محاکمہ اور گرفت کوئی نہیں کرسکتا۔ حالانکہ ازل سے قانونِ فطرت میں یہ بات نہیں ہے کہ ہنرمنداں بسیر ندوبے ہنراں جاہ الیشاں گیرند آخر میں بارگاہ الٰہیہ سے دست بدعا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو سچے راہ کی ہدایت فرما رہ نبوت کی سچی سمجھ و عمل کی توفیق عطا فرما۔ شیطانی نرغے اور حق کی روگردانی وانحراف سے بچا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اعلم بالصواب

کتبہ

سوال نمبر ۱۴۲۔ آداب مفتی وقاضی۔ فیصلہ اور فتویٰ شریعت کے مطابق لکھنے کا طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید ایک مسجد میں امام خطیب اور مدرس ہے اور لنکاشائر انگلینڈ کی ایک مسجد میں کافی عرصے سے اپنی تینوں ڈیوٹیاں بہت اچھے طریقے سے دیتا چلا آرہا ہے۔ اور آج تک اس کے کسی کام۔ عمل کردار سے انجمن یا عوام میں سے کسی بھی شخص کو کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن اب چند دنوں سے نمازیوں میں ایک شخص جو درپردہ پوری انجمن اور مسجد کی مذہبی کارکردگی سے مخالفت کرتا تھا اس نے امام مذکور کے خلاف ایک طالب علم شاگرد کو ابھارا۔ جس نے دوسرے چند ساتھیوں کو ساتھ ملا کر طرح طرح کی شرارتوں کا سلسلہ آغاز کیا۔ اور جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتا جو مدرسے کو خراب کرنے والی ہوتیں۔ زید اس شاگرد کو سمجھاتا بھی اور کبھی سزا بھی دیتا جس سے وہ اور بھی فتنہ گری کرتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس لڑکے نے بہت سے اپنے ساتھیوں شاگردوں سے کہا کہ میں استاد صاحب سے ایسا بدلہ لوں گا کہ یاد کریں گے۔ بس یہ بنیاد ہوئی امام مسجد کے خلاف ایک زبردست سازش کی۔ اس کے بعد سازشی تحریک چلتی رہی اس لڑکے کے ذریعے زید پر بدفعلی کا الزام لگایا گیا اور ان کے خلاف چند مولویوں سے فتویٰ لکھوا کر لے آئے یہاں چند چھوٹے چھوٹے

مولویوں نے چند مہینوں سے ایک علما کونسل بنا ہوئی ہے اور اندھا دھند ہر ایک کے خلاف بلا تحقیق یکطرفہ فتوٰی جاری کر دیتے ہیں۔ وہ فتوٰی بھی حاضرِ خدمت ہے ہم تمام انجمن والے اور کچھ شہری معززین حاضرِ خدمت ہیں ہم اراکینِ انجمن واہالیانِ شہر امام مذکور کی پاکدامنی کے گواہ ہیں۔ آپ اس کی تحقیق وتفتیش کرتے ہوئے ہم سب کے حلفیہ بیان لیں اور خود مدعٰی علیہ زید مذکور بھی حاضر ہے یہ بھی بیان دیتا ہے مزید کسی تحقیق وچھان بین معلومات کی ضرورت ہو تو ہم ہر طرح پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔ مدرسے کے طلبا اور تمام نمازیوں کے تحریری اور حلفیہ بیان کے لیے تمام کوشش اور گواہ وطلبا کو بھی حاضر کرنے کے لیے تیار ہیں حافظ صاحب امام مذکور کے لیے ان کا سابقہ زندگی کا بھی ریکارڈ حاضرِ خدمت ہے۔ آپ کی خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے کہ آپ پوری تسلی کرکے شرعی فتوٰی عطا فرمائیں کہ کیا زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ اور کیا پہلا فتوٰی درست ہے یا غلط۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

دستخط سائلان وگواہان۔ آٹھ عدد ۱۵/۴/۸۸

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بحیثیتِ مفتی اسلام ہونے کے میں نے بالکل غیر جانبدار ہو کر اس مذکورہ فی السوال واقعات وحالات کی پوری تحقیق وتفتیش کی۔ کیونکہ قانونِ شریعت میں جب مفتی اسلام بطورِ قاضی وجج کسی جھگڑے مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو شرعی جج کی حیثیت سے بذاتِ خود شرعی معیار کے مطابق چھان بین کرنا واجب ہے۔ اس تحقیق کے دوران مختلف گواہوں کے حلفیہ باوضو بیان لیے جنہوں نے امام مذکور کی صفائی اور نیک نیتی اچھے چال چلن۔ تقوے طہارت کی گواہی قرآن مجید پر ہاتھ لگا کر دی مذکورہ مدرسے کے تمام طلبا کے تحریری حلفیہ بیان بھی میرے پاس بھیجے گئے تقریباً تمام ہی شاگردوں نے یہ بیان لکھ کر بھیجے کہ ہم نے اپنے استاذِ محترم میں آج تک کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ کچھ شہری لوگ بھی غیر جانبدارانہ طریقے سے میرے پاس حاضر ہوئے اس تحقیق کے علاوہ سابقہ فتوٰی اور نام نہاد کونسل کی تحقیقی دستاویز بھی مجھ کو پہنچائی گئی ان تمام دستاویزات کو غور وفکر کی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس تمام تحقیق وتفتیش میں تقریباً چار ماہ کا عرصہ لگا اور یقین کی حد تک اندازہ ہوا کہ مدعٰی علیہ زید مذکور اس الزام واتہام سے بری اور بیگناہ ہے اور سابقہ فتوٰی جس کے خلاف یہ اپیل میرے سامنے پیش کی گئی ہے وہ بھی درست نہیں ہے اس میں بہت سی غلطیاں اور کمزوریاں اور جہالتیں ہیں اور لکھنے ومرتب کرنے والے جہلا قسم کے لوگ ہیں۔ لہٰذا مندرجہ ذیل دلائل سے اسلامی شریعت کا یہ حتمی اور مضبوط شرعی فیصلہ جاری کیا جاتا ہے۔ اس شرعی فیصلے وفتوے کی رو سے خطیب مذکور کو لگائے ہوئے اتہام سے بالکل مکمل طور پر بری قرار دیا جاتا ہے۔ مخالف فریق اور اس کی برائے نام کونسل کی ہر کاروائی کو الزام تراشی کی بنا پر کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔

اس لیے کہ وہ سب اصولِ فتویٰ آدابِ مفتی و قاضی کے خلاف ہے۔ اس کی پہلی دلیل۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ کسی بھی جرم یا الزام کو ثابت کرنے کے لیے کم از کم دو گواہ عاقل و بالغ مرد مسلمان ہونا ضروری ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ پ ۳ ترجمہ اور اے مسلمانو اپنے معاملات میں دو مردوں کو گواہ بنالیا کرو۔ دوسری دلیل۔ سورۂ نور پارہ ۱۸ آیت ۱۳ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ترجمہ۔ تو اگر تہمت اور الزام لگانے والے لوگ گواہ نہ لاسکیں پس سمجھ لو کہ یہ پکے جھوٹے ہیں اللہ کے نزدیک تیسری دلیل۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے برا انسان جھوٹا شخص ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں جھوٹے شخص پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے نیز اسی سورۂ نور کی آیت ۲۳ میں نیک لوگوں کو تہمت لگانے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور سورۂ بقرہ آیت ۱۰ میں ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ترجمہ اور قیامت میں ان لوگوں کو دردناک عذاب اس لیے ہوگا کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ چوتھی دلیل۔ قرآنِ مجید کی ان آیات پاک سے یہ ثابت ہوا کہ کسی بھی چیز کو خواہ جرم یا الزام ہو ثابت کرنے کے لیے گواہی اور اس کی تعداد اشد ضروری ہے جو گواہی نہ پیش کرسکیں یا نہ پیش کرنا چاہتے ہوں اور وہ اپنی من مرضی کا فتویٰ یا فیصلہ طلب کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جھوٹے کاذب ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھی ہے اور کل قیامت میں ان کو دردناک عذاب بھی ہوگا۔ یہ حکم اور وعید تو مدعی اور جھوٹا فتویٰ لینے والوں کا ہے۔ لیکن جو شخص عالم یا قاضی یا مفتی ایسے جھوٹے کذاب لوگوں کے اس طرح کے غیر اصولی اور بے ضابطہ بیانات پر فتویٰ یا فیصلہ جاری کردیں وہ بھی مجرم اور ظالم ہیں اور ان کا فتویٰ ضوابط و آئینِ شریعت و آدابِ مفتی کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ناکارہ ناقابلِ نفاذ ہے۔ پانچویں دلیل۔ اب یہ کہ گواہی کس کے ذمہ واجب ہے اس کا ذکر حدیث مطہرہ میں ہے چنانچہ مسلم شریف جلد دوم ص ۷۴ پر ہے لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ فَفِيْهِ اِنَّهٗ لَا يُقْبَلُ قَوْلُ الْاِنْسَانِ فِيْمَا يَدَّعِيْهِ بِمُجَرَّدِ دَعْوَاهُ بَلْ يَحْتَاجُ اِلٰى بَيِّنَةٍ اَوْ تَصْدِيْقِ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ۔ ترجمہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ پیش کرنا مدعی اور الزام لگانے والے کے ذمہ ہے اور قسم مدعیٰ علیہ یعنی اس شخص پر ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اور جس نے اس دعوے اور تہمت سے انکار کیا۔ اس حدیث پاک نے تاقیامت دنیا اسلام کے تمام علما اور مفتیوں قاضیوں کے لیے فتوے اور فیصلے کا ایک عظیم ضابطہ و آئین بنادیا۔ کہ قاضی و مفتی کی عدالتِ شرعیہ میں کسی بھی انسان کا وہ دعویٰ نہ مانا جائے گا جو فقط زبانی یکطرفہ اعتراض اور الزام تراشی ہو جب تک کہ پکے چشم دید عاقل بالغ متقی گواہ شریعت کے معیار کے مطابق نہ پیش کرے ۱ اگر مدعی شرعی گواہی پیش نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ یا اقرار کرلے ۲ اور مدعی کی تصدیق کردے

یعنی مفتئ اسلام پر لازم ہے کہ تین صورتوں میں اپنا فتویٰ اور فیصلہ مدعی کے حق میں جاری کرے ۱۔ مدعی کی شرعی گواہی موجود ہو۔ ۲۔ مدعیٰ علیہ خود جرم یا الزام کا اقرار کرلے ۳۔ مدعیٰ علیہ مدعی کو سچا کہہ کر اس کی تصدیق کردے۔ لیکن اگر یہ تینوں باتیں نہ موجود ہوں تو مدعیٰ علیہ اس اتہام والزام سے صاف انکار کرتے ہوئے شرعی اصول کے مطابق اپنی قسم اٹھالے اور اپنی پاکدامنی ثابت کرے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۳۴۲ پر ہے فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ ترجمہ۔ مدعی پر واجب ہے کہ اپنے دعوے کی سچائی اور حقانیت پر گواہی پیش کرے اور اگر وہ گواہی پیش نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ پر قسم ہے **چھٹی دلیل** ۔ بخاری شریف جلد اول ص۳۶۶ پر ہے۔ بَابٌ اِذَا ادَّعٰى اَوْ قَذَفَ فَلَهٗ اَنْ يَّلْتَمِسَ الْبَيِّنَةَ وَيَنْطَلِقَ بِطَلَبِ الْبَيِّنَةِ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ ابْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةُ اَوْحَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا رَاٰى اَحَدُنَا عَلٰى امْرَاَتِهٖ رَجُلًا يَّنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ الْبَيِّنَةَ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ ترجمہ۔ جب کوئی شخص کسی پر دعویٰ یا کسی کو تہمت اور الزام لگائے تو اس مدعی کے لیے ضروری ہے کہ گواہ تلاش کرے اور گواہ ڈھونڈنے کے لیے چل پڑے یعنی گواہوں کو مجرم کے پاس موقع واردات پر لائے اور ان کو جرم ہوتا دکھائے پھر اس جرم پر عدالت وغیرہ میں الزام اور تہمت لگانا درست ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحما کے ساتھ تہمت لگائی اور بارگاہِ رسالت میں دعویٰ کیا۔ تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا تم گواہی پیش کرو یا تم کو تہمت لگانے کی سزا حد سخت کوڑوں کی شکل میں پڑے گی یعنی تمہاری پیٹھ پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو غلط دیکھے تو کیا وہ گواہی تلاش کرنے چلا جائے اس پر بھی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے باربار کہ ہاں گواہی پیش کرو یا تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ کچھ بھی ہو کیسے ہی طریقے اختیار کرے کہاں جائے اور کس طرح سے خفیہ جاسوسی کرے مگر ہر حال میں گواہ پیش کرنا فرض عمل ہے۔ دیکھو صحابی پاک جیسا نیک متقی انسان جن کی نیکی اور پاکیزگی کی گواہی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں عطا فرما رہا ہے اور جن کی شانِ اعمال وکردار احادیث مبارکہ میں ظاہر و مبین ہے ان پر بھی واجب ہے کہ گواہی پیش کریں بغیر گواہی ان جیسے صادقین و صالحین اور سچے لوگوں کی بات بھی نہیں مانی جاتی کیونکہ یہ عدالت ہے اور تاقیامت قانونِ کلیہ تو آج چودھویں صدی کے لوگوں کی بات اور دعویٰ مقدمہ بغیر گواہی کس طرح مانی جاسکتی ہے **ساتویں دلیل** ۔ اسلامی قانون کے مطابق مدعی پر واجب ہے کہ جرم کو مکمل طور پر بیان کرے اسی طرح گواہوں پر بھی واجب ہے کہ پہلے جرم کو اچھی طرح دیکھیں پھر مکمل طور پر صاف صاف کھل کر گواہی دیں ذرا بھی پوشیدگی جھجک نہ رکھیں اس لیے کہ قوانین اسلامیہ

میں صرف مجرم اور مدعیٰ علیہ کی ہی پکڑ اور سزا نہیں ہوتی بلکہ جھوٹی گواہی جھوٹی الزام تراشی کرنے والوں کو بھی سخت سزا اور حدِ قذف لگائی جاتی ہے۔ یہ تھے وہ ضابطے اور قانون جو اسلام نے تاقیامت اسلامی عدالتوں مفتی اور قاضی حضرات کو مدعی۔ مدعیٰ علیہ۔ گواہوں کے صحیح فیصلے کے لیے فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ نویسی اسلام میں اتنا اہم اور سخت محنت طلب کام ہے جو قاضی اور جسٹس۔ جج وغیرہ تمام عدالتی عملے کی کارکردگی سے بھی کئی درجہ بلند ہے جس طرح عوام عدالت کے تابع اور ماتحت ہوتے ہیں۔ اسی طرح عدالت کا قاضی اور قاضی القضاۃ (سپریم کورٹ) مفتیٔ اسلام کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے آدابِ مفتی کے نصاب (کورس) کے لیے ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔ جو مدارسِ اسلامیہ میں تیرہ ۱۳ سالہ دورۂ حدیث کا نصاب مکمل پاس کرنے کے بعد ڈھائی سالہ نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ جس کو پاس کرکے ہی کوئی مفتی کی سند حاصل کرسکتا ہے اور پھر ایک سالہ نصاب کامیابی سے پڑھ کر مفتی اعظم یعنی مفتی چار فقہ کی سند حاصل کرسکتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ میں نے اپنے والد محترم کی شاگردی میں دورۂ حدیث کے بعد یہ دونوں نصاب کامیابی سے حاصل کئے۔ مگر آج کل اس ہی فتاویٰ جیسی عظیم ترین ذمہ داری کو بعض جاہل اور شرارتی قسم کے خبطاء نے بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے ان کی دیکھا دیکھی عوام مدعیان و گواہان نے من پسند کھیل جان لیا۔ تاریخی طور پر یہ حقیقت واقعی ہے کہ اسلام کے پہلے تین ادوار کے بعد بہت سے جہلاء نے دارالافتاء کے قلمدان پر ناجائز قبضہ کرنے کی ہر قسم کی دنیوی طاقت کے بلبوتے پر ہمہ تن کوشش کی اور باطل حکومتوں۔ ہارونی و مامونی بادشاہتوں کے تعاون سے بہت حد تک وہ اپنے اس ناجائز قبضے و تصرف میں کامیاب بھی ہوتے رہے لیکن امام اعظم اور امام حنبل جیسی روشن چراغ مقتدر ہستیوں نے قید و بند اور کوڑوں کی سزا گوارہ فرمائی مگر اسلام کے سچے اور حقیقی دارالافتاء پر آنچ نہ آنے دی اور عدالتِ اسلامیہ کے فتووں کی اہمیت کو روزِ روشن کی طرح قائم و برقرار رکھا اب آج اگر یہ چھوٹے چھوٹے مفتی اور غزالیٔ زماں رومیٔ دوراں بننے والے خلافتِ اسلامیہ کے قلم پر قبضہ کرنا چاہیں تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ لیکن ان اچھوتے ہاتھوں سے جو بھی ظاہر ہوگا وہ ناکارہ ہی ہوگا۔ ابھی مندرجہ بالا سات دلائل سے مخالفین کے بیانات اور نام نہاد کونسل کی اس لحاظ کی غلطیاں ظاہر کی گئیں جو شرعی ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرزد ہوئیں۔ اس بنیاد پر امام مذکور کو پاکدامن اور مخالف گروہ جھوٹے اتہامات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔ مزید مندرجہ ذیل دلائل جو مخالف فریق کے سوال و جواب کے غلط ہونے کی صورت میں حاصل ہوئے ان جاہلانہ غلطیوں کمزوریوں کی وجہ سے زید مذکور بری اور پاکدامن ثابت ہوتا ہے چنانچہ۔

آٹھویں دلیل ۔ صورت مذکورہ میں شریعت کے مطابق مخالف فریق کے پاس صحیح اور سچا گواہ ایک بھی نہیں ہے اور مدعی بھی صحیح اور صاف طریقے سے جرم بیان نہیں کرتا میں نے اس واقعے کی تقریباً چار

ماہ تک تحقیق اور چھان بین کی اور تقریباً ستائیس کا تعداد پر مختلف لوگوں کے حلفیہ بیان میرے پاس وصول ہوئے۔ جن سے یہی ثابت اور واضح ہوا کہ مدعی صرف طالب علم ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے اور وہ عاقل بالغ ہے اور اس کے بیانات بھی تین قسم کے متضاد ہیں۔ مدعی طالب علم کا پہلا بیان۔ شاگرد مذکور نے دوران تفتیش کہا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا تم میرے اس ہم سبق ساتھی سے پوچھو۔ اس ساتھی نے بتایا کہ امام مسجد اس کے ساتھ خلافِ وضع فطری فعل کرتا ہے۔ آگے بریکٹ بنا کر اس بات کا مطلب لکھنے والے مخالف گروہ نے یہ لکھا کہ یعنی لواطت کرتا ہے دوسرا بیان انجمن کے جنرل سیکرٹری کے سامنے وہی مدعی طالب علم نے کہا کہ حافظ صاحب مجھ کو تنگ کرتے ہیں اور جسم کو دبواتے ہیں اور غلط جگہ دبوانے پر مجبور کرتے ہیں تیسرا بیان۔ یہی طالب علم انجمن کے صدر اور مزید تین آدمیوں کے سامنے کہتا ہے کہ حافظ صاحب نے تین چار دفعہ مجھ سے پوری طرح بدفعلی کی بیانات کی یہ تبدیلی ثابت کرتی ہے کہ یہ سب الزام تراشی ہے اور جھوٹے کا حافظہ یادداشت نہیں ہوتی کے مصداق یہ بیانات سوچ سوچ کر بنائے جارہے ہیں اور بغیر وضاحت ہونے کی وجہ سے یہ بیانات مشکوک ہوگئے۔ اس لیے کسی بھی شرعی عدالت میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی نہیں پوچھا اور بتایا گیا کہ بدفعلی کیا ہے اور متعدد بار کرنے کے باوجود یہ شاگرد خاموشی سے کیوں کرواتا رہا پہلی ہی مرتبہ کیوں شور نہ مچایا۔ پڑھنا بند کیوں نہ کردیا نیز اس شاگرد کا یہ کہنا کہ حافظ صاحب غلط جگہ دبانے پر مجبور کرتے ہیں۔ تو کیا یہ مجبور ہوکر دباتا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔ **نویں دلیل** ۔ مدعیان اور الزام واتہام لگانے والوں نے جو استفتا اور درخواست پہلے پہل اس امام شاہ دسنی کونسل میں پیش کی تھی اس کی دوسری سطر میں لکھا ہے کہ ہم مذکورہ مسجد کی انجمن کے ممبران آپ سے یہ فتوٰی مانگتے ہیں۔ لیکن آخری سطور میں جن چار آدمیوں نے اپنے دستخط مع ولدیت ومکمل پتے درج کئے ہیں ان کے بارے میں تحقیق وتفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ یہ قطعاً انجمن کے ممبران میں شامل نہیں ہیں۔ انہوں نے محض فتوٰی لینے کے لیے یہ جھوٹ اور کذب بیانی کرتے ہوئے سنی کونسل والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی اسی بات سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کی باقی باتیں کہاں تک درست ہوں گی جب ایک شخص اللہ رسول اور شریعت پاک کی عدالت میں جھوٹ اور غلط بیانی سے نہیں باز آتا نہ گھبراتا ڈرتا ہے تو پھر وہ کاذب آدمی ایک مولوی پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے کب اللہ کا خوف کرے گا۔ **دسویں دلیل**۔ اسی استفتا اور درخواست کے صفحہ نمبر ۲ پر مخالف فریق کے پہلے شخص کا بیان ہے کہ میں چشم دید گواہ بننے کے لیے اور مجرم کو اصل موقعے پر پکڑنے کے لیے شام سے بتیاں بجھا کر چھپا رہا اور تقریباً رات ساڑھے دس بجے اوپر جاکر دیکھا کہ امام اپنے رہائشی کمرے میں بستر پر رضائی لے کر لیٹا ہوا تھا اور ایک طالب علم نیچے قریب بیٹھا ہوا سبق یاد کررہا تھا اور وہی مدعی شاگرد میرا لڑکا رضائی میں لیٹے ہوئے امام کو دبا رہا تھا اور یہ

شاگرد پہلے بھی ایسا کرتا تھا۔ بہر حال یہ شخص دونوں لڑکوں کو لے کر چلا گیا۔ اس شاگرد کو اس کے گھر اور اپنے لڑکے کو اپنے گھر لے آیا۔ یہ تھا وہ چشم دید گواہ جو اس سارے مقدمے میں اکیلا ہے جس نے بہت احتیاط سے خفیہ چھاپہ مار کر امام کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کا بیٹا جو بالغ عمر کا جوان ہے وہ دوسرے شاگرد کی موجودگی میں استاد کے پیر دبا رہا ہے اور کمرے کا دروازہ کھلا ہے نہ کُنڈی لگی ہے نہ تالہ ہر شخص اندر آسکتا ہے اور یہ چشم دید گواہ بھی اچانک بغیر اطلاع اندر چلا جاتا ہے اسکو دیکھ کر بھی وہ مدعی شاگرد اس کا بیٹا دباتا رہا نہ استاد گھبرایا نہ یہ شاگرد نہ ہی اس وقت اس چھاپہ مار گواہ نے کوئی اعتراض کیا نہ امام کو بُرا بھلا کہا۔ صرف دونوں لڑکوں کو لے کر چلا گیا۔ اور خود یہ چشم دید گواہ اپنے بیان میں کہتا ہے کہ یہ لڑکا پہلے بھی اسی طرح دبایا کرتا تھا یہ تھا وہ کام جس کو بدفعلی۔ لواطت اور خلافِ فطرت کام کا نام دیا جاتا رہا اس کے علاوہ ساری درخواست میں کسی ۔۔۔ کا ذکر نہیں کیا کوئی بھی عقل مند اس ساری حالت کیفیت اور استاد کے پیر دبانے کو لواطت کہہ سکتا ہے؟ گیارھویں دلیل۔ اسی استفتاء کے صـ پر لکھا ہے کہ انجمن کا سیکریٹری اور صدر نے تسلیم کیا کہ واقعی امام بالکل مجرم ہے۔ لیکن جب میں نے اپنی تحقیق کے دوران ان دونوں حضرات سے بالمشافہ حلفیہ بیان لینے کے دوران پوچھا کہ کیا یہ صحیح لکھا ہے تو انہوں بادضو کلمہ پڑھ کر کہا کہ یہ بالکل غلط لکھا ہے اور ہمارا نام غلط لکھا ہے اور ہماری طرف منسوب بات توڑ موڑ کر لکھی ہے۔ سیکریٹری نے تحریراً کہا کہ میں نے ان مخالف گروہ کے سامنے بار بار کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ سارے مدرسے اور سارے شاگردوں میں صرف یہی مدعی لڑکا کہتا ہے کہ امام مجرم ہے اور کوئی شاگرد الزام تراشی نہیں کرتا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ امام حافظ بیگناہ ہے اور یہ سب کچھ جھوٹا الزام ہے۔ **بارھویں دلیل**۔ اسی استفتاء کے آخری صـ ۹ پر کی آخری سطر میں لکھا ہے کہ مزید مظالم کی داستان رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے جو ہم یہاں لکھنے سے قاصر ہیں (یہ عجیب درخواست اور بیان ہے کہ جس چیز پر اتنا بڑا بہتان لگا کر تمام نہاد کونسل سے فتوٰی لیا جا رہا ہے اسی کو چھپایا جا رہا ہے۔ اور وہ کونسا رونگٹے کھڑے کر دینے والا ظلم ہے جس کو لکھنے سے قاصر ہیں۔ اور جن سے فتوٰی لینا ہے ان ہی سے چھپایا جا رہا ہے) یہ تھیں وہ دروغ گوئی اور جھوٹی بناوٹی کمزوریں جو مدعی علیہ امام مذکور زید کے حق میں بالکل امتی کی دلیلیں بن گئیں۔ یہ تمام بیانات تحریری طور پر میں نے ان لوگوں سے حاصل کئے۔ اس طرح دو طرفہ تحقیقی تفتیشی کاروائی مکمل ہوئی۔ **تیرھویں دلیل**۔ اس قسم کی غلطیوں اور جھوٹے بیان والے استفتا اور درخواست پر جس کسی غیر معروف کونسل نے فتوٰی دیا وہ اس سے بھی زیادہ احمقانہ غلطیوں کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ چند جاہل لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ بہت جگہ اصولِ فتوٰی کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے ہٹ کر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اس مذکور زیر نظر فتوٰی میں چھ قسم کی

لغزشیں، خطائیں صاف ظاہر ہیں ۱ شریعت کے عدالتی ضابطوں کو توڑا گیا ہے ۲ خود اپنے ہی پیش کردہ حوالوں کو کونسل کے فرد نے سمجھا تک نہیں کور مغزی کا یہ عالم ہے ۳ کھلم کھلا کونسل کے ممبروں نے مخالفین کی ناجائز طرفداری اور جانبداری کا ثبوت دیا ہے جو شرعاً سخت بددیانتی ہے خاص کر قاضی اور مفتی صاحبان کے لیے ۴ شریعت کے بہت بڑے قانون اور قرآن مجید کے واضح حکم کی مخالفت اور تضحیک کی گئی ہے۔ کہ گواہی کو بالکل نظر انداز کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حرکت اللہ رسول کی گستاخی کے مشابہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اراکین کونسل خود قابل سزا شرعی مجرم بن جاتے ہیں ۵ مدعیان کے بیان پر جرم کی وضاحت نہیں کی گئی ایک دم سوچے سمجھے چند لڑکوں کی باتیں اور لایعنی بیہودہ الزام واتہام تراشی کی وجہ پر اپنا فیصلہ سنادیا ۶ فتویٰ دینے والوں کو آخر تک خود بھی پتہ نہیں لگ سکا کہ جرم کیا ہے۔ اس فتوے کی اپنی غلط بیانیاں اتنی سنگین ہیں کہ کبھی کہا گیا کہ بدفعلی ہوئی ہے۔ کبھی کہا گیا لواطت ہوئی کبھی کہا گیا پاؤں دبوائے کبھی کہا گیا امرد سے خلوت ہوئی اور نہ کوئی ثبوت نہ شہادت ان حالات میں بلا تدبر کسی کو بلا وجہ آنکھیں بند کرکے مجرم بناتے ہوئے فتویٰ لکھ دینا سراسر ظلم اور بددیانتی جانبداری ہے۔ اس فتوے میں شرعی اعتبار سے مندرجہ ذیل غلطیاں ہیں۔

غلطی ۱۔ یہ فتویٰ چھ صفحات پر مشتمل تھا پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ چار آدمیوں کی طرف سے درخواست ملی جس درخواست (استفتا) میں لکھا تھا کہ مسجد مذکور کا امام مسجد زید ہمارے بچوں کے ساتھ زیادتی کرتا رہا بالخصوص فلاں فلاں کے ساتھ لواطت (بدفعلی) کرتا رہا۔ دوسری طرف زید امام مذکور نے اپنی بریت کے لیے ایک درخواست دی اور راشی جامع مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اراکین۔ صدر۔ خزانچی وغیرہ نے درخواست دی کہ حافظ مذکور بالکل پاکدامن ہے اور یہ الزام چند دشمن لوگوں نے ان پر جھوٹا لگایا ہے۔ یہاں اس نام نہاد سنی کونسل کے ذمہ دار مولویوں نے شریعت کے اس حکم کو بالکل نظر انداز کردیا کہ مدعی اور درخواست دینے والوں پر چشم دید معتبر شرعی گواہی پیش کرنا واجب ہے گواہ شریعت کی بیان کردہ حیثیت کے مطابق عاقل بالغ دیانتدار پرہیزگار متقی ہونا چاہئیں مفتی اسلام پر واجب ہے کہ پہلے اچھی طرح جرم کا سراغ لگائے۔ مدعی اور گواہوں سے خوب بحث اور جرح کرکے ہر بات کھول کھول کر وقت دن تاریخ حالت کیفیت کرید کرید کر پوچھے اگر مدعی اور گواہ یہ جرم شرعی حیثیت سے ثابت نہ کرسکیں تو یقین سے سمجھ لے کہ یہ سب کچھ اتہام اور قذف ہے۔ پھر مدعی علیہ سے باوضو باطہارت اچھی طرح سے۔ اللہ رسول قیامت قہر احکام قرآن کا خوف دلا کر بالکل خلوت میں حلفیہ بیان اور قسم لی جائے۔ خلوت میں یہ سب قسم وغیرہ لے کر پھر حاضرین کے سامنے بھی قسم لی جائے اگر پوری تسلی ہوجائے تو مدعی اور گواہوں کو اور اگر گواہ نہ ہوں تو فقط مدعی کو غلط اور جھوٹا اور تہمت و قذف لگانے کا مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ نافذ کردے۔ مگر اس کونسل نے یہ کچھ بھی نہ کیا۔ ان لوگوں نے

نہ تو مدعی سے چشم دید گواہ طلب کئے نہ مدعی شاگرد اور اس کے ساتھیوں سے یہ پوچھا کہ جب تم کہتے ہو کہ ایسی بدفعل یہ حافظ ہمارے ساتھ بہت عرصے سے کر رہا ہے تو تم پہلی بار ہی کیوں نہ بولے کیوں خاموشی سے سب کچھ اپنے ساتھ کرواتے رہے جرم ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹری بھی کروائی تھی ڈاکٹری رپورٹ سے بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ اس بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ فتوٰی لکھنا یا فتوے کی ذمہ داری سنبھالنا کوئی پاگلوں احمقوں اور بچوں کا کھیل نہیں سا ایسے نالائق لوگوں کا مفتی بن جانا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے غلطی ۲۔ درخواست دہندہ اپنے بیان کے پہلے صفحہ پر لکھتا ہے کہ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ کم درجہ کی شہادتوں کے باوجود آپ امام مسجد کے خلاف فتوٰی لکھ دیں تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو اور کسی دوسری مسجد میں امامت نہ کرا سکے۔ اس بات سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صرف ذاتی مخالفت اور نفسانی دشمنی میں فتوٰی لے رہے ہیں۔ نہ ان کو پوری تحقیق و تفتیش کی ضرورت تھی اور نہ ان کو قرآن و حدیث کے مطابق اللہ رسول کے حکم والا فتوٰی چاہئے تھا نہ ان کو سچے فتوے کی ضرورت تھی یہ لوگ صرف اپنی تہمت والی بات کو اونچا کرنا چاہتے تھے۔ ان تمام نام نہاد کونسل والوں نے بھی اللہ رسول کو چھوڑ کر ہر جگہ ان مخالفین کی بات کو ہی اونچا رکھا اور شریعت کے سارے قوانین کو توڑ پھوڑ دیا۔ غلطی ۳۔ فتوٰی کے ص۲ پر لکھا ہے کہ مسلسل نو گھنٹے ملتمس کارروائی ہوئی پھر فتوٰی لکھا گیا۔ گویا کہ ان ناتجربے کاروں خود ساختہ مفتیوں کے نزدیک نو گھنٹے بڑی چیز اور بہت زیادہ مدت ہے۔ حالانکہ شرعی حکم کے مطابق اتنی جلدی بھاگتے دوڑتے کوئی فیصلہ کر دینا ہی قابل تعزیر جرم ہے اور یہ سب خود ساختہ مفتی لوگ عدالتی سزا کے مستحق بن گئے۔ میں نے اس شرعی فیصلے کے لیے تقریباً تین ماہ تک تفتیش کی ہے اور پھر بھی ایک ماہ مزید چھان بین و انتظار کیا۔ میں اس مدت میں تفصیلی معلومات اور ہر طرف سے تحریری و تقریری بیانات جمع کرتا رہا جس کی وضاحت پہلے بھی کی گئی اور آخر میں بھی کی جائے گی۔ ان مفتیوں نے اس فتوٰی میں انتہائی جلدی بازی اور جذباتی انداز اختیار کیا ہے۔ اس لیے یہ فتوٰی شریعت کے معیار سے بالکل غلط ہے۔ غلطی ۴۔ اس فتوٰی کے ص۲ پر بستی کونسل کے یہ اراکین اقرار کر رہے ہیں کہ اس مقدمے میں مدعی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی گواہ نہ موجود ہے نہ پیش ہوا الہٰذا یہاں بدفعلی اور لواطت کا ثبوت نہ ہو سکا۔ یہ لوگ اراکین عجیب حیران کن فطرت والے ہیں کہ ابھی اپنے اس غیر شرعی فیصلے کے ص۲ لکھتے ہیں کہ مدعیان کے حق میں اور مدعی علیہ زید کے خلاف فیصلہ صادر کیا جاتا ہے اور وضاحت سے بتایا ہے کہ زید نے شاگردوں سے لواطت کی ہے اور اس کی برائی میں آیتیں اور احادیث درج کی ہیں اور مدعی علیہ کو شرم و غیرت دلاتے ہیں۔ مگر اب ص۳ پر خود ہی لکھ رہے ہیں کہ لواطت اور بدفعل کا ثبوت کوئی نہیں مل سکا۔ پھر اسی ص۳ پر لکھتے ہیں کہ مولوی مذکور کا بیان ہے کہ میں اپنے بعض شاگردوں سے کبھی کبھی پیر دبواتا

تھا اور سب کے سامنے دلوایا تھا۔ پھر آگے یہی خود ساختہ مولوی حضرات لکھتے ہیں کہ پیر دلوانے کو اس مدعی طالبعلم شاگرد کے والد اور دیگر چند لوگوں نے کئی دفعہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اس پیر دلواتے اور سب کے دیکھنے سے ثابت ہوا کہ زید مذکور خطیب لواطت اور بدفعلی کا مجرم ہے۔ کیا عجیب ظلم و جہالت ہے گویا کہ ان بناوٹی مفتیوں کے نزدیک کسی شاگرد سے پیر دلوانا لواطت اور بدفعلی ہے (معاذ اللہ) کیسی مضحکہ خیز اور احمقانہ بات ہے۔ تو پھر بیٹے سے مرید سے خادم اور نوکر سے پیر دلوانا بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور جتنے پیر مشائخ بزرگ اپنے پیر دلواتے ہیں وہ سب گویا بدفعلی کرتے ہیں۔ تو پھر سب پر فتوی لگاؤ اور اپنا حشر دیکھ لو صرف بیچارے مسکین امام کا کیا قصور یہ غلطی ہے۔ اس فتوی کے صفحہ پر لکھا ہے کہ اس کا تخلیے میں لڑکوں سے دلوانا ہی اس کو متہم اور فاسق کرنے کے لیے کافی ہے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں ۔ اِنَّ الْخَلْوَۃَ بِالْاَمْرَدِ اَخْبَثُ

ان جہلاء زمانہ کو کیا سمجھایا جائے کہ ان کو صرف کتابوں کے نام اور حوالہ دینے کا شوق ہے حالانکہ سیاق و سباق اور تجربے سے پتا لگتا ہے کہ یہ مفتی لوگ اپنے حوالوں کو خود بھی نہیں سمجھے ان نام نہاد مولویوں خطیبوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ شریعت اور واقعات کے اعتبار سے خلوت کیا ہے اور امرد کون ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ لکھنے کے لیے بہت عقل علم اور معلومات کی ضرورت ہے مگر ان بیچاروں کے پاس نہ عقل ہے نہ علم نہ معلومات خیال رہے کہ لغوی اصطلاحی اور شرعی قانون سے اَمْرَدْ۔ وہ شخص ہوتا ہے جو بالغ تو نہ ہو مگر بلوغت کے بالکل قریب ہو۔ جبکہ یہ مدعی لڑکا پندرہ [15] سال کا لڑکا بالغ ہے اور فتوی کے صفحہ پر خود ان سب مولویوں نے اس عمر اور بلوغت کو تسلیم کیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے ضابطوں کے مطابق بارہ [12] سال کا لڑکا بالغ شمار کیا جاتا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو کتب فقہ باب البحر۔ نیز خلوت ہر لغت و قانون میں اس حالت و مقام کو کہتے ہیں۔ کہ جہاں صرف دو مرد۔ یا عورت مرد۔ یا امرد و مرد موجود ہوں تیسرا کوئی نہ موجود ہو نہ بغیر اجازت آسکے۔ اور نہ وہ کسی تیسرے کا آنا پسند کرتے ہیں اور آنے پر پابندی و بندش کر دی ہو۔ مثلاً تالہ۔ کنڈی۔ یا پہرے دار کھڑا کیا ہو۔ تیسرے شخص کا موجود ہونا یا بلا روک ٹوک ہو سکنا خلوت کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا خلوت کے فتنہ و اخبث ہونے کے لیے جو حوالے ان مولویوں نے اپنے اس غلط فتویٰ میں پیش کئے وہ یہاں چسپاں نہیں ہوتے اور ایسے بے موقعہ حوالے دینا نادانی کی نشانی ہے۔ ان مولویوں کو بھی یہ تسلیم ہے کہ حافظ مذکور کے پاس دو لڑکے تھے جب مدعی کے باپ نے چھاپہ مارا اور جب کبھی امام مذکور نے اپنے شاگرد سے پیر دلوائے تو سب کے سامنے دبوائے جس کو سب نے دیکھا یہ بات ان فتویٰ لینے والے مخالفین لوگوں نے اپنے استفتا اور درخواست میں بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھی ہے۔ تو پھر خلوت کب ہوئی اور کوئی بھی ذرا سی عقل والا بھی اس کو خلوت و تنہائی نہیں کہہ سکتا معلوم اس وقت ان مفتیوں کی عقل سلیم اور فہم کہاں چلی گئی کہ جب نہ خلوت ثابت

نہ امردیت کا ثبوت تو غلط بات پر جہالت دکھانا کہاں کا شعور ہے غلطی نمبر۶ ۔ فتوے کے اسی صفحہ۲ پر لکھا ہے کہ مدعی شاگرد کی عمر پندرہ۱۵ سال اس کے ایک ساتھی کی عمر بارہ۱۲ سال دوسرے کی عمر گیارہ سال تیسرے کی عمر دس سال۔ ان تینوں نے کھل کر کہا کہ زید مذکور امام نے ہمارے ساتھ متعدد بار بدفعلی کی ہے۔ لہٰذا ہم مفتیوں کے نزدیک ان کے بیانات قابلِ اعتبار ہیں (استغفر اللہ معاذ اللہ) ان ظالموں نے شریعت کی کتنی بڑی مخالفت اور گستاخی کی ہے یہ ایک بات لکھ کر پوری شریعت کی انہوں نے ہنسی اڑائی ہے اور شہادت وگواہی والے قرآنی قانون کا مذاق کیا ہے یعنی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ جیسے پاکباز اور محفوظ متقی پرہیزگار سچے مدعی کی بات کو بھی قابلِ اعتبار نہ سمجھیں اور گواہی طلب فرمائیں اور گواہی نہ ہونے کی صورت میں حدقذف کی وعید وحکم سنائیں۔ لیکن آج چودھویں صدی کے یہ بناوٹی مفتی قوانینِ اسلامیہ اور ضوابطِ شرعیہ کی ساری حدود پھلانگ کر چند نوعمر لڑکوں کی بات کو قابلِ اعتبار سمجھ کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے قرآن مجید کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ غلطی نمبر۷ اسی صفحہ۲ پر قواعد الاحکام جلد دوم صفحہ ۷۶ کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو نہ تو عربی عبارت سمجھ آئی نہ مقصدِ عبارت کا پتہ لگا یہ عبارت تو سراسر ان کے خلاف ہے جس سے وہ خود اپنے حوالے کے جال میں پھنس گئے۔ وہ عبارت اس طرح لکھی ہے وَ شَهَادَةُ الشَّاهِدِ لِنَفْسِهٖ تُهْمَةٌ وَتُهْمَتُهٗ مُوجِبٌ لِرَدِّ الْحُكْمِ وَالشَّهَادَةِ ۔ ترجمہ۔ اور کسی گواہ کا اپنے لیے گواہ بننا تہمت ہے اس وجہ سے یہ گواہی مردود ہوگی اس عبارت نے تو صاف بتادیا کہ ان لڑکوں کا الزام لگانا تہمت ہے اور ان کی سب باتیں مردود ہیں۔ لیکن یہ مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ان لڑکوں کی بات قابلِ اعتماد واعتبار ہے۔ یہ تھی ان خودساختہ مفتیوں کی سادہ لوحی۔ غلطی نمبر۸ ۔ فتوے کے اسی صفحہ۲ پر لکھتے ہیں کہ زید مذکور کی حرکت چونکہ پولیس اور شہر وغیرہ میں مشہور ہوگئی ہے اس لیے یہ مشہور ہونا امام مذکور کو فاسق ثابت کرتا ہے۔ یہاں یہ لوگ اعلیٰحضرت کے فتاویٰ رضویہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتاویٰ صفحہ ۲۲۴ پر ہے کہ اگر فاعل کی یہ حالت صحیح طور پر معروف ومشہور ہو تو یہ فاسق معلن ہے میں حیران ہوں کہ جس کو اردو سمجھ نہیں آتی وہ فتویٰ لکھنے بیٹھ گیا۔ کیا قیامت ہے خیال رہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص عام طور پر گلی کوچوں بازار میں عام طور پر بلا جھجک بغیر شرم وحیا ہر قسم کا گناہ آوارگی وغیرہ کرلیتا ہو وہ فاسق معلن ہے یعنی اپنے گناہوں کا خود علی الاعلان ذکر یا عمل کرتا پھرے۔ کسی دشمن کے کہنے سے نہیں بلکہ اس کے اپنے اعلان سے بدعملی کی مشہوری ہو۔ اعلیٰحضرت اسی کا ذکر فرما رہے ہیں جس کو ہماری اصطلاح میں بدمعاش۔ غنڈہ یا آوارہ گردی۔ آوارہ منش کہا جاتا ہے۔ یعنی گناہ گاری میں مشہور ہوجانا۔ لفظِ معلن باب افعال کا اسم فاعل متعدی بیک مفعول ہے لفظاً فاسق معلن کا

ترجمہ ہے۔ وہ فاسق جو اپنے گناہوں کا اعلان کرنے والا ہو۔ ان مفتیوں کو مُعلِن کا نحوی صرفی ترجمہ بھی نہیں آتا۔ لیکن کسی تہمت کا دشمن کی طرف سے مشہور کردیا جانا اس کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں ان بیچاروں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ گناہ میں مشہور ہونا اور گناہ کے مشہور ہونے میں فرق کیا ہے اگر تہمت کے مشہور ہوجانے سے جرم ثابت ہوجاتا تو پھر سورۂ یوسف اور سورۂ نور کے متعلق کیا کہوگے وہاں تو دشمنوں منافقوں، مخالفوں نے تہمت کو اتنا مشہور کیا کہ سارے ملک میں مشہور ہوگئی۔ یہاں تو صرف ایک چھوٹے سے علاقے اور گاؤں تک ہی پہنچی ہے میں کہتا ہوں کہ قلم اٹھانے سے پہلے انسان کو کچھ تو سوچنا چاہئے بچگانہ ذہن سے بے ڈھنگے دلائل سے کسی کے خلاف کسی دشمن کے کہنے سے فیصلہ صادر کردینا دانشوری نہیں بلکہ تخریب کاری ہے غلطی ۹ اس فتوی کے ص پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس کو لوگ ناپسند کریں اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ فقہاء کرام نے امامت کے جواز کے لیے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان میں قوم کی ناپسندگی کے لیے بہت سی قیود و شرائط بیان فرماتے ہوئے ناپسندی کی وجوہ اور ناپسند کرنیوالوں کی تعداد اور عوام کی عقل و علم کی بھی وضاحت کی ہے اس کے لیے ان مفتیوں کو فتاوٰی شامی اور کتب ظاہر روایت وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے بلکہ کسی مدرسے میں ابھی ان مولویوں کو باقاعدہ پڑھنا چاہئے۔ اسلام میں اس طرح کی بے ضابطگی اور لاقانونیت کی کوئی گنجائش نہیں ورنہ سب کی امامت کھیل بنجائے گی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چند آدمی ذاتی دشمنی اور مخالفت کی بنا پر ناراض ہوجائیں اور اس طرح کے نالائق مفتیوں کے پاس پہنچ کر دھڑے فتوی لے لیں اور سمجھ لیا جائے کہ سب نمازی ناپسند کررہے ہیں اور جھٹ سے فتوٰی لکھ دیا جائے جب یہ مولوی لوگ خود بھی تسلیم کرتے ہوئے اقرار کررہے ہیں کہ اس مسجد کے کمیٹی اور انجمن والے ذمہ دار حضرات امام مذکور سے خوش اور اس کو پاکدامن اور اس جھوٹی تہمت سے بری سمجھ رہے ہیں اور اپنا تحریری بیان بھی کونسل کو دیرہے ہیں تو پھر ان جہلا کو امام کے خلاف فتوٰی لکھنے کی یکطرفہ جرأت کیونکر ہوئی۔ آگے کچھ سطور میں چند بے تعلق سے حوالے اور عبارتیں لکھ رہے ہیں۔ صرف علمی رعب جتانے کے لیے ورنہ ان حوالوں کا ثبوت اور فتوے کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ غلطی نمبر ۱۰۔ اس فتوی کے آخری صفحہ ص پر سب مفتی حضرات کچھ پریشان اور تھکے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور لوٹ پھیر کر وہی لایعنی بات دھراتے ہیں کہ چونکہ جرم مشہور ہوچکا ہے بہت سے لوگوں کو پتہ چل گیا ہے اس لیے جرم ثابت ہے۔ ایک ایک بات چار چار دفعہ دھرائی گئی ہے۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ چونکہ امام مذکور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور انتشار کا باعث بن گیا ہے اس لیے امامت کے لائق نہیں رہا کیا عجیب دلائل ہیں۔ غلطی نمبر ۱۱۔ آخری ص پر ان تمام فتوی لکھنے والے حضرات نے مجبوراً اقرار کرلیا کہ اس مقدمے میں نہ تو گواہی ہے نہ جرم کا ثبوت ہے مگر پھر بھی زید مجرم ہے کیونکہ مخالفین گروہ کے ساتوں آدمیوں نے حلفیہ

بیان دیا ہے میں ان خود ساختہ کونسل والوں سے پوچھتا ہوں کہ ان لوگوں نے حلفیہ بیان کیوں دیا اور تم مولویوں نے ان سے حلفیہ بیان کیوں لیا نہ یہ مدّعی نہ یہ گواہ نہ یہ جرم کو بھیں نہ جرم کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے ہوتا دیکھا نہ یہ مدّعی علیہ۔ کیا حلفیہ بیان لینا بچوں کا کھیل ہے جس کو چاہا سڑک سے پکڑ کر حلفیہ بیان لے لیا اور پھر انہوں نے کس طرح حلفیہ بیان دیا۔ کب قرآن مجید کو ہاتھ لگایا کہاں وضو کیا۔ کس نے حلف لیا۔ حلف لینے کا کیا طریقہ تھا نہ اس کی کچھ وضاحت ہے نہ ذکر ہے۔ اور پھر اگر یہ مدّعی یا گواہ بھی ہوں تب بھی کیا ان سے حلف لینا جائز ہے کیا یہ اراکین کونسل قرآن وحدیث اور حلف اور بینہ کے شرعی طریقوں سے بالکل ہی ناواقف ہیں اور پھر ان لوگوں نے کس بات پر حلف دیا جب کہ یہ کچھ جانتے ہی نہیں نہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھا آپ اندازہ لگائیے کہ جس چھوٹے سے فتوے میں ہر سطر ہر حوالے میں غلطی بھول چوک کمزوری ناسمجھی لاعلمی کے علاوہ گیارہ عدد بڑی غلطیاں ہوں کیا اس کو شرعی فتویٰ کہا جاسکتا ہے۔ یہ تمام غلطیاں وکمزوریاں یہ ثابت کررہی ہیں کہ مدّعی اور اس کے تمام ساتھی اور خود کونسل کے یہ نام نہاد مفتی حضرات جرم کو قطعاً ثابت نہیں کرسکے۔ بلکہ کسی لالچ یا دباؤ یا ذاتی مفاد میں آکر صرف توڑ مروڑ کھینچا تانی کرکے نہایت غلط جانبداری سے ایک تحریر لکھدی جس کا نام فتویٰ رکھ دیا گیا۔ یہ تحریر قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ اسلامی کے سخت خلاف ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مدّعی علیہ امام مذکور پر ذاتی دشمنی اور محض بدنام ورسوا کرنے کے لیے تہمت لگائی گئی ہے۔ اور امام مذکور زید اس تہمت سے بالکل پاکدامن ہے۔ علاوہ ازیں ہم پہلے اپنی تحقیق وتفتیش سے ثابت کرچکے ہیں کہ عوام اور نمازیوں شاگردوں اراکین انجمن میں سے کسی نے بھی امام کو مجرم تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ سب مذکورین امام کا انتہائی ادب واحترام کرتے ہیں اور زید مذکور امام کو دیانتدار پاکدامن نیک متقی خادمِ اسلام سمجھتے ہیں اور ان کی امامت خطابت و مدرسی کو پسند کرتے ہیں۔ اس تحقیق کے دوران امام مذکور خود بھی میرے پاس حاضر ہوا۔ ان کے ہمراہ انجمن کے بہت سے معتبر اراکین بھی بطورِ وکیل صفائی حاضر ہوئے میں نے سب سے باوضو قرآن مجید ہاتھ میں دیکر اللہ رسول قیامت وقبر کا خوف دلاکر موت کی یاد دلاکر شریعت کے طریقے سے ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ خلوت میں سچ اور صاف صاف بیان دینے کی تلقین کی اور ہر بات خوب کرید کرید کر پوچھی۔ سب نے اپنے اپنے بیان میں اللہ کی قسم بولتے ہوئے بیان دیا۔ امام نے بیان دیا کہ میں اللہ رب العزت کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ساری زندگی میں نے کسی قسم کی بدکاری بدفعلی نہیں کی اور یہ تہمت میرے خلاف محض شرارت ودشمنی ہے۔ میں بہت سی مساجد میں کافی زمانے سے امامت خطابت اور مدرسی کا کام کرتا چلا آرہا ہوں شادی شدہ بال بچے دار ہوں بڑھاپے کی عمر کے قریب ہوں آج تک کسی مدرسے میں مجھ پر کبھی کسی قسم انگلی نہ اٹھائی گئی۔ آپ ان مدارس ومساجد سے میری پاکدامنی نیک نیتی کی تحریری شہادت منگا سکتے ہیں۔ یہاں بھی سب لوگ میری عزت واحترام کرتے ہیں میرے تمام

شاگرد بھی میرے وفادار اور ادب کرنے والے ہیں۔ البتہ میں پڑھانے کے معاملے میں ذرا سخت اور وقت کی پابندی کرنے اور کرانے والا ہوں اور دن رات محنت کرنے کرانے کا قائل ہوں اور میرے پاس پڑھنے والے سب سے زیادہ علائق بنجاتے ہیں اس لیے دیگر مساجد کے خطبا اور مدرسین مجھ سے حسد اور دشمنی کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ یہ کونسل والے سب مولوی بھی میرے مخالف ہیں اور یہ کونسل ابھی چند دن پیشتر صرف میرے خلاف فتویٰ لکھنے کے لیے بنائی گئی ہے جیسا کہ مجھ کو پتہ لگا ہے انہوں نے میرے خلاف اور مجھ کو ہٹانے کے لیے یہ سارا پلان بنایا ہے اس لیے کہ جب میری محنت کی وجہ سے قوم میں میری عزت زیادہ ہوتی ہے تو مخالفین کو کسی طرح گوارہ نہیں ہوتی ۔ یہ تھا امام مذکور کا پورا حلفیہ تحریری بیان یہی بیان پھر سب کے سامنے بھی لیا گیا۔ ہم نے اپنی تحقیقاتِ حالات کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا اولاً مخالف فریق کی درخواست پر غور و فکر کرتے ہوئے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر تیسرے مرحلے میں مدعیٰ علیہ امام مذکور زید سے حلفیہ بیان صفائی لیا گیا اور مندرجہ بالا طریقے سے قسمیہ حلفیہ بیان لیا گیا۔ زبانی بھی تحریری بھی خفیہ بھی سب کے سامنے بھی۔ پھر چوتھے مرحلے میں نمازیوں، عام مسلمانوں اور مدرسے کے متعدد شاگردوں اور اراکین انجمن کمیٹی سے بطور گواہ اور وکیلِ صفائی امام مذکور کے متعلق حلفیہ بیان لیا گیا یہ بات تو مخالف فریق کے ساتوں آدمیوں کے درخواستی بیان سے ظاہر ہے اور سنی کونسل کے فتوے میں بھی چند مرتبہ تسلیم کی گئی ہے کہ سب کمیٹی والے امام مذکور کو پاکدامن جانتے ہوئے اس کے حامی ہیں پھر جب میں نے ان تمام لوگوں کو بلایا تو انہوں نے برملا کہا کہ دو ڈھائی سال کا وہ عرصہ جو اب تک ہمارے پاس امام مذکور نے گزارا وہ انتہائی نیک نیتی پاکدامنی تقویٰ پرہیزگاری سے گزارا ہم نے ان میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ انجمن کمیٹی والوں نے اپنے صفائی تحریری بیان میں لکھا ہے کہ یہ الزام حسد و دشمنی کی بناء پر مفروضہ ہے جن آٹھ طلبا کا نام مخالف فریق نے اپنے استغاثہ میں لکھے تھے ان میں سے چار طلبا کا بیان انجمن والوں نے اپنے طور پر بھی لیا تو انہوں نے صاف تحریری بیان دیا کہ ہم نے اپنے استاد میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور فتویٰ لینے والوں نے ہمارا نام جھوٹا استعمال کیا ہے۔ اصلاً صرف ایک ہی وہ مدعیٰ طالب علم ہے۔ کمیٹی والوں کا بیان ہے کہ ہم نے مخالفین حاسدین اور شورش کرنیوالوں کو کئی بار بلا کر سمجھایا یقین دلایا کہ یہ غلط و جھوٹی تہمت مت لگاؤ کونسل کے مفتیوں کو بھی بتایا مگر یہ چند لوگ اور یہ مولوی حضرات یہی کہتے رہے کہ نہیں امام غلط اور بدکاری ہے اور فتویٰ لکھنے لکھانے پر مصر رہے اور یہی لوگ اس واقعے کو مشہور کرتے رہے۔ ہم کمیٹی والے ایک لڑکے کی بات اور الزام تراشی کو کچھ بھی حیثیت نہیں دیتے۔ انجمن کمیٹی کے اس بیان کے بعد شہر کے مزید مسلمانوں سے ہم نے رابطہ قائم کیا تو بہت سے لوگوں نے امام مذکور کی نیک طبیعت اور ایمان داری کی تعریف کی اور اس الزام کو ایک شرارت قرار دیا۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے تو یہ بھی کہا کہ یہ فتویٰ بھی ایک سازش کے تحت لکھا گیا ہے اور اس کونسل کے سب مولوی تقریباً نوجوان قسم

کے شرارتی ہیں۔ انھوں نے خود ہی اس واقعے کو زیادہ تر مشہور کیا ہے میں نے بذات خود طلباء سے فرداً فرداً تحریری بیان حلفی حاصل کیا سب نے امام مذکور کے حق میں بیان تحریر کئے میں نے پوچھا کہ مدعی شاگرد نے امام مذکور کے خلاف یہ الزام تراشی کیوں کی تو سب نے ایک ہی قسم کی تحریریں بھیجیں کہ پچھلے ۱۹۸۶ء نومبر کے مہینے سے ایک خفیہ منصوبہ بنایا جا رہا تھا جس میں اس مدعی شاگرد کو پیش پیش رکھا گیا یہ لڑکا بہت ضدی۔ شرارتی اور کھلنڈرا لیے پڑھائی سے بدشوق۔ مدرسے سے اکثر غیر حاضر رہنے والا۔ استاد صاحب دوسرے لڑکوں کے ذریعے اس کو پکڑوا کر بلاتے مارتے اور سزا دیتے۔ اس بات سے اس کے دل میں نفرت اور سازش پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کئی بار کہا کہ یہ حافظ مجھ کو مارتا ہے اس مار پیٹ کا میں اس کو مزہ چکھاؤں گا۔ اسی اندرونی غصہ کی بنا پر اس سازش میں اس نے اپنے چند دوسرے ساتھیوں کو بھی اپنا ہمنوا لیا پھر چند بڑے لوگ بھی اس سازش میں شریک ہوگئے۔ ایک اور شخص نے مجھ کو بتایا کہ جناب یہاں عام طور پر یہ بیماری بڑے زور شور سے پھیلی ہوئی ہے کہ ہر باپ کہتا ہے۔ میرا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا بس یہی وجہ ہے کہ یہ سازش اتنی مشہور ہوکر اتنا زور پکڑ گئی۔ اور پھر من مرضی کے علماء لگ گئے جنہوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی بہرکیف تقریباً تین چار ماہ تک مکمل تفتیش کرکے یہ بات ثابت کر لی گئی کہ کونسل کا یہ فتوی بالکل غلط اصول شریعت آداب مفتی قاضی کے خلاف ہے لہٰذا آج مورخہ پانچ اپریل ۱۹۸۹ء کو قرآن مجید۔ حدیث پاک۔ اور عقلی نقلی منقولی۔ تحقیقی۔ تفتیشی اننتیس دلیلوں سے یہ شرعی اسلامی فتوی جاری کیا جا رہا ہے جس کی رو سے شریعت کے کلی ضابطوں کے مطابق مدعی علیہ امام مذکور کو بالکل بیگناہ اور مذکورہ جرم سے بری قرار دیا جاتا ہے اس لیے اس امام کی امامت خطابت مدرسی شرعاً بالکل جائز ہے۔ پاکستان کے لوگوں سے اس کی سابقہ زندگی کا حال بھی معلوم کرنے پر بالکل بے داغ ثابت ہوا نیز اسی فتوے شرعیہ کی رو سے ان کونسل والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ وہ کبھی فتوی نہیں لکھ سکتے نہ وہ اس منصب کے لائق اور اہل ہیں۔ اور کوئی مسلمان ایسی خود ساختہ کونسلوں سے شرعی رابطہ قائم نہ کریں۔ عوام کی غلطیوں جہالتوں کو تو معاف کیا جاسکتا ہے مگر نام نہاد بناوٹی مفتیوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو چاہئے کہ اللہ رسول کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کریں معافی مانگیں۔ ورنہ قیامت میں سزا سے بچنا محال ہو جائے گا۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

کتبہ

شریعت اسلامیہ میں مدعیٰ علیہ قاذف منکر اور مقر کا بیان

سوال ۱۵۱۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ مورخہ ۸۷/۸/۲۰ بروز جمعرات زید نے ایک امام خطیب پر یہ

الزام لگایا کہ خطیب نے بکر کو برا بھلا کہا ہے اور خطیب نے کہا ہے کہ اس بدمعاش کے ڈر سے میں نے اپنے نائب خطیب کو امامت کے مصلے پر کھڑا کیا تھا۔ اور مہینے میں ایک جمعہ پڑھانے کی اجازت بھی دی تھی لیکن اب خطیب مذکور اس بات سے انکار کرتا ہے لہٰذا اس طرح یہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ بات خطیب نے سنی تو کہا کہ زید غلط بیانی کر رہا ہے میں نے کبھی بھی بکر کو برا بھلا اور بدمعاش نہیں کہا۔ یہ بات سن کر زید نے قرآن مجید اٹھالیا اور قسم کھا کر حلفیہ کہا کہ مولوی صاحب نے یہ باتیں مجھ سے کہی ہیں اور بکر کو لچا بدمعاش کہا ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب بھی اٹھے اور انہوں نے بھی قرآن مجید اٹھالیا اور محراب مسجد کے پاس جا کر قسم کھا کر کہا کہ زید مجھ پر غلط بہتان باندھ رہا ہے میں نے اس سے یہ بات نہیں کی۔ اس جھگڑے اور دو طرفہ قرآن مجید اٹھانے قسم کھانے پر سب موجود نمازی حیران رہ گئے۔ تب انتظامیہ کمیٹی نے متفقہ فیصلہ کیا کہ شریعت پاک کا فتویٰ حاصل کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ کون سچا ہے۔ اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جب تک شریعت کا فتویٰ نہ آئے اس وقت تک امام مذکور کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور امامت معطل رکھی جائے لہٰذا آپ کی خدمت عالیہ میں گزارش کی جاتی ہے کہ ہم کو جلد از جلد شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے تاکہ اس پر عمل کرکے موجودہ جھگڑا ختم کر سکیں بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ دستخط سائلان۔ ۱؎ محمد لطیف ۲؎ حاجی محمد ۳؎ فضل احمد ۸۴/۸/۲۱

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اما بعد قانون شریعت کے مطابق مسمّی زید اس صورت مسئولہ میں مدعی ہے جو دعویٰ کر رہا ہے کہ خطیب مذکور نے مجھ سے یہ لفظ کہے۔ اور خطیب مذکور اس مقدمے میں مدعیٰ علیہ ہے کہ اس پر دعویٰ کیا گیا ہے اور الزام لگایا گیا ہے اور امام خطیب اس دعوے و الزام کا انکاری ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے مجھ پر بہتان باندھا گیا ہے۔ شرعی ضابطوں کے مطابق بحیثیت مفتی اسلام میں نے صورت مسئولہ میں بہت تحقیق و تفتیش کی جس سے ثابت ہوا کہ سائلین کا بیان درست ہے چنانچہ یہ فتویٰ جاری کیا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ الزام لگانے اور مقدمہ کرنے والا مدعی ہوتا ہے اور جس پر الزام لگا ہو وہ مدعیٰ علیہ ہے وہ منکر ہوتا ہے چنانچہ ہدایہ شریف اخیرین جلد سوم ص۱۹۳ پر ہے وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِی الْاَصْلِ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ مَنْ اَنْکَرَ وَفِی الْکِتَابِ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ هُوَ الْمُنْکِرُ وَهٰذَا صَحِیْحٌ ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اصل مبسوط میں فرمایا کہ مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جو کسی دعوے کا اپنے پر سے انکار کرے اور اسی کتاب کے دوسرے چھاپے میں اس طرح لکھا ہے کہ مدعیٰ علیہ وہ ہوتا ہے جو مدعی کی بات کا انکار کرے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ زید مذکور مدعی ہے اور امام مذکور مدعیٰ علیہ ہے تو اب شرعی قانون کے لحاظ سے قرآن مجید اور حدیث پاک

کے فرمودات کے مطابق مدعی زبیر قرآن مجید اٹھا کر اللہ کی قسم نہیں کھا سکتا نہ ہی شرعاً اس کی قسم معتبر ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنی بات کی سچائی پر کم از کم دو٢ گواہ عاقل بالغ مسلمان متقی پیش کرے جو گواہی دیں کہ ہم نے بھی اپنے کانوں سے فلاں دن فلاں جگہ فلاں وقت یہ بات امام مذکور کے منہ سے کہتے ہوئے سنی۔ اس لیے کہ مدعی کو اپنے دعوے کی سچائی کے لیے صرف گواہ ہی پیش کرنے لازم ہیں حلف اور قسم اس کے لیے جائز و صحیح نہیں ہے۔ میں نے مدعی مذکور سے رابطہ قائم کرکے گواہ طلب کئے تو وہ کوئی گواہ پیش نہ کرسکا اس لیے میں نے مدعی اور مدعیٰ علیہ سے علیحدہ علیحدہ تحریری بیان منگالئے۔ زبیر کا کہنا ہے کہ جس وقت امام مذکور نے یہ الفاظ کہے تھے اس وقت کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ پھر میں نے انجمن کمیٹی ہذا کے صدر کو ٹیلیفون پر بلا کر پوچھا تو انہوں نے بھی زبیر سے پوچھ گچھ کرکے مجھ کو اطلاع دی کہ زبیر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے بقول زبیر جب یہ بات ہوئی تھی تو زبیر اور امام دونوں اکیلے تھے اس تمام تفتیش سے ثابت ہوا کہ مدعی اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے گواہی پیش نہیں کرسکتا۔ حالانکہ اسلامی شریعت کا یہ قانون اٹل لازمی ہے کہ مدعی خواہ کتنا ہی نیک متقی مسلمان بزرگ عابد و زاہد عالم یا ولی اللہ ہو مگر دعوے کی سچائی کے لیے شرعی گواہ پیش کرے اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوسکے گا۔ بلکہ مدعیٰ علیہ سے قسم اٹھوائی جائے گی اور قسم و حلف لینے دینے کا طریقہ شریعت پاک نے مقرر فرمایا ہے گواہی کے متعلق قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے سورۂ طلاق آیت ۲ وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ــــ ترجمہ۔ اے مدعی لوگو تم اپنے میں سے پہلے ہی دو٢ گواہ نیک عادل بنالیا کرو اور یہ گواہی اللہ کے لیے قائم کرو۔ اس آیت کے سیاق میں تو اگرچہ طلاق دینے والے اور طلاق سے رجوع کرنے والے خاوندوں کا ذکر ہے مگر گواہی کا یہ قانون تاقیامت ہر دعویدار مدعی کے لیے ہے اور ہر دعوے کی سچائی کے لیے گواہ بنانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ــ ترجمہ۔ اے لوگو اپنے ہر دعوے ہر قول ہر لین دین پر دو٢ مردوں کو گواہ بنالیا کرو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مدعیوں پر گواہی پیش کرنے کا بہت جگہ حکم فرمایا ہے لیکن اگر مدعی کو گواہی میسر نہ آسکے تو پھر مفتی و قاضی شریعت یا عدالت کا جج مدعیٰ علیہ سے شرعی طریقے سے قسم لے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۳۴۲ پر ہے بَابٌ اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ حَدَّثَنَا خَلَّادُ ابْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَكَتَبَ اِلَیَّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ ترجمہ۔ یہ باب ان روایت و احادیث مبارکہ کے بارے میں کہ ہر مدعی پر گواہی واجب ہے اور مدعیٰ علیہ پر قسم دینی واجب اگر گواہی نہ ہو تو۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا کہ ایک

مقدمہ ہے اس کا فیصلہ کس طریقے سے کروں تو آپ نے جواباً مجھ کو خط لکھا کہ بیشک آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فیصلہ فرماتے تھے کہ قسم مدعٰی علیہ پر ہی ہوتی تھی۔ دوسری حدیث شریف بخاری جلد اوّل صفحہ ۲۹۶ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ ابْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ اِمْرَئَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةَ اَوْحَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ۔ ترجمہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک ایک دفعہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء سے تہمت لگائی اور بہتان کا الزام لگایا تو نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ اے امیہ کے بیٹے گواہی پیش کرو ورنہ اس بہتان پر تم کو حد قذف کی سزا دی جائے گی مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۷۴ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ۔ بیشک آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مدعٰی علیہ پر قسم واجب فرمائی۔ اس کی شرح میں امام نووی نے فرمایا لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ قَالَ النَّوَوِيُّ مِنْ حَدِيْثٍ حَسَنٍ صَحِيْحٍ ۔۔۔۔

ترجمہ۔ لیکن مدعی پر گواہی واجب ہے اور جو شخص انکار کرے یعنی مدعٰی علیہ اس پر قسم ہے۔ ابوداؤد شریف جلد دوم صفحہ ۱۱۱ پر ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّالِبَ اَيِ الْمُدَّعِيْ اَلْبَيِّنَةَ فَلَمْ تَكُنْ لَهٗ بَيِّنَةٌ فَاسْتَحْلَفَ الْمَطْلُوْبَ فَحَلَفَ ترجمہ۔ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مقدمے کا جھگڑا لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے گواہی طلب فرمائی اس کے پاس گواہی نہ تھی۔ تب آپ نے دوسرے آدمی مدعٰی علیہ سے قسم اور حلف لی۔ پس اس مدعٰی علیہ نے اللہ کی قسم کھائی۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ مدعی کو قسم کھانی جائز نہیں۔ وہ صرف گواہی پیش کرے۔ اگر اس کے پاس گواہی نہ ہو تو مدعٰی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ صورتِ مسئولہ مذکورہ میں مسمّی زبیر مدعی ہے اور اس کے پاس گواہی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا امام مذکور سے قسم لی جائے گی مگر اس طرح نہیں کہ ایک دم بھاگ دوڑ کر قرآن مجید پکڑ لیا اور لگے قسمیں کھانے۔ بلکہ فی زمانہ بہت احتیاط چاہئے اس لیے کہ آج کل دنیا پرستی زیادہ ہے خوفِ خدا کم ہو گیا ہے اس لیے باوضو باطہارت نفل پڑھوا کر قبر قیامت۔ اللہ رسول کا خوف دلا کر قرآن مجید دیکر پھر اللہ رب العزت کی قسم مدعٰی علیہ سے کھلوانی چاہئے اسی طرح مسجد میں لیجا کر اس امام سے قسم لی جائے اور امام مذکور کہہ کر پھر آوازہ بلند یہ الفاظ ادا کرے کہ میں نے وہ الفاظ ادا کبھی نہیں کیے جو مسمّی زبیر میرے اوپر بہتان لگاتا ہے جب یہ قسم مکمل ہو جائے تو امام مذکور کو فوری طور پر امامت دیدی جائے اس قسم کے بعد یہ امام بریّ الذمّہ ہو جائے گا اور اس کی اس طرح کی قسم پر یقین و اعتماد کرنا واجب۔

واللّٰہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ

سوال ۱۶۱: روزۂ رمضان کے سحری بند کرنے اور افطار کا وقت معلوم کرنے کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہمارے شہر شفیلڈ میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس دفعہ یعنی ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء ماہ رمضان مبارک کے افطاری اور سحری کا ٹائم ٹیبل یعنی نقشہ اوقات مرتب کرکے چھاپا ہے جس کا یکم رمضان سحری بند کرنے کا دو بجکر بیالیس منٹ ۲-۴۲ اور افطاری شروع کرنے کا وقت نو بجکر چھبیس منٹ ۹-۲۶ لکھا ہے۔ یہ چھاپنے والے اسی وقت کے مطابق لوگوں کو افطاری اور سحری کے لیے مجبور کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے شہر سے آپ کا شہر بریڈ فورڈ پینتالیس ۴۵ میل دور ہے۔ بریڈ فورڈ کے لیے آپ نے جو ٹائم ٹیبل سحری و افطاری چھاپا ہے اور جس کو وہاں کے مسلمانوں کے ہر فرقے نے درست تسلیم کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ یکم رمضان مبارک سحری بند کرنے کا وقت دو بجکر پندرہ منٹ اور افطاری کا وقت نو بجکر چونتیس منٹ ۹-۳۴ ہے اور آخری تیس ۳۰ رمضان کو سحری بند کرنے کا وقت دو بجکر تیرہ منٹ اور افطاری کرنے کا وقت نو بجکر سینتالیس منٹ ۹-۴۷ لکھا ہے۔ ہم نے آپ سے ہی ایک دفعہ پوچھا تھا کہ بریڈ فورڈ اور شفیلڈ میں شمسی رفتار سے وقت کا کتنا فرق ہے تو آپ نے فقہاء احناف کے مرتبہ اصول کے اعتبار سے بتایا تھا کہ شفیلڈ کا وقت طلوع و غروب میں بریڈ فورڈ سے تین منٹ پہلے ہے ہم نے آپ کے نقشہ اوقات کے حساب سے تین منٹ زیادہ کرکے نقشہ چھاپ لیا ہے ہم اور ہمارے ساتھی اپنے اسی مطبوعہ وقت کے حساب سے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں یعنی یکم رمضان سحری بند دو بجکر بارہ منٹ ۲-۱۲ پر اور افطاری نو بجکر اکتیس منٹ ۹-۳۱ پر۔ اور آخری روزہ سحری بند دو بجکر دس منٹ ۲-۱۰ پر اور افطاری نو بجکر چوالیس منٹ ۹-۴۴ پر گویا کہ شفیلڈ میں بمقابلہ بریڈ فورڈ سورج تین ۳ منٹ پہلے غروب ہوتا ہے اور اسی طرح طلوع بھی تین منٹ پہلے ہوتا ہے۔ فرمایا جائے کہ جن لوگوں نے دوسرا نقشہ اوقات چھاپا ہے جس میں تقریباً ہمارے ٹائم سے آدھا گھنٹہ بعد میں سحری بند کرتے ہیں اور افطاری تقریباً پانچ منٹ پہلے کر لیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے روزے درست ہیں اور کیا یہ لوگ شریعت کے لحاظ سے مجرم ہیں۔ جن لوگوں نے یہ نقشہ اوقات چھاپا ہے ان میں کوئی عالم نہیں نہ ہی کسی عالم یا مفتی سے مشورہ لیا ہے بیّنوا توجروا

۵-۶-۸۴

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں سائلان کے حلفیہ بیان اور مذکورہ فی السوال اشتہاری اوقاتِ صوم و صلوٰۃ والا نقشہ اوقات

مطبوعہ بغور دیکھا۔ فریق ثانی مدعی علیہم کو بھی طلب کیا آبزروریٹری (محکمہ موسمیات) کی نظام الاوقات کی پرانی کتب بھی منگوائیں۔ ماہرینِ علوم نجوم و شمس کی کتب اہل اسلام اور فقہ کی کتب کا از سر نو مطالعہ کیا اور مشاہداتِ فلکیات و تجربات اوقاتِ موجودہ زمانیہ مکانیہ سے مُوازنہ کیا تو شریعت اسلامیہ کے قانون کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہوئی کہ شفیلڈ کا مرتبہ مسؤلہ نقشہ اوقات (ٹائم ٹیبل) بالکل غلط ہے اور مرتب کرنے والے افراد نے بالکل ہی شریعت کے خلاف یہ (ٹائم ٹیبل) چھاپ کر بہت سخت شرعی جرم کیا ہے اور آج تک جن لوگوں نے اس ٹائم ٹیبل (نقشہ اوقات) پر روزے رکھے اور افطار کئے ہیں وہ سخت گناہ گار ہیں ان میں سے کسی کا روزہ درست ادا نہیں ہوا بلکہ فاقہ بن گیا۔ اور سب کو بعد رمضان مبارک قضا کرنے پڑیں گے۔ نیز جن لوگوں نے روزہ رکھا تو صحیح وقت پر مگر افطار اس غلط اشتہار کے وقت پر کیا تو اس کو قضا کے ساتھ کفارہ بھی پڑے گا اور ہر روزے کے بدلے ایک روزہ قضا کا اور ساٹھ مسکینوں کا کفارہ کھانا دینا پڑے گا۔ اور یہ کفارہ شرعًا واجب ہے اور جن لوگوں نے اس غلط نقشہ اوقات پر سحری بند کی اسی پر افطار کیا وہ صرف ایک ایک روزہ قضا کریں گے ان پر کفارہ اس لیے نہیں ہوگا کہ ان کا روزہ شروع ہی نہیں ہوا وہ تو سحری کے بعد تک بوقت فجر بھی کھاتے رہے اب شام کو ان کی افطار بیکار ہوئی۔ لیکن جن لوگوں نے سحری تو صحیح وقت پر بند کر دی تھی ان کا روزہ شام تک صحیح رہا مگر چند منٹ پہلے افطار کرکے غروبِ آفتاب سے پہلے انھوں نے روزہ توڑ دیا۔ یہ شرعًا افطار نہیں بلکہ روزہ توڑنا ہوگیا اور بلاوجہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے سے کفارہ ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کا کھانا دینا واجب ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ٹائم ٹیبل اول سے آخر تک سب غلط ہے اور چھاپنے والے۔ چھپوانے والے مشورہ اور ترتیب دینے والے سب گناہ گار اور شرعی عدالت کے تعزیری مجرم ہیں۔ ان پر دوسرے لوگوں کے روزے غلط ہونے کا بھی گناہ اور وبال و عذاب وارد ہوگا۔ ان کو چاہئے کہ ابھی جلدی سچے دل سے سب کے سامنے علی الاعلان اشتہار چھاپ کر توبہ کریں اور توبہ کرنے میں سوچ بچار یا شرم جھجک نہ کریں آخرت کے عذاب سے ڈریں دنیا کی عزت و ذلت کی فکر نہ کریں قیامت اور قبر کی عزت بچائیں ذلت سے بچیں۔ کیونکہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسے ہی توبہ ہونی چاہئے جب گناہ اشتہار کی شکل میں تو توبہ بھی اشتہار کی شکل میں ہونا لازمی ہے چھپے گناہ کی چھپی توبہ اور ظاہر و مشہور گناہ کی ظاہر و مشہور توبہ واجب شرعی ہے اسی طرح حدیث پاک اور صوفیا علماء کے فرمودات میں مرقوم ہے نیز ابھی جو روزے باقی رہ گئے ہیں وہ درست ہو جائیں گے مذکورہ فی السوال اراکینِ جماعت کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ باوجود شریعت کے علم۔ قانون۔ اور اصول و ضوابط اور علم اوقات رفتارِ شمسی مکاناتِ زمین کی کیفیات سے بالکل ناواقف ہوتے کے اپنی من مرضی سے غیر ذمہ دارانہ حرکت کا ارتکاب کیوں کیا؟ قرآن مجید کا ارشاد

ہے فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ ترجمہ۔ (اے لوگو) اگر کسی بات کا علم نہیں رکھتے تو علم والوں سے پوچھلیا کرو۔ اپنے ذہنی تخیل سے تو صحیح مسئلہ بتانا بھی قابلِ سزا جرم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مرتبہ اپنی کنیز کو صرف اس لیے کوڑے کی سزا دی تھی کہ اس کنیز نے ایک شخص کو اپنی سوچ سے مسئلہ بتایا تھا اور اتفاقاً وہ مسئلہ صحیح بیان ہوگیا تھا (از سیرت امام اعظم)، بحمدہ تعالٰی اس وقت کچھ متبحر جید علماء اسلام برطانیہ میں موجود ہیں جنہوں نے اپنے تجربے، مشاہدے اور دن رات کی ذاتی محنتوں سے ماہ و سال کی تاریخ اور روزمرہ رفتارِ شمسی و کواکب سے ثابت کردیا ہے کہ سابقہ سال اور موجودہ سال قمری و شمسی کس تاریخ کو کتنے بجے بند سحور اور ابتداء افطار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آج سے پہلے کچھ احمق وہابی لوگوں نے یہ مشہور کردیا تھا کہ برطانیہ میں نہ عشا کا وقت شروع ہوتا ہے نہ طلوعِ فجرِ صادق ہوتا ہے مگر یہ سب باتیں قطعاً غلط ثابت ہوئیں اور ثابت کردیا گیا کہ پورے سال ہر ماہ ہر دن میں عشا بھی شروع ہوتی ہے اور فجرِ صادق بھی طلوع ہوتی ہے مگر ان مسائل کے حل کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ بستروں میں لیٹے لیٹے تو عالم فاضل اور مفتی و مفکر بننا بڑا آسان ہے بریڈفورڈ اور گردونواح کے موسمی تجربات میں میری رائے سے متفق ہوکر ہر مکتبہ فکر دانشوروں ذمہ دار خطیبوں نے ہمارے مشاہدات اور معلومات کے مطابق جو نقشہ اوقاتِ صوم و صلوٰۃ شائع کیا ہے وہ عین درست ہے اور شفیلڈ کے مسلمانوں کو علم توقیت کے مطابق صرف تین منٹ کی کمی جائز و ضروری تھی اس سے بڑھنا شرعی حدود میں تجاوز کرنے کی شکل ہے۔ اور ناواقف اور بے علم لوگوں کا اس طرح شرعی قواعد میں دخل اندازی کرنا ناقابلِ معافی جرم ہے کیونکہ اس جرم کے ارتکاب سے مسلمانوں کی عظیم عبادت کو۔ نقصان پہنچا اور مخلص اہلِ ایمان کی محنت مجروح ہوئی اور غیر مسلموں کی نگاہ میں مسلمانوں کی فرقہ پرستی ظاہر ہوئی۔ جہلا کی اس ذراسی نادانی حسد اور ضد بازی سے ساری عبادت ضائع ہوگئی۔ رمضان مبارک کے بابرکت دن رات میں نمازوں روزوں کا ضائع ہوجانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس نقصان کا ذمہ دار کون ہے ؛ قانونِ شریعت کے مطابق سحری اور صوم و صلوٰۃ کا تعلق سورج کے طلوع سے نہیں یا گھنٹوں منٹوں سے نہیں۔ بلکہ فجرِ صادق کے طلوع ہونے سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالٰی ہے۔ سورۃ بقرہ پ۲ آیت ۱۸۷۔ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ ترجمہ۔ اور سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے تمہارے لیے سفید لکیر فجرِ صادق کی رات کے اندھیرے دھاگے (لکیر) میں سے تمام مفسرین کرام فقہاء عظام و محدثین علام یہی فرماتے ہیں کہ خیطِ ابیض سے فجرِ صادق مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد دوم ص۶۵ اور تفسیر صاوی جلد اول ص۸۶ پر ہے۔ مِنَ الْفَجْرِ اَیِ الصَّادِقِ بَیَانٌ لِلْخَیْطِ الْاَبْیَضِ (الخ) ثُمَّ یَطْلُعُ الصَّادِقُ وَھُوَ الضِّیَاءُ الْمُنْتَشِرُ . . . . تفسیر معانی کی عبارت اس طرح ہے وَھُوَ اَوَّلُ مَا یَبْدُوْ وَ اِمِنَ

اَلْفَجْرِ الصَّادِقِ الْمُعْتَرِضِ فِي الْاُفُقِ قَبْلَ اِنْتِشَارِہٖ . . . ترجمہ۔ فجر سے مراد صبح صادق ہے یہ خیطِ ابیض کا بیان تفسیری ہے۔ یعنی سفید دھاگے کا مطلب ہے فجر کی لکیر جو مشرق کی طرف طلوع ہوتی ہے اور وہی لکیر روشنی بن کر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ تفسیر معانی کی عبارت کا ترجمہ اور وہ سفید لکیر پہلی وہ روشنی جو ظاہر ہوتی ہے فجر صادق کی صورت میں مشرقی کنارے میں چوڑائی کی سمت میں۔ اپنے پھیلنے سے پہلے۔ بخاری شریف۔ مسلم شریف ابو داؤد و ترمذی شریف ان تمام کتب مطہرات میں حضرتِ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہوئی حدیثِ مبارکہ میں بھی خود آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیطِ ابیض سے مراد فجر صادق فرمائی ہے ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ سحری بند کرنے کے لیے فجر صادق کا طلوع اور ظاہر ہونا ہی اختتام ہے۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم ص۲۸۷ پر ہے کہ فجر صادق کے ظاہر ہو جانے کے بعد اگر کسی نے ایک قطرہ پانی بھی لیا تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا فجر صادق سے ایک منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کرنا اشد لازم ہے ان آیت قرآنیہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ سحری کا تعلق سورج کے طلوع ہونے سے نہیں نہ اس کے اندازے سے سحری بند کرنے کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ سورج کے طلوع غروب کا حساب نماز کے لیے تو لگایا جا سکتا ہے مگر سحری کے لیے خود رب تعالیٰ نے مکمل ضابطہ ارشاد فرمایا اور بتا دیا کہ روزہ رکھنے سحری بند کرنے کے لیے تمام مسلمانوں اور خاص کر علماء امت کا اشد فرضِ منصبی ہے کہ اپنے اپنے علاقوں میں راتیں جاگ کر محنت اور مشقت سے فجرِ صادق کو تلاش کریں علماء علم توقیت کے ذاتی تجربوں و اندازوں و تخمینوں کا سہارا لینا اور خود آرام طلبی کرتے ہوئے اپنا بیہودہ و خلافِ حقیقت و شریعت نظریہ قائم کر لینا اور باطل نظریے کو شریعت کا قانون سمجھ کر نقشے چھاپ کر عوام کو گمراہ کرنا انتہائی خطرناک عادت ہے اور عذابِ آخرت کا باعث ہمارے بعض علماء کرام نے اپنے علم کے مطابق طلوع فجرِ صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ منٹ اور گھنٹوں میں بیان فرمایا ہے مگر وہ ان کے اپنے ملک اپنے علاقے کے لیے ہو سکتا ہے نہ کہ ساری دنیا کے لیے اسی لیے بہارِ شریعت یا علامہ شامی کے اقوال اگرچہ بلغاریہ برطانیہ کے لیے یا سویڈن کے لیے ہوں مگر یہاں قابلِ قبول نہیں ہو سکتے کیونکہ ان بزرگوں نے وہ فتاویٰ اپنے علاقوں میں بیٹھ کر لکھے سائل نے جو ان کو جھوٹا سچا یہاں کا نقشہ اور موسم سمجھایا ان بزرگوں نے سائل کے اسی بیان کردہ حالات و کیفیات کو سچ سمجھتے ہوئے فتویٰ لکھ دیا اور پھر وہی فتویٰ ان کی کتاب مجموعہ فتاویٰ و مسائل میں چھپ گیا اور آج تک چھپتا چلا آ رہا ہے اگر میں برطانیہ فرانس وغیرہ ممالک میں آ کر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا تو شاید میں بھی ایسا ہی غلط فتویٰ لکھ دیتا۔ لیکن چونکہ میں نے خود یہاں کے موسموں علاقوں۔ سردی، گرمی۔ طلوع و غروب اور شفق و سحر۔ فجرِ صادق و کاذب خیطِ ابیض اسود عشاء و فجر کو

اپنی نگاہوں سے دیکھا مشاہدہ کیا ہے۔ تاریخیں اور دن کا وقت گھڑی سے مطابق کیا ہے۔ سمندروں کے کنارے اونچے مقامات پر خود اور اپنے ساتھیوں سے معتیں کروائی ہیں اور فقہاء ملت کے ضابطے پہاڑی اور میدانی فاصلوں کے لیے سورج کی رفتار والی ڈگریاں اور دقیقے مدنظر رکھتے ہوئے جغرافیائی نظام اوقات مقرر کیا ہے لہٰذا میں ان بزرگوں کے ان علاقوں کے بارے میں فتاوٰی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اور ایسے اقوال اور اندازوں کا سہارا لینا ہر علاقے کے لیے جائز نہیں ہے اور خاص کر سحری بند کرنے روزہ رکھنے یا نماز فجر و عشا کے لیے ایسے مصنوعی اندازوں کو اختیار کرنا بڑی سخت نادانی ہے۔ جس کا نتیجہ دین و دنیا کا نقصان ہے۔ بلکہ جن علماء ملت نے اپنے اپنے علاقوں میں گھڑی کے منٹ گھنٹوں کا اندازہ مقرر کیا ہے وہ بھی صرف نمازوں کے لیے نہ کہ سحری و افطاری کے لیے روزوں کے لیے ہر عالم کو خود اپنے علاقے میں محنت کرنی پڑے گی یا محقق علماء کے تجربوں اور مشاہدات پر عمل کرنا پڑے گا۔ محنت بھی نہ کی جائے۔ اور علماء اسلام سے پوچھنے اور ان کی اطاعت کرنے میں شرم و انانیت کے خلاف سمجھا جائے یہ تو صاف حکم قرآنی کا مقابلہ ہے۔ کم از کم مشورہ لینے میں کیا شرم ہے خیال رہے کہ قرآن مجید ساری دنیا کے لیے ہے اور اس کے فرمودہ احکام و ضوابط کل روئے زمین کے لیے امر مسلم ہیں تاقیامت۔ قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے سحری بند کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ اور حکم فرمایا جو یقیناً ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہے مشرقی مغربی شمالی جنوبی کوئی بھی علاقہ کیوں نہ ہو اب کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ برطانیہ میں فجر صادق طلوع نہیں ہوتی یہ در پردہ قرآن مجید کا مقابلہ ہے جب یہ بھی امر مسلم ہے کہ یہ ایک ہی آخری کلام ساری کائنات کے لیے ہے اور اس میں روزے کی سحری طلوع فجر صادق کا فقط ایک ہی قانون ارشاد ہے تو اگر برطانیہ میں خیط ابیض ظاہر نہیں ہوتا تو پھر یہاں رات کے اختتام سحری کے بند فجر کی ابتداء کے لیے کون سا قانون بنایا جائے گا کہاں سے لایا جائے گا۔ کیا اللہ تعالٰی کو برطانیہ کے حالات کی خبر نہ تھی کہ یہاں کے لیے قانون ہی نہیں بنایا اور موسمی کیفیات علیحدہ پیدا فرمادیں۔ ایک ہی قانون فجر کیوں بنایا۔ ان آیت مبارکہ نے تو ثابت کر دیا کہ چودہ سو سال قبل نبی امّی مالک علم لدنی کے زبانی الفاظ جو بشکل کلام الٰہی نازل ہوئے انہوں نے جو بھی قانون و ضابطہ بتایا وہ ساری زمین پر حاوی و غالب ہے اس کو آج تک کوئی کسی طرح چیلنج نہیں کر سکا۔ اب جو ایسی وہابیانہ باتیں کرتا ہے وہ جاہل اور گستاخ قرآن ہے میں جب سے برطانیہ آیا ہوں اور میں نے مندرجہ بالا مشاہدات کئے ہیں تو وہابیوں کے تمام اقوال جھوٹے اور کاذب پائے بس اللہ تعالٰی ہی کا قانون سچا اور دائمی ہے۔ پچھلے رمضان مبارک میں بھی تجربات مشاہدات فلکیات کو عین مطابق شریعت پایا۔ کھلی فضا اور سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر فجر صادق کا مشاہدہ و نظارہ کیا بحمد اللہ تعالٰی جس

دن مطلع صاف ہوتا تھا تو باوجود آسمان کثیر زردی ہونے کے صبح صادق کی ہلکی لکیر خیطاً ابیض آسمان کی چوڑائی
میں نظر آتی رہی اور فضائی غبار کی زردی سرخی بھی رکاوٹ نہ بن سکی وہ لکیر قدرت کا علیحدہ ہی شاہکار
ہے۔ اسی حساب سے پورے سال کی برطانوی ڈائری گھڑی ٹائم سے مرتب کرلی گئی ہے اسی ترتیب دیئے
ہوئے دستی نظام الاوقات اور مشاہداتی جنتری سے ہم اپنے علاقوں میں سحری و افطاری کا نقشہ اوقات چھاپتے
ہیں۔ ہمارے مشاہدۂ فلکیہ کے حساب سے ماہ جون میں رات کے دو بجے سے دو بیس۔ دو پچیس تک
اختتام سحر و طلوع فجر ہوتا رہا۔ اور ہم نے مطبوعہ نقشہ اوقات میں پانچ منٹ قبل احتیاطاً سحری بند کروائی۔ کیونکہ
پہلے بند کروادینا کسی صورت مضر نہیں۔ اسی طرح ہم نے سنا تھا کہ بعض بیوقوف لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ برطانیہ میں
نماز عشا کا وقت شروع نہیں ہوتا یہ بھی قطعاً غلط ہے اور یہاں اگر مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہوا کہ
پورا سال برطانیہ کی ایک رات بھی ایسی نہیں جس میں عشا کا وقت نہ ہوتا ہو ہر موسم کی ہر رات میں ہمارے
فقہاء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے فرمودہ ضابطوں کے تحت عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اگرچہ
رات چھوٹی سی ہو اور آدھی رات کے بعد شفق غائب ہوتی ہو۔ مگر غائب ہوتی ضرور ہے اور شفق کا غائب
ہونا ہی وقت عشا ہے ہاں البتہ ان علاقوں میں مسلک صاحبین (امام اعظم کے شاگرد امام یوسف و امام محمد)
کے مطابق سرخی آسمانی کو شفق قرار دیا جائے گا نہ کہ سفیدی کو اگر کسی شخص کو دین میں محنت کرنے کا شوق
ہے تو آئے راتوں کو جاگ کر مشاہدہ کرسکتا ہے یہ تو تھی روزے کی ابتداء اور سحری بند کرنے کا وقت
اور اس میں جہالت کی غلطیاں۔ مگر مخالف فریق کے مطبوعہ اشتہار میں افطاری کا لکھا ہوا وقت بھی قطعاً غلط ہے
اور اس وقت روزہ افطار کرنا بالکل غلط اور روزے کو باطل کرنا توڑنا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری
تعالٰی ہے۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ ترجمہ پھر پورا کرو تم روزوں کو رات تک۔ قانون فقہ کے مطابق
شرعی رات اور قمری تاریخ سورج کے غروب ہوتے ہی شروع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے
یہاں رات سے غروب آفتاب ہی لیا ہے تفسیر صاوی مالکی جلد اول صفحہ ۸۰ پر ہے۔ اِلٰی اَنْ دُخُوْلِہٖ بِغُرُوْبِ
الشَّمْسِ ترجمہ۔ یعنی رات سے مراد ہے سورج ڈوبنا۔ ہمارے شفیلڈ کے دانشوروں نے اپنی نادانی سے
سمجھا کہ شاید بادلوں کے اندھیرے کا نام رات ہے۔ جو وقت ان کے اشتہار میں افطاری کے لیے
لکھا ہے یعنی پہلی تاریخ نو بجکر چھبیس منٹ اور آخری روزہ نو بجکر چالیس منٹ اس وقت تو ابھی سورج افق
مغرب پر آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اور اس وقت روزہ افطار کرنا گویا روزہ توڑنا ہے یہ روزے کی توہین ہے
اسی بے ادبی کی بنا پر شریعت نے کفارے کی سزا دی ہے۔ اللہ تعالٰی ہم سب مسلمانوں کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے
تاکہ کوئی روحانی ظلم کرکے مسلمانوں کی عبادات الٰہیہ خراب نہ کرسکے یہ بھی مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ایسے گروہ

پیدا ہو گئے جو عبادتوں کو برباد و ضائع کر کے عظیم ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور صرف عوام ہی نہیں سعودی حکومت پچھلے تقریباً پندرہ سال سے لاکھوں مسلمانوں کے روزے عیدین اور حج ضائع و خراب کر رہی ہے مگر کوئی اس کے اس ظلم روحانی کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا۔ تقریباً ہر سال ہی ایک دن یا دو دن پہلے حج کرا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح رمضان و عید الفطر بھی بغیر آنکھوں سے چاند دیکھے اپنی آرام طلب طبیعت کے بنا پر مشینوں کمپیوٹروں کا سہارا یا بہانہ بنا کر ظلم جسمانی کے خلاف تو سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں مگر سعودیہ کو اس ظلم روحانی سے روکنے والا کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سعودی حکومت بھی مسلمانوں پر ایک عذاب الیم ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس عذاب سے بچائے۔ آمین۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

سوال ۱۷۱

طلاق بالوکالت کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلے میں کہ ایک لڑکی نسرین کی شادی نکاح زید سے ہوا کچھ ماہ اچھی طرح خانہ آبادی رہی پھر آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا اور خاوند نے بیوی کو گھر سے نکال دیا اور برطانوی عدالت میں خاوند نے درخواست دی کہ قانونی طریقے سے ہمارا نکاح ختم کیا جائے کورٹ کچہری کے جج نے اس کی اس مذکورہ بیوی کو بھی اطلاع بھیجی کہ تم کیا چاہتی ہو کیا تم بھی علیحدہ ہونا چاہتی ہو یا نہیں۔ بیوی نے بھی لکھ کر بھیج دیا کہ ہاں جیسا خاوند چاہتا ہے ویسا ہی کر دو کورٹ نے ۸۷/۱۰/۲ کو اپنے فیصلے میں لکھ دیا کہ زید اور اس کی بیوی علیحدہ ہو جائیں کیونکہ دونوں میں طلاق ہو چکی ہے اب یہ خاوند بیوی ایک سال سے علیحدہ ہیں۔ فرمایا جائے کہ کیا طلاق ہو گئی اور کیا یہ مطلقہ بیوی اپنا نکاح کسی اور جگہ کر سکتی ہے یا نہیں بَیِّنُوْا توجروا۔

دستخط سائل ۸۷/۱۲/۳۱

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے صورت مسئولہ میں حتی المقدور میں نے تحقیق کی ہے تمام کاغذات کا بغور مطالعہ کیا۔ زید مذکور خاوند کی درخواست جو اس نے کورٹ آف پریسٹن برطانیہ میں دائر کی اس کو انگریزی میں یہ ایپلیکیشن آف ڈیوورس رجسٹرڈ کہتے ہیں جس کا شرعی عربی زبان میں ترجمہ ہے۔

طلاق بالوکالت کی تفویض۔ یہ طلاق شرعاً اس وقت واقع ہو جاتی ہے جب وہ شخصیت طلاق دیدے جس کو خاوند نے سپرداری طلاق کی ہو صورتِ مسئولہ میں زید کی طرف سے اس کی بیوی مسمات نسرین کو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے۔ گویا کہ خاوند مذکور نے اپنی بیوی مذکورہ کو ایک طلاقِ بائنہ بالوکالت دی ہے اور کچہری کے جج کو اپنی طلاق کا وکیل بنایا ہے اور چونکہ شریعتِ اسلامیہ کے قانون سے اس وکیل کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس کے سپرد خاوند طلاق کر دے خواہ تحریراً یا زبانی۔ اس سوال میں خاوند زید مذکور مؤکل ہے اور کورٹ کا جج وکیل ہے جب کورٹ کے جج نے تحریری طلاق (ڈیوورس) لکھ دی تو شرعاً بھی درست ہو گئی اسی طرح تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضیخان جلد اول صـ۵۲۲ پر ہے۔ اِنَّمَا یَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا اَرَادَ الزَّوْجُ تَفْوِیْضَ الطَّلَاقِ اِلَیْہِ ۔ ترجمہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی طلاق کسی شخص کے سپرد کر دے یعنی اس کو وکیل طلاق بنا کر کہہ دے کہ تو میری فلاں بیوی کو طلاق دیدے اور ہم دونوں کو علیحدہ کر دے اس کے بعد وہ وکیل کسی بھی دن اس کی اسی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور پھر وکیل بنانے میں یہ شرط نہیں کہ وہ وکیل مذہباً مسلمان ہی ہو یا ہم مسلک اور ہم دین ہی ہو۔ بلکہ غیر مسلم۔ اور کافر وکیل بھی اگر طلاق دے گا تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صـ۲۹۳ پر ہے۔ وَلَوْ جَعَلَ اَمْرَ اِمْرَاَتِہٖ بِیَدِ صَبِیٍّ اَوْ مَجْنُوْنٍ اَوْ عَبْدٍ اَوْ کَافِرٍ فَھُوَ فِیْ یَدِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْمَ مِنْ ذٰلِکَ الْمَجْلِسِ کَمَا لَوْ فَوَّضَ ذٰلِکَ اِلَی الْمَرْاَۃِ . . . . . . ترجمہ۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی طلاق کسی سمجھدار بچے یا وقتی عارضی مجنون یا غلام یا کافر کے سپرد کر دے یعنی ان میں سے کسی کو طلاق کا وکیل بنا دے تو یہ وکالت درست ہے اور جب تک وہ مجلس قائم ہے وہ طلاق ان وکیلوں کے سپرد رہے گی۔ جیسا کہ خود اپنی بیوی کو اس کی طلاق سپرد کرنا درست ہے اور دینے سے واقع ہو جاتی ہے۔ قانونِ شریعت کے مطابق وکالتِ طلاق تین قسم کی ہے ۱) وکالتِ مُوَقَّتْ ۲) وکالتِ مقیدہ ۳) وکالت مطلقہ مُوَقّتْ وہ ہے جو اسی مجلس و محفل تک سپرد رہے مقیدہ وہ ہے جس میں کسی قید یا اگر مگر کا ذکر ہو۔ اور مطلقہ وہ ہے جس میں ہر وقت یا عام وقت میں طلاق سپرد کی ہو کہ جب چاہے طلاق دیدے کسی دن تاریخ وقت یا شرط کی قید نہ ہو یہ طلاق کسی مجلس کی پابند نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ جلد اول صـ۲۹۸ پر ہے۔ فَاِنْ ھُوَ تَوْکِیْلٌ مُطْلَقٌ حَتّٰی لَا یَبْطُلَ بِالْقِیَامِ عَنِ الْمَجْلِسِ ترجمہ۔ جس وکیل کو طلاق کا مطلقاً وکیل بنایا جاتا ہے اس کی وکالت مجلس کے برخاست ہونے یا اس تاریخ کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ وکیل اگر کچھ دیر یا کچھ دنوں کے بعد بھی اس مؤکل کی اسی بیوی کو طلاق دیدے تب بھی طلاق پڑ جائے گی۔ شاید کوئی یہ گمان کرے کہ حکومتِ برطانیہ نے یہ قانون خود بنایا ہے کہ کوئی خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا بلکہ عدالت اور کورٹ کچہری کے ذریعے ہی دے اور یہ جبر ہے۔

اور جبری وکالت درست نہیں تو شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ گمان بھی غلط ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر جبری وکالت بھی جاری ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضیخان جلد اول صفحہ ۵۲۴ پر ہے۔ رَجُلٌ اَكْرَهَهُ السُّلْطَانُ لِيُوَكِّلَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ مُخَافَةَ الضَّرْبِ وَالْحَبْسِ اَنْتَ وَكِيْلِيْ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ فَطَلَّقَ الْوَكِيْلُ اِمْرَأَتَهُ (الخ) يَقَعُ الطَّلَاقُ ۔ ۔ ۔ ترجمہ کسی بادشاہ نے کسی خاوند کو مجبور کرتے ہوئے دھمکی کے طریقے پر کہا کہ مجھ کو تو اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنادے تو خاوند نے مار اور قید کی سزا کے خوف سے کہہ دیا کہ تو میرا وکیل ہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا پھر اس بادشاہ نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو شرعاً طلاق واقع ہوجائے گی صورۃ مسؤلہ مذکورہ میں اس خاوند نے خود برضا ورغبت اپنی درخواست کے ذریعے اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل کورٹ کے جج کو بنایا تھا اور وکالت بھی مطلق تھی اور اسی وکالت کی رو سے اس جج نے طلاق کا فیصلہ لکھ کر جاری کردیا لہذا یہ طلاق شرعاً بھی واقع ہوگئی۔ اس لیے یہ فتویٰ جاری کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور اس کی عدت بھی اس گزشتہ مدت میں گزر گئی۔ اب وہ جہاں چاہے اپنا نکاح شرعی کرسکتی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ۔

کتبہ

سوال ۱۸ — اپنی بیوی کے بارے میں کنایۃ میری بیوی نہیں اسکا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں ۔ ایک شخص مسمیٰ جعفر نے ایک گھر سے اپنے نکاح کے لیے یہ کہہ کر رشتہ مانگا کہ میں کنوارہ ہوں مجھے اپنی فلاں بیٹی کا رشتہ دیدو۔ والدین نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اسی بیٹی کا نکاح وشادی رخصتی اس کے ساتھ کردی کچھ عرصے بعد اس کی بیوی اور بیوی کے والدین کو پتہ لگا کہ یہ تو اپنے ملک ہندوستان میں پہلے سے شادی شدہ ہے اور اس کے چند بچے بھی ہیں۔ یہ دھوکہ دیکر صرف اس لیے شادی کا خواہش مند تھا کہ اسی طریقے سے اس ملک میں اس کو ویزہ اور پختہ نیشنلٹی سکونت وشہریت وطنیت مل جائے۔ جب والدین کو پتہ لگا کہ ہم سے اور ہماری بیٹی سے دھوکہ ہوا ہے تو انہوں نے اس جعفر سے باز پرس اور لڑائی کی یہاں تک کہ خوب فساد ہوا بلکہ مارکٹائی تک نوبت آئی مسمیٰ جعفر نے سخت پریشانی اور گھبراہٹ میں یا غصے میں آکر قرآن پاک اٹھایا اور قسم کھاکر کہا کہ نہ میری شادی وہاں ہے اور نہ ہی میری شادی یہاں تمہاری اس لڑکی مسمات ہندہ سے ہے۔ اور یہ کہا کہ نہ وہ میری بیوی ہے اور نہ یہ ہندہ میری بیوی ہے۔ اس بات کے بہت سے گواہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہیں۔ یہ بات کہ کر وہ اپنا جو تھوڑا بہت سامان تھا

لیکر چلا گیا۔ اور تقریباً ایک سال ہوگیا ہے نہ کوئی ملاقات نہ خرچہ نہ حقوق زوجیت کچھ بھی اس شخص نے ادا نہ کیا ہمارے علاوہ لڑکی اور والدین بھی سخت پریشان ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری یہ پریشانی دور ہو اور ہماری بچی اس نکاح سے آزاد ہو۔ لہٰذا ہمیں شرعی فتوی دیا جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

دستخط سائل حمید اللہ برمنگھم ۱۰/۷/۸۷

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

صورت مسئولہ میں قانونِ شریعت کے حکم سے اس مسئلے کی حتی المقدور تفتیش کی گئی ہے تقریباً ڈھائی ماہ تک ان حالات اور بیانات کی حقانیت وسچائی پر ارد گرد سے گواہیاں لی گئی ہیں خاوند مذکور مسمّٰی جعفر سے رابطہ پیدا کرنے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ لاپتہ ہونے کی وجہ سے رابطہ نہ کر سکا۔ اس لیے یہ فتوی بہت انتظار غور وفکر چھان بین کے بعد جاری کیا جارہا ہے شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق خاوند مذکور کی جانب سے اس کی بیوی مسمات ہندہ کو ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور یہ طلاق کنایہ ہے۔ اور تقریباً ایک سال پیشتر طلاق کا شرعی وقوع ہوچکا ہے۔ اور چونکہ بیوی کے حلفیہ بیان سے وہ اس مدت میں ہر ماہ باقاعدگی سے حائضہ بھی ہوتی رہی ہے اس لیے اس کی عدت بھی گزر چکی ہے۔ اب ہندہ مذکورہ سابقہ نکاح سے آزاد اور اپنے خاوند جعفر کی زوجیت سے بالکل علیحدہ ہے۔ نہ یہ جعفر اس کا خاوند رہا نہ ہندہ شرعاً اس کی بیوی رہی اب اس شرعی اسلامی فتوے کے حکم قانونی سے ہندہ مذکورہ آج ہی اپنا نکاح جہاں چاہے کر سکتی ہے۔ یہ اسلامی شرعی فتوی مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر جاری کیا گیا ہے۔ دلیل نمبر۱۔ بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے میں نے بذاتِ خود کئی مرتبہ مدعیاں گواہان کو اپنے پاس بلایا ہر طرح تسلی تشفی سے حلفیہ باوضو قرآن مجید کو ہاتھ لگوا کر بیان قولاً وتحریراً لیا اور نکاح وغیرہ کے کاغذات غور وفکر سے پڑھے۔ مختلف مقامات پر اپنے مقرر کردہ گواہوں کو بھیجا اور بیانات کی سچائی معلوم کی اس تفتیش کی تمام کلیات وجزئیات سے میں اپنے دل کو مطمئن پاتا ہوں اور کلمہ وقرآن مجید کی اس حلف کا مجھ کو یقین کرنا پڑتا ہے فقط اسی یکطرفہ یقین دہانی پر یہ فتوی مبنی ہے۔ دلیل نمبر۲۔ جس طرح صریحی طلاق کا ثبوت قرآن مجید حدیث پاک فقہ اسلامی وغیرہ کے ارشاداتِ مقدسہ وقوانین الٰہیہ سے ثابت ہے اسی طرح طلاقِ کنایہ بھی قرآن مجید کی اشارۃ النص اور حدیث پاک کی اقتضاء النص فقہ اسلامی کی دلالۃ النص اور اجماعِ امت کی عبارۃ النص سے بالوضاحت ثابت ہے اور جو خاوند جب کبھی بھی اپنی بیوی کو کنایہ الفاظ سے طلاق دیدے تو وہ واقع ہوجاتی ہے اور بالکل صریحی طلاق کی طرح رجعی یا بائنہ وغیرہ واقع ہوتی ہے۔ دلیل نمبر۳۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالٰی جل مجدہ کا یہ ارشاد پاک۔ سورۃ احزاب آیت نمبر۲۸

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ اور اسی سورۃ احزاب کی آیت ۴۹ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ان ارشادات الٰہیہ میں لفظ سَرِّحُوْا اور سراحًا یہ الفاظ کنایہ ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۷۹۲ پر ہے اِذَا قَالَ فَارَقْتُكِ اَوْ سَرَّحْتُكِ اَوِ الْخَلِيَّةُ اَوِ الْبَرِيَّةُ اَوْ مَا عُنِيَ بِهِ الطَّلَاقُ فَهُوَ عَلٰى نِيَّتِهٖ وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ . . . ترجمہ جب کسی خاوند نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑا تجھ کو جدا کیا تو یہ الفاظ کنایہ ہیں جو بھی نیت کرے گا وہی واقع ہوگا اگر طلاق کی نیت ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی۔ اسی طرح سورۃ طلاق ۶۵ کی آیت ۲ میں فرمایا گیا اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ لفظ بھی طلاق کنایہ کا ہے۔ ان آیت کے نزول پر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج پاک سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں تسریح و تفریق کر دوں۔ ان دونوں لفظوں سے آپ نے طلاق کی نیت فرمائی جس پر تمام ازواج نے آپ کی نیت سمجھ کر عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ ثابت ہوا کہ طلاقِ کنایہ کی حیثیت بھی شریعت مطہرہ میں طلاقِ صریح جیسی ہے۔ دلیل ۲ ۔ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہوا کہ خاوند اگر بیوی کو طلاق کنایہ دے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف جلد اول صفحہ ۱۴۶ پر ہے عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذْتِ بِعَظِيْمٍ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ ۔ ترجمہ۔ روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ بیشک عمرہ بنت جون جب کہ بیاہ کر آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گاہ میں اور آپ اس کے قریب تشریف لائے تو وہ کہنے لگی میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے عظمت والے رب ذوالجلال کی پناہ پکڑی ہے اَلْحِقِيْ بِاَهْلِكِ جا اپنے اہل سے مل جا یعنی اپنے والدین کے گھر چلی جا۔ ان الفاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیوی کو طلاق دی ان الفاظ کو طلاق شمار کیا گیا۔ چنانچہ اسی ابن ماجہ کے صفحہ ۱۵۵ پر اسی واقع کا ذکر اس طرح ہے عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الْجَوْنِ تَعَوَّذَتْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُدْخِلَتْ فَقَالَ لَقَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ فَطَلَّقَهَا . . . ترجمہ۔ بنت جون کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی تھی۔ ثابت ہوا کہ اَلْحِقِيْ وغیرہ الفاظ طلاق کے لفظ بن سکتے ہیں اور شریعت میں یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے شمار کئے جاتے ہیں یہ الفاظ صریحی طلاق کے نہیں ہیں۔ اسی لیے یہی الفاظ طلاق کے علاوہ بھی استعمال ہو سکتے ہیں احادیث پاک میں اس کا ثبوت موجود ہے چنانچہ نسائی شریف جلد دوم۔ باب اَلْحِقِيْ بِاَهْلِكِ وَلَا يُرِيْدُ الطَّلَاقَ — صفحہ ۱۰۲ پر ہے۔ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَعْتَزِلَ امْرَاَتَكَ فَقُلْتُ اُطَلِّقُهَا اَمْ مَاذَا قَالَ لَا اعْتَزِلْهَا فَلَا تَقْرَبْهَا فَقُلْتُ لِامْرَاَتِيْ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ (الخ) ترجمہ۔ یہ باب ... اسبات کا ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ جا اپنے اہل سے مل جا اور

اور طلاق مراد نہ لے کعب بن مالک کی توبہ کے وقت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو اللہ کے رسول حکم دیتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی سزا میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کو طلاق دیدوں یا کیا ارشاد ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ صرف علیحدگی اختیار کر۔ تو فوراً میں نے اپنی بیوی کو کہا اَلْحِقِیْ بِاَھْلِكِ جا اپنے والدین سے ملحق ہو جا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد ان کی یہ بیوی پھر ان کے پاس آگئی اس سے ثابت ہوا کہ الفاظِ کنایہ میں اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق نہ پڑے گی اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ ان دونوں حدیثوں مبارکہ سے دونوں باتوں کا اور حکمِ شریعت کا ثبوت مل گیا بالکل اسی طرح کا حکم و بیان ابوداؤد شریف جلد اوّل صفحہ ۳۰۰ پر ہے۔ دلیل نمبر ۵۔ تمام فقہا کرام کا اس بات پر اتفاق اور اس مسئلے پر اجماع امت ہے کہ الفاظِ کنایہ طلاق کے لیے بولنے سے طلاق کنایہ درست واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خاوند کی نیت ان الفاظ کے بولنے کے وقت طلاق دینے کی ہو اور خاوند اپنے صدقِ دل۔ امانت۔ دیانت۔ ایمانداری سچائی سے اپنے ان لمحات کی قلبی نیت کیفیت کا ذکر کھلے دل سے کر دے کہ اس وقت میری نیت ان لفظوں سے طلاق دینے کی ہی تھی نہ جھوٹا اقرار کرے نہ جھوٹا انکار۔ اس طرح جو نیت خاوند بتائے گا وہی اسی طرح حکم شریعت لگ جائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ جس وقت خاوند نے یہ الفاظ کنایہ منہ سے نکالے یا لکھے یا ادا کیے اس وقت کے حالات بتا رہے ہوں کہ طلاق ہی دے رہا ہے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے چنانچہ ہدایہ جلد دوم صفحہ ۳۴۵ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل صفحہ ۳۷۴ پر ہے۔ اَلْفَصْلُ الْخَامِسُ فِی الْکِنَایَاتِ لَا یَقَعُ اِلَّا بِالنِّیَّةِ اَوْ بِدَلَالَةِ الْحَالِ۔ ترجمہ۔ الفاظِ کنایہ سے طلاق تب واقع ہوتی ہے کہ یا تو خاوند کی نیت ہو۔ یا تب طلاق ہوتی ہے۔ جب کہ حالات ثابت کریں کہ یہ طلاق ہی دے رہا ہے۔ دلیل نمبر ۶۔ جب خاوند موجود نہ ہو یا بعد میں جھوٹا انکار کر دے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی تو قانونِ شریعت میں اس وقت کے حالات اور خاوند کی کیفیات کے مطابق فتویٰ اور حکم جاری کیا جاتا ہے کیونکہ حالات کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے چنانچہ علم اصولِ فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار صفحہ ۱۴۷ پر ہے۔ وَحُکْمُھُمَا اَنْ لَا یَجِبَ الْعَمَلُ بِھِمَا اِلَّا بِالنِّیَّةِ اَیْ بِنِیَّةِ الْمُتَکَلِّمِ لِکَوْنِھِمَا مُسْتَتِرَةَ الْمُرَادِ فَلَا یُطَلِّقُ فِیْ اَنْتِ بَائِنٌ مَالَمْ یَنْوِ نِیَّتَهٗ اَوْ لَمْ یَکُنْ شَیْءٌ قَائِمٌ مَقَامَھَا کَدَلَالَةِ الْغَضَبِ وَمُذَاکَرَةِ الطَّلَاقِ .... اسی کے حاشیہ قمر الاقمار صفحہ ۱۴۷ پر ۲۳ میں ہے۔ بِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النِّیَّةِ فِی الْمَتْنِ اَعَمُّ مِنَ النِّیَّةِ وَیَقُوْمُ مَقَامَھَا مِنْ دَلَالَةِ الْحَالِ اَوْ قَرِیْنَةٍ اُخْرٰی۔ ..

.. ترجمہ الفاظِ کنایہ کا حکم یہ ہے کہ متکلم کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے کہ ان لفظوں کے چند معنیٰ ہونے کی وجہ سے بولنے والے کی مراد پوشیدہ رہتی ہے لہٰذا اَنْتِ بَائِنٌ کہنے میں بھی جب تک کہ نیت

نہ کرے یا حالات نہ بتائیں اس وقت تک طلاق نہ پڑے گی۔ حالات کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے۔ حالات کی بہت صورتیں ہیں ۱۔ غضب ۲۔ لڑائی جھگڑا ۳۔ طلاق کا تذکرہ ۴۔ یا کوئی دوسرا قرینہ۔ چنانچہ بحرالرائق جلد سوم ص۳۰۲ پر ہے وَلَا یَخْفٰی اَنَّ دَلَالَۃَ الْحَالِ تَقُوْمُ مَقَامَھَا۔ ترجمہ۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ کہ الفاظِ کنایہ میں حالات کی دلالت نیت کے ہی درجہ میں ہے اس لیے کہ خاوند تو اپنی نیت بتانے میں کبھی جھوٹ بھی بول سکتا ہے مگر حالات کو دیکھتے ہوئے غلط بیانی ثابت نہیں ہو سکتی ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق کنایہ الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بعض جہلانے اس کا انکار کیا ہے یہ ان کی جہالت ہے۔ دلیل ۷۔ الفاظِ کنایہ زمانے۔ علاقے۔ رسم و رواج۔ زبان۔ تلفظ۔ لغت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔ صورتِ مذکورہ میں جن لفظوں کی بنا پر طلاق ثابت ہو رہی ہے وہ خاوند مذکور کے یہ مذکورہ مندرجہ ذیل لفظی عبارتیں ہیں ۱۔ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے ۲۔ اور نہ ہندہ میری بیوی ہے۔ قانونِ اسلامیہ کی تمام کتابوں میں یہ سب الفاظ طلاقِ کنایہ میں شمار کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ کنزالدقائق ص۱۲۳ پر ہے وَتُطَلَّقُ بِلَسْتِ لِیْ بِاِمْرَأَۃٍ اَوْلَسْتُ لَکِ بِزَوْجٍ اِنْ نَوٰی بِذٰلِکَ طَلَاقًا۔۔ ترجمہ۔ اور بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے خاوند کے اس کہنے سے کہ تو میری بیوی نہیں ہے۔ یا میں تیرا خاوند نہیں ہوں جب کہ خاوند نے اس کہنے سے طلاق کی نیت کی ہو۔ دلیل ۸۔ خاوند مذکور نے قرآن مجید پر ہاتھ لگا کر ہندوستانی شادی کا انکار کیا۔ یہ قسم ہوئی اس سے طلاق نہ پڑی۔ لیکن ساتھ ہی غصے میں جھنجھلا کر کہتا ہے کہ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے۔ یہ قول قسم نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی قسم نہ مانگ رہا تھا۔ خاوند بھی جانتا ہے کہ ہندہ کی شادی نکاح ہونے کو یہاں موجود سب لوگ جانتے ہیں اس کی خبر دینے کی حاجت نہ تھی یہ قول خبر بھی نہیں بن سکتا لہٰذا لامحالہ انشاء اور انعقاد بنے گا یہ الفاظ خاوند کی اپنی رضا و رغبت سے ادا ہوئے اس لیے یہ طلاقِ کنایہ بن گئے اب خاوند اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی مگر اس عبارت کے حالات یہ بتا رہے ہیں کہ بجز طلاق یہ جملہ اور کچھ نہیں بن سکتا۔ جملے کی دو ہی قسمیں ہوتی ہیں یا خبریہ یا انشائیہ۔ خبریہ تو بن ہی نہیں سکتا نہ اس کا موقعہ نہ محل پس یہ انشائیہ ہوا اور انشائیہ سے انعقاد اور انعقاد سے طلاق پڑی۔ فتاویٰ بحرالرائق جلد سوم ص۳۰۵ پر ہے وَھٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لِاَنَّھَا تَصْلُحُ لِاِنْشَاءِ الطَّلَاقِ کَمَا تَصْلُحُ لِاِنْکَارِہٖ فَیَتَعَیَّنُ الْاَوَّلُ بِالنِّیَّۃِ وَقَالَا لَا تُطَلَّقُ وَاِنْ نَوٰی لِکِذْبِہٖ۔ وَدَخَلَ فِیْ کَلَامِہٖ مَا اَنْتِ لِیْ بِاِمْرَأَۃٍ وَمَا اَنَا لَکِ بِزَوْجٍ وَلَا نِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ۔ (الخ) وَلَوْ قَالَ لَا نِکَاحَ بَیْنَنَا یَقَعُ الطَّلَاقُ۔ (الخ) ترجمہ۔ یہ مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے اس لیے کہ خاوند کے یہ الفاظ کہنا بیوی سے کہ تو میری بیوی نہیں وغیرہ وغیرہ یہ قول طلاق بن جاتا ہے اور اس سے

خاوند کا انکار بھی بن سکتا ہے لہٰذا جو نیت ہو گی وہی حکم جاری ہو جائے گا اگر پہلی چیز یعنی طلاق کی نیت خاوند کرے گا تو طلاق پڑ جائے گی۔ صاحبین نے فرمایا کہ طلاق نہ پڑے گی اگرچہ نیت کرے کیونکہ یہ جھوٹ بنتا ہے لیکن امام اعظم کے نزدیک یہ الفاظ اور اس قسم کے تمام اقوال طلاقِ کنایہ میں داخل ہیں۔ مثلاً کوئی خاوند کہے کہ تو میرے لیے بیوی نہیں رہی یا کہے کہ میں تیرے لیے خاوند نہیں رہا۔ یا کہے کہ میرے اور تیرے درمیان شادی نہیں ہوئی یا نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں امام اعظم کے نزدیک طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا کہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے تو متفقاً طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان سب دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں جعفر کی طرف سے اس کی بیوی ہندہ کو طلاق ہو گئی کیونکہ ہماری اصطلاح میں نکاح کو شادی بیاہ ہی کہا جاتا ہے لہٰذا خاوند مذکور کا یہ کہنا کہ میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ نہیں ہوئی نکاح ہی کا ذکر ہے اس لیے کہ شادی سے نکاح ہی مراد لیا جاتا ہے صاحبین یعنی امام یوسف اور امام محمد کا قول درست نہیں وہ ان الفاظ کو کنایہ نہیں مانتے۔ بلکہ جھوٹ بولنا کہتے ہیں ان کا یہ مسلک اور نظریہ تین وجہ سے غلط ہے۔ اولاً اس لیے کہ جھوٹ اور کذب جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ اجنبی اور ناواقف کے سامنے بولا جاتا ہے اور خبر ان کو دی جاتی ہے جو جانتے نہ ہوں لیکن اس بیوی کے بیوی ہونے کا انکار اور اس کے نکاح کی نفی جس کو سب جانتے ہیں بلکہ جنہوں نے نکاح خود کیا کرایا پڑھایا ہے بیوی خاوند اور ان کی اولاد تعلقات کو زمانے سے جانتے پہچانتے ہیں ان کے سامنے خاوند کا اپنی بیوی کے متعلق کہنا کہ یہ میری بیوی نہیں ہے۔ یہ جملہ خبریہ کس طرح بن سکتا ہے ذرہ بھر غور و فکر سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ خاوند بھی اپنے کلام کی نوعیت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ میں ان لوگوں کو جھوٹی یا سچی خبر نہیں سنا رہا۔ یہ حالات خود بخود دلالت کر رہے ہیں کہ خاوند کا یہ طرزِ تکلم خبر نہیں ہے انشا ہے اور انشا سے طلاق ہی بنتی ہے۔ ثانیاً صاحبین کا قول اس لیے غلط ہے کہ کلام تین قسم کا ہوتا ہے ۱۔ کلام کذب ۲۔ کلام اقرار ۳۔ کلام انشا۔ خاوند کا اپنی زوجہ معروفہ کے متعلق جاننے والوں کے سامنے یہ کہنا کہ یہ میری بیوی نہیں یا اس کے ساتھ میری شادی نہیں ہوئی یہ کذب نہیں ہو سکتا نہ اس کذب کی ضرورت نہ فائدہ۔ یا یہ اقرار ہو گا اور جملہ خبریہ بن جائے گا اور اس کلام کا معنیٰ یہ ہو گا کہ اب یہ میری بیوی نہیں ہے میں اس کو پہلے کبھی طلاق دے چکا ہوں اور یا یہ قولِ **انشا** بنے گا یعنی اب طلاق ہے۔ دونوں صورتوں میں بہرحال طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ثالثاً۔ صاحبین کا مسلک اس لیے غلط ہے کہ خاوند کا یہ قول جھوٹ تب ہو گا جب اس کو جملہ خبریہ مانا جائے حالانکہ خود صاحبین بہت سے خبریہ جملوں کو خبریہ نہیں مانتے بلکہ انشا اور انعقاد کا حکم لگاتے ہیں۔ مثلاً کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو بائن ہے یہ بھی جملہ خبریہ ہے مگر صاحبین کے نزدیک بھی طلاق کنایہ اس سے پڑ جاتی ہے یا مثلاً کسی شخص کے پاس اس کی

اپنی عمر سے بڑا غلام یا نوکر ہے اور چھوٹی عمر کا مالک اس سے کہتا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے تو صاحبین کے نزدیک غلام کی آزادی واقع ہو جائے گی حالانکہ یہ جملہ ظاہراً سراسر جھوٹ ہے اسی طرح یہاں بھی اگرچہ ایک پہلو ایک معنیٰ جھوٹ کا نکلتا ہے مگر دوسرا معنیٰ طلاق کا بھی نکلتا ہے بلکہ حالاتِ مندرجہ بالا طلاق ماننے پر زیادہ قوی ہیں۔ اسی لیے امام اعظم کا مسلک بہت مضبوط و درست ہے صاحبین کا نظریہ غیر فکری ہے کیا شان ہے فرمودات امام اعظم کی کہ فقہ فقاہت کی بلندیوں پر اگر چڑھتے چلے جاؤ تو تدبر کی چوٹی پر امام اعظم کا ہی سورج چمکتا نظر آتا ہے جب کہ باقی تمام ائمہ مجتہدین کے چراغ ماند ہیں۔ دلیل نمبر ۹۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول صفحہ ۳۷۵ پر ہے وَلَوْ قَالَ لَهَا لَا نِكَاحَ بَيْنِي وَبَيْنَكِ اَوْ قَالَ لَمْ يَبْقَ بَيْنِي وَبَيْنَكِ نِكَاحٌ يَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا نَوٰى . . . .

ترجمہ۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو کہا کہ نہیں ہے میرے اور تیرے درمیان شادی نکاح یا کہا نہیں باقی رہا نکاح میرے تیرے درمیان تو طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ خاوند اس کی نیت کرے۔ صورت مذکورہ میں حالات بتا رہے ہیں کہ خاوند نے طلاق کی ہی نیت کی تھی ورنہ وہ مذکور خاوند ان لوگوں کے سامنے یہ الفاظ بحالتِ غضب و جھنجلاہٹ نہ بولتا جو شرعاً صرف طلاق کی انشا کے ہی بن سکتے ہیں۔ دلیل نمبر ۱۰۔ فتاوٰی فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۹۲ پر ہے وَاخْتُلِفَ فِي لَسْتِ بِامْرَأَتِي وَمَا اَنَا بِزَوْجٍ وَنَوَى الطَّلَاقَ يَقَعُ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا، لِاَنَّ نَفْيَ النِّكَاحِ لَيْسَ طَلَاقًا بَلْ كِذْبٌ۔ (الخ) وَلَهٗ اَنَّهَا تَحْتَمِلُهٗ اَيْ لَسْتِ لِيْ بِامْرَأَةٍ لِاَنِّيْ طَلَّقْتُكِ فَيَصِحُّ كَمَا فِيْ لَا نِكَاحَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكِ . . . .

ترجمہ۔ خاوند کے اس قول میں امام اعظم اور ان کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کا اختلاف ہے کہ خاوند کہے اپنی بیوی سے تو میری بیوی نہیں اور نیت کرے طلاق دینے کی۔ امام اعظم کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر صاحبین نے فرمایا کہ نہیں واقع ہو گی اس لیے کہ یہ طلاق نہیں بلکہ جھوٹی خبر ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق بننے کا احتمال رکھتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ تو میری بیوی نہیں بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے اپنی بیوی کو کہ میں نے تجھ کو طلاق دی پس یہ نفی صحیح طلاق بن جائے گی اور اس طلاق کا درجہ اسی طرح ہو گا جس طرح کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میرے تیرے درمیان نکاح نہیں ہے۔ دلیل نمبر ۱۱۔ امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ خاوند یہ کہے اپنی بیوی سے کہ تو میری بیوی نہیں ہے۔ لیکن جب خاوند یہ کہتا ہے کہ میرے تیرے درمیان نکاح نہیں ہے (شادی نہیں ہے) تو صاحبین کے نزدیک بھی طلاقِ کنایہ درست پڑ جاتی ہے۔ مذکورہ سوال میں خاوند کا پہلا قول یہی ہے کہ میری شادی یعنی نکاح ہندہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا متفقہ طور پر بھی اس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کو طلاق ہو گئی۔ دلیل نمبر ۱۲۔ خاوند اگر غائب کے صیغے سے کہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے یا بیوی کا نام لے کر کہے کہ فلاں عورت میری بیوی نہیں ہے تب بھی طلاقِ کنایہ

واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ کنز الدقائق جلد اول ص۱۲۲ پر ہے بحوالہ عینی شرح بخاری اور فتح القدیر اَلَاتَرٰی اَنَّہٗ یَجُوْزُ اَنْ یَّقُوْلَ لَیْسَتْ لِیْ بِاِمْرَأَۃٍ اِنِّیْ مَا تَزَوَّجْتُھَا فَاِذَا نَوٰی بِہِ الطَّلَاقَ فَقَدْ نَوٰی مُحْتَمَلَ لَفْظِہٖ فَیَصِحُّ کَمَا لَوْ قَالَ لَا نِکَاحَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکِ ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سب مجتہدین اس بات کو درست مانتے ہیں کہ خاوند یہ کہے اپنی بیوی کے بارے میں کہ وہ میری بیوی نہیں ہے اس لیے کہ میں نے اس سے شادی نہیں کی۔ پس جب ان لفظوں سے خاوند نے طلاق کی نیت کی تو بیشک وہی واقع ہوگا اس نے نیت کی لفظ کے احتمال رکھنے کی وجہ سے لہٰذا طلاق صحیح ہے۔ جیسے کہ اس کہنے میں بھی اختلاف نہیں کہ اگر خاوند کہے اپنی بیوی سے کہ نہیں ہے میرے تیرے درمیان نکاح۔ یعنی جس طرح تمام فقہا علما ائمہ کا اتفاق ہے اس قول میں کہ خاوند کہے اپنی بیوی سے خود روبرو کہ میرا تیرا نکاح نہیں۔ یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں اسی طرح یہ الفاظ کہ وہ عورت میری بیوی نہیں ان لفظوں سے بھی تمام علماء کے نزدیک طلاق کنایہ ہو جاتی ہے۔ دلیل نمبر۱۳۔ شرعی قانون کے مطابق الفاظ کنایہ سے دو طریقوں پر طلاق واقع ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ خاوند خود اظہار یا اقرار یا قبول کرے کہ میں نے ان کنایہ لفظوں سے طلاق مراد لی ہے تب بھی شرعاً طلاق پڑ جائے گی۔ دوسرا طریقہ یہ کہ خاوند خود اپنی اس وقت کی نیت نہ بتا سکے کسی وجہ سے یا نہ بتانا چاہے۔ اس طرح کہ خاوند غائب ہو یا لاپتہ یا دیوانہ مجنون و گونگا ہوگیا ہو۔ یا اب جھوٹ بول رہا ہو تو پھر ان صورتوں میں حالات اور اس وقت کے ماحول کو دیکھنا ہوگا جس وقت خاوند نے یہ کنایہ الفاظ بولے تھے۔ اگر ماحول۔ حالات۔ یا الفاظ کی طرز بیانی سے طلاق ثابت ہو جائے تب بھی طلاق واقع مانی جائے گی اس لیے کہ حالات و ماحول کی دلالت نیت کے قائم مقام ہے یعنی جو حالات بتائیں وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ خاوند خود اپنی نیت بتادے یہ مسئلہ پہلے فتاویٰ بحرالرائق جلد سوم ص۳۰۵ اور نورالانوار علم اصول ص۱۴۲ کے حوالوں سے ثابت کر دیا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں ہمارا رابطہ کوشش بسیار کے باوجود خاوند مذکور سے نہیں ہو سکا اس لیے دلالت احوال سے استدلال کیا جا رہا ہے اور اس سوال میں حالات ایسے ہیں کہ سواء طلاق کے اور کچھ مراد نہیں لیا جا سکتا اگرچہ اب خاوند آکر کہہ دے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ اس لیے کہ دوسری کوئی نیت بن ہی نہیں سکتی۔ یہاں تین طریقے سے ثابت ہو رہا ہے کہ جعفر مذکور کے یہ دونوں دفعہ کے الفاظ کنایہ طلاق ہی بنتے ہیں۔ اولاً اس طرح کہ جب خاوند مذکور سے ہندوستانی نکاح کے بارے میں جھگڑا بحث کیا گیا تو اس نے غصے طیش میں آکر ہندوستانی نکاح کا انکار کیا اور قسم اٹھائی پھر جھنجھلاہٹ میں ہندہ سے بھی علیحدگی و کنارہ کشی کے خیال سے اس نے ہندہ کے لیے بھی وہ الفاظ بولے جو ان حالات کے پیش نظر طلاق کنایہ بن گئے اس لیے کہ اس موقعے پر ہندہ کے متعلق تو کسی کا نہ سوال تھا نہ حلف لینا مقصود تھا نہ اس کی کوئی ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے یہی الفاظ انہی بیوی کے لیے طلاق

نہ بنے مگر ہندہ کے لیے یہی الفاظ بن گئے اس لیے کہ پہلی بیوی کے لیے وہ الفاظ خبر تھے جس کے لیے اس کا قسم دینا بھی درست تھا اور قسم کے ساتھ الفاظ کنایہ ہونا جب کہ وہ الفاظ خبر بھی بن سکتے ہوں تو قسم کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی۔ چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق جلد سوم ص۳۰۳ پر ہے وَ اللّٰهِ مَا اَنْتِ لِیْ بِاِمْرَأَةٍ (الخ) فَفِیْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لَا یَقَعُ وَاِنْ نَوٰی اور فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۴۲ پر ہے وَبَعْدَ التَّحْلِیْفِ نَقُوْلُ بِدَلَالَةِ الْیَمِیْنِ عُلِمَ اَنَّهٗ اَرَادَ النَّفْیَ عَنِ الْمَاضِیْ لَا فِی الْحَالِ لِاَنَّ الْحَلْفَ یَکُوْنُ فِیْمَا یَدْخُلُهُ الشَّکُّ لَا فِیْ اِنْشَاءِ النَّفْیِ فِی الْحَالِ

ترجمہ۔ اور خاوند کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم تو میری بیوی نہیں یا وہ فلاں عورت میری بیوی نہیں تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ خاوند نیت کرے اور اس مسئلے کو تمام حنفی شافعی وغیرہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ قسم و حلف یمین کی دلالت سے اب یہ الفاظ ماضی کی نفی بن گئے نہ کہ حال کی نفی۔ حالانکہ طلاق حال کی نفی ہوتی ہے یعنی اب یہ ایسا نہیں۔ یہی فرق جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ میں ہے کہ جملہ خبریہ میں ماضی کا ذکر ہوتا ہے اور انشائیہ میں حال کا اس فرق باریک کو امام یوسف و امام محمد توجہ نہ دے سکے اور غلطی کھا کر اس کو کتب میں شمار کر لیا۔ بہرکیف خاوند مذکور کے یہ الفاظ کنایہ ہندہ کے لیے طلاق ہیں ان کا حلف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرا استدلال یہ کہ خاوند مذکور کی طرز بیانی بھی طلاق کو ظاہر کر رہی ہے خاوند کہتا ہے۔ نہ ہی میری شادی یہاں ہندہ کے ساتھ ہے۔ لفظ ہے سے بتایا کہ خاوند موجودہ وقت میں نفی کر رہا ہے اگر سابقہ نفی مراد ہوتی تو اس طرح کہا جاتا ہے نہ ہی میری شادی کبھی ہندہ کے ساتھ ہوئی۔ تیسرا استدلال یہ کہ پہلے شادی کا انکار پھر بیوی ہونے کا انکار۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہندہ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب تک کے ان تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ یہ الفاظ کذب ہونا نہیں بلکہ انشاء طلاق ہیں۔ دلیل نمبر ۱۲۔ اب تک کے دلائل قرآن و حدیث۔ فقہ و قیاس علم اصول و ضوابط شرعیہ سے ثابت کر دیا گیا کہ ہندہ مذکورہ کو طلاق ہو گئی ہے۔ اب یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ طلاق اب رجعی کنایہ طلاق ہے اس لیے کہ کنایہ الفاظ خاوند کی نیت یا حالات کی دلالت کے بعد بالکل صریح طلاق کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جن صریح لفظوں سے طلاق رجعی ہوتی ہے ان ہی درجہ کے کنایہ لفظوں سے بھی طلاق رجعی کنایہ ہوگی اور جن صریح لفظوں سے طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اسی قسم اور اسی مشابہت کے کنایہ لفظوں سے بھی طلاقِ بائنہ کنایہ ہی واقع ہوگی۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کنایہ الفاظ سے کبھی طلاقِ رجعی اور کبھی طلاقِ بائنہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد سوم ص۸۸ پر ہے۔ ثُمَّ الْکِنَایَةُ بِمَعْنٰی حَصْرِهَا فِیْ مَا یَکُوْنُ الْوَاقِعُ بِهٖ وَاحِدَةً رَجْعِیَّةً وَمَا یَکُوْنُ وَاقِعًا بِهٖ بَائِنَةً طلاق کنایہ کی دو قسمیں ہیں کچھ وہ الفاظ جن میں صرف طلاق رجعی بالکنایہ مراد ہوتی ہے یعنی ان میں کوئی شدت یا قید وغیرہ نہیں ہوتی اور کچھ وہ کنایہ الفاظ ہیں جن میں سختی شدت۔ شرطیت یا قید ہوتی ہے ان لفظوں سے ایک طلاقِ بائنہ کنایہ واقع ہوتی ہے۔ سوال مذکورہ میں

خاوند کا بیان کردہ قول کہ ہندہ میری بیوی نہیں۔ ان لفظوں سے ایک طلاقِ رجعی پڑی اس لیے کہ یہ الفاظ اس معنیٰ اور اس درجہ میں ہیں کہ۔ میں نے ہندہ کو طلاق دی۔ چنانچہ اسی فتاویٰ فتح القدیر میں کچھ آگے ہے۔ وَلَهٗ اَنَّهَا تَحْتَمِلُهٗ اَىْ لَسْتِ لِیْ بِاِمْرَاَةٍ لِاَنِّیْ طَلَّقْتُكِ (الخ) ترجمہ۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ لَسْتِ لِیْ بِاِمْرَاَةٍ کہنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور چونکہ طَلَّقْتُكِ کہنے سے تو ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مذکورہ خاوند کا یہ کہنا کہ ہندہ میری بیوی نہیں ہے اس سے بھی ایک رجعی طلاق ہی واقع ہوگی۔ اسی طرح نورالانوار صـ۱۴۸ پر ہے وَ يُرَادُ بِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ فَيَقَعُ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ ... ترجمہ۔ اور ان کنایہ لفظوں سے مراد لی جاتی ہے اَنْتِ طَالِقٌ یعنی تو بیوی طلاق والی ہے اور چونکہ الفاظ کنایہ ان ہی صریح الفاظ کے ہم معنیٰ اور اسی کے حکم کے مشابہ ہیں اس لیے ان کنایہ لفظوں سے رجعی طلاق ہی واقع ہوگی۔ طلاق رجعی میں عدت کے اندر اندر خاوند کو رجوع کر لینے کا حق ہوتا ہے عدت کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اب اس ہندہ کی طلاق سے یہ مذکورہ خاوند بحر حسین رجوع بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہندہ کی مدت بحساب مدتِ گزشتہ اور بقول حلفیہ بیان گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس فتوےٰ شرعیہ کی رو سے ہندہ آج ہی بطریقہ اسلامیہ جہاں چاہے اپنا نکاح شرعی کر سکتی ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ... تَمَّتْ بِالْخَیْر

سوال ۱۹۔

تین مسائل کے بارے میں مختصر و مدلل فتویٰ ۱۔ نفل نماز کی جماعت کرنے کا بیان ۲۔ میت سامنے ہو تو سجدہ رکوع کرنے کا بیان ۳۔ نماز میں تیزی اور جلد بازی کرنے کا بیان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ تحصیل کی ایک مسجد کے خطیب اور امام صاحب نے اس سال ستائیسویں تراویح لیلۃ القدر کے نوافل پڑھنے کے لیے ایک دن پہلے نہایت اہتمام سے اعلان فرمایا کہ کل اسی جگہ اسی مسجد میں نماز تراویح کے بعد لیلۃ القدر کے نفلوں کی جماعت کرائی جائے گی آپ سب لوگ خود بھی اور اپنے دیگر دوست احباب کو بھی لائیں۔ دوسرے دن انہوں نے اپنے اعلان کے مطابق بیس رکعت نفل دو۔ دو کی نیت سے جماعت کے ساتھ ادا کیے اور خود اسی امام مسجد نے جماعت کرائی ہم نے اپنی زندگی میں نفلوں کی جماعت پہلی دفعہ دیکھی۔ آج تک کسی عالم نے نفلوں کی جماعت نہیں کرائی۔ فرمایا جائے کہ کیا یہ نفلوں کی جماعت جائز ہے

یا شریعت میں منع ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آج مؤرخہ سات مئی دو شوال بروز اتوار اسی جگہ مسجد میں ایک جنازہ کمیونٹی سنٹر کے حال میں ادا کیا گیا جنازے کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز با جماعت اور ظہر کی سنتیں اور نفل ادا کی گئیں اس نماز ظہر کے وقت جنازے کی میت بالکل نمازیوں کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور بہت سے نمازیوں نے فرض با جماعت اور اس کے بعد نفل سنتیں۔ رکوع سجود میت کے سامنے ادا کیں مگر اس امام نے یا کسی معتبر شخص نے نہ میت کو وہاں سے اٹھوا کے پیچھے یا پوشیدہ کروایا نہ وہاں سے ہٹوایا۔ نہ دائیں بائیں رکھوایا نہ نمازیوں کو مسئلہ بتایا یا نہ نماز پڑھنے سے روکا۔ حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ شریعت اسلامیہ مطہرہ کے قوانین میں سے ہے کہ کسی قبر یا میت کے سامنے سجدہ کرنا۔ اور سجدے رکوع والی پنجوقتہ فرض سنت واجب نفل وغیرہ کوئی نماز پڑھنی اور ادا کرنی قطعاً حرام ہے اس طرح کا غیر شرعی کام بھی آج ہم نے پہلی دفعہ دیکھا ہے نماز ظہر پوری ادا کرنے کے بعد پھر میت اٹھا کر اس امام مسجد کے سامنے رکھی گئی اور نماز جنازہ پڑھی گئی تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسی رمضان شریف میں ہم نے دیکھا کہ امام مذکور نے نماز عشا اور حافظ صاحب نے تراویح کی نماز اتنی تیزی اور جلد بازی میں پڑھائیں کہ نہ نمازیوں کی التحیات پوری ہوتی تھی نہ جلسہ نہ قومہ صحیح طرح ادا ہوتا تھا نیز چار تراویح کے درمیان نہ امام صاحب مذکور تسبیح تراویح پڑھتے تھے نہ تراویح پڑھانے والے حافظ صاحب پڑھتے تھے اور اتنی جلدی اگلی تراویح کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے کہ جو نمازی تسبیح تراویح پڑھتا یا پڑھنا چاہتا وہ بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔ غرضکہ نماز میں عجیب بھاگ دوڑ کا نقشہ تھا۔ فرمایا جائے کہ کیا اتنی تیز نماز پڑھنا شریعت میں جائز ہے۔ اور کیا چار تراویح کے درمیان میں تسبیح تراویح نہ پڑھنا اور نہ اتنی دیر بیٹھنا کہ تسبیح تراویح پڑھی جاسکے درست ہے؟ ان تمام مسائل کے متعلق ہمیں شریعت کا فتویٰ عطا فرمایا جائے بیّنوا توجروا۔ فقط والسلام دستخط سائل و گواہان ۷/۵/۱۹۸۹ء

۲/۱۰/۸۹ء

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ان واقعات کی تحقیق و تفتیش اور واقعات کی سچائی پر تسلی بخش گواہیاں اور دو طرفہ رابطہ قائم کرنے کے بعد یہ فتویٰ شرعیہ جاری کیا جارہا ہے ان تینوں مسئلوں کا مختصراً جواب تو یہ ہے کہ امام مذکور اور تراویح پڑھانے والے حافظ مذکور نے یہ سب کام قطعی غلط اور خلافِ شریعت کئے۔ ہمارے حافظ صاحبان تو شروع سے ہی جہلاء زمانہ بے علم ان پڑھ قسم کے لوگ مشہور ہیں لیکن غالباً یہ امام و خطیب مذکور بھی ان مسائل سے اپنی لاعلمی کی بنا پر ناواقف ہیں۔ فی زمانہ اکثر خطباً و ائمہ مساجد اس طرح کے عام اسلامی مسائل سے ناواقف ہوتے جارہے ہیں۔ قانونِ شریعت کے مطابق جماعت صرف فرض اور واجب نمازوں کے لیے مقرر فرمائی گئی۔ جو پنجوقتہ نمازوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور جمعہ کے لیے واجب

عیدین کے لیے فرض۔ تراویح کے لیے خصوصیت وتر کے لیے تراویح کی وجہ سے صرف رمضان شریف میں ان کے علاوہ کسی بھی دن مہینے اور خصوصی تواریخ میں کبھی بھی کسی بھی خصوصی یا غیر خصوصی نفل یا سنت کے لیے جماعت کرنا اور باقاعدہ اعلان کر کے لوگوں کو اجتماعِ کثیر میں بلاکر امامت کے ساتھ نفل پڑھانے قطعاً ممنوع اور مکروہ تحریمی وحرام ظنی ہے۔ پڑھانے اور پڑھنے والے سب گناہ گار اور گناہ کا وبال وعذاب اس کی دعوت عام دینے اور جماعت منعقد کرنے والے پر ہے۔ اسی طرح۔ قانونِ شریعت میں قبر کے سامنے اور میت کے سامنے اور سونے والے آدمی کے سامنے سجدہ کرنا۔ یا رکوع۔ سجدے والی مکمل نماز پڑھنا۔ اور اس نماز کا سجدہ بھی قبر، میت یا سونے والے کے سامنے کرنا حرام ہے۔ اگر چہ یہ سجدہ ونماز اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے مگر میّت یا قبر سونے والا سامنے ہو تو نماز ناجائز پڑھنے والا گناہ گار۔ میّت یا سونے والا یا کسی مردے کی قبر خواہ نمازی کے سامنے چوڑائی میں موجود ہو یا لمبائی میں۔ یعنی نمازی کے سامنے یہ تینوں میں سے کوئی شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً۔ ہر طرح نماز پڑھنا گناہ عظیم ہے۔ جن بعض فقہاء کرام نے سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کو لاکراہۃً کہہ کر غیر مکروہ اور جائز قرار دیا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں اور ان کا استدلال حدیثِ عائشہ صدیقہ سے نہایت غیر مدبرانہ اور کمزور ہے۔ جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔ اسی طرح۔ تیسرا مسئلہ کہ نماز میں جلد بازی کرنا۔ تو یہ بھی قانونِ شریعت سے قطعاً غلط ہے اور کسی بھی قسم کی نماز میں نفل ہو یا فرض واجب وغیرہ تیزی کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ تراویح تو اپنے لفظی معنیٰ کے اعتبار سے بھی اطمینان سکون و پُر وقار راحت کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ نماز تراویح پر پورے قرآن مجید کی حفاظت سماعت۔ تلاوت۔ قرائت وتجوید اور حفظِ آیت قرآنیہ کی ذمہ داری ہے۔ ہر چار تراویح کے بعد سماعت وتلاوتِ قرآن مبین کے شکرِ مولیٰ تعالیٰ ادا کرنے کے لیے نہایت محبت وعاجزی سے بیٹھ کر روح کی مزید پاکیزگی وتذکیہ وجلاء قلبی کے لیے دعا تسبیح پڑھنا بہت ضروری ومستحسن ہے اور جس کو یہ دعا، تسبیح نہ آتی ہو وہ درود شریف یا کلمہ شریف بھی پڑھ سکتا ہے مگر اطمینان محبت والفت سے بھاگتے دوڑتے نماز یا تسبیح وتہلیل، صلوٰۃ وسلام ادا کرنا برا ہے۔ ان مسائل کے تفصیلی دلائل واحکام حسب ذیل ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ جس طرح اسلام کے تمام عملیات صغیر وکبیر کسی نہ کسی حکمت ومصلحت پر معین ومقرر فرمائے گئے ہیں اسی طرح نمازوں کی جماعت میں عظیم حکمت الٰہیہ مضمر وموجود ہے۔ نیز نماز باجماعت اُمّتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے یہ جماعت و امامت اسلام کی عظیم الشان اہم اور مشکل ترین ذمہ داری ہے یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر جاہل واحمق انسان امامت کی تنخواہوں کی لالچ میں آکر مطلب برآری کے لیے داڑھی رکھ لے اور مصلّٰۂ نبوی پر بندر بانٹی کی مشق شروع کر دے جاہل اماموں کا امامت کے منصب پر غاصب وقابض ہو جانا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے امامت وجماعت کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنی اس عبادت کے لیے جماعت اور جماعت

کے لیے امامت اور امامت کے لیے اپنے محبوب شہنشاہِ کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور پھر آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنے ہی مدرسہ خصوصیہ لدنیہ روحانیہ کے فارغ التحصیل تلامذہ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یکے بعد دیگرے علی الترتیب اس مصلے کے مقام مرشیہ منصب قدسیہ پر قائم فرمایا اور خلفاء متقین راشدین نے بعد والوں کے لیے ہزارہا قسم کے اصول و قیود و ضوابط و شرائط اور تحصیلِ علوم کثیرہ کی پابندیاں لگادیں تاکہ کبھی کوئی نااہل و نالائق شخص مصلے پر کھڑا نہ ہو سکے قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہاءِ کرام رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جماعتِ صلوٰۃ کی تقسیم فرماتے ہوئے اس کی چھ قسمیں کر دی ہیں چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد اول ص۳۴۵ پر اور فتاویٰ تنویر الابصار جلد اول ص۵۱۵ پر ہے۔

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِلرِّجَالِ قَالَ الزَّاهِدِيُّ اَرَادُوْا بِالتَّاكِيْدِ الْوُجُوْبَ اِلَّا فِيْ جُمُعَةٍ وَّعِيْدٍ فَشَرْطٌ وَفِي التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ كِفَايَةٌ وَفِيْ وِتْرِ رَمَضَانَ مُسْتَحَبَّةٌ عَلٰى قَوْلٍ وَفِيْ وِتْرِ غَيْرِهٖ وَتَطَوُّعٍ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ مَكْرُوْهَةٌ۔

ترجمہ۔ اور جماعت نماز پنجوقتہ کے لیے سنّت مؤکدہ ہے صرف مردوں کے لیے۔ امام زاہدی نے فرمایا کہ کچھ فقہاء کرام نے سنّتِ مؤکدہ سے واجب ہونا مراد لیا ہے۔ مگر ہی جماعت نماز جمعہ اور نماز عید کے لیے فرض ہے۔ اور جماعت کرانا تراویح میں سنّتِ کفایہ ہے اور ماہِ رمضان مبارک میں وتر کی جماعت مستحب ہے ایک قول کی بنا پر اور ماہِ رمضان مبارک کے بعد تمام سال وتر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اور نوافل کی جماعت کرانا تو ہمیشہ ہی مکروہ تحریمی ہے جب کہ دعوتِ عام دے کر کرائی جائے۔ اس طرح یہ جماعت چھ قسموں میں منقسم ہو گئی ۱ فرض ۲ واجب ۳ سنّتِ مؤکدہ ۴ سنّتِ کفایہ ۵ مستحب ۶ مکروہ۔ بہت سے فقہاءِ امت نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے لیے جماعت فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور ان کی دلیل سورۃ جمعہ کی یہ آیت ۹ ہے

وَاِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الایۃ) ترجمہ۔ اور جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لیے ندا کی جائے تو سب کچھ بیع تجارت خرید و فروخت چھوڑ کر دوڑ پڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف۔ اس آیتِ کریمہ کی اشارۃ النص سے نمازِ جماعت کا ثبوت ملتا ہے مگر ظنی طور پر اور دلیلِ ظنی سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ ان اقوال مختلفہ کے باوجود نفلوں کی جماعت کرانا تمام کے نزدیک سخت مکروہ ہے خاص کر ایک دن پہلے دعوتِ عام کا اعلان کرنا اور نفلوں کی جماعت کا اہتمام کرنا تو بالکل ہی مخالفانہ جہالت ہے۔ اور قانونِ شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ فتاویٰ بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد اول ص۳۴۵ پر ہے۔

وَالْاَصْلُ هٰذَا اَنَّ التَّطَوُّعَ بِالْجَمَاعَةِ اِذَا كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ يُكْرَهُ ... ترجمہ۔ اور اسلام کا قانونِ کلیہ یہ ہے کہ نفلوں کو جماعت سے ادا کرنا خاص کر جب کہ دعوتِ عام دینے کے طریقے سے

ہو سخت مکروہ ہے۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۸۳ پر ہے۔ اَلتَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ اِذَا كَانَ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ یُكْرَهُ۔ ترجمہ۔ نفل نماز کی جماعت کرانا سب فقہاء اسلام کے نزدیک منع ہے فقہ کی مشہور معتبر کتاب فتاویٰ درمختار مع شرح شامی جلد اول ص۶۶۳ پر ہے وَلَا یُصَلَّی الْوِتْرُ وَالتَّطَوُّعُ بِجَمَاعَةٍ خَارِجَ رَمَضَانَ اَیْ یُكْرَهُ ذٰلِكَ لَوْ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ۔ (الخ) وَفِی الْاَشْبَاهِ عَنِ الْبَزَّازِیَّةِ یُكْرَهُ الْاِقْتِدَاءُ فِیْ صَلٰوةِ رَغَائِبَ وَبَرَاءَةٍ وَقَدْرٍ۔ ترجمہ۔ اور وتر کی نماز ماہ رمضان پاک کے بعد کبھی بھی اور نفل نماز بھی کبھی کسی مہینے میں جماعت سے ہرگز نہ پڑھے جائیں اور فتاویٰ اشباہ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ صلوٰۃ رغائب یعنی ۲۷ رجب شب معراج کی خوشی میں پڑھے جانے والے نفل اور شب برات کے نفل اور شب قدر کے نوافل میں بھی کسی امام کو آگے کر کے اس کے پیچھے مقتدی بن کر نفلوں کی با جماعت ادائیگی بھی سخت مکروہ ہے۔ فتاویٰ شامی ردالمحتار جلد اول ص۶۶۳ پر ہے وَاِنْ كَانَ عَلٰی سَبِیْلِ الْمُوَاظَبَةِ كَانَ بِدْعَةً مَكْرُوْهَةً لِاَنَّهٗ خِلَافُ الْمُتَوَارِثِ ترجمہ۔ اور اگر کوئی شخص نفل جماعت کی عادت بنالے یعنی ہر بڑی رات اور ہر رمضان میں جماعت کرے کرائے تو یہ بہت سخت بری بدعت و گمراہی ہے۔ شریعت کے خلاف ہے۔ احادیث کی خلاف ورزی ہے۔ جو بیوقوف کم عقل خطیب ایسا کرے وہ گمراہ ہے خلاف طریقہ رسول اللہ و صحابہ کرام ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نفلوں کی جماعت ہر موسم اور ہر ماہ ہر وقت ہمیشہ ہی ناجائز ہے اور پڑھانے والا گناہ گار عبادت اور وقت برباد۔ اصطلاح فقہا کے مطابق جب مطلقاً مکروہ کا لفظ ارشاد ہو تو وہاں مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق ص۲۹ باب الطہارت جلد اول میں ہے۔ وَفِی الْمُبْتَغٰی اَنَّهٗ مِنَ الْمَنْهِیَّاتِ فَتَكُوْنُ تَحْرِیْمِیَّةً۔ اور فتاویٰ منحۃ الخالق جلد اول ص۲۹ پر ہے وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ مَكْرُوْهٌ تَحْرِیْمًا اِذْ اِطْلَاقُ الْكَرَاهَةِ مَصْرُوْفٌ اِلَی التَّحْرِیْمِیَّةِ ترجمہ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بیشک وہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جب مکروہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو مکروہ تحریمی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور جتنی بھی شریعت اسلامیہ میں ممنوع چیزیں ہیں وہ مکروہ تحریمی ہی ہیں فتاویٰ درمختار باب العیدین جلد اول ص۷۸۳ پر ہے قُلْتُ اِطْلَاقُ الْكَرَاهَةِ تَبَعًا لِلْبَحْرِ وَالدُّرَرِ یُفِیْدُ التَّحْرِیْمَ۔ اور فتاویٰ شامی جلد اول ص۳۵۳ پر ہے وَالظَّاهِرُ اَنَّهَا تَحْرِیْمِیَّةٌ لِاَنَّهَا الْمُرَادَةُ عِنْدَ اِطْلَاقِهِمْ۔ ترجمہ۔ اور ظاہر قانون اور اصطلاح شریعت یہی ہے کہ جب فقہاء کرام مکروہ کو مطلق رکھیں تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ فتاویٰ ردالمحتار جلد اول کتاب الطہارت ص۱۲۳ پر ہے۔ قَوْلُهٗ وَمَكْرُوْهُهٗ هُوَ ضِدُّ الْمَحْبُوْبِ قَدْ یُطْلَقُ عَلَی الْحَرَامِ (الخ) وَعَلَی الْمَكْرُوْهِ تَحْرِیْمًا وَهُوَ مَا كَانَ اِلَی الْحَرَامِ اَقْرَبُ وَیُسَمِّیْهِ مُحَمَّدٌ حَرَامًا ظَنِّیًّا (الخ) وَفِی الْبَحْرِ مِنْ مَكْرُوْهَاتِ الصَّلٰوةِ فِیْ هٰذَا الْبَابِ نَوْعَانِ اَحَدُهُمَا مَا كُرِهَ تَحْرِیْمًا وَهُوَ الْمَحْمَلُ

عِنْدَ اِطْلَاقِہِمُ الْکَرَاھَۃَ . . . ترجمہ۔ شریعت اسلامیہ میں مکروہ وہ ہے جو پسندیدہ اور محبوب چیز کی ضد و مخالف ہو۔ اس کو حرام بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مکروہ تحریمی ۲۔ مکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی حرام سے بہت قریب ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو حرام ظنی کہتے ہیں۔ اور فتاویٰ بحرالرائق میں ہے مکروہات صلوٰۃ کے باب میں کہ مکروہ کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک مکروہ تحریمی ہے اور جب فقہاء کرام کسی کام کو مطلقاً مکروہ کہیں تو اس سے مراد ہمیشہ مکروہ تحریمی ہی ہوتا ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نفلوں کی جماعت کسی بھی وقت کرانا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ایک قول میں حرام ظنی کے درجہ میں ہوتا ہے جس خطیب مذکور نے یہ کام کیا ہے اس نے سب کے نفل خراب کئے اور سب کا گناہ اپنے سر لیا اسے چاہئے کہ آئندہ کے لیے توبہ کرے اور کسی مدرسے میں فقہ کا علم و مسائل دینی حاصل کرے اور صحیح مسائل یاد کرکے عمل کرے اور کرائے۔ عوام کی عبادت خراب نہ کرے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

دوسرا مسئلہ۔ اسلام کے دورِ اول سے تا قیامت تمام مسلمانوں کے لیے یہ قانونِ کلیہ ہے کہ جس چیز کی کفار اور مشرکین عبادت اور پوجا پاٹ کرتے رہے یا اب بھی کرتے ہیں ان کے سامنے کسی مسلمان کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں خواہ وہ انسانی جسم ہو یا لکڑی پتھر لوہا۔ دھات کا مجسمہ مورتی۔ فوٹو تصویر ہو۔ یا بعض زندہ جانور حیوانات ہوں مثلاً۔ گائے۔ ہاتھی۔ بندر۔ بچھڑا وغیرہ خواہ بعض فلکیات ہوں جیسے سورج چاند اور کہکشاں کے ستاروں کا جھمگھٹا یا۔ جمادات۔ جیسے بھڑکتی آگ یا انگارے یا نباتات جیسے مندر اور تالاب کے پاس وہ پیپل جس کی ہندو پوجا پرستش کرتے ہوں وغیرہ وغیرہ ایسی اشیاء کے سامنے مسلمان کو اللہ کے لیے بھی سجدہ کرنا حرام ہے۔ یعنی سجدۂ تلاوت۔ سجدۂ شکر۔ سجدہ تحیۃ۔ سجدہ دعا۔ اور سجدے والی نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ سامنے سے مراد دو چیزیں ہیں ۱۔ قریب ہونا۔ اور قریب ہونے سے مراد ہے عصر کے ابتدائی وقت کے سائے کے برابر فاصلہ یا اس سے کم فاصلے پر کھڑے یا بیٹھے سجدہ کرنا ۲۔ انسانی یا حیوانی جسم کا چہرہ و سینہ سامنے ہو یا دائیں بائیں کروٹ سامنے ہو اور اس طرف کبھی کوئی سجدہ کرے یا سجدے والی نماز مکمل طور پر ادا کرے تو یہ سب کام مسلمان کے لیے حرام قطعی ہیں۔ لیکن اگر پیٹھ کے پیچھے یا بہت دور ہو کر سجدہ یا نماز ادا کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کی کبھی کسی کافر مشرک نے پرستش نہیں کی ان کے سامنے ان کے قریب کھڑے ہو کر نماز اور سجدہ ادا کرنا جائز ہے۔ اسی قانون کی بنا پر۔ اس قانون شرعیہ کا ذکر کرتے ہوئے فتاویٰ شامی ردالمحتار جلد اول ص۴۶۰ پر ہے۔ لَایُکْرَہُ اَنْ یُصَلِّیَ وَ بَیْنَ یَدَیْہِ شَمْعٌ اَوْ سِرَاجٌ لِاَنَّہٗ لَمْ یَعْبُدْھُمَا اَحَدٌ وَ الْمَجُوْسُ یَعْبُدُوْنَ الْجَمْرَ لَا النَّارَ الْمُوْقَدَۃَ حَتّٰی قِیْلَ لَا یُکْرَہُ اِلَی النَّارِ الْمُوْقَدَۃِ۔ وَظَاھِرُہٗ اَنَّ الْکَرَاھَۃَ فِی الْمُوْقَدَۃِ مُتَّفَقٌ عَلَیْھَا کَمَا فِی الْجَمْرَۃِ . . . . . .

ترجمہ۔ نہیں مکروہ نماز پڑھنا جب کہ سامنے شمع ہو یا چراغ اس لیے کہ شمع اور چراغ کی کبھی کسی کافر نے عبادت نہیں کی اور مجوسی یعنی آتش پرست انگاروں کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ بھڑکتی ہوئی آگ کی اس لیے کہا گیا ہے کہ بھڑکتی آگ کی طرف نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ لیکن ظاہر قانون یہی ہے کہ اگر نمازی کے سامنے بھڑکتی آگ جل رہی ہو تب بھی وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جس طرح انگاروں کے سامنے نماز پڑھنا تمام فقہاء علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اسی طرح بھڑکتی آگ کے سامنے بھی نماز تمام کے نزدیک متفقاً مکروہ ہے۔ فتاویٰ مراقی الفلاح فصل مکروہات صلوٰۃ ص۱۹۳ پر ہے۔ وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ أَيِ الْمُصَلِّيْ تَنُّوْرٌ أَوْ كَانُوْنٌ فِيْهِ جَمْرٌ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْمَجُوْسَ فِيْ حَالِ عِبَادَتِهِمْ لَهَا لَا شَمْعٌ وَقِنْدِيْلٌ وَسِرَاجٌ فِي الصَّحِيْحِ لِأَنَّهُ لَا يُشْبِهُ التَّعَبُّدَ۔ ۔ ترجمہ۔ اور سخت مکروہ ہے یہ کہ نمازی کے سامنے نماز پڑھتے وقت جلتا ہوا تنور ہو یا انگیٹھی ہو جس میں انگارے بھرے ہوں صرف اس لیے مکروہ ہے کہ یہ مجوسیوں کے مشابہ ہو جاتا ہے اس حالت میں جبکہ وہ بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں کی عبادت کرتے ہیں یعنی مسلمان کی نماز کا سجدہ مجوسیوں کے سجدے کے مشابہ ہو گیا فقط سجدہ یا سجدے والی نماز پڑھنا مسلمان کو بھی حرام و ممنوع ہو گئی۔ اسی طرح فتاویٰ تنویر الابصار مع شرح در مختار جلد ۱ ص۶۵۳ پر ہے۔ وَلَا يُكْرَهُ صَلَاةٌ إِلَى ظَهْرِ قَاعِدٍ أَوْ قَائِمٍ وَلَوْ يَتَحَدَّثُ وَلَا إِلَى مُصْحَفٍ أَوْ سَيْفٍ مُطْلَقًا أَوْ شَمْعٍ أَوْ سِرَاجٍ أَوْ نَارٍ تُوْقَدُ لِأَنَّ الْمَجُوْسَ إِنَّمَا تَعْبُدُ الْجَمْرَ لَا النَّارَ الْمُوْقَدَةَ۔

ترجمہ۔ اگر نمازی کے سامنے کوئی پیٹھ کئے بیٹھا ہو یا کھڑا ہو اگرچہ باتیں کر رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہت جائز ہے ایسے ہی اگر سامنے قرآن مجید یا تلوار مطلقاً کسی طرح بھی کھلی یا چھپی رکھی ہو یا۔ سامنے شمع جلتی ہو یا چراغ روشن ہو یا آگ کے شعلے ہوں تو بھی نماز پڑھنا مکروہ نہیں اس لیے کہ ان چیزوں کی کوئی پوجا پاٹ اور عبادت نہیں کرتا۔ مجوسی آتش پرست بھی آگ کو سجدہ کرتے وقت صرف انگاروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ نہ کہ شعلوں کو۔ ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ صرف ان چیزوں کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا منع ہے جن کی کفار عبادت کرتے ہیں۔ تاریخ کفریات سے ثابت ہے کہ آدمی کو سجدہ اور انسان کی عبادت کی جاتی رہی۔ جیسا کہ نمرود۔ فرعون۔ اور بدھ مت نیز بت سے ہندو فرقے اپنے بڑے بڑے اوتار پنڈتوں کو اب بھی پوجتے ہیں۔ اسی شرک کو توڑنے اور مشابہت کفر سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ کسی ایسے انسان کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی سجدہ رکوع والی نماز یا صرف سجدہ نہ کریں جو انسان نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہو یا دائیں کروٹ سے یا بائیں کروٹ سے بیٹھا۔ کھڑا یا لیٹا ہو۔ یا چت آسمانی رخ پر سو رہا ہو۔ یا کسی انسان کا مردہ جسم سامنے رکھا ہو اور یہ ممانعت اتنی سخت ہے کہ اگر لیٹا ہوا یا سویا

ہوا یا مرا ہوا آدمی کئی کپڑوں چادروں کمبلوں لحافوں سے ڈھکا ہوا بھی ہو تب بھی اس کے سامنے نماز پڑھنا حرام ہے بلکہ یہاں تک کہ کئی من مٹی کے نیچے قبر کے اندر دفن ہو اور قبر پرانی بھی ہو جائے یا دھنس کر زمین کے برابر ہو جائے تب بھی اس کے سامنے نماز پڑھنا یا کوئی سجدہ الیہ کرنا حرام ہے۔ اس حرمت کا ذکر بہت سی احادیثِ مشہورہ اور متواترہ میں موجود ہے جن میں بار بار فرمایا گیا کہ قبر کے سامنے نماز نہ پڑھو۔ حالانکہ کبھی کسی زمانے میں کسی کافر فرقے نے قبر کی عبادت نہ کی۔ اس کے باوجود قبر کی طرف سجدہ نہ کرنے کی مسلمان کو ممانعت صرف میت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۶ اور اس کے حاشیے پر ہے۔ بَابُ کَرَاھِیَۃِ الصَّلٰوۃِ فِی الْمَقَابِرِ قَوْلُہٗ لَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا اَنَّ الْقُبُوْرَ لَیْسَتْ بِمَحَلِّ الْعِبَادَۃِ فَتَکُوْنُ الصَّلٰوۃُ فِیْھَا مَکْرُوْھَۃٌ ۔ ترجمہ۔ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہونے کا باب۔ حدیث پاک کا یہ فرمان کہ اپنے گھروں کو قبرستان اور قبریں نہ بناؤ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قبرستان عبادت کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ قبرستان میں سامنے قبریں ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہے اور قبر میں چونکہ میت ہے اس لیے قبر کے سامنے نماز ادا کرنا جائز نہ ہوا۔ دوسری حدیث مسلم شریف جلد اول صفحہ ۳۱۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا ۔ ترجمہ۔ حضرت ابی مرثد غنوی سے روایت ہے کہ فرمایا آقاء کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قبروں پر چڑھ کر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے سجدے والی نماز پڑھو اس حدیث پاک کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ فِیْہِ تَصْرِیْحٌ بِالنَّھْیِ عَنِ الصَّلٰوۃِ اِلٰی قَبْرٍ ــــــ ترجمہ۔ اس حدیث مبارک میں اس بات کی تصریح ہے کہ میت کی قبر یا خود میت اگر سامنے ہو تو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز اور سجدہ ادا کرنا سخت منع ہے۔ تیسری حدیث پاک۔ ابن ماجہ شریف جلد اول صفحہ ۲۳۶ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّصَلّٰی فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِی الْمَزْبَلَۃِ وَالْمَجْزَرَۃِ وَالْمَقْبَرَۃِ وَقَارِعَۃِ الطَّرِیْقِ وَالْحَمَّامِ وَمَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ الْکَعْبَۃِ اس کی شرح میں وضاحت فرمائی گئی ہے اَلْمَقْبَرَۃُ مَوْضِعُ دَفْنِ الْمَوْتٰی ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ۱ گندگی پھینکنے کی جگہ ۲ مذبح خانہ ۳ قبروں کے سامنے ۴ چلتے راہ پر ۵ حمام میں ۶ اونٹوں کی جگہ ۷ کعبے شریف کے اوپر چڑھ کر چوتھی حدیث مطہرہ۔ نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ الخ، اور اس کی شرح میں ہے۔ قَوْلُہٗ لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ بِالْاِسْتِقْبَالِ اِلَیْھَا لِمَا فِیْہِ مِنَ التَّشَبُّہِ بِعِبَادَتِہَا ــــ ترجمہ آقاء کائنات شہنشاہ دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس کہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو

اس لیے ہے کہ قبر میں میت ہونے کی وجہ سے اس طرف منہ کرکے نماز اور سجدہ رکوع کرنا اس کی عبادت کے مشابہ ہے اور یہ مثل بت پرستی ہے۔ پانچویں حدیث طیبہ۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ حَبِیْبِیْ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھَانِیْ اَنْ اُصَلِّیَ فِی الْمَقْبَرَۃِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (الخ)

اخاابوداؤد شریف جلد اول ص۷۱ مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا کہ میرے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا قبرستان میں قبر کی طرف منہ کرکے یعنی قبر سامنے ہو تو کوئی نماز پڑھنے سے۔ چھٹی حدیث پاک۔ مشکوٰۃ شریف ص۷۱ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَۃُ وَالْحَمَّامُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔ ترجمہ۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقاء کائنات شہنشاہ دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے لیے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ مگر قبر سامنے ہو تو قبرستان میں اور حمام میں نماز منع ہے اس حدیث پاک کو ابوداؤد، ترمذی، دارمی نے روایت فرمایا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ اگر میت نمازی کے سامنے ہو تو رکوع سجدے والی نماز وہاں پڑھنا حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور میت کی وجہ سے ہی قبر کے سامنے نماز منع ہوئی ورنہ مٹی کے ڈھیر کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ ڈھیر کسی شکل میں ہو گول ہو، چپٹا ہو یا قبر نما نہ ہو۔ اور ہر قبر کے سامنے سجدہ و نماز ناجائز ہے اگرچہ قبر کسی شکل کی ہو۔ نئی ہو پرانی ہو۔ ڈھنسی ہو۔ گول ہو چپٹی ہو۔ شمالاً جنوباً ہو یا جنوباً شمالاً۔ جیسے مسلمان قبرستان۔ ہند و پاک اور یورپین ممالک میں۔ یا غیر مسلم قبرستان ہو۔ شرقاً غرباً یا غرباً شرقاً۔ کوئی بھی عالم اور فقیہ میت کے سامنے نماز ادا کرنے کو جائز نہیں کہتا تمام فقہا ممنوع و گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں تو معلوم مذکورہ فی السوال خطیب سے یہ غلطی کیوں سرزد ہوئی بہر کیف ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہے جنہوں نے اس طرح میّت کے سامنے ظہر پڑھی میت خواہ اونچی رکھی ہو یا نیچی ڈھکی ہو یا کھلی اس لیے کہ جب قبر میں دو گز نیچے کئی طریقوں سے پوشیدہ میت کے سامنے بھی نماز حرام ہوگئی تو ڈولی میں پوشیدہ میت کے سامنے نماز و سجدہ بھی منع ہے خیال رہے کہ میت اور میت والی قبر اور سونے بیٹھے کھڑے ہونے والے انسان کے سامنے صرف سجدہ کرنا اور سجدے والی نماز ادا کرنا حرام ہے لیکن صرف قیام کرنا جیسے نماز جنازہ یا صرف رکوع کرنا منع نہیں بلکہ جائز ہے لہٰذا اگر سجدے کے وقت نمازی کے سامنے سے میت ہٹائی جائے یا خود نمازی ایک قدم دائیں یا بائیں ہو کر میت یا قبر کے سامنے سے ہٹ جائے تو تمام نماز درست ہو جائے گی جیسا کہ احادیث سے جواز ثابت ہے۔ اور یہ جواز اس لیے ہے کہ مشابہت کفر صرف سجدے میں ہے نہ کہ قیام یا رکوع یا التحیات و تشہد بیٹھنے میں کیونکہ کفار کی عبادت اپنے معبودوں اور بتوں کے سامنے صرف سجدہ کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں سونے والے

اور لیٹے ہوئے انسان کے پیچھے کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھنا منع ہے جب کہ وہ چت لیٹا ہو جنازے کی طرح آسمانی رخ یا نمازی کے سامنے رخ کروٹ سے شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد مقدس ہے ابن ماجہ شریف جلد اول حدیث ۹۵۹ صفحہ ۳۰۸ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنِیْ اَبُوالْمِقْدَامِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّصَلّٰى خَلْفَ الْمُتَحَدِّثِ وَالنَّائِمِ ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ باتیں کرنے والے اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اس حدیث پاک کو امام عبد الرؤف مناوی نے اپنی کتاب کنوز الحقائق جلد دوم صفحہ ۱۳۹ پر اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب جامع صغیر جلد دوم صفحہ ۱۹۵ پر تحریر فرمایا۔ تمام فقہاء کرام یہی فرماتے ہیں کہ سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے لیکن۔ فتاویٰ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار اور اس کی شرح شامی رد المحتار میں لکھا ہے کہ سونے والے کے پیچھے ہر قسم کی نماز جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۴۱۰ پر ہے۔ وَفِیْ شَرْحِ الْمُنْیَةِ اَفَادَ بِهٖ نَفْیَ قَوْلِ مَنْ قَالَ بِالْكَرَاهَةِ بِحَضْرَةِ الْمُتَحَدِّثِیْنَ وَكَذَا بِحَضْرَةِ النَّائِمِیْنَ ترجمہ۔ اور شرح منیہ میں ہے کہ اس لَا یُکْرَہُ کے لفظ نے فائدہ دیا اس شخص کے قول کو منفی اور ختم کرنے کا جس نے کہا ہے کہ محدثین اور نائمین یعنی سونے والوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس مسئلے کی نفی ہو گئی اور کراہت نہیں ہے علامہ شامی اپنی اس بات پر دلیل اس طرح دیتے ہیں کہ وَمَا رُوِیَ عَنْهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ نَائِمٍ وَلَا مُتَحَدِّثٍ ضَعِیْفٌ وَصَحَّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنْ صَلٰوةِ اللَّیْلِ كُلِّهَا وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یُّوْتِرَ اَیْقَظَنِیْ فَاَوْتَرْتُ۔ رَوَیَاهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ۔ وَهُوَ یَقْتَضِیْ اَنَّهَا كَانَتْ نَائِمَةً۔ وَمَا فِیْ مُسْنَدِ الْبَزَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نُهِیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ اِلَى النِّیَامِ وَالْمُتَحَدِّثِیْنَ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا اِذَا كَانَتْ لَهُمْ اَصْوَاتٌ یُخَافُ مِنْهَا التَّغْلِیْطُ اَوِ الشُّغْلُ وَفِی النَّائِمِیْنَ اِذَا خَافَ ظُهُوْرَ شَیْءٍ یُضْحِكُهٗ۔

ترجمہ۔ اور وہ روایت جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے مروی ہے کہ نہ نماز پڑھو سونے والے کے پیچھے اور نہ باتیں کرنے والے کے پیچھے تو وہ روایت ضعیف ہے اور صحیح حدیث شریف یہ ہے جو روایت ہے ام المومنین جناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نماز تہجد پڑھتے ہوتے تھے حالانکہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چوڑائی میں لیٹی رہتی تھی پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ

وتر نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تھے تو مجھ کو بھی جگاتے تھے تب میں بھی اٹھ کر نماز وتر پڑھ لیتی تھی۔ اس حدیث مبارکہ کو مسلم و بخاری دونوں نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث تقاضہ کرتی ہے کہ عائشہ صدیقہ اس وقت سوتی ہوتی تھیں۔ اور وہ حدیث پاک جو مسند البزار میں روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کیا گیا ہوں سونے والوں کے پیچھے اور باتیں کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے وہ حدیث شریف محمول ہے اس صورت پر جب کہ بولنے والے کی آواز اونچی ہو اور نماز میں غلطی کا اندیشہ ہو یا نمازی بھی باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔ اور سونے والوں کے پیچھے اس لیے منع ہوئی کہ شاید سوتے ہوئے انسان سے کوئی ایسی چیز نکلے جو نمازی کو ہنسا دے۔ یہ تھا علامہ شامی کا مسئلہ اور اس کی دلیل۔ مگر میں اس سے متفق نہیں۔ اس لیے کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اپنے دعوے اور مسئلے کو تین دلیلوں سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر تینوں دلیلیں انتہائی کمزور ہیں۔ پہلی دلیل میں لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ نَائِمٍ والی روایت مشہورہ کو ضعیف کہہ کر اپنے مسلک کو قوی کرنا چاہا۔ حالانکہ یہ حدیث پاک متعدد کتابوں میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس سند سے علامہ شامی کو یہ روایت ملی اس میں کوئی راوی ضعیف ہو۔ مگر۔ ابن ماجہ شریف نے اور جامع صغیر جلد دوم نے ص۱۹۵ پر اس حدیث پاک کو حسن فرمایا۔ علامہ شامی نے دوسری تحقیقی و ثبوتی دلیل ام المومنین عائشہ صدیقہ کی حدیث پاک سے ثابت کیا کہ سونے والے کے پیچھے نماز جائز ہے مگر یہ استدلال بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث مکمل طور پر بخاری شریف جلد اول باب التطوع خلف المرأۃ ص۷۳ اور باب الصلوٰۃ خلف النائم ص۷۳ پر اور مسلم شریف جلد اول ص۱۹۷ اور ص۱۹۸ پر اور مشکوٰۃ شریف باب القرۃ فصل ثالث ص۷۳ پر اس طرح منقول ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ كُنْتُ اَنَا مُمَاثِيْ اَضْطَجِعُ عَلٰى هَيْئَةِ النَّائِمِ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔ اور یہی حدیث پاک ابن ماجہ شریف نے جلد اول ص۳۴ پر حدیث ۹۵۶ تحریر فرمائی حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ۔

ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو حجرۂ اقدس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے تو میں اکثر اوقات آپ کے بستر پر لیٹی ہوتی تھی اور میرا رخ آپ کے دائیں بائیں چوڑائی اور عرضی حالت میں ہوتا تھا جیسے کہ نماز جنازہ کے وقت میت چوڑائی میں رکھی ہوتی ہے اور

میں سونے والے کی شکل میں چت سیدھی لیٹی ہوئی تھی سوئی نہ ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام عائشہ صدیقہ رضی کی پنڈلیوں کے بالمقابل ہوتا تھا۔ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلے کے درمیان ہوتی تھی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تشریف لانے لگتے تو میرے پیر کو چھوتے تھے میں سمجھ جاتی تھی اور اپنے پیر سمیٹ کر ہٹا لیتی تھی۔ تب آپ سجدہ فرما لیتے تھے پھر جب آپ سجدے کرکے دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو میں پھر اپنے پیر پھیلا لیتی تھی اسی طرح تمام نماز میں ہوتا رہتا۔ پھر جب نوافل سے فارغ ہوکر آپ وتر پڑھنے لگتے تو مجھ کو بھی آواز دیتے تو میں بھی اٹھ کر وتر ادا کر لیتی۔ تمام احادیث میں صرف یہی ایک حدیث شریف علامہ شامی کو مل سکی جس کو انھوں نے اپنے اس مسئلے پر دلیل بنایا کہ سونے والے کے پیچھے بالمقابل نماز پڑھنا جائز ہے حالانکہ اس دلیل سے بھی سونے والے کے سامنے سجدہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ جب کہ نماز کی ممانعت صرف مشابہتِ کفر کی وجہ سے اور مشابہت کفر صرف سجدے میں ہے نہ کہ قیام ورکوع میں کیونکہ بت پرست اپنے بتوں اور معبودانِ باطل کو صرف سجدہ کرکے پرستش کرتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ سونے والے کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز اور سجدہ ادا کرنا سر سے پیر تک کسی بھی مقابل میں قطعاً ناجائز ہے اور فتاویٰ شامی وغیرہ کا قول درست نہیں۔ مراقی الفلاح نے بھی سونے والے کے پیچھے نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ مگر وہ سونے والے کے صرف چہرے کے سامنے نماز پڑھنے کو مکروہ فرماتے ہیں سینہ، پیٹ یا ٹانگوں کے بالمقابل وہ بھی جائز مانتے ہیں چنانچہ مراقی الفلاح فصل مکروہات صلوٰۃ ص؁ پر ہے۔ وَيُكْرَهُ اَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ اَيِ الْمُصَلِّيْ تَنُّوْرٌ (الخ) اَوْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَوْمٌ نِيَامٌ يَخْشٰى خُرُوْجَ مَا يُضْحِكُ اَوْ يُخْجِلُ اَوْ يُؤْذِيْ اَوْ يُقَابِلُ وَجْهَهَا وَاِلَّا فَلَا كَرَاهَةَ لِاَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔ (الخ)

ترجمہ: سخت مکروہ ہے نماز پڑھنا جب کہ نمازی کے سامنے تنور ہو وغیرہ وغیرہ یا نمازی کے سامنے لوگ سوئے ہوئے ہوں اور اندیشہ ہو کہ شاید سونے والے سے کچھ ایسی آواز نکلے جو نمازی کو ہنسا دے یا شرمندہ کرے یا وہ بدبو وغیرہ نمازی کو ایذا پہنچائے یا نمازی کے سامنے بالمقابل سونے والے کا چہرہ ہو۔ صرف ان اندیشوں اور صورتوں میں سونے والے کے سامنے نماز مکروہ ہے ورنہ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو نائم کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ اس لیے کہ عائشہ صدیقہ رضی (الخ)۔ مراقی الفلاح نے بھی حدیث صدیقہ سے ہی استدلال کیا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث سے نائم کے سامنے سجدہ ثابت نہیں۔ اور اصل وجہ کراہت وحرمت سجدہ ہی ہے۔ علامہ شامی کی تیسری جوابی دلیل یہ ہے کہ مسند بزاز کی حدیث پیش فرما کر اس کو ضعیف تو نہ کہہ سکے البتہ مراقی الفلاح کی طرح اپنے ذہنی اندیشے کو وجہ کراہت بتا گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سونے والے کے پیچھے اس لیے نماز منع فرمائی گئی کہ شاید سونے والے کی ہوا نکل جائے یا بے ڈھنگے

خراٹے نکلنے لگیں جس سے نمازی کو ہنسی یا شرمندگی یا تکلیف آئے۔ میں کہتا ہوں یہ کتنا غیر مدبرانہ اندیشہ ہے ہوا تو بیٹھے اور جاگتے انسان کی بھی نکل سکتی ہے نیز اگر یہی اندیشہ مقصود حدیث ہے تو پھر حدیث پاک میں خَلْفَ النَّائِمِ۔ فرمانے کی کیا ضرورت تھی یہ کیفیات تو سارے کمرے میں دائیں بائیں اور پیچھے سونے والے سے بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ پس ثابت ہوگیا کہ فتاویٰ شامی فتاویٰ تنویر الابصار۔ درمختار مراقی الفلاح کا مسلّم استدلال درست نہیں کیونکہ حدیث کا حکم مجمول ممانعت کی سختی بتا رہا ہے یعنی اللہ کی طرف سے ممانعت ہے لہٰذا اس کی وجہ صرف وہمی اور موہوم اندیشہ نہیں ہو سکتا بلکہ حرمت ہر طرح نماز و سجدہ ادا کرنا حرام ہے۔ فقہاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے کہ جب عمل اور قول کی دو حدیثیں متضاد ہوں تو امت کے لیے قولی حدیث کو ترجیح ہوگی اور قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہوگا۔ یہاں بھی ہم کو دو قسم کی روایتیں میسر ہیں۔ ۱ قولی حدیث پاک میں ہے کہ سونے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر مت نماز پڑھو اور عمل شریف ہے کہ آپ نے حضرت صدیقہ کے پیچھے ان کے جاگتے ہوئے لیٹے کی حالت میں بالمقابل پیشانی نماز ادا کی۔ شرط کہ سجدہ ہونے تو ہر دو احادیث میں مطابقت پیدا اور تاویل کر دی ہے کہ گویا یہ تقابل تھا ذ تھی سجدہ کی وقت پیر سمیٹ لیتے جاتے تھے۔ اگر یہ تسلیم نہیں ہے تو پھر بھی ضابطہ فقہاء کے مطابق حدیث قولی کو ترجیح ہوگی اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا اور وجہ کراہت وہ نہیں جو شامی وغیرہ نے بتایا بلکہ وجہ کراہت وہی مشابہت شرک ہے جو قبر کے سامنے نماز پڑھنے میں ہے جو امام نووی وغیرہ شارحین نے مندرجہ بالا بیان فرمائی اصل مسئلہ تو مدلل وضاحت سے ثابت ہوگیا۔ مگر بعض جہلا سوال کر سکتے ہیں کہ اگر میت کے سامنے قبلہ رخ نماز پڑھنا منع ہے تو حدیث پاک میں اور فقہاء کرام نے صراحتاً اس کا ذکر کیوں نہیں فرمایا کسی حدیث شریف سے یا متقدمین فقہا کی کتب فتاویٰ یا اصول فقہ سے اس کی صریح ممانعت ثابت نہیں۔ جب کہ حدیث ابن ماجہ میں عائشہ صدیقہ کے فرمودات میں کَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ کا لفظ ارشاد فرما کر اپنے لیٹنے کو نمازی کے سامنے جائز قرار دیتے ہوئے میت جنازہ سے مشابہ کر کے اشارۃً واقتضاءً یہ بھی بتا دیا کہ نمازی کے سامنے جنازہ ہونا بھی جائز ہے۔ اور سجدہ و نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ لہٰذا آپ کیوں میت کے سامنے نماز اور سجدے کو ناجائز کہتے ہو۔

الجواب۔ ہم اس کے تین جواب دیتے ہیں ۱ سوالاً ۲ الزاماً ۳ تحقیقاً سوالاً جواب تو یہ ہے کہ بتایا جائے کہ قبر کے سامنے نماز پڑھنا منع کیوں ہے اس کی تو صراحت احادیث میں موجود ہے۔ یہ کراہت و حرمت کس کی وجہ سے ہے جب کہ خالی مٹی کے ڈھیر کی طرف نماز و سجدہ کرنا منع نہیں۔ نہ ہی قبر کی طرف سجدہ کرنے میں کفار سے مشابہت ہے کیونکہ کبھی کسی دور میں کسی کفریہ فرقے نے قبر پرستی نہیں کی الزامی جواب یہ ہے کہ شریعت میں ہزارہا مسائل ایسے مشہور اور متفق علیہ ہیں جن کی وضاحت اور صراحت قطعاً حدیث و قرآن سے میسر نہیں مگر تمام ائمہ اور فقہا۔ علما ان کو دیگر مسائل پر قیاس یا مشابہت کی وجہ سے تسلیم کرتے چلے آتے ہیں۔ نیز ہر مسئلے

کی صراحت ممکن بھی نہیں کیونکہ دنیا میں روزمرہ کروڑوں مسائل جنم لیتے ہیں جن کا تصور بھی قرونِ اولیٰ میں نہیں تھا موجودہ علماء تدبر تفکر اور قیاس کے ذریعے ہی ان کا حل تلاش کرتے ہیں تو جب اتنے کثیر مسائل کو بغیر صراحت طلبی کے مان لیتے ہو تو یہاں کیا تکلف ہے! تحقیقی جواب یہ ہے کہ اولاً تو میری یا آپ کی نگاہ سے کسی تحریری صراحت یا کسی فرمان نبوت کا نہ گزرنا صراحت کی نفی نہیں کرتی ہو سکتا ہے احادیث میں اس مسئلے کی صراحت موجود ہو مگر ہم اپنے محدود وسائل یا عدم تفتیش اور کم تحقیق کی بناء پر نہ دیکھ سکے ہوں نیز اگر واقعتاً بھی صراحت موجود نہیں ہے تب بھی مضائقہ نہیں اس لیے کہ میّت کے متعلق جو احکام و قوانین شریعتِ اسلامیہ نے مقرر فرمائے وہ ایسے ہیں کہ میت کے سامنے کوئی نماز پڑھنے کا موقعہ ہی نہیں آتا۔ نہ کبھی کسی وقت یہ خدشہ پیدا ہوا کہ میت کے سامنے کوئی نماز پڑھی گئی ہو۔ مثلاً پہلا حکم ہے کہ میت کو جلدی دفن کرو۔ دوم یہ کہ اسی جلدی میں پہلا مرحلہ تعزیت کا ہے لواحقین آخر دم تک میت کو ایسا گھیرا رکھتے ہیں کہ نماز تو درکنار سکون سے منہ دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملتا۔ سوم غسل پھر کفن پھر دیدارِ عام۔ پنجم یہ کہ تمام دنیا میں میت کی نماز جنازہ کے لیے علیحدہ جنازہ گاہ بنی ہوتی ہے۔ تمام فقہاء کرام مسجد میں نماز جنازہ کو مکروہ و ممنوع لکھتے ہیں اس میں بہت حکمتوں کے علاوہ یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ کسی کو غلطی یا بھول چوک سے بھی میت کے سامنے نماز کا موقعہ نہ مل سکے آقاء کائنات شہنشاہ دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں بھی بجز ایک مجبوری کی حالت کے کبھی مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ کی گئی جیسا کہ مسلم شریف جلد اول صـ۳۱۳ پر ہے حکومتِ ترکیہ کے زمانے میں بھی حرمِ کعبہ اور مسجد نبوی سے باہر ہی نماز جنازہ ہوتی رہی یہ تو اب جنم کے بدعتیوں وہابیوں سعودیوں نجدیوں نے بدعتِ سیئہ ایجاد کر ڈالی کہ مسجد میں ہی نماز جنازہ شروع کر دی اذان خراب تکبیر اقامت خلاف شرع حج برباد روزے وعیدین تباہ کیا کچھ ان دین دشمنوں نے دین کو بگاڑا۔ خدا تعالیٰ ہی ان کو سمجھنے والا ہے تاریخ شاہد ہے کہ ان قرنِ شیطانی وہابیوں نے ہمیشہ ہی کفر کا ساتھ دیا اور اسلام سے غداری کی ان کا قبضہ کعبہ و حرم پر ایسا ہی ہے جیسا دورِ جاہلیت میں بتوں کا قبضہ۔ وَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكَى۔ ششم یہ کہ ام المومنین کے یہ الفاظ۔ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ صرف اپنی حیثیت بتانے کے لیے ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں چوڑائی میں لیٹی ہوتی تھی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر وغیرہ کے مقابل نہیں بلکہ پنڈلیوں کے مقابل نماز پڑھتے تھے۔ اس کیفیت کو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ پیر ہٹانا نہایت آسان تھا۔ اور میں دراز شکل میں نہ لیٹی ہوتی تھی۔ اس دراز صورت میں پیر سکیڑنے سے جسم پھر بھی سامنے ہی رہتا۔ صرف سجدے کی جگہ نکل آتی نہ پیر سمٹوانے میں دو احتمال ہیں ۱؎ حدیث قولی سے خلفِ نائم سجدہ نماز منع ہونے کی وجہ سے یہ احتمال قوی ہے ۲؎ جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس وضاحت سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ کے وقت جسم سامنے نہیں ہوتا تھا نیز قیام اور رکوع کے وقت بھی چہرہ سامنے نہیں ہوتا تھا۔ ہفتم یہ کہ اگر علامہ شامی کی طرح سونے والے کے بالمقابل پیچھے نماز

جائز ہو تو پھر سننے میں مختلف حالتیں ہوتی ہیں گرتے ہیں کروٹ بدل کر نمازی کا سامنے رخ بھی ہو سکتا ہے حالانکہ چہرے کے سامنے نماز کرنا جائز نہیں مخالفت بوجود مرقوم ہے مگر علامہ شامی مطلقاً جائز کہتے ہیں پس ظاہر ہے کہ یہ قابل قبول نہیں جاتی ہے کہ جس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اسی پر ذہنی اندیشے نکال کر مطابقت کی کوشش کر رہے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تیسرا مسئلہ۔ تراویح کی نماز میں اتنی جلد بازی کرنا بھی سخت گناہ ہے۔ اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق فرض واجب سنت نفل کسی بھی نماز میں تیزی اور جلد بازی کرنا گناہ کبیرہ ہے اطمینان سے نماز ادا کرنا واجب ہے اور اس حکم شرعی پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۷۵ پر ہے۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ بَابُ صِفَۃِ الصَّلٰوۃِ: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ۔ (الخ)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے بہت جلدی جلدی نماز پڑھی پھر حاضر بارگاہ ہوا۔ اور سلام عرض کیا آقائے کائنات شہنشاہ دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے آپ نے سلام کا جواب فرمایا اور پھر ارشاد مقدس فرمایا کہ اے شخص لوٹ جا اور نماز ادا کر کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے پھر اسی طرح جلد بازی اور تیزی سے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر حاضر بارگاہ اقدس ہوا تو شہنشاہ دو عالم نے پھر لوٹایا۔ اس نے تیسری بار بار پھر اسی طرح نماز جلد بازی سے پڑھی۔ (گویا کہ ارشادِ نبوت پر غور و فکر کیا نہ سمجھا۔) پھر تیسری بار حاضر بارگاہ ہوا۔ تب بھی آقائے کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا کہ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ لوٹ جا دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس بار اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو نماز سکھایئے تو شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بتایا کہ نماز اطمینان اور سکون سے ادا کرنی چاہیئے تاکہ رکوع۔ سجدہ جلسہ۔ قومہ۔ قیام۔ قعود غرضکہ تمام ارکان آرام سے صحیح صحیح ادا ہوں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو تعدیل ارکان کہتے ہیں۔ اور تعدیل ارکان واجب ہے چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح ص۱۴۵ پر ہے وَیَجِبُ الْاِطْمِیْنَانُ وَھُوَ التَّعْدِیْلُ فِی الْاَرْکَانِ بِتَسْکِیْنِ الْجَوَارِحِ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُہٗ فِی الصَّحِیْحِ لِاَنَّہٗ لِتَکْمِیْلِ الرُّکْنِ۔ (الخ)

ترجمہ۔ اور واجب ہے ہر نمازی پر اطمینان سے نماز ادا کرنا۔ اور اس کو شریعت کی زبان میں تعدیل ارکان کہا جاتا ہے۔ تاکہ رکوع و سجود میں اعضا ہاتھ پیر و دیگر اعضا کے مفاصل یعنی جوڑ بالکل رک کر صحیح قائم و سکون میں رہیں اس لیے کہ نماز کے تمام ارکان درست ادا ہوں خلاصہ یہ کہ اطمینان سے نماز ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگرچہ تراویح ہوں۔ کتاب الفقہ قدوری شریف باب صفۃ الصلوٰۃ ص۱۲ پر ہے وَیُکَبِّرُ وَسَجَدَ فَاِذَا اطْمَاَنَّ سَاجِدًا کَبَّرَ وَاسْتَوٰی قَائِمًا عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْہِ۔ (الخ) ترجمہ۔ نماز کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے

کہ پہلے سجدہ سے اٹھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا بیٹھے اور جب اطمینان سے سیدھا بیٹھ جائے تب پھر تکبیر کہے اور دوسرے سجدے میں جائے پھر جب سجدہ بھی نہایت اطمینان سے کرلے تو تکبیر کہے اور برابر سیدھا اپنے قدموں کے سینے یعنی تلووں پر قیام کرے۔ غرضکہ اطمینان اور تسلّی نماز کا عظیم واجب ہے۔ بھاگتے دوڑتے نماز پڑھنا جاہلوں کا کام ہے۔ تراویح کے متعلق سنت صحابہ کرام یہ ہے کہ ہر چار تراویح کے بعد بہت آرام سے بیٹھکر ذکر الٰہی کیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار جلد اول صـ۶۶۱ پر ہے۔ وَيُسْتَحَبُّ الْجُلُوْسُ بَعْدَ صَلٰوةِ كُلِّ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ بِقَدْرِهَا۔ (الخ) وَهُوَ مُخَيَّرٌ دَنَ فِي الْجُلُوْسِ بَيْنَ التَّسْبِيْحِ وَالْقِرْأَةِ وَالصَّلٰوةِ فُرَادٰى وَالسُّكُوْتِ ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد تمام نمازی بیٹھیں اور دعا تسبیحیں پڑھیں یا کچھ تلاوت کریں یا علیحدہ علیحدہ درود شریف پڑھیں یا پھر جن کو کچھ نہیں آتا وہ خاموشی سے دوسروں کی تسبیح وغیرہ سنیں اسی طرح مراقی الفلاح صـ۹۰ اور دیگر کتب فقہا میں ہے یہ وہ عام مسائل ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مگر حیرت ہے کہ موجودہ دور میں اسلام سے ناواقفیت اور لاعلمی وجہالت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں کے ذمے دار لوگ بھی مسائلِ نماز، روزہ سے بے تعلق نظر آتے اور مسلمانوں کی عبادت خراب کرنے کے درپے ہیں۔ ایسے مسائل جاننا اور بتانا پڑھنا پڑھانا علم حاصل کرنا اور عمل کرنا امام اور خطیب کے ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی امام خطیب اپنی لاعلمی یا غفلت کی بناء پر مسلمانوں کو مسائل نہ سمجھائے اور لوگوں کی نمازیں غلط ہوں تو سب کا گناہ خطیب پر ہوگا۔ کل قیامت میں وہی امام مسجد عذاب وسزا میں گرفتار ہوگا۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

کتبہ

سوال نمبر ۲۱

فتاویٰ رضویہ پر ایک وہابی کے چند جاہلانہ اعتراض اور اسکے جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب کے وہابی فرقے جماعت اسلامی والوں نے یہاں کے دیوبندیوں سے مل کر ایک چھوٹا سا رسالہ چار ورقی چھاپ کر شائع کیا ہے جس میں فتاویٰ رضویہ جلد اول کے چند ایک مسائل پر اعتراض کرتے ہوئے بریلوی جماعت اہلسنت کے بارے میں بہت بکواسات کئے ہیں بھولے بھالے ان پڑھ قسم کے سنی اس سے پریشان ہیں میرے مرید نے مجھ کو وہ مسائل لکھ کر بھیجے ہیں۔ ہمارے پاس اب اعلٰحضرت کے بعد آپ کے آستانہ کے سوا کون سی جگہ ہے جہاں سے علمی پیاس بجھائی جائے ہر طرف جہالت ولاعلمی کا دور دورہ ہے۔ ایک آپ ہی کا گھرانا اس وقت شمع فروزاں ہے حضرت حکیم الامّت کے

وصال کے بعد آپ نے سنیوں کو زندہ و تابندہ رکھا ہوا ہے مولیٰ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ یہ استفتا حاضر خدمت ہے مجھے امید ہے کہ آپ اپنی پہلی فرصت میں ان مسائل پر سیر حاصل بحث فرماتے ہوئے اپنی عادتِ مبارکہ کیمطابق دلائل عظیمہ کی روشنی ڈالیں گے۔ میں بے حد ممنون و مشکور ہوں گا فقط والسلام آپ کا خادم ناچیز

حاجی سید سلیم الرحمٰن اویسی قادری چشتی سجادہ نشین آستانہ اویسیہ۔ ۴۳۵ K ۔ ایریا کورنگی کراچی ۔ ۱۰۔۸۰۰۰

معترض پہلے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک دفعہ امام اعظم چند شاگردوں اور عقیدت مند احباب کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک آپ کے دامن پر سڑک کی کیچڑ سے ننھی ننھی چھینٹیں اڑکر کدھر سے پڑگئیں تو فوراً ایک قریبی نہر یا دریا کے کنارے ان کو دھونے لگے لوگوں نے عرض کیا یا حضرت آپ کے مسلک کے مطابق مسئلہ تو یہ ہے کہ اتنی چھینٹیں پاک ہیں پھر آپ کیوں دھو رہے ہیں ۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ مسئلہ ہے اور یہ تقوٰی ہے ۔ اس کے بعد معترض کہتا ہے کہ دیکھو سنیوں کا امام اپنے فتاوٰی رضویہ جلد اول میں کیسے عجیب اور غلط مسئلے لکھتا ہے ۔ مسئلہ ۱ ص ۳۵ پر لکھا ہے کہ جو ریح انسان سے خارج ہوتی ہے وہ پاک ہے ۔ (از طحطاوی شریف) مسئلہ ۲ ص ۶۷ پہلی سطر۔ کسی نمازی کی عورت کی فرج داخلی پر نظر پڑگئی اور شہوت پیدا ہوگئی ۔ نماز میں فساد نہ آیا ۔ (از فتاوٰی شامی) یہ پورا مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور مدت نہ گزری ہو اور نماز پڑھتے ہوئے طلاق دینے والے خاوند کی نگاہ اپنی مطلقہ رجعیہ کی داخلی شرمگاہ پر نگاہ پڑگئی نمازی کو شہوت بھی آئی تو رجوع اس کا درست ہوگیا نماز فاسد نہ ہوئی ۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ اگر قصداً ابھی ایسا کرے ۔ مکروہ ضرور ہے مگر نماز فاسد نہیں ۔ تیسرا مسئلہ ص ۶۷ نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑجائے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہیں ۔ (از مراقی الفلاح) مسئلہ ۴ ص ۶۷ فتاوٰی رضویہ جلد اول ۔ عورت نماز پڑھ رہی ہے اس کا مرد بوسہ لے لے عورت کو خواہش پیدا ہوئی ۔ عورت کی نماز نہ جائے گی ۔ (از فتاوٰی ردالمحتار) مسئلہ ۵ ص ۶۸ نماز میں احتلام ہوا ۔ اور منی باہر نہ آئی کہ نماز مکمل اور تمام کرلی اس کے بعد اتری تو غسل واجب ہوگا مگر نماز ہوگئی ۔ (از فتاوٰی فتح القدیر) مسئلہ ۶ ۔ حقّے کے متعلق لکھا ہے کہ ۔ پانی پاک ۔ تمباکو پاک ۔ اس کا دھواں پاک ۔ پاک چیز سے پاک چیز کا ۔ پاک پانی کا رنگ ۔ مزہ ۔ بُو بدل جائے تو اسے ناپاک نہیں کرسکتا ۔ یہاں تک کہ مذہب صحیح میں نہ صرف طاہر بلکہ مطہر اور قابلِ وضو رہتا ہے ۔ اگر اس سے وضو کرلیا جائے وضو ہوجائے گا قیاس فتاوٰی شامی ۔ مسئلہ ۷ ص ۵۶۴ ۔ رحم کی رطوبت پاک ہے ۔ مسئلہ ۸ ص ۵۶۵ اگر نجاست بول و براز سے آگے نہ بڑھے تو ڈھیلا لینے (یعنی ڈھیلے سے اچھی طرح خوب رگڑ رگڑ کر مل کر استنجا کرنے سے) پاک ہوجاتی ہے ۔ اس کے بعد پانی سے استنجا کریں تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا ۔ ہمارے چند احباب نے کہا ہے کہ اگر یہ مسائل

فتاویٰ میں اسی طرح لکھے ہیں تو عقل تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی دل گوارا کرتا ہے۔ قرآن پاک میں رب العزت نے فرمایا ہے کہ اللہ پاکیزگی اور پاک کو پسند کرتا ہے۔ بینوا توجروا۔ دستخط سائل ۸۰/۲/۱۰

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

سائل محترم کا مراسلہ اور استفتا وصول ہوا۔ اور بغور مطالعہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض دیوبندی۔ وہابی نے یہ اعتراضات محض تعصبِ مذہبی کی بنا پر حاسدانہ و جاہلانہ طور پر کئے ہیں۔ ورنہ پڑھا لکھا اور سمجھدار قسم کا مخالف اس طرح کے اعتراضات نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ جن مسائل کو اس نے بطورِ اعتراض اعلیٰحضرت مجدد مأتہ اربعۃ عشر امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی مخالفت میں اپنے کسی چار ورقی پمفلٹ رسالے میں شائع کئے ہیں وہ تمام مسائل شریعتِ اسلامیہ اور فقہ ائمہ اربعہ میں متفقاً علیہ ہیں نیز موجودہ تمام فرقِ مختلفہ یعنی دیوبندیہ وہابیہ۔ مودودیہ۔ وانیچریہ کے اکابر کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں۔ دیوبندی فتاویٰ اور کتب و تصانیف میں بھی یہ مسائل اسی طرح مندرج ہیں۔ اعلیٰحضرت نے یہ مسائل خود نہیں بنائے نہ بغیر حوالہ اپنے فتاویٰ رضویہ میں درج فرمائے بلکہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے طریقۂ تحریر کے مطابق ایک ایک مسئلے پر کثیر دلائل و براہین اور حوالے و مقالے پیش فرمائے ہیں جیسا کہ خود معترض نے بھی ہر مسئلے پر حوالہ لکھا ہے لہٰذا یہ تمام اعتراضات اور صاحبِ اعتراضات بلا تفریق ہر کہ و مہ کے نکتہ دانشوران علم و اہل علم حضرات کے نزدیک مردود و ناکارہ ہیں دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ معترض نے ان مذکورہ فی السوال مسائلِ شرعیہ اسلامیہ فقہیہ پر اعتراض تو کر دیا مگر اعتراض کی وجہ نہ بیان کی۔ اور نہ ہی اس کے مقابل قرآن و حدیث و فقہ و اصولِ فقہ کے حوالوں سے اپنے خیال کے مطابق ان مذکورہ مسائل کے خلاف مسئلے بتلائے اعتراض اور مخالفت صحیح اور با اصول وہی ہوتی ہے جو با دلائل ہو اور با وضاحت بتایا جائے یہ مسئلہ غلط ہے اور یہ مسئلہ اس طرح ہے یہ صحیح ہے فلاں فلاں سے ثابت ہے۔ صرف مخالفت اور اعتراض کر دینا تو خبثا اور شیاطین کا کام ہے۔ ہر جاہل اعتراض کر سکتا ہے یہ تو بڑا آسان ہے۔ ایسے لایعنی اور بیہودہ اعتراضوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ایک اعلیٰحضرت کی کیا بات ان حمقا نے تو اللہ رسول پر بھی اعتراضات کر کے اپنے ایمان و اعمال کو برباد و تباہ کیا ہے۔ دوسری وجہ۔ شریعت اسلامیہ کے تمام مسائل انتہا اور گہرائی کی حد تک حقیقت و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں جن کو حقیقت بین عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اگر اہل دیوبند کے بعض احباب کی شیطانی و خبیثانی عقل قرآن و حدیث و فقہ کے ان عام فہم متفقہ مسائل کو تسلیم نہیں کرتی یا کسی کا متعصبانہ نفسانی دل ان کو گوارہ نہیں کرتا تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ انسانی عقل کی حقیقت ہی کیا ہے یہی عقل اگر سانپوں میں پیدا ہو تو کتے بلے بھی کھا جاتی ہے نہ عقل انکار کرے نہ دل ناگوار ہو۔ اگر یہی عقل چینیوں میں پیدا ہو تو چوہے

مینڈک سانپ اور چھپکلی تک خوراک بنا جاتے ہیں نہ عقل گھبرائے نہ دل متلائے یہی عقل اگر ہندوؤں میں پیدا ہو جائے تو گائے کا گوبر اور پیشاب بلکہ خود اپنا پیشاب بھی کھا پی جائے اور سب کچھ تسلیم و گوارہ ہو جائے۔ یہی عقل و دل اگر سکھوں میں پیدا ہو جائے تو خنزیر اور اس کی مثل ہر حرام شی ہڑپ کر جائیں اگر عیسائیت میں پیدا ہو تو ہر گندی اور کتے بلے کے منہ سے لبڑی تھڑی چیزیں بھی چاٹ جائے۔ یہی عقل و دل اگر شیعیت میں اور رافضیت میں جنم لے تو۔ گزگن کا پانی اور بہتے خون کا گھمار محرم کے گھوڑے کا پسینہ بھی تبرک بنا کر سر و منہ سے لیپ لیں۔ یہی عقل و دل اگر دیوبندیت وہابیت میں جنم لیں تو کوا۔ گوہ۔ کچھوا۔ بجو۔ شیر خوار بچے کے پیشاب کو بھی پاک و حلال کہہ کر کھا پی (ازراہِ مزاح) جائیں۔ انسانی عقل اور دل کی حیثیت ہی کیا ہے اور کیا اس کی پسند و ناپسند یہ تو اسلام قرآن حدیث و فقہ کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے انسان کو حلال و حرام پاک و پلید معنوی اور حسی گندگی کا فرق سمجھا کر مسلمانوں کو طیب و طاہر حسن و پاکیزگی کی بلند چوٹیوں پر پہنچا دیا۔ ورنہ تمہارے یہ عقل کے ٹھیکیدار احباب بھی کتے بلے کا منہ چاٹتے اور کیڑے مکوڑے کھاتے نظر آتے۔ یہ واقعی حقیقت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ مگر پاکیزگی میری تمہاری عقل سے نہیں بلکہ پاکیزہ صرف وہی تمام چیزیں ہیں جن کو اللہ رسول اور قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہاء عظام بیان فرمائیں کسی کی ضدی عقل اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا مخالفانہ ہٹ دھرم دل گوارہ کرے یا نہ کرے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کے تمام مسائل صرف حکمت و حقیقت پر ہی مبنی نہیں بلکہ انسانی عالمگیر برادری کی تمام قومی ملی ملکی موسمی علاقائی آسانیوں سہولتوں کی ذمہ داری و ضمانت نبھاتے ہیں۔ تاکہ دنیا بھر کے تاقیامت مسلمانوں کو کسی دور میں کسی قسم کی کوئی دینی دنیوی عملی قولی دشواری پیش نہ آسکے اور کسی بھی ذہنیت و رواجیت کو اسلام پر عمل کرنے میں مشکل محسوس نہ ہو۔ مذکورہ فی السوال یہ چند مسائل جن کا ایک جاہل و کم عقل انسان نے محض اپنی جہالت و تعصب اور مخالفانہ معاندانہ دماغی کی بنا پر انکار و اعتراض کیا وہ مسائل بھی اسی اسلامی فطرت کے معیار پر متیقن و مبنی ہیں۔ لہٰذا عوامی فلاح و بہبود اور فوائد و سہولیات کے عین مطابق اور صحیح و درست ہیں۔ جیسا کہ خود سائل اور معترض مذکور نے ہی اپنے پمفلٹ کی اوائل سطور میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ذاتی قول عمل نقل کر کے فتوے اور تقوے کی امتیازی تفریق سے ثابت کر دیا۔ کہ تقویٰ اگرچہ جداگانہ حیثیت و احتیاط کی چیز ہے مگر مسائل و فتاویٰ اپنی جگہ درست ہیں اور کسی بھی فقہی مسئلے میں عقل و دل کی اجتماعی مخالفت۔ مخالفت مردود و ناکارہ ہے وہ مسائل جن کا ذکر معترض نے اپنے مطبوعہ رسالے اور سائل نے اپنے اس زیر نظر سوال و استفتاء میں درج کیا ان کے صحیح ہونے کا باد لائل جواب۔ اسی ترتیب سوالیہ سے مندرجہ ذیل سطور میں بیان کیا جاتا ہے۔ پہلا مسئلہ۔ معترض اعلیٰحضرت کے اس مسئلے پر اعتراض کرتا ہے کہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کے ص۹۶ پر انسان سے خارج ہونے والی ہوا کو پاک لکھا ہے۔ یعنی

جس ہوا کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے وہ ہوا بذاتِ خود پلید نہیں ہے اعلیٰحضرت نے یہ مسئلہ لکھ کر متعدد کتبِ فقہا کے حوالے پیش فرمائے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ نہ بناوٹی ہے نہ اعلیٰحضرت کا خود ساختہ بلکہ اسلام قرآن اور حدیثِ مطہرات و تمام فقہاءِ ملت کا متفقہ ہے بلکہ خود اہلِ دیوبند وہابیوں کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہے چنانچہ فتاویٰ حنفیہ درمختار جلد اول صفحہ ۱۳۴ پر ہے۔ وَيَنْقُضُهُ خُرُوجُ كُلِّ خَارِجٍ نَجِسٍ مِنْهُ أَيْ مِنَ الْمُتَوَضِّئِ الْحَيِّ وَخُرُوجُ غَيْرِ نَجِسٍ مِثْلِ رِيحٍ أَوْ دُودَةٍ أَوْ حَصَاةٍ مِنْ دُبُرٍ الخ۔ ترجمہ۔ اور وضو کو توڑ دیتا ہے ہر وضو والے زندہ انسان کے دبر یعنی پیچھے سے ناپاک چیز کا نکلنا بھی اور غیر ناپاک چیز کا دبر سے نکلنا بھی وضو کو توڑ دیتا ہے مثلاً دبر سے ہوا خارج ہو یا دبر سے کیڑا نکلا یا کنکری نکلی اس کی شرح میں فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۱۳۶ پر ہے۔ قَوْلُهُ مِثْلِ رِيحٍ. فَإِنَّهَا تَنْقُضُ لِأَنَّهَا مُنْبَعِثَةٌ عَنْ مَحَلِّ النَّجَاسَةِ لَا لِأَنَّ عَيْنَهَا نَجِسَةٌ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ عَيْنَهَا طَاهِرَةٌ حَتَّى لَوْ لَبِسَ سَرَاوِيلَ مُبْتَلَّةً أَوِ ابْتَلَّ مِنْ أَلْيَتَيْهِ الْمَوْضِعُ الَّذِي تَمُرُّ بِهِ الرِّيحُ فَخَرَجَ الرِّيحُ لَا يَتَنَجَّسُ وَهُوَ قَوْلُ الْعَامَّةِ۔ ترجمہ مصنف کا فرمان مثلاً ریح۔ اس لیے ہے کہ دبر سے نکلنے والی ہوا۔ وضو توڑ دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہوا ناپاکی اور پلیدی گندگی کی جگہ سے گندگی میں سے نکل کر آئی ہے نہ اس لیے کہ ہوا پلید ہے۔ بلکہ عام فقہاء کرام کے نزدیک دبر سے نکلی ہوئی ہوا پاک ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے گیلا پیجامہ بھی پہنا ہو یا پانی سے استنجا کرنے کی بناء پر سرین کی سوراخ والی وہ کھال گیلی ہو جہاں سے ہوا خارج ہوتی ہے تو وہاں سے ہوا نکلی اس سے پیجامہ یا وہ جگہ اور وہ جسم ناپاک نہ ہوگا۔ یہ عام یعنی تمام فقہا کا قول و عقیدہ ہے ان عبارتوں سے یہ ثابت ہوا۔ کہ پیٹ سے خارج ہونے والی ہوا پاک ہے۔ لیکن وضو ٹوٹنا اس لیے ہے۔ گندگی سے نکل کر آئی ہے۔ مگر ہوا بذاتِ خود پاک ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نکلنے سے نہ تو گیلا یا خشک پیجامہ پلید ہوتا ہے نہ سوراخ کے آس پاس کی خشک یا تر جگہ کھال وغیرہ۔ اگر یہ ہوا نجس ہوتی تو پیجامہ اور کھال ناپاک ہو جاتی احادیث میں پیجامے اور کھال کو بھی دھونے کا حکم ہوتا۔ حالانکہ احادیث مبارکہ میں یہ حکم نہیں ہے صرف وضو کرنے کا حکم ہے۔ نہ ہی کسی امام اور فقہائے عظام نے یہ حکم دیا اگر یہ احمق معترض اس مسئلے کو نہیں مانتا تو اس کو چاہیے کہ جب اس کی ہوا خارج ہو فوراً پیجامے شلوار بھی دھویا کرے اور استنجا بھی کیا کرے ان مندرجہ عبارتوں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دبر سے نکلا ہوا کیڑا زندہ اور خشک ہو تو وہ بھی پاک ہے اس کے نکلنے سے بھی وضو نہ ٹوٹے گا اور کپڑے پر گرنے سے کپڑا بھی پلید نہ ہوگا اس لیے کہ کیڑے مکھی مچھر کی مثل مانے گئے ہیں کیونکہ ان میں خون نہیں ہوتا۔ دبر کی ہوا نکلنے سے وضو ٹوٹ جانے کی وجہ ایک تو وہی ہے جو علامہ شامی نے بیان کی کہ یہ ہوا گندگی میں سے گزر کر آئی ہے جیسے کہ دبر سے کنکری یا کیڑے کا نکلنا۔ دوسری

وجہ بعض فقہا نے یہ بیان کی ہے کہ خارج شدہ ہوا کے ساتھ نجاست باطنی کے اجزاءِ لطیفہ ساتھ نکلتے ہیں جو نظر نہیں آتے نہ جسم اور کپڑے سے لگتے ہیں اجزاءِ لطیفہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے مگر ہوا پلید نہیں ہوتی۔ چنانچہ فتاوٰی بحر الرائق جلد اول ص۲۲۳ پر ہے اِذَا فَسَا فِی السَّرَاوِیْلِ وَصَلّٰی مَعَہٗ قَالَ بَعْضُھُمْ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّ فِی الرِّیْحِ اَجْزَاءً لَطِیْفَۃً فَتَدْخُلُ اَجْزَاءَ الثَّوْبِ۔ (الخ) وَالْفَتْوٰی اَنَّہٗ یَجُوْزُ سَوَاءٌ کَانَ السَّرَاوِیْلُ رَطْبًا وَقْتَ الْفَسْوَۃِ اَوْ یَابِسًا ——— ترجمہ۔ اور جب کسی نے ہوا چھوڑی پیجامے میں اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو بعض مجہول لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز ناجائز ہے اس لیے کہ اس خارج شدہ ہوا میں گندگی کے بہت ہی ہلکے چھوٹے اجزاء لطیفہ ہوتے ہیں یعنی نہ دکھائی دینے والے وہ ذرے کپڑے کے سوراخوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ قول غلط ہے فتوٰی یہی ہے کہ نماز جائز ہے۔ خواہ پیجامہ گیلا ہو یا خشک ہو۔ اوّلاً تو اجزاء لطیفہ اس ہوا میں ہوتے ہی نہیں اور اگر یوں بھی ہوں تو ان کا شریعت میں کوئی وجود نہیں اس لیے کہ جو چیز نظر ہی نہیں آتی اس کا حکم و اعتبار نہیں لگایا جا سکتا۔ یعنی ان بعض لوگوں نے بھی بذاتِ خود ہوا کو پاک مانا ہے۔ وضو ٹوٹنے کی وجہ وہ اجزاء لطیفہ کے غیر مرئی (نہ دکھائی دینے والے) ذرے ہیں جو ان کے گمان میں ہوا کے ساتھ خارج ہوتے ہیں بہر کیف ہوا نے فسوٰی کو کسی نے پلید نہیں کہا۔ فتاوٰی بحر الرائق جلد اوّل کے ص۳ پر ہے۔ وَالرِّیْحُ لَا یَنْقُضُ اِلَّا لِذٰلِکَ لَا لِاَنَّ عَیْنَھَا نَجِسَۃٌ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ عَیْنَھَا طَاھِرَۃٌ ترجمہ اور ریح (ہوا) وضو صرف اسی وجہ سے توڑتی ہے کہ وہ نجاست کے اندر سے ہو کر نکلتی ہے۔ اس لئے کہ بذاتِ خود وہ ہوا پاک ہے۔ نہ اس لیے کہ وہ نجس ہے اس ہوا کو کسی نے بھی پلید نہ کہا۔ نیز عقل و شعور کا بھی تقاضا ہے کہ ہوا پاک ہی ہے کیونکہ ہوا ایک بیرونی چیز ہے اور بیرونی پاک چیز جب اپنی اسی شکل و کیفیتِ جسمانی حالت سے باہر نکل آئے تو اگرچہ دبر کے راستے معدے اور او جھڑی کی کشش سے ہی سے نکلے مگر وہ پاک ہے۔ اسی لیے فقہاء نے حصاۃ یعنی کنکری کو دبر سے خارج ہونے کے باوجود پاک مانا ہے کیونکہ کنکری منہ وغیرہ کے راستے پیٹ میں جانے سے پہلے پاک تھی تو جب اپنی اسی اصلی شکل و حالت میں دبر سے باہر نکلی تب بھی پاک ہے۔ یہی شرعی حکم کا پنج وغیرہ بلکہ غذا کا ہے۔ کہ اگر دبر کے راستے پیٹ میں سے ثابت اصلی حالت میں دانے باہر نکل آئے تو دھو لینے سے پاک ہوں گے اگرچہ ان کو کھانا طبّی لحاظ سے ممنوع ہے۔ مگر اس کو کپڑے میں رکھنے سے کپڑا ناپاک نہ ہو گا فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مکھی دبر میں گھس کر خشک ہی باہر نکل آئی تو پاک ہے۔ جیسا کہ فتاوٰی بحر الرائق ص۳ جلد اوّل میں ہے۔ ہاں جو چیز اپنی اصلی حالت بدلا لے گی اور معدے میں فضلہ بن جائے گی وہ پلید ہو گی۔ لیکن دبر سے نکلا ہوا کیڑا اگرچہ معدے میں اسی کھائی ہوئی غذا سے بنا ہے وہ اس لیے پلید نہ ہو گا کہ وہ حیوانی تشخص بن گیا اور ایک جاندار علیحدہ مخلوق کی شکل میں

ہو گی لہٰذا وہ رحم کے بچے کی شکل ہوگا۔ انسانی رحم کا بچہ پلید نہیں ہوتا بریں وجہ کیڑا بھی پلید نہیں ہاں اس پر لگی ہوئی تری پلید ہوگی کیونکہ وہ معدے کی گندگی ہے۔ اگر خشک کیڑا نکلے تو ہر طرح پاک ہے مگر اس کیڑے کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ گندگی کے اندر سے نکلا ہے۔ جیسے کہ ذکر ہوا۔ اب اگر کسی کی جاہلانہ عقل ان مسائل کو نہ مانے تو اس کا علاج نہیں ہے معترض اور منکر کو چاہئے کہ اس کے خلاف کوئی یا دلیل یا حوالہ مسئلہ بتائے صرف انکار فعل حماقت ہے **دوسرا مسئلہ** ۔ بیوی مطلقہ یا غیر مطلقہ کی فرج داخل پر خاوند کی نظر۔ نماز پڑھتے ہوئے پڑ جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ جان بوجھ کر بھی نظر ڈالے بشرطیکہ کعبے سے رخ نہ پھیرے تو اگرچہ یہ کام شرعاً مکروہ ہے مگر نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ بھی عقلاً نقلاً شرعاً قانوناً ہر طرح ہر امام اور علما فقہا کے نزدیک بالکل درست اور معتبر ہے چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۸۶ پر ہے وَلَوْ رَاٰی فَرْجَ الْمُطَلَّقَةِ رَجْعِیًّا بِشَهْوَةٍ یَصِیْرُ مُرَاجِعًا وَلَا تَفْسُدُ فِیْ رِوَایَةٍ وَهُوَ الْمُخْتَارُ ترجمہ اگر نمازی خاوند نے اپنی رجعی طلاق والی بیوی کا فرج نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لی شہوت سے تو رجوع طلاق صحیح مان لیا جائے گا لیکن نماز ٹوٹے گی فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۵۵۵ پر ہے۔ وَفِی الْخُلَاصَةِ لَوْ نَظَرَ اِلٰی فَرْجِ الْمُطَلَّقَةِ رَجْعِیًّا بِشَهْوَةٍ یَصِیْرُ مُرَاجِعًا وَلَا تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ فِیْ رِوَایَةٍ هُوَ الْمُخْتَارُ۔ ترجمہ۔ اگر کسی شخص نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی کی فرج ننگی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لی تو رجوع تسلیم کر لیا جائے گا لیکن نماز نہیں ٹوٹے گی۔ تمام فقہا کے نزدیک یہی مختار مذہب ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ آگے اسی صفحہ پر اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَهٰذَا یُشْكِلُ عَلَی الْفَرْقِ الْمَذْكُوْرِ لِاَنَّهٗ اَتٰی بِمَا هُوَ مِنْ دَوَاعِی الْجِمَاعِ وَلِذَا صَارَ مُرَاجِعًا اِلَّا اَنْ یُّقَالَ فَسَادُ الصَّلٰوةِ یَتَعَلَّقُ بِالدَّوَاعِی الَّتِیْ هِیَ فِعْلٌ غَیْرُ النَّظَرِ وَالْفِكْرِ وَاَمَّا النَّظَرُ وَالْفِكْرُ فَلَا یُفْسِدَانِ عَلٰی مَا مَرَّ لِعَدَمِ اِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُمَا ترجمہ۔ اور یہ قانون مذکورہ فرق کی شکل بنا دیتا ہے کہ نماز اور رجوع میں کیا فرق ہے۔ اس لیے کہ وہ نمازی خاوند اپنی شہوت والی نظر سے جماع اور وطی کی طرف بلانے والی چیزوں کی طرف آیا۔ اور طلاق رجعی سے رجوع کا تعلق کرنے اور جماع کے لوازمات شہوت وغیرہ سے ہے وہ پایا گیا لہٰذا رجوع صحیح ہو گیا کیونکہ نظر سے شہوت پیدا ہوئی اور شہوت قلبی و فکری جماع کے قائم مقام ہے۔ لیکن نماز کے ٹوٹنے اور فاسد ہونے کا تعلق عمل کثیر سے ہے اور نظر یا فکر عمل کثیر نہیں ہے۔ اس لیے نماز میں سامنے دیکھ لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہاں البتہ کعبے سے رخ پھیرنا عمل کثیر ہے۔ اسی طرح نماز میں کوئی اچھا برا خیال آنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ نظر اور فکر و خیالات اپنے قابو میں نہیں ہوتے ان سے بچنا بہت مشکل ہے بزرگان صوفیا نظر و فکر کو صحیح قائم رکھنے کے لیے بڑی محنت

جلے مراقبے کرتے ہیں۔ یہی بدبخت ظالم دیوبندی جو یہاں اس مسئلے میں اعلحضرت کی مخالفت کی آڑ لیکر اس مسئلے کا انکار کر رہا ہے اور بڑا متقی خاں بنتا ہے اسی کے بڑے گرگوں نے لکھا ہے کہ گدھے بیل کے خیال سے نماز نہیں ٹوٹتی مگر نبی علیہ السلام کے خیال سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (از تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی) معاذ اللہ تعالیٰ مِنْ شَرِّ الْخُبَثَاءِ الْوَهَّابِيِّين بہرکیف یہ مسئلہ بھی متفقہ مسلم الثبوت اور تسلیم شدہ ہے۔ کہ اس طرح دیکھ لینے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور عقل و شعور بھی اس مسئلے کو مانتا ہے کیونکہ نمازی کے سامنے سے بہت سے ننگے جانور بلی کتے گدھے بیل گزر جاتے ہیں مگر ان کو دیکھنے اور ان کی شرم گاہوں پر نگاہ پڑنے کے باوجود نماز نہیں ٹوٹتی۔ وہابیہ سوال کہ جانوروں پر تو پردہ فرض واجب نہیں مگر انسانوں پر تو پردہ فرض ہے شرم گاہ چھپانا۔ واجب ہے لہٰذا فرق ہوا انسانی شرم گاہ کے دیکھ لینے کو جانوروں کی شرم گاہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہ سوال اس لیے غلط ہے کہ یہ فرق شرم گاہ والے کے لیے ہے انسان پر لازم و فرض ہے کہ اپنی شرم گاہ چھپائے اگر کوئی ننگا ہو کر سامنے آجائے تو دیکھنے والے پر گناہ نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ شوق سے دیکھنے میں شوق کرنے کا گناہ ہوگا مگر اس دیکھنے سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ اگرچہ جان بوجھ کر دیکھنا اور بار بار دیکھنا مکروہ فعل ہے۔ یہی اعلحضرت نے لکھا ہے اور تمام فقہا کا مسلمہ مسلک ہے اس لیے اعلحضرت مجدد ملت پر اعتراض کرنا گمراہی ہے

تیسرا مسئلہ۔ یہ کہ اگر کسی نمازی مرد کی نگاہ اجنبی ننگی عورت کی شرم گاہ پر پڑ جائے اور نمازی کو اس دیکھنے سے شہوت بھی آجائے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ یہ مسئلہ بھی اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ساختہ نہیں بلکہ تمام فقہاء اسلام و ائمہ مجتہدین کا بادلائل فرمودہ ہے۔ یہاں تک کہ خود معترض کے اکابر فضلاء دیابندہ وہابیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ فتاویٰ اشرفیہ تھانویہ میں اس قسم کے سب مسائل لکھے ہیں۔ امام احمد رضا مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر فتاویٰ مراقی الفلاح کا حوالہ پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح ص[illegible] پر ہے۔ وَلَا تُفْسِدُ صَلَاتُهُ بِنَظْرِهِ إِلَى فَرْجِ الْمُطَلَّقَةِ أَوِ الْأَجْنَبِيَّةِ يَعْنِي فَرْجَهَا الدَّاخِلَ بِشَهْوَةٍ فِي الْمُخْتَارِ لِأَنَّهُ عَمَلٌ قَلِيلٌ وَإِنْ ثَبَتَ بِهِ الرَّجْعَةُ ترجمہ: نمازی اگر بحالت نماز اپنی مطلقہ یا کسی اجنبی یعنی غیر بیوی عورت کی ننگی شرم گاہ داخل اندرونی دیکھ لے اور نماز پڑھنے والے شخص کو اس دیکھنے سے شہوانی خیال بھی آجائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کی وجہ یہ کہ یہ نگاہ ڈالنا عمل قلیل ہے۔ اور کسی بھی عمل قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ نماز عمل کثیر سے ٹوٹتی ہے فقہاء کرام نے عمل کثیر کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول ص ۲۸۶ پر منقول ہے۔ لیکن اس نگاہ کرنے اور شہوت آنے سے مطلقہ رجعیہ کی طلاق سے رجوع ثابت ہو سکتا ہے یہ فرق پہلے اوپر شامی کی عبارت سے واضح کر دیا گیا۔ یہ فتاویٰ مراقی الفلاح۔ شامی۔ درمختار۔ فتاویٰ فتح القدیر وغیرہ کتب فقہ۔ قرآن و حدیث کی ایسی روشنی والی معتبر و مقبول کتابیں ہیں جن کو وہابی دیوبندی وغیرہ

سب ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان ہی کتب کے حوالے اپنے اپنے فتاویٰ کی زینت بناتے ہیں نیز آج تو یہ دیوبندی اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ رضویہ میں درج ہونے کی بنا پر ان اسلامی مسائل کا انکار کر رہا ہے مگر آج سے پہلے اسی فتاویٰ رضویہ کو دیوبندی وہابی وغیرھم سب فرق بالا سر وچشم تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ فتاویٰ رضویہ مقدسہ تقریباً سو سال سے چھپ کر شائع ہوتا چلا آرہا ہے آج تک کسی مخالف نے اس پر کسی قسم کا اعتراض سوال یا انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کی یہاں تک کہ بڑے دیوبندی وہابی اشرف علی صاحب تھانوی نے اسی فتاویٰ رضویہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب سے ہمارے کچھ اختلاف ہو سکتے ہیں مگر ان کا فقہی مقام و مرتبہ مسلّم ہے اسی طرح جناب مودودی صاحب نے حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند روزہ محفل سے متاثر ہو کر اپنی ایک بڑی محفل میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے قولاً و تحریراً فرمایا کہ اعلیٰحضرت۔ مولانا احمد رضا خان کا مقام فقہ میں بلند مرتبے پر ہے۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچے۔ وغیرہ۔ حکایت۔ جب پہلے وقتوں میں حضرت قبلہ علامہ قاضی عبدالنبی کوکب علیہ الرحمۃ نے چند مرتبہ مودودی کی چند محفلوں کو زینت بخشی تو بعض تنگ نظر رضویوں نے بلا سوچے سمجھے حضرت علامہ پر وہابیت اور مودودیت کا فتویٰ لگا دیا۔ جب علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کا پتہ لگا تو آپ نے اپنی میٹھی عادتِ کریمہ کی طرح مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں کس طرح وہابیوں کو قبول ہو سکتا ہوں میرا تو نام ہی وہابی کش ہے میں تو ان کی محفلوں میں تعارفِ اعلیٰحضرت کی غرض سے جاتا ہوں۔ واقعی یہ علامہ کوکب صاحب کی ہی دانشوری تھی کہ اتنے متعصبین شخصیتوں سے بھی اعلیٰحضرت کا لوہا منوالیا۔ جب میں نے ایک دفعہ ایک مخالف علامہ کوکب علیہ الرحمۃ سے علامہ کا یہ جواب بیان کیا تو رضوی صاحب فرمانے لگے کہ اعلیٰحضرت کو کوئی ضرورت نہیں ایسے تعارفوں کی میں نے کہا کہ اعلیٰحضرت کو واقعی کوئی ضرورت نہیں مگر آج اس زمانے میں ہم کو اور تم کو ضرورت ہے۔ یہ تحریریں آج مخالفین کے سامنے ہمارے پاس بہت منہ توڑ و دندان شکن دلیلیں ہیں یہ تحریر لے لینا علامہ کوکب علیہ الرحمۃ کا تمام اہلِ سنت پر احسان ہے اس پر وہ رضوی صاحب مان گئے۔

چوتھا مسئلہ۔ یہ کہ عورت نماز پڑھ رہی ہے۔ خاوند نے اس کا بوسہ لے لیا۔ عورت کو خواہش و لذت پیدا ہوئی۔ عورت کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ معترض اس پر اعتراض کرتا ہے مگر یہ مسئلہ بھی بالکل درست ہے اور تمام فقہا کا فرمودہ ہے۔ مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ صرف اعلیٰحضرت کا ہی نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۵۸۸ پر ہے۔ وَذُكِرَ فِي الْبَحْرِ عَنْ شَرْحِ الزَّاهِدِيِّ أَنَّهُ لَوْ قَبَّلَ الْمُصَلِّيَةَ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهَا۔

ترجمہ۔ اور فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۲ پر، ذکر فرمایا گیا بحوالہ شرح زاہدی۔ کہ بیشک اگر کسی خاوند نے نماز پڑھنے والی اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تو بیوی کی نماز فاسد نہ ہوگی فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ خلاصہ نے لکھا

کہ نماز فاسد ہو جائے گی تو امام بحرالرائق نے اس کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز نہیں ٹوٹے گی اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی چنانچہ بحرالرائق جلد دوم ص۱۲ پر ہے۔ وَاَمَّا قَوْلُهُمْ كَمَا فِي الْخَانِيَةِ وَالْخُلَاصَةِ لَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ هِيَ الْمُصَلِّيَةُ دُوْنَهُ فَسَدَتْ بِشَهْوَةٍ اَوْ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ وَلَوْ كَانَ هُوَ الْمُصَلِّي فَقَبَّلَتْهُ وَلَمْ يَشْتَهِهَا فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ۔ فَمُشْكِلٌ اِذْ لَيْسَ مِنَ الْمُصَلِّيْ فِعْلٌ فِي الصُّوْرَتَيْنِ فَمُقْتَضَاهُ عَدَمُ فَسَادِهَا فِيْهِمَا۔

ترجمہ۔ لیکن وہ قول جو کسی کا فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ خلاصہ نے بیان کیا کہ اگر بیوی نماز پڑھ رہی ہو نہ کہ خاوند اور وہ خاوند اس نماز پڑھتی ہوئی کا بوسہ لے تو بیوی کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ خاوند کو شہوت ہو یا نہ ہو اور اگر وہ خاوند نماز پڑھ رہا ہو نہ کہ بیوی اور بیوی نے اپنے نمازی خاوند کا بحالت نماز بوسہ لے لیا اور بیوی کو شہوت نہ تھی تو خاوند کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ یہ سب مسئلے قابلِ اشکال یعنی غلط ہیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں نمازی سے تو کوئی کام سرزد نہیں ہوا۔ نہ عمل کثیر نہ قلیل۔ اس وجہ سے اقتضاء النص یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹنی چاہئے ان عبارات کے اطلاق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر نماز پڑھتی ہوئی عورت کو خاوند کے اس بوسے سے شہوت بھی آگئی تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ دلیل اور وجہ وہی ہے جو مرد کی نظر الی فرج الداخل میں بیان ہوئی کہ شہوت آنا ایک باطنی اور خیالی تصوراتی چیز ہے اور نگاہ و خیالات آنے سے نماز نہیں ٹوٹا کرتی جب کہ عورت کی شہوت تو بالکل ہی باطنی ہے۔ بخلاف مرد کے کہ اس کی شہوت اس کو ظاہر نظر آتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اگر خاوند نے شہوت میں آ کر نماز پڑھتی بیوی کا بوسہ لیا تو نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں چنانچہ بحرالرائق جلد دوم ص۱۲ پر ہے۔ وَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ اِنْ كَانَ بِشَهْوَةٍ فَسَدَتْ ۔ ترجمہ ابو جعفر نے کہا کہ اگر خاوند نے شہوت سے بوسہ لیا تو بیوی کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خاوند کی شہوت اس کے عمل کثیر کے ساتھ جماع کے درجہ میں ہے جب کہ بحالتِ نماز اگر نمازی عورت سے جماع کر لے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح یہاں بوسہ لینے سے بھی ٹوٹ جائے گی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل اور قیاس غلط ہے کیونکہ جماع مثل بوسے کے نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اعلیٰحضرت کا مسئلہ تمام ائمہ کے نزدیک درست ہے اس پر اعتراض و انکار جہالت ہے۔ **پانچواں مسئلہ** ۔ یہ کہ نماز میں احتلام ہوا اور منی باہر نہ آئی کہ نماز مکمل کر لی سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد منی اتری تو غسل واجب ہوگا۔ مگر نماز نہیں ٹوٹی وہ پوری درست ہوگئی۔ معترض وہابی صاحب کو اس پر بھی اعتراض و انکار ہے۔ حالانکہ یہ بالکل عام فہم قابلِ تسلیم مسئلہ ہے اس پر بھی تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر جلد اول ص۲۴ پر ہے وَكَذَا لَوِ احْتَلَمَ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَنْزِلْ اَتَمَّهَا فَاَنْزَلَ لَا يُعِيْدُهَا وَيَغْتَسِلُ . . . . ترجمہ۔ اور ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کی

حالت میں اس کو احتلام ہو گیا اور اس نے تشہد پورا کر کے سلام پھیر دیا سلام پھیرنے کے بعد اس کو انزال ہوا تو نماز درست و مکمل ہو گئی وہ نہ لوٹائی جائے گی۔ اور منی نکلنے کے بعد اس پر غسل واجب ہوا لہٰذا غسل بھی اب کرنا پڑے گا۔ عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ نماز نہ ٹوٹے کیونکہ نماز ٹوٹتی ہے وضو یا غسل ٹوٹنے سے اور اس صورت میں نہ وضو ٹوٹا نہ غسل۔ وضو تو اس لیے نہیں ٹوٹا کہ بحالتِ نماز مرد کے سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواہ قیام میں سو جائے یا تشہد و رکوع و سجود میں سو جائے۔ کیونکہ سونے کا تعلق دماغ اور شعور سے ہے آنکھوں کی پتلیاں پیچھے مغز کی طرف ہو جاتی ہیں شعور دماغی لاشعور میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ظاہر سے لاتعلق ہو کر قلب کو غافل کر دیتا ہے یہ ہے گہری نیند کی حقیقت۔ یہ کیفیت انسان پر بلا قید ہر وقت طاری ہو سکتی ہے دن ہو یا رات صبح ہو یا شام سردی ہو یا گرمی بیماری ہو یا تندرستی کھڑا ہو یا بیٹھا سفر میں ہو یا حضر میں سواری پر ہو یا پیدل غرضکہ مختلف طبیعتوں کی بنا پر ہر شخص کی نیند بھی مختلف ہے بہت سے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے قیام و رکوع میں نیند آجاتی ہے تشہد میں بیٹھے ہوئے لوگ تو اکثر اوقات سو جاتے ہیں۔ گجرات پاکستان میں ہمارے ایک بزرگ صوفی بشیر آف نیشنل بینک پاکستان اکثر کھڑے کھڑے نماز میں سو جاتے ہیں التحیات میں کئی دفعہ ان کو جھومتے دیکھا گیا۔ تراویح کے دوران تو بہت سو کر خراٹے لیتے بھی سنا گیا ہے۔ کئی لوگوں کا بیان ہے کہ وہ نماز میں کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں اور خواب بھی اچھا برا دیکھ لیتے ہیں کئی لوگوں نے مجھ سے اپنے وہ خواب بیان کیے جو انہوں نے دفتر میں بیٹھے بیٹھے یا کسی کے انتظار میں کھڑے کھڑے سو کر دیکھ لیے اسی طرح بہت سے خواب نماز کی حالت میں دیکھے گئے اور جب اس طرح سونے میں خواب آجاتے ہیں تو احتلام کا تعلق بھی خواب سے ہی ہے۔ مگر وضو ٹوٹنے کا تعلق فقط ہر قسم کی نیند سے نہیں بلکہ وضو اس نیند سے ٹوٹتا جس میں اعضا ڈھیلے پڑ جائیں مثلاً لیٹ کر سونا۔ ٹیک لگا کر سونا۔ وغیرہ وغیرہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مرد سجدے میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا یہی حدیث مقدسہ سے ثابت و واضح ہوتا ہے چنانچہ ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۲۲ پر ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَامَ وَھُوَ سَاجِدٌ حَتّٰی غَطَّ اَوْ نَفَخَ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قَدْ نِمْتَ قَالَ اِنَّ الْوُضُوْءَ لَا یَجِبُ اِلَّا عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ ۔ ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے دیکھا کہ آقاء کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے سجدے میں سو رہے ہیں اور آپ خراٹے بھی لے رہے ہیں (راوی نے یا لفظ غط کہا یا نفخ، ترجمہ دونوں کا ایک ہی ہے خراٹے لینا) پھر نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھتے رہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیشک آپ تو سجدے میں سو گئے تھے

ارشادِ پاک فرمایا کہ بیشک وضو صرف اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جو شخص لیٹ کر سوتا ہے اس کے اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ یعنی ہوا نکلنے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے اس کی شرح میں شارحین نے فرمایا کہ نماز میں سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ شرح ترمذی حاشیہ صـــ۲۳ پر ہے۔ ثُمَّ فِیْ کُتُبِنَا اَنَّ النَّوْمَ فِی الصَّلٰوۃِ غَیْرُ نَاقِضٍ ترجمہ پھر ہماری تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ وقانونِ شرعی موجود ہے کہ بیشک نماز پڑھتے ہوئے بحالتِ نماز سو جانا وضو نہیں توڑتا حضرت ابن عباس والی حدیث پاک سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ نماز میں نیند آجاتی ہے اور خراٹے بھی آجاتے ہیں جس سے گہری نیند کا ثبوت ملا اگر خراٹوں کی آواز نہ ہوتی تو حضرت عباس کو نیند کا پتہ نہ لگتا اور نہ سوال کرتے نہ جواب میں مسئلے کا پتہ چلتا۔ نیز اگرچہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا سو جانا وضو نہیں توڑتا مگر آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب ارشاد فرمانا تا قیامت تمام مسلمانوں کو ہر نمازی کے لیے یہ حکم شرعی سنانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحالتِ نماز نیند طاری فرما کر یہ مسئلہ ہی زبانِ اقدس سے ظاہر فرمانا ہو۔ آقاء کائنات کی تو ہر ادا ہی وحیِ الٰہی ہے۔ ترمذی شریف کے اسی صـــ۲۳ پر اگلی سطور میں ہے۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُوْنَ ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ فَيُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّئُوْنَ (وَفِیْ قُعُوْدًا) ۔ ترجمہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام بہت دفعہ نماز عشاء میں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے۔ پھر وقتِ جماعت ہونے پر کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا فرما لیتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ اس حدیثِ مبارکہ سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ اس نیند سے خراٹے بھی آتے ہوں گے ورنہ راویِ محترم کو نیند کا کس طرح پتہ لگتا۔ اور خراٹے آنا گہری نیند کی نشانی ہے اور گہری نیند میں خواب آنے سے مانع کوئی چیز نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ گرے بغیر گہری نیند بیٹھے بیٹھے آسکتی ہے خواہ تشہد میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو اور اس نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ورنہ صحابہ کرام تازہ وضو فرما لیا کرتے۔ آگے ارشاد ہے قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَسَمِعْتُ صَالِحَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَاَلْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ عَمَّنْ نَامَ قَاعِدًا۔ ترجمہ فرمایا امام ابو عیسیٰ نے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور میں نے امام صالح بن عبد اللہ سے سنا آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام ابن مبارک سے پوچھا کہ جو شخص باوضو ہو اور جان بوجھ کر بیٹھے بیٹھے سو جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اس پر اب وضو نہیں ہے یعنی اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ تمام ائمہ صحابہ و تابعین فرماتے ہیں کہ جو کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے سو جائے اس پر وضو واجب نہیں۔ کیونکہ اس کا وہی وضو پہلے والا قائم ہے اس عبارت سے ثابت ہوا کہ کھڑے کھڑے بھی گہری نیند آجاتی ہے۔ اور وضو نہیں ٹوٹتا آگے ارشاد ہے۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ مَنْ نَامَ قَاعِدًا فَرَاٰى رُؤْيَا اَوْ زَالَتْ مَقْعَدَتُهٗ لِوَسَنِ النَّوْمِ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ ۔

ترجمہ۔ یہ فرمان صرف امام شافعی کا ہے کہ اگر کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے سونے کی حالت میں خواب دیکھ لیا یا ڈھیک گر پڑا اور اس کی مقعد اپنی جگہ سے ہٹ گئی البتہ طاری ہوئی نیند تو اس پر وضو واجب ہے۔ یہ قول امام شافعی کا اپنا ذاتی ہے جس میں پہلی صورت ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ خلاف حدیث ہے مگر بات یہ کرنا ہے کہ بیٹھے بیٹھے سو جانے میں بھی خواب آ آجاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود تمام صحابہ وفقہا کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواب آجانے میں ہر طرح کی خواب شامل ہے اگرچہ احتلام والی خواب ہو۔ لیکن جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں ٹوٹتا چنانچہ مشکوۃ شریف صـ۴۰ پر ہے۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِي۔ ترجمہ۔ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا مذی کے بارے میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اور منی نکلنے سے غسل ٹوٹتا ہے۔ ترمذی شریف جلد اوّل صـ۲۱ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْاِحْتِلَامِ . . . ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ آقاء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ پانی (انزال ہونے) سے پانی یعنی غسل واجب ہوتا ہے یہ احتلام کے بارے میں حکم ہے۔ یعنی احتلام ہونے کی صورت میں غسل اس وقت ٹوٹے گا جب انزال ہوگا اور نوجوان طبقہ اس مشاہدے اور تجربے سے کب ناواقف ہے کہ اگر احتلام کی خواب سے ایک دم آنکھ کھل جائے تو انزال تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا۔ بعض دفعہ انزال ہوتا ہی نہیں اور بعض دفعہ پیشاب کے ساتھ رکی ہوئی منی نکلتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں غسل اس وقت ٹوٹے گا۔ جب منی خارج ہوگی یہی مسئلہ فتاویٰ رضویہ اور تمام کتب فقہ میں سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے۔ التحیات (تشہد) میں سو گیا اور اس گہری نیند میں اس کو احتلام والی خواب آئی ابھی انزال نہ ہوا کہ آنکھ کھل گئی نمازی نے فوراً تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ سلام پھیرتے ہی انزال ہوا تو نماز مکمل ہو گئی اور بعد نماز انزال کی وجہ سے بعد میں غسل واجب ہوا اس نیند اور اس احتلام سے نماز کے اندر نہ وضو ٹوٹا نہ غسل کیونکہ مرد کا اپنی نماز کے کسی حصے میں سو جانا وضو نہیں توڑتا جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہاں البتہ عورت اگر سجدے میں سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ عورت کا سجدہ اضطجاعی لیٹنے کی شکل ہوتا ہے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ عورت کا سجدہ زمین سے چپٹا ہوتا ہے اور اضطجاعی لیٹنے کی نیند سے وضو ٹوٹتا ہے خواہ اضطجاع مستلقیاً ہو یا اضطجاع متورکاً لیکن نوم قیامی وقعودی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا کہ نیند چار قسم کی ہوگئی ۱۔ نوم قیامی ۲۔ نوم قعودی ۳۔ نوم اضطجاع مستلقی ۴۔ نوم اضطجاع متورکی۔ مرد کا سجدے میں سو جانا۔ نوم قیامی کی شکل ہے اور عورت کا سجدے میں سو جانا نوم اضطجاع متورکی کے مشابہ ہے۔ پہلی دو نیندوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دوسری دونوں نیندوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

چھٹا مسئلہ۔ حقے کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس مسئلے پر بھی معترض کو اعتراض و انکار ہے حالانکہ ایسے عام فہم مسئلے کا انکار تو بچگانہ و احمقانہ حرکت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پانی بذاتِ خود پاک طیب طاہر و مطہر ہے سمندر کا ہو دریا کا یا کنووں چشموں نلکوں کا ہو بارش کا یا جوہڑ تالابوں حوضوں کا اللہ تعالیٰ کے یہ سب پانی ہیں۔ ان کو ناپاک پلید اور نجس صرف گندگی ڈال کر ہی کیا جا سکتا ہے بغیر گندگی پڑے ان پانیوں کو کوئی چیز کوئی جگہ ناپاک نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ برتن یا جگہ میں پلیدی لگی ہو تو اس میں پانی ڈالا ہوا بھی ناپاک ہے۔ جس طرح مولیٰ تعالیٰ کا ہر پانی بذاتِ خود پاک ہے اسی طرح زمین کی ہر جڑی بوٹی نباتات گھاس پھوس پتے کھیت کھلیان بیل بوٹے اشجار غرضکہ جو بھی زمین سے اگتا ہے وہ پاک طیب ہے کھٹا ہو میٹھا۔ کڑوا یا کسیلا۔ بکسا ہو یا پھیکا۔ پلپلا ہو پھس پھسا خوشبودار ہو یا بدبودار۔ کڑا ہو یا نرم۔ رب تعالیٰ کی یہ تمام پیداوار پیدائشی طور پر پاک ہے۔ ان ہی نباتات میں تمباکو اور تمن۔ ثوم اور بصل ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ اتنی سخت بدبودار ہیں کہ ان کو کسی حالت میں مسجد و عبادت گاہوں میں لانا جائز نہیں مگر اس کے باوجود پاک ہیں۔

اس لیے کہ ان کی یہ بدبو پیدائشی ہے۔ جو بدبو بعد میں پیدا ہو وہ چیز کو ناپاک و حرام کرتی ہے جیسی پیشاب شراب اور بسا ہوا سالن۔ پیدائشی بدبو سے پلیدی نہیں آتی پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ پانی کا مزہ رنگ و بو بدل جائے۔ لیکن پانی پاک طیب طاہر و مطہر ہی رہے گا چنانچہ فتاویٰ در مختار شامی جلد اوّل ص۱۴۱ پر ہے۔ لَا لَوْ تَغَيَّرَ۔ اَیْ لَا یَنْجُسُ لَوْ تَغَيَّرَ بِطُوْلِ مَكْثٍ۔ فَلَوْ عُلِمَ نَتْنُهٗ بِنَجَاسَةٍ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ شَكَّ فَالْاَصْلُ الطَّهَارَةُ ۔ ترجمہ۔ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ کسی جگہ زیادہ ٹھہرنے سے۔ پس اگر قطعی یقین سے جان لیا گیا کہ اس پانی کی بدبو نجاست کی وجہ سے ہے تب تو واقعی پانی کا استعمال ناجائز ہوگا۔ اور اگر شک یا وہم ہو تو اس کا اعتبار نہیں خواہ کتنی ہی بدبو پانی میں پیدا ہو جائے پانی ناپاک نہ ہوگا اس لیے کہ پانی کی اصلیت پاک ہونا ہے لہٰذا بدبودار ہونے کے باوجود پانی پاک رہے گا۔ اور جو پانی پاک ہو اس سے وضو بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رد المحتار جلد اوّل ص۱۲۷ پر ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّ الْعُلَمَاءَ اِتَّفَقُوْا عَلٰی جَوَازِ رَفْعِ الْحَدَثِ بِالْمَاءِ الْمُطْلَقِ وَعَلٰی عَدَمِہٖ بِالْمَاءِ الْمُقَیَّدِ ثُمَّ الْمَاءُ اِذَا اخْتَلَطَ بِهٖ طَاهِرٌ لَا يُخْرِجُهٗ عَنْ صِفَةِ الْاِطْلَاقِ۔ جان لو کہ بیشک تمام امت کے علماء نے اس مسئلے پر اتفاق کیا ہے۔ کہ ہر قسم کے ماء مطلق جس کو پانی کہا جاتا ہو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔ اگر وہ نہ ملے تو مقید پانی سے بھی وضو وغیرہ کرنا جائز ہے پھر اس مسئلے میں بھی فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر پانی میں پاک چیز مل جائے یا ڈال دی جائے تو پھر بھی پانی ماء مطلق ہی رہے گا اور اس سے وضو جائز ہو گا۔ یعنی اگرچہ اس کا مزہ اور رنگ اور بدبو بدل جائے۔ جب یہ تمام قوانین شریعت ذہن نشین کر لیے تو سمجھ لو کہ حقے کے پانی کو جس گگری اور مٹلی میں بھرتے ہیں

وہ بالکل پاک برتن ہوتا ہے پانی بھی عام استعمال والا بھرا جاتا ہے وہ بھی پاک۔ تمباکو ایک پودا ہے جو بقول علامہ شامی سن ۱۰۱۲ھ یعنی گیارھویں صدی ہجری میں علاقۂ دمشق کے اندر دریافت ہوا۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی جلد پنجم ص۲۹۶ پر درمختار کی عبارت سے منقول ہے وہ بھی بحیثیت نباتات ہونے کے پیدائشی پاک اگر تمباکو کا پتہ پانی میں گر جائے یا کپڑے اور جیب میں رکھا ہو تو وہ کپڑا اور پانی ناپاک نہ ہوگا حقے میں تو تمباکو پانی میں جاتا ہی نہیں صرف اس کا دھواں وہ بھی بہت قلیل مقدار میں جاتا ہے اور چند دن بعد اس پانی کا مزہ دھواں جاتا ہے اور بو بدل جاتی ہے رنگت بھی قدرے اس دھوئیں سے پیلی ہو جاتی ہے۔ مگر کون اس کو ناپاک کہہ سکتا ہے۔ اور کیونکر کہہ سکتا ہے کس قانون سے کوئی اس پانی کو پلید کہہ سکتا۔ جب اس حقے کے پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں تو وہ یقیناً پاک ہے اور پاک پانی سے وضو جائز ہے۔ فقہاء کرام کے نزدیک تو سگریٹ بیڑی حقہ سب پھر پینا جائز ہے چنانچہ فتاویٰ رد المحتار جلد پنجم ص۲۹۶ پر ہے۔ وَلِلْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ عَلِيٍّ الْاَجْهُوْرِيِّ الْمَالِكِيِّ رِسَالَةٌ فِيْ حِلِّهِ نَقَلَ اَنَّهٗ اَفْتٰى بِحِلِّهِ مَنْ يُّعْتَمَدُ عَلَيْهِ مِنْ اَئِمَّةِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ قُلْتُ وَاَلَّفَ فِيْ حِلِّهِ اَيْضًا سَيِّدُنَا الْعَارِفُ عَبْدُ الْغَنِيِّ النَّابُلُسِيُّ رِسَالَةً سَمَّاهَا الصُّلْحُ بَيْنَ الْاِخْوَانِ فِيْ اِبَاحَةِ شُرْبِ الدُّخَانِ۔ (الخ) وَاَقَامَ الطَّامَّةَ الْكُبْرٰى عَلَى الْقَائِلِ بِالْحُرْمَةِ اَوْ بِالْكَرَاهَةِ فَاِنَّهُمَا حُكْمَانِ شَرْعِيَّانِ لَابُدَّ لَهُمَا مِنْ دَلِيْلٍ وَلَا دَلِيْلَ عَلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ اِسْكَارُهٗ وَلَا تَفْتِيْرُهٗ وَلَا اِضْرَارُهٗ بَلْ ثَبَتَ لَهٗ مَنَافِعُ فَهُوَ دَاخِلٌ تَحْتَ قَاعِدَةِ الْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ۔

ترجمہ۔ تمباکو پینے کے حلال اور جائز ہونے کے بارے میں علامہ شیخ علی اجھوری مالکیؒ کا پورا ایک رسالہ تصنیف ہے جس میں انہوں ان بزرگوں کے فتوے نقل فرمائے ہیں جن کو ائمہ اربعہ کے سب مقلدین تسلیم کرتے ہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حقے "تمباکو کے حلال اور جائز ہونے کے ثبوت میں عارف باللہ شیخ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام رکھا ہے "اَلصُّلْحُ بَيْنَ الْاِخْوَانِ فِيْ اِبَاحَةِ شُرْبِ الدخان اور اس رسالے میں ان لوگوں پر بڑے اعتراض قائم فرمائے ہیں جو تمباکو پینے کو حرام یا مکروہ کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ حرام اور مکروہ ہونا شرعی حکم ہے۔ ان کے ثبوت کے لیے شرعی دلیل چاہئے۔ صرف منہ سے حرام حرام کہنا تو کافی نہیں۔ اور تمباکو پینے کے بارے میں آج تک کوئی دلیل کسی کے پاس حرام یا مکروہ ہونے کی نہ پائی جا سکی اس لیے کہ تمباکو میں نہ نشہ ہے نہ فتور عقل ہے نہ نقصان بلکہ لوگوں کو اس تمباکو نوشی سے کئی قسم کے فائدے حاصل ہیں۔ لہٰذا تمباکو نوشی علم اصول فقہ کے اسی قانون کے تحت بالکل جائز ہے کہ تمام اشیاء میں اصلیت حلال اور پاک و جائز ہونا ہے۔ حرمت و نجاست تو بندے کے اپنے فعل سے آتی ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ حقہ اور اس کا

تھا کو اس کا گڑا اس کا پانی سب کچھ پاک ہے لہٰذا اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے دین و فقہ کو سمجھنا وہابی جہلا کا کام نہیں۔ اہل علم و عقل ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ساتواں مسئلہ۔ یہ کہ رحم کی رطوبت پاک ہے۔ اس پر بھی معترض کو اعتراض اور یہ اعتراض صرف اعلیٰحضرت کی دشمنی و مخالفت میں ہے ورنہ ذرا سی عقل رکھنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ جسم انسانی کی ہر چیز پاک ہے سوائے بول و براز اور خون پیپ کے۔ مثلاً تھوک۔ بلغم۔ رینٹ دودھ گوشت پوست پسینہ۔ ہڈی پٹھے غدود ناخن یہ تمام چیزیں پاک ہیں۔ جب اتنی اشیا پاک ہیں تو رحم کی رطوبت کیوں اور کس دلیل سے ناپاک ہوگی جن فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی استدلالی روشنی میں تھوک اور دودھ کو پاک فرمایا ہے انھوں نے ہی رحم کی رطوبت کو پاک فرمایا ہے جب وہ تسلیم ہے تو اس کا انکار کیوں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے جسم والدہ میں سب سے زیادہ طیب طاہر منزہ مبرہ اور مضبوط و محفوظ چیز رحم کو پیدا فرمایا ہے اس لیے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ صلحاء زُھّاد اور اہل ایمان کو امانت رکھا جاتا ہے۔ رحم مادر نورِ الٰہی اور انوارِ معرفت کا مخزن ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں کبھی بھی کفر و شرک کی ظلمت و نجاست تک نہیں آنے دی تو بھلا ظاہری نجاست کس طرح اس میں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ ترجمہ۔ ارشادِ حدیث پاک ہے کہ ہر بچہ رحم مادر میں ایمانِ الٰہیہ اور فطرتِ وحدانیت کے ساتھ مومن پیدا ہوتا ہے پھر باہر دنیا میں آکر اس کو ماں باپ یا صحبت بد یہودی عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا لیتے ہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کے مقدس اجسام کو گندی جگہ میں رکھے۔ نیز بہت سے اولیاء اللہ کی سوانحات میں مذکور ہے کہ ان کی نورانیت رحم مادر میں ولادت سے پہلے کئی بزرگوں نے بچشم سر دیکھی۔ پلیدی میں نورانیت کب ظاہر ہو سکتی ہے بہت سے بزرگوں کی تلاوتِ قرآن مجید شکم مادر میں سنی گئی۔ اگر رحم میں رطوبت گندی ہوتی تو قدرت الٰہی کا یہ اظہار کبھی نہ ہوتا کیونکہ گندی جگہ تلاوت کرنا ممنوع ہے۔ بعض جہلا یہ سوال کر سکتے ہیں کہ نطفہ منی بذاتِ خود پلید و نجس ہے تو جب اس گندی چیز سے اجسام انبیا اولیا صلحا مومنین بنا دیے گئے تو گندی جگہ میں ودیعت رکھنے سے کیا مضائقہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نطفہ منی کا پلید ہونا مثل بہتے خون کے ہے جب تک خون جسم کے اندر ہے اس وقت تک پاک و طیب ہے جب بہتا ہوا باہر نکلے گا تب پلید ہوگا اسی طرح نطفہ جب احتلام وغیرہ کے ذریعے باہر نکلے گا تو ناپاک ہوگا اس سے کپڑا پلید ہوگا۔ مگر جب تک نطفہ جسم کے اندر ہے اور اندر ہی اندر منتقل ہو رہا ہے تو پلید نہیں۔ عورت کا نطفہ تو اندر اندر ہی رحم میں پہنچ گیا اور مرد کا نطفہ بھی آلۂ تناسل کے ذریعے بغیر باہر نکلے اندر ہی اندر شکمِ مادر میں پہنچ گیا لہٰذا وہ بھی پاک رہا۔ غرضکہ کوئی چیز بھی رحم میں ایسی نہیں پہنچی جس سے رحم کی رطوبت ناپاک ہوتی۔ رحم کی رطوبت مثل پسینے اور بلغم کے پاک ہے اگر باہر نکل کر پانی یا کپڑے سے لگ جائے تو کپڑا۔ اور

پانی پلید نہیں ہوگا بخلاف منی اور نطفے کے کہ وہ مثل خون و پیشاب کے ہے جب باہر نکلے گی تو نجاست غلیظہ ہے یہ تمام مسائل شریعت اسلامیہ کے قانون اور فقہاء کرام کے فرمودہ ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار شامی جلد اوّل ص ۲۲۳

رُطُوبَۃُ الْفَرْجِ طَاهِرَةٌ خِلَافًا لَهُمَا وَلِذَا نُقِلَ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ اَنَّ رُطُوبَةَ الْوَلَدِ عِنْدَ الْوِلَادَةِ طَاهِرَةٌ وَكَذَا السَّخْلَةِ اِذَا خَرَجَتْ مِنْ اُمِّهَا وَكَذَا الْبَيْضَةِ فَلَا يَتَنَجَّسُ بِهَا الثَّوْبُ وَلَا الْمَاءُ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ۔ (الخ) وَعِنْدَهُمَا يَتَنَجَّسُ وَهُوَ الْاِحْتِيَاطُ

ترجمہ۔ فرج یعنی رحم کی رطوبت طاہر اور پاک ہے صاحبین کے خلاف ہے اسی قانون کی بناء پر فتاویٰ تتارخانی میں ہے کہ ولادت کے وقت نومولود بچے کے جسم پر جو گیلا پانی اور تری رطوبت ہوتی ہے وہ پاک ہے۔ اور ایسے ہی سخلہ یعنی بکری گائے بھینس اونٹنی کا نومولود بچہ ولادت کے وقت اس کے جسم پر رطوبت اور تراوٹ پاک ہے جس وقت ولادت سے وہ والدہ کے پیٹ سے نکلتا ہے اور ایسے ہی مرغی کا انڈا جب مرغی کے پیٹ سے نکلے تو اس کی رطوبت بھی پاک ہے پس نہیں ناپاک ہوگا اس سے کپڑا اور نہ پانی جب گر جائے اس میں اور امامین صاحبین نے جو فرمایا کہ ناپاک ہے وہ تو یہ فقط ان کی ذاتی احتیاط ہے کوئی شرعی قانون نہیں۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ رحم کی رطوبت اور اس کے اندر کا تمام ہر قسم کا پانی پاک ہے۔ یہ مسئلہ عقلاً نقلاً ہر طرح درست ہے اور تمام فقہاء کرام نے اپنے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہمارے سامنے اس وقت جو معتبر فی الاسلام فتاویٰ ہیں ان میں سب میں یہی لکھا ہے کہ رحم یعنی فرجِ داخل کی رطوبت پاک ہے۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر[۱]۔ فتاویٰ بحرالرائق[۲]۔ فتاویٰ عالمگیری[۳] فتاویٰ قاضی خان۔[۴] فتاویٰ بزازیہ[۵] فتاویٰ درمختار علیٰ تنویر الابصار[۶] فتاویٰ شامی[۷] قدوری[۸] ہدایہ[۹] [۱۰] فتاویٰ مالکیہ[۱۱] فتاویٰ شافعیہ کبریٰ لابن حجر شافعی۔ وفتاویٰ رملی[۱۲] شافعی وغیرہ یہی لکھا ہے کہ نومولود بچہ۔ بچے کے جسم پر بوقتِ ولادت جو رطوبت لگی ہوتی ہے وہ پاک ہے وہ بچہ یا سخلہ یا انڈا پانی میں گر جائے یا رکھا جائے تو اس رطوبت سے وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ بشرطیکہ بچے کے جسم پر نفاس کا خون نہ لگا ہو۔ اگر بچے یا انڈے پر خون بھی لگا ہے اور وہ پانی میں گیا یا کپڑے سے لگا تو خون کی وجہ سے پانی کپڑا پلید ہوگا نہ کہ رطوبت سے یہ وہ فتاویٰ ہیں جن کو وہابی دیوبندی بھی مانتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس مسئلے کو اپنے فتاویٰ رضویہ میں لکھنے کے بعد فرمایا۔ کہ بچے کے جسم اور انڈے پر لگی ہوئی رطوبت کا پاک ہونا میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن چونکہ سب فقہا ہی اس کو پاک فرماتے ہیں اس لیے غور طلب مسئلہ ہے انکار کی بھی جرأت نہیں۔ اعلیٰحضرت کی اس مسئلے میں آخری عبارت اس طرح ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔ اس عبارت کا ترجمہ۔ فقہاء کرام کے اس مسئلے پر جو اعتراض ذہن میں قائم ہوتا ہے ابھی اس کا حل اور جواب سمجھ نہیں آرہا ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی پر یا خود اعلیٰحضرت پر اس کا جواب ظاہر فرمادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر حقیر اقتدار احمد خاں ابن حضرت حکیم الامت

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ کہتا ہے کہ ابھی میں نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت دیکھی نہ تھی صرف مسائل کے پیش کردہ اس اعتراض اور اس کے جواب پر ہی غور کر رہا تھا کہ میرے رب کریم جلّ وعلیٰ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھ کو اس کا حل و جواب ظاہر فرمایا اور اعلیٰحضرت بریلوی کی لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ امرًا والی امید مبارکہ میرے ذہن پر منکشف ہوئی۔ اور امام بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خدشہ ذہنی دور ہوا۔ میرے نزدیک اس ذہنی اعتراض کے جواب دو طرح ہیں۔ اَوَّلاً۔ یہ کہ رحم کا پانی مثل تھوک۔ بلغم اور دودھ کے ہے۔ کہ انسان اور حلال جانوروں کا جس طرح تھوک دودھ وغیرہ ہر حال میں ہر جگہ پاک ہے خواہ ان کے جسم میں ہو یا باہر نکل آئے اسی طرح رحم کا پانی بھی ہر جگہ پاک ہے خواہ رحم کے اندر ہو یا بچے اور انڈے کے جسم سے لگ کر باہر آجائے۔ اگرچہ رطوبت کی شکل میں ہو یا بچے کے جسم سے لگ کر قطروں کی شکل میں ٹپک کر پانی میں گرے۔ بہرکیف پانی ناپاک نہ ہوگا۔ نہ کپڑا پلید ہو جیسے تھوک وغیرہ جیسے خیال رہے کہ اجسام کے اندر جو عرفی یا شرعی چیزیں ہیں ان کی شرعی حکم میں تین قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی قسم مطلقاً ہر وقت ہر جگہ ہر حالت میں پاک جیسے تھوک۔ پسینہ دودھ وغیرہ کہ یہ چیزیں جسم کے اندر ہوں یا باہر نکل آئیں۔ رطوبت کی شکل میں یا بہتے اور ٹپکتے قطروں دھاروں کی شکل میں۔ دوسری قسم اصلاً مطلقاً ہر صورت میں ناپاک خواہ جسم کے اندر ہوں یا باہر شامی اول صفحہ ۲۱۳ جیسے پیشاب مذی و رجیع یعنی گوبر لید بیٹ ریلخ مرغی کی، مینگنی لینڈنے اور فضلہ براز۔ تیسری قسم۔ جسم کے اندر پاک اور جسم سے باہر نکلیں تو ناپاک جیسے کہ خون اپنی اصل بہتی حالت میں نکلا اور منی جب تک جسم کے اندر رہے پاک ہے جسم سے باہر نکلا تو ناپاک۔ اسی فرق کی بنا پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جو ہوا دبر سے نکلے وہ وضو توڑ دیتی ہے کیونکہ گندگی میں سے نکلی ہے۔ اور جو ہوا مرد کے ذکر و آلۂ تناسل سے نکلے یا عورت کی فرج سے وہ وضو نہیں توڑتی۔ کیونکہ وہ گندگی سے نہیں نکلی۔ اب ان قسموں میں سے رحم کا پانی کس میں شمار کیا جائے؟ تو میری تحقیق اور غور و فکر کے مطابق رحم کا پانی اور اس کی رطوبت مثل تھوک پسینے کے ہے کہ اندر ہو تب بھی پاک نیچے نکلا یا انڈے سے لگی ہو تب بھی پاک اس کا قطرہ بچے انڈے سے ٹپکے تب بھی پاک ہے اس طہارت کے لیے دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل تو وہی صوفیاء کرام کے فرمودات جو مندرجہ بالا بیان ہوئے۔ دوسری دلیل۔ یہ کہ فقہاء کرام نے مطلقاً ہر طور پر رحم کی رطوبت کو پاک فرمایا اس میں کسی حال و زمان کی قید نہیں لگائی گئی۔ لہٰذا مطلق کو مطلق ہی رہنے دیا جانا چاہیے ہمارے ان دلائل کی روشنی میں جب رطوبتِ فرج کو مطلقاً پاک و طاہر مانا گیا تو اب اعلیٰحضرت کا وہ ذہنی خدشہ و اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ ثانیاً۔ یہ کہ امام بریلوی کے خیال کے مطابق رحم کے پانی کو خون کی مثل مانا جائے تب اعلیٰحضرت کا وہ اعتراض اس طرح قائم ہوتا ہے کہ جب تک خون پیپ وغیرہ جسم کے اندر اپنے مورد پر رہے تب تک پاک ہے جب اپنے مقام اور مورد سے ہٹ جائے تو پلید ہے امام اعلیٰحضرت کا اعتراض یہ ہے کہ جب رحم کی رطوبت بچے بشخلہ اور انڈے کے ساتھ لگ کر باہر نکل آئی تو وہ اپنے مقام سے ہٹ گئی لہٰذا ناپاک ہوئی

چاہئے جیسے کہ اگر انڈے بچے سے نفاس کا خون لگ کر باہر آجائے تو پلید ہے اس کا جواب کہ اگر رطوبت رحم کو مثل خون مانا جائے تو جواب اس طرح سمجھ پر منکشف ہوا کہ بعض فقہاء کرام نے رطوبت رحم کو پاک قرار دیا نہ کہ قطرۂ تمیمہ یا فرج اور رحم کو اور رطوبت یا تراوٹ لگیا۔ اپنے مقام سے نہ ہٹی کیونکہ بچے کا جسم۔ انڈا۔ سخلہ وغیرہ یہ چیزیں رحم میں ہی پیدا ہوتی ہیں اور تری بھی رحم کی چیز ہے۔ تو رحم کی تری رحم ہی کی چیز کو لگی اب وہ چیز بذاتِ خود رطوبت کو لے کر باہر نکل آئی اس لیے رطوبت اپنے مقام سے نہ ہٹی اور اسی جسم کے ساتھ پانی میں گئی۔ یا کپڑے سے لگی پس اپنے مقام پر رہنے کی بناء پر رطوبت پاک اور اسی پاکیزگی کی حالت میں پانی یا کپڑے سے لگی تو پانی اور کپڑا بھی پاک۔ اگر بچے یا انڈے سے اتر کر قطرے کی صورت میں وہ رطوبت پانی یا کپڑے سے لگتی تب پانی و کپڑا ناپاک ہوتا کیونکہ رطوبت اپنے محل سے ہٹ کر پلید ہو گئی۔ کتب فقہاء کرام میں ہماری اس بات کی تائید موجود ہے۔ چنانچہ فتاویٰ غنیہ میں ہے۔ وَهٰذَا لِاَنَّ الرُّطُوْبَةَ الَّتِيْ عَلَيْهَا لَيْسَتْ بِنَجَسَةٍ لِكَوْنِهَا فِيْ مَحَلِّهَا۔ ترجمہ۔ اور یہ پانی وغیرہ کا ناپاک نہ ہونا اس لیے ہے کہ وہ رطوبت اور تری جو بچے یا انڈے پر ہے وہ ناپاک نہیں کیونکہ اپنے محل و مقام میں ہے اور جو چیز باہر آ کر اپنی جگہ سے ہٹ کر پلید ہو وہ اپنی جگہ میں رہ کر پاک ہوتی ہے۔ یہاں اس عبارت پر اعلیٰحضرت نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محل رطوبت تو رحم ہے نہ کہ نوزائیدہ بچے کی کھال یا انڈے کا چھلکا۔ اور امام بریلویؒ نے اس رطوبت کو شہید کے خون پر قیاس فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس طرح شہید کا خون جب تک شہید کے جسم کے ساتھ ہو پاک ہے۔ جب اس کو علیحدہ کیا اٹھایا تو پلید ہے میں کہتا ہوں اعلیٰحضرت کا یہ قیاس ٹھیک نہیں چاہیے تھا کہ عام خون پر قیاس کرتے یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہید کا خون اس کی کھال اور اس کے لباس پر خلافِ قیاس پاک ہے۔ مگر رطوبتِ رحم مطابق قیاس پاک ہے۔ خلافِ قیاس پر مطابق قیاس کو قیاس کرنا مع الفارق ہے یہ کہ شہید کا جسم ظاہر محل خون نہیں لیکن انڈے اور بچے کا جسم محلِ رطوبت ہے کیونکہ بچہ اور انڈا اسی رحم میں بنا بلکہ یہ رطوبت بچے اور انڈے کے اپنے نطفے کی ہے۔ اور محل میں تو یہ رطوبت پاک ہے لہٰذا کھال اور چھلکے پر جو اس کے محل ہونے کے پاک ہی ہی در محل کے ساتھ ہی پانی میں گئی تو اگرچہ پانی میں گھل مل گئی۔ پانی پاک ہی رہے گا اس وجہ سے پاک چیز کے گھلنے سے پانی پلید نہیں ہو سکتا۔ اسی قانون کا ذکر فتاویٰ غنیۃ المبتدی نے مندرجہ بالا عبارت میں کیا ہے۔ اس رطوبت کو شہید کے خون پر قیاس نہ کیا جاتا بلکہ عام خون پر قیاس زیادہ بہتر تھا۔ شہید کا بہتا ہوا خون شہید کی کھال اور اس کے کپڑوں پر آجانے کے باوجود صرف اس لیے پاک ہے کہ حدیث پاک کے اقتضاء النص سے اس کے پاک ہونے کا ثبوت ملا چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۲ پر ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى اُحُدٍ اَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَاَنْ يُدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔ ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہداء احد کے بارے حکم ارشاد فرمایا کہ ان کے ہتھیار اور پوستین اتار لو اور ان کے خون اور کپڑوں کے

ساتھ ہی ان کو دفن کردو۔ ابوداؤد و ابن ماجہ کے حوالے سے۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ شہداء عظام کا خون جسم کی ظاہری کھال اور جسم سے متصل پہنے ہوئے لباس تک بہکر اگر آجائے تو پاک ہی رہے گا اور وہ جسم و کپڑا بھی پاک رہے گا۔ فرمانِ نبوی نے ظاہری کھال بلکہ لباس کے کپڑے کو محلِ خون بنادیا لیکن چونکہ خلاف قیاس حکم تھا اس لیے اپنے مورد پر ہی رہتے ہوئے پاک رہے گا۔ لیکن اگر خون اس سے آگے بہے گا تو ناپاک ہوگا۔ اور اگر گیلا گیلا خون شہید کے کپڑوں یا جسم سے لگ کر کسی دوسرے کپڑے یا جگہ یا پانی میں بشکل قطرہ گرے یا صرف لگ جائے تو خون پلید ہو کر اس دوسری چیز کو بھی ناپاک کردے گا۔ کیونکہ اب اپنے مورد سے ہٹا ہے۔ صرف اسی حدیث مقدسہ کے اقتضاء النص سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ شہید کا خون اس کے بدن و لباس پر پاک ہے چنانچہ فتاویٰ بحرالرائق جلد اول صفحہ ۲۳۰ پر ہے۔ وَاَمَّا دَمُ الشَّهِيْدِ فَهُوَ طَاهِرٌ مَا دَامَ عَلَيْهِ فَاِذَا اُبِيْنَ مِنْهُ كَانَ نَجِسًا كَذَا فِي الظَّهِيْرِيَّةِ حَتّٰى لَوْحَمَلَهٗ مُلَطَّخًا بِهٖ فِي الصَّلٰوةِ صَحَّتْ ۔

ترجمہ۔ اور لیکن شہید کا خون پاک ہے جب تک کہ اس پر قائم رہے لیکن جب وہ خون اس سے جدا ہو کر گرے یا لگے تو ناپاک ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے خون سے لتھڑے شہید کو اٹھالیا اور نماز پڑھی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ چونکہ ارشاد نبوی میں صرف شہید کے بدن اور لباس ہی کا تذکرہ ہے اس لیے خونِ شہید صرف اس حد تک پاک ہوا اگر فرمانِ نبوت میں یہ واضح ہوتا کہ شہید کا خون پاک ہے تو پھر کسی مورد اور کسی حد بندی یا قید کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ ہر جگہ ہر طرح خون پاک ہی ہوتا۔ اس فرمان کے مطابق اب شہید کا ظاہری جسم اور کپڑے اندرونی جسم کے مشابہ اور حکم و درجے میں ہو گئے۔ لہٰذا اس پر رحم کی رطوبت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اعلیٰحضرت نے یہاں تامل نہ فرمایا ورنہ یہ قیاس نہ فرماتے بلکہ رطوبتِ رحم کو عام خون پر قیاس فرماتے اس لیے کہ عام انسانی اور حلال حیوانی خون اصلاً پلید نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی اول صفحہ ۱۴۰ پر ہے۔ بلکہ جب یہ بہتا ہوا باہر نکل کر اپنی محل اور جگہ سے ہٹ جائے تب پلید ہوگا۔ اسی بناء پر تمام مفسرین۔ سورۃ انعام کی آیت ۱۴۵۔ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ۔۔۔ (الخ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خون صرف وہ ناپاک ہے جو بہتا ہوا جسم سے باہر نکلے۔ چنانچہ تفسیر صاوی علی جلالین جلد دوم صفحہ ۵۲ پر ہے وَالدَّمُ الْمَسْفُوْحُ نَجِسٌ مِنْ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ بِخِلَافِ غَيْرِهٖ (الخ) فَاِنَّهٗ لَيْسَ بِنَجِسٍ ترجمہ۔ صرف بہتا ہوا خون رجس یعنی پلید ہے بخلاف دوسرے خون کے جو اپنے محل میں ہی جم جائے یعنی جسم کے اندر اگرچہ ظاہر نظر آتا ہو۔ شہید اور عام انسان کے خون میں فرق یہ ہے کہ عام انسان کے خون کا اندرونی اصلی مقام جسم کا باطن ہے مگر خونِ شہدا کی حدیں ذرا وسیع کردی گئی ہیں کہ اس کا محل اس کے کپڑے بھی بن گئے ہیں۔ اور جب کہ خون اپنے محل میں ہو تو پاک ہے اسی طرح رحم کی رطوبت کو اگر خون کی شکل مانا جائے تو وہ بھی اپنے محل میں پاک ہے۔ رطوبت کا محل بچے کی کھال۔ انڈے کا چھلکا۔ خونِ شہید کا محل اس کے کپڑے اور

عام خون کا محل اندرونی جسم۔ اور جو پلیدی اپنے محل میں جب تک رہے گی شرعاً پاک ہوگی۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت شہید کا خون آلود سوکھا ہوا کپڑا اگر پانی میں گر جائے اور پانی کی رنگت اس سے سرخ بھی ہو جائے تب بھی پانی پاک رہے گا۔ اسی طرح اگر زخم کے اندر خون آیا اور اندر ہی جم گیا۔ اس خونِ منجمد کی ٹکڑی اٹھا کر کسی نے پاک پانی میں ڈال دی تو پانی ناپاک اور پلید نہ ہوگا۔ یہی حکم اس نوزائیدہ بچے اور انڈے کا ہے جو رطوبتِ رحم کے ساتھ پانی میں گر جائے۔ وہ پانی بھی پلید نہ ہوگا لباسِ شہید سے متعلق اسی قانونِ شرعیہ کے تحت حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب شانِ حبیب الرحمٰن کے صفحہ ۱۹۰ پر تحریر فرمایا کہ شہید کا خون آلود کپڑا اگر پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہیں ہوتا۔ اور اسی قانونِ شرعیہ کے تحت فقہاء کرام وضو کے کچھ مسائل بیان فرماتے ہیں چنانچہ فتاویٰ مراقی الفلاح صفحہ ۱۹ پر ہے

فَصْلٌ عَشْرَةُ اَشْيَاءَ لَا تَنْقُضُ الْوُضُوْءَ مِنْهَا ظُهُوْرُ دَمٍ لَمْ يَسِلْ عَنْ مَحَلِّهٖ لِاَنَّهٗ لَا يَنْجُسُ جَامِدًا اَوْ لَا مَائِعًا عَلَى الصَّحِيْحِ فَلَا يَكُوْنُ نَاقِضًا وَمِنْهَا سُقُوْطُ لَحْمٍ مِنْ غَيْرِ سَيَلَانِ دَمٍ لِطَهَارَتِهٖ وَانْفِصَالُ الطَّاهِرِ لَا يُوْجِبُ الطَّهَارَةَ (الخ)

ترجمہ۔ دس چیزیں وضو نہیں توڑتیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بدن پر خون ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں بلکہ ایک جگہ قطرہ کھڑا رہے اس لیے کہ اپنے محل پر خون پاک ہے نجس نہیں جامد ہو یا پتلا بہنے کے لائق یہی صحیح مذہب ہے اور چونکہ وہ خون اس جگہ پاک ہے لہٰذا ناقضِ وضو نہیں۔ اور ان میں سے دوسری یہ ہے کہ کسی وضو والے انسان کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کٹ کر گرے مگر خون نہ نکلا نہ بہا اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے کہ یہ گوشت پاک ہے اور پاک چیز کا جدا ہونا وضو نہیں توڑتا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ خون اپنے محل میں جم جائے تو وہ پاک ہے اور پاک چیز جسم سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور جب یہ جما ہوا خون پاک تسلیم کیا گیا تو اگر یہ اٹھا کر پانی میں ڈال دیا گیا یا کپڑے پر رکھ دیا گیا تو پانی و کپڑا پلید نہ ہوگا۔ اسی طرح فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۱۳۱ پر ہے۔ وَدَمٌ لَوْ تُرِكَ لَمْ يَسِلْ لَيْسَ بِنَجِسٍ۔ اَيْ لَا يُعْرَضُ لَهٗ وَصْفُ النَّجَاسَةِ بِسَبَبِ خُرُوْجِهٖ ترجمہ۔ اور اگر بدن پر خون کا قطرہ ظاہر ہوا اس کو چھوڑ دیا پونچھا نہیں وہ قطرہ وہیں کھڑا اور ٹھہرا ہوا جم گیا تو وہ ناپاک نہیں ہے یعنی فقط اوپر ظاہر ہو جانے کی وجہ اس کو نجاست نہیں بنا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ اپنے محل و مقام پر جما ہوا خون پاک ہے اور جو پاک ہو وہ کسی دوسری چیز کو ناپاک کیسے کر سکتی ہے۔ ایسا جما خون پانی میں پڑ جائے کپڑے سے لگ جائے کوئی پلیدی نہیں لا سکتا۔ ہماری اس مدلل تقریر سے معترض کا اعتراض بھی ختم ہو گیا اور مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذہنی خدشہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ سب اعلیٰحضرت ہی کی برکت و فیوض ہیں کہ ان کی امید بر آئی۔ رطوبتِ فرج کو تھوک کے مثل مانو تب بھی اور خون کے مثل مانا جائے تب بھی بچے اور انڈے پر لگی رطوبت طاہر و پاکیزہ ہے۔ کیونکہ بچہ و انڈہ محلِ رطوبت ہے واللہ اعلم بالصواب

آٹھواں مسئلہ ۔ یہ کہ اگر نجاست بول و براز کے مخرج سے آگے بڑھے اور ڈھیلوں سے اچھی طرح و توانی (استنجاء

کرلی جائے۔ جگہ بالکل صاف و کھُردری ہو جائے تو اگر اس جگہ پھر پانی لگایا جائے یعنی بلاضرورت پانی سے وہ جگہ دھوئی جائے استنجا کیا جائے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اس پر بھی معترض کو اعتراض و انکار ہے۔ مگر یہ بھی معترض کی کند ذہنی ہے ورنہ حقیقت میں یہ مسئلہ بھی عام فہم اور شرعاً درست ہے۔ لیکن اس کی مدلل وضاحت سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مذہب اسلام جیسے کائنات میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور پاکیزگی کا سبق دینے والے دین میں ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کی اہمیت اور حقیقت و مقام اور حکم کیا ہے۔ اور ڈھیلوں سے استنجا کرکے کس درجہ کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سمجھ لینے کے بعد مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔ اور معترض کی اُلجھن دور ہو جائے گی۔ اسلامی نظریہ مقدسہ کے متعلق چار باتیں ذہن میں رکھنی ضروری ہیں۔ ۱۔ یہ کہ استنجا کی قسمیں ۲۔ استنجا کرنے کا مقصد ۳۔ استنجا کرنے کا فائدہ ۴۔ شریعت میں استنجے کا درجہ و حکم۔ تو خیال رہے کہ اسلام میں استنجا کرنے کی تین قسمیں ہیں جن کے نام عربی میں ۱۔ استجمار ۲۔ استطابت ۳۔ استنجا۔ اردو میں ان کا ترجمہ ہے ۱۔ ڈھیلا لینا۔ ۳۔ مخرج سے نجاست ختم کرنا ۳۔ پانی وغیرہ سے دھو ڈالنا۔ امام نووی نے شرح مسلم جلد اول صفحہ ۱۳۲ پر فرمایا۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ يُقَالُ الْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ لِتَطْهِيْرِ مَحَلِّ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَاَمَّا الْاِسْتِنْجَاءُ مَا يَخْتَصُّ بِالْمَسْحِ بِالْاَحْجَارِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ فَيَكُوْنَانِ بِالْمَاءِ وَيَكُوْنَانِ بِالْاَحْجَارِ۔ ترجمہ۔ علماء کرام نے فرمایا کہ استطابت یعنی صفائی کرنا اور استجمار یعنی ڈھیلا کرنا اور آب دست و استنجا یہ تینوں لفظ پیشاب اور براز کی جگہ کو پاک کرنے کے لیے ہی مروّج و مستعمل ہیں۔ پس لیکن استجمار اور ڈھیلا خاص پتھر ڈھیلے سے صفائی کرنے کا نام ہے۔ لیکن استطابۃ اور استنجا عام ہیں پانی سے طہارت حاصل کرنے کے لیے اور پتھروں سے جگہ پاک و صاف کرنے کے لیے۔ امام نووی اسی جگہ آگے فرماتے ہیں۔ وَحَاصِلُ الْمَذْهَبِ اَنَّ الْاِنْقَاءَ وَاجِبٌ یعنی بہرصورت مقصد ہے کہ اس جگہ کی پاکیزگی ہو جائے۔ دوسری بات۔ استنجا کرنے کا مقصد۔ اسلامی شریعت میں استنجے کا مقصد ہے کہ وہ مخرج دبر کی جگہ اسی طرح پاک و صاف ہو جائے جس طرح نمازی کے جسم کے دیگر مقامات۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ استنجے کا مقصد نجاست کو کم کرنا یا چھپانا نہیں بلکہ قطعاً مکمل طور پر ختم کرنا ہے۔ چنانچہ حاشیہ ۲۵ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۶ پر ہے۔ قَوْلُهٗ يَسْتَطِيْبُ صِفَةُ اَحْجَارٍ مُسْتَطِيْبَةٌ وَالْاِسْتِطَابَةُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ وَالْاِسْتِجْمَارُ كِنَايَةٌ عَنْ اِزَالَةِ الْخَارِجِ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ عَنْ مَخْرَجِهٖ ترجمہ۔ حدیث مقدسہ سطرہ میں یستطیب کا جملہ احجار کی صفت ہے۔ کیونکہ پتھر ڈھیلے بھی جگہ کو پاکیزہ اور بالکل پاک کر دیتے ہیں ان کو صفائی حاصل کرنے کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور استطابت اور استنجا اور استجمار یعنی ڈھیلوں سے ڈھیلا کرنا سبیلین سے نکلے ہوئے بول براز کی مخرجی جگہ کو مکمل پاک طاہر اور نجاست زائل کرنے کے لیے ہی کنایہ اور مقصود ہیں۔ تیسری بات۔ استنجا کرنے کا فائدہ۔

اسلامی شرعی حکم سے ہر مسلمان پر استنجا کرنا فرضِ لازمی ہے جو نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ استنجے کی تین قسمیں پہلے بتا دی گئیں۔ استنجا ڈھیلے سے ہو یا کاغذ کپڑے سے یا پانی سے حکم ہے کہ اتنی اچھی طرح کرو کہ گندگی بالکل ختم ہو جائے حدیث پاک میں ڈھیلوں کی کم سے کم والی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پتھر ڈھیلے کے ساتھ استنجا و ٹوائی کرنے سے بھی اسی طرح جگہ اور مخرجِ دبر پاک ہو جاتی ہے جس طرح پانی کے ساتھ دھونے سے چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اوّل صـــ پر ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ ترجمہ۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ۔ (فِدَاهَا اَبِيْ وَاُمِّيْ وَاَنَا) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ بیشک کائنات کے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بول و براز کرنے جائے تو کم از کم تین ڈھیلے پتھر ساتھ لے جائے اور ان ڈھیلوں سے خوب صفائی کرے تو بیشک وہ پاکیزگی صفائی پانی سے دھونے کی مثل کافی ہے۔ یعنی ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اسی حدیثِ مقدسہ کی شرح و استنباط اور استدلال سے متعلق ترمذی شریف جلد اوّل ص۱ پر ہے۔ اَنَّ الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْحِجَارَةِ يُجْزِئُ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَنْجِ بِالْمَاءِ اِذَا اَنْقَى اَثَرَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ نیز۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈھیلے کے ساتھ ٹوائی کر لینے سے مکمل طہارت صفائی اور پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی جلد اوّل صـ۲۱۲ پر ہے۔ وَيَدُلُّ عَلٰى اِعْتِبَارِ الشَّرْعِ طَهَارَتَهٗ بِالْحَجَرِ مَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهٗ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّسْتَنْجٰى بِرَوْثٍ اَوْ عَظْمٍ وَقَالَ اِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ۔ (الخ) ترجمہ۔ ترمذی نے فرمایا کہ بیشک ڈھیلوں سے استنجا کرنا بالکل کافی ہے اگرچہ پانی سے استنجا نہ کرے جب کہ گندگی براز و بول کا اثر بالکل اچھی طرح صاف ہو جائے۔ شامی نے فرمایا۔ اور دلیل یہ حاصل ہوئی کہ شریعت اسلامیہ نے ڈھیلوں اور پتھروں کے ساتھ استنجا کرنے سے مکمل پاکیزگی صفائی طہارت حاصل ہو جانے کا پورا اعتبار کیا ہے اس حدیث پاک کی روشنی میں جس کو دارقطنی نے روایت بھی فرمایا ہے اور محدثین نے اس روایت مبارکہ کو درست بھی فرمایا ہے۔ کہ بیشک آقاء دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ استنجا کیا جائے سوکھے گوبر اُپلے سے یا کسی گندی ہڈی سے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے دارقطنی نے فرمایا کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں پاک نہیں ہیں۔ اقتضاءً ثابت ہوا کہ جب یہ لید گوبر ہڈی خود پاک نہیں ہیں تو گندی جگہ کو پاک کس طرح کر سکتی ہیں۔ لہٰذا ڈھیلوں سے پاکیزگی حاصل ہونے کی دلیل مل گئی کیونکہ وہ پاک ہیں۔ اگر ڈھیلوں سے بھی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہ ہو سکتی تو پھر ارشاداتِ نبویہ مقدسہ میں اس سے استنجا کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ چوتھی بات۔ سبحان اللہ تعالیٰ

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ پتھر ڈھیلے سے استنجا کرنا بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح پانی سے وہ جگہ اچھی طرح دھونا اور جس طرح ایک دفعہ اچھی طرح پانی سے استنجا کرنے کے بعد دوبارہ اسی وقت اگر پھر پانی سے استنجا کرے تو وہ پانی عقلاً نقلاً فہماً ہر ایک کے نزدیک پاک وطاہر ہے اسی طرح ڈھیلے سے اچھے طریق سے وثوائی کر لینے کے بعد پھر پانی سے استنجا کیا تو وہ پانی پاک ہوگا۔ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارات مبارکہ سے مسئلہ واضح ہوگیا اور معترض کا اعتراض ختم ہوگیا مگر ہم صراحتاً بھی فقہ کی عبارت سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔ تاکہ معترض کا یہ سمجھنا بھی باطل ہو جائے کہ یہ مسئلہ صرف اعلحضرت نے لکھا ہے۔ فتاویٰ شامی علی درمختار جلد اوّل صـ۲۱۲ پر ہے وَلِقَائِلٍ مَنْعُهُ لِجَوَازِ اِعْتِبَارِ الشَّرْعِ طَهَارَتَهُ بِالْمَسْحِ (الخ) وَاِنَّ الْمُخْتَارَ عَدَمُ عَوْدِهِ نَجِسًا۔ (الخ) وَاَنْ لَا يَتَنَجَّسَ مَاءُهُ عَلَى الرَّاجِحِ (الخ) ترجمہ۔ اور اس شخص کے لیے جو اسلامی شرعی نظریے سے ڈھیلوں کے استنجے سے مکمل پاکیزگی کا قائل ہے جائز ہے کہ پانی کی گندگی کے خلاف مسلک بنائے اور اس پانی کے گندہ ہونے کو منع کہے پلید نہ کہے۔ بلکہ اس پانی کو طاہر مانے۔ اس لیے کہ شریعت مطہرہ نے ڈھیلوں سے پونچھنے کو بالکل پاک وطاہر قرار دیا ہے اور وثوائی کی طہارت و پاکیزگی کا اعتبار کیا ہے۔ اور بیشک پسندیدہ و درست مذہب یہی ہے کہ نجاست نہیں لوٹ سکتی۔ اور ترجیح بھی اسی مذہب کو ہے کہ پتھروں ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پھر وہاں مخرج دُبر پر پانی لگنے سے وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ یہ تھی علامہ شامی کی عبارت اور ہمارے پیش کردہ دلائل وعبارات۔ اعلحضرت نے بھی اس مسئلے کو بلا دلیل بیان نہیں فرمایا بلکہ تمام مندرجہ بالا مسائل کو محنتِ شاقہ و تحقیق عاقہ و دلائلِ واقعہ سے ثابت کیا ہے دارِ قطنی۔ طبرانی کی روایت اور فتاویٰ جلیلہ شامی کے حوالے پیش کئے ہیں۔ عقل بھی اس مسئلے کو تسلیم کرتی ہے اس لیے کہ قانونِ شریعت کے مطابق جب نجاست مخرج سے نہ بڑھی ہو تو ڈھیلے سے استنجا کرنا ایسا ہی ہے جیسا پانی سے کرنا۔ ہر عقل وعلم والا جانتا ہے کہ جب ایک دفعہ پانی سے اچھی طرح استنجا کر لیا تو پھر دوبارہ پانی سے استنجا کرنا یا پانی میں غوطہ لگانا شرعاً پانی کو پلید نہ کرے گا۔ کیونکہ سارے جسم کی کھال کا حکم ایک جیسا ہے تو جس طرح پلیدی سے تھڑا ہوا ہاتھ پاک پانی سے اچھی طرح دھو کر یا کسی چیز سے اچھی طرح پونچھ کر جب دوبارہ دھویا جائے یا کسی پانی میں ڈالا جائے تو پانی پاک رہے گا کیونکہ ہاتھ کی پاک کھال کو پانی لگا۔ اسی طرح نیچے کی کھال ہے کہ جب ڈھیلے سے وہ جگہ اچھی طرح مکمل رگڑ رگڑ کر صاف کر دی تو وہ بالکل پاک ہے اگر ذرا بھی نجاست کو تصور کیا جائے تو نماز ہی جائز نہ ہوگی۔ جب شریعت نے اس وثوائی کو تسلیم کیا ہے تو کھال کو پاک ماننا پڑے گا اور جب پاک کھال پانی میں گئی یا پانی سے لگی تو وہ پانی پاک ہی رہے گا۔ یہ بالکل عقل میں آنے والی بات ہے بشرطیکہ انسان کے دماغ میں عقل ہو۔ ہماری ان شرعی دلیلوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ پانی پاک ہے لہٰذا اگر یہ پانی کسی کپڑے یا زمین سے لگا تو وہ زمین۔ کپڑا وغیرہ پلید نہ ہوگا۔ لیکن اس سے وضو پھر بھی

ٹھیک نہیں کیونکہ طبعاً گھناؤنا ہوگیا۔ اس وضاحت کے بعد۔ یا فتاویٰ رضویہ کو ایمانداری سے پڑھنے کے بعد اگر اب بھی کوئی اعتراض یا انکار کرے تو وہ اعتراض قرآن وحدیث وشرعی قوانین اور فقہ اسلامی پر تصور کئے جائیں گے۔ اور ایسے ہی لغو ہوں گے جیسے کفار کے اعتراض قرآن مجید پر یا چکڑالوی پرویزی اعتراض احادیثِ مقدسہ پر یا جیسے غیر مقلدوں کے اعتراضات فقہ اسلامی پر باطل کا پرانا طریقہ ہے کہ اعتراض وانکار کر دیا اگر اس کے مقابل کوئی دلیل پیش نہ کی یہاں تک تو ہمارے جوابات ودلائل کا تعلق تھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارا چیلنج ہے کہ تمام دنیا کے مٹھی بھر دیوبندی وہابی اور تیمیائی مل کر بھی ہمارے اس فتوے کے دلائل کو یا دلائل توڑ نہیں سکتے۔ اس مسائل کو تو دیوبندی اکابر نے بھی اپنی کتب میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ۱۳۷۶ھ جمادی الاوّل میں جامعہ اشرفیہ دیوبندیہ نیلا گنبد لاہور کا ایک مسئلہ ان کے رسالے میں شائع ہوا تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جو شخص بحالتِ نماز اپنی یا بیگانی عورت کی فرج پر نظر کرے کیا نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس کا جواب جمیل احمد تھانوی دیوبندی مفتی جامعہ مذکورہ نے دیا کہ اَلْجَوَابُ۔ نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۲۔ فتاویٰ دیوبندیہ فقہ محمدیہ کلاں جلد اوّل ص ۲۳ پر ہے۔ جب بچہ عورت کی فرج سے باہر نکلے اور اس پر فرج کی رطوبت لگی ہوئی ہو تو وہ بھی پاک ہے۔ اس وقت میرے پاس یہ دو ہی حوالے تھے اس لیے ذکر کر دئے ورنہ حقیقت ہے۔ کہ فتاویٰ رضویہ کے تمام مسائل کو ان دیوبندی اکابر کے علاوہ دنیا بھر کے علماء مانتے ہیں۔ لیکن دیوبندی وہابی کتابوں میں سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جو قرآن وحدیث اور فطرتِ ایمانی وعقلِ انسانی کے سراسر خلاف ہیں ہم پر اعتراض ہوتے ہم نے جواب بادلائل دیا۔ اب ہم نمونتاً ان کے چند غلط مسئلے بیان کرکے بادلائل جواب کا مطالبہ کرتے ہیں دیکھیں ہمیں جواب ملتا ہے۔ مگر یقین ہے کبھی کوئی ان مسائل کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود دیوبندی مفتیین ہی مسئلہ لکھتے وقت دلائل کا حوالہ پیش کر دیتے۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت نے اپنے تمام فتاویٰ میں ایک ایک مسئلے پر کثیر تعداد میں دلائل اور حوالے پیش فرمائے ہیں۔ لیکن اُدھر یہ حال ہے بڑے بڑے غلط اور بیہودہ مسائل میں فقط قلمی اپنی زبانی ہاں۔ اور نا سے مسائل بناتے چلے جاتے ہیں نہ کوئی ثبوت نہ دلیل نہ حوالہ نہ آیت نہ حدیث یہ فقط قلمی یا زبانی باتیں نہیں بلکہ ان کے فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے عینی مشاہدہ ہے گویا کہ شریعت ان کی گھر کی چیز ہے یا انہوں نے علیٰحدہ دین بنانے کی ٹھانی ہے کہ جو چاہا کہہ دیا جس کو چاہا حرام کر دیا جس کو چاہا جائز کر دیا۔ ایسے ہی بناوٹی مسائل میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں۔ مسئلہ نمبر ۱ کوا کھانا حلال ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے اس کی حرمت ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ العطایا جلد اوّل میں بہت تفصیل ودلائل سے اس کی حرمت ثابت کی ہے۔ مسئلہ نمبر ۲ کچھوا اور گوہ کھانا حلال ہے۔ فتاویٰ اہلحدیث وہابی۔ حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں یہ دونوں جانور حرام ہیں۔ اس کی حرمت کے دلائل بھی ہمارے فتاویٰ العطایا جلد اوّل میں موجود ہیں۔ مسئلہ نمبر ۳۔ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے از وہابی فتاویٰ عرف الجادی ص ۲۴۳۔ حالانکہ روایتاً۔ ودرایتاً ہر طرح گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی اور ممنوع اور قیاساً ظاہر حرام ہے

روایتاً تو اس طرح کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب جامع صغیر جلد دوم صـ۱۹۱ پر ابو داؤد شریف اور ابن ماجہ کی ایک حدیث مبارکہ نقل فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ وَكُلِّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ ۔ ۔ ۔ ترجمہ۔ منع فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت اور خچر اور گدھے اور ہر کیلوں والے درندے کا گوشت کھانے سے۔ اس حدیث پاک کو ابن ماجہ شریف نے کتاب الذبائح میں صـ۱۰۶۶ پر جلد دوم میں نقل فرمایا حدیث نمبر ۳۱۹۸ ہے اور ابو داؤد جلد دوم کتاب الذبائح میں صـ۱۷۵ پر اور مشکوٰۃ شریف کتاب الذبائح فصل ثانی صـ۳۶۱ پر حضرت خالد بن ولید سے روایت فرمایا۔ وہابی لوگ صرف چسکۂ لسانی کے طور پر اس کو ضعیف کہہ دیتے ہیں یہ ان کی پرانی عادت ہے اور مقام خیبر کی ایک منسوخ حدیث جابر بن عبداللہ کا سہارا پکڑتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ خیبر میں ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت یعنی رخصت دی۔ حالانکہ وہابی لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ وقتی اور عارضی رخصت دائمی قانون نہیں بنا کرتی مقام خیبر میں جنگ اور غربت و مسافرت کی بناء پر یہ حکم و اجازت بامر مجبوری تھا۔ اسی طرح ایک روایت میں صحابہ کا ایک ذاتی فعل بیان کیا گیا کہ وہ اپنے علاقوں میں گھوڑے کا بھی گوشت کھایا کرتے تھے۔ لیکن یہ حرمت سے پہلے کا فعل ہے۔ نیز علم اصول کا قانون ہے کہ جب رخصت و ممانعت یا حلت و حرمت والی احادیث موجود ہوں تو ترجیح ممانعت و حرمت کو ہوگی۔ درایتاً بھی گھوڑے کی حرمت ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ نحل پ۱۴ پیلا رکوع آیت ۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ اور سورۃ یٰس پ۲۳ رکوع ۵ آیت ۷۲ میں ہے وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ترجمہ۔ سورۃ نحل آیت ۸ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے گھوڑے اور خچر اور گدھے صرف اس لیے تاکہ تم لوگ اس پر سوار ہوا کرو۔ اور زینت حاصل کرو۔ سورۃ یٰس آیت ۷۲ اور ہم نے ان بڑے بڑے جانوروں کو ان انسانوں کے لیے عاجز و ماتحت کر دیا تو ان کی دو۲ قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم ان جانوروں چوپایوں کی ہے جو صرف ان کی سواریاں ہیں اور ان میں ایک قسم ان چوپایوں جانوروں کی ہے جن کو کھا سکتے ہو۔ ان آیتوں سے واضح ثابت ہو رہا ہے کہ گھوڑا کھانے اور گوشت کی خوراک بنانے کے لیے نہیں۔ کیونکہ اس کی بناوٹ اس کا استعمال چال ڈھال سب کچھ سواری ہونے کو ثابت کر رہا ہے بلکہ خچر و گدھے سے بھی زیادہ تیز رفتار سواری ہے۔ اونٹ پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ عمومی سواری کے لیے نہیں بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں اور اندرونی جسم کی بناوٹ صاف بتا رہی ہے کہ وہ مکمل طور پر صرف صحرائی ریگستانی ضروریات کے لیے ہے عام راستوں پر نہ وہ زیادہ چل سکتا ہے نہ بھاگ سکتا ہے۔ اونٹ کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے مگر آج اس دور میں بھی گھوڑے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی امام نے اس کی قربانی جائز نہیں جانی اس کا دودھ بھی اس کے گوشت کی مثل حرام۔

ہے۔ ہاں البتہ اس کا تھوک اور پسینہ صرف ضرورتاً پاک مانا گیا ہے جیسا کہ انسان کا تھوک پسینہ۔ ثابت ہوا کہ روایتاً درایتاً عقلاً نقلاً گھوڑا حرام ہے مسئلہ نمبر ۴ دیوبندی فتاویٰ فقہ محمدی کلاں جلد ی اوّل صفحہ ۴۱ پر ہے سوال۔ مرد و عورت کی منی پاک ہے تو آیا اس کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں۔ جواب اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ جائز ہے۔ (توبہ توبہ نعوذ باللہ) اس فتاوے کا مصنف ابوالحسن دیوبندی ہے۔ مسئلہ نمبر ۵ وہابی فتاویٰ نزل الابرار جلد دوم صفحہ ۲۸ اور صفحہ ۲۹ پر ہے ساس سے زنا کیا تو بیوی حرام نہ ہوگی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا تو بیوی بیٹے پر حرام نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ بات سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے۔ مسئلہ نمبر ۶ وہابی فتاویٰ عرف الجادی صفحہ ۱۰ پر ہے کہ ہر انسان و جانور کی منی پاک ہے۔ اب بتائیے ان گندے مسئلوں کا کوئی کیا جواب دے۔ مسئلہ نمبر ۷ اشرف علی تھانوی کی کتاب بوادر النوادر صفحہ ۲۱۳ سطر ۱ اور ۱۲ پر ہے فرج کی رطوبت اگر قطروں کی شکل میں ہے تب بھی پاک ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے رطوبت صرف وہ پاک ہے جو بچے یا انڈے کے ساتھ لگ کر آئی ہے خواہ ایک قطرہ ہے کیونکہ نکل جانے کے علاوہ جو پانی فرج سے بغیر انڈے بچے کے خود فرج سے بہتا ہے وہ رحم کا نہیں وہ مذی یا پیشاب ہوتا ہے اسی لئے فقہاء کرام اور اعلحضرت نے صرف رطوبت یعنی تری اور گیلاہٹ کو پاک مانا ہے۔ رطوبت جوہر نہیں بلکہ عرض ہے جب کہ قطرے جوہر ہیں یعنی رطوبت قائم بالغیر ہے اور قطرے قائم بالذات۔ مسئلہ نمبر ۸ امداد الفتاویٰ جلد دوم مصنف اشرف علی تھانوی صفحہ ۱۵۵ سطر ۱ پر ہے۔ کہ گائے یا بھینس کا مالک اپنی ملکیتی بھینس سے زنا کر سکتا ہے اور اس کا دودھ بھی پی سکتا ہے مسئلہ نمبر ۹ رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۱۲ سطر ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ جس تالاب میں چاروں طرف پیشاب پاخانہ کیا جاتا ہے اور اس کا پانی باہر بھی نہیں نکلتا اس کا پانی پاک ہے مسئلہ نمبر ۱۰ - افاضات یومیہ جلد ششم صفحہ ۱۴۷ سطر ۵ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ کثرت کا پانی جمع ہو اس میں تھوڑا پیشاب ڈال دیا جائے تو وہ پاک رہے گا۔ مسئلہ نمبر ۱۱ - رسالہ اہل حدیث امرتسر صفحہ ۵ ۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء میں ایک وہابی امام لکھتا ہے کہ اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے مسئلہ نمبر ۱۲ رسالہ اہل حدیث امرتسر ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ میں لکھتا ہے کہ باپ کی سوتیلی ماں پوتے پر حرام نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ وہ مسائل ہیں جو قرآن و حدیث کے علاوہ اخلاق و تہذیب اور انسانیت کے بھی خلاف ہیں۔ ایسے بیہودہ مسئلوں کا کوئی کیا جواب دے سکتا ہے۔ موجودہ دیوبندی وہابیوں کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کے ان لغویات کا مدلل جواب دیں۔ سوال کے آخر میں لکھا ہے کہ ہمارے چند احباب نے کہا ہے کہ اگر یہ مسائل فتاویٰ رضویہ میں اسی طرح لکھے ہیں تو عقل تسلیم نہیں کرتی اور دل گوارہ نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ وہابیوں کے ان مسائل پر دل گوارہ کرتا ہے۔ ہم نے تمہاری عقل اور دل کو کب مجبور کیا ہے کہ ضرور فتاویٰ رضویہ کو مانے۔ ہم نے تو فقط یہ ثابت کیا ہے کہ فتاویٰ رضویہ نورانیہ کے تمام مسائل قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ اسلامی کے عین مطابق ہیں۔ بعض جہلاء یہ بھی کر دیتے ہیں کہ ایسے مسائل لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ میں کہتا ہوں یہ بھی عجیب احمقانہ اعتراض ہے بھئی اگر فقہ کے

کے مسائل کتبِ فقہ میں نہ لکھے جائیں تو کہاں لکھے جائیں اگر تم کو یہ مسائل خلافِ عقل یا ناگوار اور گھنونے لگتے ہیں تو تم یہ فقہ کی کتابیں مت پڑھو اور جاہل بنے رہو۔ یہ کتابیں تو علما کے لیے اور علما بنانے والی ہیں۔ ایک ڈاکٹری کتاب کے اندر جسمِ انسانی کے تمام اعضا ظاہری و باطنی با تصویر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ وہاں عقل کو بھی تسلیم ہے اور دل کو بھی گوارہ تو اسی طرح یہاں بھی کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔ ۲۲/۳/۸۰۔

کتبہ

فتویٰ ۲۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں۔ کہ آبِ زمزم کے متعلق سچی اور مکمل تحقیق کیا ہے! کیا آبِ زمزم کا چشمہ حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے پاؤں کی رگڑ سے جاری ہوا تھا یا کسی اور طریقے سے جاری ہوا تھا۔ ہم نے تو تمام علماء عظام سے آج تک یہی سنا ہے کہ یہ چشمہ مبارکہ حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں کی رگڑ سے جاری ہوا تھا۔ مگر کل مانچسٹر میں بسلسلۂ حج کانفرنس ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں وہابیوں دیوبندیوں کا انتظام تھا۔ اس میں پہلے ایک وہابی مولوی نے دورانِ تقریر کہا کہ یہ چشمہ حضرت اسماعیل کے قدموں سے ہرگز ہرگز جاری نہیں ہوا اور اس طرح کہنا اور عقیدہ بنانا بھی کفر و شرک ہے۔ یہ چشمہ محض قدرتِ الٰہی سے جاری ہوا یہ بریلوی لوگ تو ہمارے پیارے اللہ کی ہر قدرت اور طاقت کو چھینکر اپنے ولیوں نبیوں کی طرف لگا دیتے ہیں۔ اس وہابی مولوی کے جانے بعد ایک دوسرا وہابی دیوبندی مولوی آیا اور اس نے تقریر میں کہا کہ آبِ زمزم کا چشمہ حضرتِ جبرئیل کے پر مارنے سے جاری ہوا اور حوالہ ابنِ تیمیہ کی کتاب کا دیا ایک تیسرے مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میکائیل کے پاؤں مارنے سے یہ چشمہ جاری ہوا۔ ان متضاد بیانات پر جلسے میں تو کسی نے بھی اعتراض نہ کیا مگر بعد میں بہت سے اہلسنت بریلوی مسلمانوں کو بہت تشویش ہوئی تو ہم نے مختلف علماء اہلسنت کی طرف بذریعے خط رجوع کیا مگر سب علماء برطانیہ نے آپ ہی کا پتہ بتایا کہ مکمل اور با دلائل تحقیقی و مضبوط کافی و وافی فتویٰ آپ ہی دے سکتے ہیں لہٰذا ہماری درخواست منظور فرماتے ہوئے ہم کو تسلی بخش فتویٰ عطا فرمایا جائے ہم اس کو شائع کریں گے تاکہ جہلا دیوبند کا منہ توڑا جا سکے بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا۔ دستخط سائل منظور احمد مانچسٹر۔ ۴/۱۲/۸۹۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ نَحْمَدُهٗ تَعَالٰى وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔ استفتاء گرامی تشریف لایا۔ آپ کا بھی شکریہ اور آپ کی وساطت سے ان علماء کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے فتویٰ نویسی کی عزت بخش کر

میرے علم میں زیادتی کا سبب بننے کی ہمت و زحمت فرمائی ورنہ اکثر علماء و فضلا مجھ سے میری دو ٹوک حق پسندی پر ناراض ہی رہتے ہیں۔ آپ کے مسئلے کا جواب اسی طرح ہے کہ موجودہ دور میں آبِ زمزم کے چشمے کے بارے میں ضد اور ہٹ دھرمی کی حد تک دو گروہوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۱؎ دیوبندی وہابی گروہ کہتا ہے کہ یہ چشمہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مقدس کی رگڑ سے نہیں نکلا۔ کس طرح نکلا؟ اس میں ان کا اپنا بھی آپس میں مزاج نہیں ملتا جیسا کہ آپ نے اپنا سوال لکھتے ہوئے ان کے مذکورہ فی السوال کانفرنسی جلسے کا آنکھوں دیکھا کانوں سنا حال درج فرمایا۔ اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ ان کے مذہب و مسلک کا بنیادی حال کیا ہے ۲؎ دوسرا مسلک اس بارے میں اہلسنت والجماعت کا ہے۔ اہلسنت علماء کہتے ہیں کہ آبِ زمزم کا چشمہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اس وقت پاؤں اور ایڑیوں کی رگڑ سے پھوٹا جب آپ شدتِ پیاس سے روتے ہوئے پاؤں چلا رہے تھے جیسا کہ عموماً بچے پاؤں چلایا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت اسمٰعیل کے پاؤں چلانے اور ایڑیاں رگڑنے سے پانی کا چشمہ نکل آنا محض اللہ تعالیٰ کی کریمانہ قدرت سے ہے اور حضرت اسمٰعیل کو اس چشمے کے ظہور کا ذریعہ بنانا رب تعالیٰ ہی کا کرم ہے۔ جس کو ہم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ارحاصی معجزہ کہہ سکتے ہیں اور اس کو معجزہ بنانا بھی رب کریم کا انعام و عزت افزائی ہے۔ ورنہ بچوں کے اس طرح پاؤں چلاتے ایڑیاں رگڑنے سے کبھی چشمے نہیں نکلا کرتے۔ اہلسنت کے اس نظریئے سے تو قدرتِ الٰہی کا یکسر کلیۃً اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ اگر فرشتے کے نکالنے کا عقیدہ بنایا جائے تو قدرتِ الٰہیہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اور اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی نسبت ہٹا کر۔ فرشتے کی نسبت ماننا پڑے گی۔ جو بقول پہلے وہابی مولوی کے کفر و شرک ہوا جس کے مرتکب اسی جلسے کے دوسرے وہابی مقررین ہوئے تعجب و افسوس ہے کہ پہلے وہابی میاں کو بریلویوں پر تو غصہ آیا کہ انہوں نے صرف یہ کہہ دیا کہ زمزم کا چشمہ قدمِ اسمٰعیل سے پھوٹا۔ مگر دوسرے وہابی مولویوں پر غصہ نہیں آیا جنہوں نے کہا کہ آبِ زمزم کا چشمہ فرشتے نے نکالا۔ انہوں نے بالکل ہی اللہ کا نام چھوڑ دیا۔ بریلویوں نے تو صرف نسبت اور وسیلہ کا ذکر کیا فاعل اللہ تعالیٰ کو ہی مانا۔ مگر ان کے جلسے کے دیگر دیوبندی وہابی مقررین نے تو فاعل ہی فرشتے کو بنا دیا۔ پہلے وہابی صاحب کو اس پر شرک و کفر کے اسی دوران فتوے لگانا چاہئے تھے وہاں یہ صاحب چپ چاپ ان کی شرک و کفر میں ڈوبی تقریریں ٹھنڈے دل سے سنتے رہے بلکہ واہ واہ بھی کہتے ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ ان دیوبندیوں وہابیوں کو اللہ تعالیٰ سے کوئی محبت نہیں ان کو تو صرف انبیاء کرام سے دشمنی ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آیا کہ چند ماہ پیشتر میرے پاس میرا ایک مرید کسی مریض کو لے کر آیا جس کو برطانیہ کے ڈاکٹروں نے لاعلاج کر دیا تھا بیماری ان کی سمجھ میں ہی نہ آئی تھی بیماری تو مجھ کو بھی سمجھ میں نہیں آئی مگر میں نے ایک ستھرا کاغذ لیکر اس پر لکھ دیا۔ اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اور دو تعویذ بنا کر دیئے کہا کہ ایک تعویذ گلے میں ڈال لو اور دوسرا عرقِ گلاب یا آبِ زمزم میں ڈال کر روزانہ تین تین گھونٹ صبح شام

پیو۔ متواتر اکیس دن تک پیتے رہو اور آخری دن یہ کاغذ بھی کھا جاؤ۔ مریض نے ایسا ہی کیا مولیٰ تعالیٰ نے گیارھویں دن سے اس کو شفا دینی شروع فرمادی اب وہ بالکل تندرست و توانا ہے وہ خطرناک بیماری نام کو نہیں رہی۔ اس کا بیان ہے ایک دن میں ایک محفل میں اپنی اس بیماری اور آپ کے تعویذ شفا کا ذکر کر رہا تھا اس محفل میں ہمارے علاقے کا ایک دیوبندی مولوی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا بالکل غلط ہے تعویذوں سے کبھی شفا نہیں ہوسکتی اور تعویذوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی شرک و کفر ہے۔ اسی محفل میں ایک اور شخص نے اس کی تائید کی اور کہا کہ میں نے اپنی ایک تکلیف میں کئی پیروں فقیروں سے تعویذ و دم کرائے مگر مجھ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کار مجھ کو انڈیا کے ڈاکٹر گنگا رام کی دوائی سے آرام آیا۔ یہ بات سن کر وہ مولوی اور اس کے چند حواری بہت خوش ہوئے اور مولوی کہنے لگا کہ ہاں یہ بات ماننے کے قابل ہے خواہ مخواہ لوگ پیروں فقیروں مزاروں کے پاس جاتے ہیں ان تعویذوں میں کیا رکھا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ (میری طرف اشارہ کرکے) اس کو بھی حکیم یا ڈاکٹر سے ہی فائدہ ہوا ہوگا یہ خواہ مخواہ تعویذوں کے چکر میں پڑ گیا۔ مجھ کو بڑا غصہ آیا میں نے ان وہابیوں سے کہا کہ ظالمو تم کیسے مسلمان ہو کہ ایک ہندو ڈاکٹر کی دوائی میں شفا مانتے ہو اور اللہ رسول کے نام کے تعویذ میں شفا نہیں مانتے۔ جب میں نے اس شخص سے یہ بات سنی تو مجھ کو بھی ان گستاخوں کی اس گستاخی سے بہت غم ہوا۔ سچ فرمایا میرے جنت کے پھولوں جیسے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے کہ ان نجدی وہابی فرقے کا آخری گروہ دجال کے ساتھ ہوگا۔ موجودہ تاریخ کا تجربہ و مشاہدہ بھی ہے کہ نجدیوں دیوبندیوں نے ہمیشہ کفر کا ساتھ دیا دیوبند کے فتووں نے ہمیشہ گاندھی۔ نہرو اور اندرا اور راجیو گاندھی کا ہی ساتھ دیا۔ سلمان رشدی نے اسلام قرآن و اللہ رسول اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی اتنی توہین و گستاخی کی مگر سعودی نجدی عرب نہیں بولا جب کہ ان کی کسی ادنیٰ شہزادی کی کوئی غلط قسم کی فلم دکھائی گئی تھی تو تڑپ اُٹھے تھے اور برطانیہ سے بائیکاٹ و قطع تعلق کی دھمکی دیدی تھی اب بھی صرف اپنی بادشاہت بچانے کے لیے امریکی کفار کو حجاز مقدس میں داخل کردیا اور ان کے لیے حکومت سعودیہ نجدیہ شراب اور خنزیر کا گوشت خریدتی ہے وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ چنانچہ روزنامہ جنگ لندن جمعہ ۵ جمادی الاوّل ۱۴۱۱ھ ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء کے صہ۲ پر یہ خبر نمایاں چھپی ہے۔ ان کفر نوازیوں سے نہ ان کا ایمان بگڑے نہ توحید جائے۔ درد اٹھتا ہے تو صرف تعظیم رسول اللہ سے مذکورہ فی السوال حج کانفرنس کا جلسہ اصل مقصد میں صرف اس لیے منعقد کیا گیا کہ آب زمزم سے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت و عظمت ثابت نہ ہوجائے بھلے سے کسی اور طرف لگادو۔ سائنسی تجربوں سے زمینی تیل پٹرول ڈیزل گیس سونا چاندی کوئلہ اور نمک نکلنا تسلیم ہے کوئی شرک کفر نہیں کوئی وہابی نہیں کہتا کہ جبرئیل نے پٹرول نکالا میکائیل نے ڈیزل گیس نکالا۔ صرف آب زمزم پر آکر معجزۂ اسمٰعیل مانتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے بہر کیف یہ تو ان کی پرانی عادت جبلی ہے ہزار دلیلیں دیدیں یہ اپنی عادت سے ہٹ نہیں سکتے۔ صرف آپ کی تسلی کے لیے ہم ہر دو فریق کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اولاً

وہابیوں کی دلیلیں پھران دلائل کی کمزوری۔ اور آخر میں اہلسنّت والجماعت کے دلائل۔ مخالف کی پہلی دلیل بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۴۷۴ پر کتاب الانبیاء میں ہے حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ ابن مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیْ وَکَثِیْرِ بْنِ کَثِیْرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ اَبِیْ وَدَاعَۃَ۔ یَزِیْدُ اَحَدُھُمَا عَلَی الْاٰخَرِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَوَّلَ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلِ اُمِّ اِسْمٰعِیْلَ اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا۔ (الخ) فَلَمَّا اَشْرَفَتْ عَلَی الْمَرْوَۃِ سَمِعَتْ صَوْتًا۔ فَقَالَتْ صَہٍ تُرِیْدُ نَفْسَھَا۔ ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَیْضًا فَقَالَتْ قَدْ اَسْمَعْتَ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ غَوَاثٌ فَاِذَا ھِیَ بِالْمَلَکِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِہٖ اَوْ قَالَ بِجَنَاحِہٖ حَتّٰی ظَھَرَ الْمَاءُ (الخ) ترجمہ۔ ہم سے حدیث بیان فرمائی عبداللہ ابن محمد نے انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرزاق نے عبدالرزاق نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی معمر نے وہ روایت کرتے ہیں ایوب سختیانی سے اور کثیر بن کثیر بن مطلب بن ابی وداعۃ سے ان دونوں راوی ایوب اور کثیر میں سے ایک نے زیادہ فرمایا کہ روایت فرمایا سعید بن جبیر نے کہ فرمایا ابن عباس نے فرمایا سب سے پہلی عورت جس نے کانوں کے بندے بنائے وہ اُمّ اسماعیل تھیں سلا لخ (یعنی آگے دراز واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیل اکلوتے پہلوٹی کے فرزند ارجمند کو بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے اور بیت اللہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگی حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں کوہ صفا مروہ پر بھاگیں دوڑیں پھر ان کو سرسراہٹ کی آواز آئی تو انہوں نے اس آواز پر کان لگائے اور اپنے آپ سے کہا کہ صَہٍ۔ یعنی اے ہاجرہ ذرا چپ خاموش۔ یہاں تک کہ پھر آواز آئی تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اے آواز سنانے والے کیا تیرے پاس کوئی مددگار ہے پس اچانک وہ ایک فرشتہ تھا زمزم کی جگہ کے پاس تو اس فرشتے نے کرید اکھیڑا اپنے پاؤں سے یا فرمایا ابن عباس نے اپنے پروں سے یہاں تک کہ ظاہر ہو گیا پانی۔ بخاری شریف کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ زمزم کا پانی فرشتے نے کھود کر نکالا نہ کہ حضرت اسماعیل کی رگڑ سے۔ مخالف کی دوسری دلیل۔ بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۳۱۹ پر اسی سند کے ساتھ اسی حدیث شریف کی شرح میں حاشیہ نمبر ۹ پر شرح عینی کی روایت اس طرح ہے فَعَطَشَتْ وَعَطَشَ الصَّبِیُّ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ وَجَاءَ بِھَا اِلٰی مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَضَرَبَ بِعَقِبِہٖ فَفَارَتْ عَیْنًا فَلِذٰالِکَ یُقَالُ لِزَمْزَمَ رَکْضَۃُ جِبْرَئِیْلَ (الخ) ترجمہ۔ حضرت ہاجرہ کو پیاس لگی اور آپ کا بچہ بھی پیاسا ہوا تو جبرئیل نازل ہوئے اور ہاجرہ کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں زمزم ہے تو آپ نے ایڑی ماری۔ تو چشمہ بن گیا اسی سے زمزم کو رکضۃ جبرئیل کہتے ہیں۔

مخالف کی دلیل سوم۔ تفسیر خازن جلد اوّل پ ۱ سورۃ بقرہ صفحہ ۸۱ پر ہے۔ فَلَمَّا اَشْرَفَتْ عَلَی الْمَرْوَۃِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ صَہٍ۔ تُرِیْدُ نَفْسَھَا۔ ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَیْضًا فَقَالَتْ یَا مَنْ اَسْمَعْتَ اِنْ کَانَ

عِنْدَکَ غَوَاثٌ فَاِذَا ھِیَ بِالْمَلَکِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِہٖ اَوْقَالَ بِجَنَاحِہٖ حَتّٰی ظَھَرَ الْمَآءُ ۔ ترجمہ۔ جب ہاجرہ کوہ مروہ پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی آپ نے اُس آہستہ سرسراہٹ کو سن کر اپنے آپ سے کہا خاموش۔ پھر سننے کی کوشش کی تو پھر آواز سنی۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے وہ بندے جو اپنے آواز کو سنا رہا ہے کیا تیرے پاس کوئی مدد کرنے والا شخص بھی ہے۔ تو اچانک وہ ہاجرہ ایک فرشتے کے پاس تھیں۔ زمزم کے چشمے والی جگہ کے قریب۔ پھر اس فرشتے نے زمین کریدی تو پانی نکل پڑا۔ مخالف کی چوتھی دلیل تفسیر صاوی مالکی جلد اول صفحہ ۳۰۹ پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کے تفسیری بیان میں بالکل یہی عبارت درج ہے۔ ثابت ہوا کہ تمام محدثین اور مفسرین وشارحین ومحققین اس بات پر متفق ہیں کہ زمزم کا چشمہ حضرت جبرئیل نے نکالا تھا۔ مخالف کی پانچویں دلیل۔ مسند جامع امام عبدالرؤف المناوی جلد اول صفحہ ۱۴۱ پر دیلمی فردوس کی روایت اس طرح زَمْزَمُ حَفْنَۃٌ مِنْ جَنَاحِ جِبْرِیْلَ ترجمہ۔ ماء زمزم کا چشمہ جبرئیل کے کھودنے سے نکلا۔ مخالف کی چھٹی دلیل۔ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب الاحادیث جامع صغیر جلد دوم صفحہ ۲۸ پر ہے۔ بحوالہ فردوس دیلمی زَمْزَمُ حَفْنَۃٌ مِنْ جَنَاحِ جِبْرِیْلَ ۔ ترجمہ۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ زمزم جبرئیل کے کھودنے سے نکلا تھا۔ مخالف کی ساتویں دلیل۔ لغت کی مشہور کتاب مجمع البحار جلد دوم صفحہ ۶۸ پر ہے وَقِیْلَ لِزَمْزَمَ جِبْرِیْلُ وَکَلَامِہٖ۔ ترجمہ۔ بعض لوگوں کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمزم کو زمزم اس لیے کہتے ہیں کہ جبرئیل نے کلام کیا تھا یا وہ گنگنائے تھے۔ جب چشمہ نکالا تھا۔ مخالف کی آٹھویں دلیل۔ مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اکابر امت و بزرگانِ دین اسی کے قائل ہیں کہ آبِ زمزم کا چشمہ جبرئیل نے نکالا نہ کہ اسماعیل علیہ السلام نے کیونکہ کسی روایت کو تمام علماء اور آئمہ کتب کا تسلیم کر لینا بھی تائیدی استدلال ہے اس روایت کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ یہ تھے وہ دلائل جو ہم کو اب تک وہابیوں دیوبندیوں کی کتب سے ملے ہیں سوال میں ابن تیمیہ کا حوالہ دینا تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ابن تیمیہ صاحب تو خود وہابی اور وہابی گر تھے۔ ان دلائل پر وہابیوں کو تو ناز ہو سکتا ہے مگر علماء محققین کے تھوڑا سا تدبر کرنے سے ان تمام دلائل کی کمزوری ایک دم ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پہلی دلیل کی پہلی کمزوری یہ کہ آبِ زمزم کی سچی وحقیقی معلومات ایک ایسا معاملہ ہے جو کہ اس طرح کے مندرجہ بالا دلائل سے حل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ آبِ زمزم کا چشمہ جس وقت روئے زمین پر آشکارا ہوا اس وقت کی تاریخی کیفیت ایسی ہے کہ سوا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کوئی بھی حقیقت سے پردہ اُٹھانے والی انسانی آنکھ اس وقت وہاں دور دور تک موجود نہ تھی۔ اور حضرت ہاجرہ کی زبانی اس واقعہ کو کسی بھی کان نے نہ سنا نہ اس کا کہیں ذکر موجود ہے۔ اب ایسی غائبانہ صورت والے واقعے کو یا وحیِ الٰہی بیان فرما سکتی ہے یا زبانِ نبوت۔ مگر یہ دونوں بھی اس اظہار میں خاموش و پردہ پوش ہیں۔ مدعی حضرت ابن عباس کی روایت پیش کرتا ہے۔ مگر وہ بھی اس

واقعے کے تذکرے میں صرف اپنا قول بیان کرتے ہیں ۔ نہ قال اللہ فرماتے ہیں نہ قال النبی فرماتے ہیں۔ اور اس بات سے کون ناواقف ہے کہ جب چشمہ زمزم نکلا تھا تو حضرت ابن عباس نہ جسماً وہاں موجود تھے نہ روحاً نہ سمعاً نہ بصراً۔ بلکہ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا کے زمرے میں شامل تھے۔ اور یہ روایت جو مخالفین نے پیش کی ہے وہ حضرت ابن عباس کا اپنا ذاتی قول ہے اس چالیس سطور کی طویل روایت میں اور ان ہی صفحات پر اسی مضمون کی اکیس سطور کی روایت میں بجز دو جگہ کے کہیں بھی قال النبی نہیں ہے بستہ رجال کی سند کے بعد قال ابن عباس سے متن حدیث شروع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ حدیث فرمانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو قال ابن عباس کے بعد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا اور چونکہ یہ حدیث فرمانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اس لیے آبِ زمزم جیسے انتہائی خصوصی اور تاریخ سے پوشیدہ و غیبی واقعے کے لیے فقط ابن عباس کا ذاتی قول معتبر و قابلِ مقبول نہیں ہے عقیدت میں تو مانا جاسکتا ہے مگر حقیقت میں نہیں شریعت میں محض عقیدت کام نہیں آتی لہٰذا اس روایت مذکورہ سے کسی وہابی یا ان کے لیڈر ابن تیمیہ صاحب کا دلیل پکڑنا ثابت کمزوری ہے۔ دوسری کمزوری۔ اس روایت کی سطر ۱۲ میں اور سطر ۲۲ میں۔ علیحدہ علیحدہ ایک ایک جگہ قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں صرف یہ دو باتیں ہی فقط آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہیں۔ باقی روایت اور خصوصاً ماء زمزم میں فرشتے کا تذکرہ حضرت ابن عباس کا اپنا فرمان ہے جو کسی صورت بھی حقیقتِ واقعی کو ثابت نہیں کرتا۔ تیسری کمزوری۔ اس روایت کی صحت بھی یقینی نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوٰی فتح القدیر جلد دوم ص ۱۸۹ پر اسی روایتِ ابن عباس کو ضعیف کہا ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ "وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَیْضًا اِنَّہَا وَہِیَ ھَزْمَۃُ جِبْرَئِیْلَ وَسُقْیَا اللّٰہِ اِسْمٰعِیْلَ رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَسَکَتَ عَنْہُ مَعَ اَنَّ شَیْخَہٗ فِیْہِ عُمَرُ بْنُ حَسَنِ الْاَشْنَانِیُّ تَکَلَّمَ الذَّھَبِیُّ فِی الْمِیْزَانِ بِسُکُوْتِہٖ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْحَسَنِ الْاَشْنَانِیِّ اَلْقَاضِیْ اَبَا الْحُسَیْنِ قَدْ ضَعَّفَہُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَجَاءَ عَنْہُ اَنَّہٗ کَذَّبَہٗ وَلَہٗ بَلَایَا قَالَ وَھُوَ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ بَاطِلٌ"۔ (الخ)
ترجمہ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ (الخ) آگے ارشاد ہے کہ یہ زمزم جبرئیل کی کھدائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پلانا ہے اسماعیل علیہ السلام کو۔ اس روایت کو دارقطنی نے روایت کیا اور اس کی صحت سے سکوت کیا۔ اس بات کے ساتھ کہ اس سند میں ان کے شیخ عمر بن حسن اشنانی موجود ہیں امام ذہبی نے اپنی کتاب میزان میں ان کو برا کہا۔ اور قاضی ابا الحسین کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ اور اس کے بارے میں کذب بیانی کی تہمت بھی آئی ہے اور فرمایا کہ یہ روایت اس اسناد سے باطل ہے۔ ان ہی کمزوریوں کی بناء پر اہلسنت کا نظریہ و عقیدہ اپنے دیگر مندرجہ دلائل کے تحت اس روایت سے مختلف ہوگیا ورنہ اگر یہ روایت یا کوئی دوسری روایت مضبوط طریقے سے فرمانِ رسول اللہ ثابت ہو جاتی تو پھر کس کی جرأت تھی کہ اس کے خلاف دوسرا عقیدہ بناتا۔ دوسری دلیل کی کمزوری یہ کہ حاشیہ شرح عینی نے

اپنی اس روایت کی شرح میں زمزم کو رکضۃ جبرئیل کہا ہے حالانکہ ابن عباس کی وہ مندرجہ بالا روایت جس کی یہ شرح فرما رہے ہیں وہاں لفظِ جَناح اور لفظِ ملک ہے۔ جَناح کے معنیٰ پر۔ اور ملک مجہول عام ہے اس سے جبرئیل مراد لینا بھی ترجیح بلامرجح ہے۔ اور جناح یعنی پَر، پیروں میں نہیں ہوتے بلکہ بازوؤں اور ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ اور رکضۃ کے معنیٰ صرف پیروں سے لتاڑنا یا رگڑنا ہے چنانچہ کتاب لغات مجمع البحار جلد دوم صـ۳۳۴ پر ہے اَصْلُهُ الضَّرْبُ بِالرِّجْلِ وَحَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ ترجمہ۔ یعنی رکض کا اصل ترجمہ ہے پاؤں سے مارنا۔ رگڑنا۔ اس دلیل سے روایت میں اضطراب پیدا ہو گیا اور کسی نے اپنے معنیٰ پر کوئی حوالہ نہ دیا جس سے کسی کا تعین ثابت ہوتا۔ اب پتہ نہیں چلتا کہ وہ فرشتہ کون تھا جبرئیل یا کوئی دوسرا نہ یہ پتہ لگا کہ بازوؤں سے کھودا یا صرف ایڑی اور پاؤں مارا یا کھرچا اور رگڑا۔ اور جب روایت و شروح و حواشی میں اتنا سخت اضطراب ہو حل کرنے والا مشکل اور الجھاؤ دور کرنے والا بھی کوئی نہ ہو تو پھر اس پر یقینی عقیدہ کیسے بنایا جا سکتا ہے تیسری دلیل کی کمزوری۔ یہاں بھی وہی اضطراب ہے۔ پانچویں اور چھٹی دلیل میں زمزم کو حَفْنَۃُ جَنَاحِ جبرئیل فرمایا گیا یہ بات پہلے دلائل کے بالکل خلاف ہو گیا۔ کیونکہ حفنۃ کا معنیٰ ہے دونوں ہاتھوں کی مٹھی بھرنا گویا جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے مٹھی بھر بھر کر ریت ہٹائی۔ حالانکہ یہ بعید از حقیقت بات ہے۔ مجمع البحار جلد اول صـ۲۸۰ پر ہے۔ اَلْحَفْنُ اَخْذُ الشَّیْءِ بِرَاحَةِ الْكَفِّ وَضَمُّ الْاَصَابِعِ كَالْحَفْنَةِ وَهِیَ مِلْءُ الْكَفِّ۔ ترجمہ۔ حَفْنٌ کا معنیٰ ہے انگلیاں جوڑ کر ہتھیلی بنا کر ہتھیلی میں کوئی چیز بھرنا۔ ساتویں دلیل میں خود مجمع البحار کا ہی قول درج ہے جو انھوں نے قیل کہہ کر نقل کیا ہے کہ زمزم کو زمزم اس لیے کہتے ہیں کہ جس وقت جبرئیل علیہ السلام نے چشمہ کھودا تو وہ اس وقت کچھ کلام گنگنا رہے تھے۔ زَمْزَمَة کا لغوی ترجمہ ہے ہلکی آواز میں گانا گانا جس کو اردو میں گنگنانا کہتے ہیں۔ اب بتائیے کہ جب استدلالی اقوال میں اتنا اضطراب ہے تو کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اٹھویں دلیل کی کمزوری۔ مخالف کہتا ہے کہ کسی روایت کو تمام علما اور ائمہ کتب کا تسلیم کر لینا بھی تائیدی استدلال ہے۔ اس روایت کو کسی نے غلط نہیں کہا۔ یہ دلیل بھی اپنے اندر کچھ قوت نہیں رکھتی کیونکہ کسی روایت کو غلط نہ کہنے اور درست قرار دینے کا معنیٰ صرف یہ ہے کہ حدیث اپنے متن کے اعتبار سے بالکل سچی ہے یعنی کسی راوی نے جھوٹ بول کر نہیں کہا کہ ابن عباسؓ نے ایسا بیان دیا۔ بلکہ ابن عباسؓ کے متعلق یہ نسبت بالکل درست ہے واقعی انھوں نے ایسا کہا ہے مگر وجہ حقیقت کے خلاف ہی ہے۔ تائید نسبت ہے نہ کہ حقیقت لیکن ہم اس مُحدِّد جرح میں نہیں لکھتے اگرچہ ہم نے ابھی فتح القدیر کی عبارت سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایت ایک قول کے مطابق باطل و ضعیف ہے۔ اسی جرح سے مخالف کا یہ دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ فرضاً تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی حضرت ابن عباسؓ نے ایسا فرمایا ہے تب بھی حقیقت کے خلاف ہے اور جتنے بھی محدثین و ائمہ نے تائید کی ہے وہ کچھ مفید نہیں کیونکہ جب اصل میں ہی قوت نہیں تو تائیدی فروعات میں قوت کس طرح آئے گی جس استدلال کی جڑ بنیاد ہی کمزور ہو تو شاخوں پر اعتماد کس طرح کیا جا سکتا ہے ایسے تاریخی الو کھے۔

تنہا انفرادی واقعات کے لیے تو وحیِ الٰہی یا زبانِ نبی اللہ ہی مضبوط دلیل بن سکتے ہیں جو وائے نصیب کہ ان لوگوں کو
اپنے کسی عقیدے پر میسر نہیں۔ اب ہم اہلسنت والجماعت کے دلائل درج کرتے ہیں۔ **پہلی دلیل**۔ تفسیر کبیر جلد پنجم
سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ پ ۱۳ صفحہ ۲۱۵ پر ہے۔ وَقِيْلَ اِنَّ عَيْنَ زَمْزَمَ بِرَكْضَةِ قَدَمِ اِسْمَاعِيْلَ ترجمہ
کیا گیا ہے کہ زمزم کا چشمہ حضرت اسماعیل کے ایڑیاں رگڑنے سے ظاہر ہو۔ اور اسی تفسیر لامام رازی کے صفحہ ۲۲۵
پر ہے۔ ثُمَّ اَنَّهَا عَطِشَتْ وَعَطِشَ الصَّبِيُّ فَانْتَهَتْ بِالصَّبِيِّ اِلٰى مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَضَرَبَ بِقَدَمِهٖ فَفَارَتْ عَيْنًا
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ لَوْلَا اَنَّهَا عَجِلَتْ لَكَانَتْ زَمْزَمُ
عَيْنًا مَعِيْنًا۔ (الخ) وَاَقُوْلُ اَمَّا ظُهُوْرُ مَاءِ زَمْزَمَ فَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ اِرْهَاصًا لِاِسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ لِاَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَنَا جَائِزٌ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ　　وَعِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ
اَنَّهٗ مُعْجِزَةٌ لِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ ثُمَّ قَالَ۔۔ (الخ) مختصر
ترجمہ۔ میں کہتا ہوں کہ قوی دلیل یہ ہے زمزم کا چشمہ اسماعیل علیہ السلام قدم کی رگڑ سے جاری ہوا اور یہ ارہاص یعنی بچپن کا
معجزہ ہے لیکن معتزلہ فرقہ نہیں مانتا۔ معتزلہ کہتے ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ (الخ) **دوسری دلیل**۔ تفسیر
روح البیان جلد چہارم سورۃ ابراہیم پ ۱۳ آیت ۳۷ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ (الخ) صفحہ ۴۲۸ پر ہے۔ قال الکاشفی۔
چشمۂ زمزم برکفِ جبرئیل یا باثرِ قدم اسماعیل پدید آمد۔ ترجمہ۔ امام کاشفی نے فرمایا کہ آبِ زمزم کا چشمہ اس کے متعلق دو
قول ہیں۔ کہ یا تو یہ جبرئیل علیہ السلام کی ہتھیلی سے ظاہر ہوا ہے اور یا دوسرے قول کے مطابق آبِ زمزم کا چشمہ
حضرت اسمٰعیل علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے قدمِ پاک کے اثر اور نشان و رگڑ سے ظاہر ہوا ہے۔ **تیسری دلیل**۔ فتاویٰ
مغنی المحتاج جلد اوّل صفحہ ۲۰ پر ہے۔ قَالَ الْبُلْقِيْنِيُّ مَاءُ زَمْزَمَ اَفْضَلُ مِنَ الْكَوْثَرِ اَيْ فَيَكُوْنُ
اَفْضَلَ الْمِيَاهِ لِاَنَّهٗ غُسِلَ بِهٖ صَدْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَكُوْنُ يُغْسَلُ صَدْرُهٗ
اِلَّا بِاَفْضَلِ الْمِيَاهِ وَلٰكِنْ تَقَدَّمَ اَنَّ اَفْضَلَ الْمِيَاهِ مَا نَبَعَ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ترجمہ۔ امام بلقینی نے فرمایا ماءِ زمزم افضل ہے آبِ کوثر سے۔ یعنی پس ہو
سکتا ہے کہ تمام پانیوں سے افضل پانی یہی آبِ زمزم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بچپن شریف میں شقِ صدر کے موقع
پر آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک آبِ زمزم سے دھویا گیا اگر یہ پانی زمزم اس وقت
جہانوں کے تمام پانیوں سے افضل نہ ہوتا بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا پانی افضل ہوتا تو اسی سے سینہ مبارک دھویا
جاتا۔ اس وقت ماءِ کوثر بھی عالمین میں موجود تھا۔ سلسبیل بھی تسنیم بھی نیل وفرات بھی سب کو چھوڑ کر آبِ زمزم سے
غسل مبارک کرانا دلیل ہے اس بات کی کہ آبِ زمزم سب پانیوں سے افضل ہے۔ لیکن پہلے ایک قول گزر گیا کہ
آبِ زمزم سے افضل وہ پانی تھا جو پیارے آقا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوتے تھے۔

اس دلیل سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ آبِ زمزم افضل ہے اور افضلیت کی وجہ سینے پاک کو دھونا نہیں غسل دینا نہ افضلیت کی علت ہے نہ سبب بلکہ افضل پہلے سے ہے دھونا بعد میں افضلیت کی وجہ سے اس پانی کو دھونے کے لیے منتخب کیا ہے اور اب یہ سوال کہ پھر افضلیت کس وجہ سے ہوئی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ افضلیتِ زمزم صرف اس لیے پیدا ہوئی کہ یہ پانی حضرت اسماعیل کی ایڑی کی رگڑ سے نکلا کیونکہ کوثر کا پانی جنت میں پوری جنت کی طرح کلمہ کن سے پیدا ہو گیا۔ اس کی شان و فضیلت فقط یہ ہے کہ وہ جنت میں ہے مگر آبِ زمزم کو نبی کا معجزہ بنا دیا گیا۔ ورنہ فضیلت کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اہلسنت کی یہ ایسی دلیل ہے کہ اس کو توڑا نہیں جا سکتا **چوتھی دلیل** ۔ فتاویٰ حاشیہ بیجوری فقہ شافعی جلد اول صـ۳۲ پر ہے اَفْضَلُ الْمِیَاہِ مَا نَبَعَ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَاءُ زَمْزَمَ ثُمَّ مَاءُ الْکَوْثَرِ ثُمَّ نِیْلِ مِصْرَ ثُمَّ بَاقِیْ اَنْھُرٍ کَسَیْحُوْنِ وَجَیْحُوْنِ وَالدَّجْلَۃِ وَالْفُرَاتِ۔ وَقَدْ نَظَمَ التَّاجُ السُّبْکِیُّ ٭ وَاَفْضَلُ الْمِیَاہِ مَاءٌ قَدْ نَبَعَ ٭ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِ النَّبِیِّ الْمُتَّبَعِ ٭ ... یَلِیْہِ مَاءُ زَمْزَمٍ فَالْکَوْثَرُ ٭ فَنِیْلُ مِصْرٍ ثُمَّ بَاقِی الْاَنْھُرِ... ٭

ترجمہ۔ کائنات کے تمام پانیوں میں افضل پانی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے چشمے سے نکلا پانی ہے پھر فضیلت ماءِ زمزم کو ہے پھر آبِ کوثر کو پھر دریائے نیل کے پانی کو پھر باقی نہروں کو جیسے کہ دریا سیحون۔ جیحون اور دجلہ اور دریا فرات۔ اور امام تاج السبکی نے ایک نظم لکھی ہے جس میں ان درجہ بدرجہ فضیلتوں کا ذکر فرمایا ہے ٭ تمام پانیوں میں سب سے زیادہ افضل پانی وہی ہے جو نکلا ٭ متبوعِ کائنات نبی علیہ السلام کی انگلیوں کے درمیان سے ٭ اس کے بعد فضیلت میں درجہ ملتا ہے ماءِ زمزم کو پھر درجہ ہے ماءِ کوثر کا ٭ پھر درجہ ہے مصر کی دریائے نیل کا پھر باقی نہروں کا درجہ ہے ٭ اسی حاشیہ بیجوری نے نیل و فرات کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے صـ۳۲ جلد اول پر آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ وَّاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ درخت کی جڑوں کے اندر سے نکلے ہیں اور دنیا میں آ رہے ہیں۔ یاجوج و ماجوج کے وقت ان پانچوں دریاؤں کو اٹھا لیا جائے گا۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ آبِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی رگڑ سے اور جسم پاک کے معجزے سے ظاہر ہوا ہے اسی لیے اس کو باقی پانیوں پر افضلیت ہے۔ آبِ کوثر کو کسی نبی علیہ السلام کے جسم پاک سے نسبت نہیں ہوئی بدیں وجہ اس کو وہ فضیلت نصیب نہ ہوئی۔ **پانچویں دلیل** ۔ فتاویٰ مغنی المحتاج جلد اول صـ۱۱ پر ہے وَمَا نَبَعَ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِنْ ذَاتِھَا عَلٰی خِلَافٍ فِیْہِ وَالْاَرْجَحُ الثَّانِیْ وَھُوَ اَفْضَلُ الْمِیَاہِ مُطْلَقًا ... ترجمہ۔ اور افضلیت سب سے زیادہ اس پانی کی ہے جو آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں پاکوں سے جاری ہوا۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ وہ پانی جو نبی کریم

رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا وہ بذاتِ خود پہلے ہی فضیلت والا تھا۔ یا اس کو ان انگلیوں کی ذات پاک کے ساتھ لگنے کی وجہ سے فضیلتِ تامّہ کلیہ ملی۔ تو تمام علماء امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ذاتِ پاک کے ساتھ لگنے کی وجہ سے فضیلت اور شان ملی اور اسی دوسرے قول کو ترجیح ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ اشیاء عالم کو نبوت کی ذات کے ساتھ نسبت و تعلق رکھنے سے فضیلتیں و شانیں ملتی ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آب زمزم کو بھی جو متفق علیہ فضیلت نصیب ہوئی وہ اسماعیل علیہ السّلام کے پاؤں کی نسبت سے ہوئی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر چشمہ کھودا۔ درست نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو آبِ کوثر سے زیادہ فضیلت نہ ملتی **چھٹی دلیل** ۔ علماء اہلسنت فرماتے ہیں کہ تاریخ اور قرآن و حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ رب تعالیٰ نے قیامِ دنیا سے آج تک اپنی جتنی بھی عجائب قدرت و حیران کن صنعتوں کا اظہار فرمایا ان کا مظہر ذاتِ نبوت و جسم رسالت کو ہی قرار دیا کسی بھی اتوکھی و متحیر العقول شاہ کار قدرت کے لیے جبرئیل میکائیل و اسرافیل وَغَیْرُہُم کو قدرت کے اظہار کے لیے کبھی بھی منتخب نہ فرمایا گیا۔ چنانچہ بغیر والدین پیدا کر دینے کی قدرتِ الٰہیہ کا مظہر ذاتِ آدم علیہ السلام کو بنایا جاتا ہے اور بغیر والد کے پیدا کر دینے کی قدرت کا مظہر حضرت عیسیٰ کو بنایا جاتا ہے خاص کر دنیا کے عجیب اور افضل ترین پانیوں کا پیدا کرنا تو بار بار وجودِ نبوت اور جسم رسالت سے ہی ظاہر فرمایا جا رہا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ہو رہا ہے۔ چنانچہ جب قوم موسیٰ مقام تیہ میں پانی طلب کرتی ہے تو رب تعالیٰ اپنی عجیب تر قدرت کو ظاہر فرمانے کے لیے نہ جبرئیل علیہ السلام کو بھیجتا ہے نہ کسی اور فرشتے کو بلکہ اپنے معزز نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی ارشاد فرماتا ہے کہ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ اور پھر فوراً ہی حضرت موسیٰ کی لاٹھی پتھر کو لگتے ہی فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا کا ظہور ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۶۰ ۔ ترجمہ جب بنی اسرائیل کے لیے ہمارے موسیٰ کلیم نے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ ہی کو فرمایا کہ یہاں کسی بھی پتھر کو اپنی لاٹھی مارو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہی دستِ اقدس سے لاٹھی ماری تو اس پتھر سے جس کو لاٹھی ماری تھی، بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے یہ کام کسی دستِ نبوت سے ہی کرایا گیا تاکہ اقوامِ عالم کو نبی کی قوت و معجزات کا پتہ چلے۔ اور اس واقعے سے بھی پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک موقعہ پر رب تعالیٰ نے فرمایا اور ایسا عجیب حکم دیا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چشمہ زمزم سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ سورۃ ص آیت ۴۱ ۴۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ (۴۱) ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ (۴۲) ترجمہ ۔ اے پیارے نبی ان معجزات کے منکروں اور انبیاء کے دشمنوں کے سامنے ہمارے پیارے بندے ایوب کا ذکر فرمایئے جب انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ بیشک مجھ کو شیطان نے بیماری اور تکلیف پہنچائی ہے۔ تو ہم نے فرمایا تھا کہ تم اپنا ہی پیر زمین پر مارو۔ جب انہوں نے پاؤں زمین پر مارا تو وہاں فوراً صاف شفاف ٹھنڈا میٹھا پانی جاری ہو گیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر رب تعالیٰ نے یہ حکم کیوں دیا کیا یہ کام جبرئیل کے ذریعے

نہیں کرایا جا سکتا تھا کیا خود ہی قدرت سے ظاہر نہیں ہو سکتا تھا کیا دلالت النص اور اشارۃ النص وقیاس منورہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مقصود باری تعالیٰ اس حکم واظہار فی القرآن سے حضرت ایوب کے معجزے کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل کا معجزہ بھی ثابت فرمانا چاہتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے ایوب علیہ السلام کے پیر زمین پر مارنے سے پانی کا چشمہ جاری ہو سکتا ہے تو اسماعیل نبی علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے چشمہ زمزم بھی جاری ہو سکتا ہے۔ اس کو مانتے ہوئے کیوں دُکھ ہے۔ فرق تو صرف اتنا ہی ہے کہ ایوب علیہ السلام کے قدم پاک کا معجزہ قرآن مجید میں عبارت النص سے مذکور ہوا اور اس قرآن مجید میں اس واقعہ ایوبی کے اشارۃ النص ودلالۃ النص سے حضرت اسماعیل کے قدم پاک کا معجزہ ثابت ہوا۔ اور ان تینوں پانیوں سے بڑا معجزہ تو وہ پانی ہے جس کا ذکر بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۴۴۲ پر ہے جس کے ظاہر ظہور ہونے پر سینکڑوں صحابہ شاہد ہیں اور جس کا انکار کسی وہابی سے ممکن نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ (الخ) فَلَقَدْ رَأَیْتُ الْمَاءَ یَتَفَجَّرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوْا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں پاک سے اتنا کثیر پانی تیزی سے جاری ہے کہ سب لوگ اس پانی سے وضو بھی فرما رہے ہیں اور پینے کا بھی ذخیرہ بنا رہے ہیں۔ اس لشکر میں تقریباً پندرہ سو لوگ تھے۔ **ساتویں دلیل۔** فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۱۸۹ پر ہے۔ فَصْلٌ فِیْ فَضْلِ مَاءِ زَمْزَمَ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنِ ابْنِ حَبَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَا۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ مَاءٍ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ۔ (الخ)

رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْکَبِیْرِ رُوَاتُہٗ ثِقَاتٌ۔۔ (الخ) ترجمہ۔ یہ فصل ہے آب زمزم کی فضیلت کے دلائل کے بیان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اور اسی مضمون کی دوسری روایت ابن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین کے تمام پانیوں سے افضل آبِ زمزم ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو طبرانی نے کبیر میں روایت فرمایا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ یہ پانی اس لیے افضل ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا معجزہ بن گیا ہے نہ کہ کسی فرشتے کی وجہ سے اگر فرشتے کی وجہ سے آب زمزم کو فضیلت ملی تو چاہیے تھا کہ ہر وہ جزا اور ہر وہ پانی افضلیت والا ہو جاتا جس میں کسی فرشتے کی کارکردگی شامل ہوتی ہے۔ مثلاً مدبرات امر ملکہ میں کوئی بادلوں کا فرشتہ ہے کوئی ہواؤں کا کوئی سمندروں کا۔ مگر بادل کا پانی سب سے افضل نہیں ہوتا۔ نتیجہ ثابت ہوا کہ آب زمزم کو بھی کسی فرشتے نے نہ نکالا بلکہ حضرت اسماعیل کے قدم کی رگڑ سے قدرتِ الٰہی نے ظاہر کیا جس طرح کہ ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا چشمہ اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا چشمہ۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا چشمہ اور مشہور ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب صحابہ کرام اور ان کے جانوروں کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی اور صحابہ نے اللہ کے دروازے یعنی بارگاہ رسالت میں عرض کیا

تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاٹھی مبارک زمین پر ماری تو اس سے دو چشمے جاری ہوئے ایک انسانوں کے لیے اور ایک جانوروں کے لیے اور یہ دونوں چشمے آج تک موجود ہیں میں نے خود جا کر زیارت کی پانی پیا ہے۔ اور تبرکاً ساتھ بھی لایا تھا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ایک سو گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر مقام تبوک کی جانب ہے۔ قرآن و حدیث سے کسی بھی موقعے پر حضرت جبرئیل کی کوئی کارکردگی ایسی ثابت نہیں ہے جس کا تعلق دنیوی کسی چیز سے ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مریم کے پاس شکل بشری میں آتے ہیں تب بھی فقط خبر دینے کی حد تک۔ نفخ روح کو بھی رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا جبرئیل کے سپرد یہ کام بھی نہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ سورۂ تحریم آیت ۱۲ پ۲۸ اور سورۂ انبیا۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا پ۱۷ آیت ۹۱۔ اور جب حضرت مریم کو درد زہ ہوا تو کھجور کا خشک درخت بھی حضرت مریم کو ہی ہلانے کا حکم ہوا کہ فرمایا گیا وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ سورۂ مریم پ۱۶۔ یہ کام بھی حضرت جبرئیل کے سپرد نہ کیا گیا۔ غرضکہ حضرت جبرئیل کے کسی کام کا قطعاً کوئی اشارہ نہیں ملتا جن پر ہم قیاس کر کے آب زمزم کھودنے کو تسلیم کریں۔ تو پھر خواہ مخواہ کھینچا تانی کر کے کبھی حضرت ابن عباس کی طرف روایتیں منسوب کی جائیں اور کبھی اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ کی طرف صاف صاف حضرت اسماعیل کی ایڑی کی برکت کو کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے جس پر عقلی۔ نقلی۔ قولی و قیاسی اشارۃً و دلالۃً ہر قسم کے دلائل و ثبوت قرآن مجید کی ظاہر آیتوں و احادیث کے فرمودات تفاسیر و تشریحات اور کتب فتاویٰ سے ثابت و موجود ہیں۔

آٹھویں دلیل:۔ اولاً مندرجہ بالا سطور میں بتا دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس پیش کردہ روایت میں کچھ ضعف ہے۔ لیکن اس ضعف سے قطع نظر اگر اس روایت کے الفاظ پر کچھ غور کیا جائے تب بھی ایک اشارہ ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چشمہ زمزم بغیر وسیلہ فرشتہ قدرت الٰہیہ سے حضرت اسماعیل کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ سے نمودار ہوا۔ اور حضرت ہاجرہ مروہ پہاڑی سے کسی فرشتے کی آواز سن کر نہیں لوٹی تھیں بلکہ پانی کی سرسراہٹ کی آواز سن کر لوٹی تھیں۔ کیونکہ روایت میں لفظ صَهْ ارشاد ہوا۔ اور صَهْ کا معنیٰ ہے بہت ہی آہستہ آواز سن کر اپنے آپ کو ہمہ تن گوش بن کر اس کے سننے کی طرف متوجہ کرنا۔ یہی ترجمہ اور معنیٰ سب شارحین علماء نے فرمایا ہے۔ یعنی جب حضرت ہاجرہ نے آواز سنی تو اپنے آپ کو کہا کہ صَهْ۔ یعنی چپ خاموش۔ گویا کہ وہ آواز اتنی خفیف تھی کہ حضرت ہاجرہ کو جو پہلے ہی خاموش تھیں اپنے آپ کو ہمہ تن گوش کرنا پڑا۔ جب کہ کوہ مروہ اور مقام زمزم کا فاصلہ صرف چند قدم کا ہے اتنی چھوٹی آواز فرشتے کی نہیں ہو سکتی ماننا پڑے گا کہ یہ آواز پانی کی سرسراہٹ کی تھی اور ابتدائی چشمے کی آواز تقریباً سرسراہٹ کی طرح ہی ہوتی ہے۔ اور اس کا زمزم نام ہو جانا۔ یہ حضرت ہاجرہ کا پانی کو رکنے کا حکم دینے اور زم زم۔ زم یعنی رک رک بار بار کہنے اور ریت کے ڈھیرے مُڈیریں اور چھوٹی دیواریں (بندھ) بنانے کی وجہ سے رکھ دیا گیا

اس کے علاوہ بھی آب زمزم کے بہت سے نام روایت سے ثابت ہیں جن کی تفصیل ہم مندرجہ ذیل سطور میں کر رہے ہیں۔ یہ آب زمزم کا نام پڑ جانا۔ فرشتے کے زمزمہ خوانی کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا جیسا کہ راویوں نے اور بہت سی باتیں بنانے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بنا ڈالی۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ **آب زمزم شریف کے اسمائے مبارک۔**

۱ ماءِ زمزم ۲ زمزم ۳ شباعہ ۴ ماءِ معین ۵ اسمٰعیل ۶ سوقیہ ۷ اللہ ۸ لاشرق ۹ لاتاظمو ۱۰ عروہ تلفیہ بشریٰ ۱۱ مبارکہ الام المقادیہ الکفر الغلام عبرانی لغت میں ۱۲ ھضمۃ جبرئیل ۱۳ مدنونھہ ۱۴ الکفیہ ۱۵ تاموتومن ۱۶ شعع سقمن ترکی لغت میں ۱۷ آبوسعیدہ ۱۸ صفیہ ۱۹ آبوسا ۲۰ آبوسلیمہ ۲۰ جومتو اسمٰعیل فارسی لغت میں ۲۱ آب زمزم ۲۲ آب طیبۃ ۲۳ آب برہ ۲۴ آب مضنونہ ۲۵ آب خورشش اردو لغت میں ۲۶ زمزم کا پانی ۲۷ چشمہ اسمٰعیل ۲۸ برکھا پانی ۲۹ میناء جل ۳۰ کی پانی سریانی لغت میں ۳۱ اوناہ مویا ۳۲ عفیرہ ۳۳ معقت مویا ۳۴ مویا ہریہ ۳۵ مویا مرویہ اسرائیلی لغت میں ۳۶ قربل ارار ۳۷ ہمز جبرئیل ۳۸ رکض عرب۔ خلاصہ یہ کہ رب تعالیٰ نے پانچ قسم کے پانی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ بنا کر دنیا میں ظاہر فرمائے ۱ ماء اسمٰعیل (آب زمزم) ۲ چشمہ ایوّبی ۳ آب موسیٰ ۴ چشمہ انگشتہا ۵ چشمہ تبوک

بروز پیر ۱۵ جمادی الاوّل ۱۴۱۱ھ ۳-۱۲-۱۹۹۰ء

فتوای نمبر ۲۳ : ذکر اللہ اور درود پاک کا بیان۔ مع اربعین نعیمیہ یعنی چہل حدیث فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ۔ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔ اور چہل درود شریف

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ہری پور ہزارہ سے ایک ماہنامہ شائع ہوتا ہے جس کا نام جام عرفان ہے اس دفعہ ستمبر ۱۹۸۹ء کے رسالے کے صفحہ ۷ پر مکتوب ۵ کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کو پڑھ کر ہم تمام اہلسنت عجیب حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنی مسجد میں ہر نماز کے بعد چند مرتبہ درود پاک یعنی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ — ہر نمازی کا پڑھنا جاری کیا۔ اس درود پاک کی برکت سے مسجد میں نمازی بھی بڑھ گئے ہیں۔ وہ نوجوان طبقہ جن کو تبلیغی وہابی بلا بلا کر تھک گئے تھے گروہ مسجد میں نہیں آتے تھے۔ اب جب سے ہم چند سنیوں نے ان وہابیوں کو مار مار کر مسجد سے نکال دیا ہے اور باقاعدہ ہر نماز کے بعد نہایت سوز و درد خشوع و خضوع سے باوضو باآواز بلند درود شریف پڑھنا شروع کیا ہے اور اذان سے پہلے اور بعد میں تین تین مرتبہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ تب سے نوجوان نمازی

خود بخود بغیر خصوصی بلائے آنا شروع ہوگئے ہیں اب بحمدہ تعالٰی تقریباً ہر نماز میں پچاس ساٹھ نمازی بلکہ سو ڈیڑھ سو تک بھی کبھی ہوجاتے ہیں۔ جب کہ پہلے دس بارہ سے زیادہ لوگ نہ ہوتے تھے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب برکت ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درود شریف کی ہے قبلہ حضرت صاحب یقین مانئے جب سب مل کر خوبصورت آواز میں سحر کے وقت درودِ پاک پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم جنت میں آگئے ہیں۔ بعض حضرات تو وفور جذبات سے رونے لگ جاتے ہیں مجھے افسوس ہے وہابیوں کی بدقسمتی پر کہ بیچارے کس نعمت سے محروم کردئے گئے ہیں، چند دن پیشتر ہمارے چند وہ محلے دار جو ہماری اس درود خوانی سے جلے بھنے پھرتے ہیں ہمارے پاس وہی رسالہ لیکر آگئے اور پوچھنے لگے کہ بتاؤ تم مجدد الف ثانی سرہندی کو مانتے ہو یا نہیں ہم نے کہا کہ سب مسلمان ان کو اپنا بزرگ مانتے ہیں بلکہ نقشبندیوں کے تو وہ پیرو مرشد ہیں۔ اور اہلسنت کے وہ رہنما ہیں تو انہوں نے وہ رسالہ ہمارے سامنے رکھ دیا اور بولے لو پڑھ لو اپنے پیرو مرشد کے فرمان کو۔ دیکھو درود پڑھنے کو مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کیا فرماتے ہیں۔ اب اگر تم مجدد صاحب کو سچے دل سے مانتے ہو تو آئندہ درود وسلام کبھی نہ پڑھنا اس رسالے کا مضمون کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے۔ **مکتوب ۵** ۔ اس بیان میں کہ حق تعالٰی کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے اولٰی و افضل ہے۔ لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو یا وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدائے اخذ کیا ہو۔ یہ عبارت غالباً رسالے والے نے اپنی طرف سے لکھی ہے۔ کیونکہ مکتوب کی عبارت آگے سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سطر چھوڑ کر آگے اس طرح لکھا ہے۔ کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود و صلوٰۃ بھیجتا رہا اور بہت سے دنیاوی فائدے اور نتیجے پاتا رہا اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً اس التزام میں فرق آگیا اور اس اشتغال کی توفیق نہ رہی صرف صلوٰۃ موقتہ پر کفایت کی اس وقت یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ کی بجائے تسبیح و تہلیل و تقدیس میں مشغول رہوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالٰی کی عنایت سے معلوم ہوا کہ **اس وقت** ۔ ذکر کرنا صلوٰۃ و درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی۔ دو وجہ سے۔ وجہ اوّل یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے من شغلہ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سائلین سے بڑھ کر دیتا ہوں۔ چونکہ ذاکر ذکر میں مشغولیت کی وجہ سے درود شریف بھیجنے کا سوال نہیں کرسکتا اس لیے اس کی طرف سے خود اللہ تعالٰی افضل ترین درود بارگاہِ رسالت میں پہنچادیتا ہے، وجہ دوم یہ ہے کہ جب ذکر و پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب جس قدر ذاکر کو پہنچتا ہے اسی قدر ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کو بھی پہنچتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے گا اس طرح جو نیک عمل امتیوں سے وجود میں آتا ہے اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے اسی طرح پیغمبر کو بھی جو اس عمل کا واضع ہے پہنچتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر کو کچھ کم کریں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ عمل کرنے والا پیغمبر علیہ السلام کو ثواب پہنچانے کی نیت سے عمل کرے کیونکہ وہ حق تعالٰی کا عطیہ ہے عامل کا اس میں کچھ دخل نہیں ہاں اگر عامل سے پیغمبر علیہ السلام کو ثواب پہنچانے کی نیت بھی ظاہر ہو جائے تو عامل کے لیے زیادہ اجر کا باعث ہے اور یہ زیادتی بھی پیغمبر کی طرف عائد ہو گی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ پس وہ فیوض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی امید ہے۔ ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے درود کہنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہ ہو اس وقت تک ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہی باعث ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم مبتدی کے لیے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں و سنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امور نافلہ سے منع کرتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ امت میں سے کوئی شخص خواہ کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ برابری نہیں کر سکتا کیونکہ یہ سب کمالات اس کو اس پیغمبر کی شریعت کی متابعت کے باعث حاصل ہوئے ہیں پس اس پیغمبر کو یہ سب کمالات بھی اور دوسرے تابعداروں کے کمالات بھی اور اپنے مخصوصہ کمالات بھی ثابت و حاصل ہوں گے اسی طرح وہ شخص کامل اپنے پیغمبر کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا اگرچہ کسی نے اس پیغمبر کی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر ایک پیغمبر اصلی اور استقلالی کے طور پر صاحب دعوت ہے اور شریعت کی تبلیغ پر مامور ہے امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں قصور پیدا نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ کوئی کامل دعوت و تبلیغ کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس بیان سے امت کے داعیان اور مبلغین کی فضیلت معلوم کرنی چاہئے اگرچہ دعوت و تبلیغ میں بہت سے درجات ہیں اور داعیان و مبلغین اپنے درجات میں متفاوت ہیں علماء تبلیغ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیاء باطنی کے ساتھ اہتمام رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی عالم و صوفی ہو وہ تو کبریت احمر یعنی اکسیر ہے اور ظاہری باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے۔ یہ تھا اس کے رسالے کا مضمون

جس کو مجدد صاحب کے مکتوب ۸۵ کا نام دیا گیا۔ سوال صرف اس عبارت پر ہے کہ مجدد صاحب کے اس فرمان سے درود شریف نہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے کیا ذکر اذکار وغیرہ درود شریف سے افضل ہے۔ اور کیا اس طرح کسی حدیث قدسی میں لکھا ہے جس کا مطلب ہو کہ درود شریف چھوڑ دیا جائے بَيِّنُوْا تُؤْجَرُوْا۔ السائلان حمان عبدالقدیر خان ہری پور ہزارہ ۸۹-۱۰-۱۲ عبدالرحمٰن کشمیری ہری پور ہزارہ محلہ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَرَءُوْفِ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ محترم آپ کا یہ سوال مرسلہ کو ۸۹/۱۰/۱۲ کو وصول ہوا۔ مگر اس کا جواب آج مورخہ ۹۱/۶/۱۲ بروز بدھ ۲۹ ذیقعد ۱۴۱۱ھ یعنی ایک سال اور آٹھ ماہ بعد حسنِ اتفاق سے اس جواب کی ابتداء آج مقام بلدِ عظیم مکۃ المکرمہ میں تیسری مرتبہ حاضری کے دوران محلہ مسفلہ کے ایک مکان ۲۷ گلی ۲ بالمقابل مکتبہ ۲۷ معلم محمود احمد صباغ کے کمرے میں سیڑھیوں کے نیچے والے چھوٹے سے روم میں بیٹھ کر کر رہا ہوں۔ اس دراز تاخیر سے آپ کو ضرور پریشانی اور کوفت ہو رہی ہوگی لیکن تاخیر کی وجہ صرف میری تحقیق و تفتیش کی ذمہ دارانہ عادت ہے۔ جیسا کہ عوام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں اپنے والد محترم حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم اور نصیحت و وصیت کی پابندی کرتے ہوئے کسی بھی مسئلے میں بغیر حسبِ طاقت، مکمل تحقیق و تفتیش کبھی قلم نہیں اٹھاتا۔ اسی وجہ سے میری طرف سے اکثر جوابات میں دیر ہو جاتی ہے۔ جواب کی دیری اوّلاً تو سائلین کو خاصا ناراض کر دیتی ہے جس کا کئی مرتبہ یکے بعد دیگرے لگاتار خطوط سے اظہار مختلف جلد باز قسم کے سائلین کر دیتے ہیں مگر جب مکمل تحقیق شدہ جواب ملاحظہ فرماتے ہیں تو تمام سابقہ کوفت اور شدتِ انتظار کی تلافی ہو جاتی ہے اور اظہارِ اطمینان و تشکر کا خط روانہ کر دیتے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ آپ کے اس سوال و استفتاء کی وصول کے بعد میں نے مزید جانفشانی سے تحقیق و تفتیش اور چھان بین کی اس لیے بھی کہ اس مکتوب گرامی ۸۵ کا تعلق ایک ایسی عظیم شخصیت کی طرف ہے جو صرف میرے اور آپ کے لیے ہی نہیں بلکہ فی زمانہ کائنات کے ہر انسان خصوصاً اہل اسلام کے لیے مرشدِ کبیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور آج بھی ان کا فیض بابرکات امتِ مسلمہ پر جاری و ساری ہے اس اٰیَةٌ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ کو گیارھویں صدی کے مجدد اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور پھر انہوں نے تجدیدِ اسلام کے ایسے منفرد و مخصوص اصول مرتب فرمائے جو بعد کے مجددین کے لیے آج تک رہنما ثابت ہو رہے ہیں اور میں اس کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جس طرح بقول امام شافعی بعد کے تمام اصولی و فروعی مجتہدین کرام امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عیال ہیں اسی طرح بعد کے تمام مجددین عظام مجددِ اعظم شیخ سرہندی کے عیال ہیں۔ اسی نکتہ اصول کو سمجھانے کے لیے حضرت مجدد کو مجدد الف ثانی بھی

بعض حضرات نے لکھا ہے۔ بہرکیف آپ کے اس استفتاء کے جواب کو ہم آٹھ بحثوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کو بغور اور بار بار پڑھنے سے آپ کو اصل مسئلہ بخوبی سمجھ آئے جائے گا۔ **پہلی بحث** ۔ اپنی تحقیق وتفتیش کے بیان میں **دوسری بحث** ۔ اس بیان میں کہ اس مکتوب کی اصلیت کیا ہے۔ **تیسری بحث** ۔ اس بیان میں کہ اس مکتوب کی اساس کس چیز پر ہے **چوتھی بحث** ۔ اس میں محولہ روایت کی محدثانہ حیثیت کیا ہے۔ **پانچویں بحث** ۔ اس بارے میں کہ اس مکتوب ۲۵۵ کا مقصد کیا ہے۔ **چھٹی بحث** ۔ مکتوب ۲۵۵ پر علمی تبصرہ۔ **ساتویں بحث** ذکر اور درود شریف میں فرق **آٹھویں بحث** ۔ درود پاک کے فضائل کی آیت واحادیث یعنی اربعین نبیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بحث اوّل۔ ویسے تو ہر مفتی قاضی جج اور منصب عدالت پر فائز ہونے والے پر فرض عین ہے کہ ہر اس معاملے میں پوری جانفشانی سے تحقیق کرے جس معاملے اور مقدمے کا تعلق مدعی اور مدعی علیہ سے دو طرفہ ہو۔ اسی لیے بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے میں ہر معاملے میں خاص تحقیق کرنے کے بعد شرعی باولائل فیصلہ سناتا ہوں مگر آپ کے اس استفتاء کے جواب میں میں نے مزید مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر تحقیق وتفتیش کو لازمی سمجھا ۱۔ یہ کہ اس مکتوب کا تعلق حضرت مجدد سے ہے ۲۔ یہ کہ شر پسندوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ۳۔ یہ کہ فی زمانہ تخریب کار جہلا کا عام طریقہ بن چکا ہے کہ بات اپنی عقیدگی کی کرتے ہیں جو انتہائی جاہلانہ ہوتی ہے مگر نسبت کسی معتبر قابل تقلید بزرگ کی طرف کر دیتے ہیں تاکہ عوام ان کی شیطانی بات ماننے پر مجبور یا کم از کم لاجواب ضرور ہو جائیں اور یہ سبائیت آج سے نہیں بلکہ توریت وانجیل سے شروع ہوئی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر میں نے دیر ہونے کی پرواہ نہیں کی اور حتی المقدور چھان بین کی تاکہ عوام مسلمانوں کو اس دھوکہ فریب سے بچایا جائے میں نے اپنی تحقیق کے دوران مختلف کتب خانوں کی ورق گردانی اور کتب بینی کے علاوہ مشہور علماء ومفکرین سے بذریعہ خط وکتابت تحریری حوالوں سے رابطہ قائم کیا اور سب سے پہلے خود آپ کے مذکورہ فی السوال ماہنامے کے ذمہ دار مدیر اعلیٰ سے رابطہ قائم کیا۔ یہ تمام تحریری ریکارڈ میرے پاس ہمراہ ہے اور اسی کی تائیدی روشنی میں یہ جواب لکھا جا رہا ہے۔

بحث دوم ۔ بادیٔ النظر میں صرف بلا تحقیق مکتوب مذکورہ کی عبارت پڑھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مضمون اور عامیانہ تحریر مجدد صاحب کی نہیں ہو سکتی میرے علاوہ بہت سے ذی علم وتفکر حضرات بھی بعض مسئلے کی تحریر اور ماہنامے کی اردو عبارت پڑھ کر نسبت کو صحیح ماننے پر تیار نہیں ہوتے تھے لیکن پھر بھی اصل مطبوعات جدیدہ فارسی اور اردو جو میسر آسکیں کو بغور دیکھنے پر قلب وعقل کو ماننے پر مجبور کرنا پڑا ہو سکتا ہے کہ مسودہ قدیمہ دیکھنے سے یہ رجحان بدلنا پڑے مگر فی الحال تسلیم کیے بنا چارہ نہیں کہ یہ اصلاً حقیقتاً حضرت مجدد کا ہی مکتوب ۲۵۵ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یار لوگوں نے اس میں کچھ کتر بیونت کر ڈالی ہو مگر یہ خیال اس وقت تک ایک واہمہ ہی ہے جب تک کسی بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملے اور پرانے مکتوبات نہ دیکھے جائیں۔ اس لیے اگلی تمام تحریر اسی چیز کے پیش نظر ہے کہ یہ نفس مضمون حضرت مجدد ہی کا ہے

کیونکہ بلاوجہ ظنیات پیدا کرنا عقلاً کو زیب نہیں۔ **بحث سوم**۔ بہت غور و فکر اور بار بار مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس مکتوب مذکور کی اساس اور بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے ایک ذاتی مشاہدہ اور طبیعت کا رجحان دوسرا۔ حدیث قدسی کی ایک روایت بس اسی بناء پر اگلی پچھلی ساری عبارت تعمیر کی گئی ہے لہٰذا ہم اپنے اس شرعی فتوے میں ان ہی دونوں پر کچھ تبصرہ کریں گے۔ اور ہمارا اگلا فیصلہ بھی اس بنیاد کی قوت و ضعف کے معیار پر ہوگا۔ اس لیے کہ کسی چیز کی بنیاد ہی اس کی خشت اول ہوتی ہے اسی کی کجی و کمی عمارت کا حقیقی نقشہ پیش کرسکتی ہے اور مومن کی سچی عقیدت کا محور بھی یہی ہے اور اسی کو صراطِ مستقیم کہا جاسکتا ہے فَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَھُوَ الْمُعِیْنُ۔ **بحث چہارم** حضرت مجدد کے اس مکتوب کے لکھنے کی پہلی وجہ تو خود اپنی ایک وقتی کیفیت ہے جو کسی موقعے پر آپ پر باطنی طور سے وارد ہوئی چنانچہ مکتوب شریف جلد سوم صفحہ ۱۰۱ دفتر دوم حصہ ہفتم پر ہے۔ چندگاہ بصلوٰۃ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اشتغال داشتم وصلوٰۃ و درود میفرستادم ونتائج وثمرات عاجلہ را از ان ترتب میساختم دید قائق واسرار ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میگشتم چوں مدتے بریں عمل گذشت اتفاقاً فتورے دریں التزام پیدا گشت وتوفیق ایں اشتغال زائل شد و بر صلوات موقتہ اقتصار افتاد (الخ) ترجمہ۔ کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود شریف وصلوٰۃ بھیجتا رہا۔ اور اس کے بے شمار دینی دنیوی فائدے اور نتیجے بہت جلدی جلدی اس پر مرتب شدہ میں پاتا رہا اور ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا جب کچھ مدت اس عمل پر گزری تو اتفاقاً اس روزانہ کے عمل میں فتور آگیا یعنی مجھ پر سستی غالب آگئی اور اس التزام میں فرق آگیا اور درود شریف پڑھنے کی توفیق نہ رہی اور صرف نمازوں کے ساتھ درود شریف پڑھنا ہی باقی رہ گیا ہ الخ) یہ تھا وہ ترجمہ جو مکتوب فارسی کا اس کے حاشیے۔ بین السطور اور ہماسنامے سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور حضرت مجدد کی یہ عبارت اپنی ذاتی کیفیت کے بارے میں بالکل درست ہے۔ اور راہ سلوک میں تقریباً ہر فقیر سالک پر قبض وبسط کی یہ کیفیات طاری ہوتی ہی رہتی ہیں۔ صوفیاء کرام اس کے بارے میں بہت کچھ فرماتے ہیں۔ حالات کی یہ تبدیلی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے کبھی نفسِ امارہ کی غفلت و سستی کی وجہ سے اور کبھی ابلیس کی طرف سے۔ نیز کبھی یہ تغیر و تبدل مفید ہوتا ہے۔ اور کبھی نقصان دہ یہ کیفیات مبتدی تو درکنار بڑے بڑے منتہی بزرگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جدھر مشیت ہوتی ہے ادھر پھیر دیا جاتا ہے کبھی خیر کی طرف کبھی شر کی طرف (از مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۲ باب) حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشاندے (از گلستان باب چہارم ص) اور پھر یہ تبدل اگر سستی نفس یا فتور ابلیس کی طرف بھی ہو تب بھی ضروری نہیں کہ شر کی طرف ہی ہو بلکہ کبھی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف

یا افضل سے انقص کی طرف یا زیادہ مفید سے کم مفید کی طرف۔ جیسے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ کی فجر سوتے میں قضا ہوگئی تو آپ اس غم سے اتنا روئے اتنا روئے کہ آپ کو قرب خاص کا مقام مل گیا۔ دوسرے دن پھر آپ کی آنکھ لگ گئی تو ایک شخص جگانے آیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور پوچھا تو کون ہے کہنے لگا میں ابلیس ہوں آپ نے فرمایا تیرا کام تو نماز سے سلانا ہے تو کیوں جگانے آیا کہنے لگا کہ کل میں نے سلایا تھا تو تمہارے رونے کی وجہ سے تم کو ستر ہزار نمازوں کا ثواب اور قرب خاص کا مرتبہ ملا آج میں نے جگادیا تاکہ پھر تم کو مرتبہ اعلٰی نہ مل جائے۔ صوفیاء کرام اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قبض وبسط کی یہ تغیر وتبدیلی بہت قسم کی ہیں۔ اور پھر کسی کا مقامِ اصل وحقیقت کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ فتور اور طبیعت کی سستی وتبدیلی مفید ہے یا غیر مفید ہر صاحب واردات کو بھی کئی دفعہ پتہ نہیں چلتا اور وہ سالک راہ معرفت اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور بہت دفعہ یہ تلبیس ابلیس ثابت ہوتی ہے۔ للہذا ایسی تغیرات نفسی پر کوئی شرعی یا قانونی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ایسے تغیرات پر کسی کو افضل ومفضول یا راجح ومرجوح کہنا درست ہے۔ مکتوب ۲۰۸ میں اسی ذاتی و باطنی فتورِ حالت کو اگلی عبارت کا معیار واساس بنایا گیا ہے جو یقیناً تنزل ہے اگر اسی طرح کے صوفیانہ تغیرات کو عام مسلمانوں کے لیے شرعی قانون کی حیثیت دینی شروع کردی جائے۔ تو ہر صوفی بزرگ اپنے باطنی واردات کو نئی شریعت کا نام دیتا چلا جائے گا اور اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کے لیے نئی نئی راہیں نکالنی شروع کردے گا۔ اور پھر مفسدات عدیدہ کے ابواب عدیدہ کھلتے چلے جائیں گے پھر عوام کالانعام کی نظر میں نہ سلام کا احترام باقی رہے گا نہ صلوٰۃ کا نہ احادیث کا احترام رہے گا نہ آیت کا نہ ذکر کا معیار قائم رہے گا نہ فکر کا۔ نہ دعا کا فرق ملے گا نہ عبادت کا جسے چاہا اپنے باطن کی آواز سے افضل کہہ دیا جسے چاہا مفضول اسی لیے شریعت کے قانون میں حرام۔ حلال اور افضل ومفضول کہنے کا حق صرف اللہ رسول کو ہے۔ کسی بھی صحابی تابعی عالم ولی غوث وقطب کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو کسی سے بغیر شرعی دلیل افضل یا مفضول کہیں۔ ہاں البتہ باطنی وروحانی واردات کیفیات اور تغیر حالات وفتورِ نفسیات وذاتیات کو صاحبِ حال اور متعلقات تک محدود رکھنا اشد لازم وہ بذاتِ خود اس پر عامل ہو تو حرج نہیں۔ مگر ایسے مکتوبات ہر خاص وعام کے لیے شائع کرنا اور ماہناموں یا رسالوں کی زینت بنانا ہرگز جائز نہیں بلکہ مذکورہ فی السوال تخریب کاروں کے لیے ناجائز فائدہ اٹھانے اور شریعت وقانون کو نقصان پہنچانے کا دروازہ کھولنا ہے۔ خود حضرت مجدد نے بھی مکتوب گرامی میں اپنے ایک خاص مرید وطالب ہی کا ذکر فرمایا ہے اور اس کو یہ باطنی راز بتایا ہے نہ کہ ہر ایک کو۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے خاص رازدارانہ باطنی وروحانی تحریرات کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی نہ شائع کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے اور اسی اندیشے کے تحت کثیر بزرگوں نے اپنے ایسے روحانی واردات کو قرطاسِ تحریر پر لانے سے سختی سے منع فرمایا اور سینہ بسینہ متعلقین تک پہنچایا۔ بدیں وجہ بہت کم مکتوبات مشہور ہیں یہاں تک کہ خود آقائے کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے باطنی ملفوظات کسی کتب احادیث

میں نہیں ملتے حضرت ابوہریرہ جو رازدارِ نبوت ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آقائے کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو علم عطا فرمائے ایک وہ جو ظاہر نہ کروں تو گناہ گار ہو جاؤں۔ دوسرا وہ جو ظاہر کروں تو تم مجھ کو قتل کر ڈالو۔ اشارہ اسی باطنی واردات کی طرف ہے جب باطنی کیفیات کو حضرت ابوہریرہ ظاہر نہیں کر سکتے جو سراسر مفید و افضل ہی ہیں اور من اللہ ہی ہیں تو بھلا کسی دوسرے کے باطنی کیفیات اور ذاتی تغیر حالات کو مکتوب بنا کر برسرِ عام شائع کرنا کب درست ہوگا جبکہ الہامی ہونا بھی یقینی نہیں ہے۔ مکتوب ۳۸ کی دوسری بنیاد۔ اس مکتوب کے لکھنے کی دوسری بنیادی وجہ جو اس فتورِ طبیعت کے بعد ظاہر ہوئی ایک حدیثِ قدسی کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی مکتوب کی مطبوعہ سطر ۱۲ پر لکھا ہے۔ بدیں وجہ۔ یکے آنکہ در خبر قدسی آمدہ است مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ ترجمہ پھر آخر چند دن بعد ایک خیال آیا کہ اس وقت میں ذکر کرنا درود بھیجنے سے بہتر ہے مُرسِل اور مُرسَل الیہ کے لیے دو وجہ سے ایک یہ کہ خبر قدسی میں آیا ہے کہ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سوال کرنے حاجتیں طلب کرنے سے مشغول کر دیا یعنی روک دیا۔ تو دیتا ہوں میں اس کو اس سے افضل جو دیتا ہوں میں مانگنے والوں کو۔ یہ تھی وہ روایت جس کا سہارا لے کر اس کو مکتوب میں درود پاک سے روکنے اور ہمہ وقتی ذکر کرنے کی دعوت خاص دی جا رہی ہے اور یہ مکتوب بظاہر صرف ایک مریدِ خاص غازی نائب کی طرف بطورِ رازِ روحانی باطنی لکھا جا رہا ہے مگر بعد کے ناسمجھ اہلِ عقیدت نے اس کو دعوتِ عام سمجھ کر ہر کس و ناکس کے لیے مشہور کرنا شروع کرتے ہوئے سراسر درود پاک کی گستاخی کے مرتکب ہونے کی جرأت دکھائی فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى مکتوب مذکور میں اس روایتِ قدسیہ کا کوئی ثبوت سند یا حوالہ پیش نہ فرمایا گیا۔ لہٰذا سائل کے استفسار سے مجھ پر واجب آیا کہ میں اس روایت کی تفتیش کروں چنانچہ بعد تفتیش ظاہر ہوا کہ ان الفاظ کی روایت احادیث کی اٹھارہ[18] قسم کی کتب محدثانہ میں سے کسی میں بھی یہ روایت قطعاً موجود نہیں ہے۔ نہ[1] صحاح ستہ[6] میں نہ کسی صحیح[7] میں نہ کسی مسند[8] میں نہ کسی موطا[9] میں۔ نہ سنن[10] نہ جامع[11] نہ تجرید[12] میں نہ مستدرک[13] نہ طبقات[14] نہ سیرت[15] میں۔ نہ آثار[16] نہ مرسلات[17] نہ شمائل[18] میں غرضکہ یہ حدیث کتبِ احادیث میں نہ ملی ہاں البتہ اس روایت سے بالکل مختلف بلکہ مخالف و متضاد ایک حدیث قدسی کتب احادیث کی مشہور معتبر کتاب صحاح ستہ کی چوتھی کتاب جامع ترمذی جلد دوم ص ۱۲۰۔ سنن دارمی جلد دوم اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۳ پر باب فضائل قرآن میں ہے۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوسعید خدری، رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقائے کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جس بندے کو قرآن کریم (کی تلاوت۔ تعلیم۔ تعلّم۔ حفظ و تفسیر وغیرہا) نے میرے ذکر و اذکار تسبیح و تہلیل اور مجھ سے دعائیں حاجتیں طلب کرنے سے روک دیا ہو تو میں اس بندے کو اس حاجتوں فرود تو سے زیادہ اور افضل چیزیں عطا فرماتا ہوں اور مانگنے والوں دعاؤں میں مشغول لوگوں سے زیادہ اور اچھا دیتا ہوں۔

یہ تھی اصل وہ حدیثِ قدسی جس کا کسی طرح بھی سنداً متناً بحثاً رتبتاً انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر یہ حدیث بذات خود کتب احادیث میں ہے جو حدیث کا اصل مقام ہوتا ہے۔ اور یہ سائل قانون ہے کہ ہر چیز اپنے اصل سے دریافت شدہ ہی معتبر ہوتی چہ جائیکہ ادھر ادھر سے اخذ شدہ ہر روایت و درایت منقول و معقول کی یہی شان ہے اسکے علاوہ سے دریافت شدہ یا ماخوذ صرف تائیداً تو قبول ہوسکتی ہے۔ مگر مقابلۃً یا استقلالاً ایسی مجہول یا غیر معتبر کتب سے لی ہوئی روایت عدالتاً ہرگز معتبر اور قبول نہ ہوگی۔ نہ ہی ایسی روایتِ شاذہ پر کوئی ذاتی عقیدہ یا نظریہ قائم کرنا جائز ہے ایسا کرنا انتہائی بے باکی ہے۔ ہاں اپنی ذات میں رہ کر خصوصی طور پر انسان جو چاہے کرے لیکن عوام پر ایسے نظریات مسلط کرنا درست نہیں۔ مکتوب ۵۵ کی یہ روایت محض شروح و حواشی اور بعض تفاسیر سے ماخوذ ہے اور وہ بھی انتہائی مضطرب حالت میں۔ ہماری تحقیق سے یہ روایت ہم کو۔ **آٹھ حوالوں** ۔ سے دستیاب ہوئی۔ ہم بعینہٖ اسی طرح درج کردیتے ہیں شرعی فیصلہ آخر میں ہوگا۔ نمبر۱۔ یہی مندرجہ بالا۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ اور سنن دارمی کے حوالے سے مگر یہ مکتوب مذکورہ کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ نظریہ اور عقیدہ مکتوب کی تردید میں ہے نمبر۲ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی جلد ہفتم صفحہ ۲۲۷ پر ہے۔ رُوِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ حِكَايَةً عَنْ رَبِّ الْعِزَّةِ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ ترجمہ وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔ یہ حوالہ دو وجہ سے نامقبول ہے اولاً اس لیے کہ نہ سند نہ جرح نہ ماخذ کا حوالہ۔ دوم اس لیے کہ تفسیر کبیر حدیث کی کتاب نہیں اس لیے اس کی پیش کردہ ہر روایت پر محدثانہ جرح و تحقیق لازمی ہے۔ پھر یہ خود بھی اس روایت پر اعتماد کا اظہار نہیں فرماتے بس ایک ذہنی سوال کے ضمن میں ضعیف و تمریض لفظوں سے رُوِیَ کہہ کر تذکرہ فرمادیا۔ یہ روایت واقعتاً کس درجہ کی ہے صحیح بھی ہے یا نہیں اس سے صاحب تفسیر کو غرض نہیں۔ لہٰذا جب یہ روایت خود مفسر کے نزدیک بھی اہم نہیں تو پھر اس سے سند و دلیل کس طرح پکڑی جاسکتی ہے نمبر۳ ارشاد الساری شرح بخاری مطبوعہ مصر جلد نہم صفحہ ۱۶۵ پر ہے۔ وَاسْتَشْكَلَ حَدِيْثُ مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ ۔ الخ۔ یہاں بھی بالکل تفسیر کبیر والی صورت ہے ایک اعتراض کے ضمن میں چند لفظی متن بیان فرمادیا گیا اس کی اصلیت وغیرہ پر کوئی تذکرہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ حدیث کی کتاب ہے بلکہ شرح ہے جس سے کسی حدیث کی دلیل نہیں مل سکتی۔ لہٰذا یہ حوالہ بھی کسی حدیث یا روایت کے متعلق کچھ فیصل نہیں فرماتا۔ حالانکہ شرعی فیصلے کے لیے مکمل ثبوت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ نمبر۴۔ کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد دوم کتاب الدعوات فصل اول صفحہ ۱۶۹ پر ہے۔ و در حدیث آمدہ است کہ ہر کرا باز دارد ذکرِ من از سوال از من بدہم اورا بہتر و بیشتر از آنچہ دہم سائلاں را الخ۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔ بلکہ یہ تو نرا ترجمہ ہی ہے۔ اس میں تو اصل متن ہی مفقود ہے۔ نمبر۵ شرح نووی مسلم جلد دوم باب دعاء الکرب صفحہ ۳۵۱ پر ہے۔ وَالثَّانِيْ جَوَابُ سُفْيَانَ بْنِ

حُیَیْنَۃَ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ قَوْلَہٗ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ (الخ)
یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے روایت کے درجہ اور ثبوت پر کوئی گفتگو نہیں اور پیش کرنے والے ایک شارح ہیں۔ محدث نہیں ہیں۔ یہ تھے وہ حوالے جو مختلف اطراف سے اس روایت کے ثبوت میں مجھ تک پہنچائے گئے مگر اس طرح کے حوالے واعظین کی کتابوں میں تو کام دے جاتے ہیں یا تائیدی مقامات پر کام آجاتے ہیں لیکن فقط اتنے تذکرے سے دلائلِ شرعیہ کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے اس طرح کے حوالے تو بحمدہٖ تعالیٰ قیامت تک علماء مصنفین بڑھاتے ہی رہیں گے۔ ہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت اس زمانے میں زبان زدِ عام مشہور تھی جس کو تذکرۃ شہرت کہا جاتا ہے اس طرح کی چند روایتیں آج کل بھی مشہور ہیں مثلاً ۱ـ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۲ـ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۳ـ اَوْلِیَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ ایسی ہی بہت سی روایات معارج النبوت و مثنوی روم وغیرہ وعظ و اشعار کی کتب میں دستیاب ہیں۔ مگر اصلیت کہیں نہیں حتی بدیں وجہ اس قسم کی روایت سے تذکرہ نگار حضرات بھی استدلال نہیں فرماتے نہ کوئی شرعی مسئلہ حل فرماتے ہیں۔ ان مذکورہ پانچ حوالوں میں بھی صاحب تصنیف بزرگوں نے اس مَنْ شَغَلَہٗ (الخ) والی روایت کو استدلال یا بطورِ سند پیش نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی ذہنی معترض کی طرف سے اس روایت کو پیش کرتے ہوئے ایک مفروضے کے طریقے پر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ روایت پیش کرے اور کہیں سے یہ روایت ثابت بھی ہو جائے اور پھر اعتراض ہو کہ دعا مانگنا افضل ہے یا ذکر اللہ کرنا۔ تب ہم یہ جواب دیں گے۔ مگر افسوس کہ مکتوب ۸۴ میں اس مفروضے اور تذکرہ کو مستقلاً سمجھ کر ایک نئی اور بالکل انوکھی مخصوص چیز کی بنیاد بنا دی گئی۔ ۶ـ حوالہ نمبر ششم امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد۔ یہ کتاب احادیث کی نہیں بلکہ اس زمانے کے ایک فرقہ جہمیہ اور اصحاب تعطیل کے رد میں ہے اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ حَدَّثَنَا ضِرَارٌ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ اَبِی الصَّهْبَاءِ عَنْ بُکَیْرِ بْنِ عَتِیْقٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا ہے۔ اس حوالے میں روایت کا متن بھی مذکور ہے اور سند بھی یہاں سند کا پہلا راوی ضرار ہے۔ مگر یہ حوالہ بھی دو وجہ سے مشکوک و غیر معتبر ہو گیا۔ پہلی وجہ یہ کہ کتب اسماء الرجال میں ضرار نام کے تقریباً پانچ راوی مذکور ہیں جن میں ایک ضرار غیر ثقہ ہیں اور ایک کو کذاب کہا گیا ہے اور تین حضرات کو ثقہ فرمایا گیا ہے اب معلوم نہیں کہ امام بخاری نے کون سے ضرار سے روایت لی ہے خود امام بخاری نے کچھ نہیں بتایا صرف حدثنا ضرار کہہ دیا۔ حسب نسب اور ولدیت ذکر نہ فرمائی لہٰذا کچھ رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ہم نے چھان بین کر کے امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب لسان المیزان جلد ثالث ص ۲۰۳ راوی ۸۹۱ ترتیب حرف ض۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ہند میں سے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ (ز ضرار) اَلْکَرَامِیُّ ذَکَرَہٗ اَبُو الْعَرَبِ فِی الضُّعَفَاءِ وَقَالَ

قَالَ لِیْ مَالِكُ ابْنُ عِیْسٰی كُوْفِیٌّ فِیْهِ لِیْنٌ۔ قُلْتُ فَعَلٰى هٰذَا غَیْرُ ضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ هُوَ هُوَ فَقَدْ ذَكَرَ اَبُوْ حَاتِمٍ اَنَّهٗ كَانَ صَاحِبَ قُرْاٰنٍ وَفَرَائِضٍ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ كَانَ عَالِمًا بِالْفَرَائِضِ وَقَدْ ذَكَرَ فِی التَّهْذِیْبِ اَنَّ الْبُخَارِیَّ اَخْرَجَ عَنْهُ فِیْ كِتَابِ خَلْقِ اَفْعَالِ الْعِبَادِ ۔۔۔۔۔۔

ترجمہ۔ ضرار راوی سے مراد ضرار الفرائض ہے۔ اس کا ذکر کیا ہے ابوالعرب نے کہ ضعیف راویوں میں شمار ہے اور فرمایا کہ کہا مجھ کو مالک بن عیسیٰ کوفی نے کہ اس کے بارے میں نرمی کی گئی ہے۔ یعنی یہ غیر معتبر شخص ہے۔ میں نے کہا کہ ان کا گمان ضرار ابن صرد کے علاوہ دوسرے ضرار کے متعلق ہوگا لیکن وہ ابن صرد اس کا ذکر ابوحاتم نے کیا کہ حافظِ قرآن اور علم فرائض کا ماہر تھا یہی ابن حبان نے فرمایا۔ کتاب تہذیب میں لکھا ہے کہ گمان ہے کہ امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اسی سے یہ روایت لی ہے۔ مگر یہ ابن حجر کا ذاتی ظن و گمان ہی ہے امام بخاری نے خود تو کچھ نہیں فرمایا۔ لہٰذا حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ امام بخاری کے نزدیک یہ روایت خود اتنی زیادہ اہم نہیں اگر یہ روایت صحاح ستہ جیسی معتبر ہوتی تو یقیناً امام بخاری اپنی کتاب بخاری شریف کے باب فضائل ذکر میں درج فرما دیتے مگر انہوں نے اس روایت کو بخاری میں نہ لکھا جس سے دلالۃً و اشارۃً اس روایت کی کمزوری ثابت ہوئی ہے۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء جلد ہفتم ص۳۱۳ پر یہ روایت اس طرح نقل فرماتے ہیں۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ هَارُوْنَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ثَنَا اَبُوْ مُسْلِمٍ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ وَاقِدٍ ثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِیٍّ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ قَبْلَ اَنْ یَّسْئَلَنِیْ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بندہ کہ اس کو میرا ذکر مشغول کر دے مجھ سے مانگنے سے تو میں اس کو اس کے مانگنے سے پہلے دوں گا۔ یہ حوالہ دو وجہ سے ضعیف اور ناقابل قبول ہے۔ ۱۔ ضعیف تو اس لیے کہ اس کے پہلے راوی ابراہیم بن محمد کو اسماء الرجال کی کتاب علل الحدیث و معرفت اسماء الرجال ص۵۸ پر امام محدث علی بن عبداللہ مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲۔ اور ناقابل قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف کی ہے نہ کہ حدیث کی جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے۔ اور صوفیا کی روایت عند المحدثین معتبر نہیں ہوتی کیونکہ اکثر ان بزرگوں پر حالتِ کیف و مستی اور واردات جذب و اضطرار بیخودی طاری ہوتی ہے۔ نیز اس روایت میں متن کے الفاظ سابقہ حوالوں کے الفاظ سے مختلف ہو گئے کہ وہاں ہے۔ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ اور یہاں ہے۔ اَعْطَیْتُهٗ قَبْلَ اَنْ یَّسْئَلَنِیْ۔ اور اتنا اختلاف بھی روایت کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ یہ احادیث مبارکہ منسوب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی مذاق بازی نہیں کہ جس کا جو دل چاہے کہتا چلا جائے۔ ۵۔ امام بیہقی کی کتاب۔ الاسماء والصفات ص۲۳۸ پر ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ وَذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ۔ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ ۔۔۔۔۔

ترجمہ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ بندہ جس کو قرآن پاک اور میرا ذکر مشغول کردے مجھ سے مانگنے سے تو دیتا ہوں میں اس کو اس سے بہتر اور زیادہ جو دیتا ہوں میں مانگنے والوں کو یہ حوالہ بھی دو وجہ سے غیر معتبر ہوگیا۔ اولاً اس لیے کہ یہ اسماء الرجال کی کتاب سے ماخوذ ہے پتہ نہیں کہ امام بیہقی اگلی سطور میں اس کی جرح کس طرح فرمارہے ہیں اس کا ضعف بیان فرمارہے ہیں یا قوت ثانیاً۔ اس لیے کہ اس کا متن پہلے حوالوں کے متن سے بالکل مختلف ہے۔ جس سے اس کی صحت میں شک پیدا ہوگیا۔ اور یہ روایت پانچ طریقوں سے متناً مشکوک و مضطرب ہوگئی۔ متناً اس طرح کہ جب یہی روایت صحاح ستہ کی کتاب ترمذی شریف جلد دوم نے صفحہ ۱۲۰ پر درج کی تو اس طرح ارشاد ہوا۔ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ (۲) یہی روایت سنن دارمی نے اس طرح بیان فرمائی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي (۳) مشکوٰۃ شریف نے اس طرح نقل فرمائی۔ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي (الخ) (۴) لیکن امام بیہقی نے اس طرح تبدیلی سے بیان فرمائی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي (الخ) (۵) یہی روایت حلیۃ الاولیاء میں اس طرح ہے مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يَسْأَلَنِي یہی روایت جب تفسیر کبیر۔ ارشاد الساری۔ شرح مسلم نووی۔ اور اشعۃ اللمعات کو ملی تو بالکل نقلی متنی تغیر سے اس طرح ہوگئی۔ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ غرضکہ ایک روایت اور اختلافات کثیرہ۔ تغیر تبدل بیشمار یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ سب ہی متن اور مختلف الفاظ اپنی اپنی جگہ درست اور فرمانِ الٰہیہ ہیں ورنہ رب تعالیٰ کے کلام یعنی حدیث قدسی میں تضاد بیانی لازم آئے گی اور ایسا کہنا سراسر توہینِ حدیث اور گستاخی ہوگی واضح رہے کہ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي اور مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي آپس میں نقیضین ہیں جن کا اجتماع ناممکن۔ ان میں ایک کو ہی ماننا پڑے گا۔ پہلی کو صحاح نے روایت فرمایا دوسری کو عام کتب نے۔ یقیناً عند العلماء پہلی کو ہی ترجیح ہوگی۔ محدثین کے نزدیک ایسی روایت مشکوک و مضطرب کہلاتی ہے اور فقہاء کرام کے نزدیک متروک الاستدلال۔ چنانچہ اسی قسم کی ایک روایت کو صاحب ہدایہ نے اس کے مضطرب ہونے کی بناء پر ضعیف قرار دیکر اس کو ترک فرما دیا۔ ہدایہ شریف جلد اول صفحہ ۱۶ پر باب الطہارت میں ہے کہ حدیث قلتین کو ابوداؤد نے صرف اس لیے ضعیف قرار دیا کہ اس کی سند میں اضطراب تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ ضَعَّفَهُ أَبُوْدَاوُدَ۔ يَعْنِي لِلْاِضْطِرَابِ فِي سَنَدِهِ عِنْدَهُ ۔ ترجمہ۔ امام شافعی کی پیش کردہ روایت کو ابوداؤد نے اس لیے ضعیف قرار دیا کہ ان کے نزدیک اس کی سند میں اضطراب تھا۔ ثابت ہوا کہ ذرا سے اختلاف سے روایت مضطرب ہوجاتی ہے اور مضطرب کی وجہ سے ضعیف اسی طرح قدوری کے حاشیے پر صفحہ ۲۳ پر ہے وَلَا يُعَارِضُ بِالْخَبَرِ الْوَارِدِ عَنِ الْاِنْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ وَهُوَ مَا رُوِيَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى جُهَيْنَةَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ۔ (الخ) وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرَيْنِ ۔ ۔ ۔ (الخ)
اور درایہ شرح پر ہے وَفِي رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ قَبْلَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ۔ لِأَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ

مَعْلُوْلٌ لِمَا فِیْہِ مِنَ الْاِضْطِرَابِ . . . . یعنی جہینہ کی روایت اس لیے نامقبول ہوگی کہ اس میں تاریخ کے بدلنے سے اضطراب پیدا ہوگیا اس طرح کہ اسی روایت میں کسی نے کہا کہ موت سے ایک ماہ پہلے ترمذی نے دو ماہ پہلے بیہقی نے چالیس دن پہلے کہا۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنی سی غلطی اور شک سے اضطراب پیدا ہوگیا تو تھون شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ والی روایت میں تو کثیر شکوک ہیں۔ یہ تو اس روایت کے متن کا اضطراب اور ضعف ہے اس کی سند روات بھی درست نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حلیۃ الاولیا میں ابراہیم بن محمد ضعیف راوی ہیں اور امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد میں اس روایت کے پہلے راوی مجہول ہیں۔ خیال رہے کہ امام بخاری اپنے کمال بزرگی اور تقابل احترام ہونے کے باوجود احادیث مبارکہ کے ضمن میں ان کی بائیس ۲۲ کتابوں میں سے صرف بخاری شریف کو وہ مقام صحت حاصل ہے کہ اس کی بیان کردہ کسی روایت پر جرح نہیں کی جاسکتی اور دنیا بھر کے علماءِ اسلام بلا چون و چرا و بلا تنقید اس سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کی باقی اکیس ۲۱ عدد کتب کی یہ شان نہیں لہٰذا ان کتب کی بیان کردہ روایت پر لازماً جرح کی جائے گی اور بلا تنقید تسلیم کرنا ضروری نہیں ہماری اس گفتگو سے مکتوب ۱۸۵ کی دوسری بنیاد کی کیفیت کا بخوبی پتہ چل گیا۔ ایسی متزلزل بنیاد پر کسی خصوصی عقیدے یا نظریئے کے ٹھوس قدم جما دینا درست نہیں لگتا خاص کر وہ نظریہ جس کو کسی طرف سے بھی علمی عقلی نقلی تحریری یا تقریری تائید بھی نہ ملتی ہو وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ بحث پنجم۔ اس مکتوب گرامی کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مکتوب عوام الناس کے لیے نہیں ہے صاحب مضمون اپنے اس مضمون میں سالکینِ معرفت کے مبتدی شاگردوں کو ذکر الٰہی کے ان اسباق میں ہمہ تن مصروف اور منہمک ہونے کی رغبت دے رہے ہیں جو اسباق ان کو مرشد تعلیم فرمائے۔ مقصد مکتوب نہ درود شریف کی مخالفت ہے نہ عوام کو روکنا اور بھلا یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ مجدد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا عاشقِ رسول جس نے مسلمانانِ عالم کے سینوں میں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع ابدی روشن فرمائی اگر مجدد صاحب کی یہ شمع فروزاں نہ ہوتی تو کم از کم ہند کے برصغیر میں اکبری گھٹا ٹوپ کے اندر اسلام کا صحیح نقشہ ہم لوگ دیکھنے کو ترس جاتے نہ نقشبندیت ہوتی نہ چشتیت نہ سہروردیت نظر آتی نہ قادریت نہ بریلویت۔ حنفیت وغیرہ سب اسی شجرۂ طیبہ کی وجہ سے کھلتے پھولوں کی طرح مہک رہے ہیں۔ ذات مجدد اپنی سیرت و سوانح کی روشنی میں عاشق ہی نہیں بلکہ سراپا عشق ہے۔ اس مکتوب کے ذریعے صرف مخصوص مریدین کو راہ سلوک کے انہماک اور استقامت کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے تاکہ جلد از جلد منزلِ معرفت پر پہنچ کر مبتدی سے منتہی مرید سے مراد اور طالب سے مطلوب بن جائے۔ پھر یہ کیفیت اسی مدرسے کی نہیں ہر درسگاہ کی یہی شان ہے فقہاء کرام جب کسی طالب علم کو علم فقہ سکھاتے ہیں تب بھی وہ اساتذہ اپنے شاگردوں کو اسی ہمہ وقتی مستقل مزاجی اور مصروفیت قائم رکھنے کی غرض سے تمام نفلی عبادت روزہ ذکر اذکار یہاں تک کہ زیادہ تلاوت سے بھی منع کر دیتے ہیں۔ تسبیح و مرقع کو تو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔ اس لیے کہ اسباق کی یادگیری منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے۔ اور

انہاک اسباق کو آسان کرتا ہے اور ہمہ وقتی مشغولیت سے انہاک پیدا ہوتا ہے تو یہ مکتوب صرف مخصوص تلامذہ کے لیے ہے نہ کہ ہر خاص و عام کے لیے اسی لیے اس کی اشاعت نقصان دہ ثابت ہوئی اور تخریب کاروں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آیا۔ لیکن چونکہ اس مکتوب میں انہاک و استقلال پیدا کرنے کا طریقہ بالکل ہی نرالا وانوکھا اختیار کیا گیا جو آج تک کسی بھی اہل علم و فکر نے نہ بتایا اس لیے اس کے سمجھانے کے لیے الجھنیں پیدا ہوئیں جن کو سلجھانے کے لیے مزید الجھن در الجھن پیدا ہوتی چلی گئی جس سے نمٹنے کے لیے تضاد بیانی و تسامحات کا سہارا لینا پڑا۔ ہم اگلی سطور میں ان تمام کی کچھ نشان دہی کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔ **بحث ششم** ۔ یہ فطرتی امر ہے کہ جب بھی کبھی کوئی انوکھا مخصوص اور سب سے ہٹ کر نظریہ قائم کیا جائے تو اس میں کثیر طریقے سے الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اور ان الجھنوں کو سلجھانے اپنے اختراعی ذہنی مسلک و تصورات کو بچانے کے لیے مزید الجھنیں غیر ارادی طور پر پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں جن سے بچ نکلنا پھر صاحب مضمون کے بس کی بات نہیں رہتی۔ یہی کچھ حال ہمارے اس زیر نظر تحریر کا ہے اس میں بھی از اول تا آخر بہت سی ایسی الجھنیں ہیں کہ کسی بھی پڑھنے اور سمجھنے والے کے لیے پریشانی کا باعث ہے یہاں تک کہ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ اس ذاتی مسلک اور نظریے کی اصل و حقیقی اساس و بنیاد کیا ہے۔ جس چیز کو مصنف اپنے نظریے کی دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں وہی سابقہ دلیل کے لیے الجھن بن جاتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ۱ اوّلاً اس نظریے کو اس روایت مضطرب و ضعیف پر قائم کیا گیا جس کی کیفیت مفصّل ہم نے ابھی پچھلی سطور میں بیان کر دی۔ ۲ پھر مکتوب کی سطر چہارم میں اپنی ذاتی کیفیت بیان فرما کر ذکر کی افضلیت کا پرچار کرتے ہیں۔ ۳ اور اپنی کیفیت کو بھی لفظ فتور سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ فتور کی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ (از لغات کشوری) جس سے ثابت ہوا کہ خود مصنف کے نزدیک بھی یہ تغیر حالت اچھی نہیں تھی۔ اور جو چیز اچھی نہ ہو اس سے کسی کی افضلیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے ۴ پھر اگلی عبارت اور اپنی ذاتی تغیری کیفیت سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ ترک درود شریف اور مشغولیت ذکر منتہی اور خود مرشدین کے لیے بھی ضروری ہے۔ ۵۔ لیکن مکتوب کے سطر ۲۵ سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہ حکم منتہی حضرات کے لیے نہیں بلکہ یہ افضلیت۔ درود شریف تو صرف ان مبتدی لوگوں کے لیے ہے جو ابھی راہ سلوک کے طالب علم شاگرد ہیں اور ان کو مرشدین سبق دے رہے ہیں وہ سب نوافل و سنن یہاں تک کہ درود شریف بھی چھوڑ کر صرف اسی ذکر کا ورد کریں جو ان کے ان کے مرشد نے بتایا ہو۔ اگر اس بات کو دیکھیں تو پھر ذکر کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ صرف استحباب ثابت ہوتا ہے۔ ۶ پھر پہلے لکھتے ہیں کہ ہر ذکر مطلقاً۔ افضل ہے درود شریف سے مگر آگے سطر ۳۲ پر لکھتے ہیں کہ یہ شان ہر ذکر کی نہیں بلکہ صرف مقبول ذکر کی یہ شان ہے کہ درود شریف سے افضل ہے اور اپنے اس ذاتی قول کو بچانے کے لیے اپنی سوچ و فکر سے ذکر کی تین قسمیں فرما رہے ہیں ۱ ذکر مقبول ۲ ذکر نامقبول ۳ وہ ذکر جو مرشد اور شیخ کامل بتائے۔ حالانکہ ذکر اللہ کی یہ تقسیم کہیں ثابت نہیں۔ نہ ہی درست ہے جیسا کہ اگلی سطور میں

واضح کی جائے گا۔ ۵۴ صاحب مضمون نے پہلے تو اپنے اس نظریئے پر مَنْ شَغَلَهٗ ذِکْرِیْ والی روایت کو بنیاد بنایا۔ جب اس میں اُلجھن پیدا ہوئی اور ترک درود پاک ثابت نہ ہوسکا تو پھر سطر ۱۲ میں مَنْ سَرَّہٗ سَنَةً حَسَنَةً والی روایت کو اپنے ذہنی نظریئے پر بنیاد بنالیا۔ حالانکہ اس فرمانِ مقدس کی نسبت خود صاحب فرمان صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی درست نہیں۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ ۵۵ ۔ پہلے فرمایا کہ صرف ترکِ درود شریف کیا جائے اور یہ کہ ذکر افضل ہے درود شریف سے لیکن آخری سطور میں یہ اُلجھن پیدا کی گئی کہ ذکر اللہ کرنے کے لیے تمام نفلی عبادات بھی چھوڑنے کا فرمان جاری کیا گیا۔ غرضکہ ایک بات بچانے کے لیے اُلجھن در اُلجھن پیدا ہوتی چلی گئی۔ مگر مسئلہ پھر بھی حل نہ ہوا۔ اور بدبخت منکروں نے ناجائز فائدہ حاصل کرلیا۔ اب ہم اس مکتوب گرامی کے دلائل کا جواب اور پیدا شدہ اُلجھنوں کا حل پیش کرتے ہیں۔ اس مکتوب گرامی میں تقریباً چار اساسی دلائل قائم کیے گئے ہیں جن کے سہارے پر یہ نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی پہلی بنیاد ۔ وہی روایت جس کو ہم نے ابھی ابھی مضطرب اور ناقابلِ قبول ثابت کردیا ہے۔ اس روایت میں مسئلتی سے مراد صاحب مضمون نے درود پاک مراد لیتے ہوئے ہر مسلمان کو مشورہ دیا ہے کہ درود پاک پڑھنا چھوڑ دیں اور ذکر اللہ کیا کریں۔ اس سے زیادہ فائدہ پہنچے گا پڑھنے والے کو بھی اور درود شریف والے (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو بھی حالانکہ روایت میں عَنْ مَّسْئَلَتِیْ سے مراد بندے کی ذاتی ضروری حاجتوں کی دعائیں ہیں نہ کہ غیر کی حاجتیں۔ جب کہ مخلوق کے درود شریف کی حاجت تو خود نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں ہے۔ نیز منقولِ اصطلاحی میں دعا کا لفظ اپنی ذاتی حاجت کے لیے ہی مستعمل ہے اور شریعت کے احکام اصطلاحات پر ہی جاری ہوتے ہیں۔ تمام علماء معقول و منقول اور فقہاء شریعت و فضلاء اصول کا اس ضابطۂ کلیہ پر اتفاق ہے۔ اگر علماء کرام و فقہاء اسلام اور علم اصول کے اس ضابطہ کو نہ مانا جائے اور درود شریف کو بھی صرف لفظی معنیٰ کے اعتبار سے عام دعاؤں میں شامل مان کر افضلیت کے انکار اور عوام کو ترکِ صلوٰۃ و سلام پر مجبور کیا جائے تو پھر قرآن مجید کی سینکڑوں آیت اور سورۂ فاتحہ کی افضلیت کا انکار بھی کرنا پڑے گا کیونکہ وہ بھی دعائیہ الفاظ ہیں۔ اسی طرح التحیات میں بیٹھ کر تشہد پڑھنا تمام کا تمام ہی دعا ہے اور بوقت الملاقات سلام و جوابِ سلام مناسب ہی دعائیں مگر اصطلاح و رواج میں ان کو دعا نہیں کہا جاتا۔ اس لیے روایت کے مَنْ مَّسْئَلَتِیْ میں یہ داخل نہیں ہوسکتے۔ صوفیاء کرام اور بزرگانِ عملیات فرماتے ہیں کہ دعا صرف وہ ہے کہ بندہ ان لفظوں کو سمجھ کر دعا کے طریقے پر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ بے سمجھے یا بغیر طریقہ دعا کچھ پڑھنا دعا نہیں کہلاتا مثلاً کوئی بندہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ۔ پڑھتا رہتا ہے۔ مگر اس کا مطلب معنیٰ اس کو معلوم نہیں نہ وہ ہاتھ اٹھا کر یہ عرض کرتا ہے تو یہ کلمات اس کے لیے دعا نہیں بنیں گے۔ اسی طرح پڑھنے کو ورد وظیفہ کہا جاتا ہے نہ کہ دعا اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کا ورد قبول فرما کر اس کو وہ کچھ دیدے جس کے لیے وہ یہ وظیفہ کر رہا ہے۔ بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دعائیہ الفاظ والی عبارت دعا بن جاتی ہے اور دعائیہ

الفاظ دیگر فوائد کے لیے وظیفہ بن جاتا ہے۔ بعض دعائیہ کلمات فقط عبادت ہیں ان کو بھی دعا نہیں کہا جاتا دعا صرف وہ کلام و کلمات ہیں جن کو بندہ سمجھ کر اور دعا کے طریقے پر مانگے اگرچہ وہ اپنی ہی کسی زبان میں ہو۔ ان تمام قواعد سے ثابت ہوا کہ درود شریف کو دعا نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے مَنْ سَنَّ سے درود پاک مراد لینا بہت ہی حیران کن بات ہے آج تک کسی بھی عالم نے یہ بات نہ کی نہ لکھی۔ شارحین فرماتے ہیں کہ درود شریف صرف عربی کے مخصوص الفاظِ منقولہ کا نام ہے۔ جو احادیث و روایت سے صرف تین طریقے پر ثابت ہیں مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ یا صَلَّی اللّٰہُ یا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ (الخ) ان کے علاوہ ثابت نہیں اگرچہ درود شریف کی ترکیبیں مختلف الفاظ میں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ اگر درود شریف کا ترجمہ کسی اپنی زبان میں کر دیا جائے تو وہ بھی درود شریف نہ کہلائے گا اور اس کا ورد کرنے والا بھی نہ وہ ثواب پائے گا جو عربی صلوٰۃ و سلام کا ہے نہ درود خوان کہلائے گا۔ جب علما فقہا نے اپنی اپنی کتب میں درود شریف کا تعارف کراتے ہوئے اتنی قیود قائم فرمائیں تو سب اقوالِ متقدمین و متاخرین سے منہ موڑ کر فقط اپنی ذہنی فکر سے مَنْ سَنَّ میں درود شریف کو شامل کرنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اس تمام وضاحتی بیان سے ثابت ہو گیا کہ مکتوب کے پیش کردہ نظریے پر اس روایت کو بنیاد بنانا تشریحی طور پر بھی بہت کمزور ہے۔ مکتوب مذکور کی بات ماننے سے درود شریف کے علاوہ بہت سی آیتِ قرآنیہ کی فضیلت کا انکار بھی لازم آتا ہے جو سراسر بے ادبی ہے **دوسری بنیادی دلیل۔**

مکتوب ۵ میں ایک روایت نقل فرمائی گئی چنانچہ مکتوب کے سطر ۱۳ میں منقول ہے کہ قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا . . . . .

اس روایت کے مکمل اور صحیح الفاظ اس طرح ہیں۔ عَنْ جَرِیْرٍ (الخ) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ (الخ) رواہ مسلم (از مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل اول ص۳۳) ترجمہ۔ پوری حدیث شریف کا۔ روایت ہے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ قبیلہ بنی مضر کا ایک فاقہ زدہ وفد حاضر بارگاہ ہوا تو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ ہوا آپ نے ان کی میزبانی اور امداد کے لیے مسجد میں ہی چندے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے ایک انصاری صحابی اٹھے اور ایک بہت بڑا تھیلا ہاتھوں پر لاد کر لائے درہم و دینار کا۔ ان کی دیکھا دیکھی دیگر صحابہ کرام بھی حسب توفیق چندہ لائے یہاں تک کہ کپڑے اور سکّے کے ڈھیر لگ گئے تب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ اچھا کام ایجاد کیا۔ تو اس کو اپنے ذاتی عمل کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے اس طرح کے عمل کا ثواب بھی پورا ملے گا جو اس کے اس اچھے طریقے پر عمل کرے گا (الخ) یہی حال بُرے کام کے موجد کا ہے۔ یہاں تمام علما و شارحین مَنْ سَنَّ کے کا ترجمہ و معانی ایجاد ہی کرتے ہیں۔ خود صاحب مکتوب بھی اس ترجمے سے متفق ہیں۔ مگر مَنْ سَنَّ میں خود آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل فرما رہے ہیں اور یہ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی کسی چیز کے

موجد نہیں۔ بلکہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ کی شان والے ہیں۔ بلکہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی کسی چیز کا۔ قانون عبادت ذکر اذکار وغیرہم کا موجد کہنا بے ادبی ہے۔ یہی بات عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) یہ نبی اسلام کو خود ایجاد کرتے ہیں۔ موجد وہ ہوتا ہے جو اِدھر اُدھر سے چند چیزیں جمع کرکے اپنی سوچ و فکر سے ایک شکل بنادے مثلاً۔ سائیکل کے موجد نے۔ لوہا۔ تار ربڑ چمڑہ ادھر ادھر سے جمع کیا اور اس کو سائیکل کی شکل بنادیا۔ یہودیوں اور دیگر کفار کہتے پھرتے تھے کہ یہ نبی توریت وانجیل وغیرہ سے اچھی باتیں لیکر یا عجمی غلاموں سے سیکھ کر اس میں کچھ اپنی باتیں شامل کرکے کہتے ہیں کہ یہ اسلام ہیں۔ ان کے منہ توڑ جواب کیلئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے نبی تو سب کچھ ہماری وحی سے ہی فرماتے ہیں اپنے پاس سے کچھ نہیں ایجاد فرماتے لہٰذا مَنْ سَنَّ میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز شامل نہیں مانا جاسکتا یہ تو شانِ اقدس میں کمی کرنے کے مرادف ہے۔ موجد تو اپنی فکری سوچ اور ایجادی تدبیر کو پورا کرنے میں اغیار کا محتاج ہے مگر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مخلوق کے محتاج نہیں۔ اب مَنْ سَنَّ کا معنی یہ ہوا کہ جس نے قرآن وحدیث کے ماخذ سے کوئی اچھا کام مسلمانوں کے لیے ایجاد کیا۔ مثلاً فقہا نے فقہ محدثین نے تدوینِ حدیث واسماء الرجال۔ علماء اصول نے اصولِ حدیث وفقہ۔ صوفیا اولیا نے طریقت وسلوک کے سلسلے یا مدرسین نے دینی نصاب ومدارس۔ اپنی اپنی سوچ وفکر سے ایجاد کئے تو تاقیامت جو مسلمان بھی ان موجدین متقدمین کی دیکھا دیکھی اسی طرح حدیث فقہ علم اصول کی کتابیں لکھے گا یا مدرسے قائم کرے گا تو ان سب عاملین کے ان اعمال کا ثواب ان موجدین کو بھی ملتا رہے گا۔ اس حدیث پاک کا تعلق ان ذکر اذکار وظائف اوراد سے قطعاً نہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم فرمائیں یا خود ورد فرمائے کیونکہ وہ سب وحیِ الٰہی سے تھے نہ کہ ذاتی ایجاد اور ذاتی طریقے و سوچ و فکر سے۔ اب اس مَنْ سَنَّ کی آڑ لیکر درود پاک سے لوگوں کو روکنا سراسر زیادتی اور مکتوب سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے **دلیل سوم**۔ اپنے اس کمزور رد انوکھے دخصوصی نظریئے کو بچانے کے لیے۔ ذکر اللہ کی تین قسمیں کرنی پڑیں۔ مگر یہ بھی درست نہیں تین وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس طرح کی تقسیم زمانۂ نبوی سے آج تک کسی بھی اہل علم نے نہیں کی نہ یہ تقسیم قرآن وحدیث فقہ اصولِ فقہ تصوف وغیرہ سے ثابت نہ معلوم صاحب مکتوب کی اس تقسیم کا ماخذ کیا ہے؟ دوسری وجہ یہ کہ اسلام کے جتنے بھی ذکر اللہ ہیں وہ سب یا تو قرآن مجید سے ثابت ومذکور ہیں یا احادیث مطہرات سے۔ اب کون۔ مسلمان قرآن مجید کے فرمودہ کسی ذکر اللہ کو غلط اور نامقبول ذکر کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح زبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردہ کسی بھی ذکر اللہ کو غلط اور نامقبول ذکر کہنے کی کون جرأت کرسکتا ہے۔ نامقبول ذکر تو غلط ہی ہوسکتا ہے اور غلط ذکر قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہوسکتا بلکہ کفار و مشرکین اور دیگر غیر مسلموں کے ذکر اللہ غلط اور نامقبول ہیں بلکہ ان کو ذکر اللہ کہنا ہی درست نہیں۔ جیسے وبھگوان۔ ہوم شانتی۔ ہ پرمیشور یا ہو۔ مائی گاڈ۔ اور واہے گرو۔ وغیرہ۔ ان کو ذکر الٰہی کہنا غلط ہے اور یہی نامقبول ذکر ہیں ان ہی جیسی تمام چیزوں کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ ترجمہ۔ جو بندہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی طریقہ اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ دینِ اسلام کی ہر بات اور ہر ذکر قبول ہے تیسری وجہ۔ صاحب مکتوب نے ذکر اللہ کی قسمیں تو تین کر دیں مگر نہ کسی کی مثال دیکر وضاحت کی نہ نشاندہی کی نہ یہ بتایا کہ فلاں فلاں ذکر اللہ نامقبول ہے ان مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر یہ مکتوب خود اہلِ علم کے نزدیک نامقبول قرار پا جاتا ہے چوتھی بنیادی دلیل جب یہ تقسیم بھی ثابت نہ ہو سکی اور نہ ہی نظریہ بچانے میں مزید الجھن ہوئی تو پہلی تمام باتوں سے ہٹ کر اور ترکِ درود کا عمومی حکم چھوڑ کر صرف مبتدی طالبانِ راہ سلوک تک ترکِ درود کا حکم و نظریہ مخصوص کر دیا چنانچہ مکتوب کی سطر ۲۲ میں لکھا ہے۔ لیکن ذکریکہ طالب از شیخ کامل مکمل اخذ نماید و بشرائط طریقہ بران مداومت کند از درود گفتن افضل است (الخ) ترجمہ یعنی وہ ذکر اور وظیفہ جو علم معرفت کا طالب اپنے پیر کامل سے سبق لے اور بتائے ہوئے طریقے پر روزانہ ورد کرے وہ ذکر اور وظیفہ بھی درود شریف سے افضل ہے۔ اس عبارت نے مزید کئی الجھنیں پیدا کر دیں پہلی یہ کہ اس نے دیگر تمام ذکر اللہ کا درجہ بھی کم کر دیا صرف وہی ذکر افضل قرار پایا جو مرشد کامل بتائے یہاں تک کہ تمام نفل عبادتیں بھی اچھی اور افضل نہ رہیں جیسا کہ خود مصنف نے اسی مکتوب کی سطر ۲۶ میں اس طرح لکھا ہے کہ مبتدی را غیر از ذکر کلمہ تجویز نہ کردہ اند و در حق او اقتصار بر فرائض و سنن نمودہ اند و از امور نافلہ منع ساختہ اند۔ (الخ) ترجمہ۔ مشائخ طریقت اپنے ابتدائی شاگردوں کو اپنے بتائے ہوئے ذکر اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذکر اللہ جائز نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں فرض اور سنت پر اکتفا ہی کرتے ہیں اور تمام نفل عبادتوں سے بھی منع کرتے ہیں۔ لیکن خود مصنف نے جس بے خوفی سے ذکرِ مرشد کو درود پاک سے افضل کہہ دیا اس طرح یہ کہنے کی زحمت گوارہ نہ کی کہ ذکرِ مرشد کو دیگر ذکر اللہ اور نفل عبادات سے اچھا یا افضل کہہ دیتے بار بار صرف درود شریف کو ہی غیر افضل کہا جا رہا ہے۔ آخر اس کی وجہ؟ دوسری الجھن یہ کہ یہ عبارت پہلی دونوں باتوں کی مخالفت کر رہی ہے اس سے مَنْ شَغَلَهٗ ذِکْرِیْ۔ والی عمومیت کی بھی نفی ہوتی ہے اور مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً سے ثابت ہونے والی عمومیت کی بھی کیونکہ ان دونوں روایتوں سے مصنف نے عام مسلمانوں کو درود شریف پڑھنے سے منع کیا ہے مگر اس تیسری بات نے ممانعت کو محدود کر کے صرف مرشد کے شاگردوں کو درود شریف سے منع کیا۔ اور اگر ان تینوں مختلف نظریوں کو ایک مکتوب سمجھا جائے جیسا کہ مصنف نے کیا ہے تب یہ تمام ہر قسم کے مسلمانوں کو درود شریف سے بڑے نرالے انداز سے روکا جا رہا ہے کسی کو مَنْ شَغَلَهٗ۔ سمجھا کر اور کسی کو مَنْ سَنَّ کا نوید سنا کر کسی کو مرشد کی سخت گیر پابندیاں بتا کر۔ اور نسبت ہو گئی حضرت مجدد کی طرف تاکہ آئندہ تمام مرشدین بھی اسی نظریے پر عمل کر کے خود اپنے شاگردوں کو درود شریف سے منع کرتے رہیں۔ ان تمام باتوں سے بجز اس کے اور کیا سمجھا آتا ہے کہ اس تمام مکتوب کا مقصد بلیغ ترکِ فضیلتِ درود پاک ہے جو انتہائی بری بات ہے۔ تیسری الجھن۔ یہ کہ اس عبارت نے ذکر کی تین قسموں میں سے مقبول ذکر کا درجہ بھی گھٹا دیا۔ اور سب سے اعلیٰ فضیلت اور درجہ مرشد کے

بتاتے ہوئے ذکر کو دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مکتوب مذکور کی سطر ۲۵ میں ہے حالانکہ اس سے پہلے ذکرِ مقبول کو دیگر تمام اذکار اور درود شریف سے افضل کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی سطور میں کچھ شانِ نبوت بیان کی گئی ہے مگر اس کا کوئی تعلق پچھلی عبارت سے نہیں ہے یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو بے سروپا اس میں شامل کیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی کو رُلا کر پھر اس کے آنسو پونچھے جائیں یا کسی کو غصہ دلا کر پھر اس کے غصے کے احساس سے اس کو تسلیاں دی جائیں۔ یہی اکثر گستاخ وہابیوں کا طریقہ کار ہے کہ تاجدارِ ختم نبوت زندہ باد کہنے کے دشمن اور تاج تختِ ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگا کر عوام اہلسنت کو خوش کرنے اور ان کے غصے سے بچنے کی کوشش کی یہی روش یہاں اختیار کی گئی ہے۔ **بحث ہفتم۔** ذکر اور صلوٰۃ وسلام کا فرق۔ خیال رہے کہ احادیثِ مبارکہ اور آیتِ قرآنیہ سے ذکر اللہ کرنے کے نو طریقے ثابت ہیں ۱ حمد ۲ کلمہ ۳ تسبیح ۴ تہلیل ۵ تمجید ۶ تذکرۃ الاسماء ۷ تذکرۃ الصفات ۸ تذکرۃ النعم یعنی نعمتوں کا تذکرہ ۹ تلاوتِ قرآن مجید۔ ذکر اللہ کی یہ تمام قسمیں اور طریقے مقبولِ بارگاہ الٰہیہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نامقبول نہیں۔ اور بندۂ مومن کی زبانِ محبت سے یہ اذکار اللہ تعالیٰ ربُّ العزت کو اتنے پسند ہیں کہ اگر دل میں لذتِ شوق اور نیت میں صفائی ہو تو غلط الفاظ بھی پسند کیے جاتے ہیں۔ ایک بنی اسرائیلی مومن صحابی کا یا کریُ پڑھنا اور حضرت بلال کا اَسْھَدُ کہنا ہی پسند آگیا۔ بشرطیکہ ذاکر مخلص مومن ہو غیر مسلم ہندو سکھ عیسائی یہودی وغیرہ نہ ہو۔ اہلِ حرم ہو بقولِ اقبال ؎ ایں دروغِ دادار نہ ہو ذکر اللہ اور صلوٰۃ وسلام کے بارے میں صوفیاء کرام کے دو قول ہیں کچھ بزرگ فرماتے ہیں کہ درود پاک بھی ذکر اللہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ تین ورد ذکرِ الٰہی ہیں۔ ۱ تلاوتِ قرآن مجید ۲ تسبیح وتہلیل ۳ درود شریف۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں پہلی دلیل: ہر وہ کلام جس سے اللہ کی یاد آئے اور اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ونسبت ہو وہ ذکر اللہ ہے۔ تو چونکہ درود پاک میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ اور صلی اللہ کہا جاتا ہے اس لیے یہ ذکر اللہ ہوا۔ دوسری دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیشمار جگہ مختلف آیات میں ذکر اللہ کرنے کا حکم فرمایا لیکن ذکر اللہ کا طریقہ متعین نہیں فرمایا گیا ہاں البتہ دو جگہ تسبیح پڑھنے کا حکم ہوا ۱ سورۃ مریم کی آیت ۱۱ اور ۲ سورۃ احزاب کی آیت ۴۲ میں۔ اس حکم اور طرز بیانی سے ثابت ہوا کہ یہ تسبیح بھی ذکر الٰہی ہے اسی طرح سورۃ احزاب کی آیت ۵۶ میں بہت شاندار اہتمام سے درود پاک پڑھنے کا حکم فرمایا گیا۔ لہٰذا اس حکم سے بھی ثابت ہوا کہ درود شریف بھی ذکر اللہ ہے۔ تیسری دلیل جو فائدہ ترمذی شریف اور سنن دارمی کی بیان کردہ حدیث قدسی نے تلاوت قرآن مجید کرنے اور تلاوت میں مشغول رہنے کو بیان فرمایا وہی فائدہ صحیح بخاری ابواب سنن العلوۃ اور ترمذی و مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثانی۔ میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو درود شریف پڑھنے کا کچھ مختلف الفاظ میں بتایا۔ اور اہل ایمان کے نزدیک حدیثِ قدسی اور دیگر احادیث مطہرات ایک ہی شان کی ہیں نیز میں تو کہتا ہوں کہ مکتوب ۲۶ کی پیش کردہ حدیثِ قدسی کو بھی اگر فرضاً صحیح مان لیا جائے اور پھر اس حدیثِ قدسی اور ابی ابن کعب والی حدیث پاک کا موازنہ کیا جائے تب بھی ثابت ہوتا ہے کہ درود شریف بھی ذکر اللہ ہی ہے۔ کیونکہ ہر دو

(موودات میں تائید ایک ہی بیان کیا گیا۔ مگر کچھ بزرگ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ اور درود شریف دونوں علیحدہ علیحدہ ورد ہیں اسی طرح تلاوت بھی علیحدہ ورد ہے۔ مگر ہم کسی کو کسی سے افضل نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس طرح شریعت میں حرام و حلال کرنا صرف رسول اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ کا قانون اور کام ہے اسی طرح کسی کو کسی سے افضل قرار دینا بھی اللہ رسول کا کام ہے کسی اُمتی کو جائز نہیں کہ بلا دلیل اور بغیر استنباط کسی کو کسی سے افضل کہتا پھرے۔ جیسا کہ کتب فقہا سے ثابت اس لیے مذکورہ مکتوب نمبر ۵ میں ذکر اللہ کو تقسیم کرنا اور پھر ایک ذکر کو درود شریف سے افضل کہنا شرعاً قطعاً درست نہیں۔ خیال رہے کہ افضیلت کی گیارہ ۱۱ قسمیں ہیں۔ جو تمام کی تمام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں نمبر ۱ فضیلت زمانی وقتی نمبر ۲ فضیلت دائمی نمبر ۳ فضیلت عارضی نمبر ۴ فضیلت کلیہ نمبر ۵ فضیلت جزئیہ نمبر ۶ فضیلت خصوصیہ نمبر ۷ فضیلت عامہ نمبر ۸ فضیلت مطلقہ نمبر ۹ فضیلت مقیدہ نمبر ۱۰ فضیلت تقابلی نمبر ۱۱ فضیلت غیر تقابلی۔ اگرچہ ہر قسم کی فضیلت صرف اللہ رسول کی ہی طرف سے عطا ہوتی ہے مگر افضیلت تقابلی تو بالکل ہی کوئی شخص کسی کو کسی سے نہیں دے سکتا۔ اپنی مرضی سے تو ہم نے افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ بھی نہیں کہا اس کا ثبوت بھی حدیث پاک نے فرمایا تب ہم نے کہا پھر کسی ایک ذکر کو ہم کس طرح درود پاک سے افضل کہہ سکتے ہیں ہم تو اپنی مرضی سے کسی انسان کو بھی کسی سے افضل نہیں کہہ سکتے۔ یہاں تک تو ذکر۔ تلاوت اور درود شریف کے فرق کا تذکرہ ہوا۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ درود شریف دعاء اصطلاحی نہیں ہے اسکو مسئلتی یا دعا کہنا قطعاً غلط ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ شریعت کے تمام احکام منقولات اصطلاحیہ شرعیہ پر جاری ہوتے ہیں۔ لغوی معنی پر احکام جاری نہیں ہوتے۔ فقہ اور اصولِ فقہ کے قاعدۂ کلیہ کے مطابق مسئلتی اور دعا میں بھی فرق ہے اور نسبت عام خاص من وجہ کی ہے کہ ہر دعا مسئلتی نہیں اور ہر مسئلتی دعا ہے۔ مسئلتی ذاتی حاجت کی طلب کو کہتے ہیں اور دعا ہر طلب کو کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے درود شریف اگرچہ دعا ہے بلکہ فرض سنت واجب نفل نماز بھی لغت میں دعا ہی ہے۔ مگر اصطلاح شریعت میں نہ نماز کو دعا کہا جاتا ہے نہ درود شریف کو۔ یہاں تک کہ لفظ صلوٰۃ دونوں (درود و نماز) کے لیے مشترک ہے مگر ان میں بھی فرق ہے کہ صلوٰۃ بمعنی نماز عبادتِ خاص ہے اور صلوٰۃ بمعنی درود فقط ورد و وظیفہ اور ذکر اللہ ہے اتنے واضح فرقوں کے ہوتے ہوئے پھر مسئلتی سے درود شریف مراد لینا ایک اچھی نظریاتی دھینگا مشتی اور فلاقی فکری مُعوسم شناسی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ مسئلتی یعنی سوالِ طلب اور دعا وہ ہے جو طلب اور مدعا کے حصول کے لیے مانگی جاتی ہے پہلے حاصل نہیں ہوتی ورنہ تحصیل حاصل ہوگا جو قطعاً غلط ہے۔ لیکن درود شریف کسی کی دعا سے حاصل نہیں ہوا بلکہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ کی آیت پاک بتا رہی ہے کہ درود شریف ازل سے حاصل ہو رہا ہے اور اس میں کوئی درود شریف افضل و غیر افضل۔ اعلیٰ و ادنیٰ نہیں ہے اور مکتوب نمبر ۵ کا اَفْضَلَ مَآ اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ سے ناجائز سہارا پکڑ کر درود شریف کی اس طرح خود ساختہ تقسیم کرنا بھی غلط ہے۔ دلیل سوم۔ دعا میں دعا کا طالب محتاج ہوتا ہے دعا مانگنے والے کا اور دعائیہ الفاظ کا اور محتاج دعا پر دعا مانگنے والے کا احسان ہوتا

ہے اگرچہ دعا مانگنے والا بیٹا ہو یا شاگرد یا مرید یا دوست سب کہنے سے مانگے یا بغیر کہے۔ مگر آقا ء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی دعا کے محتاج نہیں نہ آپ کو کسی امتی کے درود وسلام یا دعا کی حاجت ہے اگر تمام لوگ دنیا بھر میں درود وسلام پڑھنا چھوڑ دیں تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہیں اس لیے کہ ہمارا درود شریف اگرچہ دعائیہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ مگر یہ دعا نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ذکرِ رسول ہے۔ ہمارے درود شریف پڑھنے سے قطعاً کوئی رحمت وسلامتی نازل نہیں ہوتی نہ زیادتی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنی رحمت وسلامتی کی آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت وضرورت ہے وہ تو خود باری تعالیٰ جل مجدہ نازل فرماتا ہے ہمارے درودوں سے بھی کروڑ ہا سال پہلے سے جیسا کہ آیت ۵۶ سورۃ احزاب پارہ ۲۲ سے ثابت ہو رہا ہے۔ مکتوب ۸ کے گھر یلو نظریئے نے عجیب ہی تاثر پیدا کیا گویا نبی کو امتی کا حاجت مند احسان مند ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کیا کہ امتی کے درود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فائدہ پہنچتا ہے اور رب کی رحمت بندے کے درود سے نازل ہوتی ہے حالانکہ یہ بات کسی آیت کسی روایت کسی درایت کسی قول سے ثابت نہیں کہ کسی بندے کے درود پڑھنے سے نبی پاک پر کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ چھوٹی یا بڑی تھوڑی یا زیادہ رحمت یا سلامتی نازل ہوئی ہو جو تمہی دلیل۔ دعا طلب وسوال میں اور درود پاک میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ دعا اور طلب سے دعا کا اس کو فائدہ پہنچتا ہے جس کے لیے دعا مانگی جائے ذکر مانگنے والے کو مگر درود پاک سے فقط درود شریف پڑھنے والے امتی بندے کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ دیگر ذکر اللہ کرنے سے صرف ذاکر کو فائدہ ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی بہت سی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے جو ہم نے اپنی کتاب **اربعین نعیمی تذکرۂ صلوٰۃ کریمیہ** یعنی چہل حدیث میں درج کر دی ہیں۔ چنانچہ ایک روایت پاک میں خود آقاء کل صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ایک سوال پر جواباً ارشاد فرمایا کہ ہم پر تمہارا درود پڑھنا تمہاری دعاؤں کا محافظ ہے۔ یعنی اے تا قیامت امت والو درود شریف پڑھنے کا فائدہ تم کو ہی پہنچتا رہے گا کہ تمہاری تمام دعائیں التجائیں طلب وسوال جو تم اپنے لیے رب تعالیٰ سے مانگو وہ سب بحفاظت بارگاہِ الٰہیہ تک پہنچ کر درود خوانی کی برکت وطفیل اور وسیلے سے مقبول ومنظور ہوتی رہیں گی۔ اور صرف دعائیں ہی نہیں بلکہ درود پاک تو وہ وسیلہ عظمیٰ ہے کہ دیگر تمام ذکر اللہ اور درود وظائف تسبیح وتہلیل بھی اسی درود خوانی کے ذریعے درست ہوتے ہیں یہی وجہ اور تجربہ ومشاہدہ ہے کہ ہر شیخ کامل اپنے مبتدی اور منتہی مرید شاگردوں کو معرفت کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے جو ذکر اذکار اور چلے مراقبے کے درس تعلیم فرماتا ہے وہ اول وآخر درود شریف پڑھنے کا حکم ضرور دیتا ہے گویا کہ ہر مرشد کامل تو درود پاک کے بغیر مرید کو آگے چلنے ہی نہیں دیتا مگر یہ کیسا مکتوب نمبر ۸ ہے کہ جس نے مسلمانوں کو درود شریف جیسے عظیم ذکر اللہ اور ذکرِ رسول سے روک دیا۔ اور طرح طرح کے فضول بہانے تراشے گئے۔

اعلیٰحضرت مجدد ملت مائۃ سابقہ نے کیا خوب فرمایا۔ کہ ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو نمکین حسن والا ہمارا نبی۔ درود پاک مومنوں کی جان تو وہ چراغ وسیلہ ہے جس سے تلاشِ منزل کے بعد بھی اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ایک اور

حدیث پاک میں فاروق اعظم کا ارشاد ہے کہ بندے کی دعا اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا بندہ درود شریف نہ پڑھے۔ بہرحال درود پاک کو دعا اور سوال نہیں کہا جا سکتا بلکہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے درود شریف صرف اس لیے پڑھوایا تاکہ بندے ہر وقت اللہ رسول کو یاد کرتے رہیں اور یہ ثابت فرمایا گیا کہ درود شریف ذکر اللہ اور ذکر رسول ہے یہی وجہ ہے کہ متعدد احادیث سے یہ تو ثابت اور واضح ہے کہ جب بندہ درود خوانی کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس بندے پر رحمت کرتا ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ جب بندہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود یا رحمت بھیجتا ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی صرف یہی حدیث پاک ملتی ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کا درود شریف سنتے ہیں۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بندے کے درود پڑھنے کے بعد درود نازل ہوتا ہے یا نبی کریم کو بندے امتی کے درود سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امتی کے درود کے حاجت مند ہیں۔ نہ کہیں وہ بات ثابت جو اس مکتوب ۹۴ میں لکھی کہ اگر بندہ درود شریف پڑھے تو نبی کریم پر گھٹیا درود یعنی غیر افضل دکودنا نازل ہوتا ہے اور اگر ذکر کرے تو بڑھیا درود (افضل) نازل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اب تک کی تحریر میں ہم نے بادلائل ثابت کر دیا کہ مکتوبات مجدد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جلد سوم کا مکتوب نمبر ۹۴ علمی اعتبار سے نہایت کمزور ہے ضابطہ نامناسب اور خود ساختہ ہے اور ایک بات بھی درست نہیں۔ اس لیے اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مکتوب امام ربانی حضرت مجدد مائۃ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہرگز نہیں ہے بلکہ کسی منکرین درود۔ گستاخ نبی نے نہایت عیاری مکاری سے مکتوبات میں شامل کر دیا۔ خدا تعالیٰ غارت کرے ان ملاوٹ کرنے والے بدبختوں خائنوں کو کہ نہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام توریت و زبور و انجیل سے ملے نہ احادیث سے نہ غنیۃ الطالبین سے اور نہ مکتوبات شریف سے خیال رہے کہ ہم نے اس مکتوب کو مندرجہ ذیل چھ ۶ دلائل سے مکمل رد کرتے ہوئے اس کو بناوٹی ثابت کر دیا ہے ۱ اس کی بنیادی روایت مَنْ شَغَلَهٗ ذِکْرِیْ غلط اور موضوع و مضطرب روایت ہے ۲ اس مکتوب کے تمام قیاسات نامناسب اور مع الفارق ہیں۔ ۳ اس مکتوب کی تقسیم ذکر اور تقسیم درود بھی خود ساختہ اور بے ثبوت ہے ۴ درود پاک دعا اور مستقل نہیں ہے بلکہ عظیم ذکر اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ذکر رسول ہے ۵ امتی کے درود پڑھنے سے نبی کریم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ صرف پڑھنے والے کو ہی درود شریف پڑھنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ۶ درود شریف تمام عبادتوں کی قبولیت کا وسیلہ ہے کوئی ذکر اللہ درود شریف کے بغیر بارگاہ الٰہیہ میں پسند نہیں کیا جاتا خواہ ذاکر کیسا ہی ہو۔ مرید ہو یا مراد مبتدی ہو یا منتہی شاگرد ہو یا شیخ کامل بلکہ نماز بھی بغیر درود شریف قبول نہیں واللّٰہ ورسولہ اعلم بالصواب

آٹھویں بحث فضائل درود شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رسالہ مبارکہ اَرْبَعِیْنِ نَعِیْمِیَّہ فِیْ تَذْکِرَۃِ صَلٰوۃِ کریمیہ (چہل حدیث) اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے میری یہ کتنی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہے کہ باری عزّ اسمہٗ نے مجھ کو اس حدیث مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق

بخشی جس میں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کی اشاعت پر عظیم اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور پھر رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال رحمت و شفقت سے تمام امت پر کرم عمیم فرماتے ہوئے ہر امتی کے لیے گروہِ علماء و فضلاء میں شامل ہونے کی سعادت اتنی آسان فرمادی کہ آج مجھ جیسا معمولی پڑھا انسان بھی اور تا قیامت ہر ادنیٰ و اعلیٰ امتی چشمہ رحمت و عبادت سے فیض یاب ہوکر کل قیامت میں بڑے بڑے عظیم المرتبت علماء و فقہاء کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِہَا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْفُقَہَاءِ وَالْعُلَمَاءِ ۔ (مسند حنبل)

ترجمہ۔ مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت پر نہایت حفاظت کے ساتھ چالیس حدیثیں مطہرات دینی معاملات والی پیش کرے اور شائع کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کرام و فقہاء عظام کے گروہِ جلیلہ میں شامل فرماکر عزت بخشے گا۔ اس حدیث پاک کو مولیٰ علی کے علاوہ، ۲ عبداللہ ابن مسعود ۳ معاذ بن جبل ۴ ابو سعید خدری ۵ انس بن مالک ۶ ابو ہریرہ ۷ عبداللہ ابن عباس ۸ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی روایت فرمایا۔ اس لیے یہ حدیث پاک صحیح اور مشہور کے درجہ میں ہے۔ اسی حدیث مبارکہ کی بنا پر متقدمین اور متاخرین علماء نے باوجود بڑی بڑی دینی خدمات کرنے اور تمام عمر قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم میں وقف رہنے کے پھر بھی اپنے اپنے دور میں اس پاک حدیثِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے دیگر دینی کارہا ء نمایاں کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے اپنے انتخاب کے مطابق۔ اربعین یعنی چہل حدیث مرتب فرمائی اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے دنیاء اسلام میں سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اربعین یعنی چہل حدیث مرتب فرمائی آپ کی وفات سنہ ۱۸۱ھ میں ہوئی آج تک جتنی اربعین مشہور ہوئیں وہ تقریباً چوبیس ۲۴ عدد ہیں جن میں آخری چہل حدیث والد محترم حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پردے کے بارے میں منتخب فرمائی۔ اور اب یہ پچیسویں ۲۵ اربعین شریف ترتیب دینے کی سعادت مجھ کو نصیب ہوئی دیگر تمام اربعین رچہل حدیثیں، تو مختلف ضروری احادیث پر منتخب کی گئی ہیں مگر حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی موضوع رپردے، پر چالیس ۴۰ احادیث جمع فرمائیں ان کی متابعت میں میں نے بھی ایک مضمون کا ہی انتخاب کیا بلکہ قدرتی و اتفاقی ہی اس سابقہ فتوے کو مکمل کرتے ہوئے خود بخود یہ چہل حدیث مرتب ہوتی چلی گئی جس کی تالیف و تلاش اور یکجا کرنا میرے بڑے بیٹے محمد عبدالقادر طال اللہ تعالیٰ عمرہٗ کی محنت و ہمت کا ثمرہ ہے اپنی اس اربعین نعیمیہ کے لیے صرف ایک مضمون درود شریف کو منتخب کرنے کی دو ۲ وجہ ہیں ایک تو وہی قدرتی سعادت و توفیق جو اوپر بیان ہوئی دوسری وجہ یہ کہ دینِ اسلام میں جس شان و اہتمام سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کا ذکر و حکم ہے ایسا کسی اور دوسری عبادت ریاضت ورد و وظیفے کو حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا اجر ثواب بھی نرالا عظیم الشان ہے

جو آخرت کے علاوہ دنیوی زندگی میں بھی صلوٰۃ وسلام بکثرت پڑھنے والے کو کئی صورتوں میں عطا فرما دیا جاتا ہے نیز شریعت اسلامیہ کے اکثر مسائل تو شریعت کی ایک ایک نص اور دلیل سے ثابت ہوتے ہیں مگر درود وسلام کی یہ شانِ عظمت ہے کہ وہ اصولِ شریعت کی چاروں دلیلوں سے ثابت ہوتی ہے۔ یعنی درود پاک کا نزول۔ حکم۔ فضیلت۔ اور اجر و ثواب علی الترتیب نمبر۱ عبارۃ النص نمبر۲ اشارۃ النص نمبر۳ دلالۃ النص اور نمبر۴ اقتضاء النص سے ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید پارہ بائیس ۲۲ سورۂ احزاب نمبر۲۲ آیت نمبر۵۶۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ترجمہ۔ بیشک رب تعالیٰ تمام رحمتیں اور برکتیں اپنے نبی پر ہی نازل فرماتا ہے اور اس کے تمام فرشتے ہر وقت درود خوانی کرتے ہیں۔ تو اے ایمان والو تم بھی اس محبوب نبی پر درود خوانی کیا کرو اور سلام بھی پڑھا کرو خوب خوب سلام پڑھنا۔ یہ آیت کریمہ ہر پہلو سے عظمت درود شریف ظاہر فرما رہی ہے۔ چنانچہ درود پاک کے تذکرے اور تمام انسانوں مسلمانوں کا صلوٰۃ وسلام اور ملائکہ کی درود خوانی کے ثبوت کے لیے اور باری تعالیٰ کے درود نازل فرمانے کی وضاحت کے لیے یہ آیت پاک عبارت النص ہے اور اس آیت مبارکہ کی دلالت النص سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نزولِ درود تو ازل سے ہو رہا ہے جب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا ہے اور درود خوانی اس وقت سے ہو رہی ہے جب سے ملائکہ پیدا ہوئے اور یہ کہ رب تعالیٰ کو اپنے محبوب پر تمام مخلوق کا درود وسلام پڑھنا بہت پسند ہے۔ اس آیت پاک کی اقتضاء النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ درود پاک کے بغیر کوئی عبادت مقبولِ بارگاہ نہیں اشارۃ النص سے درود وسلام کا وجوب ثابت ہو رہا ہے اور یہ کہ سلام کے بغیر درود شریف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ درودِ ابراہیمی صرف نماز میں جائز ہے کیونکہ تشہد میں سلام آ گیا اور پڑھ لیا گیا۔ درود پاک ان ہی فضائل کی وجہ سے فقط یہی وہ ذکر اللہ ہے جس کے لیے اتنی کثیر احادیث و روایات در سودات منقول ہیں کہ اپنی کثرتِ تعدد کی بناء پر حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

پہلی حدیث پاک۔ حدیث مبارکہ اول بخاری شریف جلد اول کتاب الاذان باب التشہد ص۱۱۵

عَنْ شَقِیْقِ ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِیْلَ وَمِیْكَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْیَقُلْ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ۔ شقیق ابن سلمہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ ہم نے جب ایک دفعہ نماز پڑھی تھی آقاء کائنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تو ہم نے تشہد میں پڑھا۔ اَلسَّلامُ علٰی جبرئیل ومیکائیل اور پڑھا اَلسَّلامُ علٰی فلاں وفلاں یعنی سلام پڑھتے وقت جبرئیل اور میکائیل اور دیگر چند لوگوں کے نام لیے۔ بعد نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف توجہ فرمائی تو فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ سلام ہے لہٰذا جب بھی تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس طرح پڑھے۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ۔ پس بیشک جب تم نے اس طرح پڑھا ہوگا تو تمہارا یہ سلام آسمان وزمین کے ہر اس بندے کو پہنچ جائے گا جو اللہ کے لیے نیکیاں کرتا ہوگا۔ یعنی علیحدہ علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اس سلام کے بعد تشہد میں یہ پڑھا کرو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مختصر تشریح۔ اس حدیث پاک سے چھ باتیں ثابت ہوئیں۔ ۱۔ یہ کہ آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم رکھتے ہیں۔ دیکھو التحیات نماز میں اور خاص کر امام کے پیچھے بالکل آہستہ پڑھی جاتی ہے اور یہ نمازی حضرت عبداللہ نہ معلوم کونسی صف میں بیٹھے ہوں گے مگر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی انتہائی مخفی آواز بھی سن لی اور کہیں دور بیٹھے ہوئے پڑھنے والے کو بھی پہچان لیا جیسا کہ فَلْتَفَتَ اور اِلَیْنَا سے ثابت ہو رہا ہے۔ دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر بھی ہیں اور ساری کائنات میں تا قیامت ہر جگہ متوجہ ہیں یہ بات سلام پڑھنے کے خطابی لفظوں سے ثابت ہوئی سوم یہ کہ یہ حاضر وناظر ماننے کا عقیدہ کسی غیر کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خود اللہ رسول کا بنایا ہوا ہے چہارم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھ کر سلام پڑھنا واجب ہے پنجم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے انتہائی مخفی آواز والے سلام بھی خود سن لیتے ہیں ششم یہ کہ سلام بھی درود شریف کی شکل ہے بلکہ اس کی جز ہے۔ **حدیث دوم** مسلم شریف

حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ یَحْیٰی التَّمِیْمِیُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ نُعَیْمِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَیْدٍ هُوَ الَّذِیْ اُرِیَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِیْ مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهٗ بَشِیْرُ بْنُ سَعْدٍ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَمَنَّیْنَا اَنَّهٗ لَمْ یَسْاَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَالسَّلَامُ كَمَا عَلِمْتُمْ ترجمہ۔ یہ روایت سنائی عبداللہ بن زید انصاری نے یہ وہی عبداللہ ہیں جن کو جواب

میں اذان سنائی گئی تھی (شروع زمانے میں اور پھر پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان جاری فرمائی گئی تھی) وہ روایت کرتے ہیں ابو مسعود انصاری سے انہوں نے فرمایا کہ تشریف لائے ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم سعد بن عبادہ کی مجلس میں تھے تو بشیر بن سعد نے عرض کیا کہ حکم دیا ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہ ہم آپ پر درود پڑھا کریں اے اللہ کے رسول کرم تو ہم آپ پر کس طرح درود شریف پڑھا کریں راوی نے کہا کہ یہ سن کر آقاء کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے یہاں تک کہ ہم افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم یہ سوال نہ کرتے۔ پھر کچھ دیر بعد فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس طرح کہہ لیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اور سلام اسی طرح پڑھا کرو جس طرح (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) تم سکھائے گئے ہو۔

تشریح مختصر۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں تشبیہ آٹھ قسم کی ہے ۱ تشبیہ رتبی یعنی ہم مرتبہ ہونا ۲ تشبیہ نوعی ایک قسم کا ہونا ۳ تشبیہ جنسی اصلاً نسلاً ایک جیسا ہونا ۴ تشبیہ وصفی عادات و صفات میں ایک جیسا ہونا ۵ تشبیہ عینی۔ شخصیت میں ہم شکل ہونا ۶ تشبیہ کلی۔ یعنی کل پورا ایک جیسا ہونا ۷ تشبیہ جزئی یعنی بعض چیزوں یا صرف ایک چیز میں مشابہت ہونا ۸ تشبیہ فعلی یعنی فاعل کا کسی کام کو بار بار کرنا اگرچہ طریقہ مختلف ہو۔ یہاں درود ابراہیمی میں صلوٰۃ کی تشبیہ صرف فعلی ہے نہ کہ رتبی وغیرہ۔ اس لیے کہ یہاں حرف تشبیہ کَمَا ہے۔ اور کَمَا اکثر جگہ تشبیہ فعلی کے لیے آتا ہے۔ اس کو صرف سمجھنے کے لیے یوں سمجھو کہ ایک ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ با اختیار افسر سے عرض کرے کہ سرکار آپ نے ہر ایک کے کام کیے ہیں اسی طرح میرا بھی یہ کام کر دیجئے اگرچہ یہ کام ان کاموں سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یا اس طرح کہے کہ آپ نے فلاں کا وہ کام کیا تھا تو اسی طرح میرا یہ کام بھی کر دیجیے۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ باری تعالیٰ تمام انبیاء علیہم السلام پر مختلف درجوں کے درود شریف نازل فرماتا ہے مگر یہاں صرف حضرت ابراہیم کا ذکر دو وجہ سے ہوا۔ ایک یہ کہ تاکہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آباء و اجداد حضرت ابراہیم و اولادہٗ پر احسان ہو جائے کہ تا قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہی آپ کی امتِ حضورہ کی نمازوں اور تذکروں میں حضرت ابراہیم کا نام مبارک زندہ و تابندہ رہے دوم یہ کہ جس طرح بادشاہ کے قریب وزیر اعظم ہی ہوتا ہے اسی طرح حبیب کے قریب خلیل ہی ہو سکتا ہے اور حبیب اللہ کے بعد خلیل اللہ کا ہی درجہ ہے۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سلام پڑھنا رب تعالیٰ نے سکھایا اور وہ حاضر و ناظر کے خطابی صیغے سے ہوتا ہے۔ اب بھی جو نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ مانے وہ مردودِ ازلی ہے۔

تیسری حدیث شریف ۔ مسلم شریف جلد اوّل

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ اَخْبَرَنَا رَوْحٌ عَنْ مَالِکِ ابْنِ اَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَیْمٍ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیُّ اَنَّھُمْ قَالُوْا

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیشک ایک دفعہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ پر درود شریف کس طرح سے پڑھا کریں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا کہ اس طرح سے کہا کرو کہ اے اللہ درود نازل فرما تارہ محمد رسول اللہ پر اور ان کی ازواج و ذریات پر جیسے کہ درود نازل فرمایا تھا تو نے ابراہیم خلیل اللہ پر اور ان کی آل پر بیشک تو حمید بھی ہے مجید بھی اے اللہ برکت بھیجتا رہ محمد رسول اللہ پر اور ان کی ازواج و ذریات پر جیسے کہ برکتیں نازل فرمائی تھیں تو نے ابراہیم خلیل اللہ اور ابراہیم خلیل کی آل پر بیشک تو حمید بھی ہے اور مجید بھی مختصر شرح ثابت ہوا کہ ازواج آل میں شامل نہیں ہے ہاں البتہ اہل بیت میں ازواج داخل ہیں بلکہ اصل اہل بیت بیوی ہی ہوتی ہے نیز ثابت ہوا کہ بالتبع غیر نبی پر درود و سلام پڑھنا جائز ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کرکے لیکن علیٰحدہ کسی بھی انسان کو علیہ السلام یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا جائز نہیں ہے تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ صحابہ کرام عام عرض و معروض کرتے وقت ہر جملے میں درود شریف نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ بطریقہ خطاب عرض گزار کر یارسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر آگے بات یا سوال عرض کردیا کرتے تھے۔ یہ جو احادیث میں ہر موقعہ پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوتا ہے یہ محدثین کی درود خوانی ہے نہ کہ صحابہ کی ورنہ یارسول اللہ کہنے کے بعد صلی اللہ علیک وسلم ہونا چاہئے تھا۔ چوتھی حدیث مبارکہ۔ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۱۷۵ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَّابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک آقاء دوجہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود پاک پڑھا تو رب تعالیٰ نے اس بندے پر دس دفعہ اپنا درود (اپنا کرم و رحم) نازل فرمایا۔ مختصر تشریح۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ یہ قانون تا قیامت ہے کہ جب بھی کسی امتی نے جذبۂ عشق و محبت سے اپنے آقا و مولیٰ پر با ادب و احترام خشوع و خضوع سے ہمہ تن ہو کر درود پاک پڑھا تو رب تعالیٰ نے اس پر اپنے کرم دس دفعہ نازل کیے۔ دوم یہ کہ یہاں صلی اللہ علیہ عشراً فرمایا۔ یعنی اس پڑھنے والے امتی کو ہی اس درود خوانی کا فائدہ ہوا۔ کسی حدیث میں صلی اللہ علیّ نہیں یعنی بندے کے درود پڑھنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں اترتا۔ سوم یہ کہ جس طرح یہاں مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ اور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور آیت میں یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ایک ہی لفظ صلوٰۃ مستعمل مگر نوعیتِ صلوٰۃ ہزاروں درجہ مختلف ہے ظاہر بات ہے کہ جس شان کی صلوٰۃ اپنے محبوب پر نازل فرمارہا ہے اس شان کی صلوٰۃ کسی امتی پر ہرگز نہیں ہو سکتی تو ایسے سمجھ لو کہ اس شان کی صلوٰۃ ابراہیم علیہ السلام پر بھی نہیں ہوتی۔ اور لفظ کَمَا کی تشبیہ سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ لفظ کَمَا تَشَابُهَۃِ نوعی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ صرف مشابہۃ فعل کے لیے ہوتا ہے۔

پانچویں حدیث مبارکہ۔ **ابو داؤد شریف جلد اوّل باب الصّلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۱۔**
عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَمْرٍو بِهٰذَا الْخَبَرِ۔ قَالَ۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قُوْلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَ سَلِّمْ۔ ترجمہ۔ عقبہ ابن عمرو نے اس خبر کو روایت فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا۔ اے لوگو جب کبھی تم درود شریف پڑھنے لگو تو کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ سَلِّمْ۔ مختصر تشریح خیال رہے کہ جب لفظ اُمّی نبی کریم رؤف صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال فرمایا جائے تو وہاں ان پڑھ مراد لینا گناہ و گستاخی ہے کیونکہ امی کا ترجمہ **اصلیت والا۔** جڑ والا۔ لفظ اُم کا ترجمہ۔ اصل اور جڑ۔ والدہ کو اُم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماں اصل ہوتی ہے بچہ کی اور ہر اولاد باپ کی طرف سے نسل اور ماں کی طرف سے اصل ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امی یعنی اصل اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کی تمام شانیں علم قدر اختیار وغیرہ ازل سے ہی بلا واسطہ رب تعالیٰ کی عطا سے ہے ولادت کے وقت ہی آپ تمام جہانوں کے علوم سے باخبر تھے اور اصل کی کسی چیز کو فنا نہیں۔ باری تعالیٰ کے مدد سے دنیا میں نہیں ہیں لامکان میں ہیں۔ بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کو اُمّی ان پڑھ بے علم کے معنیٰ میں کہا جاتا ہے کیونکہ ہم سب ماں کے پیٹ سے بے علم پیدا ہوتے ہیں ہم کو رب تعالیٰ نے نہیں پڑھایا سکھایا ہم نے جو کچھ جانا اور سیکھا دنیا میں آکر سیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اصلیہ ہے جس کو کبھی فنا نہیں ہمارے علم نقلیہ ہیں جو استاد سے منتقل و نقل مکانی کرکے ہم کو پہنچا اس لیے ہمارے علوم کو فنا ہے۔ یہ فرق ہے ہمارے اُمّی ہونے اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے میں ہمارا اُمّی ہونا ہماری کمزوری و نقص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا آپ کی نعت اور شان ہے قرآن مجید کی صرف دو آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی فرمایا گیا ہے سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ رکوع ۲ اور آیت نمبر ۱۵۸۔ **چھٹی حدیث مبارکہ۔** **ابو داؤد شریف جلد اوّل ص۱۴۱۔** حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ عَنِ الْمُجْمِرِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى فَلْيُصَلِّ عَلَيْنَا وَ اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ کل قیامت میں اعمال کے نیک اعمال کو زیادہ بھاری وزن میں تولا جائے تو اس کو چاہیے کہ کثرت سے درود شریف پڑھے ہم پر اور اہل بیت پر۔ اور چاہیے کہ اس طرح درود شریف پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

مختصر شرح۔ ان احادیث میں درود پاک کے الفاظ کا مختلف طریقوں سے بیان ہونا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ درود پاک کے لفظوں میں ہر مسلمان کو تبدیلی جائز ہے یہی وجہ ہے آج تک مسلمانوں میں لاکھوں قسم کے درود شریف رائج ہیں۔ مثلاً درود خضری درود غوثیہ۔ درود تاج۔ لکھی۔ دلائل الخیرات۔ قصیدہ بردہ کے درود پاک وغیرہ لہٰذا دیوبندیوں اور وہابیوں کا یہ کہنا کہ فلاں درود شریف غلط ہے فلاں بدعت ہے وغیرہ وغیرہ سب بیہودہ باتیں ہیں۔ اسی عام شرعی اجازت کی بناء پر محدثین کرام ہر جگہ نبی پاک کے نام مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں۔ اس کو وہابی بھی درست سکتے ہیں۔ حالانکہ صراحتاً ان لفظوں کا درود پاک احادیث سے ثابت نہیں۔ اسی لیے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ ۔ کہنا بھی بالکل جائز ہے اور اس کو کثیری درود شریف کہہ کر مذاق یا گستاخی کرنا بیہودگی و خباثت ہے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اُمت کے نیک اعمال کا محافظ اور عزت و رتبہ بڑھانے والا درود شریف ہی ہے۔ اور یہ کہ اُمت کو ہی درود خوانی کا فائدہ ہے۔ **ساتویں حدیث مبارکہ**۔

ابن ماجہ شریف۔ کتاب الطہارت باب ۴۱ ص ۲۹۲۔ عَنْ عَبْدِ الْمُھَیْمِنِ ابْنِ سَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَہٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّا یَذْکُرُ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یُحِبُّ الْاَنْصَارَ ۔ **ترجمہ**۔ عبدالمہیمن اپنے والد عباس سے اور وہ سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں ہوتا اور جو وضو میں بسم اللہ شریف نہ پڑھے اس کا وضو پسندیدہ نہیں ہوتا یعنی مکروہ تنزیہی ہو جاتا ہے اور اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف (تشہد میں) نہ پڑھے اور اس کی نماز کا فائدہ نہیں ہے جو انصار صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے محبت نہ کرے۔ **مختصر تشریح**۔ اس حدیث پاک میں چار دفعہ حرف لا نفی جنس استعمال فرمایا گیا مگر چاروں کی نوعیت نفی مختلف ہے پہلے سے نفی مطلق ہے یعنی نماز ادا ہی نہ ہو گی باطل ہو گی دوسرے میں نفی استحباب ہے کیونکہ وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے یعنی وہ وضو پسندیدہ اور نور والا نہیں ہے اگرچہ وضو صحیح ہو گا۔ اور اس وضو سے نماز جائز ہو گی تیسرے لا سے نفی قبولیت ہے۔ اور چوتھے لا سے نفی فائدہ ہے یعنی ایسے شخص کی نماز کا ثواب نہیں ہے اگرچہ ادا فرض ہو جائے گا۔

آٹھویں حدیث مبارکہ۔! **ابن ماجہ شریف کتاب الاقامہ باب ۲۵ ص ۲۹۲**

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا السَّلَامُ عَلَیْکَ قَدْ عَرَفْنٰہُ فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے فرمایا کہ ہم صحابہ نے ایک دفعہ عرض کیا یارسول اللہ ہم نے آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو پہچان لیا۔آپ پر درود شریف کس طرح ہونا چاہئے۔فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ۔ **مختصر شرح** ۔اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا یا نبی امی کہنا۔آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اسی طرح عبد کہنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی صرف مشہور اور رائج لفظوں سے ہی نہیں ہے بلکہ مختلف طریقوں سے بھی نماز میں پڑھنا جائز ہے۔اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سلام پڑھنا صرف حاضر و ناظر کے خطابی لفظوں سے جائز ہے اور یہ سلام صحابہ کرام کو رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا جس کو واجب قرار دیا گیا۔ **نویں حدیث مبارکہ** ۔

ابن ماجہ شریف باب ۲۴ ص ۲۹۳

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیْہِ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذٰلِكَ یُعْرَضُ قَالَ فَقَالُوْا لَہٗ فَعَلِّمْنَا ۔قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَ رَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ جب تم آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو تو ان پر بہت ہی اچھا درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تم نہیں سمجھو گے کہ شاید تمہارا درود شریف بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے راوی نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کو ایسا طریقہ سکھا دیجئے آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہا کرو۔اے اللہ ڈال دے اپنی صلوۃ اور اپنی رحمت اور اپنی برکتوں کو مرسلین کے سردار متقیوں کے امام خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ پر جو ہر خیر

کے پیشوا ہیں اور ہر خیر کے ناظم اعلیٰ ہیں اور تمام رحمۃ کے رسول ہیں۔ اے ہمارے کریم رب تعالیٰ ان کو رقیامت میں، اس مقام محمود پر مبعوث فرما کر نازکریں را پنے اس نبی پر، پہلے والے انبیاء بھی اور آخری انبیاء۔ اے اللہ درود نازل فرما نبی کریم پر اور ان کی تمام آل پر جیسے کہ درود نازل فرماتا رہا تو حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کی آل پر بیشک تو ہی حمید اور مجید ہے اے ہمارے مولیٰ تعالیٰ برکتیں نازل فرما نبی کریم پر اور ان کی آل پر جیسے کہ تو برکتیں دیتا رہا تھا۔ حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر بیشک تو ہی حمید اور مجید ہے۔ **مختصر شرح**۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ اعمال کتنے ہی اچھے اور خوبصورت کیوں نہ ہوں جب تک ادب احترام اور خشوع خضوع خوف الٰہی عشق مصطفائی نہ ہو اس وقت تک کوئی پسندیدہ بارگاہ نہیں ہوتا۔ یہاں اَحْسِنُوْا الصَّلٰوۃَ کا معنیٰ ہے کہ اپنا درود شریف اچھے اور با ادب احترام کے الفاظ سے ادا کرو نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف کے الفاظ ہر شخص اپنے طریقے سے بنا سکتا ہے کچھ معین لفظوں کی پابندی ضروری نہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب در رسالہ اربعین نعیمہ، کے آخر میں مشہور بزرگان دین کے اپنے اپنے الفاظ سے بنائے ہوئے درود پاک درج کریں گے تاکہ یہ فتاویٰ سوم متبرک اور مقبول ہو جائے۔

دسویں حدیث مبارکہ ابن ماجہ شریف ص ۲۹۳۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ مَا صَلّٰى عَلَيَّ۔ فَلْيُقِلَّ الْعَبْدُ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ لِيُكْثِرْ۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ اس حدیث پاک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا کہ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں جو مجھ پر درود شریف پڑھے فوراً اس کے بدلے میں ملائکہ اس مسلمان پر اپنا درود پڑھتے ہیں۔ یعنی اس کو محبت اور پیار بھری بخشش و رحمت کی دعائیں دیتے ہیں۔ جتنا بھی اس امتی نے درود شریف پڑھا ہو خواہ بندہ کم کرے پڑھنے کو یا زیادہ کرے **مختصر تشریح**۔ اس لیے کہ فرشتوں کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ بندہ عاشق مصطفیٰ اور محبوب دربار ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا باادب غلام ہے۔

گیارھویں حدیث مبارکہ۔ ابن ماجہ شریف۔ ص ۲۹۳۔ جلد اوّل

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ارشاد مقدس فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھنا بھولتا رہے وہ جنت کے راستے میں بہت ٹھوکریں اور دشواریاں اٹھائے گا۔ **مختصر تشریح**۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ درود شریف کو چھوڑ کر کسی اور ذکر یا وظیفے وغیرہ میں مشغول ہو جانا جیسا کہ مکتوبات سوم کے مکتوب ۲۰ میں کہا گیا ہے بہت ہی بڑا گناہ اور نقصان دہ ہے جنت سے محرومی کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ درود شریف چھوڑنے والے کو بخیل، بے وفا،

بد تہذیب کہا گیا ہے اور حضرت جبرئیل نے جمعہ کے دن مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر عین بوقت قبولیت درود شریف چھوڑنے والے کو ہلاکت کی بددعا فرمائی۔ یہ وعیدیں کسی بھی ذکر اللہ کے ترک پر نہیں وارد ہوئیں۔ دوم یہ کہ درود شریف پڑھنے کا فائدہ صرف پڑھنے والوں کو ہی ہے۔ **بارھویں حدیث مبارکہ** سنن نسائی جلد اول کتاب الجمعہ باب یوم الجمعہ ص ۲۰۳۔ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ اَيْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ **ترجمہ**۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں وفات دیئے گئے اور اسی دن میں قیامت کا صور پھونکنا ہے اور اسی دن میں قیامت کی بیہوشی کا ابتدا ہے لہٰذا (اس دن میں) مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ تم سب کا درود شریف میرے پاس حاضر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے (اپنی نادانی اور ناواقفی کی بنا پر) عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو قبر میں مٹی بن جائیں گے یعنی وہ لوگ کنایہ چاہتے تھے کہ آپ تو قبر میں ہی بتلا کر دیئے جائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان نادانوں کو سمجھاتے ہوئے) فرمایا۔ بیشک اللہ عزوجل نے زمین کو سختی سے منع کر دیا ہے اس سے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے یعنی مٹی بنائے۔ **مختصر تشریح**۔ اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام دنوں وقتوں مہینوں سالوں کی فضیلت اور شان ان کی اپنی ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی محبوب بندوں کی نسبت سے ہے یا اہم واقعات سے ہے جمعہ کی فضیلت کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور وفات سے ثابت فرمایا گیا۔ پس اب اندازہ لگا لیا جائے یوم دوشنبہ یعنی پیر کے دن اور عید میلاد النبی جو سردار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یوم ولادت ہے اس کی کیا شان و فضیلت ہوگی **دوم** یہ کہ قیامت کی ہولناکیوں اور بیہوشیوں سے بچنے کے لیے درود پاک کی کثرت اکسیر اعظم ہے۔ **سوم**۔ یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مزارات میں بحیات ابدیہ صحیح سلامت باحفاظت الٰہیہ موجود ہیں اور امت کے کلام اور قلبی حالات سے باخبر ہیں خیال رہے کہ اس روایت میں لفظ علیہ السلام اور علیہم السلام یہ راوی یا محدث کا قول ہے ذکر نبی علیہ السلام کا۔ **تیرھویں حدیث مبارکہ**۔ نسائی شریف کتاب السہو باب ما جاء کیف الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۹۰ عَنْ مُوْسٰى ابْنِ طَلْحَةَ قَالَ سَاَلْتُ زَيْدَ ابْنَ خَارِجَةَ قَالَ اَنَا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ. وَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ. ترجمہ

حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت زید بن خارجہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال عرض کیا کہ ہم آپ پر درود شریف کس طرح پڑھا کریں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ اور پھر اپنی اپنی دعاؤں میں خوب گڑگڑایا کرو اور درود پاک میں اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ **مختصر تشریح** ۔ اس حدیث پاک میں تین چیزیں بیان فرمائی گئیں ۱ دعا مانگنے اور اس کی قبولیت کا طریقہ۔ یہ کہ ہر دعا سے پہلے بندہ درود شریف ضرور پڑھے ۲ دعا میں خشوع خضوع حضور قلبی اور آہ وزاری فریاد ہونا چاہیے ۳ نماز کے علاوہ بھی درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے۔ اور اس کا طریقہ بیان فرمایا گیا۔ نیز ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی کے علاوہ بھی مختلف الفاظ میں درود پاک پڑھا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ سوال میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے سلام کے متعلق سوال نہیں اس لیے جواب میں سلام کا تذکرہ نہیں ہوا ورنہ سلام پڑھنا بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح صلوٰۃ یہ بھی اشارہ ملا کہ درود شریف علیحدہ پڑھنا اور سلام علیحدہ پڑھنا کچھ وقفے سے جائز ہے یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف دعا نہیں ہے **چودھویں حدیث پاک** ۔ **ترمذی شریف کتاب الوتر۔ باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم** ص ۱۱۰ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً۔

ترجمہ۔ حضرت فقیہ اعظم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل قیامت میں میرے قریب سب سے زیادہ وہ امتی ہوگا جو مجھ پر بہت درود شریف پڑھتا رہتا ہے **مختصر تشریح** اس حدیث مبارکہ سے تین چیزیں ثابت ہوئیں اوّلاً یہ کہ لفظ اولیٰ کا عربی لغت میں ایک ترجمہ ہے قریب تر ہونا۔ اور یہاں صرف اسی معنی میں ہو سکتا ہے کیونکہ عربی میں ب جارہ بمعنی عند ہے اگر یہاں اولیٰ بمعنی بہتر کیا جائے تو گستاخی ہوگی۔ لہٰذا جن بزرگوں نے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ والی آیت پاک میں اولیٰ کا ترجمہ اَقْرَبُ کیا ہے اور مِنْ اَنْفُسِھِمْ سے حاضر وناظر کا مسئلہ ثابت کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اس کا منکر جاہل ہے دوئم یہ کہ درود پاک پڑھنے سے پڑھنے والے کو جتنا فائدہ پہنچتا ہے اتنا کسی شئی کسی عبادت اور ورد وظیفے سے حاصل نہیں ہو سکتا سوئم یہ کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہم امتیوں پر اتنے شفیق ورحمت ہیں کہ ہم پر اپنے قرب کی راہیں انتہائی آسان فرما دیں کہ ہم صرف چند نفلی درود پاک پڑھ کر وہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جو پچھلی امتیں ہزار ہا باشقت عبادات کر کے بھی حاصل نہ کر سکتی تھیں۔

پندرھویں حدیث مبارکہ ۔ **ترمذی شریف جلد اول ص ۱۱۰** ۔ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی۔ (الخ) وَرُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ وَکُتِبَ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔

ترجمہ۔ ابو عیسیٰ راوی نے فرمایا کہ اور یہ حدیث پاک بھی آقاء دوجہاں کی نسبت سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا تو رب تعالیٰ نے اس پر دس دفعہ فضل وکرم

فرما اور دس برائیاں (بلا عمل) اس کو عطا فرمائیں۔ **مختصر شرح** ۔ اس سے ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ کو گیارھویں شریف بہت محبوب اور پسند ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ قرآن حدیث میں بار بار دس مرتبہ عطا فرمانے کا ذکر فرماتا ہے۔ یعنی ایک نیکی اس کے اپنے عمل کی اور دس نیکیاں بلا عمل رب تعالیٰ کی عطا سے اور یہی گیارھویں شریف ہے۔ حالانکہ مولیٰ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ آٹھ نو بھی دے سکتا ہے اور چودہ پندرہ بھی۔ **سولھویں حدیث مبارکہ** ۔ **ترمذی شریف** کتاب السفر باب صفحہ ۱۱۱ ماذکر فی الثَّنَاءِ عَلَی اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰهِ ثُمَّ الصَّلٰوةِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ ترجمہ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم پاس ہی تشریف فرما تھے پھر جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے اس طرح ذکر شروع کیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی پھر میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا اور پھر آخر میں میں نے اپنے لیے دعا مانگی۔ تو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا اب تم جو بھی دعا مانگو دہ عطا کی جائے گی یعنی ہر دعا رب تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ **مختصر شرح** ۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اور بہت فائدے مند ہے۔ اس لیے کہ راوی نے بلند آواز سے ہی ثنا اور درود پڑھا تھا تب ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرما کر یہ فرمایا۔ یہ کہنا کہ آہستہ ہی ثنا و درود پڑھا ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم غیب سے جان گئے تھے۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں نہ کوئی اشارہ ہے نہ اقتضاء اگر یہ آواز خفیہ ہوتی اور نبی کریم اپنی غیبی طاقت سے سن کر یہ فرماتے تو صدیق و فاروق ضرور استفسار فرماتے کہ یا رسول اللہ یہ سل تعطہ کا خطاب کیوں ہے دوم یہ کہ درود و ثنا سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی دعا کے لیے یہی ترتیب رکھنی چاہیے۔ **ستارھویں حدیث مبارکہ** **ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۱۱۱** عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک دعا لٹکی رہتی ہے آسمان اور زمین کے درمیان ایک لفظ بھی بارگاہ قبولیت میں نہیں چڑھتا جب تک کہ تو اے تاقیامت دعا مانگنے والے ، اپنے آقا نبی پر درود شریف نہ پڑھے **مختصر شرح** ۔ کتنا عظیم مرتبہ ہے درود پاک کا۔ جو کسی دوسرے وظیفے کا نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ درود شریف دعا نہیں ہے۔ یہ فقط ذکر اللہ اور ذکر مصطفیٰ ہے۔ اور اس کا منشا یادِ مصطفیٰ کو ہر مومن کے دل میں ہر وقت قائم کرنا ہے۔ **اٹھارھویں حدیث مبارکہ** ۔ **جامع صغیر امام سیوطی صفحہ ۱۷۵** ۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ خَطِیْئَاتٍ وَرَفَعَ لَهٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ ترجمہ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بھی مجھ پر

ایک دفعہ درود پڑھا تو رب تعالیٰ اس پر دس بار کرم فرماتا ہے اور دس غلطیاں معاف فرماتا ہے اور دس درجہ بلند فرماتا ہے۔ **مختصر شرح** ۔ جن احادیث میں سند چھوڑ دی جاتی ہے اور عَنْ فُلَانٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم شروع کی جاتی ہے اس کو حدیث مُعَنْعَنْ کہا جاتا ہے جیسے مشکوٰۃ شریف کی احادیث اور جن احادیث میں راوی کا نام اور قَالَ (الخ) بھی چھوڑ دیا جاتا ہے ان کو احادیثِ مقطوع یعنی قطع کی ہوئی کہا جاتا ہے۔ اور جو احادیث حروفِ ابجد یا حروفِ ابتث کی ترتیب سے لکھی جاتی ان کو روایات ترتیبیہ کہا جاتا ہے جامع صغیر لامام سیوطی۔ ان ہی احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں آخری راوی اور روایت کا درجہ وحیثیت متنِ حدیث کے بعد لکھا ہوتا ہے۔ اور متنِ حدیث حروفِ ابتث کے طریقے پر منقول کیا گیا ہے۔ **اُنیسویں حدیث مبارکہ** ۔ **جامع صغیر ص ۱۷۵**

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَنْ صَلّٰی حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا۔ اَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ **ترجمہ**

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ فرمایا آقاء کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر صبح شام دس دس مرتبہ درود پڑھے تو بروز قیامت میری شفاعت اس کو پالے گی۔ **مختصر شرح** ۔ اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پاک کی شفقت و رحمت نے مسلمانوں کے لیے اتنی عظیم شفاعت کو کتنا آسان بنا دیا **دوسری** ۔ یہ کہ صبح شام پوری زندگی کا خلاصہ ہے گویا کہ مسلمان کو چاہئے کہ اپنی پوری زندگی کو درودِ مقدس کی پُرنور و پُرسرور چادر میں محفوظ کرے **تیسری** ۔ یہ کہ درود شریف ایک بہت بڑا سہارا ہے کہ جس دن کوئی کام نہ آئیگا اس دن وہاں درود شریف کام آئے گا شفاعت کی قدر تو میدان محشر میں ہی ہوگی ۔ **بیسویں حدیث مبارکہ** ۔ **جامع صغیر ص ۱۷۵** ۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ ۔ **ترجمہ** ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس امتی نے مجھ پہ درود پڑھا میری قبر کے پاس اس کو تو میں ہی سن لیتا ہوں لیکن جس نے دور کہیں اپنے علاقے میں درود خوانی کی وہ درود مجھ تک پہنچایا بھی جاتا ہے۔ یا میں پہنچا دیا جاتا ہوں اُس تک۔ **مختصر تشریح** ۔ یعنی جو امتی حاضر ہو کر مواجہ شریف کے پاس درود پاک پڑھے تو میں فقط اس کو سن لیتا ہوں اور میرا سن لینا ہی کافی ہے پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا کہ آپ کو معلوم تھا۔ آپ کی قبر مبارک کہاں بنے گی اور اپنی سماعت کا بھی علم تھا۔ اور جو دور سے پڑھا جائے اس کو سن بھی لیتا ہوں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ یہاں لفظ اُبْلِغْتُ کے دو طرح ترجمے ہو سکتے ہیں نمبر۱ مجھ تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے اس ترجمے میں کچھ تکلف اور دشواری ہے۔ نمبر۲ مجھ کو اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے یہ ترجمہ اصلی بھی ہے اور آسان بھی اس سے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ شعر۔

اگر ہو جذبۂ صادق تو اکثر ہم نے دیکھا ہے　　وہ خود نزدیک آجاتے ہیں تڑپا یا نہیں کرتے

اکیسویں حدیث مبارکہ　　جامع صغیر ص ۱۷۵

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ قِیْرَاطًا۔ وَالْقِیْرَاطُ مِثْلُ اُحُدٍ۔ ترجمہ۔ مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد مقدس فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس امتی نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا تو رب تعالیٰ اس بندے کے لیے ایک پورے قیراط وزن برابر نیکیاں مقرر فرما دیتا ہے اور رب تعالیٰ کا قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔

مختصر تشریح۔ سبحان اللہ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں درود شریف کا مرتبہ سب اذکار و عبادات سے زیادہ ہے کیونکہ اتنا عظیم الشان اجر کثیر اجر رب اور ذکر وظیفے کا ثابت نہیں ہے۔ قیراط ایک وزنی باٹ کا نام ہے جو ترازو میں رکھا جاتا ہے آج کل اس کے وزن کا حساب ایک رتی سے لگایا جاتا ہے یہ لفظ ایک اپنچ پیمائش کے لیے بھی مستعمل مگر رب تعالیٰ کی رتی اور اپنچ اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔

بائیسویں حدیث مبارکہ　　جامع صغیر ص ۹۲

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْہِ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ عَلَیَّ فَهُوَ اَقْطَعُ اَبْتَرُ مَمْحُوْقٌ مِنْ کُلِّ بَرَکَۃٍ۔

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اہم اور ضروری کام جس میں حمد الٰہی اور درود شریف نہ پڑھا جائے اور جس کی ابتدا حمد و صلوٰۃ سے نہ ہو وہ کام منحوس مردود ہے ہر برکت سے محروم ہے۔

مختصر تشریح۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ ہر کام ہر عبادت ریاضت دعا۔ ذکر اللہ وظیفہ یا دنیوی اچھا کام شروع کرنے سے پہلے اس طرح مشہور ترتیب سے حمد و صلوٰۃ ضرور پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

یہ الفاظ بہت جامع حمد و صلوٰۃ ہے۔ بعض لوگ اس عبادت میں "وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ" کو درمیان کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حمد و صلوٰۃ کے بغیر کوئی ذکر اللہ قبول نہیں اگرچہ وہ مرشد کامل ہی بتائے لہٰذا کسی ذکر اللہ کو درود شریف سے افضل کہہ دینا سراسر نادانی ہے۔

تیئسویں حدیث مبارکہ　　جامع صغیر ص ۹۰

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے کہ ہر دعا پوشیدہ رہتی ہے (قبولیت کا پتہ نہیں لگتا) یہاں تک کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے۔ **مختصر تشریح**۔ یعنی جب دعا مانگنے والا درود شریف پڑھ لے تب وہ دعا ظاہر ہوتی ہے اور سائل کو پتہ لگتا ہے کہ میری دعا قبول ہوئی ہے۔ یا نہیں۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ بغیر

درود شریف والی دعا بھٹکتی رہتی ہے بارگاہ الٰہی تک پہنچتی ہی نہیں ثابت ہوا کہ درود شریف اصطلاحی دعا نہیں لہذا درود شریف کو مَنْ شَغَلَهٗ عَنْ مَسْئَلَتِیْ ۔ میں شامل کرنا غلط ہے۔

چوبیسویں حدیث مبارکہ　　جامع صغیر ص ۴۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ عَلَیَّ زَكٰوةٌ لَّكُمْ ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود پڑھنا مجھ پر تمہاری پاکیزگی ہے۔ **مختصر تشریح** ۔ یعنی درود شریف وہ بابرکت عشقِ مصطفیٰ کا پانی ہے اور ایسا روحانی صابن ہے کہ اس کے ملنے اور رگڑنے سے ظاہری باطنی تمام کدورتیں اور علمی فکری جسمی قلبی مذہبی مسلکی بدعقیدگی کے سب میل کچیل دور ہو جاتے ہیں اس سے دور ہٹنے اور ہٹانے والا صرف بدعقیدہ اور گمراہ انسان ہی ہو سکتا ہے ایک عاشقِ مومن امتی تو کبھی بھی یہ کہنے کی جرأت ہرگز نہیں کر سکتا کہ درود شریف کو چھوڑ دو یا درود شریف سے ذکر اللہ افضل ہے نہ ہی کوئی عاشقِ صادق کسی کی لغویات تسلیم کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسی دھوکہ بازی سے ہر مسلمان کو لغویات محفوظ رکھے۔

پچیسویں حدیث مبارکہ　　جامع صغیر ص ۴۵

عَنْ عُمَرَ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ صَلُّوْا عَلَیَّ ۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ۔

ترجمہ: حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے دونوں نے فرمایا۔ کہ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے اے امتیو تم مجھ پر درود پڑھتے رہو۔ تو رب تعالیٰ تم پر اپنی برکتیں نازل فرماتا رہے گا۔

مختصر تشریح ۔ یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برکتیں کرم و فضل میرے درود و سلام کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا درود شریف سے تم کو ہی فائدہ ہے

چھبیسویں حدیث مبارکہ جامع صغیر ص ۴۵

عَنْ حَسَنِ رض ابْنِ عَلِیٍّ رض قَالَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُمَا كُنْتُمْ ۔ ترجمہ: حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو مجھ پر کثرت سے صلوٰۃ یعنی درود شریف اور سلام پڑھا کرو کیونکہ تم زمین و آسمان کے جس علاقے میں بھی ہو مجھ کو تمہارے درود و سلام کی آوازیں پہنچ جاتی ہیں۔

مختصر تشریح ۔ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان۔ کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام۔ اور پھر یہ ضروری نہیں کہ کوئی مسلمان بلند آواز سے ہی صلوٰۃ و سلام پڑھے دیکھو رب تعالیٰ نے التحیات میں بالکل آہستہ صلوٰۃ و سلام بندوں سے پڑھوا کر تا قیامت ثابت فرما دیا کہ ہمارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ خفیہ آواز بھی لاکھوں میل دور سے سن لیتا ہے جس کو پڑھنے والے کا ساتھی نمازی نہ سن سکے۔

ستائیسویں حدیث مبارکہ　　کنوز الحقائق جلد اول ص ۱۱ برحاشیہ جامع صغیر ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔

مَنْ صَلَّ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَتَیْ صَلٰوةٍ غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُ مِائَتَیْ عَامٍ ۔

ترجمہ ۔ روایت ہے عبد اللہؓ سے فرمایا کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص جمعہ کے دن درود شریف پڑھے مجھ پر دو سو مرتبہ اس کے دو سو سال برابر گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۔

مختصر تشریح ۔ اس حدیث پاک کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ تقریبًا تمام ہی گناہ حقوق اللہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ مراد ہے کہ دو سو سال کے برابر اس کو اجر ملتے ہیں ۔ یعنی سارے گناہ معاف ہو کر مزید بھلائیاں عطا کر دی جاتی ہیں ۔ مثلاً توفیق خیر وغیرہ بعض نے فرمایا کہ حقوق العباد بھی معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اہل حق بندوں کو قیامت کے دن ان کے حقوقِ مغصوبہ کا بدلہ دے کر راضی کر دیا جائے گا ۔

اٹھائیسویں حدیث مبارکہ کنوز الحقائق علی حاشیہ جامع صغیر جلد دوم صہ

اَلصَّلٰوةُ عَلَی النَّبِیِّ افضل مِنْ عِتْقِ الرِّقَابِ ۔ رواہُ الْاَصْبَهَانِیُّ ۔

ترجمہ ۔ آقائے کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے افضل اور زیادہ ثواب والی نیکی ہے ۔ **مختصر تشریح** ۔ رقاب جمع ہے رَقَبَةٌ کی اب یہ معنیٰ ہوئے کہ ایک بار درود شریف پڑھنے کا جو اجر و ثواب ہے وہ کئی غلام آزاد کرنے کا بھی ثواب نہیں ۔ حالانکہ غلامی سے انسانیت کو آزاد کرانا بہت عظیم عمل ہے مگر درود شریف اس سے بھی افضل ہے اور پھر رقاب میں جمعیت کا ذکر ہے جبکہ صلوٰۃ واحد ہے ۔ یعنی ایک دفعہ درود پاک پڑھنا بھی سینکڑوں بڑے بڑے اعمال سے اعلیٰ ہے ۔ یہاں افضلیت سے مراد زیادہ ثواب ہے ۔ **انتیسویں حدیث مبارکہ** ۔ ریاض الصالحین ۔ کتاب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ باب فضل الصلاۃ علی رسول اللہ علیہ وسلم صہ ۲۸۹ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ ترجمہ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ناک رگڑی جائے اس شخص کی جس کے سامنے میں ذکر کیا جاؤں اور وہ پھر بھی درود شریف نہ پڑھے **شرح** ۔ یعنی ذلیل ہو وہ شخص دونوں جہان یا آخرت میں یہ بددعا نہیں بلکہ بددعائی شکل میں یقینی خبر ہے اور اس طرح فرمانا تہدید و تنبیہ کے لیے ہے ثابت ہوا کہ ذکر النبی کے وقت درود شریف پڑھنا واجب ہے **تیسویں حدیث پاک** یہی حوالہ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی ۔ ترجمہ ۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ بے شک ارشادِ مقدس فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی مسلمان کہیں سے بھی مجھ کو سلام عرض کرے تو رب تعالیٰ میری روح کو مجھ میں لوٹاتا ہے تو میں اپنے اس امتی کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ۔ **مختصر تشریح** ۔ یہ حدیث پاک حیات النبی کے ثبوت میں ایک عظیم دلیل ہے اس سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابدی بجسد عنصری زندہ حیات ہیں اور پوری کائنات زمین و آسمان لوح و قلم و عرش و فرش میں ہر شخص کو جانتے پہچانتے اس کا سلام سنتے اور جواب سلام عطا فرماتے ہیں

اور ایک آن کیلئے بھی آپکی روح قدس آپ کے جسم اقدس سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ سلام کے سننے اور جواب دینے کیلئے روح پاک جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس سے اہمیت جواب سلام بھی ثابت ہو کہ ادنیٰ امتی کے سلام کا جواب دینا بھی آپ پر فرض ہوا اسی لیے روح لوٹائی گئی روح کا جسم میں لوٹنا کوئی معمولی بات نہیں اور مسئلہ ہے کہ جو سلام اپنے کانوں سے سنا جائے۔ فقط اسکا جواب فرض ہے پہنچایا ہوا سلام اہم نہیں نیز ساری کائنات میں ہر وقت ہی آپکو سلام عرض کیا جا رہا ہے ملائکہ جنات اور حیوانات اور مسلمان ایک دو نہیں کروڑوں کی تعداد میں سلام پیش کر رہے ہیں اور ہر نماز میں خطاب کے صیغے سے کئی مرتبہ سلام ہو رہا ہے اور زمین پر ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں نماز ہو رہی ہے۔ مَا مِنْ اَحَدٍ میں سب حیوان انسان شامل ہیں۔ لھذا جب روح مقدس ایک بار لوٹا دی گئی وفات سے چند سیکنڈ بعد تو پھر نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی اس حدیث پاک نے سات باتیں ثابت کر دیں نمبر۱ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب جگہ حاضر نمبر۲ سب کے لیے ناظر نمبر۳ سب کو جانتے نمبر۴ پہچانتے نمبر۵ سب کی آواز سنتے ہیں نمبر۶ اور ابدی زندہ حیات ہیں نمبر۷ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ **اکتیسویں حدیث مبارکہ۔ ریاض الصالحین صفحہ ۲۹۰**

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ ترجمہ مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا۔ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنجوس وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ **مختصر تشریح**۔ اور کنجوسی بدبختی کی نشانی ہے لہٰذا درود شریف نہ پڑھنے والا یا بہانے بہانے درود شریف سے روکنے والا اور درود شریف سے کسی اور چیز کو افضل کہنے والا اسی زمرے میں داخل ہے۔ **بتیسویں حدیث مبارکہ۔ نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۲۲**

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً وَلَمْ یُصَلِّ فِیْھَا عَلَیَّ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِیْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ (رواہ الدار قطنی) ترجمہ۔ حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جس نے نماز پڑھی اور اپنی نماز میں مجھ پر درود نہ پڑھا نہ میرے اہل بیت پر تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

مختصر شرح۔ یعنی کتنی سخت وعید ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اس میں ظاہری طہارت وضو وغیرہ کے علاوہ تلاوت تسبیح ذکر اللہ رکوع سجدہ وخشوع خضوع اخلاص اگرچہ سب کچھ موجود ہے مگر صرف درود شریف چھوڑ دیا تو لَاتُقْبَلُ مِنْہُ کی وعید شدید آگئی۔ نکتہ۔ نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں اور درود کو بھی رب تعالیٰ نے دونوں کا نام صلوٰۃ رکھا ہے اور پہلے یہ نام درود کا ہے بعد میں منتقل ہو کر نماز کو صلوٰۃ کہا گیا۔ گویا کہ اصل نام درود کا ہوا۔ کیونکہ درود کا نام صلوٰۃ قدیمی ہے جس پر وہ آیت پاک اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الخ شاہد ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل کا نام

فرع کر دینا اس لیے ہوتا ہے کہ ثابت ہو۔ اصل ہی مقصود ہے لہٰذا اگر اصل ہی نہ ہوگا تو فرع قبول کیسے ہوگی۔ اس حدیث پاک نے یہی نکتہ سمجھایا کہ بندوں کو پانچ وقت نماز فرض واجب سنت نفل پڑھوا کر محبوب پاک صاحب تو صلی اللہ وسلم کے صلوٰۃ وسلام کا چرچا کرانا تھا یعنی اصل مقصود درود ہی ہے اور اسی سے باقی نماز قبول ہوئی۔ **تینتیسویں حدیث مبارکہ۔** **نیل الاوطار جلد دوم صـ۳۲۶** عَنْ جَابِرٍ رَوَاہُ الطِّبْرَانِیُ بِلَفْظِ شَقِیَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ ترجمہ۔ حضرت جابرؓ سے طبرانی نے ان لفظوں کی حدیث روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت تنگ دل سخت طبیعت ہے وہ شخص (بدبخت) جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ **مختصر تشریح۔** یعنی کثرت سے درود شریف پڑھنے والا کبھی شقی القلب نہیں ہو سکتا نہ بدبخت۔ خیال رہے کہ اس میں نمازی اور تلاوت کرنے والا یا غافل مدہوش مجنون بہرا۔ سونے والا۔ یا استنجا کرنے والا شامل نہیں اگر ان کے کان تک تذکرہ پہنچا اور وہ درود شریف نہ پڑھ سکے تو معافی ہے۔ **چونتیسویں حدیث مبارکہ۔** **نیل الاوطار جلد دوم صـ۳۲۶** عَنْ فُضَالَۃَ ابْنِ عُبَیْدٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلاً یَدْعُوا فِی صَلٰوتِہٖ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ عَجِلَ ھٰذَا ثُمَّ دَعَاہُ فَقَالَ لَہٗ اَوْ لِغَیْرِہٖ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِتَحْمِیْدِ اللّٰہِ وَالثَّنَاءِ عَلَیْہِ ثُمَّ لِیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِیَدْعُ بَعْدَ مَا شَاءَ رواہ الترمذی۔ ترجمہ حضرت فضالہ ابن عُبَیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ اپنی نماز میں صرف دعا مانگ لیتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک نہیں پڑھتا تو فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے بہت جلد بازی کی پھر اس کو اپنے پاس بلوایا تو اسی سے فرمایا یا (اس کے پاس بیٹھے ہوئے) اس کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے اور اس کی ذات پاک پر ثنا پڑھنے سے شروع کرے۔ پھر (بالکل آخر میں) اپنے نبی پر درود پڑھے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔ اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا۔ **مختصر تشریح۔** یہ واقعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور صحابہ کرام جان کر یا کسی کے کہنے سے درود شریف نہ چھوڑتے تھے بلکہ شروع دورِ اسلام میں بہت سوں کو نماز کا صحیح طریقہ معلوم نہ تھا اس لیے اس ترک پر وعید نہ فرمائی گئی بلکہ صرف عمل فرما کر ترکِ درود کا نقصان بتایا گیا اور نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتا دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ درود پاک دعا نہیں لہٰذا درود شریف کو دعاء عرفی میں شامل کرنا اور مُشْتَلِق

سے ناجائز فائدہ اٹھانا قطعاً غلط ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ حمد و صلوٰۃ مل کر ہی ذکر اللہ بنتا ہے درود شریف کے بغیر تو کوئی ذکر اللہ کامل ذکر اللہ ہی نہیں بنتا نہ کوئی نماز کامل نماز ہو۔ بھلا کسی مرشد کی کیا حیثیت ہے جو اپنے وظائف اور چلوں کے بہانے ترکِ درود شریف کا رواج ڈالے۔

پینتیسویں حدیث مبارکہ صحیح البخاری۔ ابوابُ سُنَنِ الصَّلوٰۃ۔ باب فضل الصلوٰۃ عَلَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۱۔ عَنْ اَبِی طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبُشْرُ فِی وَجْہِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَاءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ) ترجمہ۔ حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے کہ ایک دن آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بشاشت خوشی و مسرت آپ کے چہرہ منورہ سے عیاں تھی پس فرمایا کہ میرے پاس جبریل (علیہ السلام) آئے تو انہوں نے کہا کہ بے شک آپ کا رب فرماتا ہے کیا یہ بات آپ کو راضی اور خوش نہ کرے گی اے محمد کہ آپ کا کوئی اُمّتی ایک دفعہ اس پر درود پڑھے تو میں اس پر دس بار کرم کروں اور کوئی امتی جب بھی ایک دفعہ آپ پر سلام پڑھے تو میں اس پر دس مرتبہ سلامتی عطا کروں اس حدیث پاک کو نسائی اور دارمی نے بھی روایت کیا۔ مختصر شرح۔ یہ بات تو اس حدیث مقدسہ اور اس کے علاوہ اس سے پہلے کتنی ہی احادیث مطہرات سے ظاہر و عیاں ہو چکی ہے کہ جب بھی کسی مسلمان امتی نے عشق و محبت سے سرشار ہو کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عطر بیز میں صلوٰۃ و سلام کے گلدستے بھیجے تب اس امتی پر رب تعالیٰ نے رحمت کرم و فضل اور ابدی سلامتی کے انعامات فرمائے جس سے واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کے انعامات ابدیہ کا وسیلہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا درود پاک اور سلام ہے ہر امتی بندے پر مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ کے تمام کرم و فضل صرف درود و سلام کے وسیلے سے ہو رہے ہیں۔ اگر درود خوانی اور سلام پڑھنا بندے چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ کے انعامات ابدیہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ مگر یہ اب تک کسی بھی حدیث یا روایت یا درایت سے ثابت یا آیت سے ظاہر نہیں ہوا کہ امتی کے درود و سلام پڑھنے سے رب تعالیٰ اپنے نبی پر درود و سلام نازل کرتا ہے لہٰذا کسی کا یہ کہنا کتنی نادانی ہے کہ بندے کے درود چھوڑ کر ذکر اللہ کرنے کے سبب سے اللہ کریم جلّ و علا اپنے نبی پر اس سے بھی افضل درود بھیجتا ہے جو درود خوانی کے وسیلے سے بھیجا جاتا ہے حالانکہ درود نازل فرمانے کے لیے نہ کسی امتی کے ذکر اللہ کی ضرورت ہے نہ درود و سلام پڑھنے کی چھتیسویں حدیث مبارکہ صحیح البخاری

باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۱۸ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عَشْرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مِائَةً وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ بَرَاءَةً مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةً مِّنَ النَّارِ وَاَسْكَنَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الشُّهَدَاءِ ۔

(رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِيْ صَغِيْرٍ) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے۔ جس مسلمان نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا تو رب تعالیٰ نے (اس کے بدلے اور وسیلے میں) دس دفعہ اس پر رحم و کرم فرمایا اور جس نے دس دفعہ مجھ پر درود پڑھا اس پر رب کریم سو مرتبہ رحمتیں اور سلامتیں نازل فرماتا ہے اور جو سو دفعہ مجھ پر درود خوانی کرتا ہے تو مولیٰ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھ دیتا ہے کہ یہ امتی بندہ منافقت سے بری ہے۔ جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا ہے اور قیامت کے دن اللہ کریم اس صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے بندے کو شہیدوں کے گروہ میں شامل فرمائے گا۔ اس حدیث پاک کو طبرانی نے اپنی کتاب صغیر میں لکھا۔ **مختصر تشریح**۔ کتنا آسان طریقہ ہے باری تعالیٰ کے اتنے عظیم انعام لینے کا یہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کا کمال نہیں بلکہ درود وسلام کے ذریعے یاد مصطفیٰ منانے اور اس طرح سے ذکر اللہ وذکر رسول کرنے کا دینوی و اخروی ثواب ہے کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اتنی عظیم مفت محنت مشقت کے بغیر حاصل ہونے والی دولت لازوال کے منکر ہیں اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے روکنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مگر کتنی ہی ملاوٹیں کر دیں۔ بزرگوں کی نسبتیں لگاتے پھریں لیکن میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اتنے عظیم اور ڈبل ذکر پاک کو نہیں چھوڑ سکتے۔

سینتیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البھاری۔ الواب سنن الصلوٰۃ ص۲۱۸۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ۔ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا ۔ قَالَ اِذًا يَّكْفِيْ هَمَّكَ وَيُكَفِّرُ لَكَ ذَنْبُكَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ومشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثانی ص۱۰۲

ترجمہ۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک میں آپ پر بہت درود پاک پڑھتا ہوں میں آئندہ کتنا درود آپ پے پڑھا کروں ارشاد فرمایا جتنا بھی تم چاہو۔ میں نے عرض کیا اپنی نفلی عبادت کا چوتھائی حصہ درود پڑھا کروں ارشاد فرمایا جتنا بھی چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے مزید اچھا ہے۔ میں نے عرض گزاری کیا میں اپنے دیگر وظائف واذکار سے آدھا وقت درود شریف پڑھا کروں ارشاد فرمایا جو تم چاہو اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ میں نے عرض کیا تو کیا میں دو تہائی وقت میں درود پاک پڑھا کروں فرمایا یہ تمہاری مرضی لیکن اگر اور بھی زیادہ کرلو تو تمہارے لیے ہی بھلائی ہے تب میں نے عرض کیا آئندہ میں تمام نفلی عبادات ذکر اذکار چھوڑ کر سارا وقت آپ پر درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ ارشاد مقدس فرمایا تب تو تمہاری ہر ضرورت ہر حاجت ہر دعا ہر تکلیف کے لیے یہ اکیلا درود شریف ہی کافی ہے اور تمہارے تمام گناہوں، خطاؤں، غلطیوں لغزشوں کو مٹانے معاف اور بخشش کرانے کے لیے درود پاک ہی کافی ہے۔ اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا اور مشکوٰۃ شریف نے بھی باب الصلوٰۃ علی النبی فصل ثانی میں نقل فرمائی۔ **مختصر تشریح** ۔ یہ حدیث تمام محدثین کے نزدیک صحیح و ثقہ ہے اس میں بیان فرمایا کہ جو شخص سارا دن درود شریف ہی پڑھتا رہے اور اس کو اپنی دعاؤں حاجتوں اور اپنے دینوی کاموں کی فرصت نہ ملے تو مولیٰ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتیں غیب سے قدرتاً پوری فرماتا رہے گا اور اس کا تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے۔ بالکل اسی طرح کی حدیث پاک ترمذی میں قرآن مجید کے متعلق بھی ارشاد ہوئی ہے جو ہم نے سابقہ فتوے میں درج کردی ہے۔ ان دونوں کے مضامین و مطالب سے ثابت ہوا کہ خدمت قرآن مجید اور صلوٰۃ وسلام کا عند اللہ ایک ہی فائدہ و ثواب ہے جس سے درود پاک کی اہمیت معلوم ہوئی۔

اڑتیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البہاری۔ باب فضل صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۱۹ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمَلٰئِکَتُہٗ سَبْعِیْنَ صَلَاۃً (رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَد) ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف ایک دفعہ بھی درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ستر دفعہ اس پر محبت و شفقت فرماتے ہیں **مختصر تشریح**۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے پر ستر دفعہ نزول رحمت اور فرشتے ستر دفعہ دعاء رحمت کرتے ہیں دونوں طرف سے اظہار شفقت ہوتا ہے پہلی احادیث میں دس بار کا ذکر ہوا مگر یہاں ستر بار کا بیان ہوا ہے [illegible] نہیں بلکہ درود پڑھنے والے کے خلوص

اور خشوع خضوع کی کمی زیادتی سے ثواب کی کمی زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔ **انتالیسویں حدیث مبارکہ** ۔ **صحیح البہاری ص ۱۴۹** عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُکَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ لَکَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلٰوۃً صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ (یا رسول اللہ) کیا میں آپ کو ایک عظیم خوش خبری نہ سناؤں جو بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل آپ کے لیے فرماتا ہے کہ جو بھی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا میں اس پر اپنی صلوٰۃ نازل کروں گا اور جو بھی آپ پر سلام پڑھے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔ اس حدیث مقدسہ کو حضرت امام احمدؒ نے روایت فرمایا۔ **مختصر تشریح** ۔ اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ درود خوانی کا ثواب صرف درود پڑھنے والے بندے کو ہی ہوتا ہے۔ آقائے دوجہان کو اس کی کوئی حاجت نہیں میں حیران ہوں ان کی فہم حدیث پر جنہوں نے آنکھیں بند کر کے درود پاک کو دعا اور سلامتی کہہ دیا اور دعا کی آڑ لے کر اتنا عجیب تانا بانا بُن دیا حالانکہ دعا اور درود پاک میں سینکڑوں فرق کے ساتھ یہ فرق بھی ہے کہ دعا صرف وہ ہے جو ترجمہ معانی مطلب و مقصد سمجھ کر مانگی اور پڑھی جائے بلے سمجھے ہوئے پڑھنا اگرچہ دعائیہ الفاظ ہوں۔ مگر وہ دعا نہیں بلکہ وہ فقط عبادت۔ نماز۔ یا وظیفہ ہوگا اسی لیے اس کا ثواب ملتا ہے۔ جب کہ دعا سے صرف حاجت ملتی ہے دعا کا فائدہ ہر مومن وکافر کو ہو جاتا ہے مگر دیگر عملیات کا فائدہ (ثواب) صرف مومن کو دیا جاتا ہے اور درود پاک کے الفاظ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر دنیوی ودینی فائدہ پہنچتا ہے تو یہ دعا نہیں بلکہ یہ مثل نماز عبادت اور ذکر اللہ وذکر رسول ہے جس کا مقصد مومن کے ہر لمحے میں یاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تازگی قائم کرنا ہے۔ ہم نے اپنی اس اربعین نعیمیہ میں درود وسلام سے متعلق صرف وہی احادیث جمع کی ہیں جنکے متعلق تمام محدثین متفق ہیں کہ یہ احادیث ثقہ و صحیح ہیں اس لیے یہاں صرف چالیس حدیثیں ہی صحیح میسر آئیں۔ جن روایت میں کچھ کمزوری ظاہر ہوتی وہ نہ لیں جیسے مثلاً موضوعات کبیر کی ایک یہ روایت ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی و ترک آلی فقد جفانی ترجمہ جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا اور میری آل کو چھوڑ دیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ یہ روایت اگرچہ معنًا درست و صحیح ہے جیسا کہ اسی معنی میں ہم نے ثقہ حدیث نمبر ۳۲ نقل کر دی ہے مگر چونکہ یہ روایت لفظاً ثقہ نہیں اس لیے ہم نے اپنی ترتیب میں اس کو شامل نہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

چالیسویں حدیث مبارکہ۔ صحیح البہاری ابواب سنن الصلوٰۃ۔ باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۴۱۹ عَنْ رُوَیْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِیُّ۔ وَنُقِلَ فِی الْمِشْکٰوۃِ بَابُ صَلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فصل الثالث۔

ترجمہ۔ حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ جس شخص نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور اس میں یہ لفظ بھی شامل کئے کہ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ تو اس (خوش قسمت) کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یہ حدیث پاک امام احمد بن حنبل نے بھی روایت فرمائی طبرانی نے بھی اور مشکوٰۃ شریف نے بھی۔ مختصر تشریح۔ اس درود شریف کو شارحین نے اس طرح بھی لکھا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

اس سے ثابت ہوا کہ درود شریف صرف درود ابراہیمی ہی نہیں جیسا کہ دیوبندی وہابی رٹ لگائے پھرتے ہیں۔ حالانکہ نہ اس حصر کا ثبوت ہے اور نہ ہی خود وہابی اس پر عمل کر سکتے ہیں نہ ہی ہر وقت ہر کلام میں یہ اتنا دراز درود پاک پڑھا جا سکتا ہے۔ درود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھنے کے لیے تعلیم ہوا ہے نماز کے باہر یہ درود شریف پڑھنا درست نہیں کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء آفرینش سے تاقیامت و تا ابندم بے شمار الفاظ کے درود پاک بنائے اور پڑھے گئے ہیں جو مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ ہم تبرکاً حسب ذیل ترتیب سے ان کو درج کرتے ہیں۔ تاکہ ہماری یہ کتاب اَرْبَعِیْنِ نَعِیْمِیَہ بھی متبرک ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل و مزین بھی ہو جائے۔ (نمبر۱) صلوٰۃ آدم۔ یہ درود شریف حضرت آدم علیہ السلام پڑھتے تھے۔ یہی حضرت حوا کا حق مہر تھا۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الدَّاعِیْ اِلَی اللّٰہِ الْقَادِرِ الْفَتَّاحِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْفَلَاحِ وَالنَّجَاحِ۔ (نمبر۲) صلوٰۃ جبریل۔ یہ درود شریف جبریل علیہ السلام پڑھتے ہیں ان کو یہ رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اٰخِرُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ظَاھِرُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بَاطِنُ

(نمبر۳) درود موسیٰ کلیم اللہ یہ بھی جو رب تعالیٰ نے تعلیم فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَمَعْدِنِ الْاَسْرَارِ وَمَنْبَعِ الْاَنْوَارِ وَجَمَالِ الْکَوْنَیْنِ وَشَرَفِ الْحَرَمَیْنِ وَسَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ الْمَخْصُوْصِ بِقَابَ قَوْسَیْنِ۔ (نمبر۴) درود خضری جو روز خضر علیہ السلام پڑھتے ہیں

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ (۵) درود الیاسی۔ جو الیاس علیہ السلام پڑھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا نُوْرُهٗ وَاٰخِرًا ظُهُوْرُهٗ وَرَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وُجُوْدُهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ (۶) درود ایوبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ درود شریف پڑھا تو آپ کو شفا کا طریقہ بتایا گیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِهَا وَعَافِيَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِيَائِهَا وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(نمبر۷) درود عیسوی جو عیسٰی علیہ السلام زندگیٔ دنیوی اور حیات آسمانی میں پڑھتے رہتے ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ (۸) درود ادریس علیہ السلام۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِي الْاَرْوَاحِ وَعَلٰى جَسَدِهٖ فِي الْاَجْسَادِ (۹) درود نماز۔ اس کو درود ابراہیمی اور صلوٰۃ تشہد بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف نماز میں پڑھنے کے لیے تعلیم ہوا ہے نماز کے باہر پڑھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں سلام نہیں اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درود پسند نہیں ہے جس میں سلام نہ ہو۔ امام سخاوی نے اس سے متعلق اپنی کتاب القول بدیع میں بہت سی روایت نقل کی ہیں نماز میں اس لیے درست ہے کہ سلام پہلے آگیا ہے۔ درود نماز یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" نمبر۱۰ درود صحابہ کرام۔ یعنی تمام صحابہ کرام بتعلیم حدیث پاک نمبر۱۰۔ ان لفظوں سے درود پاک پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ نمبر۱۱ درود امام اعظم ابو حنیفہ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّيَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَسَلِّمْ عَلَيْهِ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا نمبر۱۲ درود مالکی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مَظْهَرِ الْجَلَالِ مِرْاٰتِ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ مَخْزَنِ الْمُشَاهَدَاتِ مُوْصِلِ الْعِبَادَاتِ اِلٰى رَبِّ الْاَرْبَابِ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتٍ لَّكَ۔ نمبر۱۳ درود امام شافعی اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔ نمبر۱۴ درود امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ اَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ بَعْدَ الْمَمَاتِ ع۱۵ درود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَسَلَامَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

نمبر ۱۶۔ صلوٰۃ غوث اعظم۔ اس کو درود غوثیہ بھی کہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔ نمبر ۱۷ درود ہجویری یعنی داتا گنج بخشؒ یہ درود شریف پڑھا کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضَاءً وَّلِحَقِّہٖ اَدَاءً وَّاَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصَّالِحِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ نمبر ۱۸ درود خواجہ حسن بصریؒ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلَادِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَصْھَارِہٖ وَاَنْصَارِہٖ وَاَشْیَاعِہٖ وَمُحِبِّیْہِ وَاُمَّتِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ نمبر ۱۹ درود حضرت شیخ شبلی مجذوبؒ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ ۔

نمبر ۲۰ درود امام بوصیریؒ صاحب قصیدہ بردہ شریف۔ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ ۔ نمبر ۲۱ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا درود شریف اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ فَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ فَاِنَّکَ اَنْتَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ ۔ نمبر ۲۲ خواجہ اجمیری غریب نواز علیہ الرحمۃ کا درود پاک۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَی اللّٰہُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ ۔

نمبر ۲۳ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمۃ کا صلوٰۃ وسلام۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی ۔

نمبر ۲۴ محدثین کرام اور فقہاء عظام کا تحریری درود شریف۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نمبر ۲۵ ملک شام کے بادشاہ ناصر صلاح الدین علیہ الرحمۃ کا درود شریف جس کو ہندوستان میں حضرت علامہ شاہ عبدالغفار کاشمیری علیہ الرحمۃ نے جاری اور مشہور فرمایا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ ۔ آج کل یہ درود شریف تقریباً تمام دنیا میں جاری ہے اور اکثر جگہ بعد نماز فجر اور قبل اذان پنجگانہ پڑھا جاتا ہے۔ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیان اس کی بہت مخالفت کرتے ہیں اور گستاخی کرتے ہوئے اس کو کشمیری درود کہتے ہیں۔ نمبر ۲۶ سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کا درود شریف (از تفسیر روح البیان جلد ۷ ص ۲۳۳) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَّا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَتَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَکَرَّ الْجَدِیْدَانِ وَاسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَبَلِّغْ رُوْحَہٗ وَاَرْوَاحَ

اَهْلِ بَيْتِهٖ مِنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كَثِيْرًا۔ ۲۷ درود حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ ن الَّذِيْ عِشْقُكَ فِيْ عِشْقِهٖ وَحُبُّكَ فِيْ حُبِّهٖ وَرِضَاكَ فِيْ رِضَائِهٖ وَسَخَطُكَ فِيْ سَخَطِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ ۲۸ سلطان نور الدین زنگی علیہ الرحمۃ کا درود۔ اسی کو درود ناصی بھی کہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَبَارِكْ عَلَيْهِ ۲۹ شاہ عبد الحق محدث دہلوی کا درود شریف اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ۳۰ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ اور امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا درود شریف اس کو درود ماریہ بھی کہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلٰوةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ن تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَائِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِيْمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

۳۱ صلوٰۃ مجددی۔ اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ درود شریف مجدد الف ثانی سرہندی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر روز پچیس ہزار بار پڑھا کرتے تھے۔ ۳۲ درودِ کشف اویسی حضرت اویس قرنی کی طرف منسوب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْاَنْوَارِ وَالْاَسْرَارِ وَكَاشِفِ الْاَسْتَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ الْاَنْوَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَعْدَنَ الْاَسْرَارِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا كَاشِفَ الْاَسْتَارِ اِكْشِفْ عَيْنِيْ اِكْشِفْ قَلْبِيْ اِكْشِفْ صَدْرِيْ يَا مُنْكَشِفَ الْاَسْرَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ خُذْ بِيَدِيْ اَغِيْثُوْنِيْ اَغِيْثُوْنِيْ يَا صَادِقُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

۳۳ درودِ رضویہ یعنی اعلٰی حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا درود شریف صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ۳۴ درودِ نعیمیہ یعنی صدر الافاضل مولانا سید الشاہ نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کا درود شریف۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰبَاءِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَنَاتِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ۳۵ درودِ حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی علیہ الرحمۃ۔ تم سب پڑھو درود میں نعت نبی پڑھوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ قَدْرَ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَجَاهِهٖ وَجَلَالِهٖ وَاِسْمِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَبِرِّهٖ وَنَوَالِهٖ وَجُوْدِهٖ وَكَمَالِهٖ وَعَلٰى وَارِثِ حَالِهٖ۔

۳۶ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان کا درود شریف۔ اس کو درود محمود بھی کہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ شَجَرَةِ الْاَصْلِ النُّوْرَانِیَّةِ وَ لَمْعَةِ الْقَبْضَةِ الرَّحْمٰنِیَّةِ وَمَعْدِنِ الْاَسْرَارِ الرَّبَّانِیَّةِ وَخَزَائِنِ الْعُلُوْمِ الْاِصْطِفٰنِیَّةِ صَاحِبِ الْقَبْضَةِ الْاَصْلِیَّةِ وَالْبَهْجَةِ السَّنِیَّةِ الرُّتْبَةِ الْعَلِیَّةِ مِنَ الدَّرَجَةِ النَّبِیُّوْنَ تَحْتَ لِوَائِهٖ فَهُمْ مِنْهُ وَاِلَیْهِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ عَدَدَ مَا خَلَقْتَ وَرَزَقْتَ وَاَمَتَّ اِلٰی یَوْمِ تُبْعَثُ مَنْ اَفْنَیْتَ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۳۵ درود خرقانی۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کا درود شریف اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّهٖ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

۳۸ درود تاج شریف حضرت صوفی تاج الدین صاحب سہنکوار ثم ناگپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ چہارم حضور خواجہ گیسو دراز گلبرگ شریف علیہ الرحمۃ الرضوان کا درود شریف مشہور ہے کہ یہ انھوں نے ترتیب دیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَرْفُوْعٌ مَشْفُوْعٌ مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُعَطَّرٌ مُطَهَّرٌ مُنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ شَمْسِ الضُّحٰی بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْهُدٰی كَهْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ الظُّلَمِ جَمِیْلِ الشِّیَمِ شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ۔ وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ مَطْلُوْبُهٗ وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ السَّالِكِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاكِیْنِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ مَوْلَانَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ یٰۤاَیُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

درود تاج کی تالیف و ترتیب کے بارے میں ایک قول مشہور یہ بھی ہے کہ اس کو حضرت علامہ امام سید خواجہ ابوالحسن شاذلی مصری (العرب) سے مرتب فرمایا اور آقائے کائنات صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور پیش فرمایا سرکار دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا اور پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

ع۳۹ درود شاذلی اس کو درود تسخیر بھی کہتے ہیں۔ اسی درود کو سن کر امام عبد اللہ شاذلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے دلائل خیرات شریف ترتیب فرمائی اور اس درود پاک کو چہار شنبہ کے ورد میں رکھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَافِیْ عِلْمِ اللّٰہِ صَلَاۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ۔ ع۴۰ امام محمد غزالی کا درود شریف اس کو درود محمدی بھی کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ خَلْقِ اللّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْکَرِیْمِ کہ آج یہ رسالہ مبارکہ صَلَاۃِ اَرْبَعِیْنَ۔ مکہ مکرمہ محلہ مسفلہ بالکل حرم شریف کے سامنے زیر تعمیر ریکو ہوٹل کے قریبی بلڈنگ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر مکمل ہوا۔ اس کی ابتدا مدینہ منورہ مکان حیدر الحیدری صاحب میں ہوئی۔ اس کی ابتدا بائیس ۲۲ جون حج کے سفر کے دوران ہوئی ۱۹۹۱ء اور آج انتہا گیارہ نومبر ۱۹۹۱ء عمرے کے سفر میں ہوئی یہ تمام درود شریف زیادہ تر مدینہ منورہ اور شام و یمن کے بزرگوں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان میں کچھ درود شریف وہ ہیں جو خود رب تعالٰی نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کو تعلیم فرمائے کچھ وہ ہیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمائے اور کچھ وہ ہیں جو اولیاء اللہ نے اپنے ورد کے لیے خود ترتیب فرمائے حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ رب تعالٰی نے اپنے بندوں سے فقط اس لیے درود شریف پڑھوایا ہے کہ سب بندے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے در

کے بھکاری بن جائیں۔ گداگر بھکاری کا یہی طریقہ ہوتا ہے جب بھیک مانگتا ہے تو گھر والے کے لیے دعائیہ الفاظ بولتا ہے۔ اگرچہ اس کا مقصود دعا مانگنا نہیں اور نہ ہی اس کی دعا سے داتا کو کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ بس یہی انداز درود شریف کا رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبادت ہے اسی لیے اس کو دعا کہا جاتا ہے اور دعا کا قبلہ آسمان لہٰذا دعا میں ہاتھ بسمت آسمان اٹھائے جاتے ہیں۔ انبیاء اولیاء اور دیگر لوگوں سے مانگنا سوال اور طلب ہے یہاں مثل دعا ہاتھ اٹھانا منع ہے۔ نماز کی دعائیں ذکر اللہ ہیں اس لیے وہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے۔

فتوای سوال ۲۴ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ رکن یمانی کو منہ لگا کر چومنا اور استلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یعنی جس طرح طواف کے ہر چکر میں حجر اسود کو استلام اور تقبیل کی جاتی ہے کیا اسی طرح رکن یمانی کو بھی چومنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں۔ بہت سے علماء اہل سنت احناف سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رکن یمانی کو بھی چومنا سنت موکدہ ہے جس طرح حجرہ اسود کو چومنا۔ لیکن میری نظر سے ایک کتاب گزری ہے جو کراچی کے ایک مولوی محترم محمد معین الدین احمد صاحب نے مختصراً مسائل حج کے بارے میں لکھی ہے جو چھوٹی سی تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھا ہے کہ رکن یمانی پر پہنچے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے یا صرف داہنے ہاتھ سے چھونا سنت ہے لیکن خیال رہے کہ پاؤں اپنی جگہ پر رہے اور سینہ اور قدم بیت اللہ کی طرف نہ ہو اس کو بوسہ دینا یا صرف بائیں ہاتھ سے چھونا خلاف سنت ہے۔ مگر ہاتھ لگانے کا موقع نہ مل سکے تو اس کی طرف اشارہ نہ کرے ایسے ہی گزر جاتے اور یہی بہتر ہے اس لیے کہ عام لوگ رکن یمانی کو ہاتھ لگاتے وقت آداب طواف کا خیال نہیں کرتے۔

السائل (محترم) حکیم سید بہار شاہ (صاحب) ساکن گجرات پاکستان۔ حال وارد مکہ مکرمہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُهٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ وَرَءُوْفِ الرَّحِیْمِ۔ سائل محترم کا سوال نامہ اور مذکورہ فی السوال کتاب کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں مسائل کے اعتبار سے بعض جگہ بہت غیر ذمہ دارانہ جلد بازی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۵ پر ایک جگہ ایسی تشبیہ پیش کی گئی جس میں گستاخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شائبہ لازم آتا ہے یہ

چیزیں کمزوریِ علم کو ثابت کرتی ہیں۔ بہرکیف اس کی تفصیل سے غرض نہیں بیان وضاحت مذکورہ مسئلے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں آپ کے استفتائی سوال کے بعد رکن یمانی کے مسئلے پر تحقیق کا آغاز کیا۔ مختلف کتب فقہ اور صحاح ستہ کی کتب احادیث کے علاوہ دیگر کتب احادیث کا بغور بار بار مطالعہ کیا علماءِ مکہ مکرمہ اور علماء مدینہ منورہ سے گفتگو ہوئی۔ فقہ اربعہ سے تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس تمام چھان بین اور محنت شاقہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رکن یمانی کا استلام بالکل اسی طرح سنت موکدہ ہے جس طرح رکن اسود کا۔ یعنی جس طرح ۱؎ اسود کو ہونٹوں سے چومنا سنت ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ۲؎ داہنا یا بایاں ہاتھ لگائے اور ہاتھ کو چومے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ۳؎ کسی بھی ہاتھ سے ۴؎ یا چھڑی سے اشارہ کرے اور اس ہاتھ یا چھڑی کو چومے بالکل ان ہی چار طریقوں سے رکن یمانی کا استلام کرے اور جس طرح ہر چکر میں حجرِ اسود کا استلام ہوتا ہے اس طرح سات مرتبہ رکن یمانی کا استلام کرنا لازمی ہے۔ حقیقتاً کعبہ معظمہ مکرمہ کے صرف دو ہی رکن ہیں ۱؎ رکن یمانی اور ۲؎ رکن اسود۔ باقی دو رکن ۳؎ رکن عراقی ۴؎ رکن شامی حقیقتاً رکن یعنی کونہ نہیں ہیں بلکہ یہ جگہ درمیان دیوار ہے کیونکہ کعبہ حطیم تک ہے اور حطیم کی آخری دیوار گول ہے وہاں رکن بنتے ہی نہیں۔ اسی لیے صرف دو رکنوں کا استلام جائز ہے اور بجز امام وہابیہ امام ابن تیمیہ تمام فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ رکن یمانی کا چومنا سنت موکدہ مانتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ تفسیر بالرائے اور مخالفت احادیث میں مشہور گزرے ہیں۔ خود کو حنبلی کہہ کر ہمیشہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مخالفت کرتے رہے۔ مذکورہ فی السوال کتاب نے بھی امام ابن تیمیہ کی روش اختیار کرتے ہوئے تمام احادیث مبارکہ اور سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال فقہاء و مسالک ائمۂ اربعہ سے منہ پھیرا۔ بلکہ ابن تیمیہ سے بھی زیادہ سخت غصیلی جذباتی شکل اختیار کی۔ یہ کتاب ایسے لہجے میں مسائل بیان کرتی ہے کہ جس پر عمل ناممکن ہے اور ان طریقوں کا ثبوت بھی کوئی نہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ طواف کو نماز کے مشابہ کہہ کر حاجی کے طواف پر چند غیر ضروری غیر ثبوتی سختیاں و پابندیاں عائد کرتے ہیں ۱؎ یہ کہ کعبے کی طرف قطعاً نہیں دیکھ سکتے اور نہ دائیں بائیں۔ جیسے کہ نماز میں۔ گویا کہ اگر کسی نے طواف کرتے ہوئے کسی مجبوری سے دائیں بائیں دیکھ لیا تو نماز کی طرح طواف بھی ٹوٹ جائے گا۔ حالانکہ یہ سختی و تشبیہ قطعاً غلط ہے اس کا کہیں کوئی ثبوت یا احادیث میں ذکر نہیں ۲؎ رکن یمانی کو ہاتھ لگاتے وقت پیر اپنی جگہ سیدھے قائم رہیں۔ یہ مسئلہ بھی غلط اور ناممکن العمل ہے نہ اس کا کہیں احادیثِ مطہرات میں

ذکر ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدھا ہاتھ رکن یمانی کو لگایا جائے اور دونوں پاؤں اپنی جگہ ہی رہیں۔ کیا انسانی پاؤں میں پھرنے والی کرسی کی طرح گول رنگ لگے ہوتے ہیں جو پاؤں کو ایک جگہ رکھے اور انسان گھوم جائے ۔ ۳ یہی پاؤں کو سیدھا رکھنے والی اور سینہ و باقی جسم گھمانے والی ناممکن العمل پابندی استلام حجر اسود کے وقت بھی لگائی ہے۔ ان سختیوں کی پابندیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مسائل و دلائل سے ناواقف ہے اور اپنی شریعت منوانا چاہتا ہے۔ حالانکہ ان بیہودہ پابندیوں کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ حوالہ نہ تذکرہ نہ کسی امام برحق کا مسلک نہ ایسی غلط اور بیہودہ و جذباتی تحریرات پر عمل ممکن ہے خاص کر آج کل انتہائی بھیڑ کے زمانے میں ہم اپنے فتوے کی تحقیق **تین فصل** میں پیش کرتے ہیں۔ **پہلی فصل** میں استلام رکن یمانی کا ثبوت احادیث مبارکہ سے **دوسری فصل** میں استلام یمانی کا ثبوت ائمہ اربعہ کے مذہب سے **تیسری فصل** میں دیگر فقہاء عظام کے اقوال پاکیزہ سے۔ **پہلی فصل۔ دلائل احادیث کے بیان میں۔ پہلی حدیث۔ بخاری شریف جلد اول کتاب المناسک ص ۲۱۸** حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ. ترجمہ سالم بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کرتے ہوئے صرف دو یمانی رکنوں کو چومتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث پاک سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی دونوں کا استلام ایک ہی طرح کا ہے۔ **دوسری حدیث مسلم شریف جلد دوم کتاب الحج باب ۴۰ حدیث ۲۴۲ ص ۹۲۴ اور ص ۹۲۵ مطبوعہ بیروت**۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ **تیسری حدیث۔ مسلم شریف دوم**۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنْ اَرْكَانِ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَ الْاَسْوَدَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ اَيْ رُكْنَ الْيَمَانِيْ۔ **حدیث چہارم** عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا تَرَكْتُ اِسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيْ وَالْحَجَرِ مُذْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا فِيْ شِدَّةٍ وَرَخَاءٍ۔ ترجمہ۔ اوپر والی تین حدیثوں کا۔ حضرت یحییٰ بن یحییٰ اور حضرت سالم بن عبد اللہ اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کو ہر طواف میں ضرور چومتے تھے خواہ بھیڑ ہوتی

ہوتی یا نہ ہوتی۔ تب سے ہم نے بھی کبھی دونوں رکنوں کا استلام نہیں چھوڑا۔ **پانچویں حدیث پاک**۔ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ذَكَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَ۔ **چھٹی حدیث** عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ الْبَكْرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ غَيْرَ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔ حضرت ابوطفیل بکری روایت کرتے ہیں کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طواف کعبہ میں صرف دو رکنوں کو چومتے تھے اول حجر اسود دوم رکن یمانی۔

حدیث ساتویں۔ ابن ماجہ جلد دوم صـ۹۱۳ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنْ اَرْكَانِ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ مِنْ دُوْرِ الْجُمَحِيِّيْنَ۔

آٹھویں حدیث شریف حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَمَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاوِيَةُ لَا يَمُرُّ بِرُكْنٍ اِلَّا اسْتَلَمَهٗ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لَيْسَ شَيْءٌ مِّنَ الْبَيْتِ مَهْجُوْرًا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ العلم ان لا يستلم الا الحجر الاسود والركن اليماني فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ صَدَقْتَ ترجمہ۔ حدیث نمبر ۷ نمبر ۸ حضرت احمد بن عمرو اور حضرت محمود بن غیلان روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف میں ہمیشہ دو رکنوں کو چومتے تھے اوّل حجر اسود دوم رکن یمانی کو۔ ابو طفیل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم چند تابعین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہے تھے کہ ہم نے دیکھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر رکن کو چوم رہے ہیں تو ان کو حضرت ابن عباس نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ فقط حجر اسود اور یمانی رکن کو ہی چومتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تو سمجھتا رہا کہ بیت اللہ کا کوئی رکن بھی چھوڑنے کے قابل نہیں تو حضرت عباس نے فرمایا کہ ہمارے لیے صرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ ہی قابلِ عمل ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا بالکل صحیح کہا تم نے۔ یہ حدیث نمبر ۸ ترمذی نے جلد اول باب استلام الحجر والرکن الیمانی صـ۱۷۲ میں نقل فرمائی اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ (الخ) والی عبارت اس کی شرح تحفۃ الاحوذی میں ہے اور جلد اول شرح معانی الآثار ابو جعفر طحاوی صـ۱۸۶

اس سے ثابت ہوا کہ طواف کے دوران بات کرنا اور کسی کو مسئلہ سمجھانا بھی جائز ہے اور بات کرنے میں توجہ کرنی بھی مخاطب کی طرف جائز ہے اس سے طواف نہیں ٹوٹتا بخلاف نماز کے لہذا طواف کو نماز کے مشابہ کرکے استلام یمانی کے وقت اس طرف ہونے کو برا کہنا جہالت ہے

نویں حدیث پاک۔ ابوداؤد جلد اول باب استلام الارکان ۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ وَلِیْدِ الطَّیَالِسِیُّ اَخْبَرَنَا لَیْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ (یمس) مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ ۔

دسویں حدیث پاک۔ ابوداود جلد اول باب استلام ارکان۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَخْبَرَنَا یَحْیٰی عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ ابْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدَعُ اَنْ یَسْتَلِمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالْحَجَرَ فِیْ طَوَافِہٖ (طَوْفَتِہٖ) قَالَ وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ ۔

ترجمہ۔ ابوولید طیالسی روایت کرتے ہیں کہ آقاء دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہی اپنے ہر طواف (یعنی ہر چکر میں) رکن یمانی کو بھی چوما اور حجر اسود کو بھی اور فرمایا کہ عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

گیارھویں حدیث پاک۔ نسائی شریف جلد اول باب استلام۔ الرُّکْنَیْنِ فِیْ کُلِّ طَوَافٍ۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْتَلِمُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالْحَجَرَ فِیْ کُلِّ طَوَافٍ ۔

بارھویں حدیث پاک۔ نسائی شریف جلد اول باب استلام۔ اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَا حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ

تیرھویں حدیث پاک نسائی جلد اول باب مسح الرکنین اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ ۔

چودھویں حدیث پاک نسائی باب ترک استلام الرُّکْنَیْنِ الْاٰخِرَیْنِ ۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ اَنْبَأَنَا ابْنُ اِدْرِیْسَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ وَابْنِ جُرَیْجٍ وَمَالِكٍ عَنِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ جُرَیْجٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَاَیْتُكَ لَا تَسْتَلِمُ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا هٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ اِلَّا هٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ مختصراً **پندرھویں حدیث پاک**

نسائی جلد اول ۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو وَالْحٰرِثُ بْنُ مِسْکِیْنٍ قِرَاءَۃً عَلَیْہِ وَاَنَا اَسْمَعُ عَنِ ابْنِ وَھْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَ الْاَسْوَدَ وَالَّذِیْ یَلِیْہِ مِنْ نَحْوِ دُوْرِ الْجُمَحِیِّیْنَ ۔ ترجمہ۔ ان پانچ احادیث کا حضرت محمد بن مثنیٰ۔ اور حضرت اسماعیل بن مسعود اور حضرت قُتَیْبَہ اور حضرت محمد بن علاء۔ اور حضرت احمد بن عمرو نے روایت فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر طواف میں حجر اسود کو بھی بوسہ دیتے تھے اور اس رکن کو بھی بوسہ دیتے تھے جو جُمَحِیِّیْن کے گھروں کی طرف سے حجر اسود سے ملتا ہے۔ یعنی رکن یمانی کو۔ **سولھویں حدیث پاک۔ نسائی جلد اول**۔ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا تَرَکْتُ اِسْتِلَامَ ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ مُنْذُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُھُمَا اَلْیَمَانِیَّ وَالْحَجَرَ فِیْ شِدَّۃٍ وَّلَا رَخَاءٍ ۔

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف میں حجر اسود اور رکن کو ضرور بوسہ دیتے ہیں۔ خواہ بھیڑ سخت شدت کی ہوتی یا لوگ کم ہوتے تب سے میں نے بھی ان دونوں رکنوں کو چومنا لازم کر لیا ہے۔ نسائی کی اس حدیث اور سابقہ مذکورہ چوتھی حدیث مسلم شریف جلد دوم کی اشارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکن یمانی کو دور سے بھی استلام کرنا لازم ہے اس لیے کہ بھیڑ میں نہ تو قریب آیا جا سکتا ہے اور نہ زبردستی دھکم پیل اور جبراً طاقت آزمائی سے لوگوں کو چیر کر قریب آنا جائز خاص کر شان نبوت سے یہ بات بعید ہے مگر اس کے باوجود رکن یمانی کا استلام ضروری ہے صاف ظاہر ہوا کہ دور سے بھی اشارہ کر کے استلام رکن یمانی لازم ہے۔ لوگوں کو چیر کر آگے آنے سے تو خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق اعظم کو منع فرمایا تھا۔ چنانچہ مسند احمد حنبل کے حوالے سے نیل الاوطار جلد پنجم کے صد۱۱ پر ہے۔ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا عُمَرُ اِنَّکَ رَجُلٌ قَوِیٌّ لَا تُزَاحِمْ عَلَی الْحَجَرِ فَتُؤْذِی الضَّعِیْفَ اِنْ وَجَدْتَ خَلْوَۃً فَاسْتَلِمْہُ وَاِلَّا فَاسْتَقْبِلْہُ وَھَلِّلْ وَکَبِّرْ رَوَاہُ اَحْمَدُ ترجمہ۔ فاروق اعظم رضی تعالیٰ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ اے عمر تو بے شک ایک قوی جوان مرد ہے خبردار استلام حجر کے وقت دھکم پیل نہ کرنا کہ کہیں کمزور آدمیوں کو تم تکلیف پہنچاؤ اگر گنجائش جگہ پاؤ تو منہ لگا کر استلام کر لو ورنہ اس کی طرف

صرف منہ کرکے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۔ پڑھو اور تکبیر کہو۔ ثابت ہوا کہ بھیڑ میں استلام دور سے ہی ہوتا ہے اور چونکہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام بھیڑ میں بھی رکن یمانی کا استلام کرتے تھے اس لیے صرف اشارۃ النص ہی نہیں بلکہ سابقہ حدیث کی دلالۃ النص سے بھی ثابت ہوا کہ رکن یمانی کا استلام دور سے بھی ضروری ہے خواہ ہاتھ کے اشارے کرکے ہاتھ کو چومے یا لکڑی کا اشارہ چومے۔ **ستارھویں حدیث پاک**۔ کتاب الدّرایہ لِاَحادیث الھدایہ صٓ پر ہے۔

فِیْ کِتَابِ الْاٰثَارِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ فَلَقِیْتُ سَعِیْدَ ابْنَ جُبَیْرٍ فَقَالَ اِنَّمَا طَافَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ وَھُوَ شَاكٍ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ بِمِحْجَنٍ۔ وَفِی الْبَابِ عَنْ اُمِّ عِمَارَةَ رَوَاہُ الْوَاقِدِیْ فِی الْمَغَازِیْ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ اَبِیْہِ اَخْرَجَہُ الْبَغَوِیُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَالْعُقَیْلُ فِیْ تَرْجَمَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ۔

ترجمہ۔ امام محمد بن حسنؒ کی کتاب الآثار میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث پاک کی ہم کو خبر دی ہے جو حضرت حماد سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا۔ حالانکہ آپ ہتھیار باندھ کر طواف فرما رہے تھے آپ دونوں رکنوں کا ہر چکر میں اپنی لاٹھی مبارک سے استلام فرما رہے تھے اس روایت کو باب میں ام عمارہ نے اور واقدی نے اپنی کتاب مغازی اور ابی مالک اشجعی نے اپنے والد سے۔ اور امام بغوی اور ابن قانع نے بھی روایت کیا اور امام عقیلی نے محمد بن عبدالرحمٰن کے ترجمے میں نقل فرمایا۔ اس کی شرح حاشیہ کے صدایہ اول حاشیہ ۱ صٓ۲۳ پر ہے لہ۔ قَوْلُہٗ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ۔ اَرَادَ بِھَا الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَ وَاِنَّمَا جَمَعَہٗ بِاِعْتِبَارِ تَکْرَارِ الْاَشْوَاطِ ۔

ترجمہ۔ حدیث پاک کا یہ فرمان کہ ارکان کا استلام فرماتے تھے ارکان سے مراد حجر اسود اور رکن یمانی ہے اور لفظِ ارکان کو جمع فرمانا طواف کے چکروں کے اعتبار سے ہے۔ اس حدیث پاک سے استلام کی چوتھی قسم ثابت ہوئی یعنی رکن یمانی کو دور سے لاٹھی یا چھڑی کے اشارے سے استلام کرنا۔ **اٹھارھویں حدیث پاک**۔ محدث کبیر امام شوکانی کی کتاب نیل الاوطار جلد پنجم صٓ۱۱۵ پر ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَسْحَ الرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ وَالرُّکْنِ الْاَسْوَدِ یَحُطُّ الْخَطَایَا حَطًّا۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ۔ ترجمہ حضرت ابن عمر نے روایت کیا کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک رکن اسود اور یمانی کو چومنا خطاؤں کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ اس

حدیث مبارکہ کو امام احمد اور نسائی نے بھی روایت فرمایا۔ **انیسویں حدیث پاک** نیل الاوطار۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمَسُّ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الْیَمَانِیَیْنِ۔ رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا التِّرْمِذِیَّ لٰکِنَّ لَہٗ مَعْنَاہُ مِنْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ **بیسویں حدیث پاک** نَیْلُ الْاَوْطَارِ جلد ۵ صفحہ ۱۱۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَدَعُ اَنْ یَّسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ فِیْ کُلِّ طَوَافِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ ترجمہ۔ نیل الاوطار کی حدیث نمبر ۱۹ اور نمبر ۲۰ کا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکنوں کو چومتے تھے۔ اپنے ہر طواف میں یعنی یمانیین کو اس حدیث پاک کو محدثین کی پوری جماعت نے روایت کیا۔ مگر ترمذی نے کچھ لفظی تغیر سے اس کا مفہوم روایت فرمایا۔

ان مندرجہ بالا بیس احادیث میں۔ دونوں رکنوں کے استلام کو ایک درجہ دیا گیا ہے اور ایک ساتھ دونوں کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح رکن اسود کا چومنا اور استلام ضروری وسنتِ مؤکدہ ہے اور جو چار طریقے حجر اسود کے استلام کے ہیں وہی درجہ اور وہی چار طریقے رکن یمانی کے استلام کے ہیں ان میں فرق کرنا جُہلا کا کام ہے یا احادیث سے ناواقفی اور عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علوم معرفت کی یہی ہدایت دینے والا ہے جس کو چاہے ہدایت اور فہم وتفقہ فی الدین عطا فرمائے آج کل لوگوں نے کتابیں لکھنا اور مصنف بن بیٹھنا کھیل تماشہ بنالیا ہے۔ **اکیسویں حدیث پاک** عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَکِ کَانَ یَتَکَلَّمُ وَدُمُوْعُہٗ تَسِیْلُ وَوَثَّقَہٗ ابْنُ مُعِیْنٍ وَاَبُوْحَاتِمٍ۔

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طواف میں رکن یمانی کو منہ لگا کر چوما کرتے تھے اور ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ آپ رکن یمانی سے کلام بھی فرماتے تھے اور آپ کے آنسو مبارک بہتے تھے۔ اس حدیث پاک کو محدث ابن معین اور محدث ابو حاتم نے بہت قابل بھروسہ اور مضبوط فرمایا ہے۔ اس کی شرح میں امام شوکانی مصنف نیل الاوطار نے صفحہ ۱۱۶ پر فرمایا۔ وَحَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ الَّذِیْ فِیْہِ اَنَّہٗ کَانَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَضَعُ خَدَّہٗ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی۔ (الخ) قَوْلُہٗ۔ وَیَضَعُ خَدَّہٗ عَلَیْہِ فِیْہِ مَشْرُوْعِیَّۃُ وَضْعِ الْخَدِّ عَلَی الرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ وَتَقْبِیْلِہٖ وَقَدْ ذَھَبَ اِلٰی اِسْتِحْبَابِ تَقْبِیْلِ الرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ کَمَا قَالَ صَاحِبُ الْفَتْحِ تَمَسُّکًا بِمَا ذَکَرَہُ الْمُصَنِّفُ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ الْبُخَارِیِّ فِی التَّارِیْخِ وَالدَّارَقُطْنِیْ۔ وَلٰکِنَّ الثَّابِتَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِھِمَا مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْتَلِمُہٗ فَقَطْ۔ نَعَمْ لَیْسَ فِیْ اِقْتِصَارِ ابْنِ عُمَرَ عَلَی التَّسْلِیْمِ

مَا يُنْفِي التَّقْبِيْلَ ۔ فَإِنْ صَحَّ مَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ تَعَيَّنَ تَقْبِيْلُ الْيَمَانِي ۔ ترجمہ۔ اور حضرت فقیہ اسلام عبداللہ ابن عباسؓ کی وہ حدیث پاک جس میں یہ بیان ہوا کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو بوسہ بھی دیتے تھے اور اس پر اپنا رخسار پاک بھی رکھتے تھے اس حدیث کو ابو یعلیٰ محدث نے بھی روایت فرمایا ہے اور حدیث پاک کے یہ الفاظ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رخسار پاک بھی رکن یمانی پر رکھتے تھے۔ اس فرمان اور عمل مبارک سے ہر مومن مسلمان کو جائز ہو گیا رکن یمانی پر رخسار رکھنا اور اس کو چومنا۔ (لہٰذا اس سے روکنے والا گمراہ ہے) اور بعض بڑے علم والے علماء اسلام کا مذہب یہی ہے کہ طواف میں رکن یمانی کو منہ لگا کر چومنا مستحب ہے جیسے فرمایا صاحب فتح نے دلیل پکڑتے ہوئے اسی حدیث پاک سے جس کا ذکر کیا مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباس کی حدیث پاک سے۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہی مسئلہ درست ہے ان کی کتاب التاریخ میں۔ اور دارِقطنی میں بھی اسی کو درست فرمایا ہے لیکن جو روایت صحیحین اور ان کے علاوہ کچھ کتابوں میں سے ابن عمر کی روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو صرف استلام فرماتے تھے تو اس پوری روایت کو چھوڑ کر کے ابن عمر کا بیان کرنا۔ اگر ابن عمر کی ہی روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو رکن یمانی کو چومنا شرعًا معین ہو گیا۔ اس لیے کہ حضرت ابن عمر نے صرف استلام یمانی کا ذکر کیا جو وضاحت طلب ہے کیونکہ استلام چار قسم کا ہے گویا ابن عباس نے استلام کی وضاحت فرما دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ سے چومنے والا استلام رکن یمانی بھی فرمایا۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ کہ ہم نے پہلی فصل میں اکیس احادیث مبارکہ سے ثابت کر دیا کہ رکن یمانی کو استلام کرنا بھی بالکل اسی طرح چار طرح سنت ہے جس طرح حجر اسود کو۔ خیال رہے کہ لفظ استلام باب افتعال کا مصدر ہے اس کا مادہ یا "سَلْم" ہے یا "سِلْم" لغات کی تمام کتابوں میں سلم کا معنیٰ ہے۔ جھکنا۔ چھونا۔ چومنا اور "سلم" کا معنیٰ ہے۔ چھا جانا۔ پر پھیلانا۔ سلیم الطبع ہونا خشوع و خضوع کرنا اس کی جمع "اَسْلُمْ" یا "سلام" ہے "استلام" کا اصطلاحی ترجمہ ہے۔ کسی چیز کو چومنا۔ اور شریعت پاک میں چومنا چار طریقے سے ادا ہو سکتا ہے نمبر۱ منہ لگا کر ہونٹوں سے چومنا نمبر۲ ہاتھ لگا کر۔ ہاتھ سے چومنا (ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا) نمبر۳ دور سے ہاتھ سے اس طرف اشارہ کرنا اور اسی ہاتھ کو چوم لینا نمبر۴ کسی لکڑی وغیرہ سے اس طرف اشارہ کرنا اور اس لکڑی وغیرہ کو چومنا۔ لہٰذا استلام عام ہوا چاروں قسموں کو۔ جب مطلقًا "استلام" فرمایا جائے تو ہر قسم مراد لی جا سکتی ہے رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام تو سنتِ مؤکدہ مگر اس کی یہ چاروں اقسام سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک ہی قسم کا استلام کیا نہ کہ سب اکٹھے بیکدم۔

دوسری فصل۔ ائمہ اربعہ کے مذہب اور مسلک وفرامین کے بارے میں۔

۱ امام اعظم ابوحنیفہؓ کا مسلک۔ بحمدہٖ تعالیٰ پہلی فصل میں ہم نے احادیث مطہرات کی اکیس دلیلوں سے ثابت کر دیا کہ رکن یمانی کا استلام بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح حجر اسود کا استلام۔ میری نظر سے ایک بھی حدیث یا روایت ایسی نہیں آئی جس میں یہ لکھا ہو کہ فقط داہنا ہاتھ یا دونوں ہاتھ لگاؤ اور اگر بھیڑ ہو تو استلام یمانی چھوڑ دو۔ یا یہ کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے استلام میں کچھ فرق ہے یا یہ کہ رکن یمانی کی طرف سینہ اور چہرہ نہ ہونا چاہیے۔ پتہ نہیں اس مصنف کتاب اللہ کے بندے نے یہ غلط پابندیاں اور جذباتی مسئلے کہاں سے لے لیے۔ رکن یمانی کے استلام کے جواز میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہے۔ **بائیسویں دلیل۔** چنانچہ مسند امام اعظم۔ ص۱۱۸ حدیث نمبر ۴۵ ۲ میں قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ طَافَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْبَیْتِ وَھُوَ شَاکٍ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ یَسْتَلِمُ الْاَرْکَانَ بِمِحْجَنِہٖ۔

ترجمہ۔ امام اعظم نے حضرت حماد سے روایت فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنایا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیٹھ کر ہتھیار اپنے جسم پہ باندھے ہوئے رکنوں کو استلام فرمایا اپنے عصا مبارک سے۔ یعنی عصا کو اشارہ کر کے چوما۔ ارکان جمع فرمانے کی وجہ ہم نے پہلے درایہ کی حدیث پاک میں صدایہ کے حاشیہ نمبر ایک سے بیان کر دی کہ جمع فرمانا چکروں کی جمعیت وکثرت کی وجہ سے ہے مراد یہی دو رکن ہیں ۱ یمانی اور ۲ حجر اسود۔ **تیئیسویں دلیل۔ طحاوی شریف شرح معانی الآثار جلد دوم ص۱۸۵ پر ہے۔** وَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّسْتَلَمَ مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ وَھٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی ۔ ترجمہ اور بے شک نہیں چاہیے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے بجز دو یمانی رکنوں کے کسی اور رکن کا استلام کرنا یہی مذہب اور فرمان امام اعظم کا ہے اور یہی مسلک امام یوسف اور امام محمد کا ہے۔ ثابت ہوا کہ حنفی مسلک میں بھی رکن یمانی کا استلام کرنا بالکل حجر اسود کی طرح ضروری ہے۔ **چوبیسویں دلیل۔ ۲ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک۔ موطا امام مالک جلد اول ص۲۶۶** حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ

بْنِ عَوْفٍ كَيْفَ صَنَعْتَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ فِي اسْتِلَامِ الرُّكْنِ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اسْتَلَمْتُ وَتَرَكْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْتَ اس کی شرح میں ہے اِسْتَلَمْتُ أَيْ حِيْنَ قَدَرْتُ وَتَرَكْتُ أَيْ حِيْنَ عَجَزْتُ ۔ ترجمہ۔ امام مالکؒ نے حضرت ہشام بن عروہ سے اور انہوں اپنے والد سے روایت کیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن عوفؓ سے فرمایا کہ تم نے رکن اسود کا استلام (منہ سے چومنا کس طرح کیا۔ آپ نے عرض کیا کہ جب میں نے جگہ پائی تو چوم لیا اور جب بھیڑ نے آگے ہونے سے عاجز کر دیا تو میں نے استلام چھوڑ دیا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ۱ رکن مطلق فرمایا گیا عام خیال میں حجر اسود ہی مراد ہے ۲ استلام کا معنیٰ منہ لگا کر چومنا ہے ورنہ ہر طرح کا استلام چھوڑنا تو منع ہے۔ خلاف سنت ہے۔ بالکل ترک کو اَصَبْتَ نہ فرمایا جاتا۔ پچیسویں دلیل۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا وَكَانَ لَا يَدَعُ الْيَمَانِيَّ إِلَّا أَنْ يُغْلَبَ عَلَيْهِ ۔

ترجمہ۔ امام مالک نے حضرت ہشام بن عروہ سے روایت فرمایا۔ ہشام نے فرمایا کہ میرے والد جب کبھی بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو دونوں رکنوں کو ہر چکر میں منہ سے چومتے تھے اور خاص کر رکن یمانی کو چومنا کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ مگر جب ان پر بھیڑ کی جاتی چھبیسویں دلیل۔ قَالَ مَالِكٌ سَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ إِذَا رَفَعَ الَّذِيْ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ يَدَهُ عَنِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ أَنْ يَضَعَهَا عَلٰى فِيْهِ۔ ترجمہ۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے بعض اہل علم سے سنا کہ وہ شخص جو طواف بیت اللہ کر رہا ہو وہ جب دور سے رکن یمانی کے استلام کے لیے اپنا ہاتھ اٹھائے تو مستحب ہے کہ اپنے اس ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھے (چومنے کے لیے) چھبیسویں دلیل۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک۔ اَلْمُهَذَّبُ فِيْ فِقْهِ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ جلد اول ص ۳۲۹ ۔ فَإِذَا بَلَغَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَلِمَهُ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْأَسْوَدَ وَلَا يَسْتَلِمُ الْآخَرَيْنِ . (الخ) وَيُسْتَحَبُّ لِأَنَّهُ رُكْنٌ بُنِيَ عَلٰى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُسَنُّ فِيْهِ الْإِسْتِلَامُ كَالرُّكْنِ الْأَسْوَدِ وَيُسْتَحَبُّ الرُّكْنَيْنِ فِيْ طَوْفِهِ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَيْنِ فِيْ كُلِّ طَوْفَةٍ ۔ ترجمہ۔ پھر جب رکن یمانی کے پاس پہنچے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو چومے اسی حدیث پاک کی وجہ سے جس کو عبد اللہ بن عمرؓ نے روایت فرمایا کہ بے شک آقا

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور اسود کو چوما کرتے تھے اور دوسرے دو رکنوں کو بالکل استلام نہ فرماتے تھے اور رکن یمانی کو چومنا اس لیے بھی مستحب ہے کہ یہ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق ہے لہذا اس میں استلام کرنا بالکل اسی طرح مسنون ہے۔ جیسے کہ حجر اسود کا۔ اور مستحب یہ ہے کہ ان دونوں رکنوں کو طواف کے ہر چکر میں چومے اسی حدیث کی دلیل سے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا کہ بے شک آقا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رکنوں کو طواف کے ہر چکر میں چوما کرتے تھے۔ **ستائیسویں دلیل۔ کتاب فقہ شافعی مُغنی المحتاج جلد اول صہ ۴۸۸** عَلٰی مَتْنِ مِنْهَاجِ شَافعی ۔ قَوْلُهٗ وَيَسْتَلِمُ الْيَمَانِيَ وَلَا يُقَبِّلُهٗ ۔ وَيَسْتَلِمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ ۔ نُدُبًا فِيْ كُلِّ طَوْفَةٍ لِلْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ ۔ قَوْلُهٗ وَلَا يُقَبِّلُهٗ ۔ لِاَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ وَلٰكِنْ يُقَبِّلُ بَعْدَ اِسْتِلَامِهٖ مَا اِسْتَلَمَهٗ بِهٖ فَاِنْ عَجَزَ عَنْ اِسْتِلَامِهٖ اَشَارَ اِلَيْهِ كَمَا نَقَلَهٗ اِبْنُ عَبْدِ السَّلَامِ خِلَافًا لِاِبْنِ اَبِي الصَّيْفِ الْيَمَنِيِّ لِاَنَّهَا بَدَلٌ عَنْهُ لِتَرَتُّبِهَا عَلَيْهَا عِنْدَ الْعِجْزِ فِي الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَكَذَا هُنَا وَمُقْتَضَى الْقِيَاسِ اَنَّهٗ يُقَبِّلُ مَا اَشَارَ بِهٖ وَهُوَ كَذٰلِكَ كَمَا اَفْتٰى بِهٖ شَيْخِيْ وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ تَقْبِيْلِ الْاَرْكَانِ اِنَّمَا هُوَ نَفْيُ كَوْنِهٖ سُنَّةً فَلَوْ قَبَّلَهُنَّ اَوْ غَيْرَهُنَّ مِنَ الْبَيْتِ لَمْ يَكُنْ مَكْرُوْهًا وَلَا خِلَافَ الْاَوْلٰى بَلْ يَكُوْنُ حَسَنًا كَمَا نَقَلَهٗ فِي الْاِسْتِقْصَاءِ عَنْ نَصِّ الشَّافِعِيِّ ۔

ترجمہ۔ متن منہاج کا قول کہ رکن یمانی کو چھوئے مگر ہونٹ لگا کر اس کو نہ چومے اور استلام کرے۔ رکن یمانی کا مستحب ضروری سمجھتے ہوئے اسی مذکور حدیث پاک کی دلیل کی وجہ سے اور اس کا یہ کہنا کہ منہ لگا کر نہ چومے صرف اس لیے ہے کہ امام شافعی کو اس کی کوئی روایت کسی نے نہ پہنچائی لیکن امام شافعی کے نزدیک ہاتھ لگا کر ہاتھ کو ضرور ہونٹوں سے چومے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے استلام یمانی سے عاجز ہو تو دور سے اشارہ اس لیے ضروری ہے کہ وہ استلام بالید کا بدلہ ہے بالکل اسی پر مرتب ہونے کی وجہ سے جیسا کہ حجر اسود میں بھیڑ سے عاجزی کے وقت کیا جاتا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی اور شرعی قیاس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ اس چیز کو ضرور ہونٹوں سے چومے جس سے رکن یمانی کی طرف اشارہ کیا ہے اور صحیح مسئلہ بھی یہی ہے جیسا کہ میرے شیخ نے اسی مذہب پر فتوای جاری کیا ہے اور وہ جو کہا گیا ہے کہ رکنوں کو منہ لگا کر نہ چومو اس سے امام شافعی کی مراد یہ ہے کہ یہ بات ان کے نزدیک سنت سے ثابت نہیں۔ لیکن اگر کسی نے منہ لگا کر بھی ان کو یا کعبے شریف کے کسی بھی حصے کو چوما تو نہ مکروہ ہوگا نہ خلاف اولیٰ بلکہ چومنا حسن ہے جیسا کہ کتاب الاستقصاء

میں امام شافعی سے روایت ہے۔ **اٹھائیسویں دلیل۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب۔ المغنی** لابن قدامہ جلد سوم صفحہ ۳۷۹ پر ہے مسئلۃ۔ قَالَ وَلَا یَسْتَلِمُ وَلَا یُقَبِّلُ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الْاَسْوَدَ وَالْیَمَانِیَ۔ اَلرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ قِبْلَۃُ اَھْلِ الْیَمَنِ وَالرُّکْنُ الْاَسْوَدُ وَھُوَ قِبْلَۃُ اَھْلِ خُرَاسَانَ (الخ) فَاِذَا وَصَلَ الرَّابِعَ وَھُوَ الرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ اِسْتَلَمَہٗ قَالَ الْخِرَقِیُّ وَیُقَبِّلُہٗ وَالصَّحِیْحُ عَنْ اَحْمَدَ اَنَّہٗ لَا یُقَبِّلُہٗ (الخ) قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ جَائِزٌ عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنْ یَسْتَلِمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالرُّکْنَ الْاَسْوَدَ۔ لَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ وَلَنَا قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَسْتَلِمُ اِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَسْتَلِمُ الرُّکْنَیْنِ الْاَسْوَدَ وَالْیَمَانِیَ فِیْ کُلِّ طَوَافِہٖ۔

ترجمہ۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ طواف کعبہ میں کسی رکن کا نہ استلام کرے نہ اس کو چومے سوائے حجر اسود اور یمانی کے۔ رکن یمن والوں کا قبلہ ہے اور رکن اسود خراسان والوں کا قبلہ ہے یعنی ان سمتوں پر یہ دونوں ملک واقع ہیں۔ اس طرح رکن عراقی کی سیدھ میں عراق اور رکن شامی کی سیدھ میں شام واقع۔ طواف کرنے والا جب چوتھے رکن یعنی رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اس کو استلام کرے امام خرقی حنبلی نے فرمایا کہ اس کو منہ لگا کر چومے لیکن امام احمد بن حنبلؒ کا ایک صحیح قول یہ ہے کہ منہ سے نہ چومے اور امام ابن عبدالبر حنبلی نے فرمایا کہ اہل علم کے نزدیک دونوں رکنوں کا استلام جائز ہے یعنی اسود اور یمانی اور دونوں کے استلام میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہماری دلیل ابن عمر کا فرمان ہے کہ بیشک آقا صلی اللہ علیہ وسلم صرف حجر اسود اور یمانی کا اپنے ہر طواف میں استلام فرماتے تھے اور طواف کرنے والے کو چاہیے کہ دونوں رکنوں کو چومے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ہم نے اس دوسری فصل میں ثابت کر دیا کہ چاروں ائمہ مجتہدین رکن یمانی کو استلام کرنا سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اگر چہ کچھ باتوں میں معمولی اختلاف ہے نیز کسی امام کا یہ فرمانا کہ تقبیل یمانی کی حدیث مجھے نہیں ملی تو اس سے اصل مسئلہ متاثر نہیں ہوتا کیونکہ اس زمانے میں کسی شخص کو کسی حدیث کا نہ ملنا کوئی تعجب خیز نہیں اور نہ ہی اس سے حدیث کی نفی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح آسانیاں نہ تھیں کہ ایک مسئلے کے لیے سینکڑوں حوالے بیٹھے بیٹھے ایک عام لائبریری سے مل جاتے ہیں اس وقت تو ایک روایت کو تلاش کرنے کے لیے دنیا جہان کا سفر کرنا پڑتا تھا اور وہ بھی ہزار مصیبتوں کے ساتھ۔ **تیسری فصل۔ شارحین اور فقہاء عظام کے اقوال مبارکہ۔ انتیسویں دلیل۔ کتاب عون المعبود شرح سنن ابو داؤد** جلد سوم صفحہ ۲۲۶ پر ہے وَاسْتَحَبَّ بَعْضُھُمْ تَقْبِیْلَ الرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ۔ اِنْتَھٰی قَالَ الْمُنْذِرِیُّ وَاَخْرَجَہٗ

اَلْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ ترجمہ۔ بعض علماءِ کرام نے رکن یمانی کو منہ سے چومنے کو مستحب فرمایا ہے۔ امام منذری نے فرمایا کہ اس مسلک کو امام بخاری اور مسلم اور نسائی و ابن ماجہ نے ظاہر فرمایا ہے۔ **تیسویں دلیل۔ سنن دار قطنی جلد دوم ص۲۹۰** پر ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَضَعُ خَدَّہٗ عَلَیْہِ ترجمہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو اپنے لبوں سے چومتے تھے اور اپنا رخسار مبارک اس پر رکھتے تھے۔ **اکتیسویں دلیل۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتح القدیر فتاوٰی جلد دوم ص۱۵۳**۔ کَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَضَعُ یَدَہٗ عَلَیْہِ۔ **بتیسویں دلیل** فتاوٰی تَبْیِیْنُ الْحَقَائِقِ شرح کنز الدقائق جلد دوم ص۱۸ پر ہے۔ اِنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ قَبَّلَہٗ **تینتیسویں دلیل۔ در مختار شامی جلد دوم ص۲۳۲**۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ ھُوَ سُنَّۃٌ وَیُقَبِّلُہٗ وَالدَّلَائِلُ تُؤَیِّدُہٗ ترجمہ۔ ان تین حوالوں کا۔ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی چومتے تھے اور اپنا رخسار پاک اس پہ رکھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا یہ سنت ہے اور اس کو منہ سے بھی ضرور چومنا چاہیے اور کثیر دلائل اس عمل شریف کی تائید کرتے ہیں۔ **چونتیسویں دلیل**۔ فتاوٰی بحر الرائق۔ جلد دوم ص۲۳۰ وَاَمَّا الْیَمَانِیُّ فَیُسْتَحَبُّ اَنْ یَسْتَلِمَہٗ وَلَا یُقَبِّلَہٗ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ھُوَ سُنَّۃٌ وَتَقْبِیْلُہٗ مِثْلُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالدَّلَائِلُ تَشْہَدُ لَہٗ فَاِنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمَسُّ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الْیَمَانِیَیْنِ کَمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یُقَبِّلُ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَیَضَعُ یَدَہٗ عَلَیْہِ رَوَاہُ الدَّارُ قُطْنِیُّ وَعَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ قَبَّلَہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِہٖ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ مَا تَرَکْتُ اِسْتِلَامَ ھٰذَیْنِ الرُّکْنَیْنِ الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالْحَجَرَ الْاَسْوَدَ مُنْذُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُھُمَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ وَالرُّکْنِ الْیَمَانِیِّ یَعُمُّ التَّقْبِیْلَ فَقَدْ دَلَّ عَلٰی سُنِّیَّۃِ اِسْتِلَامِہٖ وَاَظْھَرُ مِنْہُ مَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یَدَعُ اَنْ یَّسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ فِیْ کُلِّ طَوَافِہٖ فَاِنَّہٗ صَرِیْحٌ فِی الْمُوَاظِبَۃِ الدَّالَّۃِ عَلَی السُّنِّیَّۃِ وَاعْلَمْ اَنَّہٗ قَدْ صَرَّحَ فِیْ غَایَۃِ الْبَیَانِ اَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اِسْتِلَامُ غَیْرِ الرُّکْنَیْنِ وَھُوَ تَسَاھُلٌ فَاِنَّہٗ لَیْسَ فِیْہِ مَا یَدُلُّ عَلَی التَّحْرِیْمِ وَاِنَّمَا ھُوَ مَکْرُوْہٌ کَرَاھَۃَ التَّنْزِیْہِ وَالْحِکْمَۃُ فِیْ عَدَمِ اِسْتِلَامِھِمَا اَنَّھُمَا لَیْسَا مِنْ اَرْکَانِ الْبَیْتِ حَقِیْقَۃً لِاَنَّ بَعْضَ الْحَطِیْمِ مِنَ الْبَیْتِ فَیَکُوْنُ الرُّکْنَانِ اِذَنْ وَسْطَ الْبَیْتِ۔ ترجمہ اور لیکن رکن یمانی تو مستحب ہے کہ اس کو

استلام ضرور کرے لیکن اس کو بوسہ نہ دے۔ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ استلام سنت ہے اور اس کو منہ لگا کر چومنا حجر اسود کی طرح ہے اور تمام دلائل بھی اسی پر شاھد ہیں یعنی ابن عمرؓ کی احادیث اور ابن عباس کی احادیث رکن یمانی کو حجر اسود کے چومنے کی طرح ثابت کر رہی ہیں ان چومنے والی احادیث کو دار قطنی اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا جس میں صاف صاف لکھا ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو کبھی چوما کرتے اور کبھی ہاتھ مبارک لگایا کرتے تھے اور حجر اسود اور رکن یمانی دونوں کے لیے لفظ استلام احادیث میں فرمانا عام کرتا ہے دونوں کے چومنے کو اور چونکہ اس استلام پہ ہر طرف اور ہر جگہ میں ہمیشگی ثابت ہے۔ اس لیے یہ استلام رکن یمانی سنت مؤکدہ ہوا جس کا تارک گناہگار ہوتا ہے) باقی دو رکنوں کو استلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ وہ دونوں عراقی شامی رکن کعبہ کے بیچ میں دیوار کی طرح ہیں نہ کہ رکن اس لیے کہ کعبہ معظمہ تو آگے حطیم تک ہے۔ **پینتیسویں دلیل۔ فتاوی رملی مالکی جلد دوم حاشیہ فتاوی کبرای صـ۸۷** پر ہے۔ سُئِلَ هَلْ يُسَنُّ تَقْبِيْلُ الْيَدِ عِنْدَ الْاِشَارَةِ اِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِي اِذَا عَجَزَ عَنْ اِسْتِلَامِهٖ فَاَجَابَ نَعَمْ يُسَنُّ ترجمہ حضرت امام شمس الدین محمد الرملی مالکیؒ سے کسی نے فتوای مانگا کہ اگر کوئی شخص رکن یمانی کو چومنے یا ہاتھ لگانے سے بھیڑ کی وجہ سے عاجز ہو تو کیا دور ہی سے ہاتھ کا اشارہ کرنا اور اس ہاتھ کو چومنا سنت ہے تو آپ نے جواب فرمایا کہ ہاں یہ کام سنت ہے۔ **چھتیسویں دلیل۔** شرح نووی مالکی علی مسلم شریف جلد اول صـ۴۱۲ وَعَنْ مَالِكٍ رِوَايَةٌ اَنَّهٗ يُقَبِّلُهٗ وَعَنْ اَحْمَدَ رِوَايَةٌ اَنَّهٗ يُقَبِّلُهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ترجمہ ۔ اور امام مالک علیہ الرحمۃ سے ایک روایت ہے کہ آپ رکن یمانی کو چوما کرتے تھے اور امام احمد سے بھی روایت ہے کہ آپ بھی رکن یمانی کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم **سینتیسویں دلیل۔ فتاوی عالمگیری جلد اول صـ۲۲۶** اور اس کے حاشیے پر فتاوی قاضی خان جلد اول صـ۲۹۲ پر ہے۔ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ وَهُوَ حَسَنٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَاِسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِ مُسْتَحَبٌّ فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ ترجمہ۔ اور استلام کرے رکن یمانی کا اور یہ عمل اچھا ہے ایسا ہی ظاہر روایت میں لکھا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک رکن یمانی کو چومنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ **اڑتیسویں دلیل۔** فتاوی بُلْغَةُ السَّالِكِ اِلٰى مَذْهَبِ امام مالک جلد اول صـ۲۶۷ پر ہے۔ وَسُنَّ اِسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِ اَوَّلَ شَوْطٍ بِاَنْ يَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَيْهِ وَيَضَعُهَا عَلٰى فِيْهِ (الخ)

وَاَمَّا تَقْبِيْلُ الْحَجَرِ وَاِسْتِلَامُ الْيَمَانِيِ فِي بَاقِي الْاَشْوَاطِ فَمَنْدُوْبٌ كَمَا يَأْتِيْ ۔ ترجمہ۔ اور

سنت فرمایا گیا ہے رکن یمانی کا استلام طواف کے پہلے چکر میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا ہاتھ اس رکن یمانی پر رکھے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھ کر چوم لے اور حجر اسود کی تقبیل اور یمانی کا استلام طواف کے باقی چکروں میں مستحب ہے جیسا کہ آئندہ وضاحت ہوگی۔ **اٹھتالیس دلیل تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد دوم صـ۱۸** پر ہے۔ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ اِذَا اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيْ قَبَّلَهٗ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے تو اس کو منہ سے چومتے تھے۔ **چالیسویں دلیل۔ امام علامہ جیون حنفی علیہ الرحمۃ نے** اپنی کتاب المناسک میں صـ۲۰ پر فرمایا۔ وَصِفَتُ اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيْ مِثْلُ الْاَسْوَدِ كَمَا فِي الْاَحَادِيْثِ ترجمہ۔ اور رکن یمانی کا استلام بالکل اسی طریقے پر لازم ہے جیسا کہ حجر اسود کا استلام۔ ایسا ہی احادیث پاک سے ثابت ہے۔ یعنی جس طرح بوقت ضرورت حجر اسود کا چار طریقے سے استلام جائز ہے اسی طرح رکن یمانی کا استلام بھی چار طریقوں سے جائز ہے تمام احادیث مبارکہ سے یہی ثابت اور واضح ہو رہا ہے اسی لیے احادیث پاک میں دونوں رکنوں کے استلام کا ذکر بغیر تفریق ایک ساتھ ہو رہا ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث مبارکہ میں سے چند احادیث میں استلام یمانی کی وضاحت بھی منقول ہے ان چالیس دلائل میں جو کچھ ہم نے ثابت کرنا چاہا ہے وہ یہی ہے کہ رکن یمانی کو چار طریقے سے استلام کیا جانا ضروری ہے ۱۔ منہ لگا کر چومنا اس کو تقبیل کہتے ہیں۔ ۲۔ ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا دونوں یا ایک ہاتھ کوئی سا بھی احادیث میں بائیں ہاتھ کی ممانعت کہیں ثابت نہیں لیکن اگر مجبوری نہ ہو تو صرف الٹا ہاتھ لگانا بے ادبی ہے۔ اس صورت میں سینہ پھرا کر سمت کعبہ کرنا جائز ہے ۳۔ بھیڑ کی وجہ سے مجبوراً دور سے اشارہ ہاتھ کا کر کے ہاتھ کو چومنا ۴۔ یا دور سے لکڑی کا اشارہ کر کے لکڑی کو چومنا۔ یہی چار طریقے حجر اسود کے استلام کے ہیں۔ خیال رہے کہ طواف کے چکروں میں طواف کا سینہ لازماً واجباً اور چہرہ لازماً مستحباً چلتے ہوئے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ لیکن رکن یمانی اور حجر اسود کے چومنے کے وقت سینہ اور چہرہ ان رکنوں کی طرف کرنا مجبوراً جائز ہے کیونکہ استلام رکنین سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ استلام رکن یمانی سنت غیر مؤکدہ بعض کے خیال میں سنت نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ مگر یہ تمام اقوال غیر مستند اور سفاقی کم فہمی ہیں۔ احادیث میں سے کسی کی تائید ظاہر و ثابت نہیں۔ احادیث مبارکہ سے صرف پہلے قول جمہور کی ہی تائید ہوتی ہے خیال رہے کہ سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ اور مستحب واجب و فرض کے الفاظی القاب صرف فقہاء عظام کے اصطلاحی نام ہیں ورنہ یہ القابات کسی بھی عبادت کے لیے احادیث و آیت

سے ثابت نہیں۔ اور یہ القابِ عبادات قرآن وحدیث کے دلائل کی اقسام دیکھ کر وضع کیے گئے ہیں۔ چنانچہ جو چیز اور جو کام (آیت واحادیث کی دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ فقہا کے نزدیک فرض اور جو عبادت دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب۔ جس کو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ادا فرمایا ہو وہ سنت موکدہ ہے۔ یعنی جب بھی اس عبادت کا وقت آیا اور نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضرور ادا فرمایا تو وہ کام امت کے لیے سنتِ موکدہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ عمل شریف ایک یا دو دفعہ ہی زندگی پاک میں آیا ہو۔ اسی طرح جو کام آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معینہ وقت آنے پر کبھی کیا کبھی نہ کیا وہ سنتِ غیر موکدہ ہے۔ جس کو نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا عمل ہے وہ مستحب کہلایا۔ بہرکیف یہ نام والقاب سب اقوال مجتہدین فقہا سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن وحدیث سے ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

کتبہ

سوال ۲۵

کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلے میں کہ وضو کرتے وقت وضو کرنے والا کسی کو سلام کر سکتا ہے یا کسی دوسرے مسلمان کے سلام کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں اور کیا وضو کی حالت میں بھی سلام کا جواب دینا فرض ہے یا مستحب یا ممنوع۔

دستخط سائل۔ قاری محمد اعظم کوکب مقام چک میراں ڈاکخانہ کڑیانوالہ

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّاب

الجواب

قانونِ شریعت مطہرہ کے مطابق ہر وہ کام جس میں ذکر اللہ یا دعائیں پڑھنی ضروری ہیں اس عملی عبادت میں دنیوی بات کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اصطلاح فقہ میں ہر وہ کام دنیوی بات ہے جس میں بندوں کو خطاب ہو اگرچہ اس کلام وخطاب کا حکم شریعتِ اسلامیہ نے دیا ہو۔ لہذا کسی کو عربی الفاظ میں دعائیں دینا بھی دنیوی بات میں شمار ہوگا۔ مثلاً۔ بَارَکَ اللّٰہ۔ جَزَاکَ اللّٰہ وغیرہ۔ اسی طرح السلام علیکم اور وعلیکم السلام بھی دنیوی کلام ہوا۔ وضو بذاتِ خود ہر قسم کا اور ہر وقت کا فرضی عبادت ہے اور وضو کے ہر رکن میں ذکر اذکار ودعائیں ماثورات پڑھنا لازم ہیں۔ وضو کے دوران ہر قسم کا دنیوی کلام اپنی اپنی زبان میں اگرچہ وہ اہل عرب کی عربی زبان ہی

کیوں نہ ہو ناپسندیدہ ہے اور اکثر فقہاء کرام نے وضو میں دنیوی کلام سے منع فرمایا ہے۔ اس بنا پر وضو کرتے وقت نہ سلام کرنا درست ہے اور نہ ہی جواب دینا فرض ہے۔ اس لیے کوئی شخص بھی وضو کرنے والے کو سلام نہ کرے اور اگر کوئی بھول یا لاعلمی سے سلام کر دے تو وضو والا بحالت عمل وضو اس کو جواب نہ دے ہاں البتہ وضو سے فارغ ہو کر اگر مناسب جانے تو سلام کرے یا جواب دے۔ اس مسئلے پر چند دلائل شرعی قائم ہیں۔ پہلی دلیل۔ کتاب تصوف ذکر خیر صفحہ ۱۱۴ پر لکھا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو چار فرشتے اس پر نور کی چادر تان لیتے ہیں۔ جب ایک دنیوی بات یا خطاب کرتا ہے تو ایک فرشتہ چادر کا ایک کونہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے دوسری بات سے دوسرا فرشتہ اور تیسری و چوتھی بات سے تیسرا اور چوتھا کونہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور نور کی چادر اوپر اڑ جاتی ہے۔ کیونکہ نور اور نار کا خاصہ اوپر جانا ہے نیچے گرنا نہیں اس طرح دنیوی باتوں کا یہ نقصان ہوا کہ وضو کرنے والا نور الٰہی سے محروم رہ گیا۔ یہ تو اہل مکاشفہ کے فرمودات و مشاہدات ہیں۔ دلیل دوم۔ ویسے بھی وضو ذکر اللہ اور دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ وضو کرنے والا جب ہاتھ ہتھیلی دھونے لگے تو پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ ذکر الٰہی پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاءَ طَهُوْرًا۔ ترجمہ۔ تمام تعریفیں میرے اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے پانی کو (بندوں کے لیے) پاک کرنے والا بنایا۔ جب وہ کلی کرنے لگے تو یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِنِیْ مَاءَ حَوْضِ نَبِیِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَظْمَأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ ترجمہ۔ اے میرے رحیم کریم الٰہ مجھ کو (دنیا و آخرت میں) اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض مبارک کا پانی پلا تاکہ پھر کبھی میں ابدالآباد تک پیاس کی تکلیف میں مبتلا نہ رہوں۔ پھر جب ناک میں پانی چڑھائے تو پڑھے اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَةَ النَّارِ۔ ترجمہ اے میرے معبود مجھ کو جنت کی خوشبو عطا فرمانا اور جہنم کی بدبو سے بچانا جب منہ دھوئے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ وَفِی الْقَبْرِ وَالْحَشْرِ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ ترجمہ اے میرے اللہ پاک میرے چہرے کو نورانی چمکدار سفید فرمانا موت کے وقت اور قبر میں حشر میں اس دن جبکہ کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ اور پھر جب وضو کرنے والا اپنا سیدھا (داہنا) ہاتھ دھونے لگے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ فِیْ هٰذَا الْیَدِ۔ ترجمہ۔ اے میرے خالق تعالیٰ رحیموں کے رحیم اللہ میرا اعمال نامہ میرے اس سیدھے ہاتھ میں عطا فرمانا۔ پھر جب بایاں (الٹا) ہاتھ دھونے لگے تو پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ كِتَابِیْ فِیْ هٰذَا الْیَدِ۔

اے میرے ستار کریم اِلٰہُ العالمین میرا اعمالنامہ میرے اس الٹے ہاتھ میں نہ پکڑانا۔ جب سر کا مسح کرے تو پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ حَرِّمْ شَعْرِیْ وَبَشَرِیْ عَلَی النَّارِ ۔ ترجمہ اے غفور الرحیم مولیٰ تعالیٰ میرے جسم کے تمام بالوں اور میری کھال کو جہنم کی آگ پر حرام فرما دینا۔ جب سیدھا پاؤں دھوئے تو پڑھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ ھٰذَا عَلٰی صِرَاطِ الشَّرِیْعَۃِ وَالطَّرِیْقَۃِ ۔ ترجمہ۔ اے پروردگار عالم میرے اس مضبوط قدم کو دنیوی زندگی میں شریعت اور طریقت کے راستے پر قائم و ثابت فرمانا۔ پھر جب الٹا پیر دھوئے تو پڑھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ اَقْدَامِیْ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ النَّاسِ ۔ ترجمہ۔ اے میرے رب کریم میرے قدموں کو اس قیامت کے دن میں ثابت و مضبوط رکھنا جس دن بہت لوگوں کے قدم پھسل پھسل جائیں گے۔ پھر وضو والا اٹھ کر کھڑا ہو کر سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنَا پڑھے اور آسمان کو دیکھے پھر کلمہ شہادت پڑھے پھر عرض کرے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ وَاَوْلَادِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔
ترجمہ اے میرے خالق تعالیٰ مجھکو اور میری ساری اولاد کو سچی حقیقی توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور بنا مجھکو میری اولاد کو پاکیزہ لوگوں میں سے اور بنا مجھکو اور میری اولاد کو ان لوگوں میں سے جن پر دنیا و آخرت میں نہ کچھ خدشہ ہوتا ہے نہ غمگین و فکر مند پریشان ہوں۔

اب ثابت ہو گیا کہ وضو مجموعہ اذکار ہے اور جب بندہ دعاؤں اور ذکر اللہ میں مشغول ہو تو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا منع ہے۔ **دلیل سوم۔ فتاویٰ ردالمحتار جلد اول ص۲۷۵** پر ہے یُکْرَہُ السَّلَامُ عَلَی الْمُصَلِّیْ وَالْقَارِیْ وَالْجَالِسِ لِلْقَضَاءِ (الخ) والمشتغل بِقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ وَالدُّعَاءِ حَالَ شُغْلِہٖ وَالْجَالِسِیْنَ فِی الْمَسْجِدِ لِتَسْبِیْحٍ اَوْ قِرَاءَۃٍ اَوْ ذِکْرٍ حَالَ التَّذْکِیْرِ ۔

ترجمہ: سلام کرنا مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کو اور قرأت کرنے والے کو اور فیصلہ کرنے والے جبکہ وہ فیصلوں کے لیے بیٹھا ہو اور تلاوت والے کو اور دعائیں پڑھنے والے کو اس کی مشغولیت کی حالت میں اور مسجد میں تسبیح یا تلاوت یا کوئی سا ذکر اللہ کرنے والے کو ذکر کی حالت میں۔
اسی طرح پہلے ارشاد ہوا کہ یَاثَمُ بِالسَّلَامِ عَلَی الْمَشْغُوْلِیْنَ ۔ (الخ) وَلَوْ سَلَّمَ عَلَیْھِمْ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ الرَّدُّ لِاَنَّہٗ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ وَمَفَادُہٗ اَنَّ کُلَّ مَحَلٍّ لَا یُشْرَعُ فِیْہِ السَّلَامُ لَا یَجِبُ رَدُّہٗ وَفِیْ شَرْحِ الشِّرْعَۃِ صَرَّحَ الْفُقَھَاءُ بِعَدَمِ وُجُوْبِ الرَّدِّ فِیْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ ۔
ترجمہ۔ اذکار میں مشغول لوگوں کو سلام کرنے سے سلام کرنے والا گناہ گار ہوگا اور اگر کسی نے ایسے حضرات کو سلام کر دیا تو ان ذکر اور دعائیں پڑھنے والوں پر جواب دینا ضروری نہیں ہے اور کتاب شرح شرعۃ میں ہے کہ فقہاء کرام نے وضاحت فرما دی ہے کہ بعض موقعوں پر سلام کا جواب

دنیا ضروری نہیں۔ چوتھی دلیل۔ شامی علیٰ درمختار جلد اوّل صفحہ ۵۷۶ پر ہے فَیُکْرَہُ السَّلَامُ عَلٰی مُشْتَغِلٍ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِاَیِّ وَجْہٍ کَانَ ترجمہ۔ سلام کرنا مکروہ ہے ذکر اللہ میں مشغول ہونے والوں کو خواہ کسی بھی صورت سے وہ ذکر اللہ کرتے ہوں۔ ان تمام دلائل سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ وضو کرنے والے کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کوئی سلام کر دے تو وضو کرنے والا اس کو سلام کا جواب نہ دے کیونکہ حالت وضو بھی ذکر اذکار اور دعاؤں کا مقام ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ پانچویں دلیل فتاوٰی درمختار علیٰ تنویر الابصار جلد پنجم صفحہ ۲۶۶ پر ہے۔ وَیُکْرَہُ السَّلَامُ عَلَی الْفَاسِقِ لَوْ مُعْلِنًا وَاِلَّا لَا کَمَا یُکْرَہُ عَلٰی عَاجِزٍ عَنِ الرَّدِّ حَقِیْقَۃً کَاٰکِلٍ اَوْ شَرْعًا کَمُصَلٍّ وَقَارِیٍٔ وَلَوْ سَلَّمَ لَا یَسْتَحِقُّ الْجَوَابَ۔ ترجمہ۔ اور مکروہ ہے۔ سلام کرنا فاسق گناہ گار کو اگر اس کی بدمعاشی اور فسق و فجور لوگوں میں عام مشہور ہو۔ وگرنہ مکروہ نہیں ہے۔ جیسے کہ مکروہ ہے سلام کرنا جواب دینے سے عاجز آدمی کو خواہ وہ حقیقی عاجز ہو مثلاً طعام کھانے والا کیونکہ اس کے منہ میں نوالہ ہے جواب وہ حقیقتاً نہیں دے سکتا۔ خواہ شرعی عاجز ہو۔ مثلاً نماز پڑھنے والا اور تلاوت کرنے والا اور اگر کسی نے ان کو سلام کر دیا تو وہ سلام کرنے والا جواب کا مستحق (حقدار) نہ ہوگا۔ دلالۃً ثابت ہوا کہ وضو کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کسی نے سلام کر دیا تو جواب دینا منع ہے اور سلام والا جواب کا مستحق نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وضو کرنے والا بھی اپنے وضو اور وضو کی دعاؤں ذکر اذکار کی وجہ سے اور نورانی چادر کی وجہ سے کسی بھی دنیوی خطابی تکلم اور جواب دینے سے عاجز ہے اور یہ کراہت بھی کراہت تحریمی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اول صفحہ ۵۷۶ پر باب مَا یُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ میں ہے۔ قَوْلُہٗ سَلَامُکَ مَکْرُوْہٌ ظَاہِرُہُ التَّحْرِیْمُ الخ ترجمہ۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا فرمان کہ تیرا سلام کرنا ان فلاں فلاں قسم کے لوگوں کو مکروہ ہے۔ تو اس مکروہ سے مراد ظاہر ظہور مکروہ تحریمی ہی ہے۔ خیال رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں تقریباً انتیس ۲۹ قسم کے لوگوں کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جن میں سے نو قسم کے لوگوں کو ان کی برائی کی وجہ سے تحقیراً سلام کرنا منع ہے اور دس قسم کے لوگوں کو ان کی نیک عمل میں مشغولیت کی وجہ سے اور چھ قسم کے لوگوں کو ان کی باپردہ شرمیلے عمل کی وجہ سے سلام کرنا منع جن کی تعداد علی الترتیب اس طرح ہے نمبر۱ کافر نمبر۲ زندیق نمبر۳ بدمعاش نمبر۴ شرابی کو بحالت شراب نمبر۵ مذاق بازی میں مشغول نمبر۶ کبوتر بازنمبر۷ گویا مراثی نمبر۸ عام گالی گلوچ کرنے والا نمبر۹ پاگل مجنون نمبر۱۰ نماز پڑھنے والا نمبر۱۱ ذکر اللہ کرنے والا۔

نمبر ۱۲ تلاوت قرآن مجید کرنے والا نمبر ۱۳ جج یا قاضی جو فیصلہ کر رہا ہو یا بیان سن رہا ہو۔ نمبر ۱۴ دینی تعلیم میں مشغول استاد یا شاگرد نمبر ۱۵ دینی مسائل میں بحث مباحثہ کرنے والے اور علمی تحقیق و گفتگو میں مشغول نمبر ۱۶ دعائیں مانگنے والا نمبر ۱۷ بوقتِ اذان نمبر ۱۸ جمعہ وعیدین کے خطبے کے وقت نمبر ۱۹ نماز کی اقامت وتکبیر کے وقت نمبر ۲۰ ننگے آدمی کو نمبر ۲۱ غسل کرنے والا نمبر ۲۲ استنجا کرنے والا نمبر ۲۳ جماع کرنے والا نمبر ۲۴ گونگا بہرا نمبر ۲۵ سونے والا یا بے ہوش نمبر ۲۶ کھانا کھانے والا یہ اٹھائیس قسم کے لوگ ہیں جن کو سلام کرنا گناہ و منع ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے سلام کا جواب دینے سے مجبور ہیں۔ ان تمام قسموں کا ذکر کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے۔ لیکن اسی تصریح کی اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا بھی اپنی دعائیں پڑھنے کی وجہ سے سلام کا جواب نہیں دے سکتا لہٰذا وہ بھی مجبورین وعاجزین کی صف میں شامل ہے ان کل انتیس قسموں کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں کو سلام کرنا سنتِ عامہ ہے اور بلند آواز سلام کرنا مستحب ہے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اور بلند آواز سے جواب دینا واجب ہے چنانچہ فتاوٰی درمختار شامی جلد پنجم صفحہ ۲۶۵ پر ہے۔ وَاعْلَمْ اَنَّهُمْ قَالُوْا اَنَّ السَّلَامَ سُنَّةٌ وَاِسْمَاعَهٗ مُسْتَحَبٌّ وَجَوَابَهٗ اَیْ رَدَّهٗ فَرْضُ کِفَایَةٍ وَاِسْمَاعَ رَدِّهٖ وَاجِبٌ بِحَیْثُ لَوْ لَمْ یَسْمَعْهُ لَا یَسْقُطُ هٰذَا الْفَرْضُ عَنِ السَّامِعِ حَتّٰی قِیْلَ لَوْ کَانَ الْمُسْلِمُ اَصَمَّ یَجِبُ عَلَی الرَّادِّ اَنْ یُّحَرِّكَ شَفَتَیْهِ وَیُرِیَهٖ بِحَیْثُ لَوْ لَمْ یَکُنْ اَصَمَّ لَسَمِعَهٗ۔ ترجمہ اور جان لو کہ بے شک فقہاء عظام نے فرمایا کہ سلام سنت ہے اور اس کا سنانا مستحب ہے اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اور جواب کا سنانا سلام کرنے والے کو واجب ایسے طریقے سے سنانا کہ اگر جواب کی آواز سلام والے نے نہ سنی تو جواب دینے والے سے اس کا یہ فرض معاف نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بہرے شخص نے سلام کیا تو سننے والے پر واجب ہے کہ بالکل اسکے قریب جا کر اس طرح سلام کرے کہ اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے وہ بہرا شخص دیکھ لے گویا کہ اگر وہ بہرا نہ ہوتا تو سلام کا جواب سن لیتا۔ مگر یہ پابندی صرف اسی سننے والے پر ہے جو سلام کا جواب دینے پر ہر طرح شرعًا و حقیقتًا قادر ہو لیکن جو شخص قادر نہ ہو تو بہرے آدمی کے لیے ہونٹ قریب لے جا کر ہلانا ضروری نہیں کیونکہ اس پر فرضیت قائم ہی نہ ہوئی۔ یہی کیفیت وضو کرنے والے کی ہے کیونکہ اس پر بھی جواب دینا فرض نہیں ہوا۔ نمبر ۲۷ اجنبی مرد اجنبی عورت کو سلام نہ کرے اگر کرے گا تو عورت پر جواب دینا فرض نہیں ہے بلکہ منع ہے۔ نمبر ۲۸ اسی طرح اجنبی عورت اجنبی مرد کو سلام نہ کرے اگر کریگی

تو اجنبی مرد پر جواب دینا فرض نہیں بلکہ منع ہے۔ خیال رہے اجنبی سے مراد غیر محرم اور غیر رشتے دار ہے اگرچہ واقفیت ہو یا محلے دار ہو یا پڑوسی ہو ۲۹ بجز بیوی والدہ اور سگی وغیرہ بہن کے اور کسی عورت پر سلام کا جواب دینا فرض نہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

سوال ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں۔ کہ یہ ہماری زمین جس پر ہم تمام لوگ بستے ہیں کیا یہ سیارہ ہے اور چاند سورج کی طرح کسی نامعلوم منزل کی طرف مسلسل چل رہی ہے یا گردش کرتے ہوئے گھوم رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں سائنسدان تو یہ کہتے ہی ہیں کہ زمین ایک جگہ ساکن نہیں ہے مگر ہمارے علاقے لیوٹن انگلینڈ میں ایک نئے امام خطیب جو اپنے آپ کو علامہ اور بہت بڑا عالم کہتے ہیں بڑی بڑی دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھنے اور سند یافتہ ہونے بہت علمیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی چند یوم پیشتر کسی محفل میں یہی کہا کہ زمین گردش کرتی ہے ساکن نہیں ہے اور دلیل میں حضرت شیخ سعدی کا ایک شعر پڑھا۔

وصلی اللہ علی نور کزو شد نورہا پیدا   فلک در حُبِّ او ساکن زمین در عشق او شیدا۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں فلک (آسمان) ساکن ہے اور زمین ان کے عشق میں شیدا یعنی رواں دواں بھاگتی پھر رہی ہے۔ مولوی علامہ نے کہا کہ یہ شعر گلستان میں ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا ہے۔ ہم ان کی ان باتوں کو سن کر بہت متعجب ہوئے کہ ایک عالم دین ہو کر ایسی دنیوی بیہودہ بات کر رہا ہے اگر کوئی دنیا دار اس طرح کی بات کرتا یا کوئی سائنس زدہ ایسا کہتا تو تعجب نہ ہوتا اور پھر دلیل میں نہ کوئی آیت نہ حدیث ایک شاعر کا قول اور اس میں بھی اپنے مطالب بعینی کر کے بیان کرنا حیرانی کی بات ہے۔ لہٰذا آپ ہم کو قرآن وحدیث کا صحیح فتوای مدلل اور آسان عام فہم لکھ کر عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم ان کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ۔ دستخط السائل چوہدری عبدالرشید و چوہدری طاہر و دیگر اھالیان لیوٹن انگلینڈ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابُ

الجواب

محترم سائل صاحب آپ کا تفصیلی استفتاء گرامی وصول پایا۔ ہم نے اس سے قبل سکون زمین کے ثبوت اور زوال زمین کے بطلان میں کثیر دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ایک طویل مضمون بشکل فتوای جاری کر چکے ہیں جو ہمارے فتوای العطایا الاحمدیہ جلد دوم میں سالوں پہلے شائع ہو چکا ہے تفصیلی معلومات کے لیے وہاں مطالعہ فرمائیے لیکن چونکہ یہ سوالنامہ ایک ایسے شخص سے متعلق ہے۔ جنہوں نے آپ حضرات کو اپنا تعارف عالم دین اور علامہ وغیرہ اور یونیورسٹی کے سند یافتہ ہونے سے کرایا۔ جس کی حقیقت تو رب تعالیٰ و رسولہٗ بہتر جانتے ہیں۔ مگر ان کے دلائل حرکتِ زمین کے بارے میں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ان کے یہ مذکورہ بالا دعاوی حقیقت حال کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کا ایک شعر پڑھ کر یہ کہنا کہ یہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان کا شعر ہے عجب حیران کن دلیل ہے اور پھر لفظ شیدا کا خود ساختہ مطلب بیان کر کے تو حرکت زمین کے بجائے حرکتِ دماغی کی دلیل بعینہ پیش کر ڈالی۔ ان پر ہی کیا جتنے بھی سائنس زدہ پروفیسر پرنسپل اور علامہ قسم کے لوگ ہیں اُن سب کے دلائل زمین گھومنے کے بجائے ان کے اپنے دماغی میٹر گھومنے کے ثبوت مہیا کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے پہلے فتوٰی میں ثابت کر دیا۔ مذکورہ فی السوال شخص کی بے علمی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہے کہ وہ مولانا جامی کے اشعار کو شیخ سعدی اور گلستان کے اشعار کہہ رہے ہیں اور پھر اس کا غلط معنیٰ بیان کرنا نادانی کی انتہا ہے۔ مولانا جامی کے یہ شعر اس طرح ہیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نُوْرٍ کز و شد نورہا پیدا ۔۔۔ فلک در حبِّ اُوْ ساکن زمیں در عشقِ اُوْ شیدا

زہے سینئش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں ۔۔۔ زمعراجش چو میخوانی کہ سبحان الذی اَسْرٰی

ان اشعار کو گلستان کے شعر کہنا انتہائی نادانی ہے اور پھر اس میں لفظ شیدا سے حرکتِ زمین کی دلیل بنانا تو سخت تعجب ناک غلطی ہے۔ لفظ شیدا فارسی لغت کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے بہت زیادہ محبت کرنے والا۔ حرکت یا چلنے پھرنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو شیدا کہنا جائز ہے۔ چنانچہ مولانا حسن رضا خان حسنؔ بریلوی ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا منع ہے اور پھر یہ پیش کردہ جامی کے اشعار۔ یہ ان کا ذاتی شاعرانہ تخیل ہے یہ تخیل شرعی دلیل یا حقیقت واقعی نہیں بن سکتی جبکہ زمین کا ایک جگہ ساکن ہونا عقلیہ قیاسیہ اور نقلیہ مشاہداتی تجرباتی منطقی فلسفی دلائل کے علاوہ خود باری تعالیٰ خالقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے کلام پاک قرآن مجید کی تقریباً بائیس ۲۲ عدد آیتِ مبارکہ کے دلائل قطعیہ سے

بنصوص اربعہ عبارۃً دلالۃً واقتضاءً ثابت ہو رہا ہے۔ جس کے بعد کم از کم کسی مسلمان کو تو ایسی سائنسی بد عقیدگی وگمراہی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہم اپنے اس مضمون میں صرف ان ہی آیت پاک سے دلائل پیش کریں گے کیونکہ مقصد اُن مذکورہ فی السوال خطیب صاحب کو ہی سمجھانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۔ ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو روک رکھا ہے چلنے اور سرکنے سے۔ اس آیت پاک کی عبارۃ النص نے ثابت فرما دیا کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن پڑی ہوئی ہے۔ تَزُوْلَا بنا ہے زَوَالٌ سے اس کے معنیٰ ہیں اپنی جگہ سے ہٹنا سرکنا یُمْسِکُ بنا ہے۔ مَسْکٌ سے اس کا معنیٰ ہے ایک جگہ ٹھہرنا رکا رہنا۔ آفتاب چونکہ چلتا اور گردش کرتا ہے اس لیے اس کے چلنے کو زوالِ شمس کہتے ہیں۔ فقہائے کرام بھی آفتاب وغیرہ سیاروں کے چلنے پھرنے کو زوال ہی کہتے ہیں چنانچہ ھدایہ شریف جلد اول ص۲۵ پر ہے وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ترجمہ۔ اور نماز ظہر کا شروع (ابتدائی) وقت اس وقت ہے جب سورج نصف النہار سے آگے چلا جائے۔ لغت کی کتابوں میں بھی زوال کا یہی معنیٰ لکھا ہے چنانچہ لغات القرآن جلد دوم ص۱۱۸ اور لغاتِ کشوری ص۳۵۵ پر زوال کا ترجمہ لکھا ہے چلنا پھرنا اپنی جگہ سے ہٹنا۔ اسی لیے نہ ہٹنے والی چیز کو لَمْ یَزَلْ کہا جاتا ہے۔ مَسْکٌ کے معنیٰ بھی کتب لغت میں رو کنے اور روک رکھنے کے ہیں۔ یعنی چلنے پھرنے نہ دینا چنانچہ لغات القرآن نعمانی جلد ششم ص۲۰۶ پر یہی ترجمہ بیان کیا ہے۔ مفسرین کرام بھی امساک اور زوال کا ترجمہ روکنے اور نہ ہٹنے نہ سرکنے کا کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے اس کا منشا بھی سکونِ زمین ہے پیر کرم شاہ صاحب مدظلہ نے تَزُوْلَا کا ترجمہ سرکنا کرکے وضاحت فرما دی کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے۔ ان حوالوں کے بیان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ باری تعالیٰ نے کتنے صاف الفاظ میں سکونِ زمین کا ذکر فرما دیا کہ زمین رکی ہوئی ہے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتی اب جو مسلمان اتنی واضح آیت کے ہوتے ہوئے پھر کفار کا عقیدہ اپنائے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ ایسے بدعقیدہ غلط شخص کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز جائز نہیں نہ اس کو علامہ کہنا جائز۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہ ایک آیت ہی کافی ہے مگر ہم صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سکونِ زمین کا عقیدہ رکھنا اور حرکتِ زمین کا کفریہ باطل نظریہ کا انکار کرنا ہر مسلمان کے لیے کتنا ضروری ہے۔ تمام آیتوں کو مع ترجمہ وتفسیر بیان کریں گے جس سے اصل مسئلے کے دلائل وثبوت کے علاوہ اس اصلاحی

عقیدے سے اہمیت بھی ظاہر ہو گی۔ اس لیے کہ کسی بات کو بار بار ذکر کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ یہ بات بہت اہم اور ذہن نشین کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ آیت دوم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا سورۂ رعد آیت نمبر ۳ پارہ ۱۳۔ ترجمہ۔ اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پھیلایا (بچھایا) زمین کو اور لگائے اس میں بڑے بڑے کیل اور بنائی اس میں نہریں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمین گیند کی طرح گول نہیں جو لڑھکتی پھرے۔ بلکہ زمین ڈھلوانی انڈے کی طرح ہے اور ہلنے سرکنے سے بچانے کے لیے اس میں پہاڑوں کے کیل ٹھونک دیئے گئے ہیں۔ اَنْھٰرًا کے ذکر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہمیشہ ٹھیری ہوئی چیز پر ہی پانی اپنی سمت کا بہاؤ جاری رکھ سکتا ہے جو زمین خود الٹی پلٹی ہو کر دوڑ رہی ہو بھلا اس کی سطح پر پانی دریا۔ نہر۔ سمندر کی موجودگی اور پھر روانگی موجیں لہریں کیسے ٹھہری رہ سکتی ہیں۔ اگر کسی پانی بھرے برتن کو تیزی سے گھماؤ تو اس میں پانی کا ٹھیراؤ تو ہو سکے ہے مگر لہریں اور روانگی نہیں ہو سکتی بلکہ ہر چیز ہی ساکن و جامد ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر گر پڑتی ہے۔ لہٰذا یہ انسان حیوان کا زمین پر بسہولت چلنا پھرنا دوڑنا بھاگنا اور پانی کی ہر قسم پر روانگی بھی سکون زمین کو ثابت کر رہی ہے آیت نمبر ۳ وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ۔ سورۃ الانبیاء نمبر ۲۱ آیت نمبر ۳۱ پارہ نمبر ۱۷۔ ترجمہ اور ہم نے زمین کے اندر تک بڑی مضبوط کیلیں ٹھونک دی ہیں کہ کہیں وہ زمین تم کو لے کر ہل نہ پڑے اس آیت پاک میں اَنْ ناصبہ مصدریہ سببیہ نے تمید کی نفی کی۔ تمید مَیْدٌ سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے ہلنا جلنا حرکت کرنا۔ چلنے میں ہلنا جلنا لازمی ہوتا ہے۔ ہلنے کی نفی سے چلنے کی نفی ہوئی۔ انسان حیوان ریل۔ موٹر کچھ بھی چلے تو ہلنا لازم ہے ہلنے کی نفی تو صرف قیام و سکون سے ممکن ہے۔ آیت نمبر ۴ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔ سورۃ نحل نمبر ۱۶ آیت نمبر ۱۵ پارہ نمبر ۱۴ پانچویں آیت ان ہی الفاظ مبارکہ سے سورۃ لقمٰن نمبر ۳۱ آیت نمبر ۱۰ پارہ نمبر ۲۱۔ ترجمہ دونوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر تک مضبوط کیلیں ڈال دی ہیں۔ تاکہ تمہیں لے کر ہل نہ پڑے۔ مطلب و معنیٰ وہی ہے کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے دیگر سیاروں کی طرح سیارہ نہیں ہے۔ چھٹی آیت۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ سورۃ الحجر آیت ۱۹ پارہ ۱۴ ساتویں آیت ان ہی الفاظ مبارکہ سے سورہ ق نمبر ۵۰ آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۲۶۔ دونوں آیتوں کا۔ ترجمہ اور زمین اس کو تو ہم نے بچھا رکھا ہے اور ٹھونک دی ہیں ہم نے اس میں بڑی بڑی مضبوط کیلیں۔ آیت نمبر ۸۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ ۔ سورۃ نمل نمبر ۲۷ آیت نمبر ۶۱ پ ۲۰۔ ترجمہ

وہ ذات پاک جس نے زمین کو ایک جگہ قرار دیا اور اس کے بیچ میں نہریں بنائیں اور زمین کے لیے کیلیں لگا دیں۔ آیت نہم۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سورہ مومن ۴۰ آیت ۶۴ پارہ ۲۴۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ایک جگہ قرار دیا اور آسمان کو چھت بنایا۔ آیت دسویں وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۔ ترجمہ۔ اور زمین ہم نے ہی اس کو بچھایا ہے پس اچھا ہے سب بچھانے والوں سے۔ گیارھویں آیت وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ۔ سورۃ الرحمٰن ۵۵۔ آیت ۱۰ پ ۲۷۔ ترجمہ اور زمین اسکو تو رکھدیا ہے اللہ نے لوگوں کے لیے بارھویں آیت۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ سورۃ غاشیہ ۸۸ آیت ۲۰ پ ۳۰ ترجمہ اور کیا نہیں دیکھتے زمین کی طرف کہ وہ کیسی بچھا دی گئی ہے۔ تیرھویں آیت وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا سورۃ الشمس ۹۱ آیت ۶ پ ۳۰۔ ترجمہ۔ اور قسم ہے زمین کی اور قسم ہے اس کے بچھانے والے کی۔ یہ تھیں وہ جن کی عبارۃ النص بتا رہی ہے کہ زمین ایک جگہ مضبوطی سے ٹکی ہوئی بچھی پڑی ہے۔ اس طرح الفاظ رب تعالیٰ نے کسی بھی سیارے کے لیے ارشاد نہیں فرمائے نہ چاند سورج کے لیے نہ مریخ، زہرہ عطارد کے لیے نہ مشتری، زحل کے لیے۔ اگر زمین بھی بقول گمراہان سیارہ ہوتی تو اس کے لیے رکھنے بچھانے ڈالنے ٹھوکنے کے الفاظ ارشاد نہ ہوتے۔ آیت چودھویں۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا۔ سورۃ طٰهٰ ۲۰ آیت ۵۳ پ ۱۶۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ایسا مہربان وشفیق ہے کہ اس نے تمہارے لیے پوری زمین کو ایک پالنا بنا دیا۔ اس آیت پاک کی اقتضاء النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے کیونکہ اس کو بچے کے پالنے اور پنگھوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا گیا کہ جس طرح پنگھوڑا اڑتا نہیں پھرتا بلکہ ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے اس طرح زمین بھی ایک ہی جگہ پڑی ہوئی ہے اور جس طرح پنگھوڑے کا شیر خوار بچہ ہر طرح ماں کا محتاج ہے اے بندو تم بھی زمین میں اس طرح رب تعالیٰ کے ہر طرح محتاج ہو۔ اسی معنیٰ میں زمین کو ایک آیت میں فراشا بھی فرمایا گیا۔ یعنی ایک جگہ بچھا ہوا بستر (فرش)۔ پندرھویں آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ سورۃ اسرٰی ۱۷ آیت ۷۸ پارہ ۱۵ ترجمہ۔ قائم رکھو نماز کو سورج کے ڈھلنے کے وقت۔ ثابت ہوا کہ سورج گردش کرتا ہے ڈھلتا ہے چڑھتا ہے طلوع وغروب ہوتا ہے۔ یہ کیفیت زمین کی نہیں ورنہ اس کا بھی کہیں قرآن مجید میں ذکر ہوتا۔ یہ آیت پاک اشارہ النص ہے سکون زمین کے لیے۔ سولھویں آیت۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ سورۃ کہف ۱۸ آیت ۸۶ پارہ ۱۶ ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب ذوالقرنین پہنچے

مغرب شمسی کے علاقے میں تو سورج کو برفانی تودوں میں غروب ہوتے محسوس کیا۔ یعنی سورج کو چلنے اور غروب ہونے والا فرمایا گیا نہ کہ زمین کو اگر زمین گردش کرتی ہوتی تو فرمایا جاتا کہ زمین اوپر کو اٹھ رہی تھی اور یہ بھی تب جبکہ ایک ہی جگہ رہ کر زمین گھومے جیسے کہ اپنی دو انگلیوں (انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی) میں کوئی گیند یا انڈا گھمایا جائے۔ مگر سائنس دان تو کہتے ہیں کہ زمین اڑتی پھر رہی ہے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت فرما رہی کہ زمین نہیں بلکہ چاند سورج کو دلوک غروب اور زوال اور چلنا سرکنا ہے۔ ذوالقرنین نے محسوس یہ کیا کہ سورج برف میں ڈوب رہا ہے۔ یعنی احساس کا تعلق صرف عَيْنٍ حَمِئَةٍ سے ہے آج بھی مغرب یا مشرق کے وقت سمندر کے کنارے کھڑے ہو جاؤ تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج پانی سے نکل رہا ہے اور اسی میں ڈوب رہا ہے۔ اس آیت نے بھی اشارۃ النص سے بتا دیا کہ زمین بالکل ایک جگہ ساکن ہے۔ آیت سترھویں۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۳۳ پارہ ۱۷ اٹھارھویں آیت۔ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ سورۃ یٰس ۳۶ آیت ۴۰ پ۲۳۔ ترجمہ، دونوں آیتوں کا وہی اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو۔ اور پیدا کیا سورج کو اور چاند کو۔ اور یہ دونوں ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ اس آیت پاک کی دلالۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین ساکن ہے کیونکہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ۔ کی گنتی میں زمین شامل نہیں۔ حالانکہ رات اور دن کا وجود چاند و سورج کی گردش سے زمین پر ہی ہے۔ یعنی یہ دونوں چاند اور سورج تیر کر اور گردش کر کے زمین پر دن رات بنا رہے ہیں لہٰذا زمین اپنی جگہ آرام سے پڑی ہے۔ انیسویں آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا سورۃ یٰس ۳۶ آیت ۳۸ پارہ ۲۳۔ ترجمہ اور سورج چلتا رہے گا اپنے مقررشدہ وقت تک بیسویں آیت۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ سورۃ فاطر ۳۵ آیت ۱۳ پارہ ۲۲ اور اکیسویں آیت۔ ان ہی الفاظ سے۔ سورۃ الزمر ۳۹ آیت ۵ پارہ ۲۳۔ ترجمہ اور تابعدار کیا اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو۔ یہ دونوں چلتے گردش کرتے رہیں گے مقررہ وقت تک۔ آیت بائیسویں۔ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ۔ سورۃ ابراہیم آیت ۳۳ پ۱۳ ترجمہ اور مسخر کیا ہم چاند و سورج کو چلتے رہیں گے معین زمانے تک۔ لفظ دو کے لیے بھی مستعمل ہے۔ ان آیتوں مبارکہ کے ذریعے شریعت کے چاروں دلائل میں سے عبارۃً اقتضاءً دلالۃً اشارۃً بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ زمین بالکل ساکن ایک ہی جگہ پڑی ہوئی ہے۔ نہ آسمانوں اور فلکیات میں تیر رہی ہے نہ ہواؤں میں پرندے کی طرح

نہی پانی پر کشتی کی طرح۔ ان عقل کے بیکاروں کو سوچنا چاہئے کہ جب زمین کو پیدا فرمانے والا خالق کائنات اپنی زمین کے متعلق خود فرماتا ہے کہ زمین ساکن ایک جگہ پڑی ہے تو پھر کسی احمق کی جرأت ہے کہ خالق تعالیٰ کی بات چھوڑ کر کسی سائنس دان کی بات مانے۔ جو بھی امام یا خطیب ایسا بدعقیدہ بنائے گا۔ فاسق و فاجر ہے اور اگر ان مندرجہ بالا آیت پاک کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اپنے اسی باطل عقیدے پر جما رہے تو وہ اپنے دین اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ بہرکیف ایسے بدعقیدہ شخص اور باطل نظریے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں جب تک یہ پکی توبہ نہ کرلے اس وقت تک اس کو قطعاً امام نہ بنایا جائے

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتب

سوال ۷۷۔ امامت کے بارے شرعی احکام۔

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلے میں کہ آج کل کے دور میں جو سب سے بڑی مشکل ہم جیسے عام ناواقف مسلمانوں کو درپیش ہے۔ وہ جہالت کی نماز ہے جماعت کی اہمیت تو ہم کو معلوم ہے کہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور اکثریت علماءِ عظام کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے جن کا تارک سخت گناہ گار ہے ہم یہ سب سمجھتے ہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ جس مسجد میں بھی جاؤ وہاں کے امام مسجد میں بعض ایسے شرعی نقص نکل آتے ہیں۔ جن کے متعلق بزرگ علماء سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ کام گناہ اور فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز منع ہے۔ اس لیے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ کر دل مطمئن نہیں ہوتا اس سے تو بہتر ہے کہ علیحدہ ہی نماز پڑھ لی جائے اپنے پیر و مرشد سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے آپ کا ذکر کیا کہ ان سے فتویٰ منگا لو تاکہ پتہ لگ جائے کہ کس امام کے پیچھے منع ہے بڑی مشکل سے بڑی مدت بعد آپ کا پتہ دستیاب ہوا اس لیے زحمت دی جا رہی ہے کہ ہمیں مختصر لفظوں میں ایک فہرست کی صورت میں متنبہ فرما دیا جائے کہ آج کل کس امام کے پیچھے اہل سنت کی نماز ہو جاتی ہے اور کس کس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تاکہ سفر و حضر میں واقف ناواقف شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں احتیاط کرتے ہوئے اپنی نماز بچائی جائے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ سائل

عبدالاحد صدر انجمن تاجران سنبھل مراد آباد انڈیا۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابِ۔

الجواب

آپ کا یہ سوال اور استفتاء اگرچہ مختصر ہے مگر انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے نماز کی اہمیت کو سمجھا ہے اور اس پر توجہ دی ہے ورنہ بہت سے معتبر قسم کے لوگ بھی اس بات پر توجہ نہیں کرتے اور ناقابل امامت شخص کے پیچھے بے دھڑک اقتداء کر لیتے ہیں اور اپنی نمازوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ خیال رہے کہ قانون شریعت کے مطابق تمام عباداتِ الٰہیہ میں روز اول سے صرف نماز ہی وہ عبادت ہے۔ جو بے شمار پابندیوں اور قیود و شرائط کے ساتھ مضبوطی سے بندھی ہوئی ہے۔ نمازی سے لے کر لباس جگہ وقت سمت یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں بھی سب کچھ شرعی قوانین میں جکڑا ہوا ہے جیسے بدن جگہ لباس وغیرہ میں اتنی شدید پابندیاں ہیں کہ ذرا سی کسی جگہ غلطی یا کمی رہے گی تو نماز سرے سے نہ ہو گی۔ تو بھلا امامت میں آزادی اور آزاد خیالی کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے پیچھے پڑھ لی جائے اور پھر خوش ہوتے پھریں کہ ہم نے نماز پڑھ لی۔ نماز کی اہمیت اس سے بڑی اور کیا ہو گی کہ رب تعالیٰ نے اپنے مصلے کی شان و شوکت ظاہر فرمانے کے لیے خود اپنے ذاتی انتخاب سے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور امامتِ نمازان کے سپرد فرمائی اور اپنے بعد پیارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصلے کو خالی نہ چھوڑا بلکہ اپنے انتخاب سے مصلہ صدیق اکبرؓ کے سپرد فرمایا۔ ھٰکَذَا اِلٰی اٰخِرِہٖ۔ یہ تو موجودہ دور میں ایک بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ نماز اور اس کی امامت کو ہی عوام الناس مسلمانوں نے انتہائی غیر اہم سمجھ لیا ہے۔ اور بدقسمتی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ سیاسی جوڑ توڑ اور دنیوی اتحاد و اتفاق میں بھی نماز کی اقتداء و امامت کو ملوث کیا جاتا ہے اور اس بات کا طعنہ دیا جاتا ہے کہ مولوی تو ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے بھلا وہ اتحاد و اتفاق اور دوستی کیا کریں گے۔ ایسے کم ظرف لوگ یہ نہیں سوچتے کہ آپ کا سیاسی اتحاد اور بوقت ضرورت اتفاق اور یک جہتی اپنی جگہ ضروری ہے مگر نماز میں شرائط اور پابندیاں اتنی کڑی ہیں کہ اگر اپنے سگے بھائی بیٹے والد بلکہ استاد اور مرشد میں بھی کسی قسم کا شرعی نقص پایا جائے تو ان کے پیچھے بھی نماز جائز نہ ہو گی۔ باوجود اس بات کے کہ ادب و احترام اور محبت و الفت و شفقت اپنی جگہ برقرار ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اقتداء نہ کرنا صرف اپنی نماز کی حفاظت کرنے کے لیے ہے اس کو نا اتفاقی یا دشمنی اور مخالفت کی دلیل نہ بنانا چاہیے اسی طرح سیاسی لیڈروں اور سیاست میں مشغول علماء کو بھی چاہیے کہ اپنے سیاسی اتحاد سے نماز کی اقتدا کو ایک دم علیحدہ رکھیں

بلکہ اتحاد کرنے وقت اس چیز کا تذکرہ علی الاعلان کر دیں کہ نماز خالصتاً رب تعالیٰ کی ہے اس لیے یہ اتحاد نماز کی اقتداء یا امامت کے لیے نہیں ہو سکتا۔ نماز ہم اپنے ہی ہم عقیدہ اور باشرع آدمی کے پیچھے پڑھیں گے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں سنی شیعہ وہابی اتحاد ہوا۔ ہر جلسے جلوس اور محفل میں اجتماع بھی ایک ہوتا تھا اور رائے و مشورہ بھی ایک ہوتا ایک دوسرے کی عزت اور قیادت بھی تسلیم کی جاتی ایک جھنڈے تلے جمع ہو جاتے مگر نماز کے وقت اپنے اپنے امام کے پیچھے اپنے وقت پر ادا فرمائے کسی کو کچھ اعتراض نہ ہوتا نماز کے بعد پھر اسی طرح باہم خوشی خوشی مل بیٹھتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ نماز کی جماعت اتحاد المسلمین کا اعلیٰ نشان ہے مگر اس کیلئے صرف جسمانی اور زبانی اتحاد کافی نہیں بلکہ ہم عقیدہ قلبی اور شریعت کی پابندیوں کا اتحاد بھی تو ضروری ہے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ عقیدہ مخالفانہ اپنی جگہ قائم شریعت کی مخالفت و آزاد خیالی برقرار مگر سب کا امام بننے کا شوق۔ یہ ظلم عظیم سب سے پہلے سعودی حکومت نے شروع کیا کہ تابعین کے دور سے گرد کعبہ جو چار مصلے بچھتے چلے آرہے تھے اور ہر گروہ حنفی شافعی مالکی حنبلی اپنے اپنے امام کے پیچھے اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھ کر بصد اطمینان صلوٰۃ مقبول حاصل کر لیتا تھا۔ اس ظالم حکومت نے وہ تین مصلے ختم کر کے صرف اپنے حنبلی بلکہ تیمیائی مصلے کو برقرار رکھا۔ جس کا وقت نماز بھی دیگر مسالک کے نزدیک غلط اور طہارت غسل و وضو بھی غلط۔ مثلاً امام حنبل اور ابن تیمیہ حنبلی کے نزدیک شیر خوار لڑکے کا پیشاب پاک اور تھوڑی نجاست گرنے سے پانی پلید نہیں ہوتا اور بدن سے خون نکل آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو ایسا تیمیائی امام اگر اپنا خون پونچھتا ہوا۔ یا ایسے تھوڑی گندگی ملے یا شیر خوار بچے کے پیشاب آلودہ پانی سے غسل کر کے مصلے پر کھڑا ہو جائے تو وہ حنفی مسلمان جو دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں حج وعمرہ کی سعادت لینے آرہے ہیں ان کی تمام نمازیں تو ایک گندے اور بے وضو امام کے پیچھے ہی مجبوراً پڑھنی پڑیں۔ گویا کہ مذہبی حکومتوں نے عبادتِ الٰہیہ کو بھی اپنی سیاست میں جکڑ کر رکھ دیا ہے اور عبادت کی آزادی چھین لی ہے۔ کم از کم یہ ٹھیکیداری اور اجارہ داری ختم ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کو اپنے وقت میں اپنے ہم عقیدہ امام کے پیچھے نماز کی آزادی ملنی چاہیے۔ تاکہ ہر مسلمان کو اپنی نماز کی صحت پر تسلی اور یقینی اطمینان حاصل ہو بہر کیف نماز کا علیحدہ پڑھنا اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کے منافی نہیں اور نہ ہی اس علیحدہ امامت و اقتداء کو مندرجہ بالا اس طعنے سے ملوث کرنا چاہیے۔ اتفاق اور اتحاد سیاسی و ملکی ضروریات کے لیے اشد لازم ہے۔ مگر اس اتحاد کے باوجود اپنے اپنے مسلک پر قائم رہنے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو سمجھ لیجئے

کہ نماز اور امامت واقتدا کی تفریق بھی کسی اتحاد کے منافی نہیں اسی طرح مسلکوں کا مختلف ہونا بھی سیاسی اتحاد کے مخالف نہ ہونا چاہیے ہاں البتہ آپ کی دشمنی اتحاد کیلئے سخت مضر بلکہ زہر قاتل ہے۔ دشمنی تعصب سے پیدا ہوتی ہے اور تعصب بُرا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنا اور اپنے مخالف کی اقتدا سے بچنا یہ تعصب نہیں بلکہ تصلب ہے اور دین میں تصلب اچھی علامت ہے۔ بعض لوگوں کی یہ محض حماقت ہے کہ انہوں نے تصلب کو تعصب سمجھا اور بے غیرتی اور ذلت کی حد تک چاپلوسی اور کاسہ لیسی کو خوش اخلاقی کا نام دیا۔ اور اس بیہودہ اخلاق میں اپنے دین وایمان واعمال بگڑنے کی پرواہ نہیں کی بہرکیف سیاسی وملکی اتحاد یہ اپنا ساختہ ہے آج کچھ اور کل کچھ ایسا اتحاد تو ہماری ہندوستانی تاریخ میں ہنود و نصاریٰ سے ملا کہ ایک وقت تو ہم وطن ہندو سکھ عیسائی وغیرہ عوام نے بھی غیر ملکی دشمن کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کا مضبوط ثبوت دیا تھا۔ مگر ایسا اتحاد کسی کے مذہب میں کبھی آڑے نہیں آیا نہ چاہیے۔ سیاسی ضروریات بدلتی رہتی ہیں مگر نماز اور اس کی شرعی پابندیاں تو الٰہی قانون ہے اس کی حفاظت تو ہر مسلمان کا عملی و شرعی فریضہ ہے۔ جس طرح کسی بے وضو کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھ سکتے اگرچہ جگری دوست یا سگا ہو۔ اسی طرح کسی بدعقیدہ کے پیچھے بھی ہم نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اگرچہ اتحاد و یکجہتی کے وعدوں میں ہم نوالہ وہم پیالہ ہو۔ یہ فتوٰی چونکہ صرف اہل سنت والجماعت کے لیے لکھا جارہا ہے۔ جن کی خصوصی پہچان بریلوی کا لقب ہے اس لیے سائل کی مطلوبہ فہرست میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہوگا جن کے پیچھے عقیدتًا یا عملاً عوام اہل سنت کی نماز جائز نہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ بریلوی ہونا کوئی علیحدہ مسلک مذہب یا دین نہیں۔ نہ کوئی سنی اس لحاظ سے بریلوی ہے نہ ہی اعلٰی حضرت امام احمد رضا خاں مجدد ملت نے اپنے آپ کو یا اپنے کسی مرید کو بریلویت کا لقب دیا۔ بلکہ آپنے ہر نثر ونظم مضامین میں اپنے ہم مسلک مسلمانوں کو سنی اور اہل سنت ہی کہا جیسا کہ آپ کے مشہور و مقبول سلام اور دیگر نعتیہ کلام سے ظاہر ہے۔ بریلویت تو بعد میں لفظ اہل سنت کا شناختی لقب ہوا جس طرح کہ روافض کا شناختی لقب شیعہ اور شیعان علی ہے اور وہابی حضرات کا لقب دیوبندی وغیرہ تقریبًا بارہ تیرہ القاب ہیں۔ لہذا اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی کسی وجہ سے اپنے آپ کو بریلوی نہیں کہتا تو کوئی مضائقہ نہیں جب وہ سلام پڑھے گا یا نعرۂ رسالت لگائے گا تو قدرتی ہر اپنا پرایا اس کو بریلوی ہی کہے گا۔ اس تمہید کے بعد ہم تمام اہل سنت کے لیے ان لوگوں کی مختصراً فہرست پیش کرتے ہیں۔ جن کے پیچھے اہل سنت کے لیے نماز پڑھنا منع اور سنی مساجد میں ایسے لوگوں کو امام بنانا قطعًا ناجائز و نقصان دہ ہے۔

فہرست المقبوحلین۔ **اوّل** - ہر قسم کے بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے اہل سنت کی نماز پڑھنا منع۔ مثلاً شیعہ تبرائی۔ شیعہ تفضیلی اور اسماعیلی۔ بوہرہ فرقے والے اثنا عشری پنجتنی اور مثلاً مرتدین کفار مرزائی قادیانی ولاہوری اور مثلاً وہابی۔ ان کی تیرہ شاخیں ہیں نمبر ۱ اہل حدیث (غیر مقلد) نمبر ۲ دیوبندی نمبر ۳ تیمیائی نمبر ۴ تبلیغی نمبر ۵ مودودی نمبر ۶ حیاتی۔ یعنی وہ دیوبندی جو حیات النبی کے قائل ہیں۔ نمبر ۷ مماتی۔ وہ دیوبندی جو حیات النبی کے منکر ہیں۔ نمبر ۸ چکڑالوی نمبر ۹ پرویزی نمبر ۱۰ خارجی، یہ فرقہ یزید پلید مردود کا ثناگو اور اس کو اچھا سمجھنے والا ہے نمبر ۱۱ احراری نمبر ۱۲ خاکسار یعنی بیلچہ پارٹی نمبر ۱۳ فرقہ علی گڑھی (سرسید کا مذہبی گروہ)۔ ان تیرہ فرقوں کے عملیات و نظریات کچھ مختلف ہیں مگر عقائد سب کے وہابیانہ ہیں۔ یہ بیس عدد فرقے عقیدۃً اہل سنت کے مخالف ہیں ان سے بوقت ضرورت سیاسی اور ملکی مفاد میں اتحاد و گٹھ جوڑ جائز ہے مگر نماز کسی بھی موقعہ پر جائز نہیں بلکہ علی الاعلان علیحدہ پڑھو اگرچہ بغیر جماعت ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے۔ **دوم** - فاسق معلن یعنی وہ گناہ گار جو عقیدۃً تو سنی ہو مگر گناہ گار اور فاسق و فاجر اس کا گناہ نماز میں اس کے ساتھ ہو نمبر ۱ مثلاً کپڑے کے ریشم کا لباس (پگڑی یا ٹوپی یا کرتا پاجامہ یا اچکن کوٹ وغیرہ اگرچہ سوتی لباس کے اوپر ہو) پہن کر نماز پڑھائے۔ نمبر ۲ یا داڑھی حد شرع چار انگل سے کم رکھتا ہو اور داڑھی کترانا اس کی فیشنی عادت ہو نمبر ۳ داڑھی حد شرع سے زائد بے تحاشہ بڑھا کر رکھے نمبر ۴ مونچھیں بڑھا کر رکھے اس طرح کہ ہونٹوں پر بال آئیں نمبر ۵ سونے پیتل تانبہ لوہا رولڈ گولڈ سلور کی انگوٹھی یا چھلہ امام نے پہنا ہو یا کوئی زیور پہنا ہو چاندی کی صرف ایک انگوٹھی یا چھلہ جس کا وزن چار ماشے ہو وہ پہننا شرعاً جائز ہے لیکن دو چھلے منع ہیں نمبر ۶ بعض نقشبندی بزرگ نماز جمعہ کو ساری دنیا میں فرض عین نہیں مانتے۔ بعد دو رکعت باجماعت جمعہ کے وہ چار رکعات ظہر احتیاطی بطریقہ فرض پڑھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے فرض عین ماننے والے کی نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر کہیں ایسا اندیشہ ہو تو علیحدگی میں پوچھ لینا بہتر ہے نمبر ۷ اگر امام نے داڑھی یا سر پر کالا خضاب لگایا ہو تو اس کے پیچھے نماز منع ہے نمبر ۸ امام کا تہبند یا شلوار پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے۔ نمبر ۹ عورتوں جیسے رنگ دار چمکدار کپڑے پہننے والے امام کے پیچھے نماز منع ہے نمبر ۱۰ ننگے سر امام کے پیچھے نماز ناجائز نمبر ۱۱ کرتے اور کوٹ اچکن وغیرہ کے سب بٹن کھلے ہوں اور امام کا ننگا سینہ نظر آتا ہو تو نماز اس کے پیچھے منع ہے۔ یہ گیارہ قسم کے لوگ فاسق معلن ہیں کیونکہ ان کے گناہ بحالت نماز موجود ہیں اس لیے انکے پیچھے نماز ناجائز ہے اگر مجبورًا یا دھوکے میں پڑھی گئی تو نماز لوٹانی پڑے گی لیکن فاسق غیر معلن کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ وہ نورانیت حاصل نہ ہوگی جو ایک متقی کے پیچھے پڑھنے

سے حاصل ہوتی ہے۔ سوم۔ نابالغ بچے کے پیچھے نماز منع ہے۔ چہارم۔ حنبلی اور شافعی مسلک کے امام کے پیچھے حنفی شخص کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اکثر شوافع اور حنابلہ صفوں میں کھڑے ہوتے بھی مسواک کرتے رہتے ہیں اور دانتوں سے خون نکلتا رہتا ہے اور رومال سے پونچھتے یا خود ہی چوستے رہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک ایسا امام بے وضو ہے اور بے وضو کے پیچھے نماز منع ہے۔ پنجم عورت کے پیچھے مرد کی نماز منع ہے۔ ششم خنثیٰ کے پیچھے مرد کی نماز منع ہے۔ ہفتم جس امام نے اپنے گلے میں رومال یا چادر لٹکا کر سدل کیا ہو یعنی دونوں کنارے لٹکتے چھوڑے ہوں اس کے پیچھے بھی نماز ناجائز ہے۔ ہشتم جس امام نے اپنے پائنچے موڑ کر ٹخنوں سے اوپر کیے ہوں نہم جس امام نے اپنی آستینیں آدھی یا پوری کلائی تک موڑی ہوئی دہم۔ جس امام کے منہ سے بحالت نماز سگریٹ وغیرہ کی بدبو آرہی ہو۔ ۱۱ جس امام کے لباس میں کسی جگہ جاندار کی تصویر یا گلے میں ایسے نوٹوں کا یا مصنوعی پھولوں کا ہار ہو جس پر کسی جاندار کے چہرے کی تصویر بنی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ دور میں اس قسم کے مندرجہ بالا اکتالیس ۴۱ عدد اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا سخت منع ہے اگر کسی وجہ سے پڑھی گئی تو لوٹانی پڑے گی۔ ایسے اماموں سے اپنی نماز بچانی لازم ہے لیکن وہ فاسق غیر معلن جس کا گناہ بحالتِ نماز تو موجود نہیں مگر اس کی بدمعاشی آوارگی لچر بازی غیبت چغلی یا بدکاری عام مشہور ہے ایسے امام کے پیچھے بھی بلا مجبوری نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ ہاں البتہ اگر کسی مجبوری کے تحت پڑھ لی گئی تو فریضہ ادا ہو جائے گا لوٹانی نہ پڑے گی۔ یہ فہرست تو اس وقت کے اعتبار سے ہے مگر یہ قربِ قیامت کا زمانہ ہے بُرے اور غلط افراد کی کمی نہیں ہوتی بلکہ دن بدن زیادتی ہی ہوتی جارہی ہے آئندہ وقتوں میں نہ معلوم کتنے ایسے لوگوں کا اضافہ ہو جائے جن کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہو جائے۔ دوازدھم۔ اب تو ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے جارہے ہیں جو چند پیسوں کی خاطر امامت کے مصلے پر قابض ہونا چاہتے ہیں مگر علم قرآنی سے سخت جاہل ہیں۔ تلاوت و تلفظ میں بیسیوں غلطیاں ہیں اگر کوئی سمجھانے کی کوشش کرے تو ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں اور اصلاح کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

کتبہ

فتویٰ ۲۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پرسوں مورخہ ۸۳۔ ۷۔ ۶ کو روزنامہ جنگ لندن کے پہلے اور آخری صفحات پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں عید الفطر کی نماز کے بارے میں امام کونسل مانچسٹر کا فیصلہ نشر کیا گیا ہے اور برطانیہ بھر کے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اس فیصلے کی مختصر عبارت حسب ذیل ہے کہ برطانیہ کے مسلمان عید الفطر کی نماز ۱۲ جولائی ۱۹۸۳ء بروز منگل پڑھیں۔ اگرچہ یکم شوال یقینی طور پر ۱۱ جولائی بروز پیر ہو جائے اور عید کا چاند ۱۰ جولائی بروز اتوار نظر آ جائے۔ یا گواہان شرعی سے ثابت ہو جائے۔ لہٰذا عید الفطر یکم شوال کو نہ روزہ رکھو کیونکہ عید الفطر ہے نہ نماز پڑھو۔ بلکہ دوسرے دن شوال دوٌ کو ادا کرو۔ اپنے اس فیصلے کے لیے مضمون نگار حضرات نے چار وجہ بیان کیے ہیں۔

پہلی وجہ: یہ کہ برطانیہ کے مزدور طبقے کو حکومت سے چھٹی لینے کی بڑی دشواری ہے صرف ایک دن کی ملتی ہے اور پہلے لینی پڑتی ہے۔ مسلمان طبقہ پہلے متعین نہیں کر سکتا کہ عید کب ہے اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ تاکہ پہلے سے دن متعین کر کے چھٹی حاصل کی جا سکے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ہر غیر مسلم اپنی ہر خوشی ہر تیوہار عالمی سطح پر متفقہ طریقے سے مناتے ہیں۔ مگر مسلمان کو ہر دفعہ بہت مصیبت بلکہ غیر مسلموں کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ جس سے ہماری نئی نسلیں پریشان ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اپنی نسلوں کو اسلام سے قریب لانے اور غیر مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لیے دوسرے دن نماز عید پڑھی جائے۔

تیسری وجہ: یہ کہ برطانیہ بھر کی متفقہ عید سے جہاں ہم دوسرے ملکوں کو اپنے اس اتحاد کا عملی نمونہ دکھا سکیں گے۔ وہاں غیر مسلموں کی نگاہ میں بھی اسلام کی شان و شوکت بڑھے گی جس سے مسلمانوں کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے اور ہم کہیں پرانی اور مایوس کن طرز ادا سے نسل مسلم کو دین متین سے دور کرنے کا باعث نہ بن جائیں۔

چوتھی وجہ: یہ کہ بہت سے مسلمانوں نے رمضان پاک کے چاند میں گڑبڑ کی وجہ سے تیسی

سے ایک روزہ بعد میں رکھا تھا ان کے روزہ ۱۰ر جولائی کو ۲۸ر ہوں گے وہ پیر کو روزہ رکھ کر اپنے روزے درست کرسکیں گے۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا۔ اپنے اس فیصلے پر مضمون نگار نے تین دلائل پیش کیے ہیں۔

پہلی دلیل: یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔

دوسری دلیل: یہ کہ۔ اہل علم پر مخفی نہیں یہ حقیقت کہ مجبوری کی وجہ سے عید الفطر ایک دن اور عید الضحٰے دو دن موخر کی جاسکتی ہے۔

تیسری دلیل: یہ کہ اتحاد المسلمین بہت ضروری ہے اور ہمارے اس کارنامے سے اسلام کے وقار کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اس مضمون میں صرف دو حضرات کے نام ہیں ۱؎ مولانا نثار احمد بیگ صاحب ۲؎ مولانا قمر الزمان صاحب اعظمی۔ ممبران مسجد وامام کونسل تفصیل طلب صرف تین باتیں ہیں۔

پہلی بات: یہ کہ اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ صاحب مضمون نے تو کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ مگر آپ براہ کرم باحوالہ قرآن وحدیث وفقہ سے جواب عطا فرمائیں۔

دوسری بات: یہ کہ۔ پرسوں عید کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے ہم اس فیصلے پر عمل کریں یا نہ کریں۔

تیسری بات: یہ کہ اس فیصلے سے بجائے اتحاد ہونے کے مسلمانوں میں چار دن پہلے ہی خلفشار پڑگیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نئے نئے مولوی اٹھ کر نئی نئی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ ہم پچاس سال سے برطانیہ میں رہتے ہیں۔ کبھی ایسا فیصلہ سننے میں نہیں آیا۔ چودہ سو سال سے عید کی نماز پہلے ہی دن پڑھی جاتی رہی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ فیصلہ ٹھیک ہے۔ براہ مہربانی جلد از جلد مکمل مدلل شرعی فتویٰ عطا فرمایا جائے۔ مزید غور وفکر کے لیے روزنامہ اخبار مذکور بھی حاضر خدمت ہے۔

دستخط مستفتیان کرام ۱؎ (حضرت مولانا) طارق مجاہد (صاحب) پرنسپل جامع تبلیغ الاسلام مدبریڈ فورڈ ٹمٹ ۲؎ (حضرت مولانا) حافظ وزیر احمد (صاحب)

پرنسپل خطیب (اعظم) جامعہ مسجد شفیلڈ ۳؎ (حضرت مولانا) عبد المجید (صاحب خطیب معظم) رادھرم۔ مورخہ ۸/۷/۸۳۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَھَّابْ

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ رَؤُفِ الرَّحِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ !

میں نے آپ کے استفتاء اور محولہ روز نامہ جنگ لندن چھ جولائی ۱۹۸۳ء کا بغور مطالعہ کیا۔ میری شرعی تحقیق کے مطابق یہ فیصلہ قطعاً غلط اور شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔ مضمون نگار حضرات نے یہ فیصلہ بہت ہی جلد بازی میں کیا۔ نہ قرآن مجید میں غور کیا، نہ احادیث میں نہ عباداتِ فقہ کو سمجھا اور نہ ہی دانشور سمجھدار صاحب افتاء علماء عظام سے پوچھنے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ حالانکہ رب تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ترجمہ: اگر تم کسی بات یا مسئلے کا علم نہ رکھتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھ لو۔ اغلباً یہ فیصلہ صرف ان دو مذکورہ حضرات کا ہے۔ نہ کہ پوری کونسل امام مذکور کا۔ یہی وجہ ہے کہ مضمون میں پیش کردہ چار وجوہ اور تین دلائل بالکل ہی ناکارہ اور ناقابل قبول ہیں۔ وجوہ تو اس لیے عبث ہیں کہ نہ اس طرح غیر مسلموں کے منہ بند ہوسکتے ہیں۔ نہ اتحاد پیدا ہوسکتا ہے۔ نہ نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ چودہ سو سالہ دور میں ہزاروں مشکلیں آئیں مگر کبھی کوئی نسل کسی اسلامی فطری قانون سے خراب نہ ہوئی۔ نہ اس سے قبل برطانیہ میں چھٹی کی دشواری کسی عبادت کے آڑے آئی۔ اسلام کی شوکت تو ازل سے قائم ہے۔ اسے کسی بیہودہ چار چاند کی ضرورت نہیں بلکہ دو۔ دو۔ تین۔ تین۔ چار چار چاندوں نے ہمیشہ مصیبت ہی ڈالی ہے ان کے دلائل بھی غلط بلکہ ان کو دلائل کہنا ہی غلط ہے نہ قرآن مجید کی آیت پاک کا یہ مطلب ہے اور نہ فقہ میں کوئی ایسا عذر شرعی کچھ حیثیت رکھتا ہے اور نہ اسلام کو ایسے اتحاد کی ضرورت ہے جس سے قانون اور روحِ عبادت مجروح ہو ان دو بزرگ مفکرین حضرات نے قطعاً تدبر سے کام نہیں لیا نہ فقہی عبارات کو دیکھنے غور کرنے کی زحمت گوارہ کی۔ لہذا اس فیصلے کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ ورنہ نماز عید ختم ہو جائے گی اور سخت ترین گناہ وعذاب لازم ہوگا۔ بلکہ علماء اہل اسلام برطانیہ کا چاند کے متعلق جو بھی احادیث وفقہ کی روشنی میں ۲۹ ماہ رمضان کو فیصلہ ہو اس کے مطابق یکم شوال اور عیدالفطر کی نماز وغیرہ ادا کی جائے اور اگر روزہ کسی کا کم ہوتا ہو تو وہ بعد عید جب چاہے قضا کرے۔ یہ اخباری فیصلہ شریعت کے دلائل کی وجہ سے قطعی غلط ہے اور ان مندرجہ ذیل شرعی قانونی دلیلوں کی بناء پر یہ فیصلہ

شرعی جرم ہے۔ **پہلی دلیل**: قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ترجمہ: پس جہنم کی ویل ہلاکت ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کو موخر کرتے یعنی وقت کے بعد پڑھتے ہیں۔ ساہون لفظ کا معنیٰ وقت گزار کر نماز پڑھنے والے چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد پانزدہم صـ۲۴۲ پ۳۰ پر ہے۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَمَاعَةٍ تَاخِيْرُهَا عَنْ وَقْتِهَا۔ ترجمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا کہ ساھُون کا معنٰی ہے نماز کو وقت کے بعد پڑھنا۔ ایسے نمازیوں کی سزا ویل ہے اور ویل کے معنیٰ ہلاکت اور بربادی بھی ہے اور ویل جہنم کا ایک خطرناک مقام بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صـ۵۵۳ پر ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ لَوَادِيًا تَسْتَعِيْذُ جَهَنَّمُ مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ فِيْ يَوْمٍ اَرْبَعِمِائَةَ مَرَّةٍ۔ ترجمہ: آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا جہنم ایک وادی ہے۔ جہنم خود اس سے روزانہ چار سو مرتبہ اللہ کی پناہ مانگتی ہے۔ اللہ اکبر کتنی سخت وادی ہے۔ جس کا نام ویل ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے والے اور عید کی نماز وقت گزار کر پڑھنے پڑھانے والے غور کر لیں کہ کیا یہ اس وادی میں جانے کے لیے تیار ہیں۔ کیا ہلاکت و بربادی کا خوف نہیں ہے۔ **دوسری دلیل**۔ کسی حدیث پاک سے ثابت نہیں کہ عید الفطر کی نماز نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابہ نے دوسرے دن پڑھی ہو۔ حالانکہ ایک دفعہ زمانہ اقدس میں ایسا ہوا تھا کہ عید الفطر کے چاند کی گواہی بعد زوال بکم شوال ملی اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گواہی کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اول صـ۱۶۴ پر ہے۔ عَنْ اَبِيْ عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَكْبًا جَاؤُا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ يَّغْدُوْا اِلٰى مُصَلَّاهُمْ۔ ترجمہ: ابی عمیر بن انس سے روایت ہے وہ اپنے چچاؤں سے راوی کہ آقائے کائنات کی بارگاہ میں کچھ سوار حاضر ہوئے اور گواہی دی کہ کل گذشتہ رات ہم نے عید الفطر کا چاند دیکھا ہے۔ تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے روزے افطار کر لو اور جب کل صبح ہو تو تم لوگ اپنی عیدگاہ کی طرف جانا۔ اسی طرح نسائی شریف جلد اول صـ۲۳۱ پر ہے۔ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهُ اَنَّ قَوْمًا رَاَوُا الْهِلَالَ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّفْطِرُوْا بَعْدَ مَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ وَاَنْ يَّخْرُجُوْا اِلَى الْعِيْدِ۔ ترجمہ: روایت ہے۔ حضرت

عمیر بن انس کے بعض چچاؤں سے کہ ایک قوم نے عید کا چاند دیکھا تو وہ دوسرے دن بعد زوال نہار حاضر بارگاہ ہوئے اور گواہی دی تو آقائے کل صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو روزہ توڑنے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ کل صبح عیدگاہ کو جائیں۔ ساری زندگی شریف میں بعد دوپہر چاند کی گواہی ملنے کا بس یہی ایک واقعہ احادیث میں مرقوم ہے۔ ہر دو روایات کے ظاہری الفاظ بالکل صاف ہیں کہ روزہ تو نبی کریم رؤف رحیم نے تڑوا دیا مگر عید کی نماز نہ خود پڑھائی نہ پڑھنے کا حکم فرمایا نہ نماز کا ذکر ہی ہے نہ پہلے دن نہ دوسرے دن۔ روزہ تڑوانے سے ثابت ہوا کہ عید الفطر اسی دن تسلیم کی گئی۔ مگر نماز نہ پڑھائی۔ ہاں البتہ دوسرے دن عیدگاہ جانے کا صحابہ کو حکم دیا۔ کسی صحابی نے بھی نہ فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے یا نہیں۔ صرف صحابہ کے جانے کا ذکر ہے۔ اب اپنے پاس سے فقہا شارحین اپنی مرضی کا کوئی احتمال نکال لیں تو اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ دوسرے دن عیدگاہ بھیجنے کا یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ اغیار غیر مسلموں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کے روزے اور ماہ رمضان ختم ہو گیا۔ یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ بچوں کی خوشیاں پوری ہوں اور آئندہ نسلوں کو پتہ چلے کہ مسلمان کی خوشیاں عیدگاہ (یعنی اللہ کے گھر) سے شروع ہوتی ہیں۔ نہ کہ غیر مسلموں کی طرح کلبوں، تھیٹروں، تماشہ گاہوں سے یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ اتحاد مسلم سے کفار پر ہیبت و رعب ڈالنا ہو اور شانِ اسلام ظاہر ہو۔ تاکہ غیر مسلم بھی مائل بہ اسلام ہوں اور یہ احتمال بھی ہم نے اپنے خیال سے نہ کہے نہ صرف میرے ذہن میں پیدا ہوئے بلکہ بہت سے فقہاء کرام نے عیدگاہ جانے کا مطلب نماز عید نہ لیا بلکہ دیگر احتمال نکال دیئے اور پھر ان کی خوشیوں کے لیے عیدگاہ جانا تو احادیث مطہرات سے ثابت ہے۔ چنانچہ فتاوٰی بحر الرائق جلد دوم ص۱۷۵ پر ہے۔ قَالَ الطَّحَاوِیُ فِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَّیَخْرُجُوْا لِعِیْدِھِمْ مِنَ الْغَدِ وَلَیْسَ فِیْہِ اَنَّہٗ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْعِیْدِ بِھِمْ فَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ خُرُوْجُھُمْ لِاِظْھَارِ سَوَادِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِرْھَابًا لِعَدُوِّھِمْ۔

ترجمہ: طحاوی نے فرمایا کہ حضرت ابن انس کی ان روایتوں میں صرف عید کے لیے نکلنے کا ذکر ہے۔ یہ کہیں ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دوسرے دن عید پڑھائی یا از خود صحابہ نے نماز عید پڑھی ہو نماز عید دوسرے دن پڑھنے کا نام و نشان بھی نہیں ملتا تو اس نکلنے میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اتحاد مسلم کا اظہار ہو اور یہ احتمال بھی کہ دشمن پر ہیبت ڈال جائے۔ ہم نے جو تیسرا احتمال بچوں کی خوشی کا نکالا وہ بھی احادیث کی اشارت النص سے ثابت ہے۔ چنانچہ

نسائی شریف جلد اول ص۲۳۱ پر ہے۔ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كَانَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ لَا تَذْكُرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَتْ بِأَبَا فَقُلْتُ أَسَمِعْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَتْ نَعَمْ بِأَبَا قَالَ لِيَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ وَيَشْهَدْنَ الْعِيْدَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلْيَعْتَزِلِ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى۔

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا حضرت ام عطیہ جب بھی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لیتی تو فرمایا کرتیں "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں"، میں نے کہا کہ اے ام عطیہ کیا کبھی تم نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ایسا سنا ہے تو انھوں نے جوابًا کہا۔ ہاں میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں)۔ فرمایا تھا ایک دفعہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عید منانے کے لیے عواتق یعنی چھوٹی بچیاں اور پردہ فرض بچیاں اور حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ چلیں۔ ہاں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ کی حدود میں نہ آئیں۔ دیکھو نماز عید کسی عورت پر واجب نہیں۔ لیکن عیدگاہ میں بلایا گیا کیوں؟ صرف اس لیے تاکہ عید کی خوشی منائیں۔ اسی لیے چھوٹی بچیوں کو بھی بلایا گیا حالانکہ ان پر تو کوئی نماز بھی فرض نہیں۔ ثابت ہوا کہ عیدگاہ میں جانا صرف خوشی منانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے دوسرے دن نبی کریم نے لوگوں کو عیدگاہ کی طرف بھیجا اور خود تشریف نہ لے گئے۔ کیونکہ نماز تو اب ہو نہیں سکتی زوال ہو گیا۔ البتہ بچیوں بچوں کی خوشی پوری کرو۔ جنھوں نے کہ پورا مہینہ عید کا انتظار کیا ہے۔ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ جانے کا حکم نہ دیا۔ جس وقت دوپہر گواہی ملی تھی اور روزہ تڑوایا گیا تھا۔ حالانکہ صرف نماز ہی تو نہ پڑھی جاسکتی تھی۔ عید منانے کی تو کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشی اور مکمل پورے دن کی عید منانے کا صبح ہی کا سہانا وقت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ بچوں کی تیاری اب شروع ہوئی تھی۔ تیار ہوتے ہوتے تو شام ہو جاتی۔ تیسری وجہ یہ کہ رونق مسلمانی کفار کو بھی دکھانی تھی۔ کفار اس وقت اپنے کاروبار میں لگے ہوئے تھے۔ چوتھی وجہ یہ کہ عید منانے کی پوری مشابہت صبح ہی کا وقت ہے۔ پانچویں وجہ یہ کہ اسلام کا ہر کام صبح ہی سے شروع ہوتا ہے۔ بہر حال ان احادیث میں صرف بچوں کی عید منانے کا اشارہ ہے۔ نماز عید کا ثبوت نہیں اس سے نماز عید کا احتمال نکالنا جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے۔ وہ ان کا ذاتی خیال ہے۔ کوئی یقینی حکم نہیں **تیسری دلیل**: بحمدہٖ تعالیٰ جس طرح کہ دنیا کے ہر کافر۔ غیر مسلم گروہ سے زیادہ دنیا بھر کے مسلمان ہیں۔ اسی

طرح مسلم قوم میں اہل سنت اور اہل سنت کے سلاسلِ اربعہ میں حنفی گروہ اکثریت میں ہے ہم سب بحمدہٖ تعالیٰ حنفی المسلک ہیں۔ ہمیں اپنی ہر مشکل میں اولاً امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آستانہ پکڑنا چاہیے۔ چنانچہ کتب مشہورہ حنفیہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک عید الفطر کی نماز صرف پہلے دن پڑھی جا سکتی ہے۔ دوسرے دن قطعاً جائز نہیں ہاں امام یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دوسرے دن خاص مجبوری جائز ہے۔ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صـ۱۶۱ پر ہے۔ وَذُکِرَ فِي الْمُجْتَبیٰ عَنْ طَحَاوِيْ فِيْ شَرْحِ الْاٰثَارِ اَنَّ قَوْلُ اَبِيْ یُوْسُفَ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ اِنْ فَاتَتْ فِي الْیَوْمِ الْاَوَّلِ لَمْ تُقْضیٰ۔ ترجمہ: فتاویٰ حنفیہ مشہور مجتبیٰ میں طحاوی سے روایت ہے۔ معانی الآثار میں کہ بے شک یہ نماز عید کا دوسرے دن پڑھنے کا جواز صرف امام یوسف کا قول ہے اور امام اعظم نے فرمایا کہ اگر عید الفطر کی نماز پہلے دن فوت ہو جائے تو دوسرے دن قطعاً نہیں پڑھی جا سکتی اور یہ قانون متفقاً مشہور ہے کہ جب کسی مسئلے میں امامین کریمین شیخین یا طرفین کا اختلاف ہو جائے تو عبادات میں امام اعظم کے قول پر اور ذوی الارحام میں امام محمد کے قول پر اور قضاء معاملات میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ ردّ المحتار جلد اول صـ۴۷ کی مختصر عبارت اس طرح ہے۔ قَدْ جَعَلَ الْعُلَمَاءُ الْفَتْوٰی عَلَی الْقَوْلِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ فِی الْعِبَادَاتِ مُطْلَقًا ترجمہ: وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور نماز عید بھی عبادت ہے۔ اس لیے امام اعظم کے مسلک پر فتویٰ جاری کیا جائے گا کہ عید الفطر کی نماز کسی بھی صورت میں عذر یا پریشانی کی حالت دوسرے دن نہیں پڑھی جا سکتی۔ اگر عذر سے رہ گئی تو بندے کا قصور نہیں ہے اور نماز ختم۔ لیکن اگر جان کر کوئی مصنوعی بیہودہ عذر بنا کر چھوڑ دی گئی جیسا کہ ہمارے ان ناسمجھ بزرگوں نے کیا تو حکم قرآنی سنا ہی دیا گیا ہے۔ **چوتھی دلیل**: ابھی تک دلائل ثلثہ کی شکل میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی سے ثابت کر دیا گیا کہ نماز عید الفطر دوسرے دن پڑھنا سخت گناہ اور نا جائز ہے۔ اس کے علاوہ عقل اور قیاس شرعی اصولی بھی یہی فرماتا ہے کہ عید الفطر کی قضا دوسرے دن نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ عبادات الٰہیہ میں بجز پنجوقتہ نماز اور ماہ رمضان کے روزوں کے کوئی عبادت قضا نہیں ہوتی۔ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ فطرانہ۔ نہ جہاد۔ نہ کلمہ نہ تلاوت نہ سجدۂ تلاوت یہ عبادات جب بھی پڑھیں جائیں ادا ہی ہوں گی اور وقت ختم ہونے پر ختم ہو جائیں گی۔ بہر حال قضا نہیں ماہِ صیام کے روزے اور پنجوقتہ نماز اس لیے قضا ہوتی ہے کہ یہ

اشد بنیادی فرائض ہیں اور ان کی کثرت ہے اور وقت قلیل معین ہے۔ پابندی سخت ہے مگر بندہ بہت طرح مجبور ہے۔ جہاں یہ سختی اور پابندی نہ ہوگی۔ وہ اگرچہ نماز۔ روزہ ہی کیوں نہ ہو قضا نہ ہو گی۔ دیکھو نماز جمعہ کتنی اہم عبادت فرض ہے۔ مگر چونکہ اس نماز کی کثرت نہیں بلکہ آٹھویں دن ایک دفعہ۔ اس لیے اس کی بھی قضا نہیں ہوتی اور اس کا نعم البدل نماز ظہر پڑھ لی جاتی ہے۔ تو نماز عید فطر جو سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے اور نہ بنیادی فرض بھی بھلا اس کی قضا کیوں ہوگی۔ ۲ دوسری قیاسی وجہ یہ کہ نماز عید اور روزہ دونوں ضدین ہیں۔ دونوں جواز ایک دن میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جب عید ہوگی تو روزہ حرام ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۱۷۹ ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ دوسری حدیث شریف اس طرح ہے۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاصَوْمَ فِیْ یَوْمَیْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ منع فرمایا آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن روزہ رکھنے رکھنے سے ایک دن عیدالفطر اور باقی نحر کے دن۔ اور یہ ممانعت حرام کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص۲۹۲ پر ہے۔ (قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اَیْ نَھْیُ تَحْرِیْمٍ (الخ) قَالَ ابْنُ الْمَلِکِ اِتَّفَقُوْا عَلٰی حُرْمَۃِ صَوْمِ یَوْمِ الْعِیْدِ۔ ترجمہ: نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ منع فرمانا حرام ہونے کی ممانعت ابن ملک (فقیہ) نے فرمایا کہ تمام فقہاء امت نے عید کے دن روزہ رکھنے کو متفقاً حرام کہا ہے۔ توجس طرح عید کے دن روزہ حرام اسی طرح روزے کے جائز ہونے والے دن میں عید کی نماز ناجائز۔ تیسری قیاسی وجہ۔ عبادات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو مخصوص دن سے خاص نہیں فقط وقت سے معلق جیسے پنجوقتہ نماز اور ماہ رمضان کے روزے دوسری عبادات وہ جو وقت اور دن سے معلق و مخصوص ہیں۔ جیسے جمعہ و عیدین۔ فطر اور اضحیٰ۔ اور یہ قانون اسلامی شرعی مشہور ہے کہ ادا کا تو وقت معین ہوتا ہے۔ مگر قضا کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ دیکھو ظہر کی نماز قضا ہو جائے تو جب چاہے صبح و شام منگل۔ بدھ جب بھی پڑھ لے قضا ایک ہی درجے کی رہے گی۔ اسی طرح فرضی روزہ قضا ہو جائے توجس دن چاہے سال بھر میں۔ قضا کرے صرف اتنی پابندی ہے کہ روزے میں اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ

کا لحاظ رکھے اور نماز میں مکروہ وقتوں کا خیال رکھے۔ پس جن عبادات کا دن معین نہیں ان کی قضا جائز ہے۔ اور جن کا دن معین ہے۔ ان کی قضا ہرگز جائز نہیں۔ مثلاً نماز جمعہ۔ جمعہ کے دن سے معین و معلق ہے۔ اگر نہ پڑھا جا سکے تو جمعہ کے علاوہ ہفتے۔ اتوار۔ پیر کو نہیں پڑھ سکتے نہ آئندہ جمعہ کو اسی لیے اس کی قضا ناممکن اسی طرح نماز فطر۔ یوم فطر سے معلق ہے۔ تو جب یوم فطر یعنی یکم شوال ختم نمازِ عید بھی ختم۔ اگر اس کی قضا جائز ہوتی تو وقت گزارنے کے بعد رات دن میں ہر وقت جائز ہوتی۔ کیونکہ قضا کسی وقت سے پابند نہیں ہوتی۔ تو یہ کہنا کہ عید الفطر کل صبح پڑھی جائے یہ خود ساختہ ناجائز پابندی ہے اور ایسا ہی ہے۔ جیسے نماز جمعہ اتوار کو پڑھنا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قیاس کے مطابق یہی مسئلہ ہے کہ عید الفطر دوسرے دن نہ پڑھی جائے۔ یہی بات تمام فقہا فرماتے ہیں کہ نماز عید الفطر قیاس کے اعتبار سے یکم شوال کے بعد قطعاً نہیں پڑھ سکتے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم ص۱۷۵ پر ہے۔ اِنَّ الْاَصْلَ فِیْهَا اَنْ لَّا تُقْضٰی (الخ) اور فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم ص۷۹ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِیْهَا اَنْ لَّا تُقْضٰی کَالْجُمُعَةِ۔ ترجمہ: اصل یعنی مطابق قیاس یہ ہے کہ عید الفطر ہرگز قضا نہیں کی جاتی۔ جیسے کہ نماز جمعہ۔ فتاویٰ بحر الرائق نے امام اعظم کا مسلک بیان کرتے ہوئے یہی قیاس بیان فرمایا ہے کہ امام اعظم نے عید الفطر کی نماز کے قضا کو اسی قیاس سے منع فرمایا۔ چنانچہ ص۱۷۵ پر فرماتے ہیں۔ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ الْاَصْلَ اَنْ لَّا تُقْضٰی لٰکِنْ تَرَکْنَاهُ فِی الْاَضْحٰی لِخَصَائِصِ الْعِیْدِ ثَمَّهٗ وَهُوَ جَوَازُ التَّضْحِیَةِ وَحُرْمَةُ الصَّوْمِ وَفِیْمَا عَدَاهُ جَرَیْنَا عَلَی الْاَصْلِ۔ ترجمہ: اور امام اعظم کی دلیل نماز فطر کے ناجائز ہونے میں دوسرے دن یہ ہے کہ اصل قاعدہ کلیہ یعنی قیاس شرعی یہ ہے کہ قضا نہیں کی جا سکتی۔ لیکن یہ صرف عید الفطر میں ہے۔ نہ کہ عید الاضحٰی میں اس لیے کہ عید الاضحٰی کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں۔ جو عید الفطر میں نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ عید الاضحٰی میں تین دن تک قربانی جائز ہے اور مثلاً یہ کہ عید الاضحٰی میں ان تمام دنوں میں روزہ حرام ہے۔ قیاس کی ممنوعہ وجوہ عید الاضحٰی میں نہیں ہیں۔ اس لیے عید الاضحٰی پر یہ قیاس فٹ (درست) نہیں بیٹھتا۔ مگر چونکہ عید الفطر میں یہ قیاس درست رہتا ہے۔ بدیں وجہ یہاں ہم نے قیاس جاری رکھا اور نمازِ فطر کو دوسرے دن ناجائز قرار دیا یہ تھی امام اعظم کی دلیل۔ عید الاضحٰی دوسرے اور تیسرے دن بھی پڑھنی جائز ہے۔ دوسرے دن بلا عذر بھی جائز ہے۔ جیسا کہ فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ جس سے افتضاد ثابت ہوا۔

عید الاضحیٰ کو دوسرے دن یا تیسرے دن پڑھنا قضا نہیں ادا ہی ہے۔ اگرچہ فقہاء کرام نے اس کو قضا کا نام محاورۃً دے دیا۔ اس لیے کہ قضا پر گناہ لازم آتا ہے۔ مگر عید الاضحیٰ بلا عذر بھی دوسرے دن پڑھی جائے تو گناہ نہیں ہوتا۔ گویا کہ عید الاضحیٰ اس لیے تین دن تک جائز ہے کہ اس کا اپنا اصلی وقت مثلِ قربانی تین دن تک دراز ہے۔ اور تیسرے دن میں فقہا نے عذر کی شرط اس لیے لگائی تاکہ خواہ مخواہ مسلمان سستی نہ کریں۔ جیسے کہ عصر کی نمازِ وقتی غروب آفتاب تک دراز ہے مگر بلاوجہ۔ تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قیاس یہی ہے کہ جو نماز کسی خاص دن سے متعلق ہو۔ اس کی قضا جائز نہیں۔ دیکھیے حج کی قضا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ بھی یوم خاص سے متعلق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں صرف چار عبادتیں مخصوص دنوں سے وابستہ ہیں۔ ۱۔ نماز جمعہ، یوم جمعہ سے۔ لہٰذا اس کی قضا نہیں ۲۔ حج یوم عرفہ سے اس لیے اس کی قضا جائز نہیں۔ ۳۔ عید الاضحیٰ تین ایام نحر سے۔ اس لیے نماز اضحیٰ بھی ان تین دنوں کے بعد جائز نہیں ۴۔ نمازِ فطر یوم فطر یعنی یکم شوال سے بدیں وجہ قرآن مجید، حدیث پاک۔ امام اعظم کے مسلک اور قیاس کے دلائل سے اس کی قضا بھی ہرگز جائز نہیں۔ پانچویں دلیل، یہ تو ثابت ہو گیا کہ قیاس کے حکم سے نمازِ فطر کی قضا ناجائز ہوتی تو۔ یاد رکھیے کہ قیاس شرعی کسی شخص کے ذاتی احتمال یا ذاتی خیال سے نہیں توڑا جا سکتا ہے۔ ہاں صریحی حدیث کے صاف صاف حکم سے قیاس کو ترک کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ کتب اصول فقہ میں درج ہے۔ چنانچہ نور الانوار ص ۱۶ پر اور حسامی ص ۶۹ پر ہے۔ كَانَ حَدِيثُهُمْ حُجَّةً يُتْرَكُ بِهِ الْقِيَاسُ وَإِنْ كَانَ الرَّاوِيُّ مَعْرُوفًا بِالْعَدَالَةِ وَالْحِفْظِ وَالضَّبْطِ دُوْنَ الْفِقْهِ مِثْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ فَإِنْ وَافَقَ حَدِيثُهُ الْقِيَاسَ عُمِلَ بِهِ وَإِنْ خَالَفَهُ لَمْ يُتْرَكْ (الخ ترجمہ: یعنی فقہاء صحابہ کی صریح حدیث سے قیاس چھوڑا جائے گا۔ غیر فقیہ راوی سے قیاس کو نہ چھوڑا جائے گا۔ جیسے ابوہریرہؓ اور انسؓ مالک کہ یہ فقیہ نہیں۔ نماز عید الفطر کا مسئلہ فقہاء کرام کے نزدیک قیاس شرعی کے مطابق ہے کیونکہ جمعہ منصوص علیہ کی علت اور حج منصوص علیہ کی علت یعنی تعیین یوم یہاں بھی ہے۔ اس لیے وہ جمعہ تو اسی علت کی وجہ سے قضا نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں صاف ممانعت آ گئی۔ اس پر اس علت کی وجہ سے قیاس کر کے نماز فطر کی قضا بھی ممنوع ہو گئی اور اسی کو قیاس شرعی کہتے ہیں۔ چنانچہ اصولِ شاشی ص ۱۵۲ پر ہے۔ اَلْقِيَاسُ الشَّرْعِيُّ هُوَ تَرَتُّبُ الْحُكْمِ فِي غَيْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ عَلَى مَعْنًى هُوَ عِلَّةٌ لِذَالِكَ الْحُكْمِ فِي الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ۔ ترجمہ: یعنی جس

وجہ سے شریعت نے ایک چیز منع کی تھی۔ وہی وجہ کسی دوسری چیز میں پائی جائے مگر اس کی ممانعت صراحتاً احادیث میں نہ ہو۔ نہ قرآن پاک میں تو وہ قیاسی طور پر منع ہو گی۔ بالکل یہی صورت نمازِ فطر کی قضا میں پائی جا رہی ہے۔ اس کی اس لیے اس کی قضا بھی منع ہے جمعہ کی طرح۔ یہ قیاس کسی حدیث نے نہ توڑا مگر ہمارے بعض متقدمین فقہاء کرام مندرجہ بالا ابوداؤد اور نسائی کی احادیثِ مذکورہ میں۔ احتمال یہ نکالتے ہیں کہ نبی کریم نے مصلی یعنی عیدگاہ جانے کا حکم صرف نمازِ عید کے لیے دیا۔ لہٰذا دوسرے دن نمازِ فطر کی قضا جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۶۱ پر ہے۔ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ إِلَى الْغَدِ فَقَطْ۔ ترجمہ: نماز عید الفطر کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن قضا کرنی جائز ہے۔ اسی طرح فتح القدیر اور فتاویٰ تنویر الابصار جس کی شرح درمختار ہے اور ان سب کے نزدیک یہ قضا کا جواز ان روایتوں کے احتمال سے پیدا ہوا۔ چنانچہ فتاویٰ فتح القدیر دوم صفحہ ۷۳ پر۔ اس کا اظہار اس طرح ہے۔ وَكَانَ ذَالِكَ تَاخِيرًا لِعُذْرٍ سَمَاوِيٍ۔ ترجمہ: اور تھی یہ تاخیر نماز فطر آسمانی عذر کی وجہ سے۔ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۶۱ پر ہے۔ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَّا تُقْضٰى لٰكِنْ وَرَدَ الْحَدِيثُ بِتَاخِيرِهَا إِلَى الْغَدِ لِعُذْرٍ فَبَقِيَ مَا عَدَاهُ عَلَى الْأَصْلِ فَلَا تُؤَخَّرُ إِلَى الْغَدِ بِغَيْرِ عُذْرٍ۔ ترجمہ: نماز عید الفطر میں اصل قانون تو یہی ہے کہ قضا ہرگز نہ کی جائے لیکن چونکہ حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔ دوسرے دن تک اس کی تاخیر کے جواز میں کسی عذر کی وجہ سے تو عذر کے علاوہ صورتیں اپنے قیاس پر قائم اور باقی رہیں گے اس لیے بغیر عذر نمازِ عید فطر قضا کرنی ہرگز جائز نہیں۔ فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۷۴ پر ہے۔ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَّا تُقْضٰى كَالْجُمُعَةِ إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْحَدِيثِ وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّاخِيرِ إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عِنْدَ الْعُذْرِ۔ ترجمہ: قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ نمازِ فطر قضا نہ کی جائے مثل جمعہ کے مگر ہم نے اس قیاس کو صرف اس حدیث کی وجہ سے چھوڑا جو عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک تاخیر کے لیے وارد ہوئی۔ یہ تھا فقہاء کا قول جس سے تاخیر اور قضا کا جواز نکلا۔ مگر میں فقہاء کی اس بات کو بہت ہی کمزور سمجھتا ہوں۔ دو۲ وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ فقہا کو اس حدیث کے سوا کوئی بھی کہیں سے دلیل ہاتھ نہیں آئی جس سے وہ نمازِ فطر کی قضا کو جائز کر لیتے۔ حالانکہ اس حدیث شریف میں بھی کوئی صراحتاً نماز کا ذکر نہیں صرف ایک احتمال ہی ہے۔ احتمالات پر اتنے عظیم قیاس کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ احتمال تو ہر جگہ بہت سے نکل سکتے ہیں۔ **دوسری وجہ سے**: یہ کہ بجز ان چند فقہا کے کسی نے بھی ان روایتوں

کو قضاءِ عید پر دلیل نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ امام اعظم نے اسی حدیث پاک کو اپنے اس مسلک پر دلیل بنایا۔ کہ عید الفطر کی نماز کا آخری وقت قبل زوال ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابوداؤد جلد اول صـ۱۶۴ پر ہے۔ وَبِهٖ اَخَذَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِنَّ وَقْتَهَا مِنْ اِرْتِفَاعِ الشَّمْسِ اِلٰی زَوَالِهَا۔ ترجمہ: اور اسی حدیث سے امام اعظم نے اپنا مسلک بنایا کہ عید کی نماز کا وقت زوال تک ہے۔ جبکہ بعض ائمہ نے اس قول سے اختلاف کیا۔ اگر اس حدیث سے دوسرے دن نماز پڑھنے کا احتمال نکلتا تو امام اعظم اور امام یوسف کا قضاءِ عید کے مسئلے پر اختلاف نہ ظاہر ہوتا۔ حالانکہ امام اعظم صاف صاف نماز عید کی قضا سے سختی سے منع فرما رہے ہیں۔ نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام اعظم کو یہ روایت ملی نہیں اس لیے کہ یہ تو امام اعظم کی شاندار دلیل ہے اور اس کو امام اعظم نے اپنی دلیل بنایا کہ اگر بعد زوال نماز عید جائز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت جماعت نماز عید قائم فرما دیتے جس وقت چاند کی گواہی ملی اور روزے تڑوائے تھے مگر ایسا نہ کیا تو یہ حدیث پاک امام اعظم کی دلیل نماز نہ پڑھنے کی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ امام اعظم نے اس حدیث پر جان کر عمل نہ کیا اور امام یوسف کی مخالفت کی (معاذ اللہ) بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث سے یہ احتمال نہیں نکل سکتا تھا۔ مگر فقہاءِ کرام نے اپنی سمجھ کے مطابق احتمال نکال لیا لیکن اس کے باوجود فقہا کا یہ مسلک بھی موجودہ فیصلے کے لئے مفید یا سہارا نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ سب فقہا اس جواز قضا کو خلاف قیاس مانتے ہیں اور احتمال میں عذر آسمانی ثابت کرتے ہیں اور عذر آسمانی صرف چاند کی رویت نہ ہونا ہے اور بعد زوال رویت ہلال کی گواہی ملنا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے عبارات فقہ سے ثابت کر دیا اور یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے۔ کہ خلاف قیاس مسئلہ اپنے مورد پر قائم رہتا ہے۔ چنانچہ شارح وقایہ جلد اول صـ۷۷ پر ہے۔ ثبت بالحدیث عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ فَیُقْتَصَرُ عَلٰی مَوْرِدِهٖ۔ اور عُمْدَةُ الرِّعَایَه۔ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صـ۷۷ پر ہے۔ وَکُلُّ مَا ثَبَتَ بِخِلَافِ الْقِیَاسِ لَا یُقَاسُ عَلَیْهِ غَیْرُهٗ بَلْ یُقْتَصَرُ عَلٰی مَوْرِدِهٖ۔ ترجمہ: جو مسئلہ حدیث پاک سے خلافِ قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر ہی رہے گا۔ اس پر پھر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہنسی سے نماز اور وضو ٹوٹنا خلافِ قیاس مسئلہ ہے مگر حدیث پاک سے ثابت ہے۔ تو جس قسم کی نماز میں ہنسنے کا ذکر حدیث میں آیا۔ بس اسی قسم کی نماز میں ہنسنے سے وضو اور نماز ٹوٹے گی۔ اس کے علاوہ کسی طرح کسی جگہ کوئی بھی ہنسنے وضو نہ ٹوٹے گا۔

لہذا نمازِ جنازہ اور نماز کے بغیر کوئی کتنا ہی ہنسے صرف ہنسنے سے وضو یا نمازِ جنازہ نہیں ٹوٹے گی ہاں سجدہ۔ رکوع والی ہر نماز ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جب نبی کریم نے ہنسنے والوں کو وضو ٹوٹنے کا مسئلہ بتایا تو رکوع۔ سجدے والی نماز تھی۔ اسی طرح ان فقہاء کرام کے نزدیک قضاءِ عید کے لیے جو عذر حدیثِ پاک سے ثابت ہوا وہ صرف رویت ہلال کی گڑبڑ اور بعد زوال گواہی ملنے کا عذر ہے اور یہ ہے خلافِ قیاس۔ لہذا اس قسم کے عذر آسمانی ہی کی صورت میں نماز قضا جائز ہوگی۔ فقط زمینی عذر قابلِ جواز نہ ہوگا۔ مگر ہمارے اُن فیصلہ کرنے والوں نے اپنے اس غیر شرعی غلط فیصلہ کے لیے فقہا اور شریعت کے ان اصول پر بھی غور نہ کیا لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ فقہاءِ احناف کے مسلک میں غلط ہے اور اس پر عمل کرنا گناہ کبیرہ باعثِ عذابِ فقہاءِ کرام کا یہ عذر آسمانی تو بہت ہی شاذ و نادر ہے اور آج اس دور میں بعد دوپہر کوئی رویت ہلال عید فطر کی گواہی دینے آئے جب کہ ایک ہی رات کے اندر اندر سائنسی آلات ٹیلی فون وائرلیس کے ذریعے مشرق و مغرب ساری دنیا میں آواز پہنچا کر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے اور برطانیہ جیسے اَبر آلود ملک میں بھی آن واحد میں چاند کا پتہ لگ جاتا ہے۔ خود میری ۲۵ سالہ زندگی میں رویت ہلال کا یہ عذر کبھی پیش نہیں آیا۔ نہ کہیں اور مثال ملتی ہے۔ نہ کبھی دوسرے دن عید پڑھنے کا تذکرہ سُنا گیا۔ یہ ہمارے ان بزرگوں کا انوکھا فیصلہ ہے اور پھر اس ملک برطانیہ میں رویت ہلال کے گواہوں کا انتظار کرنا تو بالکل ہی نادانی ہے۔ یہاں تو چودھویں کا چاند نظر آجائے تو بھی غنیمت ہے۔ اکثر مطلع ابر آلود رہتا ہے۔ یہاں تو رویت ہلال میسر نہیں آسکتی اور ہمیشہ بن دیکھے۔ تیس پورے نہیں کیے جاسکتے کیونکہ آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ھٰکذا وھٰکذا الشھر ھٰکذا ھٰکذا۔ ھٰکذا وھٰکذا وھٰکذا الشھر ھٰکذا وھٰکذا وھٰکذا (مشکوٰۃ شریف ص) یعنی مہینہ کبھی تیس یوم کا ہوتا ہے کبھی انتیس یوم کا اگر ہم برطانیہ میں اپنی نا سمجھی سے ہمیشہ ہی تیس روزے پورے کریں۔ تو اگلے مہینے خراب ہوں گے اور ہم پر بھی فعل حرام لازم ہوگا۔ اس لیے ہم برطانیہ والوں کو دوسرے اسلامی ممالک کے فیصلہ شرعی کے استفسار کے لیے رابطہ قائم کرنا اشد لازم ہے اور دنیا کے کسی اسلامی ملک میں اگر چاند کا فیصلہ شرعی قانون کے اعتبار سے ہوگیا اور ہم کو ٹیلی فون یا وائرلیس یا ریڈیو۔ ٹیلی ویژن وہاں کی خبر مستفیض مل گئی تو ہم پر عید کرنی واجب ہے۔ دور نزدیک ممالک کا کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد دوم ص۱۳۲ پر ہے۔

فَیَلْزِمُ اَھْلَ الشَّرْقِ بِرُؤْیَۃِ اَھْلِ الْغَرْبِ اِذَا ثَبَتَ عِنْدَھُمْ رُؤْیَۃُ اُولٰئِکَ بِطَرِیْقٍ مُوْجِبٍ ۔

ترجمہ: یعنی اگر دور کہیں مغربی ملکوں میں شرعی اسلامی طریقوں سے ہلال عید وغیرہ ثابت کر دیا گیا اور انہوں نے فیصلہ رویتِ ہلال نافذ کر دیا تو اس فیصلے پر مشرق میں رہنے والے مسلمان پر عمل لازم ہے۔ علیحدہ اپنی مت مانی کرنے اور تیس روزے پورا کرنے گناہ ہوں گے کہ اس صورت میں یوم فطر کا روزہ بنے گا جو حرام ہے۔ چھٹی دلیل: درمختار شرح تنویر الابصار جلد دوم صـ۱۷۶ پر ہے۔ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ كَمَطَرٍ إِلَى الزَّوَالِ مِنَ الْغَدِ - ترجمہ اور عید فطر کی نماز کل زوال تک مؤخر کی جا سکتی ہے عذر کی وجہ سے۔ جیسے کہ مطر چونکہ کچھ فقہاء نے آسمانی عذر کی وجہ سے عید مؤخر کرنے کا جواز بیان کیا تھا اور آسمانی عذر صرف چاند نہ نظر آنا ہے۔ چاند نظر نہ آنے کی بڑی وجہ مطلع ابر آلود ہونا ہے۔ بجز اس کے اور کوئی عذر نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ ہم نے باحوالہ پہلے ثابت کر دیا تو شاید کوئی درمختار کی اس عبارت سے دھوکہ کھاتے ہوئے کہدے کہ آسمانی عذر کے علاوہ بھی زمینی عذر کے ہوتے ہوئے نماز عید قضا کرنی جائز ہے اور جس طرح صاحب درمختار نے چاند کے ایک عذر میں گنجائش نکال کر مطر عذرِ زمینی بھی قضا کے لیے معتبر مانا تو ہم اور آگے بڑھ کر چھٹی وغیرہ کا عذر بھی بنا سکتے ہیں۔ اس لیے خود پسند دھوکے سے بچانے کے لیے اس محولہ مندرجہ بالا درمختار کی عبارت کی لغوی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے۔ اولاً تو ہم نے اپنی تحریر میں سابقہ دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ قطعاً کوئی عذر زمینی یا آسمانی عید کو قضا کرنے کے لیے نہیں مانا جا سکتا۔ عید فطر کی نماز قضا ہو سکتی ہی نہیں۔ ہاں کچھ مذکورہ فقہاء نے اپنا قلبی احتمال پیدا کر کے صرف آسمانی عذر کو معتبر سمجھا۔ درمختار نے بھی فقط اسی آسمانی عذر کا ذکر کیا ہے اور مطر کے معنیٰ بادل اور ابر کے ہیں نہ کہ بارش چنانچہ کتب لغت میں مطر کے معنیٰ تین ہیں ۱۔ بادل ۲۔ موسم برسات ۳۔ بارش۔ فیروز اللغات کلاں صـ۱۲۶۹ پر ہے مطر۔ بارش و الا موسم۔ یا آسمان اور کتاب المعجم الوسیط جلد دوم صـ۸۸۲ پر ہے مَطِرٌ یوم مطر۔ ذو مطر۔ المنجد عربی۔ صـ۷۷۶ پر ہے۔ المطر مَا اَصَابَهُ المطر و سحاب۔ ترجمہ: مطر کا معنیٰ۔ بارش کا یوم یعنی زمانہ۔ بادل والا آسمان۔ جس کو بارش پہنچی ہو اور مطر کا معنیٰ سحاب بھی ہے اور سحاب کے معنیٰ صرف بادل ہیں۔ خواہ پانی والا بادل ہو یا خشک بادل چنانچہ المعجم وسیط جلد اول صـ۴۲۰ پر ہے۔ اَلسَّحَابُ اَلْغَيْمُ سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ مَاءٌ اَمْ لَمْ يَكُنْ - ترجمہ: اوپر گزرا۔ ثابت ہو گیا کہ لفظ مطر کے معنیٰ بارش بھی ہے اور بادل بھی لیکن ہم یہاں مطر کے معنیٰ بادل کریں گے۔ کیونکہ صاحب ردمختار کی یہی مراد

معلوم ہوتی ہے اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ۲۹ رمضان المبارک شام کو آسمان پر مطر ہو اور چاند نظر نہ آئے۔ تو صبح بعد زوال پتہ لگ جانے پر عید کی نماز دوسرے دن صبح قضا کر کے پڑھی جائے کیونکہ زوال تک چاند کی گواہی نہ ملنی عذر ہے قضا کرنے کا ہمارے اس مطلب سے درمختار کی یہ عبارت ان فقہاء کے مطابق ہو جاتی ہے۔ جنہوں نے صرف چاند کی گڑبڑ کو عذر بنایا نہ کہ دوسرے کسی عذر کو۔ اگر اس مطلب کو ہمارے مخالف تسلیم نہ کریں۔ تو درمختار پر تین طرح اعتراض وارد ہوں گے۔ ایک یہ کہ مطر کا معنیٰ بارش کرنی پڑے گی اور بارش کا وقت عین صبح کے وقت ماننا پڑے گا۔ زوال تک۔ حالانکہ یہ بھی شاذ ہے۔ دوم یہ کہ دیگر فقہاء کی مخالفت لازم آئے گی۔ سوم یہ کہ اصولِ فقہ کے قانون کی مخالفت لازم آئے گی۔

۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ خلافِ قیاس اپنے مورد پر رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مطر کا معنیٰ اگر بارش کیا جائے۔ تو ایک حدیث پاک کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں بارش کو عذر نہیں مانا گیا اور بارش کی وجہ سے قضا تو درکنار زوال تک دیر لگانا گوارہ نہیں۔ چنانچہ۔ ابوداود شریف جلد اول ص۱۶۴ پر ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بہت بارش ہوئی۔ تو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مسجد نبوی شریف کے اندر ہی نماز عید پڑھا دی۔ یعنی عیدگاہ نہ گئے۔ اگر بارش ہونا عذر ہوتا تو نبی کریم نماز عید کو کل تک کے لیے موخر فرما دیتے اور اگر درمختار کی عبارت میں مطر کا معنیٰ بارش ہی کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ مصنف کتاب درمختار نے سب فقہاء کے خلاف اور حدیث پاک کے خلاف نیا مذہب بنا لیا اور خلاف قیاس کو بلا دلیل وسعت دیکر معمولی معمولی عذر پیدا کرنے کا دروازہ کھولا اور آیندہ نسلوں کو فتنے میں ڈالا۔ لہذا جناب محترم کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح تدبر و تفکر سے کام لینا چاہیے نہ خود بُرے بنو نہ اکابر کو بُرا بناؤ۔ ورنہ دین تماشا بن جائے گا اور نئی نسل ایسے فیصلوں سے برگشتہ دین ہو گی۔ نہ کہ چودہ سو سالہ پرانے اسوہ حسنہ سے ہماری اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ عید الفطر کی نماز کسی بھی عذر سے قضا کرنی

جائز نہیں اگر پہلے دن مجبوری سے رہے گی تو معافی ہے۔ لیکن اگر یکم شوال کو جانتے بوجھتے صرف مزدوروں کی چھٹی کے عذر سے عید چھوڑی تو تمام لوگ سخت ترین مجرم شرعی اور گناہ گار ہیں۔ جن دو عالموں نے یہ مذکورہ فیصلہ کیا ہے ان کو علی الاعلان اس غیر شرعی فیصلے سے توبہ کرنی چاہیے۔ حیرانی تو اس بات کی ہے۔ اس فیصلہ میں بعض لوگوں کو روزہ رکھوایا جا رہا ہے اور بعض کو عید کی وجہ سے روزہ چھڑوایا جا رہا ہے۔ عید بھی مانتے ہیں روزہ بھی رکھواتے ہیں۔ نماز عید قضا بھی کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ ہے یا شریعت کا مذاق ہے کیا ایسے علمی مظاہرے قرب قیامت کی نشانی نہیں۔ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود شامی نے در مختار کے لفظ مطر سے دھوکہ کھایا اور اس بنیاد پر مزید عذر بیان کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن چونکہ شامی کی عبادت در مختار کی شرح ان کا اپنا فیصلہ نہیں اس لیے اس سے بحث نہیں۔ مگر تحقیق حق سے ثابت ہوا کہ امام اعظم کا مسلک مدلل اور برحق ہے۔ باقی سب فقہا کے نظریات باطل ہیں اور کمزور۔ لہذا کوئی مسلمان کبھی بھی اس فیصلے پر عمل نہ کرے بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں امام اعظم کے مسلک پر عمل کیا جائے اور کسی مسلمان کو عالم یا غیر عالم کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی من مانی سے چھ دن پہلے فیصلے کرتا پھرے۔ عید کے دن روزہ رکھوانا۔ شریعت پاک کی کھلم کھلا توہین ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فتوٰی ۲۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ برطانیہ میں بعض مسلمانوں نے رمضان المبارک کا آغاز ۲۲ فروری بروز سوموار کو کیا۔ جبکہ   کی اطلاع کے مطابق ۲۱ فروری کو چاند نظر نہیں آسکتا تھا۔ جبکہ چاند طلوع ۱ بجکر ۵ منٹ اور غروب ۵ بجکر ۴۸ منٹ پر۔ اس کے مطابق چاند کی عمر ۴ گھنٹے ۴۳ منٹ بنتی ہے۔ لہذا جن مسلمانوں نے بعض علماء کے کہنے پر ۲۲ فروری کو روزہ رکھا۔ اس روزے کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء کو آبزرویٹری کی اطلاع کے مطابق عید الفطر کا چاند نظر نہیں آرہا۔ لہذا ۲۴ مارچ ۱۹۹۳ء

کو رمضان المبارک کا روزہ ہونا چاہیے۔ لیکن ۲۲ فروری کو آغاز رمضان المبارک کرنے والے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد ۲۴ مارچ کو عید کریں۔ مہربانی فرماکر ان مسائل کی شرعی نوعیت بتائیں۔ اور اسلامی شریعت پر فتوای صادر فرمائیں۔ انگلینڈ محکمہ موسمیات کی تصدیق کے مطابق چاند کی عمر کم از کم ۱۴ گھنٹے ۲۸ منٹ ہو تو اس کے نظر آنے کے امکانات ہیں۔ شرعی حیثیت سے چاند کی کتنی عمر ہو تو نظر آسکتا ہے۔ براہ کرم اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

الراقم الحروف: ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء۔

حافظ محمد اسلم خان۔ جنرل سیکرٹری مدرسہ ضیاء القرآن۔

سید ابرار حسین شاہ بخاری

حافظ محمد اختر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ تعالٰی ونصلی علٰی رسولہ الکریم

بعون العلام الوھاب

الجواب

قانونِ شریعت کے مطابق سائلین کی تحقیق مندرجہ فی السوال کے علاوہ خود ہماری ذاتی تحقیق وکاوش کے تحت اس سال ۲۲ فروری ۱۹۹۳ء بروز پیر کا روزہ قطعاً غلط اور خلافِ قرآن مجید وحدیث پاک ہے یہ روزہ شعبان ۱۴۱۳ھ کی تقریباً تیس۳۰ تاریخ کا بنتا ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق تو آنے دن نفلی روزہ بھی رکھنا ممنوع و مکروہ ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مشابہ ہے۔ ہماری تفتیش اور رابطہ ممالک اسلامیہ وغیرہ کے مطابق ۲۱ فروری بروز اتوار بعد غروب آفتاب ساری دنیا میں کہیں بھی چاند نظر نہیں آیا اسی وجہ سے ہماری معلومات میں یہ ثابت ہوگیا تھا کہ بروز سوموار ۲۲ فروری ۱۹۹۳ء ہندوستان، پاکستان، مراکش، ایران، وغیرہ کہیں بھی مجموعی طور پر ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ثابت نہ ہوئی نہ کہیں چاند دیکھنے کی شرعی گواہی ملی اسی لیے ان تمام ممالک کی اسلامی رویتِ ہلال کمیٹیوں نے اپنے علاقوں کو ملکوں میں چاند نہ ہونے کا اعلان کردیا۔ یہاں تک کہ سعودی عرب میں ہم نے وہاں موجود اپنے متعدد احباب سے ذاتی معلوماتی رابطے قائم کیے انھوں نے ہم کو اطلاع دی کہ یہاں مطلع صاف ہونے کے باوجود

کوشش بسیار کی رویت سے کہیں چاند نظر نہیں آیا۔ اگرچہ وہاں کی بادشاہی قانونی پابندی کے مطابق عوام مسلمانوں کا علی الاعلان چاند دیکھنا یا ایک دوسرے سے گواہی لینا منع ہے۔ مگر غیور اور شریعت پسند مسلمانوں نے اپنی اپنی چھتوں سے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کے باوجود بغیر رویت ہلال روزے رکھنے کا جبری اعلان کر دیا گیا اگرچہ بہت سے نیک لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا اور حدیث پاک کی حکمی تصریح و ممانعت کی بنا پر اس دن کو یوم الشک قرار دیا۔ نیز ہماری معلومات کی بنا ر پر حکومت سعودیہ کی آبزرویٹری (محکمہ موسمیات) نے ۲۹ یوم الآخر (اتوار) کی شام کو چاند نظر نہ آنے کی تاکید کر دی۔ اس لیے مندرجہ ذیل دلائل اسلامیہ کے اعتبار و یقین و ایمان پر ۲۲ فروری پیر کا روزہ قطعاً غلط ہے ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ بروز منگل (یوم الثلاثاء) یعنی ۲۳ فروری ۱۹۹۳ء بنتی ہے اور صحیح اسلامی فرض روزہ بروز منگل بنتا ہے۔ جن لوگوں نے صرف سعودی وہابیوں مقامی دیو بندیوں کی دیکھا دیکھی روزہ پیر ۲۲ فروری کو رکھا یا اپنی مساجد میں فیصلہ کیا وہ سب گنہ گار ہیں۔ اگر انھوں ... کر بھی ۲۴ مارچ کو بروز بدھ عید الفطر منائی تو شرعی لحاظ سے ... وہ دن ماہ رمضان میں شامل ہے۔ یہ شرعی تحقیقی فتوای مندرجہ ذیل دلائل ... میں لکھا گیا ہے: دلیل اوّل۔ باری تعالٰی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ پارہ دوم سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۹ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ ترجمہ۔ اور یہ صحابہ پوچھتے ہیں۔ آپ سے پہلی تاریخوں کے چھوٹے چاندوں کے بارے میں فرمادیجیے کہ ہلال چاند لوگوں کے لیے تاریخی جنتری ہے اور حج کی تاریخیں معلوم کرنے کا آلہ اس آیت کریمہ نے صاف صاف بیان کر دیا کہ اسلام کے تمام کام خصوصاً عبادات اور روزے عیدیں اور حج چاند کی ہی تاریخ سے ہوں گے اور چاند کو دیکھنے کے بغیر نہ تاریخ کا پتہ چلے نہ ہلال کا علم ہو سکے۔ ثابت ہوا کہ چاند کو انسانی آنکھ سے دیکھنا واجب و ضروری ہے۔ ہلال اسی چاند کو کہتے ہیں جو آنکھ سے نظر آجائے خواہ کسی بھی دور و نزدیک علاقے میں نظر آئے۔ پہلے ہی ہلال سے اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ شروع ہوتی ہے جب تک چاند نظر نہ آئے خواہ کوئی بھی اپنے زور عقل اور حاکمانہ جبر و تشدد سے کہتا رہے کہ آج مہینہ شروع ہو گیا اور پہلا روزہ یا عید ہے ہر گز صحیح نہ ہوگا۔ دوسری دلیل۔ نسائی شریف کتاب الصیام ۲ مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ باب الصوم میں ہے۔ صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ

وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ ۳ اور ابو داؤد شریف کتاب الصوم میں ہے ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ ۴ بخاری کتاب الصوم ۵ مسلم جلد اول کتاب الصیام میں ہے اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا اسی میں دوسری روایت ہے وَصُوْمُوْا رَمَضَانَ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ ۶ موطا امام مالک باب الصیام ۷ بخاری جلد اول ۸ مسلم جلد اول ۹ ابو داؤد شریف جلد اول کتاب الصوم ۱۰ نسائی شریف کتاب الصیام ۱۱ مسند احمد بن حنبل میں ہے عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ ۱۲ ترمذی شریف کتاب الصوم میں ہے ۱۳ نسائی شریف میں۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ۔ ان تمام احادیث کا ترجمہ یہی ہے کہ خبردار اے مسلمانوں جب تک چاند آنکھوں سے نظر نہ آئے اس وقت تک روزہ مت رکھو کیونکہ رویتِ ہلال سے پہلے رمضان کا مہینہ شروع ہی نہ ہوا ہے اور قبل رمضان ماہ رمضان کا فرض روزہ بنانا اور سمجھنا گناہ عظیم ہے۔ یہ تیرہ احادیث مبارکہ بذاتِ خود تیرہ دلائلِ قطعیہ ہیں۔ تیسری دلیل۔ ماہ رمضان مبارک کا چاند دنیا بھر میں کسی کی آنکھ سے نظر نہ آئے اس کے باوجود کسی علاقے کے لوگ چاند ہونے کی عمومی خبر دیں۔ صرف دیکھا دیکھی یا سنی سنائی تو اس کو شریعتِ اسلامیہ کی زبان میں یوم الشک کہتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم مطبوعہ مکتبہ علریہ رضویہ فیصل آباد پاکستان ص۵۱۹ و ص۵۲۰ پر یوم الشک کے روزے کو حرام لکھا ہے اور فرض سمجھ کر رکھنے والا گناہ گار ہوگا اور فعل حرام کا مرتکب۔ نیز حدیث پاک میں صاف صاف ارشاد فرمایا گیا کہ یوم الشک کا روزہ ممنوع ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کتاب الصوم ۱ بخاری شریف جلد اول باب الصوم ۲ نسائی شریف باب الصیام میں ہے مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ شُكَّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۴ ابن ماجہ شریف میں ہے مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَانِيْ ۵ ابو داؤد جلد اول میں ہے مَنْ صَامَ هٰذَا الْيَوْمَ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ ۶ دارمی جلد اول میں ہے قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصَانِيْ ان تمام احادیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا۔ اس نے میری نافرمانی کی۔ بعض جہلا اور ناواقف لوگ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ چلو کیا ہوا ثواب تو روزے کا مل ہی جائے گا۔ مگر یہ غلط ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ جس کام سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی ظاہر ہو اور جو کام حرام ہو کرنے والا جس سے سخت قسم کا گناہ گار بھی ہو جائے اس پر ثواب کیسے مل سکتا ہے۔ لیکن اب فکر سابقہ عمل باطل کی نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ عید الفطر کی فکر ہے اور ہر اس مسلمان کو اگلے عید الفطر کے بارے میں غلط کام سے بچانے کے لیے یہ فتویٰ لکھا جا رہا ہے۔ جو اپنے اس غلط روزے کو اپنی بے شعوری

ہیں صحیح سمجھتے ہوئے آئندہ عید بھی قرآن و حدیث کے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ صرف اپنے ان مسلمان بھائیوں کو اللہ رسول کا خوف دلا کر صحیح یعنی شرعی عید منانے کی تلقین مقصود ہے تاکہ کسی کی عبادت ضائع نہ جائے۔ ورنہ یہ لوگ جو آج بڑے میٹھے بن کر مسلمانوں کے روزے عیدین حج فطرانے ضائع کرانے اور ثواب کی بجائے عذاب اُخروی جنت کے بجائے جہنم میں ڈلوانے کے درپے ہیں۔ وہ کل قیامت میں ساتھ نہ نبھائیں گے۔ بلکہ دامن چھڑائیں گے۔ کچھ عوام الناس یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو کیا ہے اس غلطی کا عذاب امام اور خطیب پر ہے ہم بے علم ہیں۔ اگر یہ روزہ و عید غلط ہے تو کیا امام مسجد کو اس کی فکر نہیں اس کو عذاب کا ڈر نہیں؟ مگر یہ باتیں بھی کل قیامت میں آپ کو نہ بچا سکیں گی یہ سب ابلیسی ہی دھوکے ہیں۔ ہر مسلمان باشعور ہے ہر شخص کو غلط اور صحیح کا علم ہے اس لیے کوئی بھی غلط کار عذاب الیم سے نہ بچ سکے گا۔ یہ فتوٰی صرف ایسے لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے رکھا گیا ہے اور لکھوایا گیا ہے **دلیل چہارم** میں نے چند ان ائمہ مساجد اور خطباء اہل سنت سے ان کے اس غلط اور غیر شرعی روزے کے فیصلے کے بارے میں گفتگو کی جنھوں نے اہل سنت والجماعت ہونے کے باوجود غلط کار لوگوں کے ساتھ لگ کر اپنے مقتدی مسلمانوں کے روزے برباد کیے اور آئندہ عید پر ان سے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں نے ذمے دار عالم خطیب ہونے کے باوجود قرآن مجید اور احادیث پاک کے سراسر خلافِ رمضان کا فیصلہ کیوں کیا۔ تو ان کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ ہم مسلمانوں میں اتحاد برقرار رکھنا چاہتے غیر قومیں انگریز وغیرہ ہماری آپس کی چپقلش اور تین تین۔ دو۔ دو عیدوں سے ہمارا مذاق اڑاتی ہیں۔ میں نے جواباً کہا یہ کیسا اتحاد ہے کہ اللہ رسول شریعت قرآن و حدیث سے مخالف ہو کر باطل کے سامنے سرنگوں و مغلوب ہو کر اتحاد کیا جائے کہا سنی علماء باطل وہابیہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے کے لیے بھی رہ گئے ہیں یہ کیسا اتحاد ہے کہ ایک شخص دن کو رات جھوٹ کو سچ۔ دو اور دو کو چار کے بجائے تین کہتا ہے آپ اس کے ساتھ اتحاد کرنے کے لیے اس طرح جھوٹ کو سچ کہنا شروع کر دیں یہ اتحاد نہیں باطل نوازی ہے کیا اتحاد حق کی موافقت سچ کی حمایت پر نہیں ہو سکتا کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دوسروں کو بھی چاند دیکھنے پر شریعت کی پابندی پر مجبور کر کے ان کو حق کی طرف لا کر سارے ملک میں ایک دن روزہ ایک دن عید کروائی جائے اور اگر وہ غلط کار لوگ اس بات کو نہ مانتے اور سعود پرستی پر مُصر رہتے

تو ان مٹھی بھر آٹے میں نمک کی برابر باطل گروپ کو چھوڑ کر اکثریت اہل سنت کے ساتھ اتحاد کرکے اللہ تعالی کو راضی کرتے اور لوگوں کے روزے وعیدیں درست ہونے دیتے آخرت کی سرخروئی حاصل کرتے۔ رب تعالی فرماتا ہے۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پ سورۃ المائدہ آیت ۲۔ بعض خطباء نے لاجواب ہوکر یہ بھی کہا کہ چاند آنکھ سے دیکھنا کوئی ضروری نہیں اگر کمپیوٹر اور مشین کے ذریعے چاند کا ہونا ثابت ہوجائے تب بھی رمضان کا ثبوت ہوجائے گا۔ میں نے کہا آپ کی بات دو وجہ سے غلط ہے ایک اس لیے کہ احادیث میں بہت تاکید سے انسانی رویت کا ذکر ہے۔ فرمانِ احادیث کی خلاف ورزی گناہ عظیم ہے دوم اس لیے کہ مشین کا بتانا محض ایک خام خیالی اور وہمی ارادہ ہے۔ نیز مشین چاند کے وجود اور پیدائش کو بتاتی ہے نہ کہ ظہور اور رویت کو وجود اور جنم میں چاند شفیق سے اتنا دور ہوتا ہے کہ کبھی انسانی رویت کی سطح پر نہیں ہوتا اور دیکھنا ناممکن حالانکہ قمری ماہ کی پہلی تاریخ ہلال کے اس سطح پر آنے سے ہوتی جو مدار شفیق ہے اور جہاں سے انسانی آنکھ کی رویت ممکن ہے۔ فرض کہ یہ حیلے بہانے سب غلط اور شریعت سے دور ہوتا ہے۔ **پانچویں دلیل**۔ مگر یہ دلیل ظنی ہے اس لیے کہ انسانی عقل کا اندازہ و تخمینہ ہے۔ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی یہ دلیل ہے۔ محکمہ موسمیات (آبزرویٹری) کی پیشنگوئی۔ چنانچہ اس کے بارے اس کے ثبوت میں ہمارے پاس برطانوی محکمہ موسمیات اور سعودی محکمہ دائرۃ الموسمیات کی تحریری رپورٹ موجود ہے۔ دونوں میں لکھا ہے کہ ۲۱ فروری کو چاند نظر آنا ناممکن ہے۔ اس لیے ۲۲ فروری بروز پیر (منڈے۔ الاثنین) کو روزہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ نہیں بنتی۔ آئندہ کے لیے خود سائلین حضرات نے محکمہ موسمیات برطانوی کا حوالہ دیا ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء کو آبزرویٹری کی اطلاع کے مطابق عید الفطر کا چاند نظر نہیں آئے گا۔ لہذا ۲۴ مارچ بروز منگل عید الفطر نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ بات صحیح ثابت ہوجائے تو پھر غلط روزے والوں کو ۳۱ روزے پورے کرنے پڑیں گے۔ یعنی پہلا روزہ ۲۲ فروری بروز پیر والا غلط ہوا اور ۲۴ مارچ کو ماہ رمضان کی ۳۰ تاریخ ہوگی اس طرح سب مسلمانوں کے تیس روزے مکمل ہوں گے۔ لہذا قانونِ شریعت کے مطابق اپنے دین وایمان اور عید وعبادات کو بچاتے ہوئے ہر مومن مسلمان کا فرض ہے پچھلے گناہ سے توبہ کرکے آئندہ عید کے موقع پر سچی شرعی عید منائیں اور اس طرح پورے

ملک کی ایک عید منا کر ایمانی اسلامی اتحاد کا ثبوت پیش کریں۔ باطل کے ساتھ نہ لگیں حق کا ساتھ دیں اللہ تعالی ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق عطا فرمائے۔ موجودہ محکمہ موسمیات اور ہمارے علماء ترقیت کے علمی فکری تجربات و مشاہدات کے مطابق اگر چاند مدار مغرب میں غروب آفتاب کے وقت سولہ ڈگری یعنی بیس گھنٹے پہلے داخل ہو جائے تب غروب کے وقت چاند مدار شفق میں داخل ہو جائے اور سورج کے غروب ہوتے ہی سورج کی روشنی اس نومولود چاند کے ابتدائی جسمانی کنارے پر پڑتی ہے جس سے چاند کا ہلالی حصہ روشن ہو جاتا ہے اور دیکھنے والے کو نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم فلکیات والوں کے نزدیک چاند کی دو قسمیں ہیں ۱۔ قمر فلکی اس کی مدت دو دن یا ایک دن ہوتی ہے ۲۔ قمر رویت اس کی مدت اٹھائیس دن ہے۔ چاند کی رفتاریں اور روشنیں دو طرح پر ہے۔ چاند پہلی تاریخ سے سورج سے دور ہوتا جاتا ہے جتنا دور ہوتا جاتا ہے چاند کے جسم پر سورج کی روشنی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ چودھویں کا چاند سورج سے اتنا دور ہوتا ہے کہ چاند اپنے پورے جسم پر سورج کی روشنی برداشت کر لیتا ہے اور کوئی چیز رکاوٹ یا آڑ نہیں بنتی پھر چودھویں کے بعد مسلسل سورج کے قریب ہوتا جاتا ہے اور چاند کا جسم آہستہ بے نور ہوتا جاتا ہے چاند اپنی اٹھائیس تاریخ کے بعد سورج کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ سورج کی تیز شعاعیں چاند کے جسم کو بے نور کر دیتی ہیں اور چاند کی رویت ختم ہو جاتی ہے۔ ان ہی وقتوں کو نئے چاند کا جنم دن یا نومولود چاند کہا جاتا ہے علم سنت میں اس کو قران شمس و قمر کہا جاتا یہ چاند کی کمپیوٹر اور مشین سے بھی نظر نہیں آسکتا یہ مدت تقریباً چار گھنٹے رہتی ہے پھر چاند اپنی اسی قدرتی رفتار سے سورج سے دور ہونا شروع ہوتا ہے کیونکہ دونوں کے برج یعنی راستے بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن سمت وہی مشرق سے مغرب رہتی ہے ہر تین گھنٹے بعد چاند کا ایک فیصد حصہ منور ہوتا ہے مگر ایک فی صد اور دو فی صد کی روشنی اتنی باریک ہوتی ہے کہ کوئی آنکھ خواہ کتنی تیز ہو اور مطلع خواہ کتنا ہی شفاف ہو نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں تک کہ کم از کم بیس گھنٹے بعد چاند کا تین فی صد روشن ہو جاتا ہے۔ اسی کو ہلال اور پہلی تاریخ کا چاند کہتے ہیں۔ اسی چاند کو قرآن مجید میں نور فرمایا چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔ سورۃ یونس آیت ۵ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا۔ وہ ہی خالق تعالی ہے جس نے سورج کو ضیا بنایا اور چاند کو منور بنایا یعنی قابل رویت بنا دیا۔ اس قمر نور کی مدت اٹھائیس دن تو سب

کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے مگر بے نوری کی حقیقی مدت سب کی عقلی معلومات سے یقینی کیفیت میں پوشیدہ رہتی ہے۔ علماءِ فلکیات نجومی تزقیت والے آبزرویٹری کے سائنس دان محکمہ موسمیات کے آفیسر سب اپنے اندازوں میں بے یقینی کے شکار رہتے ہیں اسی لیے ہر دفعہ چاند میں جھگڑا ہوتا ہے حتمًا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ یہ نومولود چاند کب اور کتنے گھنٹے بعد ہلال بنے گا۔ علماء فقہا اور سائنس دانوں کے تجربے سے کم از کم مدت بیس گھنٹے تو مقرر ہوگئی۔ جس میں چار گھنٹے قرآن شمسی کے اور سولہ گھنٹے کل رفتار کے مگر یہ بڑھ کر تیس گھنٹوں بلکہ ۳۱۔ اور ۳۲ گھنٹوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں اسی لیے کبھی چاند ۲۱ کا کبھی تیس کا پھر ان میں گھنٹے معین نہیں ہوتے کبھی انیس کا چاند بھی بیس سے زیادہ گھنٹے سے لیتا ہے اور کبھی تیس کا چاند بیس گھنٹے بعد نکل آتا ہے۔ اللہ تعالٰی کے راز و حکمتیں رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ مشینوں سائنس دانوں علماءِ فلکیات کی طرف مت بھاگو ورنہ مصیبت میں پھنسے رہوگے اور غیر قوموں کو مذاق بازی کا موقعہ ملے گا۔ فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت پاک کے ازلی ابدی قانون صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ پر پابند اور متحد ہوجاؤ۔ نجومی ملاقاتی عید و افطار صیام و قیام کی غلط بیانیوں پر اعتماد مت کرو۔ شریعت و قرآن کے ساتھ اتحاد کرکے ایمان بچاؤ۔ اعلٰی حضرت مجدد بریلوی نے اپنے فتاوٰی جلد چہارم مطبوعہ مکتبہ علویہ کے صفحہ ۵۴۶ سے صفحہ ۵۸۴ تک نہایت تفصیل سے اس رویتِ ہلال کے مسئلے پر با دلائل بحث فرمائی اور ذاتی مشاہدات و تجربات سے ثابت فرمایا ہے کہ سوائے رویت نظری کے کسی بھی اندازے یا خیالی تخمینوں یا فلکیات علمیہ سے چاند کے بارے میں پیشگوئی کبھی بھی یقینی و حتمی نہیں ہوسکتی نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آج کا سائنس دان بھی آبزرویٹری کے تمام تجربے کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہے اور اس کو اعتراف ہے کہ باوجود اتنی مشینی ترقی کے چاند کے ہلال رویت ہونے پر اب بھی کوئی یقینی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔ ماننا پڑے گا کہ اس نبی اُمی کے چودہ سو سال قبل والے ایک فرمان اعظم کے سامنے آج کے ترقی یافتہ دور کی تمام مشین۔ کمپیوٹر لیبارٹریاں فیل اور ناکارہ ہیں۔ تیرے سامنے ہیں دبے پڑے فصحا جہاں عرب کے بڑے بڑے گویا ان کے منہ میں زبان نہیں۔ نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں۔

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَزِیْنَۃِ فَرْشِہٖ وَقَاسِمِ رِزْقِہٖ وَمَظْہَرِ عِلْمِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ۔

وَاللہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

کتبـــہ

صاحبزادہ اقتدار احمد خان مفتی ہ دار العلوم غوثیہ نعیمیہ حال وارد لندن۔ انگلینڈ۔

ایک مقالہ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

محترم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:۔ آپ کا گرامی نامہ شکل ایجنڈا وصول پایا یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ آپ کے مجوزہ اجلاس میں اپنی آنکھ کی تکلیف کی بنا پر حاضر نہیں ہوسکتا معذرت خواہ ہوں لیکن اس مقالے کی شکل میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اگر یہ مقالہ محفل مذاکرہ میں (مشاورتی اجلاس) میں پڑھ کر سنا دیا جائے تو شاید کسی کو پسند آجائے اور اس کے ساتھ ہی میں اپنا وہ فتوٰی بھی بھیج رہا ہوں جو اسی رمضان المبارک میں جمعرات کی بجی اور صحیح عید الفطر کے بارے میں میں نے تقریبًا بارہ مارچ کو جاری کر دیا تھا۔ اس دن تقریبًا اٹھارواں روزہ تھا۔ اس فتوے کا بھی آپ مطالعہ فرمالیں بحمدہٖ تعالٰی ہم نے ۲۴ مارچ بروز بدھ روزہ افطار کرکے بعد نماز مغرب صاف مطلع میں یکم شوال کا چاند دیکھا۔ نہایت باریک تھا اور تقریبًا چالیس منٹ تک نظر آتا رہا اس سے زیادہ باریک ہوسکتا ہی نہیں اس چاند کو دیکھنے والے سینکڑوں مسلمان تھے کسی کو ہم نے اطلاع دی اور کسی نے ہم کو بتایا اس رویت سے صاف ظاہر ہوا کہ منگل کی عید بھی غلط تھی اور بدھ کی عید بھی منگل پہلی عید والوں کو دو روزے اور دوسری عید والوں کو ایک روزہ قضا کرنا واجب ہیں اب رہا آئندہ کے لیے لائحہ عمل وہ اس بارے میں جو باتیں اخباروں اور لوگوں کی زبان سے آپ سنتے ہیں۔ وہ میں بھی سنتا ہوں اور جس چیز کے آپ خواہش مند ہیں یعنی اتحاد بین المسلمین میں اور میرے علاوہ تمام مسلمان شدت سے اس چیز کے خواہش مند ہیں مگر اتحاد کے طریقوں میں حق و باطل کا فرق نہیں کیا جاتا آخر کیا وجہ ہے کہ سارے پاکستان میں سارے ہندوستان میں سارے مراکش میں اور سارے ایران میں میری اطلاع کے مطابق متحد اور متفق ہو کر تمام مسلمانوں نے ایک دن رمضان المبارک کی ابتدا کی اور ایک ہی دن سب نے عید منائی یہ بدنصیبی برطانیہ کے مسلمانوں کے حصے آئی کہ ہر مسجد کی عید اور رمضان علیحدہ

علیحدہ ہوتے رہے اور کوئی کسی کی ماننے کے لیے تیار نہیں ہمیں افسوس عوام سے نہیں عوام کالانعام شروع سے ہی ہر غلط بات کی طرف جلدی دوڑنے والے ہیں نہ مخالف علماء اور خطباء سے کچھ گلہ نہیں، وہ تو کئی سالوں سے اپنی غلط روش پر چلتے چلے آرہے ہیں ہمیں افسوس تو اپنے ہم مسلک علماء سے ہے کہ وہ اس دفعہ پہلی مرتبہ نہ معلوم کس وجہ سے غیروں کے ساتھ لگ گئے اور عید اور رمضان دونوں کے بارے میں قرآن و حدیث سے ہٹ کر بالکل ہی غلط طریقہ اختیار کرلیا اور عوام مسلمانوں کے روزوں کے ساتھ ساتھ عید بھی برباد کردی اور اپنے لیے آخرت کا عتاب و عذاب خرید لیا آپ کے اس ایجنڈے میں تقریبًا چھ باتوں پر غور و فکر کے لیے مشاورتی اجلاس کا ذکر ہے اس بارے میں میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کر رہا ہوں کہ عوام کا علمائے کرام کو مطعون کرنا اور آزاد خیال لوگوں کا علمائے کرام سے بیزاری اور دوری کا گھناؤنے انداز میں پراپوگنڈا کرنا اور اس کے لیے موجودہ اور آنے والی نسلوں کا بہانہ تراشنا یہ تو ایک فیشن بن چکا ہے عید و رمضان ہی کیا اس کے علاوہ بھی کون سا موقعہ ہے جو یہ آزاد خیال عوام حق پرست علما کو برا بھلا نہیں کہتے علماء سائنس کی مخالفت کریں قرآن مجید کی آیات پیش کریں۔ دین کی بات کریں یا دنیا کو سدھارنے کا مشورہ دیں نماز کا حکم دیں یا زکواۃ کی تلقین کریں یہ عوام کو ہر موقع پر ہی علماء کو برا کہتے اور خلاف پراپوگنڈا کرتے رہے ہیں اور رہیں گے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے دیکھنا یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے اور کسی بھی اتحاد میں قرآن مجید، حدیث رسول اللہ اور دین اسلام کے فرمودات کیا ہیں علمائے کرام کے ذمے رب تعالیٰ نے صرف اس چیز کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ دین اسلام قرآن و حدیث کے دامن کو پکڑے رکھیں اور عوام الناس تک پہنچاتے رہیں بقول شاعر چمن قرآن ہے۔ عالم صبا ہیں کہ پھیلاتے پھریں۔ بوئے محمد ہماری یہ ذمہ داری نہیں کہ موجودہ یا آنے والی نسلوں کو ہدایت دیں یا ان کی بیزاری سے ڈر کے نئے نئے رستے اختیار کرتے پھریں یا کسی ذاتی نسلی شخصیت کے لیے نرم گوشے تلاش کرتے پھریں اگر ہم نے یا کسی بھی عالم نے یہ روش اختیار کی تو اس نے اپنے دین کا ہی حلیہ بگاڑ دیا اور اس طرح نسلیں سنبھلتی نہیں بلکہ مزید بگڑتی ہیں۔ بندوں کو اسلام کے لیے مجبور کرو اسلام کو گھس گھس کر بندوں کے مطابق مت بناؤ۔ آپ کے ایجنڈے کی تیسری بات کہ اہل سنت کے علمائے کرام میں بھی دن بدن اس بارے میں انتشار بڑھتا جا رہا ہے تو عرض ہے کہ اہل سنت کے علمائے کرام میں یہ انتشار اس دفعہ پہلی بار دیکھنے میں آیا اس سے پہلے جب بھی

عید اور رمضان میں اختلاف ہوا تو سروے کرنے کے بعد اس کو سنی وہابی اختلاف ہی سمجھا گیا۔ حیرانی اور تعجب ہے کہ اس دفعہ چند سنی علماء بھی دیوبندی اور وہابی علماء کے دوش بدوش رمضان وعید کہ اس انتشار اور اختلاف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے لازمی بات ہے کہ یہ انتشار اور اختلاف اور اغیار سے ملاپ کسی آیت یا حدیث کے استدلال کی بنا پر نہیں ورنہ اس سے پہلے بھی اختلاف ہو سکتا تھا نہ ہی کوئی ایسی آیت یا حدیث موجود ہے جس سے صحیح یا غلط استدلال کر کے ایک یا دو دن پہلے ماہ رمضان کے روزے یا عید الفطر کرا دی جائے۔ اس دفعہ بعض جگہ ایسا مشاہدہ بھی ہوا کہ اس انتشار اور حق کو چھوڑ کر اغیار سے اتحاد اور ملاپ صرف اور صرف ذاتی مفاد ہے۔ چنانچہ ایک دوست نے افسوس کے ساتھ ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ میں ایک محفل اہل سنت میں خطاب کرنے گیا۔ تو وہاں کے خطیب اہل سنت نے خطاب سے پہلے علیحدگی میں لے جا کر نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ خدا کے لیے اس محفل میں رمضان شریف کا اور عید کا ذکر نہ کرنا میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ مسجد زیر تعمیر ہے اور ہماری اس مسجد میں ہمارے پیچھے اونچی آمین والے بھی ہیں ان کے ذریعے ہم نے سعودی حکومت سے بہت سی امداد لینی ہے ان چھوٹے چھوٹے چندوں سے تو مسجد بننے سے رہی وہ درست فرماتے ہیں کہ میں یہ لفظ سن کر ہی اس محفل سے بغیر خطاب واپس چلا آیا جب میں نے یہ بات سنی تو سخت حیرت تعجب اور افسوس ہوا کہ اس طرح دین۔ ایمان۔ اعمال۔ عبادات اور ضمیر فروشی کر کے عید اور رمضان منانا یہ اللہ رسول کے عید اور روزے تو نہ ہوئے یہ تو محلات کی عید اور ریال کے روزے ہو گئے۔ اس مشاہدوں سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ سنیوں میں انتشار کیوں اور کس طریقہ سے پیدا کیا جا رہا ہے۔ یہ باطل کی وہی چال ہے جو یہودیوں نے سچے عیسائیوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پطرس کے ذریعہ چلی تھی کہ پطرس یہودی نے حضرت عیسیٰ کے تیس سال بعد عیسائیت کا بہروپ بھر کر عیسائی بن کے دین کو بگاڑنا شروع کر دیا اور بیوقوف عیسائی اسکے دام فریب میں آ کر آج تک اس کو سچا عیسائی اور پولوس رسول کا لقب دیتے ہوئے بگڑے ہوئے دین کو سچی عیسائیت سمجھ رہے ہیں یہی کچھ اب یہودی لوگ سعودیوں کو ڈھال بنا کر اسلام کی ہر چیز کو بگاڑنا چاہتے ہیں جس میں آج سے کئی سال پہلے حج پر ہاتھ ڈالا اور حج اور عید الاضحیٰ جس میں اسلام کی معیاری اور عالمگیر عبادت کو مسلمانوں کے اعمال نامے سے مٹانے کی ناپاک کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ماہ رمضان کے روزے اور عید الفطر پہ ہاتھ ڈالا یہ ناپاک منصوبہ سعودی عرب سے نکل کر دیگر عرب ممالک میں پہنچا اور وہاں سے نکل کر وہابیوں کے ذریعے یورپ

میں آیا اور اب بڑھتے بڑھتے اپنی ریال و دولت کے بل بوتے پر علمائے اہل سنت میں بھی اختلاف اور انتشار کی بیماری کو داخل کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ریالوں کے اثرات نے کمزور ضمیر والے علمائے اہلسنت کو خرید لیا اور باطل کے ساتھ اتحاد اور اتفاق کر لیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن علمائے حق اہلسنت وجماعت نے اپنی تاریخ اسلامی کے روشن باب کو اب بھی روشن تابندہ رکھا اور شہیدان کربلا کا دامن نہ چھوڑا دولت کی آواز پر لبیک نہ کہا بلکہ حقارت سے ٹھکرا کر قرآن حدیث کے حکم کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا اور ہزاروں لعنتوں طعنوں بیزاریوں گھناؤنے انداز کے پراپیگنڈوں کے باوجود انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی قرآن وحدیث کے حکم کے مطابق سچے روزے اور سچی عید منائی اللہ تعالٰی ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے ایجنڈے کی چوتھی اور پانچویں چیز یہ کہ اس وقت علمائے اہل سنت کی اکثریت یا تو صرف وجود ہلال یا ہلال رویت ممکنہ کے بارے آبزرویٹری کی معلومات کو بنیاد بنا کر رمضان وعیدین کا تعین کر رہی ہے جواب شرعی طور پر یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں وجود ہلال کی بنیاد بنانا تو بالکل ہی غلط ہے اور قرآن مجید اور حدیث پاک کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ ضمیر فروش لوگوں کے لیے تنکے کا سہارا ہے شریعت میں وجود ہلال کوئی چیز نہیں کسی حدیث یا کسی آیت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں علم توقیت والوں کا یہ اپنا ذاتی اصطلاحی لفظ ہے جو سوائے وہمیات کے اور کچھ نہیں اللہ تعالٰی کی اتنی بڑی عالمگیر عبادت کے لیے کسی عام انسان کی اصطلاح کو بنیاد بنا لینا سراسر عدالت الٰہیہ کی توہین اور قرآن حدیث کی گستاخی ہے اور اس کا مرتکب شخص جہنمی ہے نیز وجود ہلال کی اصطلاح میں حدیث قرآن اور آئین الٰہی کی مخالفت کے علاوہ چاند کی پہلی تاریخ بھی تو ثابت نہیں ہو سکتی۔ جبکہ ماہ رمضان کا پہلا روزہ چاند کی پہلی تاریخ پر فرض ہوتا ہے اور چاند کی پہلی تاریخ چاند کی یقینی رویت سے ہوتی ہے کسی بھی قمری مہینے کی پہلی تاریخ نہ وجود ہلال سے ہوتی ہے نہ ممکنہ رویت سے بلکہ رویت یقینیہ سے ہوتی ہے۔ جب وجود ہلال کا ذہنی تصور کر کے رمضان شریف کا روزہ شروع کر دیا پھر اس کے بعد پہلی کا چاند نظر آیا تو لازماً یہ روزہ جو رکھا جا چکا ہے وہ شعبان میں ہوا اب اس کو فرضی روزہ ماننا ایسا ہی گناہ ہے جیسے کی کوئی ظہر کے فرض نماز پانچ رکعتیں ادا کرتا رہے وغیرہ وغیرہ یہ اسلام میں زیادتی ہے جو سراسر جہنم کا راستہ ہے رہا آبزرویٹری کی بتائی ہوئی ممکنہ رویت یہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کا ذکر کسی حدیث شریف میں نہیں ہے یہاں تک کہ

اسلام کی کوئی بات بھی ممکنات پر قائم نہیں ہے۔ اسلام ایک یقینی دین ہے اور اس کی ہر عبادت اور ہر چیز کی بنیاد تعینیات پر ہے نہ کہ ممکنات پر لیکن اس بات میں پہلی بات کے مقابل کچھ تھوڑی سی گنجائش ہے وہ یہ کہ اگر ابزروبیٹری والے کہہ دیں کہ فلاں تاریخ کو شام کے وقت رویت ممکن ہے تو پھر مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس ممکن کو یقینی بنانے کی کوشش کریں اور شریعت کے دائرے میں رہ کر اپنی حیثیت اور زمانے کے ذرائع کے حساب سے دنیا میں رویت کے شرعی ثبوت کا پتہ کریں جہاں سے شرعی ثبوت میسر آجائے رویت ہونے یا نہ ہونے کا اس پر عمل کریں اپنی بھی عبادت بچائیں اور اپنے ماننے والوں کی بھی جو نہیں مانتا اس کو چھوڑ دو حق سے اتحاد کیا جائے قرآن حدیث کا دامن پکڑا جائے اس دفعہ کا تجربہ ہے کہ آپ نے تو لکھا ہے کہ نئی نسلیں خراب ہو رہی ہیں لیکن ہم دیکھا کہ ہمارے علاقے میں منگل کو بھی عید ہوئی بدھ کو بھی عید ہوئی اور جمعرات کو بھی عید ہوئی ہم جمعرات کے دن سروے کیا صرف یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ جمعرات کے دن عید کے اجتماعات کیسے ہوئے آپ کو ہماری سروے رپورٹ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ منگل اور بدھ کو اجتماعات میں جہاں کہیں چار چار جماعتیں ہوتیں تھی وہاں پر ایک یا دو جماعتیں ہوئیں لیکن جمعرات کے اجتماعات میں پچھلے سالوں کی نسبت زیادہ رونق دیکھی گئی جس سے ثابت ہوا کہ مومن اگر حق پر ڈٹ جائے تو رحمتیں رونقیں اور برکتیں اسی کے ساتھ شامل حال ہوتیں ہیں یہ ٹھیک ہے کہ چند اوباش قسم کے آدمی جلد بازی سے عید کا شور مچاتے پھریں مگر اکثریت مسلمانوں کے ایسی ہے جس کی ایمانی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب اتنے روزے رکھ لیے تو ایک روزہ چھوڑنے سے کچھ فرحت حاصل نہ ہوگی وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے روزے اور عید ایمانی روزے اور عید بنیں اس لیے باطل کے شور سے فکر مند نہ ہونا چاہتے اور بحمدہٖ تعالیٰ حق میں ہی ہوتا ہے زمانہ بڑا خطرناک ہے یہ کوشش نہ کریں کہ چار یا پانچ جماعتیں ہی عید کی ہوں اور چندہ ہی زیادہ سے زیادہ ملے اللہ کی عبادت عیدیں وغیرہ نہ جماعتوں کے لیے ہے نہ چندوں کے لیے یہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے اس لیے اگر آپ کے پیچھے تین آدمی ہی کھڑے ہوں اور آپ کی عید صحیح سچی شرعی عید ہو تو آپ قیامت کے دن پاکباز لوگوں میں ہوں گے فیصلہ قیامت کو ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے ان محلاتی عید والوں کے انجام کو بھی دیکھ لیں گے میرے اس شرعی فیصلے اور رائے کے مطابق آپ نہ وجود ہلال پر اتفاق کریں نہ ممکنہ رویت پر بلکہ چودہ سو سال پرانے پیارے

آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی پر اتفاق کریں کہ چاند کو یقینی ثبوت دے کر ماہ رمضان کے روزے شروع کرو اور چاند کے یقینی ثبوت لے کر روزے ختم کرو اور عید مناؤ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر عمل ہی سرمایہ اسلام اور دولت ایمان اور آخرت کی نجات ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس غلامی میں تاقیامت رکھے اس دامن کو چھوڑ کر نہ روزہ روزہ ہے نہ عید عید ہے بلکہ جہنم کی زنجیر ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

فقط والسلام ۹۲ء ۱۹

صاحبزادہ افتخار احمد خان۔ مفتی اسلام حنفی قادری نعیمی ساکن حال لندن

فتویٰ نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کہ بعد نماز جماعت فرض پنجگانہ تمام مقتدیوں کا مل کر بلند آواز سے مسجد میں کلمہ شریف پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ کچھ لوگ اس کو جائز مان کر ہر نماز جماعت کے بعد سلام پھیرتے ہی بہت بلند آواز سے تین دفعہ کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ اس طرح پڑھنے کو سخت ناجائز کہتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید اور احادیثِ مطہرات اور فقہاء و ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا جائے کہ اس طرح بلند آواز سے بعد نماز فوراً کلمہ شریف جائز ہے یا ناجائز۔

بیّنوا توجروا!

(حضرت قبلہ) پیر معروف حسین شاہ صاحب نوشاہی

دستخط۔ السائل قادری بریڈ فورڈ۔ انگلینڈ۔ برطانیہ) تاریخ ۳۰/۸/۸۳

الجواب بعون العلام الوھاب

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق پنجگانہ فرائض نماز باجماعت کا سلام پھیرنے کے فوراً بعد بلند آواز سے کلمہ شریف یا تکبیرین یا کوئی بھی ذکر اللہ کرنا بالکل جائز اور سنت اور باعثِ ثواب و خیر و برکت ہے۔ قرآن مجید اور حدیثِ پاک و قانونِ فقہ اسلامی کے متعدد دلائل سے ثابت ہے

پہلی دلیل

قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق پنجوقتہ فرضوں کی جماعت کے فوراً بعد بلند آواز سے ذکر اللہ واجب بھی ہے اور سنت بھی۔ تمام سال بارہ مہینہ آواز

بلند اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بعد سلام مساجد میں سنت ہے اور ایام تشریق کے پانچ دن یوم عرفہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھنا ہر مرد مسلمان پر واجب ہے۔ خیال رہے کہ واجب وہ ہوتا ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی اقتضاء النص کی ظنیت سے اور یا حدیث پاک کی نص ظنی سے ہو۔ اس کا تارک گناہ گار ہے۔ کرنیوالا بہت ثواب پانے والا ہے۔ سنت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ سنت مؤکدہ ۲۔ سنت غیر مؤکدہ اکثریہ ۳۔ سنت غیر مؤکدہ غیر اکثریہ! جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی بھی چھوڑنا ثابت نہ ہو وہ سنت مؤکدہ ہے۔ احادیث میں ان کا ذکر ماضی استمراری کے صیغہ سے آتا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے۔ اس کا تارک بھی گناہ گار ہے۔ سنت غیر مؤکدہ اکثریہ کو سنت کفایہ بھی کہتے ہیں۔ ذکر بالجہر بعد نماز ہمیشہ سنت کفایہ ہے۔ اگر ذکر بالجہر کو سب نمازی چھوڑ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر کچھ لوگ یا ایک آدمی بھی کرے گا۔ تو سب کو ثواب ہوگا۔ احادیث پاک میں بہت جگہ بلند ذکر کا ثبوت ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں سے حدیث پاک کی مشہور کتاب نسائی شریف جلد اول ص۱۹۶ اور احادیث کی دوسری مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ص۸۹ اور تیسری مشہور کتاب ابوداؤد شریف ص۱۴۳ ج ۱ پر ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ کُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکْبِیْرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ترجمہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں (بچپن میں اپنے گھر میں ہی) نبی کریم کی جماعت ختم ہونے کو پہچان لیا کرتا تھا تکبیر کی بلند آواز سے۔ اس حدیث پاک میں۔ کُنْتُ اَعْرِفُ۔ ماضی استمراری ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ روزانہ ہوتا تھا۔ انقضاء کے معنیٰ ہے۔ نماز ختم ہونا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ سب صحابہ مل کر ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ جس سے آواز بلند ہوتی تھی اور دور گھروں میں پہنچتی تھی۔ جس سے گھریلو عورتیں چھوٹے بچے گھروں میں جان لیتے تھے کہ اب جماعت ختم ہوگئی۔ ابن عباسؓ ابتدائی مدنی زندگی میں چھوٹے بچے تھے۔ نماز فرض نہ ہوئی تھی۔ تو بہت دفعہ حاضری نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ واقعہ اگرچہ بچپن کا ہے مگر روایت بڑی عمر کی لہٰذا معتبر ہے لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ وَقَالَ عِیَاضٌ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ کَانَ لَمْ یَحْضُرِ الْجَمَاعَۃَ لِاَنَّہٗ کَانَ صَغِیْرًا مِمَّنْ لَا یُوَاظِبُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ ترجمہ: فرمایا قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کہ بے شک حضرت ابن عباس اس وقت چھوٹی نابالغی کی عمر میں تھے۔ جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے مگر کبھی کبھی۔ یہ حدیث شریف مسلم شریف اور بخاری شریف نے درج فرمائی۔ اس کا مطلب بالکل صاف اور ظاہر ہے کسی توڑ مروڑ کی ضرورت نہیں۔ اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرض جماعت

کے بعد ہر طرح کا ذکر اللہ کرنا بلند آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کی سنتِ پاک ہے۔ اسی لیے تمام محدثین نے ان حدیثوں کے لیے جو باب بنایا ہے اس کا نام بھی باب الذکر بعد الصلوٰۃ رکھا ہے۔ یعنی نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا۔ بعض فقہا کرام نے فرمایا کہ یہاں تکبیر سے مراد عام بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا ہے۔ خواہ اللہ اکبر اللہ اکبر ہو یا کلمہ شریف ہو یا استغفار وغیرہ۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ ۳۵۵ پر اور لمعات جلد سوم صفحہ ۲۱۱ پر ہے فَاَرَادَ بِالتَّكْبِيْرِ فِي الْاَوَّلِ مُطْلَقَ الذِّكْرِ ۔ ترجمہ، پس ارادہ فرمایا ابن عباسؓ نے تکبیر سے مطلق ذکر کا اور چونکہ لفظِ تکبیر کبّر سے بنا ہے۔ اس لیے لغوی مراد بلند ذکر ہوا۔ بڑا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس حدیث پاک سے صاف صاف ظاہر ہوا کہ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ کا ذکر کرنا بالکل جائز ہے اور اسلامی حکم ہے۔ جن بعض لوگوں نے ایسی صاف حدیث میں بھی اپنی خیالی تاویلیں اور توڑ مروڑ کی ہیں وہ بالکل غلط کسی طرح بھی الفاظِ حدیث کے مطابق نہیں ہوتی۔ **دوسری دلیل** ۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۸۸ اور مسلم شریف جلد اول میں ہے۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (الخ) ترجمہ: فقہا صحابہ میں سے عظیم المرتبت فقیہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت نماز کا سلام پھیرتے تھے تو بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھتے تھے۔ یہ روایت پاک بھی بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ کوئی اینچ تینچ یا تاویل تحریف کی ضرورت نہیں۔ **تیسری دلیل** ۔ نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۹۷ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۸۸ پر ہے۔ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ (الخ) ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے جب فارغ ہوتے تھے تو آپ نے تین دفعہ استغفار پڑھی اور پھر فرضوں والی دعا پڑھی۔ اس روایت میں بلند آواز سے استغفار پڑھنے کا ذکر ہے کیونکہ بلند آواز سے پڑھی گئی تھی۔ تب ہی تو حضرت ثوبان نے سنی اور پھر فرضوں والی دعا تو سب ہی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو فوراً بعد نماز ہوتی ہے۔ **چوتھی دلیل** ۔ زمانہ پاک نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تمام صحابہ کا بعد نماز جماعت سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے ہی بہت بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۴۴ پر ہے۔ اَخْبَرَنَا

عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ لِلذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ ذٰلِکَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) ترجمہ: محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت عمرو بن دینارؓ نے حدیث کی خبر دی کہ بے شک حضرت ابو معبد، حضرت عبد اللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام نے خبر دی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام طریقہ تھا کہ جب بھی لوگ نماز فرض سے فارغ ہوتے تو فوراً بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے۔ بلکہ دوسری احادیث میں یہاں تک لکھا ہے۔ صحابہ اپنے بچوں کو بھی وہ کلمے سکھایا کرتے تاکہ وہ بھی بعد نماز فرض سب کے ساتھ مل کر پڑھیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۸۸ پر بحوالہ بخاری شریف ایک دراز حدیث بیان فرمائی جس کے کچھ ابتدائی الفاظ اس طرح ہیں۔ عَنْ سَعْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُعَلِّمُ بَنِیْہِ ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ (الخ) ترجمہ: حضرت سعد سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمے اور ذکر سکھایا کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز فرض کے بعد باآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ بعد جماعت فرض سلام پھیرنے کے فوراً بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بہت عظیم قانون اسلامی ہے اور نبی کریم کا یہ طریقہ رائج کرنا قیامت تک کی امت مسلمہ کو اس طریقہ سے پڑھنے کی تعلیم دینا ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابی داؤد جلد اول صفحہ ۱۴۴ پر ہے وَحَمَلَ الشَّافِعِیُّ ھٰذَا الْحَدِیْثَ عَلٰی اَنَّہٗ جَھَرَ لِیُعَلِّمَھُمْ صِفَۃَ الذِّکْرِ۔ ترجمہ: حضرت امام شافعی نے اس حدیث کو اس بات پر محمول فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ذکر کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے یہ جہر یعنی بلند آواز سے پڑھنے کا شرعی رواج جاری فرمایا۔ تاکہ قیامت تک میری سب امت پر مسجد میں ہر دن ہر فرض نماز کے بعد اسی طرح بلند آواز سے ذکر کریں۔ سبحان اللہ کیسی صاف وضاحت ہے۔ تمام کتب احادیث کی کتابوں کی سب حدیثیں اگر جمع کی جائیں تو کم از کم بیس احادیث مبارکہ وہ ہیں۔ جن میں بلند آواز سے ذکر اللہ کا ثبوت موجود ہے دس حدیثیں تو صرف نسائی شریف میں دو ابوداؤد میں ہیں۔ پانچ مشکوٰۃ شریف میں ہیں۔ اتنی کثیر روایات واحادیث سے، مسئلہ عظیم الشان طریقے سے واضح ہوا کہ تمام سال پنجوقتہ نماز فرض کے بعد مسجدوں میں سلام پھیرتے ہی بلند آواز سے سب نمازیوں کا مل کر کلمہ شریف پڑھنا بالکل جائز سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ کرام ہے۔ **پانچویں دلیل** فقہاء کرام کی کتب میں بھی ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد دوم صفحہ ۴۵ پر ہے

لکن هذا التاویل یخالف الباب (لخ) ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: ذکر بالجہر کی احادیث اتنی صاف اور واضح ہیں کہ ان میں کوئی بھی تاویل یعنی توڑ موڑ کر کے اپنے پاس سے مطلب بنانا قطعاً غلط اور پورے باب کے مخالف ہے۔ کیونکہ فرض نمازوں کے بعد ذکر بلند کا نبی پاک کے زمانۂ اقدس میں عام مشہور رواج تھا ثابت ہوا کہ یہ ہی اسلامی طریقہ ہے۔ **چھٹی دلیل** مشہور دیو بندی عالم رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاد الشیخ محمد تھانوی صاحب نے اپنی کتاب رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۵ پر ایک حدیث پاک اس طرح نقل فرمائی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر مع الصحابۃ بالاذکار والتہلیل والتسبیح بعد الصلوۃ۔ ترجمہ: بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ہمیشہ ذکر اللہ اور کلمہ اور تسبیح کو فوراً بعد نماز فرض بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ فتاویٰ شامی قانون اسلامی کی مشہور کتاب جلد اول صفحہ ۶۶۰ پر ہے۔ فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملا وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد۔ ترجمہ: بعض علم والوں نے فرمایا کہ بلند آواز سے اللہ کا ذکر کرنا بہت ہی افضل ہے۔ اس لیے (شروع زمانۂ اسلام سے لے کر اب تک) ذکر بالجہر پر ہی عمل ہوتا رہا اور امام شعرانی نے اپنے حاشیے حموی میں فرمایا کہ تمام علماء فقہاء نے اسی مسئلہ کو درست فرمایا کہ جماعت نماز کے بعد والا ذکر مسجدوں میں بلند آواز سے ہو۔ غرض کہ تمام مسلمان پہلے ہوں یا بعد والے سب ہی بلند آواز کے ذکر کو اچھی عبادت اور افضل کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سنت ہے اور سنت کثیرہ پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ جو لوگ اس بعد نماز بلند ذکر کو منع کرتے ہیں۔ یا ناجائز کہتے ہیں۔ وہ بہت بڑی غلطی اور نادانی نا سمجھی میں ہیں۔ کیونکہ بلند ذکر کرنے کا تو بہت ثبوت ہے جیسا کہ کچھ ہم نے پیش کر دیا۔ مگر ممانعت کا کوئی بھی ثبوت نہیں۔ **ساتویں دلیل**: ابھی تک وہ ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں بلند ذکر بعد نماز فرض سنت ہونا مذکور تھا۔ اب اس دلیل میں نماز کے بعد زور کی آواز سے اللہ کا ذکر یعنی کلمہ تکبیر پڑھنے کا ثبوت دیا جائے گا۔ چنانچہ رب تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ پارہ دوم آیت ۲۰۳ واذکروا اللہ فی ایام معدودات۔ ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کا ذکر کرو۔ کچھ دن۔ اس آیت کریمہ سے مل کر ذکر کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ آیت ذکر اللہ کا حکم دے رہی ہے اور صیغہ امر حسب مطلق ہو تو وجوب ثابت ہوتا ہے

جیسا کہ اصول فقہ کی کتاب تلویح توضیح کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھا ہے اور اس آیت میں لفظِ ایام سے مراد چند ایام تشریق اور ایک یوم نحر مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی اور دیگر تمام معتبر تفاسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ روح المعانی پارہ دوم آیت ۲۰۳ ص ۸۰ پر ہے۔ وَهِيَ ثَلٰثَةُ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ فِي الْمَشْهُوْرِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اِنَّهَا اَرْبَعَةُ اَيَّامٍ (الخ) اِسْتَدَلَّ بِالْاٰيَةِ عَلٰى اِبْتِدَاءِ التَّكْبِيْرِ خَلْفَ الصَّلٰوةِ۔ ترجمہ:۔ ایک قول میں ایام تشریق تین ہیں یہی روایت حضرتِ فاروق اور علی مرتضیٰ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مشہور حدیث ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے ایک یہ روایت بھی فرمائی ہے کہ ایام تشریق چار دن ہیں اور اس آیت کریمہ سے دلیل حاصل ہوئی کہ نمازوں کی جماعت کے فوراً بعد تکبیر شروع کرنی چاہیے۔ حدیث وقرآن کے مطابق یہ تکبیریں پڑھنی بھی واجب ہیں اور ان کا بلند آواز کرنا بھی واجب ایک مرتبہ پڑھنی واجب تین دفعہ مستحب۔ نمازِ فرض کی جماعت کے بعد فوراً تمام مسلمان مردوں پر واجب ہیں۔ گاؤں میں اور عورتوں، مسافروں پر یا اکیلے، نمازی پر واجب نہیں لیکن پڑھ لیں تو مستحب ہے۔ تکبیراتِ تشریق واجب ہونے کے تین ثبوت۔ پہلا ثبوت۔ فتاویٰ فتح القدیر جلد دوم ص ۸۲ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى۔ وَاذْكُرُوا اللهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ فَاِنَّهٗ جَاءَ فِي التَّفْسِيْرِ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ فَيَكُوْنُ وَاجِبًا عَمَلًا بِالْاَمْرِ۔
ترجمہ: تکبیراتِ تشریق کے واجب ہونے کی اصل دلیل اور قانون اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اے سب مسلمانوں تم چند دن اللہ کا خوب ذکر کیا کرو۔ تمام تفسیروں میں چند دن سے مراد ایام تشریق ہیں۔ لہٰذا اس وَاذْكُرُوا کے امر کی وجہ سے یہ تکبیریں پڑھنا واجب ہو گیا۔ **دوسرا ثبوت:** فتح القدیر جلد دوم ص ۸۱ پر ہے۔ وَالْاَكْثَرُ عَلٰى اِنَّهَا وَاجِبَةٌ وَدَلِيْلُ السُّنَّةِ اَنَّهٗ نَصٌّ وَهُوَ مُوَاظَبَتُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ: اور اکثر علماء اسلام کا مذہب یہ ہے کہ تکبیرات تشریق پڑھنی واجب ہیں اور سنت کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ان دنوں میں زور سے تکبیرات پڑھنے کا عمل شریف ہے۔ یعنی قرآن مجید سے بھی ثابت ہوا کہ تکبیریں پڑھنی فوراً سلام کے بعد واجب ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمیشہ ہی ان دنوں میں بلند آواز سے بعد نماز پڑھتے تھے۔ **تیسرا ثبوت:** یہ کہ تمام صحابہ بھی اپنے زمانوں میں تکبیراتِ تشریق جماعت کے بعد فوراً بہت بلند آواز سے پڑھتے رہے۔ چنانچہ فتح القدیر جلد دوم ص ۸۰ پر ہے۔

فَکُبَرَاءُ الصَّحَابَةِ کَعُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالُوْا يُبْدَءُ بِالتَّكْبِيْرِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَبِهٖ اَخَذَ عُلَمَاؤُنَا فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ وَصِغَارُهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (الخ) ترجمہ۔ تمام بڑے صحابہ کرام۔ جیسے فاروق اعظم، شیر خدا، فقیہ اعظم ابن مسعود عرفہ کے دن بعد نماز فجر سے تکبیریں پڑھنا شروع کرتے تھے اور چھوٹے صحابہ بھی جیسے عبد اللہ ابن عباس۔ ابن عمر زید بن ثابت۔ ان تمام ثبوت سے معلوم ہوا کہ تکبیرات تشریق پڑھنا چار پانچ دن واجب ہے اور جس طرح ان کا پڑھنا واجب ان کو بلند آواز سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی مرد غازی ان کو آہستہ پڑھے تو گناہ گار ہو گا۔ اس بلندی آواز سے واجب ہونے کے دو ثبوت ہیں۔ **پہلا ثبوت**: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ لفظ تشریق شرقٌ سے بنا ہے اور اس کے بیس معنے ہیں۔ جن میں سے ایک معنیٰ ہے بلند آواز سے بولنا چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول ص۲۴۸ پر ہے۔ وَقِيْلَ التَّشْرِيْقُ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيْرِ ترجمہ: تشریق کا لغوی ترجمہ ہے۔ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب ہے **دوسرا ثبوت**: فتاویٰ بحر الرائق جلد دوم ص۱۶۱ پر ہے۔ ثُمَّ صَرَّحَ فِي الْبَدَائِعِ بِاَنَّ التَّشْرِيْقَ فِي اللُّغَةِ كَمَا يُطْلَقُ عَلٰى اِلْقَاءِ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيْ بِالْمُشَرَّقَةِ يُطْلَقُ عَلٰى رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّكْبِيْرِ قَالَهُ النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ - ترجمہ: بدائع میں تصریح کی گئی ہے کہ لفظِ تشریق کے یہ معنیٰ بھی ہیں کہ گوشت کو دھوپ میں سکھانا اور یہ معنیٰ بھی ہیں۔ کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا۔ یہی قول امام لغت حضرت نضر بن شمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ ذوالحجہ کے چار دن کو ایام تشریق صرف بلند تکبیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے نہ کہ گوشت سکھانے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ گوشت سکھانے کا عربی رواج زمانہ جاہلیت سے جاری شدہ۔ ذوالحجہ دس سے گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ تک ہوتا ہے جب کہ تکبیراتِ تشریق نو ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ سے شروع ہوتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی زبان میں تکبیر پڑھنے کے پہلے دن کا نام یوم عرفہ دوسرے دن کا نام صرف یوم النحر اور گیارہ، بارہ تاریخ کو ایام نحر مع دس ذی الحج۔ مگر ان ہی پانچ ایام کو نو ذی الحج سے تیرہ ذوالحجہ تک تشریق کے دن کیوں کہا جاتا ہے۔ صرف بلند تکبیر پڑھنے کی وجہ سے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا۔ کہ تشریق کے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کو زور سے تکبیر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ زور سے پڑھنا بحکم قرآنی واجب ہے۔ کیونکہ اس مندرجہ بالا آیت میں لفظِ

اُذْکُرُوْا اَمر مطلق ہے اور امر مطلق حکم کو واجب کرتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۷۱ پر ہے۔ وَمُطْلَقُ الْاَمْرِ لِلْوُجُوْبِ۔ ترجمہ: بغیر کسی قید کے مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ جن فقہاء نے تکبیراتِ تشریق کو سنت کہا ہے۔ وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشگی پڑھنے کی وجہ سے کہا ہے۔ ورنہ مراد اُن کی بھی سنت سے واجب ہے۔ اس لیے کہ بہت دفعہ واجب کو۔ سنت کہہ دیا جاتا ہے۔ صرف سنتؐ سے ثابت یا ظاہر ہونے کی وجہ سے چنانچہ فتاویٰ بحر الرائق صفحہ ۱۰ پر ہے۔ وَاِطْلَاقُ اِسْمِ السُّنَّۃِ عَلَی الْوَاجِبِ جَائِزٌ لِاَنَّ السُّنَّۃَ عِبَارَۃٌ عَنِ الطَّرِیْقَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ اَوِالسِّیْرَۃِ الْحَسَنَۃِ وَکُلُّ وَاجِبٍ ھٰذَا صِفَتُہٗ۔ ترجمہ: سنت پاک کا نام واجب کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ لفظ سنت نام ہے نبی پاک کی پسندیدہ اور عبادتِ عملی کا اور تمام واجبات نبی کریم کی سنت ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ نبی پاک واجبات پر عمل شریف نہ فرمائیں۔ **آٹھویں دلیل**: ابھی تک ہم نے قرآن مجید اور احادیثِ مطہرات اور اقوال فقہاء اسلام سے وہ دلائل پیش کیے جس میں عبارت النص کے طریقے سے ظاہر ظہور ثابت ہوا کہ ہر نماز فرض کی جماعت کے فوراً بعد سلام پھیرتے ہی باآواز بلند اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سنت اسلام اور واجب خداوندی ہے اور مستقل بہت شاندار روحانی عبادت ہے۔ اب قرآن مجید سے اشارۃ النص اور دلالۃ النص کی آیتوں سے بلند آواز پڑھنا ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ (الخ) ترجمہ: پس جب تم نماز پڑھ چکو تو فوراً اللہ کا ذکر کرو۔ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھے بیٹھے یا کہیں لیٹ کر اس آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ خاص وقت کی نشان دہی فرما رہا ہے مگر عبارت النص تا قیامت ہر فرض نماز۔ ہر وقت ہر مسلمان کے لیے ذکر اللہ کو باآواز مطلق واجب کر رہی ہے اور اشارت النص۔ بلند آواز سے ذکر کو ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ اس آیت پاک میں تین عموم ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان نمازی پر بوقت نماز لازم ہے۔ **پہلا عموم** حرف اذا ظرفیہ کا عموم جس نے تا قیامت ذکر اللہ کے لیے وقت کو عام کر دیا۔ یعنے قیامت تک جب بھی۔ دوسرا عموم لفظ صلوٰۃ یعنی جو بھی نماز ہو۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ فجر۔ لفظِ قَضَیْتُمْ نے اجتماعی جماعت والی نماز کو ظاہر کیا۔ یعنے جو بھی نماز باجماعت پڑھ کر فارغ ہو جاؤ۔ خواہ رکوع سجدے والی نماز ہو یا بغیر رکوع کے یعنے جو بھی نماز باجماعت پڑھ کر فارغ ہو جاؤ

خواہ رکوع سجدے والی یا بغیر رکوع سجدے والی جیسے نماز جنازہ۔ **تیسرا عموم** اُذْكُرُوْا صیغہ امر مطلق ہے۔ یعنی جس طریقۂ ادا سے چاہو۔ خواہ ذکر جلی یا خفی۔ یا اخفیٰ یا ذکر خفیِ الخفی یہ تین عموم ظاہر ہیں۔ چوتھا عموم مضمر ہے۔ یعنی کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے۔ خیال رہے کہ ذکر عوام جلی ہے۔ ذکر خواص۔ ذکر خفی ہے۔ ذکر اخصُّ الخواص ذکر اخفیٰ ہے اور ذکر اخفیٰ سے زیادہ ذکر محبوبین ذکر خفیِ الخفی ہے۔ ذکر جلی بلند آواز سے ذکر اللہ۔ ذکر خفی بہت آہستہ زبان کا ذکر اللہ۔ ذکر اخفیٰ سانس کا ذکر اللہ۔ ذکر خفی الخفی جس میں دم یعنی سانس بھی نہ چلے اور ذکر الٰہی ہو۔ یہ آیت کریمہ چونکہ سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ جس میں عوام کی اکثریت ہوتی ہے۔ اس لیے رسماً رواجاً اور اصطلاحاً منشاءِ کلام کے لحاظ سے ذکر جلی یعنی بلند آواز سے ذکر مراد ہے اور اولاً منزل شریعت میں یہی ذکر محبوب بارگاہ ہے۔ اس کا اصل مقصد فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پاک میں ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف ص۱۰۱ پر بروایت حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اَخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔ ترجمہ اور فرمایا پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کہ ہم نے آج رات تم کو اور ابوبکر کو دیکھا کہ وہ بہت ہی آہستہ ذکر الٰہی کر رہے تھے اور تم کو دیکھا کہ بہت ہی زور سے ذکر اللہ کر رہے تھے۔ اس کی کیا وجہ فاروق اعظم نے عرض کیا یا رسول اللہ میں غافلوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ تو پیارے کریم نبی رحیم آقا نے فرمایا اے ابوبکر تم کچھ اونچی آواز ذکر اللہ کے وقت کیا کرو اور اے عمر تم کچھ نیچی آواز کرو۔ اتنا زور نہ لگایا کرو۔ اس حدیث پاک میں تصلی سے مراد تلاوت[1] ہے۔ اسی لیے صدیق اکبر کو اونچی آواز سے ذکر کا حکم دیا اور فاروق اعظم کو آہستہ نہ کیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ اونچی آواز سے ذکر کرنا اللہ رسول کو پسند ہے اور باآواز بلند ذکر کا مقصد غفلتوں کو دور کرنا۔

---

[1] مراد تلاوت، مراد نماز نفل نہیں کیونکہ وہ تو ہوتے ہی آہستہ آہستہ ہیں بلکہ ذکر اللہ یا درود شریف مراد ہیں۔ کیونکہ وہ بھی لغوی صلوٰۃ ہے یا مراد تلاوت۔

شیطانوں کو بھگانا ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو سنانا۔ وہ اکرم الاکرمین تو یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ کی شان والا ہے۔ غرض کہ اس آیت کریمہ سے بھی بلند آواز کا ذکر اللہ مراد ہے۔ کیونکہ اصطلاح شریعت میں اور عمومی رواج میں ذکر کا لفظ اور ذکر کرنا زور سے بولنے کو ہی کہتے ہیں۔ عام ہے اس بات کو کہ وہ ذکر الٰہی یا کلمہ یا تسبیح ہو۔ یا استغفار یا تعوذ یا دعا اور التجا ہو۔ اس عموم سے یہ بھی ثبوت حاصل ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ دعا بھی ذکر اللہ ہے۔ نماز جنازہ بھی صلوٰت ہے اور فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ سب کو شامل ہے۔ اسی لیے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لیے خالص دعا کرو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۶ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔ ترجمہ: وہی ہے جو اوپر گزرا اسی طرح ابو داؤد (جلد دوم ص۱۰۰ پر ہے۔ اس حدیث پاک میں میت کے لیے خالص دعا کا حکم ہے۔ حالانکہ نماز جنازہ کے اندر خالص دعا میت کے لیے نہیں ہے۔ وہ تو عام دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ ترجمہ: یہ دعا عام مسلمانوں کے لیے ہے اور یہی دعا نبی پاک کے زمانے سے لے کر اب تک ہر مسلمان نماز جنازہ میں پڑھتا ہے اور یہ دعا خالص میت کے لیے نہیں پس ثابت ہوا کہ خالص دعا نماز جنازہ کے بعد مانگی جاتی ہے اور اس فَاَخْلِصُوْا لَہٗ والی حدیث سے شارحین کے نزدیک بعد نماز جنازہ خالص دعا مانگنا جائز بلکہ واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ حاشیہ ابو داؤد ص۱۰۰ پر ہے۔ اَنَّہٗ قَالَ فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی وُجُوْبِ تَخْصِیْصِ الْمَیِّتِ بِالدُّعَاءِ۔ ترجمہ: اس حدیث سے یہ دلیل ملی کہ میت کے لیے خالص دعا کرنی واجب ہے۔ اب اگر نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے خالص دعا نہ مانگی جائے تو اس حدیث پر کس طرح عمل ہو۔ جو لوگ نماز جنازہ کے بعد دعا کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد نماز جنازہ کے اندر دعا مانگنے کا حکم ہے۔ وہ لوگ بہت غلطی پر ہے۔ کیونکہ اس بات سے یا ان کے جنازے غلط ہوں گے۔ اس لیے کہ نماز جنازہ میں خالص دعا نہیں اور یا اس حدیث کو غلط کہنا پڑے گا۔ مگر میں کہتا ہوں نماز جنازہ

بھی درست ہے کیونکہ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور یہ حدیث بھی تمام محدثین کے نزدیک درست ہے۔ کیونکہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے خالص دعا مانگی چنانچہ مسلم شریف جلد اول اور مشکوٰۃ شریف ص۱۴۵ پر ہے۔ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ (الخ) ترجمہ: حضرت عوف بن مالک نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازہ پر نماز پڑھائی تو میں نے آپ کی ایک دعا حفظ کرلی آپ یہ فرماتے تھے۔ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کو آرام دے اور اس کو معاف کر دے (الخ) یہ بہت لمبی دعا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ نبی پاک نے اتنی لمبی اور پیاری دعا مانگی کہ میرا دل چاہا کاش میں اس جگہ میت ہوتا۔ اس حدیث پاک سے صاف صاف ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز جنازہ کے بعد فوراً میت کے لیے خالص دعا مانگا کرتے تھے۔ کیونکہ یہاں لفظ ہے۔ فَحَفِظْتُ فَ تعقیبیہ نے بتایا فوراً بعد اور حفظتُ نے بتایا نماز جنازہ کے اندر والی دعا کے علاوہ دعا۔ نماز جنازہ کے اندر سب کچھ آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ خاص کر دعائیں تو سب ہی آہستہ پڑھتے ہیں اور یاد وہ الفاظ کیے جا سکتے ہیں جو زور سے ہوں اور پھر نماز جنازہ والی دعا تو سب مقتدی پڑھتے ہیں۔ لہذا وہ دعا پہلے یاد نہ تھی یہ دعا تو پہلے یاد ہونی چاہئے اگر عوف بن مالک کو نماز جنازہ کے اندر والی دعا پہلے یاد نہ تھی تو جنازہ کیوں سنتے گئے اور جنازہ میں کیا پڑھا ماننا پڑیگا کہ یہ دعا بعد نماز جنازہ تھی۔

بہرحال اس آٹھویں دلیل سے ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید اور احادیث پاک میں ذکر بالجہر اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت موجود ہے۔ کتنی حیرانی ہے ان لوگوں کے دماغوں پر جو اندھا دھند ذکر بالجہر اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا انکار کر دیتے ہیں۔ **نویں دلیل۔** باری تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (الخ) ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہے۔ جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس بات کو روکا کہ ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ہماری پیش کردہ مندرجہ بالا آٹھ دلیلوں میں باآواز بلند ذکر الٰہی کرنے کا حکم اور زور سے ذکر اللہ کرنے والوں کی اچھائی۔ قرآن پاک کی آیات اور احادیث طیبات و عبادات فقہ سے ثابت ہوئی۔ اب اس دلیل میں ذکر بالجہر کے منکروں

اور اللہ کے ذکر سے روکنے والوں کی برائی آیت کے دلالت النص سے ثابت ہو رہی ہے اس آیت پاک میں مساجد اللہ مفعول ہے اور اَنْ یُذْکَرَ مفعول ثانی ہے اور مطلب یہ کہ کائنات دنیا میں سب سے بڑا بدبخت ظالم وہ ہے جو مسجدوں سے ذکر اللہ کو روکے۔ قانون فطرت ہے کہ روکا اسی کو جاتا ہے۔ جو ظاہر ہو اور ظاہر وہی ہوتا ہے۔ جس کا روکنے والے کو پتہ چلتا ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ذکر بالجہر ہی کا پتہ سننے والے کو لگتا ہے۔ ذکر خفی یا ذکر اخفیٰ کا کسی کو کیا پتہ لگ سکتا ہے ان خفیہ ذکروں کو کس طرح روکا جاسکتا ہے وہ آہستہ زبان یا سانس کے ساتھ جاری ہیں جس ذکر سے روکا جا سکتا ہے وہ یہی باآواز بلند ذکر ہے۔ اسی ذکر سے شیطان کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے شیطان لعین کو بقول فاروق اعظم بھگایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی فرقہ کوئی گروہ ذکر خفی کا یا اخفیٰ کا منکر نہیں ہوا۔ مگر ذکر بالجہر کے ایک گروہ والے منکر ہیں۔ جن کا مشہور نام دیوبندی وہابی ہے۔ یہ حضرات ذکر اللہ روکنے کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں اور بجز بہانے بازیوں کے کوئی دلیل ان کے پاس نہیں کبھی کہتے ہیں کہ اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں سونے والے کی نیند خراب ہوتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ تلاوت میں حرج ہوتا ہے۔ پوچھو ان نادان اللہ کے بندوں سے کہ ہم نے فرض جماعت کے فوراً بعد ذکر اللہ کا عمل ثابت کیا ہے اور وہ بھی مسجدوں میں بتاؤ سلام پھیرنے کے بعد کس کی نماز خراب ہوگی۔ اسی کی جو نماز میں دیر سے پہنچا اگر اس کو اپنی نماز خراب ہونے کا اتنا ہی اندیشہ تھا تو پہلے آیا کرے خود مجرم بھی ہے اور جرم سے تائب ہونے کی بجائے ذکر اللہ پر اعتراض کرے۔ گویا کہ مجرم کا جرم ٹھیک ہے اور حدیث و قرآن کا ذکر اللہ بُرا (معاذ اللہ) اور پھر فرض جماعت کے وقت تو مسجد میں وہی سوئے گا۔ جس پر خاص شیطان سوار ہوگا۔ نمازوں کے تو وقت معین ہیں آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ تو کیا ضروری ہے کہ فرض جماعت کے وقت ہی تلاوت کی جائے۔ منکرین ذکر اللہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بجز اس کے کہ کہتے پھرتے ہیں۔ ھدایہ نے لکھا ہے۔ امام اعظم ذکر بالجہر کو بدعت کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اولاً تو یہ بات ہی غلط ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت کہا۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث نے جس ذکر بالجہر کا شدت سے حکم دیا۔ بلکہ تشریق کے دنوں میں واجب کر دیا۔ امام اعظم اس کو بدعت کہہ دیں۔ ہاں صاحب ھدایہ نے جو بدعت کہا تو اس کا معنیٰ وہ نہیں جو منکروں نے سمجھا بلکہ بدعت کے لغوی معنیٰ یعنی شاذونادر ہونا مراد ہے اور مقصد کلام یہ ہے کہ

صحابہ کرام اخصّ الاخص حضرات تھے۔ غوث وقطب بلکہ ملائکہ سے اعلیٰ ان کا اصل ذکر تو خفی تھا ذکر بالجہر ان کے لیے غیر اصلی یعنی شاذ اور عجیب تھا۔ اسی کو لغت میں بدعت بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور اور معروف اور معتبر کتاب لسان العرب جلد دوم میں اسی طرح ہے۔ ھدایہ کی عبارت کی وضاحت اسی طریقے سے فتاویٰ فتح القدیر نے مختصراً جمالاً فرمائی ہے۔ چنانچہ جلد دوم ص۸۱ پر ہے۔ وَالْاَصْلُ فِی الْاَذْکَارِ الْاِخْفَاءُ وَالْجَھْرُ بِہٖ بِدْعَۃٌ ترجمہ: اور ذکر اللہ کا اصل قانون یا اصل درجہ ذکر خفی ہے اور بلند آواز کا ذکر صحابہ کرام سے ہونا بدعت یعنی شاذ ہے۔ اگر فتاویٰ فتح القدیر کی یہ بات نہ مانی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث پر کس طرح عمل کیا جائے گا۔ جن میں صاف عمل نبوی اور طریقہ صحابہ اور رب تعالیٰ کا حکم وجوبی موجود ہے۔ فتاویٰ نے یہاں اصل اور بدعت کا تقابل کیا ہے نہ کہ بدعت وسنت کا۔ خیال رہے کہ بدعت کبھی سنت کے مقابل ہوتی ہے وہ گمراہی ہے اور کبھی حسنہ کے مقابل ہوتی ہے وہ سیئہ ہے۔ یہ دونوں ناجائز اور کبھی اصل کے مقابل ہوتی ہے وہ شاذ و نادر ہے۔ وہ جائز ہے۔ ان منکرین کو فقط یہ غور کرنا چاہیے کہ آپ لوگوں کو نمازوں میں خلل پڑنے کی زیادہ فکر ہے۔ یا اللہ رسول کو جن کی یہ نمازیں ہیں۔ اگر ذکر بلند سے نماز میں خلل پڑتا ہوتا تو رب تعالیٰ ایام تشریق کی تکبیرات کبھی واجب نہ کرتا۔ حالانکہ اس کے جہر وجوبی کا کوئی بھی منکر نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے پیش کردہ کتب معتبرہ احادیث مشہور روایات قرآنیہ مندرجہ ذیل میں بصراحت ذکر بلند کا ثبوت موجود ہے۔ **حدیث اوّل**: ابوداؤد ج۱ ص۱۴۳ نسائی ص۱۹۶ مشکوٰۃ ص۹۸ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکْبِیْرِ متفق علیہ تکبیر سے مراد مطلق ذکر بالجہر۔ مرقات جلد دوم ص۳۵۷ اور لمعات جلد سوم ص۲۲ پر فَالْمُرَادُ بِالتَّکْبِیْرِ فِی الْاَقْوَالِ مُطْلَقُ الذِّکْرِ۔ **حدیث دوم**۔ مسلم شریف جلد اول اور مشکوٰۃ ص۸۹ پر ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِہٖ یَقُوْلُ بِصَوْتِہِ الْاَعْلٰی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ (الخ) **حدیث سوم**: نسائی جلد اول مشکوٰۃ ص۸۹، ص۱۹۷ پر ہے عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ (الخ) **حدیث چہارم**: ابوداؤد جلد اول ص۱۴۳۔ اَخْبَرَنَا

عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْبَرَہٗ اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ لِلذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ ذَالِکَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) مشکوٰۃ ص۸۹ پر ہے عَنْ سَعْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُعَلِّمُ بَنِیْہِ ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ۔ حاشیہ ابوداؤد جلد اول ص۱۴۳ وَحَمَلَ الشَّافِعِیُّ ھٰذَا الْحَدِیْثَ عَلٰی اَنَّہٗ جَھَرَ لِیُعَلِّمَھُمْ صِفَۃَ الذِّکْرِ عبارات فقہاء عام مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص۳۵۰ پر ہے لٰکِنْ ھٰذَا التَّاوِیْلُ یُخَالِفُہٗ الْبَابُ (الخ) اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یشخ محمد تھانوی استاذ رشید احمد صاحب گنگوہی کی کتاب رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی ص۳۰ پر ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْھَرُ مَعَ الصَّحَابَۃِ بِالْاَذْکَارِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ۔ شامی جلد اول ص۶۶۰۔ فَقَالَ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الْجَھْرَ اَفْضَلُ۔ لِاَنَّہٗ اَکْثَرُ عَمَلًا وَفِیْ حَاشِیَۃِ الْحَمَوِیِّ عَنِ الْاِمَامِ الشَّعْرَانِیِّ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلَی اسْتِحْبَابِ ذِکْرِ الْجَمَاعَۃِ فِی الْمَسَاجِدِ۔ پارہ دوم بقرہ کی آیت ۲۰۳ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ پ۲ روح المعانی آیت ۲۰۳ ص۸۰ پر ہے وَھِیَ ثَلٰثَۃُ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ وَھُوَ الْمَرْوِیُّ فِی الْمَشْھُوْرِ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَعَلِیٍّ رضی اللہ عنہ وَابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ۔ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّھَا اَرْبَعَۃُ اَیَّامٍ۔ (الخ) اِسْتَدَلَّ بِالْاٰیَۃِ عَلَی ابْتِدَاءِ التَّکْبِیْرِ خَلْفَ الصَّلٰوۃِ۔ فتح القدیر دوم ص۸۲۔ وَالْاَصْلُ فِیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَاِنَّہٗ جَاءَ فِی التَّفْسِیْرِ اَنَّ الْمُرَادَ بِہٖ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ فَیَکُوْنُ وَاجِبًا عَمَلًا بِالْاَمْرِ فتح القدیر جلد دوم ص۸۰ وَالْاَکْثَرُ عَلٰی اَنَّھَا وَاجِبَۃٌ وَدَلِیْلُ السُّنَّۃِ اَنْھَضُ وَھُوَ مُوَاظَبَتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فتح القدیر دوم ص۸۰ فَکِبَارُ الصَّحَابَۃِ کَعُمَرَ وَعَلِیٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالُوْا یَبْدَءُ بِالتَّکْبِیْرِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَبِہٖ اَخَذَ عُلَمَاؤُنَا فِیْ ظَاھِرِ الرِّوَایَۃِ وَصِغَارُھُمْ کَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَزَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ (الخ) حاشیہ شرح وقایہ اول ص۲۴۸ وَقِیْلَ التَّشْرِیْقُ الْجَھْرُ بِالتَّکْبِیْرِ۔ بحر الرائق دوم ص۱۷۱۔ ثُمَّ صَرَّحَ فِی الْبَدَائِعِ بِاَنَّ التَّشْرِیْقَ فِی اللُّغَۃِ کَمَا یُطْلَقُ عَلَی اِلْقَاءِ لُحُوْمِ الْاَضَاحِیْ بِالْمُشَرَّقَۃِ یُطْلَقُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّکْبِیْرِ قَالَہٗ نَضْرُ بْنُ شُمَیْلٍ۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ!

ہمارے محترم پیر اختر صاحب سجادہ نشین علی پور شریف بھی اس غلطی کا شکار تھے کہ نماز

فرض کے بعد ذکر جہری منع ہے۔ جب آخری بار گجرات تشریف لائے تو میرا ان کا چند منٹ مکالمہ ہوا جب میرے دلائل سنے تو بالکل خاموش ہو گئے اور مسکراتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ حضرت ابن عباس کی یہ روایت معتبر نہیں کیونکہ وہ بچے تھے اور بچپن کی روایت معتبر نہیں ہوتی۔ میں نے کہا حضرت! واقعہ بچپن کا ہے مگر روایت جوانی کی ہے۔ اسی لیے تمام محدثین نے اس کو معتبر مانا۔ اب کس کی جرأت ہے کہ اس روایت کو معتبر نہ مانے پھر فرمانے لگے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ سونے والے کی نیند میں، قرآن پاک کی تلاوت میں، نمازی کی نماز میں خلل آئے یا بیمار کو تکلیف آئے تو ذکر بلند منع ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت کا فرمان بعد نماز فرض با جماعت مساجد کے ذکر کے متعلق نہیں بلکہ یہ ذکر جہری گھر، ہسپتال یا مدرسوں یا بے وقت بلندی ذکر سے متعلق ہے۔ میری اس ایک گھنٹہ خوشگوار، باادب با دلائل گفتگو کے بعد پیر صاحب علیہ الرحمۃ بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ بات تو نہ کی مگر چہرے کے پر رونق تاثر سے پتہ لگتا تھا کہ آپ اپنے نظریئے سے رجوع پر آمادہ ہیں مجھ کو امید ہے کہ اگر زندگی وفا کرتی تو ضرور رجوع فرما لیتے۔ اللہ معاف فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

فتوای ۲۱

صرف اسلام عالمگیر دین ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دنیا کے تمام دینوں میں ہر اعتبار سے سب سے اعلیٰ دین کون سا ہے؟ آج ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میرا دین سب سے اعلیٰ ہے۔ مگر صرف زبانی کہنے سے غیروں کو تو یقین ہونے کا امکان نہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور عالمگیر دین ہے۔ غیر مسلم اس دعوے کو نہیں مانتے۔ لہذا ہم کو بڑے آسان طریقے سے ایسے دلائل سے سمجھایا جائے کہ مخالف بھی ان دلائل کو توڑ نہ سکے!

بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا!

دستخط سائل:

مہر محمد اقبال ولد مہر اللہ بخش ساکن گلاسگو۔ جی ایم شیلڈز روڈ جنرل سیکرٹری انجمن غوثیہ گلاسگو ۴/۸۲/۱۲ ۔

بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابِ

الجواب

نَحْمَدُہٗ تَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَالرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ۔

اَمَّا بعد! جاننا چاہیے کہ آغاز انسانیت سے آج تک سینکڑوں دین آئے اور بنتے بگڑتے رہے۔ اصلاح انسانیت کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے بھی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اپنے دین اور شریعت لے کر تشریف لاتے رہے۔ اُن دینوں کے نام اپنے اپنے دور میں مختلف رہے۔ اصل ادیان سب الٰہی دینوں کی ایک ہی رہی یعنی توحید باری تعالیٰ لیکن شریعت اعمال عبادات سب دینوں کے مختلف ہوتے رہے۔ ان ادیان الٰہیہ کے نام ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر ہوتے رہے۔ مثلاً دین موسوی۔ دین عیسوی وغیرہ الہامی دینوں میں سب سے آخری دین آقائے دوعالم حضور اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور اس کا نام اسلام رکھا گیا۔ اس سے پہلے کسی نبی کے دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ وہ جو لفظ مسلمین یا اسلمتُ وغیرہ سابقین کے لیے مستعمل ہے۔ وہاں لغوی معنیٰ یعنی تسلیم ورضا اور جھکنا مراد ہے۔ ہمارے اکثر مفسرین نے فرمایا کہ اسلام حضرت آدمؑ سے شروع ہوا۔ وہاں مراد توحید باری تعالیٰ ہے نہ کہ شریعت۔ اصطلاحی طور پر شریعت کا نام دین ہے اور اسلام اصطلاحاً صرف شریعت مصطفےٰ کا نام ہے۔ یہی قرآن وحدیث سے ثابت ہے زمانۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر تا ایندم مصنوعی دین بھی دنیا میں سینکڑوں ہوئے مگر اس وقت دنیاء انسانیت میں صرف بارہ دین موجود ہیں۔ جن کا پورا زائچہ آخر میں بیان کیا جائے گا۔ میں نے ادیان عالم پر جو معلومات حاصل کی ہیں۔ ان تمام سے مقابلہ کرتے ہوئے عقلاً۔ نقلاً۔ اصلاً۔ فرعاً۔ تجربے اور مشاہدے سے غرض کہ ہر طرح ہر عقلِ سلیم رکھنے والے پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فقط دین اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر دور میں ہر قوم ہر فرد کے لیے مکمل دین اور زندگی گذارنے کا باعزت آسان طریقہ ہے۔ اسی لیے فقط اسی دین کو عالمگیر دین کہا جاسکتا ہے۔ یہی وہ مکمل دین ہے جس نے ہر شخص کو عزت محبت سے نوازا۔ زندہ تو زندہ فوت شدگان کو بھی عزت سے دیکھا اور قوم میں دشمنوں کا بھی احترام قائم کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام کے سب سے سخت دشمن یہودی ہیں۔ لیکن احادیث نے بتایا کہ کسی یہودی کا جنازہ بھی نکلتا تھا تو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دلجوئی کے لیے کھڑے ہو

جاتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول۔ مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۲ پر ہے۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَۃٌ فَقَامَ لَہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَہٗ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہَا یَہُوْدِیَّۃٌ فَقَالَ اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا۔

ترجمہ: اور روایت ہے حضرت جابرؓ سے انھوں نے فرمایا کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودیہ کا جنازہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ موت سب کے لیے پریشانی ہے۔ لہٰذا جب کبھی کسی کا بھی جنازہ دیکھو تو لواحقین کی دلجوئی کے لیے تم بھی کھڑے ہو جایا کرو۔ اس حدیث پاک نے قیامت تک کے مسلمانوں کو اغیار بلکہ غیر مسلموں سے بھی حسن سلوک اور دشمن کے دل میں گھر کرنے والی عزت افزائی کا درس دیا۔ اب ہر مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کی پابندی کرتے ہوئے سخت کافر کی بھی دلجوئی کرنے پر مجبور ہے۔ اس ہی سے ثابت ہو گیا کہ اسلام نے انسانی عظمت کا کتنا خیال رکھا۔ دنیا میں کوئی دین والا بھی اس طرح کا حسن سلوک اپنے دین کی تعلیم میں نہیں دکھا سکتا۔ انسانوں سے تو اسلام نے حسن سلوک سکھایا ہی ہے جانوروں حیوانوں سے محبت کا بھی اسلام نے ہی اپنی قوم کو بہترین درس سکھایا ہے۔ کتنے ظالم اور جاہل ہیں وہ لوگ جو کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ حالانکہ تلوار سے کوئی بھی دین نہیں پھیل سکتا۔ تلوار سے تو حکومت اور بادشاہتیں پھیلتی ہیں۔ دین ہمیشہ محبت اور شفقت و رحمت سے پھیلتا ہے اس لیے کہ حکومت و سلطنت جسم پر ہوتی ہے اور دین دلوں پر قبضہ کرتا ہے۔ تلوار سے ڈرا کر جسم پر تو قبضہ ہو سکتا ہے۔ مگر دل پر قبضہ نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام نے تو کائنات کے دلوں پر قبضہ جمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ تب تو یہ بانیٔ اسلام حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خصوصی معجزہ ہوا کہ تلوار سے دلوں کو قابو کر لیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نے تلوار اٹھائی مگر مسلمان بنانے کے لیے نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو مکہ مکرمہ میں تلوار اٹھتی۔ زندگی شریف کے ترپن ۵۳ سال تو تلوار نہ اٹھائی گئی۔ حالانکہ مکہ مکرمہ سے لے کر یمن کی وادیوں تک اسلام پہنچ چکا تھا اور مدینہ طیبہ کے گھر گھر میں روشنیٔ اسلام پھیل چکی تھی۔ ہزاروں کی تعداد تو مکی زندگی میں ہی اسلام قبول کر چکی تھی۔ جبکہ کثیر تعداد نے ابھی چہرۂ انور کی زیارت بھی نہ کی تھی۔ حبشے پر کون سی تلوار اٹھی تھی۔ کہ بادشاہ حبش تک گھائل ہو گیا اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ ہاں اسلام نے تلوار اٹھائی لیکن دشمن کے دفاع کے لیے، مظلوموں اور بے بسوں۔

یتیموں۔ غلاموں کی امداد کے لیے اٹھائی۔ ظالموں۔ مغروروں کے ظلم وغرور کو توڑنے کے لیے اٹھائی یہی نہیں بلکہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب ظالموں غیر مسلموں کا ظلم کمزوروں، پر انتہا کو پہنچا۔ تب مسلمانوں نے غیر مسلموں کی صرف بادشاہتوں اور آمریتوں کو ختم کر کے اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور یہ کوئی انوکھی یا نرالی بات نہ تھی۔ یہ تلوار تو حضرت موسیٰ حضرت ہارون۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان۔ حضرت عزیر علیہم السلام نے بھی اٹھائی۔ ان کے بارے میں۔ یہود و نصاریٰ کیا کہیں گے۔ دنیا کا کون سا دین ہے جس نے تلوار نہ اٹھائی کیا عیسائیت کے مذہب والے یورپ وغیرہ نے اپنے مذہب کی اشاعت اور آمریت قائم کرنے کے لیے جنگیں نہ کیں۔ یہودی اور عیسائی تاریخ تو خون ریزی سے بھری پڑی ہے اسلام نے جہاد سے صرف بچوں، عورتوں، کمزوروں، ضعیفوں کی مدد کی۔ جبکہ دوسرے مذہبی جنون والوں نے کسی کو نہ بخشا۔ غیر مسلموں کی سفاکیوں سے تاریخ کے ورق سیاہ ہیں۔ اسلام نے اپنے حسن اخلاق کے ایسے انمٹ درس دیتے ہیں کہ کائنات کا ہر انسان غیر انسان اس سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو دنیا کے ہر شخص سے محبت اور باہمی تعلق رکھنے کے اس طریقے سے سبق دیئے کہ مسلمان ان پر عمل کرنے کے لیے دینی طور پر مجبور ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر فرقہ پرستی میں مبتلا ہو جائیں یا دنیا کی انسانی برادری سے بے تعلق ہو جائے لیکن جہاں تک اسلامی تعلیمات اور روابط و ضوابط اور عبادات دینیہ کا تعلق ہے کوئی مسلمان علیحدہ رہ کر یا فرقے بازی کے تعصب میں مبتلا ہو کر کما حقہ، انجام نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی مفکر یا محرر غور و خوض کی گہرائی میں چلا جائے تب تو لکھنے، بیان کرنے کے لیے اسلام کی اخلاقی۔ روحانی۔ جسمانی معاشرتی انسانی، ہمدردی۔ کمزوروں پر شفقت وغیرہ ہزار ہا خوبیاں اسلام میں ایسی خصوصی موجود ہیں۔ جس کی مثال تو در کنار عشر عشیر بھی کسی دین میں نہیں مگر میں آپ کے سوال کے پیش نظر صرف وہ خوبیاں بیان کروں گا۔ جس کی وجہ سے اسلام ہی صرف عالمگیر مذہب کہلانے کا حقدار ہے اور ان خوبیوں کو دوست دشمن اپنا پرایا خوبی کہنے پر مجبور ہے۔ ان خصوصیات اسلامیہ سے کوئی بے عقل متعصب اور حاسد ہی انکار کر سکتا ہے۔ ورنہ ذرا بھی عقل سلیم رکھنے والا اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ پہلی خوبی: بہت سے مصنوعی دینوں نے صرف روحانی تعلیم دی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ ہر پیروکار اس کی مشکلات کو برداشت

نہ کرتے ہوئے اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ہر دین میں پورے عمل کرنے والے صرف چند ہی دیکھے جاتے ہیں۔ بقیہ نفری صرف نام کی مذہبی ہوتی ہے۔ مثلاً افرادی اور مردم شماری کے لحاظ سے دنیا میں عیسائی بہت زیادہ ہیں کہ مسلمانوں کے بعد ان کا ہی نمبر آتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب پر عملی طور پر ہزار میں شاید ایک ہی ہوگا اور جو تعلیم انجیل یا بائبل دیتی ہے۔ اس پر پورا عامل کوئی ہوگا۔ خاص کر یورپ کا علاقہ جو نفری اور افرادی قوت کے اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں کی اکثریت صرف عیسائیت کے نام سے واقف ہے عمل سے اتنے دور ہیں کہ چرچ فروخت ہو رہے ہیں۔ دہریت رواج پا رہی ہے۔ مذہبی تعلیم سے بیخبری تو علیحدہ اصولِ مذہب پر بھی عمل نہیں کر سکتے صرف پوچھنے پر بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ ہم کرسچین ہیں۔ اسی لیے تمام دینوں کو ہر زمانے میں اپنا لبادہ تعلیم بلکہ اصول و فروع بدلنے کی ضرورت درپیش آئی اور مذہبی، پرانی تعلیم کو چھوڑ کر نئے ضابطے بنانے پڑتے ہیں کوئی دین بھی اس نرمی گرمی سے خالی نہیں۔ یہ اسلام کی خصوصی شان ہے کہ جس قدر آج سے چودہ سو سال پہلے تھا اتنا ہی آج ہے اور جس طرح عام مسلمان پہلے دور کے اسلام پر عمل کرتے رہے۔ بعینہ اسی شکل میں تمام مسلمان ہر قوم ہر ملک میں آج بھی کر رہے ہیں چند اوباش بے فکرے سست مسلمانوں کی بات نہیں دیکھنا اکثریت کو ہے بلکہ بدست نیا طبقہ بھی فقط سستی کی بناء پر بے عمل ہو جاتے ہیں۔ ورنہ تعلیماتِ اسلام میں کوئی ایسی سختی نہیں کہ اس کو نہ کیا جا سکے۔ یہ اسلام کی ایسی خصوصی شاندار خوبی ہے کہ دنیا کے کسی دین میں نہیں۔ بخلاف دیگر ادیان کے کہ ان کی مذہبی تعلیم ہی یا تو اتنی سخت ہے کہ اس پر عمل دشوار ہے یا اتنی نرم ہے کہ شرفاء کو زندگی گزارنا مشکل ہے اور یا اتنی غلط ہیں کہ ان کو اپنا کر معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اسلام کی دوسری خصوصی خوبی: اسلام اپنے ماننے والی دنیا کی ہر قوم کو بچپن سے بڑھاپے بلکہ حکومت تک مکمل ضابطہ حیات اور معاشرے کے ایسے سنہری اصول اور اخلاقِ حسنہ عطا فرماتا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہ جاتا اور ایک سمجھدار مسلمان کو دنیا کے کسی اسٹیج پر۔ کسی غیر مسلم راہبر یا کسی غیر مسلم لائبریری کی طرف نگاہ اٹھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ غیر مسلموں کو دنیوی معاشرے کو مہذب و شریف بنانے کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اشد ضروری ہے دنیا میں آج جتنے بھی غیر مسلم بھلے اچھے و مہذب نظر آرہے ہیں وہ سب اسلامی لائبریری سے تعلیم یافتہ ہیں یہ اخلاق قوانین ان کو اسلامی قرآن و حدیث سے ہی ملے ہیں ورنہ دنیا کی پرانی مذہبی کتب وید۔ گیتا۔ استا۔

ژاردا۔ تھشترا۔ جیکی۔ بائبل۔ موجودہ توریت۔ زبور۔ انجیل وغیرہ میں۔ موجودہ غیر مسلم حکومتوں اور قانونوں وعوام میں رائج شدہ اخلاقیات کی راہنمائی قطعًا نہیں ملتی۔ یہ تمام اخلاقیات وتہذیب احادیث پاک اور آیات قرآن مجید میں آج سے چودہ صدی پیشتر اس وقت ظاہر ہوئیں۔ جب دنیا کا ہر مذہبی پیشوا ان مہذب باتوں سے بے خبر تھا۔ ہمارے اس دعوٰی کو دنیا کا کوئی غیر مسلم نہیں توڑ سکتا۔ اسلام کی تیسری خوبی: اسلام کسی مسلمان مرد وعورت کو بے علم نہیں رہنے دیتا۔ صرف عبادات اسلامیہ ادا کرنے کے لیے مسلمان کو درجنوں علم سیکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً ادائیگی نماز کے لیے پانچ علم سیکھنے پڑتے ہیں۔ ۱: علم قرآن ۲: علم فقہ۔ ۳: علم توقیت یعنی ریاضی ۴: علم حدیث ۵: علم نقشہ نویسی۔ ان علم کی نمازی کو اس لیے ضرورت کہ ۱: نماز میں قرآن مجید پڑھنا ہے۔ اس کے لیے حفظ قرآن۔ تجوید قرآن۔ صحیح ادائیگی غلط ادائیگی کہ کس ادا سے نماز بالکل درست ہوتی ہے اور کس ادا سے مکروہ اور کس ادا سے فاسد یا باطل ہوتی ہے۔ سجدہ آئے تو کیا کرے۔ کتنی آیات کس نماز میں پڑھے کس نماز میں کس جگہ سے قرآن مجید پڑھے وغیرہ ۲: نماز کے فرائض۔ سنن۔ نوافل، واجبات پاکی پلیدی جاننے کے لیے فقہ ضروری ۳: رات دن سردی۔ گرمی۔ برسات وغیرہ تمام موسموں میں پنجوقتہ نماز کے وقتوں کو درست کرنے کے لیے علم توقیت ضروری ۴: نماز کا طریقہ ادا سیکھنے کے لیے احادیث کا علم راویان کی چھان بین درایت وروایت کا فرق محدثین کے طبقات اور ان کے درجات۔ جرح حدیث کی قسمیں جاننا اشد ضروری ہے کہ کس امام نے کس طرح نماز کی ادا کا طریقہ اختیار کیا کس حدیث سے استدلال کیا کون سی حدیث کس درجے قابل عمل ہے امام اعظم نے ہاتھ باندھ کر کیوں پڑھی۔ امام مالک نے ہاتھ کھول کر کیوں پڑھی ۵: نماز کے لیے قبلہ کا احترام اور کعبہ معظمہ کی سمت کا پتہ لگانا اشد ضروری ہے اس کے لیے مساجد کا بنانا کہ کدھر محراب ہو۔ کہاں خارج مسجد ہو کہاں خارج مسجد اذان کہی جائے۔ اذان کے لیے کیسی جگہ بنائی جائے۔ بیت الخلاء طہارت خانے کس رخ پر بنائے جائیں گھروں میں یا مسجدوں میں صفوں کے لحاظ سے فرش مسجد کیسا بنایا جائے۔ دروازے۔ کھڑکیاں کدھر بنائی جائیں۔ سمت قبلہ میں گزرگاہ بنانی منع ہے۔ دوسری جانب درمیان میں دروازہ بنانا بہت لازم ہے تاکہ خطبۂ جمعہ کی دوسری اذان احادیث طیبات کے مطابق خطیب کے سامنے خارج مسجد

ہو سکے ان تمام چیزوں کی وجہ سے مسلمان کو مذہبی طور پر نقشہ نویسی سیکھنا لازم ہے۔ حج کی عبادت ادا کرنے کے لیے مسلمان کو ساری دنیا کا جغرافیہ جاننا ضروری۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کی عبادات ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان کو دنیا کے ہر ملک کا حساب جاننا ضروری۔ اسی طرح حق مہر سمجھنے کے لیے۔ اسلامی جرموں خطاؤں میں کفارہ دینے کے لیے علم حساب حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کس ملک کا سکہ رقم اور پیمانہ ناپ تول کس حساب سے ہے۔ روزمرہ دنیا میں سونے چاندی کا بھاؤ کس درجے میں ہے۔ ہر مسلمان کے لیے مذہبی اور دینی اعتبار سے ضروری ہے۔ کسی دین نے ان علوم کے سیکھنے پر اپنے پیروکار کو مجبور نہیں کیا ہے یہ اسلام ہی کی خصوصی شان ہے کہ اس نے ہر مسلمان کو یہ علوم سیکھنے پر مجبور کر دیا۔ کوئی مذہبی مسلمان جاہل نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی چوتھی خوبی۔ اسلام نے ایسی تعلیم و تدریسی عبادات عطا فرمائیں کہ کوئی مسلمان مذہبی دینی اعتبار سے۔ اجتماعی اتحاد کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اور حسن معاشرہ اتفاق اور میل ملاپ سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ قوم اور برادری کی سب سے بڑی خوبی اور حسن اخلاق یہ ہے کہ ہر شخص بلا امتیاز غریب، امیر ایک دوسرے سے ملتا جلتا رہے اور سب کے حالات سے خبردار رہے۔ اتحاد و محبت یگانگت پیار کا سب سے عظیم طریقہ یہی ہے۔ کسی مذہب نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں برہمن۔ اچھوت۔ کالے گورے کی نفرت والی بیماریاں بڑی شدت سے موجود ہیں۔

مگر اسلام نے ایسے حسن و خوبی سے اس بیماری کو روکا کہ ایک محلے کی راہ و رسم اور باہمی شفقت تعاون کے لیے پنجوقتہ نماز باجماعت فرض کر دی۔ پورے شہر کے مسلمانوں کے باہمی رابطہ و تعلق کے لیے نماز جمعہ فرض کیا گیا اور پورے علاقے کے مسلمانوں کے ملنے جلنے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے سال میں دو عیدیں مقرر فرمادیں اور حکم دیا کہ جمعہ و عیدین کی امامت کے فرائض حاکم شہر یا بادشاہ یا قوم کا بڑا لیڈر انجام دے تاکہ حاکم و رعایا میں دوری اور منافرت نہ پیدا ہو نہ لغاوتیں اور غداریاں سر اٹھائیں۔ یہ سالانہ ہفتہ وار اور پنجگانہ نمازیں۔ روحانی جسمانی عبادات الٰہیہ کے ساتھ ساتھ بیحد خوشگوار ماحول۔ اتحاد۔ اخوت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے اتحاد اخوت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ۔ پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے اتحاد اور عالمی کانفرنس کے لیے حج بیت اللہ شاندار ذریعہ ہے۔ جس میں دنیا بھر کے امیر غریب کالے

سلطان و رعایا باہمی واقفیت اور ایک دوسرے سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حالات سے خبردار ہوتے ہوئے آپس میں مشورے کرنے کا بہترین موقعہ فراہم کیا گیا۔ پھر سب کو ایک لباس پہنا کر۔ نخوت وغرور کو جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ امیر غریب کا فرق ہی مٹا دیا۔ دنیا کا کوئی دین اخوت کا ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ **اسلام کی پانچویں خوبی:** اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان از راہ انسانیت تمام دنیا سے رابطہ و تعلق رکھیں اس رابطے کے بغیر مسلمانوں کی بہت سی عبادات دشوار ہو جاتی ہیں مثلاً حج وعمرہ اس کے لئے دنیا کے اطراف سے مسلمانوں کو سفر ضروری اور سفری سہولتیں کے لئے زمانے کے مطابق ہوائی اور بحری جہاز کی مسلم و غیر مسلم کمپنیوں سے رابطہ اور دوستانہ ضروری۔ آج بہت سے غیر مسلم کارخانے، فیکٹریاں اور چھاپے خانے کمپنی ادارے مسلمانوں کے دم قدم سے نفع بخش قائم ہیں اور جب رمضان پاک کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو ہم نے ہندوستان وغیرہ غیر مسلم ممالک میں دیکھا کہ ہندوؤں۔ سکھوں۔ یہودیوں عیسائیوں کے بازاروں۔ دکانوں۔ منڈیوں میں بھی عجیب گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے۔ مشروبات و مطعومات سے دکانیں۔ بھر جاتی ہیں اور مسلمانوں کے اس بابرکت مہینہ سے غیر مسلموں کو بھی لاکھوں کا دنیوی فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ یہ انسانیت کی یکجہتی کا کتنا انوکھا طریقہ ہے جو صرف اسلام نے پیش فرمایا۔ کسی بھی دین کی عبادت سے غیروں کو فائدہ نہیں پہنچتا یہ اسلام کا نسل انسانی پر کتنا بڑا احسان ہے کہ مسلمانوں کی عبادات سے دنیا بھر کے غیر مسلم بھی نفع مند ہو رہے ہیں۔ **اسلام کی چھٹی خوبی:** اسلام نے عبادات فرضیہ کا کچھ ایسا نقشہ بنایا ہے کہ دنیا کی ہر کار آمد ایجاد مسلمان کو خریدنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مذہبی طور پر لازم و ضروری ہو جاتا ہے۔ غور کرتے چلے جاؤ کہ قطب نما اور ٹائم گھڑی سے لے کر بحری اور ہوائی جہاز تک سب ایجادات عالم سے فائدہ حاصل کرنا مسلمانوں کو لزومی حکم ہے۔ کیونکہ ان اشیاء سے مسلمانوں کی عبادات وابستہ ہوتی جاتی ہیں۔ **اسلام کی ساتویں خوبی:** اسلام اپنے مسلمانوں کو صرف ظاہری کتب کے علم ہی سیکھنے پر مجبور نہیں فرماتا بلکہ باطنی علوم یعنی غور و تدبر بھی مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کی ایک مختصر مثال وہ قانون ہے جب مسلمان مسافر جنگل یا اجنبی جگہ میں نماز پڑھنے لگے۔ سمت قبلہ کا پتہ نہ ہو نہ کوئی بتانے والا ہو تو مرد نمازی پر واجب ہے کہ آسمان و زمین میں غور و فکر کرے۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں میں تدبر کرے۔ سیاروں کی گردش کا اندازہ لگائے۔ زمین کے مشرق مغرب پہچانے۔ اندازہ لگائیے کہ ہر مسلمان پر اسلام نے کتنے علوم لازم کر دیئے۔ یہاں تک کہ سوچ و تدبر کو بھی دین کی طرف

لگا دیا گویا کہ ساری سائنس اور علم فلکیات کا حصول مسلمانوں کا خاصہ ہے جہاں سے ملے حاصل کر لو۔ کائنات کے ذرے ذرے پر غور فکر کرنا شمس و قمر اور کواکب سماوی کا علم سیکھنا مسلمانوں کو اس لیے ضروری ہوا کہ اس علم سے مسلمانوں کی عبادات کا پتہ چلتا ہے۔ ہر مسلمان پر مذہبی حکم سے سال کے مہینوں کی ابتداء و انتہا کا خیال رکھنا۔ جنتریوں کو درست کرنا رویت ہلال کے لیے دوڑ دھوپ کرنی واجب ہے۔ **اسلام کی آٹھویں خوبی:** دین اسلام چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر تجارت پر مسلمان چھا جائے اور اسلامی منڈی سب سے بڑی منڈی ہو۔ دنیا کے سب تاجر مسلمانوں کے حاجت مند بنے رہیں یہ بھی ایک قومی وقار ہے۔ گویا کہ مسلمان کو اس کا دین اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی باعزت بنائے اسلام نے مسلمان کو ایجادات عالم کی خرید و فروخت لازم قرار دی۔ خواہ وہ مسلم منڈیوں سے یا غیر مسلم منڈی سے ہر مسلمان پر اپنی اسلامی عبادتوں کیلئے گھڑی مصلّٰے۔ لوٹا مسواک تسبیح۔ قطب نما وغیرہ خریدنا دینی ضرورت ہے۔ اگرچہ وہ کفار ایجاد کریں۔ مگر اس کا برتنا دینی حکم سے مسلمانوں ہی کو لازم ہے کسی بھی دین نے ان چیزوں کو خریدنے کی طرف زور نہ دیا۔ گویا کہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جو دنیا کے ہر موجد کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ دیکھو اکثر ایجادات کفار نے کیں اور اس کا برتنا مسلمان نے شروع کیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو چیزیں بنانے کی طرف لگایا اور مسلمانوں کو برتنے کی طرف غیروں سے تعاون کی ایسی مثال دنیا کے کسی دین میں نہیں۔ آج سینکڑوں فیکٹریاں مصلے۔ رومال۔ تسبیحیں۔ لوٹے۔ احرام کی چادریں بنا کر ہزاروں، لاکھوں کے حساب سے زر مبادلہ کما رہے ہیں۔ ہزاروں تجارتیں صرف مسلمانوں کے دم قدم سے قائم ہیں اور مسلمان مذہبی طور پر ضرورت دینی کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کی چہل پہل اور دنیا میں دین کی بہار صرف اسلام نے پیدا کی۔ **اسلام کی نویں خوبی۔** دنیوی زندگی کے ہر شعبے میں اسلام نے مسلمان کو۔ اخلاق تہذیب امانت و دیانت اور حسن معاشرے کے درس دیئے یہ سب اخلاقیات قرآن و حدیث طیبات میں ہی ملتے ہیں۔ لہذا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ دنیا کی جس قوم نے بھی کوئی اچھا قانون۔ یا تہذیب۔ حسن معاشرہ اختیار کیا وہ اسلامی کتب سے ہی حاصل کیا۔ دنیا کے جھمیلوں سے گھبرا کر جنگل میں جا بیٹھنا تو علیحدہ بات ہے۔ لیکن معاشرہ حکومت اور گھر بلو زندگی بنانے۔ چلانے اور سنبھالنے کے لیے قرآن مجید اور احادیث پاک سے ہی راہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ کسی مذہبی کتاب نے زندگی گذارنے کا تا قیامت۔ عالمگیر فارمولا پیش

نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہنا بھی عین حقیقت ہے کہ جو بھی غیر مسلم قوم یا فرد۔ دینوی کاروبار تجارت حکومت وغیرہ میں مشغول ہے وہ اپنے دین کی مخالفت کر رہی ہے۔ کیونکہ کسی دین نے نہ دینوی باتوں کا حکم دیا نہ طریقہ سکھایا۔ مگر مذہبی پیروکار اپنے مذہب کی مخالفت پر مجبور ہیں اسی لیے ہر دین والا اگرچہ خود غیر مسلم دیندار کہلاتا ہے۔ مگر صرف نام کا مذہبی تعلیم سے بیزار ہے۔ کیونکہ ہر انسان فطرتی تقاضے سے دنیا چلانے پر مجبور اور ان کے دین فطرت کے خلاف حکم دیتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی انسان ان دینوں پر عمل نہیں کر سکتا یہ تو اسلام کی شان ہے کہ اس کی تمام تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس لیے آج دینوی عمل میں تقریباً ہر غیر مسلم اپنے دین سے جدا ہے اور اسلامی اخلاقیات پر عمل پیرا ہے۔ **اسلام کی دسویں خوبی:** فقط اسلام ہی وہ دین ہے جس کو اپنا کر بیک وقت ہر مسلمان چھوٹا بڑا امیر غریب ہر ملک، ہر قوم کا باشندہ عابد، زاہد اور معاشرے اور گھریلو زندگی کے اعتبار سے کامیاب ترین انسان بن سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے تھوڑی تبدیلی اور فائدہ مند مختصر کی زیادتی سے اور نیت خیر کا حکم دے کر انسانی لوازمات و ضروریاتِ زندگی کو ہی عبادت بنا دیا جس کی وجہ سے ایک مسلمان تخت شاہی پر بیٹھ کر اتنا ہی عابد و زاہد بن سکتا ہے۔ جتنا کوئی دوسرا ہمہ وقت جنگلوں میں چلہ کشی کرنے والا۔ ایک چکی چولہا چلانے والی بال بچے پالتے ہوئے چار دیواری میں رہ کر با پردہ پاکباز متقیہ عورت اتنا ہی قربِ الٰہی اور ولایتِ کبریٰ کی لذت پا سکتی ہے۔ جتنی ہمہ وقت معتکف رہنے والی تارکہ۔ اسلام کی کتنی عظیم الشان طریقیت ہے کہ مسلمان کو زاہد بننے کے لیے ترک دنیا ضروری نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ اصول ہیں۔ جو شروع دن سے اسلام نے ہم کو سکھائے۔ کسی مذہب کتب میں ایسے اسباق نہیں ملتے۔ **اسلام کی گیارھویں۔** اسلام کا دین اختیار کر کے مسلمان۔ فطرت کی ہر چیز سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اسلام نے اس کو برتنے کا طریقہ سکھایا۔ ہر لذت کو حاصل کرنے کا با اصول ضابطہ اخلاق کے مطابق کیا طریقہ ہے۔ یہ صرف اسلام نے ہی سکھایا ہے۔ اسلام کے قلعہ میں ہر مومن بلا مشقت نہایت اطمینانِ قلبی سے زندگی گذار سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی کوئی ایسی عبادت نہیں جو دنیوی انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ صرف مسلمان ہی زندگی کے ہر میدان میں اپنی دینی کتاب کا سہارا لے سکتا ہے۔ اسلام کے علاوہ باقی مذہبی کتب۔ روحانیت ترک دنیا کا توسبق دیتی ہیں۔ مگر

زندگی چلانے کے اصول بتانے میں خاموش ہیں۔ اسلام نے قومِ مسلم کو مہد سے لحد تک تختِ شاہی سے میدانِ جنگ تک گھر سے بازار تک شادی سے غمی تک۔ مسجد سے عدالت تک چولہے ہانڈی سے ماں بیٹی بننے تک۔ عرب سے عجم تک ہر دور میں ہر قوم کو خوشگوار ماحول پیدا کرنے کا طریقہ سکھایا کہ غیر بھی تحسین و آفرین پکار اُٹھے۔ اسلام کی بارھویں خوبی۔ ان تمام باتوں کے باوجود پھر اسلام کی انوکھی دلربا ایک یہ خوبی بھی اظہر من الشمس ہے کہ اسلام اپنے خدائی اور آسمانی ہونے کا پورا جغرافیہ اور مکمل پتہ نام ابتدا، انتہا، زبان، مقصد بلطریقہ، چیلنج ارشاد فرمایا ہے آج تک کوئی غیر مسلم نہ اس چیلنج کا مقابلہ کرسکا نہ انکار نہ کرسکا یہ خوبی دنیا کے کسی دین میں نہیں ملتی۔ ان تمام حقائق پر غور کرنے سے اسلام کی یہ خصوصی خوبیاں اس عالم دھر کے گلستان رنگ و بو ہیں۔ گلدستہ سدا بہار کی طرح اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں جس کو اپنے پرائے آغوشِ عمل میں لے کر حیاتِ دنیا کو مزین کر رہے ہیں۔ اسلام کی تیرہویں خوبی۔ باوجود اس کے کہ سب دین والوں کی طرف سے اسلام کی بھرپور مخالفت اور طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے پھر بھی اسلام نے سب کی طرف دستِ شفقت و محبت بڑھایا کم از کم یہود و نصاریٰ کو تو مخالفِ اسلام کا بالکل ہی حق نہیں پہنچتا کیونکہ اسلام نے ان کے بزرگوں کی شاندار عظمت بیان کی ہے مگر بلند حوصلگی ہے دینِ اسلام کی کہ اس نے مسلمانوں کو ذرہ بھر جذباتی نہ بننے دیا۔ بلکہ ہر طبقے کی حوصلہ افزائی کی۔ دنیا کے غیر مسلموں نے مختلف ایجادات ریڈیو، دوربینیں گھڑیاں۔ چھاپہ خانہ وغیرہ ایجاد کیں۔ تو اسلام نے مسلمانوں کو خریداری پر مجبور کیا کہ ریڈیو وقتِ نماز معلوم کرنے کے لیے گھڑیاں وقتِ نماز دیکھنے کے لیے۔ دوربین ماہ رمضان و عیدین کا چاند دیکھنے کے لیے ضرور خریدو۔ کسی کے دین نے یہ نہ کیا کتنا افسوس ناک اور کتنا حیران کن ہے وہ سلوک جو غیر مسلم ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے متعصبانہ ذہنیت سے اسلام پر الزام تراشی سے کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ اسلام سے بڑھ کر انسانی برادری کو محبت کس نے دی ہے۔ اسلام نے جس طرح سلاطین کو زندگی گذارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ انتہائی باوقار اور شاہانہ طرزِ عمل ہے کہ ساری دنیا اشیاء ایجاد کرتے بناتے رہیں اور مسلمان ان کو برتتے رہیں۔ جیسے کہ نوکر خدام اشیاء مہیا کرتے ہیں اور شہنشاہ استعمال کرتے ہیں۔ اس طریقۂ فطرت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلم دنیا کے بکھیڑوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور مومن مسلمان رب تعالیٰ کے

کاموں کے لیے۔ ایک مسلمان کو اس بات پر رشک نہیں ہو سکتا۔ کہ غیر مسلم سائنسدان تو سینکڑوں چیزیں ایجاد کرتے چلے جا رہے ہیں اور مسلمان ابھی تک مسجد و خانقاہ میں ہے۔ یا کعبہ و حرم میں۔ اس لیے کہ مومن جانتا ہے۔ سب جہاں میرے لیے اور میں خدا کے واسطے۔ جس طرح بادشاہ یا شہزادے کو کسی لوہار، ترکھان، معمار کی مصنوعات پر رشک نہیں آتا۔ بلکہ اس کو اپنی قوت شاہی پر ناز ہوتا ہے اسی طرح مرد مومن کو بھی دینوی فیکٹریوں۔ کارخانوں بنانے والے سائنسدانوں پر رشک نہیں آتا۔ اس کو اپنی قوتِ ایمانی پر ناز ہوتا ہے۔ غیر مسلم سائنسدان مادی ایجادات کے لیے بنے تو مومن مسلمان روحانی عرفانی ایجادات کے لیے دنیا میں آیا ہے۔

اگر سائنسدان نے اب ٹیلی فون ایجاد کر لیا تو نہاوند کی پہاڑیوں میں چودہ سو سال پہلے ایک مسلمان نے ہی مسجد نبوی کے منبر سے کھڑے ہو کر آواز پہنچائی تھی۔ اگر سائنسدان نے اب سمندر پر بحری جہاز چلا دیے تو سینکڑوں سال پہلے دریاؤں کے سینے پر گھوڑے لشکر اسلام نے ہی دوڑائے تھے۔ اگر سائنس دان نے اب زمین سے تیل نکال دیا۔ تو صدیوں پہلے بڑھیا کا چوسا ہوا تیل زمین سے ایک مسلمان نے واپس منگا یا تھا۔ اگر سائنس دان نے آج ٹیلی وژن بنا دیا۔ تو داتا دربار کے محراب میں کھڑے ہو کر ہزاروں میل دور خانۂ کعبہ کا نظارہ ایک مرد مسلمان نے کرا دیا تھا۔ اگر ہوائی جہاز اور راکٹ آج اڑائے جا رہے ہیں۔ تو سالوں پہلے اجمیر میں راجہ داہر کے سامنے اپنی کھڑاؤں کو ایک مرد مومن مسلمان نے ہی اڑایا تھا۔ اسلام نے تو ہم کو بہت کچھ سکھایا پڑھایا بتایا ہے۔ بس بات صرف اتنی ہے کہ آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا ؎۔

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

ان ہی خصوصیات اسلامیہ نے عقلاً۔ نقلاً۔ عملاً تجربے اور مشاہدے و تاریخی اعتبار سے اسلام کو عالمگیر دین ثابت کر دیا ہے۔ کسی پنڈت۔ پادری یا کسی گرو کا پبلک جلسے میں یہ کہہ دینا کہ انسانوں سے محبت کرو یا کسی کتاب میں لکھ دینا۔ یا لینن مارکس یا ماؤزے تنگ کی مزدور دوستی۔ صرف ایک سیاسی یا انفرادی نعرہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر عالمگیر مشن نہیں بن سکتا اسلام کے سوا کسی دین نے ایسی تعلیم نہیں دی کہ مذہب پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسانی برادری سے مکمل تعلق جوڑنا پڑے اور عالمی بھائی چارے بین الاقوامی اخوت امیر، غریب کالے گورے بیمار، تندرست اپنے پرائے خوب صورت، بد صورت۔ مقیم مسافر

واقف ناواقف کو ایک اسٹیج پر لانے کے لیے مجبور ہو مسلمان اپنے مذہبی امور پر باسہولت اس وقت تک عمل نہیں کرسکتا جب تک ساری انسانیت سے تعلق نہ جوڑے نفرت اور تعصب سے اسلام نے مسلمان کو بچنے اور دور رہنے کی تعلیم دی ہے۔ **اسلام کی چودہویں خوبی:** اسلام نے مسلمانوں کی عالمی برادری سے تعلقات استوار کرنے کے باوجود قوم مسلم کو باوقار، باعزت اور سب اقوام پر غالب رکھا ہے اس لئے کہ مسلمانوں کو دینے والا بنایا اور دوسروں کو لینے والا اور ہر معاشرے میں دینے والا ہی عزت دار ہوتا ہے دین اسلام کی کیسی پیاری تعلیم ہے کہ امیر تو امیر، غریب مسکین محنت کش مزدور خون پسینے سے دولت کما کر اولاد کے خرچہ سے بچا بچا کر کچھ رقم جمع کرتا ہے اور سال بھر کے بعد اپنی خوشی بلکہ عشق و محبت سے بلا مذہبی امتیاز کسی جہاز ران کمپنی کو دے دیتا ہے اور بڑی عزت وقار سے سفر کرتا ہوا حج کی زیارت سے مستفیض ہوتا ہے دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے امرا و ٹھیکیداران جو کسی غریب سے بات کرنا پسند نہیں کرتے موسم حج میں بوڑھے غریب مسلمان کی خدمت عزت میں کمربستہ نظر آتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ دینے والا ہر میدان میں غالب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی عبادات نے ہی ان کو عالمی منڈیوں میں سربلند کردیا ہے۔ اسلام کی سچی تعلیم نے مسلمانوں کو ذلت سے بچایا ہے۔ ذاتی بے دیانتی کا تو ہر شخص خود ذمہ دار ہے۔ جہاں تک مذہبی تعلیم و عبادات و عملیات کا تعلق ہے۔ اسلام سے بہتر کسی دین نے پیش نہ کیں۔ **اسلام کی پندرھویں خوبی:** باوجود اس بات کے کہ اسلام اپنی قوم کو تجارت و دولت کمانے کا حکم فرماتا ہے۔ مگر مسلمان کو دولت سے محبت خزانے کا سانپ مال کا پجاری بننے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اسلامی عبادات، زکوٰۃ صدقات، خیرات۔ فطرانہ قربانی حج کفارات۔ فرضی۔ نفلی، واجبی خرچ سے مسلمانوں کے دلوں سے دولت کی محبت مٹانے کی تعلیم ملتی ہے اور غریب پروری کا سبق بھی اگر مسلمان مکمل اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو جائیں اور ہنود یہود و نصاریٰ کی صحبت کا اثر نہ لیں تو کوئی مسلمان غریب نہیں رہ سکتا۔ **اسلام کی سولھویں خوبی:** آج دنیا کے لیڈر ہزار ہا جتن کرتے ہیں کہ عوام ہماری محبت میں آجائیں طرح طرح کے وقتی نعرے اور کئی قسم کی لالچیں ووٹ کی خاطر دیتے ہیں۔ اپنی کرسیوں کو بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے مگر پھر بھی عوام کی سچی محبت حاصل نہیں ہوتی۔ کسی بھی دین نے دائمی سچی محبت کے حصول کا کوئی موثر طریقہ نہ بتایا۔ ہاں اسلام کی ہی یہ خصوصی شان ہے کہ اس نے امراءِ قوم لیڈرانِ وقت۔ کرسیوں کو حاصل کرنے والوں کو حکم دیا کہ سال بھر بعد بھی تو اپنی زکوٰتوں سے

غرباء کی جھولیاں بھر دو اور کبھی فطرانوں سے یتیموں، بیواؤں کو اپنی عیدوں، خوشیوں میں برابر کا شریک کرو اور کبھی قربانی کے گوشت سے نوازو اور کبھی قربانی کی کھالوں سے ان کی تنگدستی دور کرو۔ سال کے دیگر ایام میں ختم ایصالِ ثواب کے نفلی کاموں سے ان کی دلجوئی کرتے رہو۔ ان کو بھیک نہ دو۔ بھکاری نہ بناؤ مگر ان طریقوں سے ان کو خاموشی سے نوازتے رہو۔ پھر ساتھ ہی اسلام نے حکام و سلاطین اور امراء پر یہ حکم بھی لگا دیا کہ خبردار زکوۃ فطرانہ اور قربانی کی چیزیں بیچ کر کسی ادارے کسی مسجد پر نہیں لگ سکتیں نہ سڑکوں، گلیوں میں خرچ نہ عوامی رفاہی اداروں میں خرچ ہو سکے نہ کوئی سیاسی لیڈر اپنی سیاسی اغراض کی خاطر صرف کر سکے۔ صرف اور صرف غریب کو ان چیزوں کا مالک بنادو۔ اب کون سا غریب یتیم ہوگا جو تم سے اتنی امداد لے کر بھی تمہاری محبت کا دم نہ بھرے۔ تم اللہ رسول کی رضا کے لیے دو۔ وہ اللہ رسول کی رضا کے لیے تم سے دل کی گہرائیوں سے سچی ابدی محبت کرے۔ دنیا کے لیڈر۔ لینن و مارکس تو ووٹ کی خاطر مزدور دوستی کے وقتی نعرے لگالیں۔ مگر ایک سچے مسلمان کو غرباء کی محبت جیتنے کے لیے ان نعروں کی ضرورت نہیں اس کو تو اس کے دین نے ہی غریبوں، یتیموں، مزدوروں سے محبت کے وہ طریقے بتائے ہیں کہ محبت تو محبت عوام اس لیڈر پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کس دین نے کہا کہ مزدور کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی اجرت دے دو۔ کس دین نے سرداروں سے مزدور کی عزت کرادی کہ سرکار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھرے مجمع میں ایک مزدور کے گرد آلود ہاتھ چوم لیے۔ ایسی تعلیم بجز اسلام کوئی دین پیش نہیں کر سکتا۔ **اسلام کی سترھویں خوبی:**

اسلام نے صرف اپنی قوم سے ہی محبت کے درس نہ دیئے۔ بلکہ پوری انسانیت کے علاوہ جانوروں سے بھی ہمدردی کرنے کا شاندار حکم اور طریقہ سکھایا۔ آج دنیا کے مفکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام نے مسلمانوں پر ایک سال بعد قربانی واجب لازم کر کے قربانی کے جانور میں عمر اور صحت کی چند شرطیں لگا کر جسم حیوانات سے متعلق ہر مسلمان پر کتنے علوم حاصل کرنے لازم کر دیئے کم از کم ہر مسلمان نے قربانی دینے یا قربانی کے لیے بیچنے کے لیے سال بھر تک تو جانور پالنا ہی ہے۔ اتنے عرصے میں جانور کی نشوونما دیکھ بھال۔ بیماری۔ تندرستی علاج معالجے کا علم حاصل کرنا مسلمان پر واجب لازم ہو گیا اور جانور کی موسمی اور ملکی علاقائی لحاظ سے خوراک و رہائش کا علم سیکھنا مسلمان پر ضروری اسی طرح جانوروں کی عمر کی وہ نشانات جو ان کے جسم پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کا جاننا سمجھنا ہر مسلمان پر مذہبیًا لازم ہیں۔ ذبح تو آخر ہونا ہی ہے۔ ہر ذی روح

کی روح کو تو ایک دن جدا ہونا ہی ہے۔ مگر سال بھر تک یا دو سال یا پانچ سال تک جتنے ناز نخرے قربانی کے جانور پا لیتے ہیں اور جیسی خوراک مسلمان ان جانوروں کو کھلا دیتے ہیں۔ شاید پنڈت جی کی گائے اور گاندھی جی کی بکری یا لاٹ صاحب کی گھوڑی نے بھی نہ کھائی ہو اور جتنی سجاوٹ بناوٹ دیکھ بھال صحت تندرستی ان جانوروں کی ہوتی ہے اتنی کسی بھی دین میں سال بہ سال تو کجا عمر میں ایک بار بھی نہیں ہوتی۔ دنیا کے کروڑوں بلکہ اربوں جانور اسلام کی اس عبادت سے بہرہ مند ہو رہے ہیں گویا کہ حیوانات پر بھی اسلام کی کمال شفقت ہے۔ میں نہیں کہتا کہ غیر مسلموں نے حیوانات سے محبت نہ کی۔ کی اور ضرور کی ہے۔ لیکن وہ محبت ان کے دین نے ان کو نہ سکھائی۔ نہ کسی مذہبی کتاب میں ان کے لیے لکھی گئی بلکہ ان کی محبت و ہمدردی ان کی ذاتی عقل نے ان کو بتائی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کی محبت نے یہاں تک چڑھائی کی کہ گائے۔ بیل ہاتھی۔ چوہے۔ بندر کو۔ دیوتا۔ معبود اور اوتار سمجھ لیا۔ کسی محبت نے کتے بلے کو اپنا معشوق اور پیار کے لائق جان لیا۔ یہ تو اسلام ہی کی تعلیم ہے جس نے بتایا کہ ہمدردی رحم دلی سب سے کرو۔ مگر معبود و محبوب اور قابل احترام صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ والوں کو سمجھو۔

اسلام کی اٹھارہویں خوبی۔ اسلام ایک فطری دین ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے انسانی فطرتوں کو بالکل فطرت کے مطابق برتنے کی تعلیم دی ہے۔ ہر انسان میں فطرتی چھ امانتیں ہیں (۱) عشق (۲) محبت (۳) عقل (۴) ہمدردی (۵) شہوت (۶) نفرت۔ اسلام ان کو مندرجہ ذیل طریقے پر تقسیم فرماتا ہے (۱) عشق صرف اللہ رسول سے کیا جائے کیونکہ یہ عشق حقیقی ہے اسی لیے دین کی بنیاد عشق پر رکھنی چاہیئے۔ ان کے علاوہ کا عشق مجازی اور فانی ہے (۲) محبت صرف دین سے ہونی چاہیے۔ باقی محبتیں اس کے تابع ہوں۔ مغلوب رہیں نہ کہ غالب (۳) عقل کو دنیا میں خوب استعمال کرو بے عقل سے دنیا بنا نقصان دہ (۴) ہمدردی تمام مخلوق سے کی جائے مگر ان ہی ضابطوں کے تحت جو اسلام نے مقرر کیے۔ اسلام نے ہمدردی کے لیے تین ضابطے مقرر فرمائے (۱) یہ کہ کسی کی ہمدردی سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے نہ نقصان کا اندیشہ ہو (۲) ہمدردی سے ہر قسم کا نقصان ختم ہو جائے (۳) ہمدردی ہر شخص کے حالات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ جیسی ہمدردی کی اس کو ضرورت ہو۔ ویسی ہمدردی اس کو دی جائے اگرچہ قابل رحم اس کو ہمدردی نہ سمجھے۔ یہ وہ ضابطے ہیں جو اسلام کے سوا کسی نے نہ دیئے۔ (۵) قوت شہوانی کو جائز اور با اخلاق طریقے سے استعمال کیا جائے جس کے لیے صرف اسلام

نے ازدواجی زندگی کا مذہبی حکم دیا ہے۔ دیگر ادیان میں اس کا کوئی طریقہ نہیں ملتا ہے نفرت صرف جرم. کفر اور گناہ سے کی جائے۔ مجرم کافر گنہگار سے نفرت تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ ان کی دینوی یا اخروی اصلاح کا حکم دیا ہے۔ اسلامی سخت سزائیں بھی مجرم کی اصلاح کے لیے ہیں۔ خواہ وہ سزا پاتے پاتے مرجائے۔ تاکہ وہ مجرم دنیا اور آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائے۔ گنہگار سے ہمدردی یہ ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ آزاد نہ چھوڑا جائے۔ یہ ضابطہ اخلاق کسی مذہب نے پیش نہ کیا۔ اسلام نے کسی انسانی فطرت کو دبانے بند کرنے کا حکم نہ دیا۔ اسی لیے اسلام کے دامن میں آکر ہر انسان ہر وقت امن چین کی زندگی گزار سکتا ہے۔ دوسرے دینوں نے بھی ان انسانی فطرتوں کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ایسی تقسیم نہ کی جس سے ہر انسان ان کو استعمال کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جائے۔ کسی دین نے دنیا سے اتنا عشق اور پیار محبت کیا کہ اللہ کو ہی بھلا دیا بلکہ ذات باری کا انکار ہی کر دیا۔ جیسے دھریت کسی نے حیوانات سے ایسا عشق کیا کہ خدا بنا لیا۔ جیسے ہندو۔ کسی نے جانوروں سے اتنی ہمدردی کی کہ ان کا ذبیحہ ہی ناجائز قرار دیا۔ اور جانوروں کی اتنی بہتات ہو گئی کہ انسانی زندگی اور خوراک رہائش دشوار ہو گئی۔ جیسے بدھ مت۔ یہ ہمدردی کتنی نقصان دہ ثابت ہوئی۔ کسی نے مجرم کی سزائیں اتنی نرم کر دیں کہ شرفا کو زندگی دوبھر ہو گئی۔ جیسے بت پرستی یا جین ازم اور زرتشتی ازم کسی نے دین کے معاملات میں عقل سے ہاتھ دھو لیے۔ یہ تو سب دینوں نے فرمایا کہ محبت اور انسانی ہمدردی اچھی چیز ہے مگر طریقہ استعمال نہ بتایا یا یہ تو کہا کہ چوری نہ کر زنا نہ کر مگر چور کی اصلاح کا طریقہ نہ بتایا۔ میرا خطاب صرف دینی کتابوں سے ہے۔ ملکی خود ساختہ قانون اور سزاؤں سے نہیں یہ بناوٹی سزائیں جیل وغیرہ تو جرم اور مجرم کی پرورش کرتی ہیں۔ نہ کہ اصلاح۔ دائمی اصلاح صرف اسلام نے کی ہے کہ ایسی سزا دی جائے جس کے بعد یا تو دنیا میں رہ کر جرم نہ کر سکے یا اُخروی دائمی عذاب سے بچ جائے یہی سچی ہمدردی ہے جو اسلام نے مجرموں گنہگاروں سے کی یہ کوئی ہمدردی نہیں کہ ایک مجرم کو سزا سے بچاتے بچاتے ہزاروں شریفوں کو مصیبت میں ڈال دو اور پھر غیر قانونی انتقامی جذبے ہر طرف سے بھڑک اٹھیں کہ حکومت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ غدر یا بغاوتیں اور خانہ جنگیاں انہی بیجا نرمیوں ہمدردیوں سے سر اٹھاتی ہیں جس دین میں شہوت انسانی کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھ لو وہاں کتنی بے حیائی کا دَور دورہ ہے۔ بہرحال اپنے پرائے کو یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ اسلام ہی ہر طریقے ہر قوم کے ساتھ ایسا

ایسا شاندار سلوک فرماتا ہے کہ ہر غلام۔ آقا۔ مزدور مالک غریب۔ امیر۔ شریف اور مجرم نیک بد۔ بیمار۔ تندرست سب اپنی اپنی جگہ اطمینان کی زندگی گذارتے ہیں۔ پھر اسلام نے ایسے حقوق بیان فرمادیئے کہ ان کو اپنا کر خاوند۔ بیوی۔ اولاد۔ والدین۔ آس پڑوس شہری۔ دیہاتی کبھی جھگڑا نہیں کر سکتے۔ فساد تب ہی ہوتے ہیں جب حقوق غصب کیے جائیں۔ کسی دین نے کوئی حقوق نہ بتائے بلکہ گھریلو زندگی۔ شادی۔ بیاہ رسم ورواج کی طرف توکسی دین نے توجہ تک نہ کی۔ ہر شخص اپنی عقل سے جو مرضی ہے خودسری کرتا پھرے۔ مگر اسلام ایسی کسی بے ضابطگی بے راہروی کو برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ عقل انسانی یہاں بھی ناکافی ہے۔ ہم نے جواب تک اسلام کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ وہ فقط زبانی باتیں نہیں بلکہ ہر چیز ہماری کتب دینی میں مرقوم ہے۔ جس سے غیر مسلم ذی عقل بھی ناواقف نہیں۔ ان خوبیوں کی بناء پر اسلام ہی عالمگیر اور آخری دین الٰہی اور تمام کائنات کو اپنے دامن شفقت میں لینے کا حقدار ہے۔ اگر یہ دین تمام عالم انسانیت کو دعوتِ اسلام دے تو اس کا ازلی ابدی حق ہے۔ کیونکہ اسلام کے پاس سب کو سنبھالنے کی قوت۔ سب کو پالنے کا سرمایا اور سب کو مطمئن کرنے کی صلاحیت اور سب کو نبھانے سنوارنے بگڑنے سے بچانے کے ضابطے اور لازوال قانون ہیں۔ ایسے دین کے ہوتے ہوئے کسی ایسے دین کو تبلیغ یا دعوتِ عام کا حق نہیں پہنچتا جس کے پاس ایسا کوئی ضابطۂ حیات نہ ہو۔ **اسلام کی انیسویں خوبی :** دنیائے انسانیت میں سب سے بڑی تحریک اور سب سے زیادہ خطرناک نقصان دہ بیماری فرقہ پرستی اور تفرقہ بازی کی ہے کہ اس بیماری نے گھروں کو اجاڑا۔ قومیت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ مذہبی دینی قوت کو مفلوج کر دیا۔ مذہبی سلطنتوں کو خانہ جنگی سے تباہ کیا۔ اتحادِ ملی کا شیرازہ بکھیر دیا اور یہ بیماری اور دشمن کی سازشی تحریک صدیوں سے ہر دین میں چلی آرہی ہے۔ کوئی مذہب اس فرقہ بازی کی لعنت سے محفوظ نہ رہا مگر کسی بھی دین نے اس بدترین بیماری کے روکنے کی کوئی ابدی دائمی مؤثر تدبیر نہ بتائی یہاں بھی دینِ اسلام ہی ایسی مضبوط اور دائمی اثر کرنیوالی لائن پر مسلمانوں کو چلاتا ہے کہ قومِ مسلم جہان بھر میں اتحاد واتفاق پر مجبور ہو جائیں دیکھو اسلام میں عبادات الٰہیہ کی اتنی کثرت ہے کہ مسلمان کا کوئی دور عبادت سے خالی نہیں ہو سکتا سالانہ، ماہانہ۔ ہفتہ وار۔ روزانہ۔ شبانہ یومانہ۔ غرضیکہ چوبیس گھنٹے عبادت خداوندی سے خوشگن پرہیں گویا کہ مسلمان ہر ساعت ہر حالت میں عبادت ہی کر رہا ہے یہ لذات بھی کسی دین والے کو حاصل نہیں۔ اسی بناء پر اسلام نے مسلم عبادات کو دو طرح تقسیم کیا۔ نمبر۱ انفرادی عبادت۔ مثلاً سال بھر روزمرہ فرضی۔ نفلی۔ واجبی

عبادات ۲؎ اجتماعی عبادت مثلاً سال کے مخصوص دنوں میں فرضی واجبی عبادات اسلام نے مسلمانوں کے سب دنیوی کام اور انفرادی عبادات کو سورج سے معلق کر دیا اور اجتماعی عبادتوں کو چاند سے۔ چاند سے جن عبادتوں کو متعلق کیا گیا وہ رمضان کا ماہِ صیام۔ عیدین۔ حج ہے۔ ان سے ہر نیک و بد مومن کی خوشیاں وابستہ ہیں۔ ان عبادتوں میں چاند سے وابستگی کی ہزاروں حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر عام فہم حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منشاءِ اسلام یہ ہے کہ مسلمان اپنی اجتماعی خوشیوں میں ایک دوسرے سے جدا نہ رہ سکیں۔ اپنی نادانی سے ہزار فرقہ بازی کرتے رہیں مگر دوسری قوموں کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں اور فرقے بازی یا شرارت پسند عناصر کے مہلک اثرات سے بچ جائیں اور تفرقوں کی منافرت مٹانے پر مجبور ہو جائیں اور اگر بجہالت و خود غرضی کی بناء پر فرقہ بازی کی وجہ سے سال بھر ایک دوسرے کو بُرا کہتے رہیں مگر جب ماہِ رمضان یا عیدین قریب ہوتے ہیں تو بلا امتیاز فرقہ و گروہ ہر مسلمان مفکر خطیب علماءِ اسلام۔ لیڈرانِ قوم چاند دیکھنے گواہی لینے اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے رابطہ رکھنے میں مجبور ہیں۔ اسلام نے سب کو مل بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ جب رویت ہلال کمیٹی کی صورت میں سب فرقے والے مل بیٹھیں گے تو دوستی اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام بھی ہوگا۔ آنا جانا بلانا بھی ہوگا۔ یہ کچھ ایسے شاندار ضابطے ہیں کہ مسلمان ان کو اپنی مرضی سے بند کر سکتا ہے پھر نہ ختم کر سکتا ہے نہ چھوڑ سکتا ہے۔ پھر ایک دو سال کے لیے بلکہ تاقیامت ہر مسلمان کو سال میں تین دفعہ تو مل کر بیٹھنا، دوستی کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس طرح اسلام نے مسلمانوں کی تفرقے بازی اور آپس کی منافرت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ پھر بھی اگر مسلمان فرقے بازی سے باز نہ آئے تو یہ اس کی نفسانی بدبختی ہے۔ جب ایک چاند کے لیے سب مسلمان دوستی اور محبت سے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو ایک اللہ ایک رسول پاک ایک قرآن مجید ایک نبی کی حدیث ایک آقا کے صحابہ کی ایک رب کے ولیوں کی محبت میں جمع نہ ہوں تو کتنی نادانی ہے۔ اسلام نے ایسے مضبوط اور شاندار طریقے سے فرقے بازی کو مٹایا جس کی مثال کسی دین میں نہیں غیر مسلموں کی خوشیاں کرسمس ھولی، دیوالی وغیرہ جس طرح منائے جاتے ہیں۔ اولاً تو ان کی مذہبی کتاب میں اس کا ہی ثبوت نہیں۔ مگر پھر بھی ان تیوہاروں سے مذہباً کسی طرح فرقے بازی ختم ہونے کا کوئی طریقہ نہ سمجھایا جس پر چلنے کے لیے غیر مسلم اپنی فرقے بازیوں سے بچکر متحد ہو کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے۔ کرسمس ہولی۔ دیوالی وغیرہ آکر گزر بھی جاتے ہیں۔ مگر سب غیر مسلم فرقے والے ایک دوسرے سے دور ہی رہتے ہیں ان کے دین نے ان کو اتحادِ باہمی پر بالکل مجبور نہ کیا۔ مگر مسلمان یک روزہ

عید منانے میں جدا نہیں رہ سکتا۔ فرقے بازی کی سازش سے تو ہر دین متنفر ہے۔ مگر اس سازش کی اگر کمر کسی دین نے توڑی ہے۔ تو وہ اسلام ہے۔ یہ تو اسلام کی وہ ظاہری اور عام فہم خصوصیات ہیں جن کو غیر مسلم بھی ذرا سے غور و تفکر کے بعد سمجھ لے گا اور تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔ لیکن اسلام کی باطنی، روحانی، ایمانی، عرفانی اور اُخروی فلاح و بہبود اور آخرت کی عظمت کے حاصل کرنے کے لیے اسلام میں روحانی خوبیاں بھی بے شمار ہیں۔ اسلام کی بیسویں خوبی؛ اسلام کے ظاہری باطنی قانون کچھ اس طرح مضبوط اور اٹل بنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ آخری دین ہے۔ کیونکہ انسان جب تک بچہ ہوتا ہے اس کے لیے کوئی قانون یا ضابطہ اٹل اور مکمل نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ اس کی خوراک لباس باتیں تعلیم اور گھریلو ماحول بدلتا رہتا ہے۔ نہ ہی کسی ایک قانون کا اس کو پابند کیا جاتا ہے۔ بلکہ قانونِ زندگی بھی اس کے حالات کے اعتبار سے تبدیل کیے جاتے ہیں۔ مگر جب وہی انسان مکمل تندرست جوان ہو جاتا ہے تو اب ہر چیز اس کی مکمل اور مضبوط کر دی جاتی ہے۔ خوراک۔ لباس اور قانونِ حیات اس پر متغیر نہیں ہوتے۔ یہی حال کچھ روحانیتِ انسانیت کا ہے کہ ادیان اور انبیاء مختلف آتے تبدیل ہوتے رہے۔ کسی نے صرف شریعت دی۔ کوئی صرف طریقت لایا کبھی نرمی ہوئی کبھی سختی حالاتِ انسانیت کے ساتھ ساتھ الٰہی قانون بھی نرم گرم ہوتے رہے۔ مگر ؎

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا ۔۔۔ تو زندگی کے لیے آخری پیام آیا

اور انسان کو خبردار کر دیا گیا کہ اب وہ وقت گیا جب دین دنیا علیحدہ تھے۔ اب تو دنیا کو دین بنانا پڑے گا مومن کا ہر کام شادی غمی مرت۔ زندگی رسم و رواج عید بقرعید کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ چلنا پھرنا غرض کہ ہر فعل کسی قانون اور ضابطے کے ماتحت ہوگا۔ کسی چیز میں انسانی بناوٹ کا دخل برداشت نہ ہوگا۔ وہ ضابطہ اور قانون کیا ہے؟ دین اسلام ہے۔ اے انسانوں سب کام اسلام کے مطابق ہی کرو گے۔ تب ہی مقبول ہوں گے۔ ہر دین والا اپنی خوشی۔ ھولی۔ دیوالی۔ کرسمس۔ نوروز۔ مہرجان۔ وغیرہ اپنی مرضی سے بناتا پھرے مگر مسلمان کی سب عید بقرعید اسلام بنائے گا۔ دیگر ادیان نے اپنی قوموں کو کوئی خوشی نہ بتائی۔ مگر اسلام ہر خوشی میں اس طرح رہنمائی فرماتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے عید و خوشی منانے میں اسلام بھی اس کے ساتھ شریک ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم کی ہر خوشی صرف دنیوی اور جسمانی ہوتی ہے مگر مومن کی ہر عید بلکہ ہر کام دین اور ایمان بن جاتا ہے۔ اسلام نے ایسے طریقے بتائے کہ مومن کی دنیا بھی آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

مرنا تو سب نے ہے مگر کسی دین نے موت کو عید نہ بنایا نہ قبر حشر کے حالات بتائے۔ نہ یہ بتایا کہ موت کیوں آتی ہے۔ کس طرح آتی ہے۔ سب مذہبی کتب ان جوابات سے خاموش ہیں مگر اسلام نے ان کے جوابات دیتے ہوئے اخروی زندگی کا ازلی ابدی اس طرح نقشہ کھینچا کہ مومن کو اپنی موت بھی ایک شاندار عید معلوم ہوتی ہے۔ یہ مضمون جو آج ۸۲-۷-۲۳ کو بریڈ فورڈ میں لکھ رہا ہوں۔ اس سے قبل بہت سے غیر مسلموں کو دکھایا جا چکا ہے اور تحریرًا تقریرًا دعوتِ غور و فکر دی جا چکی ہے۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ آج تک کسی غیر مسلم کی طرف سے اس پر تنقید نہ ہو سکی۔ مندرجہ ذیل سطور میں ادیانِ عالم کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ جس سے ہر دین کے پورے خاکے کا علم ہو جائے گا اور اندازہ ہو گا کہ کس دین کی کیا حالت ہے۔ اصول و عبادات کیا ہیں۔ پیروکار کتنے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

نمبر شمار	نام دین	عقیدہ	عبادت	مذہبی کتاب	افراد تعداد	بانی مذہب	زمانۂ ابتدا	خصوصی عادتیں	حوالہ جات
۲	زرتشی ازم	زرتشت پیغمبر ہے	روح پرستی	زند اوستا یا اوستا	ایک لاکھ چالیس ہزار	زرتشت	۶ صدی قبل مسیح	فلسفہ دان	مذاہب عالم ص ۲۰۰ // اسلام ص ۱۵۵
۳	جین //	گوتم بدھ معبود ہے	بت پرستی	کوئی نہیں	سولہ لاکھ	گوتم بدھ	ایک صدی //	بدھ مت کی نفرت [illegible]	// ص ۱۹۶
۴	آریہ //	کرشن اوتار ہے	فطرت پرستی [illegible]	وید	۲۵ لاکھ	کرشن گوپال	آدم علیہ السلام [illegible] پرتا	تعصب و تعصب	// ص ۲۰۱
۵	بت پرستی //	شرک	لکڑی پتھر چیزوں کی پرستش	// //	بجز اسلام و یہود و نصاریٰ کی سب کی	ہندی ابن نوح		اللہ کا شریک کرنا	انسائیکلوپیڈیا ص ۱۰
۶	بدھ //	ترک دنیا	دھیان مراقبہ	// //	[illegible] کروڑ [illegible] لاکھ	گوتم بدھ لقب ساکیہ منی	پانچ صدی ق م	خون نہ بہانا	مذاہب عالم ص ۲۵۰
۷	شنتو //	ہر خوفناک چیز معبود ہے	آفتاب پرستی	جیکی [illegible] شیگی	چار کروڑ ۶۰ لاکھ	قدیم بادشاہ	آٹھ صدی ق م	اشیاء عالم [illegible]	// ص ۲۵۰
۸	تاؤ //	بادشاہ ہمارا حق ہے	جادوگری	تاؤتی کن	۵ کروڑ	لاوتسے	چھ صدی ق م	جنگ و جدال	// ص ۲۳۱
۹	کنفیوشی //	علم و فکر انسانی	خدمت خلق	نظریہ طریق	ایک کروڑ	حکیم کنفیوشس	چھ صدی ق م	علم پڑھنا [illegible]	// ص ۲۰۹
۱۰	سکھ //	توحید فقط [illegible]	گرنتھ پڑھنا	گرنتھ صاحب	۶۲ لاکھ	گرو نانک	۱۵۶۳ء	جسم [illegible]	تاریخ گرو نانک ص [illegible]
۱۱	ہندو //	شرک [illegible]	آفتاب و بت پرستی	گیتا	۴۲ کروڑ اچھوت [illegible]	نامعلوم	دو صدی قبل مسیح	[illegible]	مذاہب عالم ص ۲۳۸
۱۲	یہودیت //	عزیر ابن اللہ	توریت پڑھنا	توریت زبور [illegible]	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ	یہودا کے نام سے	آٹھ صدی ق م	اپنی شریعت [illegible]	// ص ۲۹۶
۱۳	عیسائیت //	عیسیٰ ابن اللہ	انجیل پڑھنا [illegible]	انجیل مقدس	۷۰ کروڑ	حضرت عیسیٰ	۵ صدی قبل ہجرت	[illegible]	// ص ۲۶۷
۱۴	دینِ اسلام	توحید و رسالت	خدا پرستی علم نماز	قرآن و حدیث	۷۵ کروڑ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴ صدی قبل	[illegible] شفقت و محبت	// ص ۴۲

مذاہب اسلام کا مصنف نجم الغنی ؒ۔ مذاہب عالم کا مصنف احمد عبداللہ المداسی ؒ

اسلام کی اکیسویں خوبی: اسلام صرف زبانی اور وقتی نعروں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ عملی تبلیغ کو اولین مقام عطا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو لانے والے ہادیِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائی تبلیغ اپنے ذاتی عمل اور کردار کے اسوۂ حسنہ سے قوم کو فرمائی اور جفا پیشہ انسانوں کے سامنے، اسلام کی بارہ[۱۲] اخلاقی بنیادوں کو بیان فرمایا۔ ۱۔ امانت ۲۔ دیانت ۳۔ شرافت۔ ۴۔ لیاقت ۵۔ عبادت ۶۔ ریاضت ۷۔ محبت ۸۔ شفقت ۹۔ خطابت ۱۰۔ رفاقت ۱۱۔ لطافت ۱۲۔ نظافت پھر ان کو اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ دشمن بھی پکار اٹھے۔ اَنْتَ اَمِیْنٌ اَنْتَ صَادِقٌ اَنْتَ عَلِیٌّ یہی وہ پیکرِ حسن و جمال وجلال ہے۔ جس کی عملی تبلیغ نے غلاموں کو آقا چرواہوں کو شہنشاہ اور بے پڑھوں کو اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ بنا دیا۔ اسی طرز کی تبلیغ غلاموں کو نبی پاک نے فرمائی۔ یہی آپ کی انتہائی ابتدائی تبلیغ تھی۔ جس کے سبب ساری دنیا کو مسخر فرمایا۔ اسلام کی نگاہوں میں وہ شخص سب سے بُرا ہے۔ جو لوگوں کو اچھائی اور نیکی کرنے کا حکم دے لیکن خود اعمال افعال کردار لباس۔ رہائش خوراک میں اسلام اور اچھائیوں سے دور ہو۔ اسلام کے نزدیک اللہ کی باتیں نہ ماننے کا نام کفر ہے اور اللہ کی باتیں اس چودہ سو سالہ دور میں صرف اسلام اور دین نے بتائیں اور یہ اس کا چیلنج ہے۔ جو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا۔ اسی لیے مسلمان حق بجانب ہیں۔ کہ ان لوگوں کی طرف کفر کو منسوب کر دیں۔ جو تین چیزوں کے منکر ہوں۔ ۱۔ توحید و خالقیت و رازقیتِ رب تعالیٰ ۲۔ نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ حسنہ ۳۔ اسلام اور اس کی تعلیم۔ چونکہ اسلام کے نزدیک چودہ سو سال سے کوئی دین کسی بھی چیز میں اعمال یا عقائد میں یا اخلاقیات میں منجانب اللہ نہیں ہیں۔ اس لیے ابتداء سے آج تک جس کسی غیر مسلم کو مسلمان کیا جائے گا۔ تو اس کو اس کے سابقہ عقائد و اعمال سے پکی توبہ کرا کر اسلامی نظریات پر کاربند کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے سابقہ دینی نام اور نشانات لباس و رہائش کو بھی تبدیل کیا جائے گا۔ ہاں جس نام یا لباس یا رہائش سے اس کے سابقہ دین و عقائد کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کو تبدیل نہ کیا جائے گا۔ یہی طریقہ کسی کو مسلمان کرنے کا زمانہ نبوی سے آج تک جاری ہے۔ اسی کو پہلے دور میں بیعتِ اسلام کہا جاتا تھا اور آج مسلمان کرنا یا اسلام قبول کرنا، کہا جاتا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد اسلام کسی کو کسی کام میں من مانی نہیں کرنے دیتا۔ چونکہ اسلام خود ہی انسانی زندگی کا ضابطہ اور خاکہ اسوۂ حسنہ کی شکل پیش فرماتا ہے۔ اس لیے کسی کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں نہ عقائد میں نہ اعمال میں نہ اخلاقیات و رسومات میں لہٰذا جو عقائد میں من مانی اور خود ساختگی کرتا ہے۔ اس کو نظریاتِ اسلامیہ میں کافر قرار دیا جاتا ہے اور جو اعمالِ دنیا کے کسی شعبہ میں من مانی کرتا ہے

اس کو اسلام میں فاسق۔ فاجر۔ گناہ گار کہا جاتا ہے۔ **اسلام کی بائیسویں خوبی** : آج دنیا میں ہر انسان ظاہری صفائی کا خواہش مند ہے اور بعض دین والے جسم تو نہ سہی مگر لباس اور جگہ کو صاف رکھنے کی ہر انسان کوشش کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفائی عقلی طور پر بھی اچھی چیز ہے۔ مگر حیران کن حقیقت ہے کہ کسی بھی دین نے صفائی کا مذہبی حکم نہیں دیا یہ تو اسلام کی ہی بے مثال خوبی ہے کہ جس نے جسم ولباس کے علاوہ زمین کو بھی پاک وصاف رکھنے کو فرض عبادت بنا دیا۔ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ اپنی مسجدوں کو پاک وصاف اور خوب صورت رکھو۔ یہاں تک کہ تھوک اور پانی کے قطرے بھی مت ڈالو اور دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَلْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدٌ۔ تمام روئے زمین ہی مسجد ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۸ رواہ ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ) اس ایک روایت پاک نے مسلمانوں پر ساری زمین گھر دکان بازار گلیاں، سڑکیں، ہوٹل، ہسپتال وغیرہ پاک صاف ستھرے رکھنا فرض کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ مسلمان کبھی اپنے خالق مالک معبود کی عبادت سے دور نہیں رہ سکتا اس کے پاس عبادت چھوڑنے کا کوئی بہانہ نہیں دریاؤں صحراؤں، پہاڑوں جہاں بھی وقت آجائے اپنی عبادت سے اس سرزمین کو مزین کر دے مگر دوسرے کسی دین میں اس طرح کی مثال کہاں کون دکھا سکتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوا کہ ہمہ وقت بندہ کا تعلق اپنے خالق سے صرف اسلام نے ہی جوڑا ہے اور ساری انسانیت کو مذہبی طور پر پاک وصاف رہنے اور رکھنے کا حکم صرف دینِ اسلام نے ہی دیا۔ لہٰذا عقل وخرد اور طبیعتِ انسانی کے تقاضے اسلام ہی پورے کرتا ہے۔ اس لیے وہی تاقیامت عالمگیر دین ہونے کا حقدار، اور وہی ساری کائناتِ انسانیت کو دعوتِ عام دینے کا مجاز ہے کیونکہ اس کے دامنِ بسیط میں ساری اقوام کی تربیت کا سامان موجود ہے۔ اسی کی دعوت کو قبول کرنا کامیابی ہے عقل کے مطابق کسی اور دین کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ الصَّوَاب

کَتَبَہٗ : صاحبزادہ اقتدار احمد خاں نعیمی۔ قادری، بدایونی!

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

بتیسواں فتویٰ

اللہ تعالیٰ کے نام اور خصوصی صفت کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا ناجائز ہے

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ لندن میں ایک خطیب نے اپنے خطبۂ جمعہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید کی قسم کھانا اور کھلانا جائز ہے۔ بلکہ اپنے ایک اشتہار میں بھی اسکا ذکر کیا ہم نے کچھ علماء سے پوچھا تو انہوں نے اسکو ناجائز کہا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم بولنا ناجائز ہے۔ خطیب مذکور کہتا ہے۔ کہ بہار شریعت حصہ نہم صفہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ قرآن کی قسم جائز ہے۔ نیز خطیب کہتا ہے کہ لوگ دن رات کچہریوں میں قرآن کی قسم کھاتے ہیں۔ اسکے علاوہ خطیب مذکور کہتا ہے کہ قرآن اللہ کی صفت ہے اسلئے قرآن کی قسم کھانا جائز ہے۔

لہذا ہم کو مدلل فتویٰ دیا جائے کہ کیا خطیب مذکورہ کا یہ مسئلہ درست ہے یا غلط۔ دستخط حاجی محمد یونس چشتی بقلم خود۔

الجواب ـــــــــــــ بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّابْ

قانونِ شریعت کے مطابق قرآن مجید کی قسم کھانا یا کھلوانا ناجائز اور گناہ ہے۔ مذکور فی السوال خطیب کا مسئلہ غلط اور تمام دلائل کمزور ہیں۔ صحیح شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ذاتی نام اور دیگر اسماءِ صفات خصوصیہ مثلاً خالق رازق اور اسی طرح صفاتِ خصوصیہ کے لفظوں سے قسم بولنا جائز ہے۔ یعنی صرف تین طریقے سے قسم کھانا جائز ہے (۱) لفظِ اللہ سے مثلاً اللہ کی قسم (۲) اللہ تعالیٰ کے خصوصی نام سے مثلاً رحمٰن کی قسم۔ غیر خصوصی نام سے قسم کھانا بھی جائز نہیں مثلاً وکیل کی قسم مالک۔ ملک وغیرہ کی قسم۔ یہ سب قسمیں ناجائز ہیں ہاں البتہ غیر خصوصی نام سے اگر قسم کھانا ہو تو کسی خصوصی نام سے جوڑ کر قسم بول سکتا ہے۔ مثلاً اللہ وکیل کی قسم اللہ بادشاہ کی قسم۔ بعض علمائے کرام کے نزدیک کریم رحیم بھی صفت غیر خصوصی ہے کیونکہ قرآن مجید میں نبی کریم کو بھی رحیم فرمایا گیا اور بعض دیگر لوگوں کو کریم کہا گیا ہے جیسے: ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ: اس لئے ان علماء کے نزدیک صرف یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کریم کی قسم۔ رحیم کی قسم۔ ہاں اس طرح کہنا جائز ہے۔ اللہ کریم کی قسم۔ رحمٰن ورحیم کی قسم۔ (۳) صفاتِ خصوصیہ سے قسم کھانا بھی جائز ہے مثلاً کبریائی کی قسم جلال کی قسم وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ غیر اللہ کی قسم پر سخت وعید ہے اس لئے صفاتِ خصوصیہ سے قسم کھانے میں بھی احتیاط یہ ہے کہ ایسے موقع پر صفت خصوصیہ کے ساتھ اضافت کر لی جائے خواہ لفظ اللہ ورحمٰن وخالق۔ رازق معبود کے لفظ سے یا انکی ضمیر واحد مذکر غائب سے مرجع ذہنی رکھکر۔ مثلاً۔ اسکی کبریائی کی قسم۔ یا رحمٰن کے جلال کی قسم۔ عربی زبان میں اس طرح ہے بِاللّٰہِ۔ بِالرَّحْمٰنِ۔

بکبریائہ ۔ وغیرھم ۔ہماری یہ تقسیم اور قسم کہنے کے شرعی ضوابط مندرجہ ذیل دلائل سے مستخرج ہیں ۔پہلی دلیل ۔ عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد کفر او اشرک ۔ ترمذی شریف باب النذور و نسائی باب الایمان ۔ ابن ماجہ باب الکفارات دارمی ۔ باب النذور ۔ مسند احمد بن حنبل ۔دوسری دلیل ۔ابو داؤد شریف جلد دوم صفحہ ۲۴ کتاب الایمان حدثنا محمد بن العلاء عن ابن ادریس رالخ ۔ فقال لہ ابن عمر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد اشرک ۔ترجمہ دونوں حدیثوں کا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک میں نے خود سنا حضور اقدس آقا۔ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی تو وہ مشرک ہو گیا ۔سافرمایا کہ وہ کافر ہو گیا ۔یہ کسی راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان فرماتے ہوئے کفر کہا تھا یا اشرک ۔مگر ابو داؤد کے الفاظ میں یہ لفظ مشکوک بھی نہیں بلکہ فقد اشرک ہے ۔ تیسری دلیل ۔ ابو داؤد شریف کے حاشیہ پر ہے قولہ فقد اشرک بلیغاً اشرک غیر اللہ بہ فی التعظیم البلیغ فکانہ مشرک اشرا کا جلیا فیکون زجرا بلیغا ۔ترجمہ حدیث شریف پاک میں فقد اشرک فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس شخص نے عظیم ترین عزت اور تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک کر دیا تو گویا کہ وہ شرک جلی یعنی ظاہر ظہور (کھلم کھلا) سے مشرک ہو گیا لہذا یہ انتہائی سخت رجز اور جھڑک ہے ۔ چوتھی ۔ دلیل ترمذی شریف اور مسند احمد بن حنبل باب النذور میں ہے ۔قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ اذا حلف احدکم فلیحلف باللہ او یصمت ۔ ترجمہ آقا۔ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تم میں سے کوئی مسلمان قسم کھانے لگے تو فقط اللہ تعالیٰ کی قسم اور حلف اٹھائے ۔پانچویں دلیل مسند امام احمد بن حنبل ۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حلفت بالکعبۃ فاحلف برب الکعبہ ۔ ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص (مدعی علیہ وغیرہ) سے فرمایا کہ جب تو کعبے کی قسم کھانے کا ارادہ کرے تو اپنی قسم میں برب الکعبہ یعنی کعبے کے رب کی قسم کہنا چھٹی دلیل :۔بخاری شریف باب نمبر ا مناقب الانصار اور باب الادب اور باب الایمان اور باب التوحید ۔ ابو داؤد باب الایمان ترمذی باب النذور نسائی باب الایمان ابن ماجہ باب الکفارات ۔دارمی باب النذور ۔ مؤطا امام مالک اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا من کان حالفا فلا یحلف الا باللہ ۔ ترجمہ ۔آقا۔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار جو شخص بھی کسی وقت قسم کھانے کا ارادے کرے تو صرف اللہ کی ہی قسم کھائے ۔دلیل ہفتم:۔ابو داؤد شریف کتاب الاقضیہ جلد دوم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یعنی لرجل حلفہ احلف باللہ ۔ ترجمہ ۔ راوی نے فرمایا کہ ایک دفعہ آقا۔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے حلف لینے لگے تو آپ نے پہلے اس کو خبردار کر دیا سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی قسم بولنا ۔ان مندرجہ تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور شے کی قسم کہنا ممنوع ہے اور بفرمان نبوت غیر اللہ کی قسم بولنے والا کافر و مشرک ہو جاتا ہے ۔آٹھویں دلیل حدایہ اولین جلد دوم صفحہ ۴۵۵ پر ہے ۔ ومن حلف بغیر اللہ لم یکن حلفا کالنبی و الکعبہ لقولہ علیہ السلام من کان منکم حالفا فلیحلف باللہ او

لیزر کذا اذا حلف بالقرآن لانہ غیر متعارف قال محناہ ان یقول والنبی والقرآن ۔ ترجمہ ۔ اور وہ شخص جس نے قسم اٹھائی اللہ کے سوا اسکی قسم درست نہ ہوئی یعنی غیر اللہ کی قسم غلط ہے جیسے کہ کوئی شخص کہتا ہو کہ نبی کی قسم اور یا اسطرح قسم کھائے کہ قرآن کی قسم ۔ اس طرح قسم بولنی ناجائز ہے ۔ مندرجہ بالا حدیث وفقہ سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی قسم بولنی نامناسب ہے لہذا بہار شریعت کا قول ممنوع ہے ۔ صاحب حدایہ نے فرمایا قرآن مجید کی قسم بولنا غیر متعارف ہے یعنی زمانہ نبوی دور صحابہ تابعی تبع تابعی اور ائمہ اربعہ کے زمانوں میں کہیں بھی قرآن مجید کی قسم کھانے کا ذکر یا ثبوت نہیں ملتا ۔ نویں دلیل ۔ قسم کھانے کے لیے شریعت اسلامیہ میں صرف تین طریقے جائز کئے گئے ہیں ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا نمبر ۱ اللہ کے ذاتی نام پاک سے جیسے باللہ واللہ تاللہ ۔ نمبر ۲ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام سے مگر اس میں یہ قید ہے کے وہ نام خصوصی ہو جیسے رحمن رزاق ۔ اس طرح الہ معبود ۔ غیر خصوصی نام سے بھی قسم کہنا منع ہے ۔ مثلاً سمیع بصیر وغیرہ ۔ چنانچہ حدایہ شریف اولین جلد دوم کتاب الایمان باب ما یکون یمینا وما لا یکون ۔ ۴۵۴ پر ہے ۔ قال الیمین باللہ او باسم آخر من اسماء اللہ تعالیٰ کالرحمان والرحیم او بصفتہ التی یحلف بھا عرفا کعزۃ اللہ وجلالہ وکبریانہ لان الحلف بھا متعارف ۔ ترجمہ ۔ متن کے مصنف نے فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی ہی ہونی چاہئے یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام پاک کی جیسے کہ رحمن اور رحیم یا اس کی صفات میں سے فقط ان صفات کی قسم ناجائز ہے جس سے عرف شریعت میں قسم کھانے کی اجازت ہے جیسے کہ جلال اور عزت اور کبریائی کی قسم اس لیے کہ شریعت کی عرف میں ان ہی صفات کی قسم متعارف و ثابت ہے ۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ غیر متعارف اور ہر قسم کی صفت سے قسم بولنی جائز نہیں ہے ۔ دسویں دلیل ۔ چنانچہ خود صاحب حدایہ اگلی سطور میں صفات الہیہ کی تین اقسام ثابت کرتے ہوئے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہیں نمبر ۱ باری تعالیٰ کی کچھ صفات تو وہ ہیں جو اپنے الفاظ اور معانی میں ہر اعتبار سے صرف ایک ہی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفت ہے فقط ایسی صفت کی ہی قسم کھائی جا سکتی ہے جیسے کبریائی معبودیت جلال ۔ عزت وغیرہ کہ اسکا ایک ہی معنیٰ میں اللہ کی خصوصی صفت ہے ۔ نمبر ۲ اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات وہ ہیں جو چند معنیٰ میں مشترک ہیں اگرچہ ہر معنیٰ میں وہ اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے مگر مشترک ہونیکی وجہ سے وہ المعنیٰ نہیں ہو سکتی اس لئے ایسی صفت سے قسم کھانی جائز نہیں اور اگر کھائی گئی یا کھلوائی گئی تو قسم درست نہ ہو گی جیسے اللہ تعالیٰ کا علم اس لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کے علم کی قسم کیونکہ علم بمعنیٰ معلومات بھی ہے چنانچہ فتاویٰ حدایہ دوم ۴۵۵ پر ہے "قال الا قولہ وعلم اللہ فانہ لا یکون یمیناً لانہ غیر متعارف ولانہ یزکر ویراد بہ المعلوم"

ترجمہ مصنف متن نے فرمایا کہ تمام صفات الہیہ کی قسم کھانی جائز ہے مگر علم اللہ کی قسم منع ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا دوسری وجہ یہ کہ علم کے معنیٰ معلوم بھی ہوتے ہیں اس اشتراک کی بنا پر قسم منع ہو گئی ثابت ہوا کہ قسم اتنا نازک معاملہ ہے کہ ذرا معنوی تغیر سے بھی قسم ممنوع ہو جاتی ہے حالانکہ معلومات الہیہ بھی صفت الہٰی ہی ہے ۔ نمبر ۳: باری تعالیٰ کی کچھ صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں بلکہ کسی اور مخلوق کی بھی وہ صفت ہے ۔ اور وہ صفت بول کر کسی اور مخلوق و مجسم کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے اس

قسم کی بھی کثیر صفات ہیں مثلاً سمیع و بصیر وغیرہ مگر صاحب حدایہ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے صفت رحمت غضب اور ناراضگی و غصہ کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے ولو قال و غضب اللہ و سخطہ لم یکن حالفاً و کذا و رحمۃ اللہ لان الحلف بھا غیر متعارف لان الرحمۃ قدیر ار بھا اثرھا و ھو المطر و الجنۃ و الغضب و السخط یراد بھما العقوبۃ" ترجمہ: اور اگر قسم والے نے کہا کہ اللہ کے غضب کی قسم اور یا کہا اللہ کی ناراضگی کی قسم تو قسم درست نہ ہوگی اور اس طرح اللہ کی رحمت کی قسم کھانی بھی منع ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ یہ قسمیں شریعت اسلامیہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں دوم یہ کہ ان صفتوں سے مخلوق بھی مراد لی جاتی ہے مثلاً رحمت سے اس کا اثر یعنی بارش بھی مراد ہوئی ہے اور جنت (یعنی ثواب) کو بھی رحمت کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی غضب اور سخت سے مراد عذاب و سزا یعنی جہنم وغیرہ بھی ہے۔ اس لئے یہ صفات خصوصی نہ رہیں الاحرف استثناء نے صفت کی نفی و استثناء نہ فرمائی بلکہ خصوصیت کی نفی کا اشارہ کیا ہے ان دلائل سے ثابت ہوا ہر مطلقاً صفت کی قسم کھانا بھی جائز نہیں بلکہ بے شمار قیود و شرائط ہیں اسلام کوئی بے ضابطہ دین نہیں اس میں ہر چیز و ہر فعل و عمل کے لئے ضابطے مقرر ہیں ہر بات سنبھل کر کرنی پڑتی ہے یہ کوئی بازیچہ اطفال نہیں کہ جیسی چاہو بے لگام قسمیں کھاتے پھرو۔ ہمارے ان مندرجہ بالا دلائل سے خطیب مذکور کی پیش کردہ دلیل بھی ختم ہو گئی کہ چونکہ قرآن صفت الہیٰ ہے اور ہر صفت کی قسم کھانی جائز ہے لھذا قرآن مجید کی قسم جائز ہے یہ باتیں عدم کفر کی نشانیاں ہیں اس لئے کہ قرآن مجید صرف صفت الہیٰ ہی نہیں بلکہ گتے کاغذ کتابت سیاہی سلائی کے مجسم مجموعے کو بھی قرآن مجید ہی کہا جاتا ہے۔ جو ہمارے گھروں اور الماریوں لائبریریوں میں رکھا ہوتا ہے۔ جس کو مختلف مطبعوں میں چھاپا او فروخت کیا جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص اس ہمارے ہاتھوں میں موجود قرآن مجید کو صفت الہیٰ کہہ سکتا ہے! کیا باری تعالیٰ کی صفت مجسم ہو کر ہماری الماریوں میں مقفل ہو سکتی ہے؟ انسان کو کچھ تو غور کرنا چاہیئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ جب معتزلیوں نے مناظرہ کیا تو آپ نے پہلے واضح فرما دیا کہ ہمارا متنازعہ فیہ مسئلہ وہ قرآن مجید نہیں جو ان مجلہ گتوں کاغذوں میں ہے یہ کاغذ کا مجسم قرآن مجید صفت الہیہ نہیں ہے بلکہ صفت الہیٰ وہ قرآن مجید جو کلام باری تعالیٰ ہے اور جس کا ذات باری تعالیٰ سے ازل قدیم میں ہوا چنانچہ رسالہ رد جہمیہ جلد اول صہ ۲۷۰ ہے "قال الامام الکلام الذی کان صودرہ من اللہ تعالیٰ فی لزل القدیم یقال لہ ایضا کلام النفی فذالک صفۃ اللہ تعالیٰ و قدیم لاما کان بین الدفتین"

ترجمہ: فرمایا امام احمد بن حنبلؒ نے کہ وہ کلام جس کا صدور ازل قدیم میں ذاتی باری تعالیٰ جل مجدہ کی طرف سے ہوا جس کو کلام نفسی بھی کہا جاتا ہے وہ ہی رب تعالیٰ کی صفت ہے ہم اس کو قدیم کہتے ہیں نہ کہ وہ مجسم قرآن جو گتوں کے اندر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظ قرآن دو چیزوں کا نام ہے نمبر ا کلام نفسی: نمبر ۲ کلا لفظی: کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ لیکن کلام لفظی جو ہمارے ہاتھوں الماریوں میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اور چونکہ قرآن مجید دو نوعیتوں کا ہو گیا اس لئے مندرجہ بالا ضابطہ فقہ اسلامیہ کے مطابق کسی بھی نوعیت کو مراد لے کر قسم کھانا جائز نہ ہوا اس لئے کہ دوسری نوعیت بھی مراد ہوتی ہے بلکہ عام طور پر عوام و خواص کے ذہن میں دوسری نوعیت یعنی مجلہ مجسم قرآن پاک ہی مراد ہوتا ہے ازلی قدیم کلام نفسی کی طرف کسی کا بھی ذہن نہیں جاتا۔

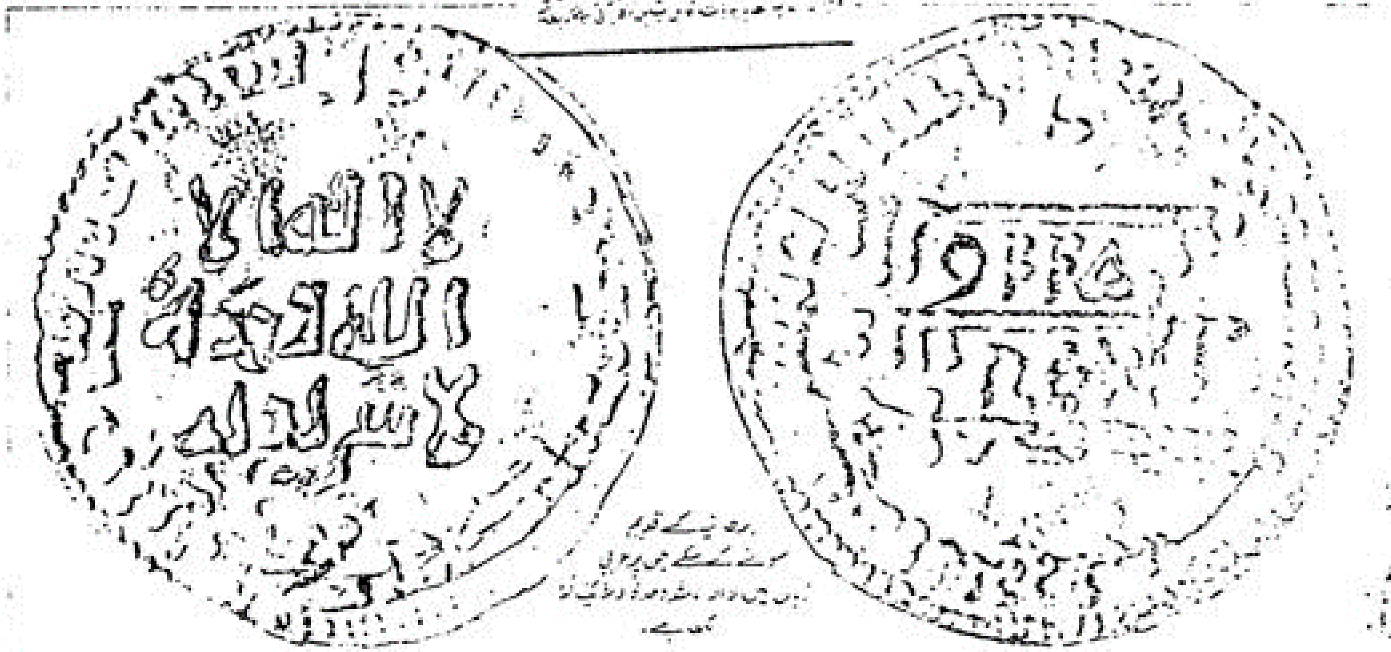
گیارھویں دلیل میں تقسیم کا استدلال و استخراج قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً بہتر دفعہ مختلف آیات میں لفظ قرآن کا ذکر ہے ایک آیت پاک میں ارشاد ہے "بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ" ترجمہ: بلکہ وہ قرآن مجید لوح محفوظ میں (لکھا) ہے اس آیت پاک سے قرآن مجید کا مجسم اور لفظی عبارت ہونا ثابت ہوا ہے یہ تحریر بحکم پروردگار ملائکہ نے لکھی یا خود قلم نے لکھی ملائکہ بھی حادث اور قلم بھی حادث۔ اسی لوح محفوظ والے قرآن مجید کی وجہ سے اس کو کتاب کا نام دیا گیا۔ اس آیت میں قرآن مجید کو مظروف اور لوح کو ظرف بنایا گیا۔ اور لوح بھی حادث حادث کا مظروف بھی حادث ہوتا ہے۔ اس لئے یہ فی لوح محفوظ والا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمی ازلی نہیں کیونکہ صفات باری تعالیٰ کسی بھی چیز کا مظروف نہیں ہو سکتا مظروف کے لئے تجسم ضروری اور صفات باری تعالیٰ ذات باری تعالیٰ کی طرح جسمانیت سے پاک ہے اس لئے کلام الٰہیٰ قرآن مجید جو کلام نفسی ہے وہ دیگر صفات باری کی طرح مجسم ہونے سے پاک ہیں جیسے کبریائی وغیرہ۔ اور جب اس آیت سے قرآن مجید کی ایک کیفیت صفت باری نہیں تو اس کی قسم بھی ممنوع ہوئی بارھویں دلیل: حدیث مبارکہ سے بھی اس مسئلے کی تائید ہو رہی ہے چنانچہ ابو داؤد شریف جلد دوم کتاب الحدود صہ ۲۵۴ پر ہے اور یہی حدیث پاک ابن ماجہ شریف "باب بما یستحلف اهل الکتاب صہ ۱۶۹ حدثنا علی بن محمد (الخ) عن عبد الله ابن مره عن البراء ابن عازب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ادعی رجلاً من علماء الیهود فقال انشدک داعی اقسمتک بالله الذی انزل التوراة علی موسیٰ "ترجمہ: حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ بے شک آقا کائنات حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی علماء میں سے ایک عالم کو پاس بلایا فرمایا کہ میں تجھ کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے نازل فرمائی تورات موسیٰ علیہ السلام پر کہ کیا تمہاری اس کتاب میں رجم زانی کا حکم ہے یا نہیں (الخ) اس حدیث پاک کی اشارۃ النص یہ ہے کہ قرآن کی قسم کھانا جائز نہیں اس لئے کہ جیسے کلام الٰہیٰ قرآن مجید ہے ایسے ہی کلام الٰہیٰ تورات ہے قرآن مجید بھی صفت باری تعالیٰ اور تورات بھی تو اگر اس قسم کی صفت الٰہیہ سے قسم کھانی جائز ہوتی تو آقا کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی دراز عبارت کہ میں تجھ کو اس اللہ کی قسم کھلواتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ آپ اس طرح فرمادیتے کہ تورات کی قسم کھا۔ عربی میں فرماتے "انشدک التوراة" ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ تیرھویں دلیل: خطیب مذکور کی پہلی دونوں دلیلیں تو ٹوٹ گئیں خطیب کی تیسری دلیل کہ لوگ دن رات کورٹ کچہریوں میں قرآن مجید کی قسم کھاتے ہیں یہ دلیل بھی نہایت لغو ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ عدالت یا کچہری میں قرآن مجید کی قسم نہیں کھاتے نہ کوئی جج قرآن کریم کی قسم کھلواتا ہے بلکہ اللہ کی قسم کو سخت اور مضبوط کرنے کی حالت میں خوف آخرت و عذاب اجاگر کرنے کے لئے قرآن مجید پر صرف ہاتھ لگوایا جاتا ہے یا فقط سر پر رکھوایا جاتا ہے۔ جس کی مثال ابھی اوپر یہودی کے استحلاف میں ظاہر ہوئی دوم یہ کہ ہماری یہ موجودہ عدالتیں احکام شریعت سے اکثر ناواقف ہیں ان کا کوئی عمل شریعت اسلامیہ کا مسئلہ یا مسلمانوں کے لئے مستند اور دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ فی زمانہ ہماری کچہریوں میں انگریزی قانون جاری ہیں جو انگریزوں کا بنایا ہوا ہے۔ اور انگریز تو خود اپنی بائیبل

کے مخالف قانون عمل اختیار کر رہے ہیں خود موجودہ انگریزوں کی کتاب بائبل میں غیر اللہ کی قسم کو گناہ بتایا گیا ہے۔ پرانا عہد نامہ کتاب پرسیاہ باب نمبر ۵ عبارت نمبر ۸ میں ہے۔ "تجھے کیونکر معاف کروں تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ثابت ہوا کہ ادیان سابقہ میں بھی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہ تھی نمبر ۳ خطیب مذکور نے کچہری کورٹ کی مثال غالباً فقہی متعارف کا ثبوت دینے کے لئے بیان کی ہے مگر یہ مزید نادانی ہے کیونکہ فقہاء کرام کے متعارف کا معنیٰ متعارف شرعی ہے نہ متعارف علاقائی ورنہ تو شریعت کھیل بن جائے گا اس لئے کہ رواج تو ہر قوم کا علیحدہ ہوتا ہے اور پھر ہر شخص اپنا علیحدہ علیحدہ تعارف بنا سکتا ہے۔

چودھویں دلیل: فتاویٰ تنویر الابصار مکمل مع شرح در مختار صہ ۲۹۴ پر ہے "فان الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف به فیمین ومالا فلا لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة "ترجمہ: اللہ تعا کے سوا کسی کی قسم کھانی جائز نہیں ہے مثلاً نبی کی قسم قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم یہ سب قسمیں ناجائز ہیں در مختار نے اس کی شرح میں عرف کی قید لگا دی۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں کہ "قال الکمال لا یخفی ان الحلف بالقرآن الان متعارف فیکون یمینا" ترجمہ: کمال نے کہا ہے کہ چونکہ قسم کا مدار تعارف پر ہے پہلے زمانوں میں قرآن کی قسم متعارف نہیں تھی اسلئے منع تھی مگر اب قرآن کی قسم بولنا متعارف ہے اس لئے یہ قسم صحیح قسم بن جائے گی در مختار کی یہ توجیح اگرچہ بہت کمزور اور غلط واحادیث کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے ارشادات نبوت سے ثابت کر دیا مگر فتاویٰ شامی نے در مختار کی اس عبارت کی شرح فرما کر ہمارے موقف اور نظریہ کی بالوضاحت تائید فرما دی چنانچہ فتاویٰ شامی جلد سوم صہ ۷۰ پر ہے "ای لا ینعقد القسم بغیره تعالیٰ ای غیر اسمائه و صفاته ولو بطریق الکنایة کمامر بل کرم کمافی القهستانی بل یخاف منه الکفر "(قال کمال۔ الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ فیکون من صفاته تعالیٰ (الخ) لن التعارف انما یعتبر فی الصفات المشترکة لا فی غیرها "ترجمہ: یعنی اللہ ناموں اور صفات خصوصیہ کے علاوہ کی قسم کھانا ہرگز درست اور جائز نہیں اگرچہ کنایہ طریقے سے ہو جیسا کہ پہلے گزرا بلکہ اللہ کے سوا کی قسم بولنا حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ قہستانی میں وضاحت سے لکھا ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم بولنے والا کافر ہو جائے۔ لیکن کمال نے جو متعارف ہونے کا ذکر کیا ہے وہ اس بات پر مبنی ہے کہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کا ازلی ابدی قدیم کلام مراد لیا جائے۔ (نہ کہ یہ موجودہ ہماری المباری والا قرآن) لھذا وہ ازلی قدیمی قرآن پاک چونکہ صفت الہیہ ہے اسلئے اس کی قسم جائز ہوگی اس لئے کہ تعارف صرف ان صفتوں میں ہوتا ہے جو مشترک ہیں نہ کہ خصوصی صفات میں۔ اور قرآن مجید غیر خصوصی مشترک صفت ہے اس لئے جب تک اس کو خصوصی صفت نہ بنایا جائے۔ تب تک قرآن کریم کی قسم کھانا جائز نہ ہوگا۔ آج ہمارے اس زمانے میں عوام تو درکنار خواص سے بھی پوچھ کر دیکھ لو کہ قرآن مجید کیا ہے تو وہ اسی کو قرآن مجید کہیں گے جس کو ہم پڑھاتے ہیں کلام قدیم کی طرف کسی کا ذہن تک نہیں جاتا۔ واللہ ورسولہ اعلم

صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری نعیمی۔ مفتی دار العلوم غوثیہ نعیمیہ

فہرست مضامین



آٹھویں صدی میں برطانیہ پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی

علامہ سید شبیر بخاری کے نو دریافت اسلامی سکے کے تاثرات